تحفۂ شیعہ
جلد دوم
تصنیفِ لطیف
علامہ پروفیسر محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ
ایم اے

تحفهٔ شیعه

ضروری گذارش

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ادارہ نوری کتب خانہ لاہور نے حتی الامکان آپ کی خدمت میں جو کتب پیش کیں ان میں جدید طرز طباعت اور معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اس میں ہم کس حد تک کامیاب رہے آپ ہمیں اس سے آگاہ فرمائیں۔

ہر کتاب کی پروف ریڈنگ بار ہا کئی علمائے دین سے کروائی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ہمیں نشاندہی کر کے ممنون فرمایئے تا کہ اس آئندہ ایڈیشن میں درست کیا جا سکے۔

خیر اندیش

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

ناظم نوری کتب خانہ لاہور

جلد دوم

تصنیفِ لطیف

علامہ پروفیسر محمد نور بخش توکلی ایم۔اے رحمۃ اللہ علیہ

عالمِ نبیل فاضلِ شہیر علامہ محمد منشاء تابش قصوری مدظلہ

صدر شعبۂ فارسی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ۔ لاہور

تدوین وتہذیب

علامہ محبوب احمد چشتی

مدرس، جامعہ نعیمیہ۔ لاہور

نوری کتب خانہ نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

اہتمام اشاعت

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

بار اول .... رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

با اہتمام .... دار الاشاعت۔ دار العلوم انجمن نعمانیہ۔ لاہور

بار دوم .... راجب المرجب ۱۴۲۵ھ۔ ستمبر 2004ء

ناشر .... نوری کتب خانہ۔ لاہور

طابع .... پنجاب پرنٹرز۔ لاہور

قیمت .... 550 روپے مکمل سیٹ

تقسیم کار

نوری کتب خانہ
معصوم شاہ روڈ بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
فون: 042-6366385

نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
فون: 042-7112917

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین۔ والصلٰوۃ والسلام علی سیدنا و مولٰینا محمد خاتم النبیین وعلٰی الہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ امابعد

فقیر توکلی گذارش پرداز ہے کہ تحفہ شیعہ حصہ اول میں براہین قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ شیعہ قرآن موجود مابین الدفتین کو کامل و سالم منزل من اللہ محفوظ عن التحریف نہیں مانتے اور نہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کو شائع ہوئے چار برس سے زیادہ ہو گئے۔ مگر اس کا جواب نہ دیکھنے میں آیا نہ سننے میں۔ اب متوکلا علی اللہ تحفہ کا دوسرا حصہ شروع کیا جاتا ہے۔ اس حصہ میں ثقل اصغر یعنی اہل بیت نبوی کا ذکر ہے۔ **واللّٰہ ھو الموفق والمعین**

سنی اور شیعہ ہر دو فریق کو تمسک بالعترت کا دعویٰ ہے لہٰذا ہم ذیل میں حدیث ثقلین کو فریقین کی کتابوں سے مختلف طریقوں سے نقل کرتے ہیں تاکہ اس کے مطلب و معنی کی تشریح اور حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔

(ا) **حدثنا نضر بن عبدالرحمٰن الکوفی نازید بن الحسن عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر بن عبداللّٰہ قال رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حجتہٖ یوم عرفۃ وھو علی ناقتہٖ القصواْ یخطب فسمعتہ یقول یاایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی۔** (ترمذی۔ مناقب اہل بیت النبی ﷺ)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حج میں عرفہ کے دن دیکھا اور آپ اپنے ناقہ قصواء پر سوار تھے۔ اور خطبہ پڑھ رہے تھے۔ پس میں نے آپ کو سنا کہ یوں ارشاد فرما رہے تھے۔ اے لوگو میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے۔ کہ اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ یعنی اللہ کی کتاب اور میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں۔ (انتھیٰ)

اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہاں عترت سے مراد اہل بیت نبوی ہیں۔ اہل بیت کی تشریح آئندہ آئے گی۔

(۲) حدثنا علی بن المنذر الکوفی نامحمد بن فضیل نا الاعمش عن عطیه عن ابی سعید والاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن زید بن ارقم قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر کتاب اللّٰہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظر واکیف تخلفونی فیهما هذا حدیث حسن غریب (ترمذی مناقب اہل بیت النبی ﷺ)

ترجمہ: " (بحذف اسناد) حضرت زید بن ارقم کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم اس کو پکڑے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان دو میں سے ایک دوسرے سے بزرگ ہے یعنی (چھوڑ چلا ہوں) اللہ کی کتاب کو جو آسمان سے زمین تک دراز کی ہوئی ایک رسی ہے اور اپنی عترت کو جو میرے اہل بیت ہیں۔ اور وہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر آئیں گے۔ پس تم سوچو کہ ان دونوں میں تم کس طرح میرے خلیفہ بنتے ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (انتھی)

قرآن و عترت کے ساتھ تمسک سے مراد ان کے حقوق کی رعایت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا حق یہ ہے۔ کہ اس کے اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے۔ اور عترت کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور ان کی توقیر و تعظیم چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ پس قول آنحضرت ﷺ ما ان تمسکتم به لن تضلوا محمول ست بر محبت اہل بیت و معنی لن یتفرقا آنست کہ تاوجوب عمل بر قرآن باقی ست وجوب محبت اہل بیت نیز باقی ست و در آخرت چنانکہ ثواب عمل بر قرآن خواہند یافت بر محبت اہل بیت نیز ثواب خواہند یافت و ہمیں ست عقیدہ اہل سنت احیانا اللہ تعالیٰ علی محبة اہل بیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم واماتنا علی ذلک بفضله ومنه (قرۃ العینین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۰۸)

ترجمہ: "پس آنحضرت ﷺ کا قول ما ان تمسکتم به لن تضلوا محمول ہے اہل بیت کی محبت پر۔ اور لن یتفرقا (دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔) کے معنے یہ ہیں۔ کہ جب تک قرآن پر عمل کا واجب ہونا باقی ہے اہل بیت کی محبت کا واجب ہونا بھی باقی ہے اور آخرت میں لوگ جس طرح قرآن پر عمل کرنے کا ثواب پائیں گے۔ اہل بیت کی محبت کا بھی ثواب پائیں گے۔ اور یہی عقیدہ ہے اہلسنّت کا۔ اللہ

تعالیٰ ہمیں نبی ﷺ کے اہل بیت اور اصحاب کی محبت پر زندہ رکھے اور اپنے فضل و احسان سے اسی پر ہمیں موت دے انتہے۔

ومعنى كون احدهما اعظم من الاخران القرآن اسوة للعترة وعليهم الاقتداء به وهم اولى الناس بالعمل بما فيه

(مجمع بحار الانوار مطبوعہ نو لکشور جلد ثالث ص ۱۰۳)

ترجمہ: "اور دونوں میں سے ایک کے دوسرے سے بزرگ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن عترت کے لئے پیشوا ہے اور ان پر اس کی پیروی کرنا واجب ہے اور وہ اس کے احکام پر عمل کرنے کے بہ نسبت دیگر لوگوں کے سزاوار تر ہیں (انتہے)

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں۔

الم اعمل فيكم بالثقل الاكبر واترک فيكم الثقل الاصغر

(نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جزء اول ص ۹۴)

ترجمہ: "کیا میں نے تمہارے درمیان ثقل اکبر پر عمل نہیں کیا اور ثقل اصغر کو تم میں نہیں چھوڑا۔ (انتہے)

اس قول کی شرح میں کمال الدین میثم بحرانی شیعی نے یوں لکھا ہے۔

والثقل الاكبر كتاب الله واشار بكونه اكبر الى انه الاصل المتبع المقتدى به۔

ترجمہ: "ثقل اکبر کتاب اللہ ہے۔ حضرت امیر نے اس کے اکبر ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن اصل ہے جس کی اتباع اور پیروی کرنی چاہیے۔" (انتہے)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کو رسی فرمایا۔ گویا کہ لوگ رزالت کے گڑھے میں گرے ہوئے اپنی شہوتوں میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو اس گڑھے سے نکالنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے آسمان سے قرآن کی رسی لٹکا دی ہے۔ جو اس رسی کو پکڑے گا نجات پائے گا۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اہل بصرہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وعليكم بكتاب الله فانه الحبل المتين والنور المبين والشفاء النافع والذى الناقع والعصمة للتمسک والنجاة للمتعلق (نہج البلاغہ۔ جزو اول ص ۱۶۲)

ترجمہ: "تم کتاب اللہ کو لازم پکڑو۔ کیونکہ وہ مضبوط رسی اور ظاہر نور اور شفائے نافع اور

پیاس بجھانے والی سیرابی اور تمسک کرنے والے کے لئے عصمت اور عامل کے لئے نجات ہے۔ (انتھی)

اس قول کی شرح میں میثم بحرانی شیعی یوں لکھتا ہے۔

ثم شرع فی الحث علی لزوم کتاب اللّٰہ با وصاف نبہ بھا علی فضیلتہ الاول کونہ الحبل المتین ولفظ الحبل مستعارلہ ووجہ المشابھۃ کونہ سببالنجاۃ المتمسک بہ من الھوی فی درکات الجحیم کالحبل فی نجاۃ المتمسک بہ ورشح بذکر المتانۃ۔

الثانی کونہ نورا مبینا ولفظ النور ایضًا استعارۃ لہ باعتبار الاھتداء بہ الی المقاصد الحقیقۃ فی سلوک سبیل اللّٰہ

الثالث کونہ الشفاء النافع ای من الم الجھل وکذالک الریّ الناقع ای للعطشان من ماء الحیٰوۃ الابدیۃ کالعلوم والکمالات الباقیۃ الرابع کونہ عصمۃ للمتمسک ونجاۃ للمتعلق ومعناہ کالذی سبق فی کونہ حبلاً۔

ترجمہ: "پھر حضرت امیر نے کتاب اللہ کے لازم پکڑنے پر ترغیب دینی شروع کی اور قرآن کے اوصاف بیان کئے۔ جن سے اس کی فضیلت پر اگاہ کیا۔

پہلا وصف قرآن کا مضبوط رسی ہونا ہے۔ لفظ حبل (رسی) استعارہ ہے قرآن کے لئے اور مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن تمسک کرنے والے کے لئے منازل دوزخ میں گرنے سے نجات کا سبب ہے۔ جیسا کہ رسی پکڑنے والے کے لئے نجات کا سبب ہوتی ہے۔ اور متانت کا ذکر ترشیح ہے۔

دوسرا وصف قرآن کا نور مبین ہونا ہے۔ لفظ نور بھی قرآن کے لئے استعارہ ہے۔ کیونکہ وہ راہ خدا پر چلنے میں حقیقی مقاصد کی طرف رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

تیسرا وصف قرآن کا شفائے نافع ہونا ہے یعنی جہالت کی بیماری سے شفا ہے۔ اسی طرح قرآن پیاس بجھانے والی سیرابی ہے یعنی پیاسے کے لئے حیات ابدی کا پانی ہے۔ مثل علوم اور کمالات باقیہ کے۔

چوتھا وصف قرآن کا تمسک کرنے والے کے لئے بچاؤ اور عامل کے لئے نجات ہونا ہے۔ اس کے معنے ایسے ہی ہیں۔ جیسا کہ پہلے وصف حبل میں مذکور ہوئے۔ (انتھی)

(۴) حدثنی زهير بن حرب و شجاع بن مخلد جميعًا عن ابن علية قال زهير حدثنا اسمعيل بن ابراهيم حدثنی ابو حيان حدثنی يزيد بن حيان قال انطلقت انا وحصين بن سبره وعمر بن مسلم الى زيد بن ارقم فلما جلسنا اليه قال له حصين لقد لقيت يازيد خيرا كثيرا رايت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم وسعمت حديثه وغزوت معه وصليت خلفه لقد لقيت يازيد خيرا كثيرا حدثنا يا زيد ما سمعت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال يا ابن اخی واللّٰه لقد كبرت سنی وقدم عهدی ونسيت بعض الذی كنت اعی من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فما حدثتكم فاقبلوه وما لا فلا تكلفونيه ثم قال قام رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يومًا فينا خطيبًا بماء يدعی خمًا بين مكة والمدينة فحمد اللّٰه واثنی عليه ووعظ وذكرثم قال اما بعد الا ايها الناس فانما انا بشر يوشك ان ياتينی رسول ربی فاجيب وانا تارك فيكم ثقلين اولهما كتاب اللّٰه فيه الهدی والنور فخذوا بكتاب اللّٰه واستمسكوا به فحث علی كتاب اللّٰه ورغب فيه ثم قال واهل بيتی اذكركم اللّٰه فی اهل بيتی فقال له حصين و من اهل بيته يازيد اليس نساؤه من اهل بيته قال نساؤه من اهل بيته ولكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده قال ومن هم قال هم اٰل علی۔ واٰل عقيل۔ واٰل جعفر۔ واٰل عباس۔ قال كل هٰؤلاء حرم الصدقة قال نعم۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل)

ترجمہ: ”(بحذف اسناد) یزید بن حبان کا بیان ہے کہ میں اور حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم زید بن ارقم کے پاس گئے۔ پس جب ہم اس کے پاس بیٹھ گئے تو حصین نے کہا کہ اے زید بیشک تو نے بہت نیکی حاصل کی ہے تو نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ اور آپ کی حدیث سنی ہے اور آپ کے ہمراہ غزاوت میں شریک ہوئے ہیں۔ اور آپ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔

اے زید بے شک تو نے بہت نیکی حاصل کی ہے اے زید تو ہم سے بیان کر جو کچھ تو نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے زید نے کہا اے بھائی کے بیٹے۔ اللہ کی قسم بے شک میری عمر

بڑی ہو گئی ہے اور مجھے اسلام لائے بڑا عرصہ گذر گیا ہے۔ اور میں بھول گیا کچھ حصہ اس کا جو مجھے رسول اللہ ﷺ سے یاد تھا۔ اس لئے جو کچھ میں تم سے بیان کروں اسے تسلیم کر لو۔ اور جو بیان نہ کروں اس کی مجھے تکلیف نہ دو۔ پھر زید نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ہم میں خطبہ پڑھتے ہوئے ایک پانی کے پاس کھڑے ہوئے جسے خم کہتے ہیں وہ مکہ اور مدینے کے درمیان ہے پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور وعظ و تذکیر فرمائی۔ پھر فرمایا حمد و ثنا کے بعد اے لوگو آگاہ ہو جاؤ میں نہیں ہوں مگر انسان۔ قریب ہے کہ میرے پاس میرے خدا کا بھیجا ہوا۔ (ملک الموت) آئے۔ پس میں امر الٰہی کو قبول کروں۔ اور میں تم میں دو نفیس چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ جن میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے پس تم اللہ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوط پکڑو۔ پس آپ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے پر برانگیختہ کیا۔ اور اس میں ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا کہ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔ پس حصین نے زید سے پوچھا اے زید حضرت کے اہل بیت کون ہیں کیا آپ ﷺ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے نہیں زید نے کہا۔ حضرت کی ازواج آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں۔ جو۔ آپ کے بعد صدقہ سے محروم کئے گئے۔ اس کے بعد حصین نے کہا وہ کون ہیں؟ زید نے جواب دیا۔ وہ آل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آل عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آل جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آل عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ کہا کیا وہ سب صدقہ سے محروم کئے گئے زید نے جواب دیا ہاں۔ (انتہی)

مسلم کی دوسری روایت میں اولھما کتاب اللہ الخ کی جگہ قرآن کی مدح یوں وارد ہے۔

كتاب الله هو حبل الله من اتبعه كان على الهدى ومن تركه كان على الضلالة

ترجمہ: "یعنی قرآن اللہ کی رسی ہے جو اس کی پیروی کرے گا وہ ہدایت پر ہے۔ اور جو اسے چھوڑے گا۔ وہ گمراہی پر ہے۔ (انتہی)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہدایت استمساک قرآن کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس میں ہدایت و نور ہے۔ معہذا اہل بیت کی توقیر و تعظیم و محبت اور ان کے حقوق کی رعایت کی بھی بڑی تاکید ہے۔ حضرت زید بن ارقم نے تصریح فرما دی۔ کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں بالمعنی الاعم داخل ہیں۔ مگر حدیث

ثقلین میں لفظ اہل بیت بالمعنی الاخص مستعمل ہوا ہے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یعنی ان نساءه من اهل مسکنه ولسن المراد وانما اهل بیته اهله وعصبته الذین حرموا الصدقة بعده ای الذین منعتهم خلفاء بنی امیة صدقة التی خصه اللّٰه سبحانه بها وکانت تفرق علیهم فی ایامه وایام الخلفاء الاربعة لقوله بعده وزید کان عاش حتی ادرک ذلک لانه توفی سنة ثمان وستین

(شرح صحیح مسلم المسمی باکمال اکمال المعلم للامام ابی عبداللہ محمد بن خلیفۃ الوشتانی الابی المالکی ۔ مطبوعہ مصر۔ جزء سادس ص ۲۲۶)

ترجمہ: "حضرت کی ازواج آپ کے اہل بیت سکونت سے ہیں اور وہ مراد نہیں۔ آپ کے اہل بیت تو آپ کے اہل و آپ کے عصبہ ہیں۔ جو آپ کے بعد صدقہ سے محروم کئے گئے۔ یعنی وہ لوگ جن کو خلفائے بنو امیہ نے حضرت کا وہ صدقہ نہ دیا۔ جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے آپ کو خاص کیا تھا اور جو آپ کے عہد مبارک اور خلفائے اربعہ کے عہد مبارک میں ان پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ لفظ بعدہ (حضرت کے بعد) سے ظاہر ہے اور حضرت زید زندہ رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ دیکھ لیا۔ کیونکہ انہوں نے ۶۸ھ اڑسٹھ ہجری میں وفات پائی۔ (انتھی)

حضرت زید کی تفسیر اہل بیت کی نسبت علامہ شہاب خفاجی یوں لکھتے ہیں۔

وهو الذی فهم عنه صلی اللّٰه علیه وسلم هنالانه علم بالوحی ما یکون بعده فی امر الخلافة والفتن فلذا خصهم وحرض علی رعایتهم کما اقتضاه المقام (نسیم الریاض۔ جزء ثالث)

ترجمہ: "اور یہی معنی وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھے گئے کیونکہ حضرت کو بذریعہ وحی معلوم تھا۔ جو کچھ معاملہ خلافت میں آپ کے بعد ہونے کو تھا۔ اور جو فتنے برپا ہونے والے تھے۔ اس واسطے ان کو خاص کیا۔ اور ان کی رعایت پر ترغیب دی۔ جیسا کہ مقتضائے مقام تھا۔ (انتھی)

۴۔ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ ایک مجمع میں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں۔ اپنے والد کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انشدکم باللّٰه اتعلمون ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال فی حجة

الوداع ایها الناس انی قد ترکت فیکم مالم تضلوا بعده کتاب الله وعترتی اهل بیتی فاحلوا حلاله وحرموا حرامه واعملوا بمحکمه وامنوا بمتشابهه وقولوا امنا بما انزل الله من الکتاب واحبوا اهل بیتی وعترتی ووالوامن والاهم وانصروا علی من عاداهم وانهما لن یزالا فیکم حتی یردا علی الحوض یوم القیامة ثم دعا وهو علی المنبر علیا فاجتذبه بیده فقال اللهم وال من والاه وعاد من عاداه اللهم من عادی علیا فلا تجعل له فی الارض مقعدا ولا فی السماء مصعدا واجعله فی اسفل درک من النار۔

(کتاب الاحتجاج للطبرسی۔ مطبوعہ ایران ۱۳۲۰ھ ص ۳۹)

ترجمہ: "میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع میں فرمایا۔ اے لوگو میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ یعنی کتاب اللہ اور میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں۔ پس تم قرآن کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو اور اس کے محکم پر عمل کرو۔ اور اس کے متشابہ پر ایمان لاؤ۔ اور کہو کہ ہم ایمان لائے کتاب پر جو اللہ نے اتاری اور تم میرے اہل بیت اور میری عترت سے محبت رکھو۔ اور دوست رکھو اس کو جو ان کو دوست رکھے۔ اور ان کو ان کے دشمنوں کے برخلاف مدد دو۔ اور قرآن و عترت تم میں ہمیشہ رہیں گے یہاں تک کہ دونوں قیامت کے دن حوض پر میرے پاس آئیں گے۔ پھر حضرت نے جبکہ آپ منبر پر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اسے اپنے دست مبارک سے کھینچا پس یوں فرمایا۔ اے اللہ دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے۔ اور دشمنی کر اس سے جو اس سے دشمنی کرے۔ اے اللہ جو علی سے دشمنی کرے اس کا زمین و آسمان میں ٹھکانا نہ بنا۔ اور اسے دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ڈال۔ (انتھی)

اس روایت سے حدیث ثقلین کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے اوامر و نواہی پر عمل کرو۔ اور اہل بیت سے محبت رکھو۔

(۵) شیخ مفید بسند معتبر از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب و عباس و فضل بن عباس بر حضرت رسول داخل شدند در مرضے کہ در آن از دنیا مفارقت نمود و گفتند یارسول اللہ ﷺ مردان وزنان انصار در مسجد حاضر شدہ اند وہمہ برتو میگریند حضرت فرمود

کہ چرامے گریند گفتند کہ مے ترسند کہ تو دریں مرض ازیشان مفارقت نمائی۔ حضرت فرمود کہ دست مرابگیرید۔ پس بیرون آمد و چادرے برخود پوشیدہ بود۔ و عصابہ بر سر بستہ بود۔ پس بر منبر نشست و حمد و ثنائے حق تعالیٰ ادا کرد۔ وفرمود۔ امابعد ایھا الناس چہ انکار میکنید مردن پیغمبر خودرامن مکرر خبر مرگ خود رابشما دادم۔ و خبر مرگ شمارا بہ شما گفتم اگر پیش از من پیغمبرے ہمیشہ دردنیا میماند ہر آئینہ من ہمیشہ درمیان شما میماندم بدانید کہ من میروم بسوئے پروردگار خود و درمیان شماچیزے میگذ ارم کہ اگر بآن متمسک شوید ہرگز گمراہ نمے شوید وآن کتاب خداست کہ درمیان شماست و در ہر صبح و شام تلاوت میکنید پس رغبت منمائید در دنیا و حسد مبرید بریکدیگر و دشمنی مکنید باہم و برادران باشید چنانچہ خدا شمارا امر فرمودہ است و بہ تحقیق کہ اہل بیت وعترت خود را درمیان شما میگزارم و شمارا وصیت میکنم بایشان۔ پس وصیت میکنم شمارا بانصار زیراکہ دانستید حقہائے ایشاں سعیہائے ایشانرانزد خدا و نزد رسول و نزد مومنان۔ توسعہ دادند برائے شما درخانہ ہائے خود و نصف میوہائے خود را بشما بخشیدند و اختیار کردند شمارا برخود ہرچند کہ خود محتاج بودند۔ پس کسے کہ والئی امرے شود درمیان مسلمانان باید کہ نیکو کار انصار رابنواز دواز بدکردار ایشان عفو نماید۔ واین آخر مجلسے بود کہ حضرت بر منبر نشست تاآنکہ حق تعالیٰ را ملاقات کرد۔

(حیات القلوب۔ ملا باقر مجلسی مطبوعہ نو لکشور جزء ثانی ص ۸۴۹)

ترجمہ: "شیخ مفید نے بسند معتبر عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ علی بن ابی طالب اور عباس و فضل بن عباس حضرت رسول کی خدمت میں اس بیماری میں حاضر ہوئے جس میں آپ نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول انصار کے مرد اور عورتیں مسجد میں حاضر ہوئے ہیں اور سب آپ پر روتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ کس لئے روتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ وہ ڈرتے ہیں کہ اس بیماری میں آپ ان سے جدا ہو جائیں گے ۔ حضرت نے فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑو۔ پس آپ باہر آئے۔ اور آپ چادر اوڑھے اور سر پر عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ پس آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا۔ اما بعد ایھا الناس اے لوگو تم اپنے پیغمبر کے مرنے کا کیا انکار کرتے ہو۔ میں نے کئی بار اپنے مرنے کی خبر تم کو دی ہے۔ اور تمہارے مرنے کی خبر تم کو دی ہے۔ اگر مجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ہمیشہ دنیا میں رہا ہوتا تو بیشک میں ہمیشہ تمہارے درمیان رہتا۔ جان لو کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں اور تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں اگر تم اس سے

تمسک کرو گے۔ تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ چیز خدا کی کتاب ہے جو تمہارے درمیان ہے اور جس کی ہر صبح و شام تم تلاوت کرتے ہو۔ پس تم دنیا میں رغبت نہ کرو۔ اور ایک دوسرے پر حسد اور باہم دشمنی نہ کرو اور بھائی بن کر رہو۔ جیسا کہ خدا نے تم کو حکم دیا ہے۔ اور تحقیق میں تمہارے درمیان اپنے اہل بیت و عترت کو چھوڑ چلا ہوں اور ان کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں پس میں تم کو انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ تم نے ان کے حقوق کو اور خدا اور رسول اور مومنوں کے نزدیک ان کی کوششوں کو پہچانا انہوں نے تم کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ اور اپنے میووں کا آدھا حصہ تم کو دے دیا۔ اور تم کو اگرچہ وہ خود محتاج تھے اپنے اوپر ترجیح دی۔ پس جو شخص مسلمانوں کے درمیان حاکم ہو اسے چاہیے۔ کہ انصار میں سے نیکو کار کی عزت افزائی کرے اور بدکار کو معاف کردے یہ اخیر مجلس تھی کہ حضرت منبر پر رونق افرز ہوئے یہاں تک کہ آپ نے حق تعالیٰ سے ملاقات کی۔ (انتہی)

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچنے کے لئے قرآن سے استمساک کرنا چاہیے اور اہل بیت کی تعظیم اور ان کے حقوق کی رعایت کرنی چاہیے۔ اور انصار کے حقوق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۶) شیخ مفید بسند معتبر از ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ آخر خطبہ کہ حضرت رسول خدا برائے ماخواند خطبۂ بود کہ در مرض آخر خود خواند واز خانہ بیرون آمد تکیہ کردہ بر حضرت امیر المومنین و بر میمونہ آزاد کردہ خود پس بر منبر نشست و گفت ایھا الناس بدرستیکہ درمیان شما میگزارم دو چیز بزرگ و ساکت شد پس مردے برخاست و گفت یارسول اللہ این دو چیز کہ گفتی کدام اند۔ پس حضرت در غضب شد تارنگ مبارکش سرخ شد و فرمود کہ من نگفتم آنرا مگر آنکہ مے خواستم تفسیر آن بکنم و لیکن از ضعف بیماری نفسم تنگ شد پس فرمود کہ یکے از آنہا قرآن است کہ ریسمانے ست آویختہ از آسمان بزمین۔ یک طرفش بدست خداست ویک طرفش بدست شما۔ ودیگرے اہل بیت من اند پس فرمود کہ بخدا سوگند کہ این سخن را بشما میگویم و میدانم کہ مردانے چند ہستند کہ ہنوز در پشتہا ئے اہل شرک اندوبدنیا نیامدہ اند۔ وامید از ایشاں زیادہ از اکثر شاوارم پس فرمود کہ بخدا سوگند کہ دوست نمیدارد اہل بیت مرابندۂ مگر آنکہ حق تعالیٰ عطا میکند باونورے در روز قیامت تاآنکہ در حوض کوثر برمن وارد شود ودشمن نمیدارد۔ ایشا نرابندۂ مگر آنکہ حق رحمت خود راازو محجوب میگرداند در روز قیامت راوی گفت کہ من این حدیث را بخدمت امام محمد باقر عرض کردم و حضرت تصدیق آن فرمود۔ (حیات القلوب۔

جلد ثانی ص ۸۵۰)

ترجمہ: "شیخ مفید نے معتبر سند کے ساتھ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آخر خطبہ جو حضرت رسول خدا نے ہمارے واسطے پڑھا۔ وہ خطبہ تھا جو آپ نے اپنی اخیر بیماری میں پڑھا۔ اور آپ دولت خانہ سے حضرت امیر المومنین اور اپنے آزاد کئے ہوئے غلام میمونہ پر سہارا لئے نکلے۔ پس آپ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور فرمایا اے لوگو! تحقیق میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑتا ہوں اور آپ خاموش ہو گئے۔ پس ایک شخص نے اٹھ کر عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ یہ دو چیزیں جو آپ نے فرمائیں کونسی ہیں۔ پس حضرت غصہ میں آگئے۔ یہاں تک کہ آپ کا رنگ مبارک سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا میں یہ کہہ کر چاہتا تھا۔ کہ اس کی تفسیر کروں مگر بیماری کی کمزوری سے میرا سانس رک گیا۔ پھر فرمایا کہ ان دو میں سے ایک قرآن ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ایک رسی ہے اس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پس فرمایا کہ خدا کی قسم میں یہ بات تم سے کہتا ہوں اور جانتا ہوں کہ چند شخص ہیں جو ابھی مشرکوں کی پشت میں ہیں اور دنیا میں نہیں آئے ہیں میں تم میں سے اکثر کی نسبت ان سے زیادہ امید رکھتا ہوں۔ پس فرمایا کہ خدا کی قسم کوئی بندہ میرے اہل بیت کو دوست نہیں رکھتا۔ مگر یہ کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ایک نور عطا کرے گا یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس آئے گا۔ اور کوئی بندہ میرے اہل بیت کو دشمن نہیں رکھتا مگر یہ کہ خدائے تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنی رحمت کو روک لے گا راوی کا بیان ہے کہ میں نے یہ حدیث حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ پر پیش کی اور حضرت امام نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (انتہی)

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ ہدایت تمسک قرآن کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ روایات مذکورہ بالا میں سے پہلی تین روایتوں سے جو کتب اہل سنت وجماعت سے ماخوذ ہیں یہ امر ظاہر ہے۔ کہ حدیث ثقلین میں تمسک بالعترت سے مراد اہل بیت کی محبت و احترام اور ان کے حقوق کی رعایت ہے۔ اور بنابر تفسیر حضرت زید بن ارقم اہل بیت سے مراد آل علی وغیرہ ہیں۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضور رسول اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم تھا۔ کہ حضرت خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد بعض ملوک بنو امیہ ان کے حقوق کی رعایت نہ کریں گے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے قرب وصال میں متعدد دفعہ ان کے بارے میں وصیت فرمائی۔ شیعہ کے ہاں بھی حدیث ثقلین میں جہاں تمسک

بالعترت کا ذکر ہے۔ وہاں اس سے مراد و جوب محبت و توقیر اور رعایت حقوق ہے۔ جیسا کہ آخیر کی تینوں روایتیں صراحتہ دلالت کر رہی ہیں۔ شیعوں کے سلطان العلماء مولوی سید محمد مجتہد بن مولوی سید دلدار علی مجتہد کہتے ہیں کہ ظاہر حدیث تمسک میں قرآن و عترت کی مساوات ہے پس تمسک بالعترت سے مراد عترت کے اوامر و نواہی کا امتثال ہے جیسا کہ تمسک بالقرآن سے مراد قرآن کے اوامر و نواہی کا اتباع ہے۔
مجتہد موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کتاب خدا کافی ہوتی تو جناب رسالت مآب نے کس لئے اس کو اہل بیت سے مقرون فرمایا۔ اور یوں ارشاد ہوا۔ کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر وارد ہوں گے حاصل کلام یہ کہ کتاب اہل بیت کے ساتھ کافی ہو سکتی ہے۔ نہ کہ تنہا (طعن الرماح ص ۱۷۸، ۲۱۰) جواب میں گذارش ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تمسک بالثقلین سے مراد ہر دو کے حقوق کی رعایت ہے چنانچہ حق قرآن یہ ہے کہ اس کے اوامر و نواہی کا امتثال کیا جائے۔ اور حق اہل بیت یہ ہے کہ ان کا احترام کیا جائے۔ اور ان کے حقوق ملحوظ رکھے جائیں تمسک بالعترت کے جو معنی مجتہد صاحب نے بیان کئے ہیں وہ درست نہیں کیونکہ روایت نمبر ۴ میں صراحت ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ قرآن کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔ اور اہل بیت سے محبت رکھو روایت نمبر ۵ میں حضور اقدس ﷺ نے پہلے قرآن کی نسبت فرمایا کہ جب تک تم اس کے ساتھ تمسک کرو گے۔ گمراہ نہ ہو گے۔ بعد ازاں حضور نے اہل بیت کے بارے میں وصیت فرمائی۔

پھر انصار کے حقوق جتا کر ان کے بارے میں وصیت فرمائی۔ اسی طرح روایت (۶) جو مصدقہ امام محمد باقر ہے۔ حضور پر نور نے ہدایت کے لئے قرآن کے متمسک بہ ہونے کو یوں بیان فرمایا کہ وہ ایک رسی ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا بندوں کے ہاتھ میں ہے بعد ازاں اہل بیت کی محبت کی ترغیب دلائی۔ پس حدیث ثقلین میں تمسک بالعترت کے معنی اتباع اوامر و نواہی عترت بتانا خلاف ارشاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اس حدیث میں عترت کو قرآن کے ساتھ مقرون اس لئے نہیں کیا کہ قرآن کی طرح مستقل طور پر عترت کے اقوال و افعال کا بھی امتثال کرنا چاہیے خواہ وہ مخالف قرآن ہوں۔ بلکہ اس اقتران کا راز [1] قُلْ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (شوریٰ ع ۳) (تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس کے بدلے کچھ مگر دوستی ناطے میں) کا مقتضا ہے۔ کیونکہ تبلیغ و انعام قرآن کا شکر محبت اہل بیت بتایا گیا ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں قرآن کی نسبت وصیت فرمائی وہاں ساتھ ہی محبت اہل بیت کی ترغیب دلائی۔ قرآن و عترت کے باہم جدا نہ ہونے کا پہلے بیان ہو چکا ہے۔
مجتہد صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عترت قرآن کا متمم ہے یعنی عترت کے بغیر قرآن ناتمام ہے بالفاظ

دیگر قرآن تنہا ناقص و ناکافی ہے۔ مگر یہ مجتہد صاحب کی سمجھ کا قصور ہے۔ کیونکہ حضرت مولٰی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں۔

واعلموا انہ لیس علی احد بعد القرآن من فاقۃ

یعنی جان لو کہ قرآن کے بعد کسی کو کوئی حاجت نہیں۔ میثم بحرانی شیعی اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ لوگوں کے لئے قرآن کے نزول اور اس کے بیان واضح کے بعد ان کے معاش و معاد کی اصلاح میں کسی حکم کے بیان کی حاجت نہیں۔ (دیکھو تحفہ شیعہ حصہ اول ص ۱۲۵)

بلکہ خود قرآن مجید میں ہے کہ یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے روشن دلیل ہے۔ وہ ہر چیز کی تفصیل ہے وہ لوگوں کے لئے کافی ہے اس میں ہر چیز کا بلیغ بیان ہے۔ (تحفہ شیعہ حصہ اول ص ۱۵۶)

ان تمام دلائل سے قطع نظر اگر مجتہد صاحب کے قول کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تمسک بالعترت سے مراد عترت کے اقوال و افعال کا امتثال ہے تو ہم گذارش کریں گے کہ احادیث ائمہ میں اختلاف و تباین کا وہ طوفان برپا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس کے مقابلہ میں اس کی ضد موجود نہ ہو اور احادیث کی صحت و عدم صحت کا معیار قرآن کریم ہے۔ یعنی جو حدیث قرآن کے موافق ہو وہ صحیح اور جو خلاف ہو وہ غلط ہے۔ مگر حسب عقیدہ شیعہ قرآن اصلی امام غائب کے پاس ہے اور جو قرآن موجود ہے وہ محرف اور ناقابل حجت ہے۔ اب حدیث کی صحت کس طرح معلوم کی جائے۔ جب صحت و عدم صحت معلوم نہ ہوئی تو اس پر عمل کس طرح کیا جائے۔ یہ نفیس بحث تحفہ شیعہ حصہ اول میں موجود ہے جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

اہل سنت وجماعت تمام اہل بیت کی توقیر و تعظیم کو واجب سمجھتے ہیں اور ان کی کتب احادیث میں اہل بیت کے مناقب و فضائل کے لئے علیحدہ باب باندھے گئے ہیں اور وہ اہل بیت کی تشریح یوں کرتے ہیں

بیت ست بیت نسب و بیت سکنی و بیت (۳) ولادت۔

پس بنو ہاشم اولاد عبد المطلب اہل بیت پیغمبر اند ﷺ از جہت نسب و اولاد جد قریب را بیت مے خوانند و میگویند خانہ فلانے بزرگ ست و ازواج مطہرہ آنحضرت ﷺ اہل بیت سکنے اند و اطلاق اہل بیت برزنان مرد اخص و اعرف ست بحسب عرف و عادت و اولاد شریف آنحضرت اہل بیت ولادت اند۔

(اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوۃ۔ جلد رابع ص ۲۹۲)۔

ترجمہ: بیت تین ہیں بیت نسب اور بیت سکونت اور بیت ولادت۔ پس بنو ہاشم اولاد عبد

المطلب نسب کی جہت سے اہل بیت پیغمبر ہیں ﷺ۔ اور جد قریب کی اولاد کو بیت کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں فلاں شخص کا گھر بزرگ ہے اور آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اہل بیت سکونت ہیں۔ اور اہل بیت کا اطلاق مرد کو عورتوں پر بحسب عرف و عادت اخص و اعرف ہے۔ اور حضرت کی اولاد شریف اہل بیت ولادت ہیں۔ (انتہی)

مگر شیعہ بارہ اماموں اور دو ایک عورتوں کے سوا باقی کے اہل بیت ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اور ان کو برا کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں حالانکہ حسب لغت و عرف و قرآن وہ ضرور اہل بیت ہیں لفظ اہل بیت دو کلموں سے مرکب ہے اہل اور بیت اہل کے معنی کسان و کسان سرائے کے ہیں۔ جیسا کہ صراح میں ہے اور بیت کے معنی گھر کے ہیں۔ پس اہل بیت کے معنی گھر کے لوگ ہیں اور گھر کے لوگوں میں ازواج قطعاً داخل ہیں یہی قرآن کریم کا فیصلہ ہے دیکھو آیات ذیل:

قَالُوْا لا تَخَفْ اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ○ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ○ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰی ءَاَلِدُ وانا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ○ قَالُوْا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ○ (ہود۔ ع ۷)

ترجمہ: "وہ (فرشتے) بولے ابراہیم سے آپ نہ ڈریئے۔ تحقیق ہم تو قوم لوط کی طرف پہنچ گئے ہیں۔ اور آپ کی بی بی سارہ کھڑی تھی پس وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی وہ کہنے لگی ہائے میری خرابی۔ کیا میری اولاد ہو گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتے بولے کیا تو خدا کے امر سے تعجب کرتی ہے اے اہل بیت نبی تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں بے شک وہ ستودہ بزرگ ہے۔"

ان آیتوں میں فرشتوں نے حضرت سارہ کو بیٹا اور پوتا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے حضرت سارہ اس پر تعجب کرتی ہیں۔ فرشتے حضرت سارہ کو لفظ اہل بیت سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جائے تعجب نہیں تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

تفسیر صافی میں آیہ اخیر کے تحت میں ہے۔ یعنی

ان هذه وامثالها ممايكرمكم الله به يا اهل بيت النبوة فليس هٰذا مكان

تعجب۔

ترجمہ: "یعنی اے اہل بیت نبوت یہ اور اس کی مثل اور برکتیں اللہ تعالیٰ تم کو عطا کرے گا۔ پس یہ تعجب کا مقام نہیں۔ (انتہیٰ)

تفسیر صافی کی عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت سارہ اہل بیت ابراہیم ہے۔ کیونکہ تعجب کرنے والی وہی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔

ویعنی باھل البیت اھل بیت ابراھیم وانما جعلت سارة من اھل بیته لانھا کانت ابنة عمه ولا دلالة فی الایة علی ان زوجة الرجل من اھل بیته۔

ترجمہ: "اہل بیت سے مراد اہل بیت ابراہیم ہیں اور سارہ حضرت ابراہیم کے اہل بیت میں شمار کی گئی کیونکہ وہ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی تھی۔ اور اس آیت میں اس امر پر دلالت نہیں کہ مرد کی زوجہ اس کے اہل بیت سے ہے۔ (انتہیٰ)

آیات مذکورہ بالا میں صاف مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم اور فرشتوں میں گفتگو ہو رہی تھی تو زوجۂ ابراہیم وہیں کھڑی تھیں جس کو فرشتوں نے بیٹا اور پوتا پیدا ہونے کی بشارت دی۔ وہی زوجۂ ابراہیم علیہا السلام اس بشارت پر تعجب کرتی ہے اس تعجب کے دور کرنے کے لئے فرشتے اسی زوجہ ابراہیم سے بلفظ اہل بیت خطاب کر رہے ہیں۔

باایں ہمہ شیعہ کے علامہ طبری کا یہ کہنا کہ حضرت سارہ کو اہل بیت اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی تھی محض تعصب بے بنیاد ہے۔ قرآن مجید میں کسی جگہ حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی نہیں کہا گیا۔ کتب شیعہ میں بھی ایسا نہیں بلکہ اسے حضرت ابراہیم کی خالہ کی بیٹی لکھا ہے۔

چنانچہ تفسیر صافی میں وامرأته قائمة کے تحت میں یوں لکھا ہے۔

وھی سارة ابنة لاحج وھی ابنة خالته۔

ترجمہ: "یعنی وہ سارہ بیٹی لاحج کی ہیں اور وہ حضرت ابراہیم کی خالہ کی بیٹی ہے۔ (انتہیٰ)

اسی طرح ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں۔ وشیخ علی بن ابراہیم ذکر کردہ است کہ چون نمرود ابراہیم را در آتش انداخت حق تعالیٰ بقدرت کاملہ خود براو سرد گردانید نمرود از ابراہیم خائف شد و گفت اے ابراہیم از بلاد من بیرون رو وبامن دریک دیار مباش و ابراہیم سارہ را بنکاح خود آوردہ بود۔ واو دختر خالہ ابراہیم بود۔

و ایمان با ابراہیم او روہ بود۔

(حیات القلوب نو لکشوری جلد اول ص ۱۷۷)

طرفہ یہ کہ شیعہ چچا اور چچا کی اولاد کو بھی اہل بیت میں داخل نہیں سمجھتے۔ اسی واسطے حضرت عباس اور اولاد عباس کو اہل بیت نبی میں شمار نہیں کرتے۔ اور سنئے شیعہ کے رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں۔

احمد بن محمد ابن محبوب عن جميل عن ابی عبيده الحذا عن ابی جعفر عليه السلام قال مر امير المؤمنين عليه السلام بقوم فسلم عليهم فقالوا عليک السلام ورحمة الله وبركاته ومغفرته ورضوانه فقال لهم امير المومنين عليه السلام لا تجاوزوا بنا مثل ماقالت الملائكة لا بينا ابراهيم عليه السلام انما قالوا رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت

(اصول کافی نو لکشوری۔ باب التسلیم ص ٦٧٧)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام محمد باقرؑ کا بیان ہے کہ امیرالمومنینؑ کا گزر ایک جماعت پر ہوا۔ آپ نے ان پر سلام کہا۔ انہوں نے جواب میں کہا علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ ورضوانہ اس پر حضرت امیر علیہم السلام نے فرمایا کہ مجھے اس سے نہ بڑھاؤ۔ جو فرشتوں نے ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا۔ انہوں نے صرف یہ کہا تھا۔ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت۔ (انتہے)

جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے اور جس پر ہمارا ایمان ہے اس میں تو یہ خطاب حضرت سارہؑ سے ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو رہا وہ قرآن موہوم جسے شیعہ امام غائب کے پاس غار سامرہ میں بتاتے ہیں اور جس پر ان کا ایمان ہے اس میں وہ جانیں کس طرح ہے۔

شیعوں کے سرآمد محدثین ملا خلیل اس حدیث کی شرح میں یوں لکھتے ہیں۔

مخفی نماند کہ ظاہر لابینا ابراہیم انیست کہ ایں خطاب ملائکہ از تتمہ خطاب بازن او سارہ نبودہ بلکہ باخودش بودہ بعد از سلامے کہ کردہ بودند۔ درحین وداع بودہ (صافی شرح اصول کافی نو لکشوری کتاب العشرۃ جزء ہفتم۔ ص ۲۳)

ترجمہ: "مخفی نہ رہے کہ لابینا ابراہیم (ہمارے باپ ابراہیم سے) کے ظاہر معنے تو یہ ہیں۔ کہ فرشتوں کا یہ خطاب سارہ زوجہ ابراہیم کے ساتھ خطاب کے تتمہ سے نہیں بلکہ خود حضرت

ابراہیم سے تھا اس سلام کے بعد جو انہوں نے کہا تھا۔ یہ وداع کے وقت تھا۔" (انتھی)

ملا صاحب گھبرا گئے ہیں ورنہ ایسا نہ لکھتے۔ کیونکہ فرشتے اس خطاب کے بعد وداع نہیں ہوئے۔ بلکہ وہیں موجود ہیں اور حضرت ابراہیم ان سے دربار عذاب قومِ لوط مجادلہ و مباحثہ کر رہے ہیں۔ جیسا کہ آیہ لاحقہ سے ظاہر ہے اور وہ یہ ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرىٰ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ اس کا فارسی ترجمہ مقبول امامیہ یوں ہے۔ پس آن ہنگام کہ برفت و زائل شد از ابراہیم ترس و قرعے کہ داشت وآمد بوے بشارت ولد مجادلہ و مباحثہ ے کردیا فرشتگانِ مادر شانِ قومِ لوط۔ (خلاصہ المناہج)

جائے غور ہے کہ آیات زیر بحث میں صرف تین ذاتوں کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت سارہ اور ملائکہ۔ سو واضح رہے کہ ملائکہ علیہم السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت نہیں ہو سکتے۔ در حالیکہ وہی خطاب کرنے والے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم پر بھی اہلبیت بنی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے اہل بیت کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ لا محالہ یہاں اہل بیت کا اطلاق حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ پر ہوا ہے۔ اور یہی حق ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ پس زوجہ کا شوہر کے اہل بیت میں ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ تعجب ہے شیعہ اس آیت کے ہوتے یوں کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں داخل نہیں۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَا الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ

الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْراً. (سورہ احزاب)

ترجمہ: "اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں فائدہ دوں۔ اور خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں۔

اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور سرائے آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں سے نیکو کاروں کے لئے خدا نے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اے پیغمبر کی بیویو تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے گی اس کو دوہری سزا دی جائے گی اور یہ خدا پر آسان ہے۔ اور جو تم میں سے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری اور نیک عمل کرے گی۔ ہم اس کو دوہرا ثواب دیں گے۔ اور اس کے لئے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔

اے پیغمبر کی بیویو تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو اگر تم پرہیز گاری رکھو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو جس سے وہ جس کے دل میں بیماری ہے لالچ کرے۔ اور نیک بات کہا کرو۔

اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو۔ اور نماز پڑھو۔ اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اے اہل بیت نبی ﷺ خدا تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے۔ اور تم کو خوب پاک کرے۔

اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ ان کو یاد کرو۔ بیشک اللہ لطف کرنے والا خبردار ہے۔

آیات مذکورہ بالا کے متعلق امور ذیل قابل غور ہیں:

آیہ (۱) و (۲) ہجرت کے نویں سال ازواج مطہرات نے آنحضرت ﷺ سے مقدور سے زیادہ نفقہ اور کسوت طلب کیا۔ اس پر آپ نے ایلاء کیا۔ یعنی سوگند کھائی کہ ایک ماہ ان کے ساتھ مخالطت نہ کروں گا۔ جب ۲۹ روز گزرنے پر مہینہ پورا ہوا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیہ تخییر لائے۔ اس وقت ازواج مطہرات نو تھیں۔ یعنی حضرت عائشہ و حفصہ و ام حبیب بنت ابی سفیان و سودہ بنت زمعہ وام سلمہ بنت ابی امیہ و صفیہ بنت حیی بن اخطب خیبریہ ومیمونہ بنت حارث الہلالیہ و زینب بنت جحش اسدیہ

وجویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ان سب نے زینت دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ نہ دنیا چاہتی تھیں نہ ان کے دلوں میں دنیا کی زینت کی کچھ ہوس تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ان سے مفارقت کرکے دے دلا کر رخصت فرما دیتے۔ مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضائے خدا و رسول کی طلب گار تھیں۔ اور حسن آخرت کی متمنی تھیں۔ اس عمل نیک پر اللہ تعالیٰ نے حضرت کو انہی نو پر مقصور کر دیا۔ اور فرمادیا۔

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔

یعنی چونکہ انہوں نے آپ کو اختیار کیا ہے۔ اس لئے آپ بھی ان پر دوسری عورتوں کو اختیار نہ کریں۔ (خلاصۃ المنہج و تفسیر حسینی)

آیہ (۳) و (۴) اسی عمل نیک پر جزائے مذکور کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ شرف بخشا کہ خود ان سے خطاب کیا اور ان کو اپنے حبیب پاک کی طرف نسبت دے کر فرمایا۔ کہ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی ناشائستہ حرکت کرے گی۔ تو دیگر عورتوں کی نسبت اسے دگنا عذاب ہو گا۔ اور اگر نیک عمل کرے گی۔ تو اسے دوسری عورتوں سے دگنا ثواب ملے گا۔ اس سے ازواج مطہرات کا مقربات درگاہ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حُرّ کی حد رقیق کی حد سے دگنی ہے۔ اور انبیائے کرام کو ان امور پر عتاب ہوتا ہے۔ جن پر دوسرے لوگوں کو نہیں ہوتا۔ یہی حال عالم کا بمقابلہ جاہل ہے۔ یہاں سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ ازواج مطہرات باقی تمام عورتوں سے بہتر تھیں۔ کیونکہ ان کا عذاب و ثواب باقی تمام عورتوں کے عذاب و ثواب سے دگنا ہے۔ یہاں ازواج مطہرات کے لئے یہ بھی بشارت ہے کہ ان سے کوئی کھلی ناشائستہ حرکت سرزد نہ ہو گی۔

کیونکہ آیہ (۳) از قبیل لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر۔ ع ۷) ہے۔ بایں ہمہ جو لوگ ازواج مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں حضور اقدس ﷺ کی تحقیر کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی ازواج کو ناشائستہ حرکات سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اجر مضاعف کے علاوہ ان کے لئے آخرت میں رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔ پس ان کا بہشتی ہونا ظاہر ہے۔

آیہ (۵) اس آیت میں اللہ عزوجل نے ازواج مطہرت کے لئے تضعیف ثواب و عذاب کی وجہ بیان فرما دی کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تم میں وہ وصف ہے جو اوروں میں نہیں۔ یعنی تم (اُمہات المومنین وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب۔ ع ۱)) اور زوجات خیر المرسلین ہو۔ پھر فرمایا کہ اگر تم حکم الٰہی اور رضائے رسول کی مخالفت سے ڈرتی ہو۔ تو پس پردہ سے مردوں کے ساتھ کلام کرنے میں نرمی نہ کرو۔

کیونکہ ایسا کرنا اگرچہ فاجر سے فاجر مومن میں کسی شہوت و طمع کا باعث نہیں ہو سکتا۔ مگر منافق میں ہو سکتا ہے۔ اور تم ایسی نیک بات کہا کرو جو تہمت و اطماع سے پاک ہو۔ یعنی سنجیدگی و خشونت سے کلام کیا کرو۔ اور ناز و کرشمہ سے بات نہ کیا کرو۔ کیونکہ ناز و کرشمہ تاثیر میں نرمی کلام سے بڑھ کر ہے۔

آیہ (۶) تم اپنے گھروں میں آرام و قرار پکڑو۔ کیونکہ تمہارا تبرز یعنی باہر نکلنا کرشمہ آمیز کلام سے بھی زیادہ طمع دلانے والا ہے۔ اور تم جاہلیتہ اولیٰ کی عورتوں کی طرح چلنے میں تبختر نہ کرو۔ کیونکہ تبختر تو تبرز سے بھی اشد ہے۔ اور تم نماز و زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ اور تمام اوامر و نواہی میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ کیونکہ اے اہل بیت نبی اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کرے اور پاک صاف بنائے۔ جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے۔

آیہ (۷) میں ازواج مطہرات کو یہ تعلیم ہے کہ تمہارے گھروں میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں تم ان کو یاد کر لو تاکہ خود عمل کرو اور دوسروں کو بھی بتاؤ۔

آیہ (۶) میں جسے آیہ تطہیر کہتے ہیں اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ کیونکہ آیہ (۱) سے آیہ (۷) تک ان ہی سے خطاب ہے۔ اور ان ہی کے لئے اوامر نواہی واقع ہیں۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ آیات سابقہ و لاحقہ کے احکام تو ازواج کے لئے ہیں۔ درمیان میں صرف آیہ (۶) میں ان سے خطاب نہیں۔ بلکہ فقط حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مخاطب ہیں۔ ان کا یہ قول محض ہٹ دھرمی ہے۔ ان چاروں کا آیات میں ذکر تک نہیں۔ باعتبار موارد آیات سابقہ و لاحقہ کسی اجنبی کے ساتھ فصل موجب فساد بلاغت ہے۔ زوجہ کا مرد کے اہل بیت ہونا نص قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ شیعہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی آیہ قرآن پیش نہیں کرتے۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

(۱) صحیح مسلم میں بروایت سعد بن ابی وقاص مذکور ہے۔ کہ جب آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا بھیجا اور ان کو جمع کر کے فرمایا۔ اللھم ھولاء اھل بیتی (یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں) اور چاروں کو اپنی چادر مبارک میں لے کر فرمایا۔ انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

جواب میں گزارش ہے کہ ان حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ چار اہل بیت ہیں۔ مگر اہل بیت کا حصر ان چاروں میں ثابت نہیں ہوتا۔ دیگر آنکہ ہم نص قرآنی سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ زوجہ اہل بیت ہے۔ چونکہ آیات زیر بحث میں سوائے ازواج مطہرات کے اور کسی کا ذکر نہیں۔ اس لئے آنحضرت

ﷺ نے چند بزرگوں کو الگ کرکے اپنے اہل بیت فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ ازواج مطہرات کے علاوہ یہ بھی اہل بیت ہیں۔ اور وعدہ تطہیر میں داخل ہیں۔ ازواج کو علیحدہ کرکے اس لئے نہیں فرمایا۔ کہ ان کے اہل بیت ہونے پر خود قرآن ناطق ہے۔ اسی واسطے ایسا ہی معاملہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹوں کے لئے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حافظ ابو نعیم اصفہانی (دلائل النبوۃ۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ص ۱۵۴) لکھتے ہیں۔

عن ابی اسید الساعدی قال قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم للعباس لاتبرح انت وبنوک غدا فان لي فیکم حاجة قال فجمعهم العباس فی بیت فاتاهم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال السلام علیکم کیف اصبحتم قالوا بخیر بحمد اللّٰہ بابینا انت وامنا یارسول اللّٰہ قال تقاربوا تقاربوا فزحف بعضهم الی بعض قال فلما امکنوه اشتمل علیهم بملائته ثم قال صلی اللّٰہ علیه وسلم اللّٰهم هذا العباس عمی وهولاء اهل بیتی استرهم من النار کستری ایاهم بملاءتی هٰذه فامنت اسکفة الباب وحوائط البیت آمین آمین ثلاثًا۔

ترجمہ: "ابو اسید ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عباس سے فرمایا۔ کل تم اور تمہارے بیٹے گھر سے باہر نہ جائیں۔ کیونکہ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ راوی نے کہا۔ پس عباس نے ان کو ایک گھر میں جمع کیا۔ پس رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے۔ اور فرمایا۔ تم پر سلام ہو تم نے صبح کس طرح کی۔ انہوں نے جواب دیا۔ بخیریت ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اے رسول اللہ ہمارا باپ اور ہماری ماں آپ پر قربان ہو۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دوسرے کے نزدیک ہو جاؤ۔ ایک دوسرے کے نزدیک ہو جاؤ۔ پس بعض نے بعض کی طرف بیٹھے بیٹھے حرکت کی۔ راوی کا قول ہے کہ جب وہ آپ کے اختیار میں آگئے تو آپ نے ان کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا۔ پھر فرمایا۔ یااللہ یہ عباس میرا چچا ہے۔ اور یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ ان کو آگ سے چھپالے۔ جیسا کہ میں نے ان کو اپنی اس چادر میں چھپالیا۔ پس اس پر سائبان دروازہ اور گھر کی دیواروں نے تین بار آمین کہی۔ (انتہیٰ)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس اور ان کے بیٹے بھی اہل بیت نبی میں داخل ہیں۔

(۲) سنن ترمذی تفسیر سورۂ احزاب میں بروایت عمر بن ابی سلمہ ؓ مذکور ہے کہ جب آیہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی و فاطمہ و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا۔ اور ان کو اپنی چادر میں لے کر یوں دعا کی اللھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا ۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی وانا معھم یا نبی اللّٰہ (اے پیغمبر خدا میں ان کے ساتھ ہوں) آپ نے فرمایا: انت علی مکانک وانت علی خیر (تو اپنے رتبہ پر ہے اور تو نیکی پر ہے) اس سے شیعہ استدلال کرتے ہیں کہ ام سلمہ اہل بیت میں سے نہ تھیں۔ مگر یہ استدلال درست نہیں۔ کیونکہ حضور کا ارشاد صریح دلیل ہے اس امر کی آیت کا نزول ازواج کے حق میں ہے۔ آپ نے ان چار بزرگوں کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا۔ اگر آیت کا نزول ان کے حق میں ہوتا تو دعا کی کیا حاجت تھی۔ اور کس واسطے تحصیل حاصل فرماتے اس واسطے آپ نے ام سلمہ کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا۔ کیونکہ اس کے حق میں آپ نے اس دعا کو تحصیل حاصل خیال فرمایا۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

پس انت علی خیر (تو نیکی پر ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت ہونے کا شرف تجھے پہلے سے حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید ناطق ہے۔ اسی کی تائید یوں ہوتی ہے۔ کہ ایک روایت (صواعق محرقہ۔ ص ۸۶) میں ہے کہ ام سلمہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ انا من اھل البیت (اے رسول خدا میں اہل بیت سے ہوں) آپ نے فرمایا بَلٰی انشاء اللّٰہ (ہاں انشاء اللہ)

(۳) آیہ تطہیر میں جمع مذکر کی ضمیریں بتا رہی ہیں۔ کہ یہ خطاب ازواج سے نہیں۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ سورۂ ہود میں آیہ اتعجبین من امر اللّٰہ رحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ علیکم اھل الیت میں خطاب تو بی بی سارہ سے ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا صیغہ بھی واحد مونث حاضر ہے۔ پھر علیکم میں ضمیر مذکر کیوں لائی گئی۔ اس کا جواب جو شیعہ دیں وہی جواب ہماری طرف سے آیہ تطہیر میں سمجھ لیں۔ علاوہ ازیں اس تقدیر پر تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی اہل بیت میں شمار نہیں ہو سکتیں۔ اگر شیعہ کہیں کہ آیہ تطہیر میں تغلیبًا جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ازواج مطہرات کے ساتھ حضرت علی و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اہل بیت میں داخل ہیں اس لئے عنکم میں تغلیب ہے بلکہ دو تغلیبیں ہیں ایک تو مذکر کی تغلیب مونث پر اور دوسرے مخاطب کی تغلیب غائب پر اس لئے کہ غیر ازواج پہلے مذکور نہیں اور نہ ان کو امر و نہی کے ساتھ خطاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمع مذکر کی ضمیر بلحاظ لفظ اہل ہے عرب کا قاعدہ ہے کہ جب مونث کو لفظ مذکر سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو اس مونث کے لئے مذکر کے صیغے لاتے ہیں۔ ہاں بلحاظ عموم لفظ آل عباس بھی وعدہ

تطہیر میں داخل ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادیا۔

(۴) حدیث زید بن ارقم میں جو پہلے آچکی ہے مذکور ہے کہ حضرت زید نے فرمایا کہ ازواج مطہرات اہل بیت نبی ﷺ میں سے ہیں۔ مگر مسلم کی دوسری روایت میں یوں ہے۔

فقلنا من اهل بیته نساءه قال لا وایم الله ان المرءة تکون مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی ابیها وقومها اهل بیته اصله وعصبته اللذین حرموا الصدقة بعده۔ ()

ترجمہ: "پس ہم نے پوچھا کہ حضرت کے اہل بیت کون ہیں۔ کیا حضرت کی ازواج اہل بیت ہیں۔ حضرت زید نے کہا۔ نہیں خدا کی قسم عورت زمانے کا ایک حصہ شوہر کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے۔ پس وہ اپنے باپ اور قوم کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ حضرت کے اہل بیت آپ کے اصل اور عصبہ ہیں۔ جو آپ کے بعد صدقہ سے محروم کئے گئے۔ (انتہیٰ)

حضرت زید بن ارقم کے یہ دو قول بظاہر متناقض ہیں۔ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے۔ کہ پہلی روایت میں جو ازواج کو اہل بیت میں بتایا گیا وہاں اہل بیت سے مراد اہل بیت سکونت ہیں۔ اور دوسری روایت میں جو ان کو اہل بیت سے خارج بیان کیا گیا۔ وہاں اہل بیت سے مراد وہ اہل بیت ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کے بعد اس صدقہ سے محروم کئے گئے جو ان کو خلفائے اربعہ کے عہد میں ملتا رہا۔ اگر اس تطبیق کو تسلیم نہ کیا جائے۔ تو ہم پہلی روایت کو ترجیح دیں گے کیونکہ یہ نص قرآن کے موافق ہے۔ علاوہ ازیں دوسری روایت کے اسناد میں حسان بن ابراہیم ہے۔ جس کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے۔ **قال النسائی لیس بالقوی وقال ابن عدی حدث بافرادات کثیرة وهو من اهل الصدق الا انه یغلط۔**

ترجمہ: "یعنی نسائی نے کہا کہ حسان بن ابراہیم قوی نہیں۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اس نے بہت سی مفردات روایت کی ہیں اور وہ اہل صدق سے ہے۔ مگر غلطی کرتا ہے۔ (انتہیٰ)

اگر اس ترجیح کو بھی مسلم نہ رکھا جائے۔ تو ہم کہیں گے۔ اذا تعارضا تساقطا پس حضرت زید کے ہر دو قول میں سے کوئی بھی قابل استناد نہ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ازواج مطہرات ضرور اہل بیت ہیں۔ اور قطعاً وعدۂ تطہیر میں داخل ہیں اسی واسطے ان کو مطہرات کہتے ہیں۔

آیہ تطہیر سے شیعہ آل عباس کی معصومیت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس آیت سے تو ان کا غیر معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ معصوم کے حق میں یوں نہیں کہا جاتا۔ کہ میں اسے پاک کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ غایۃ الامر مختصراً یہ ہے کہ اذہاب رجس کے ساتھ ارادہ الٰہی کے تعلق کے بعد وہ رجس سے محفوظ ہیں۔ اگر آیہ تطہیر سے آئمہ شیعہ کی عصمت ثابت ہو تو لازم آتا ہے کہ وضو اور غسل کرنے والے بھی معصوم ہوں کیونکہ ان کے حق میں یوں آیا ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (مائدہ۔ ع ۲)

ترجمہ: "اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کرے تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔" (ترجمہ شیعہ)

شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان میں ہے۔

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ بما فرض علیکم من الوضوء والغسل من الاحداث والجنابة ای ینغلف اجسادکم بذلک من الذنوب واللام دخلت فیه لتبیین الارادة ای یرید ذلک لتطهیرکم۔

کما قال الشاعر

اریدلانسی ذکرها فکانما۔ تمثل لی لیلی بکل سبیل۔

ویوید ما قلناه ماروی عن قتادة عن شعر بن حوشب عن ابی امامة ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال ان الوضوء یکفر ما قبله وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ای ویرید اللّٰه تعالٰی مع تطهیرکم من ذنوبکم بطاعتکم ایاه فیما فرض علیکم من الوضوء والغسل اذا قمتم الی الصلٰوة مع وجود الماء والتیمم عند عدمه ان یتم نعمته باباحته لکم التیمم وتصییره لکم الصعید الطیب طهورا رخصة لکم منه مع سوابغ نعمه التی انعم بها علیکم۔

ترجمہ: "لیکن خدا چاہتا ہے کہ پاک کرے تم کو تم پر حدث سے وضو اور جنابت سے غسل واجب کرکے۔ یعنی تمہارے جسموں کو اس کے ساتھ گناہوں سے پاک کرے۔ اور اس میں لام ارادہ کے بیان کرنے کے لئے ہے۔ یعنی اللہ یہ چاہتا ہے تمہاری تطہیر کے لئے جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔

اريد	لانسى	ذكرها	فكانما
تمثل	لى	ليلى	بكل سبيل

اور ہمارے قول کا مؤید ہے وہ جو قتادہ نے شہر بن حوشب سے اور اس نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ کہ نبیں ﷺ نے فرمایا۔ کہ وضو کفارہ ہے ان گناہوں کا جو پہلے ہو چکے۔ اور یہ کہ پورا کرے اپنی نعمت تم پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تم پر نماز پڑھنے کے وقت پانی ملنے کی صورت میں وضو اور غسل اور نہ ملنے کی صورت میں تیمم فرض کیا ہے۔ اس فرض کی بجا آوری سے وہ چاہتا ہے کہ تم کو گناہوں سے پاک کرے۔ اور اس تطہیر کے علاوہ تمہارے واسطے تیمم کو مباح اور پاک مٹی کو بطور رخصت طہور (پاک کرنے والی) بنا کر چاہتا ہے کہ اپنی نعمت کو تم پر پورا کرے۔ مع ان بڑی نعمتوں کے جو اس نے تمہیں عنایت کیں۔ انتہےٰ۔

بلکہ آیت تطہیر کی نسبت یہ آیت ثبوت مدعا میں مفید تر ہے۔ کیونکہ اس میں اتمام نعمت بھی مذکور ہے اور اتمام نعمت تطہیر کے بعد شر شیطان اور معاصی سے حفاظت کے بغیر متصور نہیں۔

صاحب مجمع البیان نے اس آیت کی جس طرح تفسیر کی ہے۔ اسی طرح آیت تطہیر کا بھی یہی صاف مطلب ہے۔ کہ اوامر و نواہی جن کے ساتھ آیت ما قبل میں ازواج مطہرات کو خطاب ہے۔ وہ اس لئے ہیں کہ ان کی بجا آوری سے اللہ تعالیٰ ان کو پورے طور پر پاک بنانا چاہتا ہے۔ مگر افسوس ہے صاحب مجمع البیان نے آیت تطہیر کی تفسیر اس طرح نہیں کی۔ بلکہ اس کے تحت میں یوں لکھا ہے۔

واستدلت الشيعة على اختصاص الاية بهولاء الخمسة عليهم السلام بان قالوا ان لفظة انما محققة لما اثبت بعدها نافية لما لم يثبت فان قول القائل انما لک عندی درهم وانما فى الدار زيد يقتضى انه ليس عنده سوى الدرهم وليس فى الدار سوى زيد واذا تقرر هٰذا افلا يخلو الارادة فى الاية ان تكون هى الارادة المحضة او الارادة التى يتبعها التطهير واذهاب الرجس ولا يجوزالوجه الاول لان الله تعالٰى قد ارادمن كل مكلف هٰذه الارادة المطلقة فلا اختصاص لها باهل البيت دون سائر الخلق ولان هٰذا القول يقتضى المدح والتعظيم لهم بغير شک اوشبهة

ولا مدح فی الارادۃ المجردۃ فثبت الوجہ الثانی وفی ثبوتہ ثبوت عصمۃ المعینین بالایۃ من جمیع القبائح وقد علمنا ان من عدا من ذکرناہ من اھل البیت غیر مقطوع علی عصمتہ فثبت ان الایۃ مختصۃ بھم لبطلان تعلقھا بغیر ھم۔

ترجمہ: "شیعہ نے پنج تن کے ساتھ' آیہ تطہیر کے مختص ہونے پر استدلال کیا ہے۔ بدین طور کہ وہ کہتے ہیں۔ اِنَّمَا مثبت ہے اس کا جو اس کے بعد مذکور ہے اور نافی ہے اس کا جو مذکور نہیں۔ کیونکہ کسی کا یہ کہنا انما لک عندی درھم وانما فی الدار زید مقتضی ہے اس امر کا کہ اس کے پاس سوا درہم کے نہیں اور گھر میں سوا زید کے نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا۔ تو آیت میں جو ارادہ مذکور ہے۔ وہ یا تو محض ارادہ ہے یا وہ ارادہ کہ جس کے بعد پاک کرنا اور گناہ کا دور ہے۔ وجہ اول یہاں جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ مطلقہ ہر مکلف کے لئے ہے۔ اس لئے اس کو اہل بیت سے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ یہ قول بلاشک و شبہ اہل بیت کی مدح و تعظیم کا مقتضی ہے اور ارادہ مجردہ میں کوئی مدح نہیں۔ لہٰذا وجہ ثانی ثابت ہو گئی اور وجہ ثانی کے ثابت ہونے سے ان پنج تن کی عصمت تمام قبائح سے ثابت ہو گی۔ جن کے ساتھ یہ آیت مختص ہے۔ اور یہ ہمیں معلوم ہے کہ اہل بیت مذکورین کے سوا اوروں کی عصمت قطعی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ آیت ان ہی کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ ان کے سوا اوروں کے ساتھ اس آیت کا تعلق باطل ہے۔ (انتہیٰ)

شیعہ کے استدلال کے جواب میں گزارش ہے کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ آیہ تطہیر میں خطاب ازواج مطہرات سے ہے۔ اور بلحاظ عموم لفظ آل عباس بھی اس میں داخل ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہ آیت پنج تن سے مختص ہے درست نہیں۔ ارادۂ باری تعالیٰ قرآن مجید میں دو طرح کا ہے۔ ایک تو ارادہ شرعیہ دینیہ۔ جہاں اللہ تعالیٰ مراد کو پسند کرتا ہے۔ اور اس سے راضی ہے۔ اور اس کو مومنوں کے لئے اس نے مشروع کر دیا ہے۔ ایسا ارادۂ متضمن اس امر کو نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مراد کو خلق کیا ہے۔ اور نہ یہ کہ اس مراد کو مقدر کر دیا ہے۔ اور نہ یہ کہ وہ ضرور ہو گا۔ جیسا کہ آیاتِ ذیل ہیں۔

۱۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ۔ ع ۲۳)

ترجمہ: "اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر مشکل۔

۲۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ○ (نساء۔ ع ۵)

ترجمہ: "اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور تم کو چلا دے اگلوں کی راہ۔ اور تم کو معاف کرے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا○ (نساء۔ رکوع ۵)

ترجمہ: "اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت سے متوجہ ہووے۔ اور جو لوگ اپنے مزوں کے پیچھے لگے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم مڑ جاؤ راہ سے بہت دور۔"

دوسرا ارادہ کونیہ جو متضمن ہے اس مراد کے خلق اور تقدیر کو جیسا کہ آیات ذیل میں۔

۱۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (انعام۔ ع ۱۵)

ترجمہ: "سو جس کو اللہ ارادہ کرتا ہے کہ ہدایت کرے اس کا سینہ حکم برداری کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو راہ سے بھلانا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ آسمان پر زور سے چڑھتا ہے۔

۲۔ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود۔ ع ۳)

ترجمہ: "اور میری نصیحت تم کو فائدہ نہ دے گی اگر میں چاہوں تم کو نصیحت کروں۔ اگر اللہ چاہتا ہو گا۔ کہ تم کو بے راہ چلا دے۔

آیہ تطہیر میں ارادہ از قبیل قسم اول ہے۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اللهم هولاء اهل بيتى فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا

ترجمہ: "یااللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں پس ان سے گندگی دور کر اور ان کو پورے طور پر پاک کر۔"

پس آپ نے اذہاب رجس اور تطہیر طلب کی۔ اگر آیت میں یہ خبر ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت سے گندگی دور کر دی اور ان کو پاک کر دیا۔ تو آپ کو طلب و دعا کی ضرورت نہ تھی۔

رہا یہ اعتراض کہ ارادہ مجردہ تو ساری خلقت کے لئے ہے۔ اس میں اہل بیت کی کوئی خصوصیت

نہیں۔ حالانکہ یہ مقام اہل بیت کی مدح کا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اذہاب رجس کا مآل تخلیہ ہے۔ اور تطہیر کا مآل تحلیہ ہے۔ اس آیت میں اللہ عزوجل کی طرف سے وعدہ ہے کہ اگر اہل بیت مناہی سے باز رہیں گے۔ اور اوامر پر عمل کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو بطریق احسن مخلی عن الرذائل اور متحلی بالفضائل بنا دے گا۔ اس میں اشارہ ہے۔ کہ ان کے اعمال مقبول ہیں اور ان اعمال پر قطعاً آثار مترتب ہوتے ہیں۔ یہ ان کے لئے خصوصیت ہے۔ کیونکہ غیروں کے لئے بصورت انتہا اس فضیلت کا حصول قطعی نہیں۔ اسی واسطے ہم اہل بیت کے عابدوں کو دوسرے عابدوں کی نسبت اتم حالاً اور احسن اخلاقاً اور ازکے نفسا پاتے ہیں۔ اور ان ہی کی طرف سلاسل صوفیہ کرام منتہی ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ ہر زمانے میں قطب اہل بیت ہی سے ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیہ تطہیر سے اہل بیت کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس آیت میں شیعہ کے نزدیک بقول صاحب مجمع البیان اہل بیت سے مراد آل عباس اور حضور رسول اکرم ﷺ ہیں۔ مگر میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ میں یوں لکھتا ہے۔

اختلف الناس فی المراد باھل البیت فی قولہ تعالٰی انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت فقال الجمھور ان نساء النبی مرادات بھذہ الایۃ ومن الناس من خصصھا بھن مستدلین بسیاق الکلام قبلھا وبعدھا واتفقت الشیعۃ علی انھا خاصۃ بعلی وفاطمہ والحسن والحسین وھو قول ابی سعید الخدری۔

ترجمہ: ”آیہ تطہیر میں اہل بیت سے کیا مراد ہے۔ اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ اس آیت سے جناب پیغمبر خدا ﷺ کی ازواج مراد ہیں۔ اور بعض لوگ اس کے قبل وبعد سیاق کلام سے استدلال کرکے اس آیت کو ازواج سے مختص کرتے ہیں۔ اور شیعہ کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ یہ آیت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے خاص ہے۔ اور یہی قول ہے ابو سعید خدری کا۔ (انتہیٰ)

شیعہ حضرت علی و امام حسن و امام حسین کا اہل بیت اور معصوم ہونا تو اس آیہ تطہیر سے بتاتے ہیں۔ مگر باقی نو اماموں کا اہل بیت و معصوم ہونا ان کے نزدیک کسی آیت قرآنی سے ثابت نہیں۔ بلکہ حدیثوں سے ثابت کرتے ہیں۔ جنکی صحت و اعتبار کا معیار انکے پاس کوئی نہیں۔ یہاں اتنا اور عرض کر دینا مناسب ہے کہ خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو افضل آل عبا ہیں اپنے غیر معصوم ہونے کے معترف

ہیں۔ چنانچہ صفین میں جو خطبہ آپ نے پڑھا۔ اس میں حاکم و رعایا کے حقوق بیان فرمائے ہیں۔ اس خطبہ میں آپ فرماتے ہیں۔

فلا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فاني لست في نفسي بفوق ان اخطي ولا آمن ذلک من فعلي الا ان یکفي الله من نفسي ماهوا ملک به مني۔ (نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جزء اول ص ۲۴۰ روضہ کلینی نو لکشوری ص ۱۵۶)

ترجمہ: "پس تم سچ بات کہنے یا عدل کے ساتھ مشورہ دینے سے باز نہ رہو۔ کیونکہ میں بذات خود خطا کرنے سے برتر نہیں ہوں اور نہ اپنے فعل میں خطا سے مامون ہوں مگر یہ کہ اللہ میری ذات کے لئے ایسا کام بنادے جس کا وہ میری نسبت زیادہ مالک ہے۔ (انتہیٰ)

شیعہ اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ شیعہ حقیقت میں ختم نبوت کے منکر ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آئمہ کو جناب رسالت مآب علیہ الوف التحیتہ والصلوٰۃ کی طرح معصوم جانتے ہیں۔ اور ان پر نزول وحی کے قائل ہیں جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں بیان ہوا۔

۲۔ تحفہ شیعہ حصہ اول میں مذکور ہے کہ تقیہ اور جھوٹ بولنا مترادف ہیں۔ اور امام جعفر صادق کا یہ قول بھی آچکا ہے۔ کہ تقیہ میرے دین اور میرے آباء کے دین سے ہے۔ جس میں تقیہ نہیں۔ اس کا کوئی دین نہیں۔

شیعہ کے زبدۃ المحققین وعمدۃ المدققین حاجی کریم خان کرمانی لکھتے ہیں۔

گمان مکن کہ آئمہ سابقہ علیہم السلام درین عالم بنور ولایت قائم بودند۔ واسرار ولایت را آشکار کروند۔ حاشا بلکہ جمیع شرائع کہ بیان کروند منسوب بتقیہ بود۔ واین امر درنزد فقہائے اہل بیت سلام اللہ علیہم بدیہی ست کہ تقیہ ایشاں بسرحد اعلیٰ بود حتیٰ آنکہ بسا بود کہ روزہ را از راہ تقیہ میخوردند و نماز رابہمراہی ایشان میکردند و احکام را برحسب دلخواہ مخالفاں میفر مودند۔ واما حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مذہب سنیان و بعضے از علماچنانست کہ تقیہ نمیفر مودند۔ ومذہب حق انیست کہ تقیہ میفر مودند باشد تقیہ

(ارشاد العوام۔ جلد سیوم۔ مطبوعہ ایران ۱۲۷۱ھ۔ ص ۱۱۱)

ترجمہ: "تو یہ گمان نہ کر کہ آئمہ سابقہ علیہم السلام اس دنیا میں نور ولایت کے ساتھ قائم تھے۔ اور انہوں نے ولایت کے اسرار ظاہر کر دیئے۔ حاشا و کلا۔ بلکہ تمام شریعتیں جو انہوں نے بیان کیں۔ تقیہ کے ساتھ مخلوط تھیں۔ اور فقہائے اہل بیت سلام اللہ علیہم کے نزدیک یہ بات بدیہی ہے۔ کہ ان کا تقیہ اعلیٰ درجہ کا تھا۔ یہاں تک کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ وہ تقیہ سے روزہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور سینوں کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور مخالفین کی مرضی کے موافق احکام بیان فرماتے تھے۔ رہے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ سینوں اور ہمارے بعض عالموں کا مذہب یہ ہے۔ کہ آپ تقیہ نہ فرماتے تھے۔ اور مذہب حق یہ ہے۔ کہ آپ نہایت سخت تقیہ

فرماتے تھے۔ (انتہی)

خلاصہ یہ ہے کہ حسب عقیدہ شیعہ آئمہ تو درکنار آنحضرت ﷺ بھی دین حق کو چھپاتے رہے۔ اور کچھ کا کچھ بتاتے رہے۔

۳۔ شیعہ آنحضرت ﷺ کی تنقیص شان میں یہاں تک کوشاں ہیں۔ کہ آپ کی شان مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بھی گھٹاتے ہیں۔

چنانچہ شیعہ کے محدث و مجتہد سید نعمت اللہ حسینی جزائری نے انوار نعمانیہ میں یوں لکھا ہے۔

قدروی الصدوق طاب ثراہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اعطیت ثلاثا وعلی مشارکی فیھا واعطی علیٌّ ثلٰثۃ ولم اشارکہ فیھا۔ فقیل یارسول اللّٰہ وما الثلاث التی شارکک علی قال لواء الحمد لی وعلی حاملہ والکوثرلی وعلی ساقیہ والجنۃ والنار لی وعلی قسیمھما واما الثلاث التی اعطی علیا ولم اشارکہ فیھا فانہ اعطی شجاعۃ ولم اعط مثلہ واعطی فاطمۃ الزھراء زوجۃ ولم اعط مثلھا واعطی ولدیہ الحسن والحسین ولم اعط مثلھما۔

ترجمہ: ”شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ) طاب ثراہ نے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ کہ مجھے تین چیزیں دی گئیں۔ علی ان میں میرے ساتھ شریک ہے۔ اور علی کو تین چیزیں دیں گئیں میں ان میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا۔ یارسول اللہ وہ تین چیزیں کونسی ہیں۔ جن میں علی آپ کے ساتھ شریک ہے۔ فرمایا لواء حمد میرے واسطے ہے۔ اور علی اس کا اٹھانے والا ہے۔ کوثر میرے واسطے ہے۔ اور علی اس کا ساقی ہے۔ بہشت و دوزخ میرے ہیں علی ان دونوں کے بانٹنے والا ہے۔ لیکن وہ تین چیزیں جو علی کو دی گئیں میں ان میں علی کا شریک نہیں۔ سو علی کو شجاعت ملی۔ جس کی مثل مجھے نہ ملی۔ علی کو فاطمہ زہرا زوجہ ملی۔ جس کی مثل مجھے نہ ملی۔ علی کو حسن و حسین دو بیٹے ملے۔ جن کی مثل مجھے نہ ملے۔ (انتہی)

اس کے ساتھ ملاحظہ ہو تحفہ شیعہ۔ حصہ اول۔ ص۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳

۴۔ شیعہ آنحضرت ﷺ کے تمام صحابہ کرام کو سوائے تین چار کے کافر و منافق و مرتد بتاتے ہیں۔ جیسا کہ تحفہ شیعہ حصہ اول میں مذکور ہوا۔ یہ صحابہ کرام وہی بزرگ ہیں۔ جو آپ پر ایسے وقت میں ایمان

لائے۔ جب کوئی امید دنیوی نفع کی نہ تھی۔ بلکہ ہر طرح کی ذلت و مضرت کا سامنا تھا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اعانت میں اپنی آبرو اور جان و مال سے دریغ نہ کیا۔ اور کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے اذیتیں اٹھائیں۔ خدا اور رسول کے لئے اپنا وطن چھوڑا۔ خویش و اقارب سے رشتہ الفت توڑا۔ اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔ فقر و فاقہ کی مصیبتیں سر پر لیں۔ عزت دنیا سے منہ موڑا۔ سفر و حضر میں اپنے آقائے نامدار کے ہمرکاب رہے۔ آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپ کی قربت و قرابت کو مایہ فخر و عزت سمجھا۔ آپ کو بیٹیاں دے کر رسول اللہ کے سسر ہونے کا تاج سر پر رکھا۔ آپ کی بیٹیاں اور نواسیاں لے کر دامادی کا شرف حاصل کیا۔ تاحیات آپ کے جلیس و انیس اور وزیر و مشیر رہے۔ ان بزرگوں کے حق میں شیعہ کی اس دریدہ دہنی کا جو اثر اسلام اور پیغمبر اسلام پر پڑتا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔

۵۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات جو امہات المومنین ہیں اور جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ ان میں سے حضرت عائشہ دختر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت حفصہ دختر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شیعہ کو خاص عداوت ہے۔

ملا محمد باقر مجلسی نے لکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجتہ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں حضرت ام سلمہ کے گھر اترے۔ اور خلاف عادت ایک ماہ وہیں رہے۔ اور دوسری ازواج کے ہاں تشریف نہ لے گئے۔ حضرت عائشہ نے خدمت میں حاضر ہو کر یوں عرض کی۔

یارسول اللہ بر من گران آمد نیامدن تو بمنزل من درین مرتبہ و من پناہ مے برم بخدا از غضب تو یارسول اللہ۔ حضرت فرمود کہ اگر راست میگفتی این سخن را افشا نمے کردی رازے را کہ بتو سپردم و مبالغہ نمودم کہ اظہار مکن۔ بتحقیق کہ خود ہلاک شدی۔ وگروہے از مردم را ہلاک کر دی۔ پس حضرت کنیزک ام سلمہ را فرمود کہ ہمہ زنان مرا بطلب کہ جمع شوند۔ چون ہمہ جمع شوند در منزل ام سلمہ۔ حضرت باایشان فرمود کہ بشنوید آنچہ باشما مے گویم۔ پس بدست مبارک خود اشارہ نمود بسوئے علی بن ابی طالب۔ وفرمود کہ این برادر منست ووصی ووارث منست وقیام نمایندہ ست باموز شماوباموز سائرامت بعد از من۔ پس اطاعت نمائید او را در ہرچہ شمارا بآن امرمیکند۔ و نافرمانی او مکنید کہ نافرمانی او ہلاک مے شوید۔ پس باحضرت امیرالمومنین فرمود۔ کہ یاعلی این زنان را کہ بتو سفارش مے نمایم ایشان رانگاہداری بکن۔ وخرچ ایشان را بکش مادام کہ اطاعت تو نمایند۔ وامر

کن ایشا نراہامر خود و نہی کن ایشانرا از انچہ تراشک ے اندازد۔ واگر نافرمانی کنند ایشا نرا رہا کن۔ وطلاق بگو۔ پس حضرت امیرالمومنین فرمود کہ یارسول اللہ ایشان زنانند و کار ایشانست سستی در امور وضعف رائے۔ حضرت فرمود تاآنکہ صلاح ایشا نراور مدارادانی مدارا کن باایشان۔ وہرکہ ترانا فرمائی کند ازیشان۔ پس اور اطلاق بگو طلاقے کہ خدا و رسول ازو شاد گردند۔ پس زنان آنحضرت ہمہ ساکت شدند و حرفے نگفتند مگر عائشہ کہ او سخن گفت و گفت یارسول اللہ ہرگز ماچنین نبودیم کہ مارا امرے بفرمائی وما غیر آن رابجا آوریم۔ حضرت فرمود کہ نہ چنین ست اے حمیرا بلکہ مخالفت من نمودی بدترین مخالفتہا وبخدا سوگند کہ ہمی بینم را کہ الحال گفتم مخالفت خواہی کرد و نافرمانی علی خواہی کرد بعد از من (حیات القلوب نو لکشوری۔ جلد دوم۔ ص ٦٧٧)

ترجمہ: "یارسول اللہ اس مرتبہ آپ کا میرے گھر میں نہ آنا مجھ پر ناگوار گذرا۔ یارسول اللہ میں آپ کے غضب سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر یہ بات تو سچ کہتی ہے تو اس راز کو افشانہ کرتی۔ جو میں نے تجھ سے کہا تھا۔ اور تاکید کردی تھی کہ کسی سے ظاہر نہ کرنا۔ البتہ توخود ہلاک ہوگئی اور تو نے لوگوں کے ایک گروہ کو ہلاک کردیا۔ پس حضرت ام سلمہ کی لونڈی کو حکم دیا کہ میری تمام بیویوں کو بلا۔ کہ جمع ہو جائیں۔ جب ام سلمہ کے گھر میں سب جمع ہو گئیں۔ تو حضرت نے ان سے فرمایا۔ کہ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں اس کو سنو۔ پس اپنے دست مبارک سے علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ کہ یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور وارث ہے۔ اور میرے بعد تمہارے امور اور تمام امت۔کے امور کو قائم کرنے والا ہے۔ جس بات کا وہ تم کو حکم دے اس میں اس کی اطاعت کرنا۔ اور اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ کیونکہ اس کی نافرمانی سے تم ہلاک ہو جاؤ گی۔ پس آپ نے حضرت امیرالمومنین سے فرمایا۔ کہ اے علی یہ عورتیں جن کی میں تجھ سے سفارش کرتا ہوں ان کی نگہبانی کرنا اور ان کا خرچ برواشت کرنا۔ جب تک یہ تیری اطاعت کریں اور ان کو اپنے امر کا حکم دینا اور جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس سے ان کو منع کرنا۔ اگر یہ نافرمانی کریں۔ تو ان کو چھوڑ دینا اور طلاق دے دینا۔ پس حضرت امیرالمومنین نے عرض کی۔ کہ یارسول اللہ یہ عورتیں ہیں ان کا کام امور میں سستی اور ضعف رائے ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ جب تک تو ان کی صلاح مدارات میں جانے۔ ان کے ساتھ مدارات کرنا۔ اور ان میں سے جو تیری نافرمانی کرے اس کو ایسی طلاق دینا کہ جس سے خدا اور رسول راضی ہو جائیں۔ یہ سن کر حضرت کی تمام عورتیں چپ

ہو گئیں۔ اور کچھ نہ کہا۔ مگر عائشہ نے بات کہی اور یوں عرض کیا۔ یارسول اللہ ہم ایسی ہرگز نہ تھیں کہ آپ ہم کو کوئی امر فرمائیں اور ہم اس کے برعکس کریں۔ حضرت نے فرمایا۔ اے حمیرا ایسا نہیں۔ بلکہ تو میری نہایت ہی بری مخالفتیں کرتی رہی ہے۔ اور خدا کی قسم کہ یہی بات جو ابھی میں نے کہی۔ تو اس کی مخالفت کرے گی۔ اور میرے بعد علی کی نافرمانی کرے گی۔ (انتہیٰ)

اسی طلاق کے متعلق شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی نے یوں لکھا ہے۔

روی عن الباقر علیه السلام انه قال لما کان یوم الجمل وقد رشق هودج عائشه بالنبل قال امیر المومنین علیه السلام والله ماارانی الا مطلقها فانشد اللّٰه رجلاً سمع من رسول اللّٰه یقول یاعلی امر نسائی بیدک من بعدی۔ لما قام فشهد قال فقام ثلثة عشر رجلا فیهم بدریان فشهدوا انهم سمعوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله یقول لعلی بن ابی طالب یاعلی امر نسائی بیدک من بعدی قال فبکت عائشة عند ذلک حتیٰ سمعوا بکاءها فقال علی علیه السلام لقد انبأنیٔ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بنبا فقال ان اللّٰه تعالیٰ یمدک یاعلی یوم الجمل بخمسة الاف من الملائکة۔ مسومین۔ (کتاب الاحتجاج مطبوعہ ایران۔ ۱۳۰۲ھ ص ۸۲)

ترجمہ: "امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جنگ جمل کے روز جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہودے پر تیر لگے ہوئے تھے امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں اپنے آپ کو عائشہ کا طلاق دینے والا ہی گمان کرتا ہوں پس آپ نے ایک شخص سے اللہ کی قسم دے کر پوچھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا تھا کہ اے علی میری عورتوں کا اختیار میرے بعد تیرے ہاتھ میں ہے۔ جب اس شخص نے کھڑے ہو کر شہادت دی تو تیرہ شخصوں نے جن میں دو بدری تھے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ علی بن ابی طالب سے فرما رہے تھے۔ اے علی میری عورتوں کا اختیار میرے بعد تیرے ہاتھ میں ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ پس علی علیہ السلام نے بیان کیا۔ کہ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک خبر سنائی اور

فرمایا۔ اے علی ؓ جنگ جمل میں اللہ تعالیٰ تیری مدد کو پانچ ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر بھیجے گا۔ (انتہی)

اسی مضمون کو ملا باقر مجلسی نے اپنے رسالہ رجعت میں ایک طویل حدیث میں بحوالہ شیخ صدوق وغیرہ اکابر محدثین شیعہ بسند معتبر نقل کیا ہے۔ جس میں سعد بن عبداللہ قمی چالیس سے زائد مشکل سوالات کے حل کے لئے امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور یوں بیان کرتا ہے۔

پس حضرت بجانب من التفات نمود و فرمود کہ اے سعد بچہ مطلب آمدۂ۔ گفتم شوق ملازمت تو مرا آوردہ است۔ فرمود کہ آن مسائلے کہ داشتی چہ شد۔ گفتم حاضراست۔ فرمود کہ از نور چشم بپرس آنچہ مے خواہی۔ واشارہ بحضرت صاحب الامر فرمود۔ گفتم اے مولا و فرزند مولاے من روایت بمارسیدہ است کہ حضرت پیغمبر امر طلاق زنان خود رابا اختیار حضرت امیرالمومنین صلوٰات اللہ علیہ گزاشت حتیٰ آنکہ در روز جمل حضرت امیر رسولے فرستاد بنزد عائشہ و فرمود کہ اسلام و اہل اسلام را ہلاک کردی بآن غش وفریبے کہ از تو صادر شد و فرزندان خودرا بجہالت و ضلالت بہلاکت انداختی۔ اگر وقت ازین عمل برمیداری فبہا والا ترا طلاق مے گویم۔ این چہ طلاق بود کہ بعد از وفات بآنحضرت مفوض بود۔ حضرت صاحب الامر فرمود کہ حق تعالیٰ شان زنان پیغمبر راعظیم گردانیدہ بود۔ وایشان رابشرف مادر مومنان مخصوص ساختہ بود۔ و حضرت رسول بحضرت ---------- امیرالمومنین علیہ السلام فرمود کہ این شرف برای ایشان باقی است تامطیع خدا باشند وہریک ازیشان کہ بعد از من معصیت خدا کندو بر تو خروج کند۔ تو اور اطلاق بگو وازین شرف بینداز

(رسالہ رجعت مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ۔ صفحہ ۲۱)

ترجمہ: "پس حضرت امام عسکری نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے سعد تو کس مطلب کے لئے آیا ہے۔ میں نے عرض کی۔ آپ کی زیارت کا شوق مجھے یہاں لایا ہے۔ فرمایا وہ تیرے مسئلے کیا ہوئے میں نے عرض کی کہ حاضر ہیں۔ آپ نے حضرت صاحب الامر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ کہ میرے نور چشم سے پوچھ لے جو تو چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ اے میرے آقا اور میرے آقا کے بیٹے ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت پیغمبر نے اپنی عورتوں کو طلاق کا معاملہ حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ کے اختیار میں دے دیا ہے۔ یہاں تک کہ جنگ جمل کے دن حضرت امیر نے ایک شخص کے ہاتھ عائشہ کو کہلا بھیجا۔ کہ

اس دغا و فریب سے جو تجھ سے سرزد ہوا تو نے اسلام اور اہل اسلام کو ہلاک کر دیا۔ اور جہالت و ضلالت سے اپنے بیٹوں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اگر تو اس کام سے باز آجائے۔ تو بہتر ورنہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا۔ یہ کیسی طلاق تھی جو وفات شریف کے بعد حضرت امیر کے اختیار میں دی گئی۔ حضرت صاحب الامرؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے پیغمبر کی عورتوں کا رتبہ بڑا بنایا تھا۔ اور ان کو امہات المومنین کے شرف سے مختص کیا تھا۔ اور حضرت رسول نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ شرف ان کے واسطے باقی ہے جب تک خدا کی فرمانبردار رہیں۔ ان میں سے جو میرے بعد خدا کی نافرمانی کرے۔ اور تجھ پر خروج کرے تو اس کو طلاق دے دینا۔ (انتہیٰ)

شیخ صدوق نے اس روایت کو اپنی کتاب کمال الدین و تمام النعمته فی اثبات الغیبته (مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۲۵۳۔ ۲۵۴) میں ذکر کیا ہے۔ ملا باقر مجلسی نے بحوالہ علی بن ابراہیم اور عیاشی ایک طویل روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت حفصہ کی نسبت یوں لکھا ہے۔

پس حق تعالیٰ برائے رفع استبعاد جاہلان کہ نگویند کہ چون تواند بود کہ زنان پیغمبر کافر و منافق باشند مثلے برائے ایشان بیان فرمود و کفر ایشان را در آن مثل بر ہر عاقل ہویدا گردانید۔ چنانچہ بعد ازین آیات فرمودہ است کہ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ۔ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا۔ (الآیہ۔ حیات القلوب جلد دوم۔ صفحہ ۷۴۵) ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے جاہلوں کے استبعاد کو دور کرنے کے لئے کہ یوں نہ کہیں کہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پیغمبر کی بیویاں کافر و منافق ہوں۔ ان کے واسطے ایک مثل بیان فرمائی۔ اور اس مثل میں ان کا کفر ہر عقلمند پر ظاہر کر دیا۔ چنانچہ ان آیتوں کے بعد فرمایا ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے ایک مثل بیان کی نوح کی عورت اور لوط کی عورت۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پس انہوں نے ان دو بندوں سے خیانت کی۔ پس ان بندوں نے ان عورتوں سے اللہ کا کچھ عذاب دور نہ کیا۔ اور حکم ہوا کہ دوزخ میں چلی جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔" (سورہ تحریم) (انتہیٰ)

یہی ملا صاحب آگے چل کر لکھتا ہیں۔

ابن بابویہ و برقی بسند معتبر از امام محمد باقر روایت کردہ اند کہ چون حضرت قائم آل محمد ظاہر شود۔ عائشہ را زندہ گرداند۔ تا آنکہ او را حد بزند و تا آنکہ انتقام بکشد برائے حضرت فاطمہؓ راوی گفت کہ فدای تو شوم۔ بچہ سبب اور احد سے زند۔ فرمود کہ برائے افترائے کہ برائے مادر ابراہیم گفت۔

راوی پر سید کہ چرا حضرت رسولؐ اور احد نزد و حق تعالیٰ حد اور ا تاخیر فرمود کہ قائم آل محمد این حد را جاری گرداند۔ حضرت فرمود کہ برای آنکہ حق تعالیٰ محمدؐ را برائے رحمت فرستادہ است۔ و قائم را برائے انتقام و عذاب خواہد فرستاد۔ (حیات القلوب جلد دوم۔ صفحہ ۷۴۷)

ترجمہ: "ابن بابویہ اور برقی نے معتبر سند کے ساتھ امام محمد باقر سے روایت کی ہے۔ کہ جب حضرت قائم آل محمد ظاہر ہوں گے۔ وہ عائشہ کو زندہ کریں گے تاکہ اس پر حد ماریں اور حضرت فاطمہ کا بدلہ لیں۔ راوی نے کہا۔ میں آپ پر قربان جاؤں۔ کس واسطے اس پر حد ماریں گے۔ حضرت قائم نے فرمایا کہ عائشہ نے ابراہیم کی والدہ (ماریہ قبطیہ) پر جو بہتان لگایا تھا۔ اس کے سبب حد ماریں گے۔ راوی نے پوچھا کہ حضرت رسول نے کس واسطے حد نہ ماری۔ اور حق تعالیٰ نے اس کی حد کو کس واسطے اتنی تاخیر میں ڈالا کہ قائم آل محمد اس حد کو جاری کریں۔ حضرت محمد باقر نے فرمایا۔ اس واسطے کے حق تعالیٰ نے محمد کو رحمت کے لئے بھیجا ہے۔ اور قائم کو انتقام و عذاب کے لئے بھیجے گا۔ (انتہیٰ)

۶۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے سوا آنحضرت ﷺ کی کوئی اور صلبی بیٹی نہ تھی۔

دیکھو عبارت ذیل:

(الف) ربیب و ربیبہ کو ابن و بنت کہنا متعارف ہے۔ جیسے زینب اور رقیہ بنت رسول اللہ کہلاتی ہیں۔ حالانکہ وہ بنت حقیقی رسول اللہ نہ تھیں۔ بلکہ یہ بنت خدیجہ تھیں۔ یا بنت اخت خدیجہ تھیں کہ جناب رسول خدا کی تربیت میں تھیں۔

(رمی الجمرات بجواب کتاب آیات بینات متعلق مبحث عقد ام کلثوم۔ جلد ثالث۔ مطبوعہ مطبع مظہر العلوم ۱۲۹۵ ہجری۔ صفحہ ۸)

(ب) علمائے شیعہ کے نزدیک صرف حضرت فاطمہ علیہا السلام حضرت ﷺ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ جو بعثت کے پانچویں سال میں پیدا ہوئیں۔ اور ۱۸ سال کی عمر میں ۱۱ ہجری میں انتقال کر گئیں۔ اور زینب اور رقیہ اور ام کلثوم آنحضرت کی ربیبہ جناب خدیجہ علیہا السلام کے پہلے شوہر سے تھیں۔

(تاریخ الاسلام مولفہ ایس۔ ذاکر حسین جعفر۔ جلد اول۔ مطبوعہ جے اینڈ سنز پرنٹنگ ورکس دہلی ۷ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۲۱)

(ج) بنات الرسول ﷺ کے متعلق بھی آپ نے شجرہ میں خلاف عقیدہ جمہور شیعہ لکھ کر عوام شیعوں کو خواہ مخواہ مغالطہ میں ڈالنا چاہا ہے۔ کیونکہ تمام مجتہدین اور طبقہ محققین علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدہ طاہرہ بتول عذرا، فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے سوا ختمی رسالت روحی فداہ کی کوئی اور

صلبی بیٹی نہ تھی۔ رقیہ زینب ضرور ربیبہ رسول خدا ﷺ تھیں۔ اس لئے مجازی طور پر وہ بنات الرسول کہلاتی تھیں۔

(النظر بجواب رسالہ شیر و شکر۔ مولفہ سید محمد رضی الرضوی القمی ابن علامتہ الحائری۔ مطبوعہ لال سٹیم پریس لاہور ۱۳۳۸ ہجری۔ صفحہ ۶۔ ۷)

یہ سارا قصہ اس واسطے گھڑ لیا گیا ہے۔ کہ کہیں حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کی طرح حضرت عثمان غنی کے لئے بھی دامادی رسول کا شرف ثابت نہ ہو جائے۔ چنانچہ بحار الانوار میں یوں لکھا ہے۔ "اور عثمان کی تزویج میں بہت اختلاف ہے اور اس کا نکاح ان حضرات کی کسی دختر کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔" (مجالس الابرار ترجمہ اردو بحار الانوار جلد دہم۔ صفحہ ۱۵۶)

۷۔ حضرت فاطمتہ الزہرا کی نسبت کتب شیعہ میں امور ذیل درج ہیں:

(الف) شیعہ کے رئیس المحدثین لکھتے ہیں۔

عن یعقوب بن شعیب قال لما زوج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ علیًا فاطمۃ علیھا السلام دخل علیھا وھی تبکی۔ فقال لھا ما یبکیک فواللّٰہ لو کان فی اھلی خیر منہ مازوجتکہ وما انا زوجہ ولکن اللّٰہ زوجک۔ واصدق عنک الخمس مادامت السمٰوٰت والارض

(فروع کافی مطبوعہ نو لکشور۔ جلد دوم ص ۱۵۷)

ترجمہ: "یعقوب بن شعیب کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے علی علیہ السلام کا فاطمہ علیہا السلام سے نکاح کر دیا۔ تو آپ فاطمہ کے پاس گئے اور وہ رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ تو کیوں روتی ہے۔ اللہ کی قسم اگر میرے اہل میں کوئی علی سے بہتر ہوتا۔ میں تیرا نکاح علی سے نہ کرتا۔ اور میں نے تو اس کا نکاح نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرا نکاح کر دیا۔ اور خمس کو تیرا مہر قرار دیا۔ جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں۔ (انتہیٰ)

اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ حضرت فاطمتہ الزہرا حضرت علی کے ساتھ نکاح کرنے میں خوش نہ تھیں۔

(ب) بقول شیعہ جب حضرت عمر فاروق مع ایک جماعت کے بجناب امیر المومنین سے بیعت لینے کے لئے ان کا گھر جلانے گئے۔ تو حضرت فاطمتہ الزہرا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گریبان پکڑ لیا۔ جیسا کہ روایت ذیل سے ظاہر ہے۔

عن ابی جعفر و ابی عبداللّٰہ علیھما السلام قالا ان فاطمۃ علیھا السلام ما ان کان من امرھم ما کان اخذت بتلابیب عمر فجذبتہٗ الیھا ثم قالت اما واللّٰہ یا ابن الخطاب لولا انی اکرہ ان یصیب البلاء من لاذنب لہ لعلمت انی ساقسم علی اللّٰہ ثم اجدہ سریع الاجابۃ۔ (اصول کافی نو لکشوری۔ صفحہ ۲۹۱)

ترجمہ: "امام محمد باقر اور جعفر صادق علیہما السلام کا بیان ہے۔ کہ جب ان کی طرف سے ہوا جو ہوا۔ تو حضرت فاطمہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گریبان پکڑ لیا۔ اور عمر کو اپنی طرف کھینچا۔ پھر فرمایا۔ آگاہ رہ خدا کی قسم اے خطاب کے بیٹے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں برا جانتی ہوں اس امر کو کہ کسی بے گناہ (اطفال شیر خوار) کو مصیبت پہنچے۔ تو بے شک تو جان جاتا کہ میں اللہ کو قسم دیتی۔ پھر میں اللہ کو جلد اجابت کرنے والا پاتی۔ (انتہیٰ)

(ج) کتاب مناقب (ابن شہر آشوب) میں مذکور ہے کہ جب جناب فاطمہ علیہا السلام ابوبکر کے پاس سے اپنے گھر واپس آئیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام سے خطاب کرکے فرمایا۔ کہ اے پسر ابو طالب تم مانند پردہ نشین عورتوں کے ہو گئے ہو۔ اور مثل بیچاروں کے چھپے ہوئے حجرے میں بیٹھے ہو۔ اور اپنا حق طلب نہیں کرتے باوجود اس کے کہ تم نے شجاعان زمانہ کو خاک مذلت میں گرایا۔ اور ان نامردوں سے مغلوب ہو گئے جواب ابو قحافہ کے بیٹے نے ظلم و جبر سے میرے باپ کے بخشے ہوئے باغ کو اور میرے فرزندوں کی قوت و معیشت کو مجھ سے لے لیا ہے۔ الخ

(مجالس الابرار ترجمہ اردو بحار الانوار جلد دہم۔ مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ۔ صفحہ ۲۱۲)

۸۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی بیٹی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ام کلثوم کا نکاح جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ اس سے شیعہ انکار کرتے ہیں۔ اور مجبوراً اقرار کرتے ہیں۔ تو ان الفاظ میں۔ ذالک فرج غصبناہ (فروغ کافی نو لکشوری۔ جلد دوم ص ۱۴۱)

یعنی وہ ایک فرج ہے جو ہم سے چھینی گئی۔ اس نکاح کی مفصل بحث حسب گنجائش انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

۹۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کے چچا عباس اور ان کی اولاد کو شیعہ اچھا نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ عباس رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرایا تھا۔

چنانچہ شیعہ کے شہید ثالث یوں لکھتے ہیں۔ وظاہر ابواسطہ این وکالت فضولی و امثال آنحضرت امیر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام عباس را مانند دیگر یاران فدائی خود راسخ در محبت و اخلاص نمے دانست

ولہذا چنانکہ سابقا در احوال سید الشہداء مذکور شد آں حضرت از عباس و عقیل بخلفین خائفین تعبیر فرمودہ اند۔ (مجالس المومنین مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۷۸۔) انوار نعمانیہ میں ایک طویل حدیث میں حضرت امیر علیہ السلام اپنے تقاعد کا سبب قلت اعوان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولم یبق معی من اھل بیتی احدا طول به واقوی اما حمزة فقتل یوم احد وجعفر قتل یوم موته وبقیت بین خلفین خائفین ذلیلین حقیرین العباس وعقیل وھم قریبوا اعھد بالاسلام-----------------

ترجمہ: " اور میرے اہل بیت میں سے میرے ساتھ کوئی نہ رہا۔ جس سے مجھے تقویت پہنچتی۔ امیر حمزہ تو جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ اور حضرت جعفر نے جنگ موتہ میں شہادت پائی۔ اور میں دو پیچھے رہنے والے ڈرنے والوں ذلیل و حقیر یعنی عباس و عقیل کے درمیان رہ گیا۔ اور وہ قریب زمانے کے اسلام لانے والے ہیں۔ (انتہی)

اسی مضمون کو امام باقر علیہ السلام یوں ادا فرماتے ہیں۔

ومن کان بقی من بنی ھاشم انما ھاشم انما کان جعفر و حمزة فمضیا وبقی معه رجلان ضعیفان ذلیلان حدیثا عھد بالاسلام عباس وعقیل

(فروع کافی۔ جلد ثالث۔ کتاب الروضہ۔ صفحہ ۹۲۔ نیز دیکھو حیات القلوب نو لکشوری۔ جلد دوم صفحہ ۷۵۶)

ترجمہ: "بنی ہاشم میں سے کون باقی تھا۔ جعفر و حمزہ جو تھے وہ عالم بقا کو رحلت کر چکے تھے۔ اور امیر کے ساتھ دو ضعیف و ذلیل شخص عباس و عقیل باقی تھے۔ جو تازہ اسلام لائے تھے۔

مولوی محمد مہدی علی خاں یوں نقل فرماتے ہیں۔ کہ ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں لکھا ہے۔ کہ ابو جعفر طوسی بسند معتبر روایت کردہ از امام صادق کہ فضیلہ مادر عباس کنیز مادر زبیر و ابوطالب و عبداللہ ابنائے عبد المطلب بود۔ عبد المطلب با او مقارنت کرد کہ عباس ازان بہم رسید۔ زبیر با عبدالمطلب دعویٰ کرد و برپر خاش برآمد کہ این کنیز از مادر مابما میراث رسیدہ است۔ تو بے رخصت اوبا اومقارنت کر دی واین فرزندی کہ بہم رسید یعنی عباس بندۂ ماست۔ پس عبدالمطلب اکابر قریش را شفاعت نزدوی فرستاد کہ تاآنکہ زبیر راضی شد کہ دست از عباس بردارد بشرطیکہ نامہ نوشتہ شود کہ عباس و فرزند انش در مجلسیے کہ ما و فرزندان ما نشستہ باشند نہ نشیند و درہیچ امرے باما شریک نشود و حصہ نہ برد۔ پس باین مضمون نامہ نوشتہ شد و اکابر قریش مہر کردند واین نامہ نزد آئمہ علیہم السلام بود۔

پس اس روایت سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ معاذ اللہ کنیزک زادے اور توبہ توبہ ولدالزنا تھے۔ اور ان کی کنیزک زادگی وغیرہ کی سند مہری دستخطی آئمہ کے پاس موجود تھی۔ شاید اسی سبب سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ذلیل کیا۔ کہ ان کی بیٹی ام کلثوم کا بجبر و اکراہ نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ کوئی صاحب مومنین سے یہ شبہ نہ کریں۔ کہ یہ ایک روایت حضرت عباس کی نسبت ہو گی بلکہ علاوہ اس کے بہت سے احادیث و اخباران کی شان میں موجود ہیں۔

چنانچہ ملا باقر مجلسی حیات القلوب میں بسند معتبر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام زین العابدین فرمود کہ در حق عبداللہ بن عباس و پدرش این آیہ نازل شد۔

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔

ترجمہ: "پس اب تو صاف باپ بیٹے دونوں یعنی عباس اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما کا اعمیٰ اور بے بصیرت ہونا ثابت ہو گیا۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ (انتہی)

(آیات بینات۔ جزء اول۔ فضائل صحابہ۔ مطبوعہ مطبع لکھنؤ۔ ۱۳۰۹ ہجری۔ صفحہ ۱۴۷۔ ۱۴۸)

شیعہ کی طرف سے آیات بینات کے جواب میں جورمی الجمرات لکھی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیعہ اس کے جواب سے عاجز ہیں۔ چنانچہ مجیب نے اس مقام پر یوں لکھا ہے۔ عباس خواہ مثل ابوجہل اور ابولہب کے کہ جس کی شان میں تبت یدا ابی لہب ہے۔ اور پیغمبر صاحب کے حقیقی چچا تھے۔ کافر ہوں۔ خواہ مثل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کے منافق ہوں شیعوں کے مذہب کا کوئی ضرر نہیں ہے۔ اور یہ جو مخاطب نے فرمایا کہ عباس اہل بیت سے ہیں کون مسخرا عباس کو اہل بیت کہتا ہے جز ایک بے ایمان زید بن ارقم کے بسرا سر بے ایمانی وقت استشہاد جناب امیر بحدیث من کنت مولاہ اس نے سکوت اختیار کیا۔ اور بد دعا کی جناب امیر کی سزا دنیا میں ہی پائے۔ انتہی

(رمی الجمرات بجواب کتاب آیات بینات جلد ثالث۔ مطبوعہ مطبع مظہر العلوم۔ صفحہ ۷۹)

رمی الجمرات اول سے آخر تک اسی قسم کے سب و شتم سے پر ہے۔ جس کا یہ فرقہ عادی ہے۔ اسی واسطے اس کتاب کے ٹائیٹل پیج یعنی لوح پر یہ اعلان درج کر دیا گیا ہے۔ "یہ کتاب حضرات شیعہ کے واسطے چھاپی گئی ہے۔ لہٰذا اہل سنت و جماعت نہ دیکھیں۔ اور نہ خریدیں۔"

من کان فی هٰذه اعمٰی الآیہ کا شان نزول جو اوپر مذکور ہوا۔ وہ رجال کشی میں بالاسناد یوں وارد

ہے۔ جعفر بن معروف قال حدثنا یعقوب بن یزید الابناری عن حماد بن عیسٰی عن ابراھیم بن عمر الیمانی عن الفضیل بن یسار عن ابی جعفر علیه السلام قال اتی رجل الٰی ابی علیه السلام فقال ان فلانًا یعنی عبداللّٰه بن العباس یزعم انه یعلم کل ایة نزلت فی القرآن فی ای یوم نزلت وفیم نزلت قال فسله فیمن نزلت ومن کان فی هٰذه اعمٰی فهو فی الاخرة اعمٰی واضل سبیلا وفیم نزلت ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم وفیم نزلت یا ایها الذین امنوا اصبروا وصابرو اورابطوا فاتاه الرجل وقال وددت الذی امرک بهذا واجهنی به فاسائله ولکن سله ماالعرش ومتی خلق وکیف هو فانصرف الرجل الی ابی فقال له ماقال فقال وهل اجابک فی الایات قال لا قال ولکنی اجیبک فیها بنور علم غیر المدعي والمنتحل اما الاولیان فنزلتا فی ابیه واما الاخیرة فنزلت فی ابی و فینا الحدیث۔ (رجال کشی۔ مطبوعہ مطبع مصطفویہ بمبئی۔ صفحہ ۳۶)

ترجمہ: ”جعفر بن معروف کا بیان ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی یعقوب بن یزید انباری نے۔ اس نے حماد بن عیسٰی سے۔ اس نے ابراہیم بن عمر رضی اللہ عنہ یمانی سے۔ اس نے فضیل بن یسار سے۔ کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے میرے والد (زین العابدین علیہ السلام) کے پاس آکر عرض کی۔ کہ فلاں شخص یعنی عبداللہ بن عباس کہتا ہے کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں نازل ہوئی۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ کس دن نازل ہوئی۔ اور کس بارے میں نازل ہوئی میرے والد نے اس شخص سے کہا کہ تو عبداللہ بن عباس سے پوچھ کہ یہ آیت ومن کان فی هذه اعمٰی فهو فی الاخرة اعمٰی واضل سبیلاً۔ کس بارے میں نازل ہوئی۔ اور ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم کس بارے میں نازل ہوئی۔ اور یاایها الذین امنوا اصبروا وصابرو او رابطو کس بارے میں نازل ہوئی۔ وہ شخص عبداللہ کے پاس آیا۔ عبداللہ نے کہا میں چاہتا تھا۔ کہ جس نے تجھے ومن کان فی هٰذه اعمٰی کا شان نزول جو اوپر مذکور ہوا وہ رجال کشی میں بالاسناد یوں مذکور ہے۔

جعفر بن معروف قال حدثنا یعقوب بن یزید الانباری عن حماد بن عیسٰی عن ابراهیم بن عمر الیمانی عن الفضیل بن یسار عن ابی جعفر علیه السلام قال اتی رجل الی ابی علیه السلام فقال ان فلانًا یعنی، عبدالله

بن عباس یزعم انه یعلم کل ایة نزلت فی القرآن فی ای یوم نزلت وفیم نزلت قال فسله فیمن نزلت ومن کان فی هٰذہ اعمٰی فهو فی الاٰخرۃ اعمی واضل سبیلا وفیم نزلت ولا ینفعکم نصحے ان اردت ان انصح لکم وفیم نزلت یاایها الذین امنوا اصبروا وصابرو او رابطوا فاتاه الرجل (وساله ما قال) فقال وددت الذی امرک بهٰذا واجهنی به فاسائله ولکن ساله ما العرش ومتی خلق وکیف هو فانصرف الرجل الی ابی فقال له ماقال فقال وهل اجابک فی الایات قال لا قال ولکنی اجیبک فیها بنور وعلم غیر المدعی والمنتهل امام الاولیان فنزلتا فی ابیه واما الاخیرۃ فنزلت فی ابی وفینا الحدیث (رجال کشی۔ مطبوعہ مطبع مصطفویہ بمبئی۔ صفحہ ۳۶)

ترجمہ: (بحذف اسناد) فضیل بن یسار کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ایک شخص نے میرے والد۔ (امام زید العابدین علیہ السلام) کے پاس آکر عرض کی۔ فلاں شخص یعنی عبداللہ بن عباس کہتا ہے کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں نازل ہوئی مجھے معلوم ہے کہ وہ کس دن نازل ہوئی۔ میرے والد نے اس شخص سے کہا۔ کہ تو عبداللہ بن عباس سے پوچھ کہ یہ آیت (ومن کان فی هٰذه اعمٰی فهو فی الاخرۃ اعمٰی واضل سبیلا) کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور آیت ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم کس بارے میں نازل ہوئی۔ اور آیت یا یها الذین امنوا اصبرو وصابروا ورابطوا کس بارے میں نازل ہوئی۔ وہ شخص عبداللہ بن عباس کے پاس آیا۔ اور اس سے وہ دریافت کیا۔ عبداللہ نے کہا۔ کاش وہ جس نے تجھے یہ حکم دیا میرے سامنے ہوتا۔ تو میں اس سے پوچھتا۔ لیکن تو اس سے دریافت کرنا کہ عرش کیا ہے۔ کب پیدا کیا گیا اور کیا ہے۔ وہ شخص لوٹ کر میرے والد کے پاس آیا۔ اور کہہ سنایا جو عبداللہ نے کہا تھا۔ میرے والد نے کہا۔ اس نے ان آیتوں کی نسبت تجھے کچھ جواب دیا۔ اس نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مدعی منتحل کیا میں تجھے نور و علم سے ان کی نسبت جواب دیتا ہوں۔ پہلی دو آیتیں تو اس کے باپ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ رہی اخیر کی آیت۔ سو وہ میرے باپ کے اور ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ الحدیث (انتہی)

اسی طرح امام باقر علیہ السلام ہی فرماتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے یوں دعا مانگی۔

اللّٰهم العن ابنی فلان واعم ابصارهما وعميت قلوبهما واجعل عمی ابصارهما دَلِیْلاً علی عمی قلوبها۔ (رجال کشی ۔ صفحہ ۳۵)

یعنی خدایا تو فلاں کے دو بیٹوں عبداللہ بن عباس اور عبید اللہ بن عباس۔ پر لعنت بھیج۔ اور ان کی آنکھیں اندھی کر دے۔ جیسا کہ ان کے دل اندھے ہیں۔ اور ان کی آنکھوں کے اندھاپن کو ان کے دلوں کے اندھاپن کی دلیل بنا دے۔ انتہے۔

رجال کشی صفحہ ۳۷ پر حسن مجتبیٰ کا یہ قول مذکور ہے۔

فاما انت یا ابن عباس ففیمن نزلت هٰذه الایة فلبئس المولٰی ولبس العشیر فی ابی ابیک۔ یعنی اے عبداللہ بن عباس یہ تو بتا کہ آیت **فلبئس المولٰی ولبئس العشیر** کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے باپ یا تیرے باپ کے بارے میں۔

اس روایت کا راوی بیان کرتا ہے۔ کہ اس کے بعد امام حسن نے قرآن مجید کی بہت سی آئتیں پڑھ کر سنائیں جو عباس کے بارے میں نازل ہوئیں۔

شیعہ اور آئمہ اہل بیت عظام
مولیٰ مرتضیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

مولیٰ مرتضیٰ کی ذاتی شجاعت وقوت کے بارے میں کتب شیعہ میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ جن میں سے چند بطور مشتے نمونہ از خروار ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ سید نعمت اللہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں لکھا ہے۔

روی البرسی فی کتابه لما وصف وقعة خیبر وان الفتح فیها کان علی ید علی ان جبریل جاء الی رسول اللّٰه مستبشرا بعد قتل مرحب فساله النبی عن استبشاره فقال یارسول الله ان علیا لما رفع السیف لیضرب به مرحبا امر اللّٰه سبحانه اسرافیل ومیکائیل ان یقبضا عضده فی الهواء حتی لا یضرب بکل قوة ومع هٰذا قسمه نصفین وکذاما علیه من الحدید وکذا فرسه ووصل السیف الی طبقات الارض فقال لی اللّٰه سبحانه یا جبرئیل بادر الٰی تحت الارض وامنع سیف علی عن الوصول الی ثور الارض حتٰی لا تنقلب الارض فمضیت فامسکته فکان علی جناحی اثقل من مدائن قوم لوط وهی سبع مدائن قلعتها من الارض السابعة ورفعتها فوق ریشة واحدة من جناحی الی قرب السماء وبقیت منتظر الامر الٰی وقت السحر حتی امرنی اللّٰه بقلبها فما وجدت لها ثقلا کثقل سیف علی فساله النبی لم لا قلبتها من ساعة رفعتها فقال یارسول اللّٰه انه قد کان فیهم شیخ کافر نائم علی قفاه وشیبته الی السماء فاستحی اللّٰه سبحانه ان یعذبهم فلما ان کان وقت السحر انقلب ذلک الشائب عن قفاه فامرنی بعد ابها وفی ذلک الیوم ایضًا لم فتح الحصن واسروا نسائهم فکان فیهم صفیة بنت

ملک الحصن فاتت النبی وفی وجهها اثر شجة فساله النبی عنها فقالت ان علیا لما اتی الحصن وتعسر علیه اخذه اتی الٰی برج من بروجه فهذه فاهتز الحصن کله وکل من کان فوق مرتفع سقط منه وانا کنت جالسة فوق سریری فهویت من علیه فاصا بنی السریر وفقال لها النبیؐ یاصفیة ان علیا لما غضب وهز الحصن غضب اللّٰہ لغضب علی فزلزل السموت کلها حتّٰی خافت الملائکة ووقعوا علٰی وجوههم وکفی بها شجاعة ربانیة وامام باب خیبر فقد کان اربعون رجلا یتعاونون علی سده وقت اللیل ولما دخل الحصن علی ترسه من یده من کثرة الضرب فقلع الباب وکان فی یده بمنزلة الترس یقاتل فهو یده حتی فتح اللّٰہ علیه۔

ترجمہ: "برسی نے اپنی کتاب میں واقعہ خیبر اور اس کے حضرت علی کے ہاتھ پر فتح ہونے کے بیان میں روایت کی ہے۔ کہ مرحب کے قتل کے بعد جبرائیل بشارت دینے کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب رسالت مآب نے اس بشارت کی نسبت دریافت کیا۔ جبرئیل نے عرض کی۔ یارسول اللہ جب علی نے اپنی تلوار مرحب پر مارنے کے لئے اٹھائی۔ تو اللہ سبحانہ نے اسرافیل و میکائیل کو حکم دیا۔ کہ علی کا بازو ہوا میں روک لو تاکہ وہ اپنی پوری قوت سے نہ ماریں۔ باوجود اس کے مرحب کو مع اس کی زرہ اور گھوڑے کے دو ٹکڑے کر دیا۔ اور تلوار طبقات زمین میں پہنچ گئی۔ پس مجھے اللہ سبحانہ نے حکم دیا۔ کہ اے جبرئیل جلدی زمین کے نیچے پہنچ۔ اور علی کی تلوار کو گاؤ زمین تک پہنچنے نہ دے۔ تاکہ زمین زیر و زبر نہ ہو جائے۔ لہٰذا میں گیا۔ اور اسے روکا۔ اور وہ میرے بازو پر قوم لوط کے شہروں سے بھاری تھی۔ اور وہ سات شہر تھے۔ جن کو میں نے ساتویں زمین سے اکھیڑا اور اپنے بازو کے ایک پَر پر آسمان کے قریب تک اٹھایا۔ اور وقت صبح تک حکم کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے مجھے ان شہروں کے الٹانے کا حکم دیا۔ سو میں نے ان شہروں کا بوجھ تلوار علی کا سا نہ پایا۔ جناب رسالت مآب نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ تو نے ان شہروں کو اٹھاتے ہی کیوں نہ الٹا دیا۔ جبرئیل نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ان میں ایک بوڑھا کافر پیٹھ کے بل سو رہا تھا۔ اور اس کے سفید بال آسمان کی طرف تھے۔ پس اللہ سبحانہ کو شرم آئی کہ ان کو عذاب دے۔ جب صبح کا وقت ہوا۔ تو اس بوڑھے نے کروٹ لی۔ پس اللہ نے مجھے عذاب کا حکم دیا۔ اور

اسی دن جب قلعہ فتح ہوا۔ اور ان کی عورتیں اسیر ہو گئیں۔ ان میں شاہ قلعہ کی بیٹی صفیہ تھی۔ وہ نبی کی خدمت میں آئی۔ اور اس کے منہ پر ضرب کا نشان تھا۔ حضور نے اس کا سبب دریافت کیا۔ اس نے عرض کی کہ جب علی قلعہ کی طرف آئے۔ اور اس کا فتح کرنا ان پر دشوار ہوا۔ تو وہ اس کے برجوں میں سے ایک کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اسے ہلایا۔ پس وہ تمام قلعہ ہل پڑا۔ اور جو اونچی جگہ پر تھے گر پڑے۔ میں اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس پر سے گر پڑی۔ اور مجھے ضرب آئی۔ جناب رسالت مآب نے اس سے فرمایا۔ اے صفیہ جب علی غضب میں آیا۔ اور قلعہ کو ہلایا۔ تو علی کے غضب سے خدا غضب میں آیا پس تمام آسمانوں میں زلزلہ پڑ گیا۔ یہاں تک کہ فرشتے ڈر گئے۔ اور اپنے منہ کے بل گر پڑے۔ یہ شجاعت ربانیہ کافی ہے۔ رہا در خیبر۔ سو چالیس آدمی مل کر اس کو رات کے وقت بند کیا کرتے تھے۔ جب علی قلعہ میں داخل ہوئے۔ تو کثرت ضرب سے آپ کی ڈھال پارہ پارہ ہو کر گر پڑی۔ پس آپ نے اس دروازے کو اکھیڑ لیا۔ اور وہ آپ کے ہاتھ میں مانند ڈھال کے تھا۔ حضرت امیر جنگ کرتے رہے۔ اور وہ دروازہ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو فتح دی۔ (انتہی)

۲۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے۔

علی بن ابراہیم از ابو واثلہ روایت کردہ است کہ گفت روزے با عمر بن الخطاب براہے مے رفتم۔ ناگاہ اضطرا بے در او یافتم۔ وصداے از سینہ او شنیدم مانند کسیکہ از ترس مدہوش شود۔ گفتم چہ شد ترا اے عمر رضی اللہ عنہ۔ گفت مگر نمے بینی شیر بیشۂ شجاعت را و معدن کرم و فتوت را و کشندۂ طاغیان و باغیان راوز نندہ بدو شمشیر و علمدار صاحب تدبیر را۔ چون نظر کردم علی بن ابی طالب رادیدم۔ گفتم اے عمر این علی بن ابی طالب ست۔ گف نزدیک من بیا تاشمہ از شجاعت و دلیری و بسالت اوبرائے تو بیان کنم۔ بدانکہ حضرت رسول روز احد از مابیعت گرفت کہ نگریزیم و ہرکہ از ما بگریزد گمراہ باشد و ہرکہ کشتہ شود شہید باشد و پیغمبر ضامن بہشت باشد برائے او۔ چون بجنگ ایستادیم ناگاہ دیدم کہ صد نفراز شجاعان وصنا دید قریش روبما آور دند کہ ہر یک صد نفر یا بیشتر از دلیران خود داشتند۔ پس مارا از جائے خود کند ندو ہمہ گر یختیم۔ در آنجا علی رادیدیم کہ مانند شیر ژیان کہ بر گلہ موران حملہ کند بر مشرکان حملہ مے کرد وازایشان پروانمے کرد۔ چون مارا دید کہ مے گریزیم گفت قبیح و پارہ پارہ و بریدہ و خاک آلودہ باد روہائے شما۔ بکجا مے گریزید۔ بسوئے جہنم مے شتابید۔ چون

دید کہ ما برنمے گردیم۔ برما حملہ کرد و شمشیر پہنے درد شت داشت کہ مرگ ازان مے چکید وگفت بیعت کردید و بیعت را شکستند۔ واللہ کہ شماسزا وار ترید بکشتہ شدن از انہا کہ من مے کشم۔ چون بدید ہایش نظر کردیم مانند دوکاسہ زیت کہ آتش دران افروختہ باشند مے درخشید۔ و مانند دو قدح پر خون از شدت غضب سرخ شدہ بود۔ من جزم کردم کہ ہمہ مارا بیک حملہ ہلاک خواہد کرد۔ پس من از سائر گریختگاں بنزدیک اور فتم و گفتم۔ اے ابو الحسن بخدا ترا سوگند مے دہم کہ دست ازمابرداری زیرا کہ عرب کارشاں انیست کہ گاہ مے گریزند و گاہ حملہ مے کنند۔ ننگ گریختن را بر طرف مے کنند گویا از روی من شرم کرد و دست از مابرداشت و برکافران حملہ کرد و این ساعت ترس اوازدل من بدر زفتہ است۔ و ہرگاہ کہ اورامے بنیم ہراسان مے شوم۔

(حیات القلوب۔ جلد دوم صفحہ ۴۰۳۔ ۴۰۴)

ترجمہ: "علی بن ابراہیم نے ابو واثلہ سے روایت کی ہے۔ کہ اس نے بیان کیا۔ ایک دن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی راستے میں جا رہا تھا۔ یکایک میں نے ان میں ایک اضطرابی حالت دیکھی۔ اور ایک آواز ان کے سینے سے سنی جیسے کوئی ڈر کر بے ہوش ہو جائے۔ میں نے کہا۔ اے عمر رضی اللہ عنہ تمہیں کیا ہو گیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ کیا تو نہیں دیکھا شیر بیشہ شجاعت اور معدن کرم و فتوت کو اور گمراہوں اور سرکشوں کو قتل کرنے والے اور دو شمشیر کے چلانے والے کو اور علم دار صاحب تدبیر کو۔ میں نے جو دیکھا تو علی بن ابی طالب کو پایا۔ میں نے کہا۔ اے عمر رضی اللہ عنہ یہ تو علی بن ابی طالب ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میرے پاس آ۔ تاکہ میں ایک کرشمہ ان کی بہادری اور دلیری کا تم سے بیان کروں۔ سنو حضرت رسول نے احد کے دن ہم سے بیعت لی تھی۔ کہ ہم نہ بھاگیں۔ اور جو کوئی ہم میں سے بھاگے گا وہ گمراہ ہو گا۔ اور جو کوئی مارا جائے گا وہ شہید ہو گا۔ پیغمبر اس کے لئے بہشت کے ضامن ہوں گے چنانچہ جب ہم لڑنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو دیکھا کہ سو نفر قریش کے سردار اور بہادروں نے ہماری طرف رخ کیا۔ ان میں سے ہر شخص اپنے ساتھ سو بہادروں سے زیادہ رکھتا تھا۔ پس ان لوگوں نے ہمیں اپنی جگہ سے ہٹا دیا۔ اور ہم بھاگ گئے۔ وہاں ہم نے علی کو دیکھا کہ جس طرح غضبناک شیر چیونٹیوں کے گلہ پر حملہ کرتا ہے۔ مشرکوں پر حملہ کر رہے تھے۔ اور ان سے بالکل نہ ڈرتے تھے۔ انہوں نے جب ہمیں دیکھا کہ ہم بھاگ رہے ہیں۔ کہنے لگے۔ قبیح اور پارہ پارہ اور خاک آلود ہو جائیں۔ تمہارے چہرے۔ کہاں بھاگے جاتے ہو۔ جہنم کی

طرف جاتے ہو۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہم نہیں لوٹتے۔ تو ہم پر حملہ کیا۔ ایک چوڑی تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ جس سے موت ٹپک رہی تھی۔ کہنے لگے۔ تم نے بیعت کی۔ اور بیعت کو توڑا۔ خدا کی قسم جن لوگوں کو میں مار رہا ہوں ان سے بھی زیادہ تم مارے جانے کے قابل ہو۔ ہم نے جب ان کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ تو مثل دو پیالہ روغن زیتوں کے جن میں آگ روشن ہو چمک رہی تھیں۔ اور مثل دو پیالہ خون کے بسبب شدت خشم کے سرخ ہو گئی تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ہم سب کو ایک ہی حملہ میں ہلاک کر دیں گے۔ للذا میں ان تمام فراریوں میں سب سے پہلے ان کے پاس گیا۔ اور میں نے کہا۔ اے ابو الحسن میں آپ کو خدا کی قسم دلاتا ہوں۔ کہ اب ہمارے قتل سے ہاتھ اٹھا لیجئے۔ کیونکہ عرب کا کام یہی ہے۔ کہ کبھی بھاگتے ہیں۔ اور کبھی حملہ کرتے ہیں جب حملہ کرتے ہیں تو بھاگنے کی شرم بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ گویا علی نے میرے منہ سے شرم کی۔ اور ہم لوگوں کے قتل سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور کافروں پر حملہ کر دیا اس وقت تک ان کا خوف میرے دل سے نہیں گیا۔ اور جب ان کو دیکھتا ہوں۔ ایسا ہی خائف ہو جاتا ہوں۔ (انتہی)

۳۔ شیعہ کے علامہ طبرسی بروایت امام جعفر صادق لکھتے ہیں۔ کہ مہاجرین و انصار میں سے بارہ نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی مخالفت کی تھی۔ اور برخلاف تقریریں کی تھیں۔ حضرت، سلمان فارسی نے کچھ سخت تقریر کی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر حملہ کرنے اٹھے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فهم به عمر بن الخطاب فوتب اليه امير المؤمنين عليه السلام واخذ بجامع ثوبه ثم جلد به الارض ثم قال يا ابن صهاک الحبشية لولا كتاب من الله سبق وعهد من رسول الله تقدم لاريتک اينا اضعف ناصرا واقل عددا۔ (کتاب الاحتجاج مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ھ صفحہ ۴۵)

ترجمہ: "پس عمر بن خطاب نے سلمان پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ حضرت امیر المومنین عمر کی طرف جھپٹے اور ان کا گریبان پکڑ لیا۔ پھر انہیں زمین پر دے مارا۔ پھر فرمایا۔ اے صحاک حبشیہ کے بیٹے۔ اگر پہلے سے اللہ کا نوشتہ نہ ہوتا اور رسول اللہ سے عہد نہ ہوتا۔ تو میں تجھے دکھا دیتا۔ کہ از روئے مددگار ہم میں کون ہے۔ اور از روئے گنتی کون کم ہے۔ (انتہی)

۴۔ شیعہ کے قطب راوندی (متوفی ۵۷۳ ہجری) نے حضرت امیر علیہ السلام کے معجزات کے ضمن میں یوں لکھا ہے۔

ومنها ماروی عن سلمان الفارسی رضی اللّٰہ عنه قال ان علیا بلغه عن عمر ذکره شیعته فاستقبله فی بعض طرق بساتین المدینة وفی ید علی قوس فقال یا عمر بلغنی عنک ذکرک شیعتی فقال اربع علی ظلعک فقال انک لها هنا ثم رمی بالقوس علی الارض فاذا هو ثعبان کالبعیر فاغراً فاه وقد اقبل نحو عمر لیبتلعه فصاح عمر اللّٰہ اللّٰہ یا ابا الحسن لاعدت بعدها فی شیئ وجعل یتضرع الیه فضرب بیده الی الثعبان فعادت القوس کما کانت فمضی عمر الٰی بیته مرعوبا۔

(کتاب الخرائج والجرائح مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۱ ہجری۔ صفحہ ۲۰۔۲۱)

ترجمہ: "اور منجملہ معجزات ایک وہ ہے جس کو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمان کا بیان ہے۔ کہ حضرت علی کو خبر ملی کہ عمر نے ان کے شیعوں کا کچھ ذکر کیا ہے۔ (اتفاق سے) باغات مدینہ کے کسی راستے میں علی کو عمر مل گئے۔ علیکے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔ انہوں نے کہا۔ اے عمر مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے میرے شیعوں کا کچھ ذکر کیا ہے۔ عمرؓ نے کہا۔ کہ اپنی جان پر رحم کر۔ علی نے کہا۔ میں یہیں تیری خبر لیتا ہوں۔ پھر کمان زمین پر پھینک دی۔ تو وہ ایک اژدہا منہ کھولے مانند اونٹ کے بن گئی۔ اور عمر کی طرف چلی تاکہ ان کو نگل جائے یہ دیکھ کر عمرؓ چلائے۔ اللہ اللہ اے ابو الحسن میں پھر ایسا قصور نہ کروں گا۔ اور علیؓ کے آگے عاجزی کرنے لگے۔ پس علی نے اژدہا پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ تو وہ بدستور کمان ہو گیا۔ اور عمر خوف زدہ اپنے گھر کو چلے گئے۔ (انتہیٰ)

۵۔ قطب راوندی کتاب مذکور کے پندرھویں باب میں آئمہ دوازدہ کی امامت کی صحت پر دلالت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ومنها ان علیا قد جری بینه وبین ابی بکر کلام قد تقدم ذکره فی حدیث فدک فی باب فاطمة وذلک ان ابابکر امر خالد بن الولید ان یقتل علیا اذا سلم من صلٰوۃ الفجر بالناس فاتی خالد وجلس الٰی جنب علی ومعه سیف فتفکر ابوبکر فی صلٰوۃ فی عاقبة ذلک فخطر بباله ان بنی هاشم یقتلوننی ان قتل علی فلما فرغ من التشهد التفت الی خالد قبل ان یسلم وقال لا تفعل ما امرتک به ثم قال السلام علیکم فقال علی لخالد اکنت

ترید ان تفعل ذلک قال نعم فمد یدہ الٰی عنقه وخنقه باصبعیه حتی کادت عیناہ یسقطان من راسه وناشدہ باللّٰہ ان یترکه وشفع الیه الناس فخلاہ ثم کان خالد بعد ذلک یرصد الفرصة والفجاءة لعله یقتل علیا غرۃ فبعث بعد ذلک عسکر مع خالد الٰی موضع فلما خرجوا من المدینة وکان خالد مدججًا وحوله شجعان قد امر واان یفعلوا کلما یامرهم خالد فرای علیا یجی من ہضیعت منفردا بلا سلاح فلما دنی منه وکان فی یدخالد عمود من حدید فرفعه لیضرب لهم ذلک فاحضروا جماعة من الحدادین فقالوا لا تمکن من انتزاعه الا بعد جعله فی النار وفی ذلک هلاکه فلما علموا حاله قالوا علی هو الذی یخلصه من ذلک کما جعله فی جیدہ وقدالان اللّٰہ له الحدید کما الانه لدائود فشفع ابوبکر الی علی فاخذ القلادۃ وفکه بعضه من بعضه باصبعه فبهتوا۔ (کتاب الخرائج والجرائح۔ صفحہ ۱۲۳)

ترجمہ: "اور منجملہ دلالات کے یہ ہے کہ علی اور ابوبکر کے درمیان گفتگو ہوئی۔ جس کا ذکر حدیث فدک کے باب فاطمہ میں پہلے آچکا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ابوبکر نے خالد بن ولید کو حکم دیا۔ کہ علی کو نماز فجر میں سلام کے بعد قتل کردو۔ چنانچہ خالد آئے۔ اور علی کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اور ان کے پاس تلوار تھی۔ پھر ابوبکر کو نماز ہی میں اس کے انجام کا خیال آیا۔ ان کے دل میں خطرہ پیدا ہوا۔ کہ اگر علی قتل کردیئے گئے۔ تو بنو ہاشم مجھے قتل کردیں گے۔ پس جب وہ التحیات سے فارغ ہوئے۔ تو خالد کی طرف سلام پھیرنے سے پہلے متوجہ ہوئے۔ اور کہا جو میں نے تم سے کہا تھا وہ نہ کرنا۔ اس کے بعد کہا السلام علیکم۔ پس علی نے خالد سے کہا۔ کہ کیا تم یہ کرنا چاہتے تھے۔ خالد نے کہاں ہاں پس علی نے اپنا ہاتھ ان کی گردن کی طرف بڑھایا۔ اور دو انگلیوں سے ان کا گلا گھونٹ دیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ ان کی دونوں آنکھیں ان سے گر پڑیں۔ خالد نے ان کو اللہ کی قسم دے کر کہا۔ کہ مجھے چھوڑ دیجئے۔ اور لوگوں نے بھی سفارش کی۔ تو علی نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد خالد موقع اور گھات کے منتظر رہتے تھے۔ تاکہ علی کو اچانک قتل کردیں۔ چنانچہ اس کے بعد ایک لشکر خالد کے ہمراہ کسی مقام میں بھیجا گیا۔ جب یہ لوگ مدینہ سے باہر نکل گئے۔ اور خالد مسلح تھے۔ اور ان کے ہمراہ بہادر لوگ تھے۔ جن کو حکم دیا گیا تھا کہ جو کچھ خالد انہیں حکم دیں وہی کریں۔ پس خالد نے علی کو دیکھا۔

کہ وہ اپنے کھیت سے اکیلے بغیر ہتھیار کے چلے آ رہے ہیں۔ جب وہ خالد کے قریب پہنچے۔ اور خالد کے ہاتھ میں ایک لوہے کا گرز تھا۔ خالد نے اسے اٹھایا۔ کہ علی کے سر پر ماریں۔ علی نے وہ گرز ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور اسے گلوبند کی طرح موڑ کر ان کے گلے میں ڈال دیا۔ خالد ابوبکر کے پاس لوٹ کر گئے۔ سب لوگوں نے اس کے توڑنے کی کوشش کی مگر نہ ہو سکا۔ آخر انہوں نے لوہاروں کی ایک جماعت کو بلایا۔ لوہاروں نے کہا کہ یہ گلوبند بغیر آگ میں گلانے کے ہرگز گردن سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اور آگ میں دھکائیں تو خالد مرجائے گا۔ جب لوگوں کو اس کا حال معلوم ہوا۔ تو کہنے لگے کہ علی ہی اس سے نجات دلا سکتے ہیں۔ جس طرح انہوں نے اس کو ان کی گردن میں ڈالا ہے۔ اللہ نے علیؑ کے لئے لوہے کو نرم کر دیا ہے۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے نرم کر دیا تھا۔ پس ابوبکر نے علی سے سفارش کی۔ تو علی نے اس گلوبند کو پکڑ کر ایک انگلی سے اس کا ایک ایک ٹکڑا الگ کر دیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ (انتہیٰ)

۶۔ ارشاد القلوب میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ کہ ہم ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت خوب دن چڑھ گیا تھا۔ کہ ناگاہ خالد بن ولید مخزومی ایک اپنے بڑے لشکر کے ساتھ آئے۔ جس کے گھوڑوں کے سموں سے غبار آسمان تک چڑھ گیا تھا۔ اور ان کے ہنہنانے سے زمین کا میدان گونج رہا تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کلاں چکی کا پاٹ خالد کی گردن میں پہنایا ہوا ہے۔ جب خالد سامنے آئے اپنے گھوڑے سے اتر کر مسجد کے اندر گئے اور ابوبکر کے روبرو کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے ان پر نظریں ڈالیں۔ اور اس بات کو اپنے دلوں میں خوب سمجھ گئے۔ اس دم خالد نے کہا کہ اے ابو قحافہ کے بیٹے۔ اب تم انصاف کرو کہ خدا نے تم کو ایسی جگہ پر بٹھلایا ہے۔ جس کے تم سزاوار نہ تھے۔ تم اس رتبہ پر ایسے بلند ہوئے جیسے مچھلی پانی پر ابھر آتی ہے۔ اور وہ جب ہی ابھرتی ہے کہ جب اس میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ پھر خالد نے طائف سے اپنے واپس آنے کی حالت اور حضرت علی کے راہ میں ملنے کی کیفیت بیان کرنے کے بعد کہا۔ کہ اے ابوبکر علی نے اپنا ہاتھ میرے حلقوم پر مارا۔ اور میرا گلہ پکڑ کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ اور مجھ کو گھسیٹتے ہوئے دور تک لے گئے۔ وہاں حارث بن کلاہ ثقفی کی کلاں چکی منگوائی۔ اور اس کا بہت بڑا اور موٹا سا ایک پاٹ اٹھایا۔ اور میری گردن میں دونوں ہاتھوں سے اس طرح سے لپیٹ دیا جیسے کہ گرم کی ہوئی لاکھ کسی چیز پہ لپٹ جاتی ہے۔ اور سب ہمراہی میرے کھڑے ہوئے تماشا دیکھتے رہے۔ کسی کو حوصلہ نہ پڑا کہ کچھ بھی جرأت کر

سکیں۔ خدا ان کو اس خیانت کی سزا دے۔ یہ لوگ حضرت علی کو ایسی خائفانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ جیسے کوئی ملک الموت کو دیکھتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہرچند کے قریب سو آدمیوں کے بلکہ زیادہ نہایت طاقتور پہلوان عرب لوگ اس پاٹ کے جدا کرنے کے واسطے جمع ہوئے۔ لیکن کسی سے وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اب ہم کو لوگوں کے مجبور ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ علی نے جادو کیا ہے۔ یا ان میں فرشتوں کی قوت ہے۔ زاں بعد ابوبکر نے عمر کو طلب کیا اور قیس بن عبادہ انصاری کو بلا کر چکی کے پاٹ جدا کرنے کا حکم دیا۔ جب قیس بھی عاجز ہوا۔ اور اس سے بھی علیحدہ نہ ہو سکا۔ اور کچھ تدبیریں نہ پڑی۔ تو خالد اسی حالت سے کہ پاٹ ان کی گردن میں پڑا ہوا تھا۔ مدت دراز تک مدینہ میں پھرتے رہے۔ چند روز کے بعد پھر ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت علی ابھی سفر سے تشریف لائے ہیں۔ اور ان کی پیشانی پر عرق آرہا ہے۔ اور چہرے کا رنگ سرخ ہے۔ یہ خبر پاکر ابوبکر نے اقرع بن سراقہ باہلی اور اشوش بن اشجع ثقفی کو بھیجا کہ حضرت علی کو ہمارے پاس مسجد میں بلاؤ۔ وہ دونوں اسی دم حضرت کے پاس گئے۔ اور پیام دیا کہ ابوبکر آپ کو کسی خاص کام کے لئے بلاتے ہیں۔ جس کے سبب سے وہ بہت متردد ہیں۔ اس وقت وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ آپ ان کے پاس مسجد نبوی میں چلیں۔ حضرت علی نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے کہا آپ ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے جس کے لئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارا کیا برا طریق ہے۔ مسافر تو پہلے اپنے گھر جاتا ہے۔ پھر کچھ ستا کر کسی سے ملتا جلتا ہے۔ یہ سن کر وہ دونوں ناکام واپس لوٹ آئے۔ اس کے بعد ابوبکر ایک جماعت کے ساتھ خود ہی حضرت علی کے مکان پر گئے۔ ان کے ہمراہ خالد بن ولید بھی تھے۔ جب حضرت علی کی نظر خالد پر پڑی فرمایا کہ اے ابو سلیمان تمہاری گردن میں کیا اچھا ہار پڑا ہوا ہے۔ بہرحال دونوں طرف سے بڑی دیر تک گفتگو رنجش انگیز کدورت آمیز ہوتی رہی۔ جب ایسی گفتگو باہم ہونے لگی۔ تب ابوبکر نے کہا۔ کہ ہم اس لئے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ ہم آپ سے یہ عرض کرتے ہیں کہ خالد کی گردن میں سے اس لوہے کو کھول لو کہ اس کے بوجھ سے انکو سخت تر تکلیف ہے۔ اور ان کے حلقوم پر بھی اس کا اثر ہو گیا ہے۔ اب تو آپ نے اپنے سینے کی سوزش بجھالی۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اگر ہم اپنے سینے سے سوزش بجھانا چاہتے تو ہماری ذوالفقار تابدار میں ان کی بیماری کا پورا علاج تھا۔ اور یہ لوہا جو خالد کی گردن میں ہے ہم اس کو ہرگز جدا نہ کریں گے۔ وہ خود ہی اس کو اپنی قوت سے جدا کرلیں۔ یا دیکھیں تو تم میں سے کوئی ایسا طاقتور ہے جو اس کو جدا کر سکے۔ اس وقت بریدہ اسلمی اور عامر بن اشجع اور عمار یاسر نے بہت کچھ خوشامدیں در آمدیں کرکے التجائیں کیں۔ مگر آپ نے کسی کے معروضہ کا خیال نہ فرمایا۔ آخر کار

جب ابوبکر نے کہا کہ اے علی خدا کے واسطے اور اپنے بھائی مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کے واسطے خالد کی حالت زار پر رحم کیجئے۔ اور اس طوق آہنی گراں سنگ کو ان کے حلق سے جدا کر دیجئے جب ابوبکر نے بہت کچھ لجاجت و سماعت کی۔ تب حضرت علی شرمندہ ہو گئے۔ کیونکہ آپ میں شرم و حیا بہت تھی۔ پھر آپ نے خالد کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اس طوق کا ایک ٹکڑا توڑ کر اپنے ہاتھ میں لپیٹتے جاتے تھے۔ وہ موم کی طرح لپٹتا جاتا تھا۔ پہلے ٹکڑے کو آپ نے خالد کے سر پر مارا بعد اس کے دوسرا ٹکڑا کھول کر پھر خالد کے سر پر مارا۔ تو خالد نے آہ کر کے کہا کہ یا امیرالمومنین اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ تم ناخوشی سے ہم کو امیرالمومنین کہتے ہو۔ اگر اس لفظ کو نہ کہتے تو تیسرا ٹکڑا ہم تمہارے نیچے سے نکال لیتے اور وہ ویسے ہی برابر لوہے کو توڑتے رہے۔ یہاں کہ کل پاٹ توڑ ڈالا۔ جب حاضرین نے یہ زور دیکھی۔ تو سب کے سب تعجب میں رہ گئے۔

(مظہر الغرائب مصنفہ عمدۃ المناظرین مولوی محمد جہانگیر خان۔ مطبوعہ مطبع اکبری آگرہ ۱۳۲۳ ہجری۔ صفحہ ۸۰ تا)

۷۔ شیعہ کے علامہ مجلسی بحار الانوار میں حضرت فاطمۃ الزہرا کی وفات کے ذکر میں ایک طویل روایت محمد بن ہمام کی لکھتے ہیں۔ جس کا ایک حصہ یوں ہے۔

جب مسلمانوں کو ان معصومہ کے انتقال کی اطلاع ہوئی۔ بقیع میں آئے اور چالیس قبریں تازی پائیں۔ اور ان قبروں میں قبر معصومہ ان لوگوں پر مشتبہ ہو گئی۔ پس لوگوں نے آواز بنوحہ و فریاد بلند کی۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت اور سرزنش کرنے لگے۔ اور کہا کہ تمہارے پیغمبر نے ایک دختر چھوڑی تھی۔ حیف ہے کہ وہ مرجائے اور دفن ہو اور تم اس کی وفات کے وقت حاضر نہ ہو۔ اور اس پر نماز نہ پڑھو۔ اور اس کی قبر کو نہ پہچانو۔ پس ان کے سرگروہ یعنی ابوبکر اور عمر نے کہا۔ کہ مسلمانوں کی عورتوں میں سے کسی کو لاؤ کہ ان قبروں کو کھودے۔ تاکہ فاطمہ علیہا السلام کو قبر سے نکال کر نماز پڑھیں۔ اور لوگ ان کی قبر کو دیکھیں۔ یہ خبر امیر المومنین علیہ السلام کو پہنچی۔ تو حضرت غضبناک گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور زیادہ غصہ سے حضرت کی آنکھیں سرخ تھیں۔ اور رگیں گلو مبارک کی پھولی ہوئی تھیں۔ اور زرد قبا زیب جسم کی ہوئی تھی وہ قبا جناب سختی اور جنگ کے وقت پہنتے تھے۔ اور ذوالفقار ہاتھ میں لئے ہوئے اور اس پر تکیہ کرتے ہوئے بقیع میں تشریف لائے۔ اور لوگوں کی جانب تشریف لے گئے۔ جب انہوں نے حضرت کو اس حال سے دیکھا۔ کہنے لگے کہ اس وقت علی بن ابی طالب اسی طرح آئے ہیں۔ کہ جس طرح دیکھتے ہو اور وہ خدا کی قسم کھاتے ہیں۔ کہ اگر کوئی پتھر قبروں پر سے اٹھایا گیا۔ میں ضرور سب کو اس تلوار سے قتل کروں گا۔ پس عمر اور جو لوگ ہمراہ اس کے تھے۔ انہوں نے امیرالمومنین علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اور عمر نے کہا۔ کہ اے ابوالحسن تم کو کیا کام ہے۔ قسم خدا کی ہم قبر فاطمہ علیہا السلام کو کھودیں گے۔ اور ان کو دیکھیں گے۔ پس حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ہاتھ اپنا اس کے گریبان میں ڈالا۔ اور حرکت دے کر اسے زمین پر گرا دیا۔ اور فرمایا کہ اے حبشن کے لڑکے میں نے اپنا حق چھوڑا۔

اس خوف سے لوگ دین سے مرتد ہو جائیں گے۔ لیکن قبر فاطمہ۔ قسم اس خدا کی کہ جان علی کی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کہ اگر تو اور اصحاب تیرے اس باب میں کسی چیز کا ارادہ کریں گے۔ تو میں زمین کو تم لوگوں کے خون سے سیراب کر دوں گا۔ اور اگر تو چاہتا ہے کہ تو مجھ سے مقابلہ کر۔ اس حال میں ابوبکر آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے ابوالحسن آپ کو قسم حرمت رسالت مآب ﷺ کی اور قسم اس خدا کی کہ جو بالائے عرش ہے کہ اس سے ہاتھ اٹھایئے۔ اور جو آپ کے خلاف مرضی اور مکروہ طبع ہو گا ہم نہیں کریں گے۔ پس حضرت نے اس سے ہاتھ اٹھایا۔ اور لوگ متفرق ہو گئے۔ اور پھر اس امر کا ارادہ نہ کیا۔ (انتہی)

(مجالس الابرار ترجمہ اردو بحار الانوار جلد دہم۔ صفحہ ۲۳۱ ۔ ۲۳۲)

حضرت امیر کی ذاتی شجاعت و کرامات مندرجہ بالا کی موجودگی میں ان کو کسی کا کیا ڈر تھا۔ حضرات ابوبکر و عمرو خالد تو کیا۔ اگر دنیا کے تمام لوگ ان کے مقابلہ میں آجاتے۔ تو ہر گز نہ گھبراتے۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔

انی واللّٰہ لو لقیتہم واحداوھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت

(نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ۔ جزو ثانی ۔ صفحہ ٦٥) ترجمہ۔ قسم ہے خدا کی تحقیق میں اگر اکیلا ان کا مقابلہ کروں۔ اور تمام روی زمین ان سے پر ہو۔ تو میں کچھ پروانہ کروں۔ اور نہ ڈروں انتہے۔

یہ حضرت امیر نے بطور فرض فرمایا۔ ورنہ ان کے مددگار بکثرت تھے۔ جیسا کہ روایت ذیل سے ظاہر ہے۔

ابن بابویہ بسند حسن از حضرت صادق روایت کردہ است۔ کہ اصحاب رسول خدا دوازدہ ہزار نفراز مدینہ و دو ہزار از اہل مکہ و دو ہزار نفراز رہاہ آزاد کردہ ہا۔ و یکے از ایشان قدری بنودند۔ کہ گویند ایمان ہمہ کس بیک قسم است و حروری نبودند کہ امیر المؤمنینؑ رانا سزا گویند و معتزلی نبودند۔ کہ گویند خدا را در عمل بندہ ہیچ دخل نیست و در دین خدا برائے خود سخن نمے گفتند و در شب و روز گریہ مے کروند و مے گفتند خداوند اروحائے بار قبض کن پیش از آنکہ خبر شہادت حضرت امام حسین رابشنویم۔ (حیات القلوب جلد ثانی۔ صفحہ ۷۵۷)

ترجمہ ابن بابویہ نے بسند حضرت صادق سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا کے اصحاب بارہ ہزار نفر تھے۔ آٹھ ہزار مدینے کے رہنے والے اور دو ہزار مکہ کے رہنے والے۔ اور دو ہزار آزاد کئے ہوئے۔ ان بارہ ہزار میں کوئی قدری نہ تھا۔ کہ بندہ کو مجبور کہے۔ اور مرجی نہ تھا کہ سب کے ایمان کو یکساں کہے۔ اور حروری نہ تھا۔ کہ امیر المومنین کو کچھ کہے۔ اور معتزلی نہ تھا۔ کہ کہے خدا کو بندہ کے فعل میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور یہ لوگ دین خدا میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنی رائے سے کوئی بات نہ کرتے تھے۔ اور رات دن رویا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ خداوند ہماری جانیں اس سے پہلے قبض کر لے۔ کہ ہم حضرت امام حسین کی شہادت کی خبر سنیں۔ انتہے

ان بارہ ہزار کے علاوہ بے شمار فرشتے بھی حضرت امیر کے شیعہ میں داخل ہیں۔ جیسا کہ ذیل کی دو روایتوں سے ظاہر ہے۔

حدثنا احمد بن محمد عن الحسن بن علی بن فضال عن محمد بن

الفضیل عن ابی الصباح الکنانی عن ابی جعفر قال قال واللّٰہ ان فی السماء سبعین صنفًا من الملائکۃ لواجتمع اھل الارض ان یعد واعد دصنف منھم ماعدوھم وانھم لیدینون بولایتینا

(بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد علیہم السلام مطبوعہ ایران ص ۱۲۸۵ ہجری۔ جزء الثانی۔ باب سادس)

ترجمہ: "بحذف اسناد۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ قسم ہے خدا کی۔ تحقیق آسمان میں ستر قسم کے فرشتے ہیں۔ اگر تمام روئے زمین کے لوگ ایک قسم کو مل کر گنیں۔ تو نہ گن سکیں گے۔ تحقیق وہ سب ہماری ولایت کو تسلیم کرتے ہیں۔ (انتہیٰ)

وروی بعض اصحابنا عن احمد بن محمد السیاری قال وقد سمعتہٗ انامن احمد بن محمد قال حدثنی ابو محمد عبید من ابی عبداللّٰہ الفارسی وغیرہ رفعوہ الی ابی عبداللّٰہ قال ان الکروبین قوم من شیعتنا من الخلق الاول۔ جعلھم اللّٰہ خلف العرش لو قسم نور واحد منھم علی اھل الارض لکفاھم ثم قال ان موسٰیؑ لما سأل ربہ ماسأل امر واحد امن الکروبین فتجلی للجبل فجعلہ دکًا۔ (بصائر الدرجات۔ جزء ثانی۔ باب سادس)

ترجمہ: "بحذف اسناد۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ کروبین (فرشتگان مقرب) ایک جماعت ہے ہمارے شیعوں سے پہلی خلقت سے۔ خدا نے ان کو عرش کے پیچھے رکھا ہے۔ اگر ان میں سے ایک کا نور روئے زمین کے لوگوں پر تقسیم کیا جائے۔ تو سب کو کافی ہو۔ پھر حضرت امام نے فرمایا۔ کہ جب موسٰی نے اپنے پروردگار سے مانگا جو مانگا۔ تو خدا نے کروبین میں سے ایک کو حکم دیا۔ پس اس نے پہاڑ پر تجلی کی۔ اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (انتہیٰ)

علاوہ ازیں حضرت امیر علیہ السلام کو بلکہ جمیع ائمہ کو اپنی موت کا وقت معلوم رہتا ہے۔ اور جس قدر مصائب و تکالیف ان کی قسمت میں ہوتے ہیں۔ ان سب کے اوقات ان کو معلوم رہتے ہیں۔

چنانچہ اصول کافی میں ایک باب کا عنوان یہ ہے۔ باب ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون متی یموتون وانھم لا یمتون الا باختیار منھم یعنی ائمہ علیہم السلام جانتے ہیں کہ کب مریں گے۔ اور وہ اپنے اختیار ہی سے مرتے ہیں۔ (انتہیٰ)

اس باب کے تحت میں اسی مطلب کی احادیث مذکور ہیں۔ اس کے بعد دوسرا باب یوں باندھا ہے۔

باب ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون علم ماکان وما یکون وانہ لا یخفی علیھم شیئ یعنی ائمہ علیہم السلام کو علم ماکان وما یکون حاصل ہے اور ان پر کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ (انتہیٰ)

بصائر الدرجات جزء سادس میں ایک باب کا عنوان یہ ہے۔

باب فی الائمة علیهم السلام انهم یعرفون من یدخل علیهم فی الایمان والنفاق۔

یعنی ائمہ علیہم السلام اپنے پاس آنے والے کے ایمان و نفاق کو پہچانتے ہیں۔

اور اسی جزء میں دوسرے باب کا عنوان یہ ہے۔

باب فی الائمة انهم یعرفون من یدخل علیهم بالخیر والشر والحب والبغض۔

یعنی آئمہ علیہم السلام اپنے پاس آنے والے کی بھلائی اور برائی اور حب و بغض کو پہچانتے ہیں۔

(انتہیٰ)

اور سنئے ہر امام کے پاس دو رجسٹر ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک میں اس کے شیعوں کے نام اور دوسرے میں ان کے دشمنوں کے نام درج ہوتے ہیں۔ رجسٹروں کے علاوہ امام کی اور بھی علامات ہیں۔ جو روایت ذیل سے ظاہر ہیں۔

للامام ثلثون علامة۔ حدثنا محمد بن ابراهیم بن اسحٰق الطالقا نے قال اخبرنا احمد بن محمد بن سعید الکوفی قال حدثنا علی بن الحسین بن علی ضض بن فضال عن ابیه عن ابی الحسن علی بن موسٰی الرضا قال للامام علامات یکون احلم الناس واحکم الناس واتقی الناس واحلم الناس واشجع الناس واسخی الناس واعبد الناس ویولد مختونا ویکون مطهراً ویری من خلفه کما یری من بین یدیه ولا یکون له ظل واذا وقع الی الارض من بطن امه وقع علٰی راحتیه رافعًا صوته بالشهادة ولا یحتلم وتنام عینه ولا ینام قلبه ویکون محدثا ویستوی علیه ورع رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم ولا یری له بول ولا غائط لان اللّٰه عزوجل قد وکل الارض بابتلاع مایخرج عنه ویکون له رائحة اطیب من رائحة المسک ویکون اولی الناس منهم بانفسهم واشفق علیهم من آبائهم وامهاتهم ویکون اشد الناس تو اضعا للّٰه عزوجل ویکون اخذ الناس بما یامرهم به من الناس عما ینهٰی ویکون دعاؤه مستجابًا حتٰی لوانه دعا علی ضض صخرة لا نشقت نصفین ویکون عنده سلاح رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم وسیفه ذوالفقار ویکون عندهٗ صحیفة فیها اسماء شعیته الٰی یوم

القيامة وصحيفة فيها اسماء اعدائهم الى يوم القيامة ويكون له الجامعة وهى صحيفة طولها سبعون ذراعًا فيها جميع مايحتاج اليه ولد اٰدم يكون عنده الجفر الاكبر والاصغرا هاب ماعزواهاب كبش فيهما جميع علوم حتى ارش الخدش وحتى الجلدة ونصف الجلدة وثلث الجلدة ويكون عنده مصحف فاطمة۔

(کتاب الخصائل للشیخ ابن بابویہ مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ ہجری۔ صفحہ ۱۰۵۔۱۰۶)

ترجمہ: "امام میں تیس علامتیں ہوتی ہیں۔ (بحذف اسناد) ابو الحسن علی بن موسیٰ رضا فرماتے ہیں۔ کہ امام میں یہ علامتیں ہوتی ہیں۔ وہ اعلم الناس احکم الناس۔ اتقی الناس۔ احلم الناس۔ اشجع الناس۔ اسخی الناس۔ اعبد الناس ہوتا ہے۔ اور مختون پیدا ہوتا ہے۔ وہ پاک ہوتا ہے۔ اپنے پیچھے سے ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ آگے سے۔ اس کا سایہ نہیں ہوتا۔ وہ جب ماں کے پیٹ سے زمین پر گرتا ہے۔ تو اپنی ہتھیلیوں کے بل کلمہ شہادت پڑھتا ہوا گرتا ہے۔ اس کو احتلام نہیں ہوتا۔ اس کی آنکھ سوتی ہے اور دل نہیں سوتا۔ اس سے فرشتہ کلام کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زرہ اس پر ٹھیک آجاتی ہے۔ اس کا بول وبراز دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دے رکھا ہے۔ کہ اس کا بول براز نگل جائے۔ اس سے کستوری سے بڑھ کر خوشبو آتی ہے۔ وہ لوگوں کو ان کی جانوں سے عزیز ہوتا ہے۔ اور ماں باپ سے بڑھ کر ان پر شفیق ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے آگے تواضع میں سب لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ جس بات کا وہ لوگوں کو امر کرے۔ اس پر ان سے زیادہ عمل کرنے والا ہوتا ہے۔ اور جس بات سے ان کو روکے اس سے خود ان سے زیادہ رکنے والا ہوتا ہے۔ اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر پتھر پر بد دعا کرے۔ تو پھٹ کر وہ دو ٹکڑے ہو جائے۔ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ہتھیار ہوتا ہے۔ اس کی تلوار ذوالفقار ہے۔ اس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا ہے۔ جس میں تاقیامت اس کے شیعوں کے نام ہوتے ہیں۔ اور اس کے پاس ایک اور رجسٹر ہوتا ہے۔ جس میں تا قیامت ان کے دشمنوں کے نام ہوتے ہیں۔ اس کے پاس جامعہ ہوتی ہے۔ اور وہ ایک صحیفہ ہے۔ ستر ہاتھ لمبا۔ جس میں وہ سب کچھ ہے۔ جس کی بنی آدم کو حاجت پڑتی ہے۔ اس کے پاس جفر اکبر اور جفر اصغر ہوتے ہیں۔ یعنی بکرے کا چمڑا۔ اور مینڈھے کا چمڑا۔ ان دونوں میں تمام علوم ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں خراش کی دیت اور تازیانہ نصف تازیانہ۔ اور تہائی

تازیانہ ہے۔ اور اس کے پاس "مصحف فاطمہ" ہوتا ہے۔ (انتہی)

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ باوجود امور مذکور بالا کے حضرت امیرؓ نے کیا عمل کیا۔ سلیم بن قیس ہلالی جو حضرت امیر کے شیعہ میں سے ہے۔ اس کی کتاب میں ایک طویل روایت ہے۔ جو بطور اختصار کتب الاحتجاج اور انوار نعمانیہ میں بھی موجود ہے۔ اس روایت میں صحابہ کرام کا حضرات ابوبکر صدیق سے بیعت کرنا اور اسی دن حضرت امیر کا خلافت کے لئے کوشش کرنا بالتفصیل مذکور ہے۔ ہم یہاں اس کا صرف ایک حصہ نقل کرتے ہیں۔

قال سلمان فلما كان الليل حمل عليٌ فاطمةؓ على حمار واخذ بيدى ابنيه الحسن والحسين فلم يدع احدا من اهل بدر من المهاجرين ولا من الانصار الا اتاه فى منزله وذكر حقه ودعاه الٰى نصرته فما استجاب له من جميعهم الا اربعة واربعون رجلا فامرهم ان يصبحوا محلقين رؤسهم مع سلاحهم عليٌ ان يبايعوه على الموت فاصبح ولم يوافقه احدمنهم الا اربعة فقلت لسلمان من الاربعة۔ قال انا وابو ذر والمقداد والزبير بن العوام ثم عاودهم ليلاً فناشدهم فقالوا نصبحك بكرة فما اتى احد منهم غيرنا فلما رأى عليٌ غدرهم وقلة وفائهم لزم بيته واقبل عليٌ القرآن يولفه ويجمعه فلم يخرج من بيته حتٰى جمعه وكان فى الصحف والاسيار والرقاع فلما جمعه كله وكتبه عليٌ تنزيله و تاويله والناسخ والمنسوخ بعث اليه ابوبكر ان اخرج فبايع فبعث اليه عليٌ انى مشغول وقد آليت عليٌ نفسى يمينًا الا ارتدى برداء الا للصلٰوة حتٰى اولف القرآن فاجمعه فجمعه فى ثوب وختمه ثم خرج الى الناس وهم مجتمعون مع ابى بكرفى مسجد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فنادى باعليٌ صوته يا ايها الناس انى لم ازل منذ قبض رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مشغولا بغسله ثم بالقرآن حتٰى جمعته كله فى هٰذا الثوب الواحد فلم ينزل اللّٰه تعالٰى آية منه الا وقد جمعتها وليست منه اٰية الاوقد اقرانيها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعلمنى تاويلها ثم قال لهم عليٌ لئلا تقولوا يوم القيامة انى لم ادعكم الى نصرتى ولم اذكركم ادعوكم الٰى

کتاب اللّٰہ من فاتحتہ الٰی خاتمتہ فقال لہ عمر رضی اللہ عنہ ما اغنانا بما معنا من القرآن عما تدعونا الیہ ثم دخل علیؑ بیتہ فقال عمر رضی اللہ عنہ لابی بکر ارسل الٰی علیؑ فلیبایع فلسنا فی شئ حتٰی یبایع۔ ولو قد بایع امناہ فارسل الیہ ابوبکر ان اجب خلیفۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاتاہ الرسول فقال لہ ذلک فقال علیؑ ما اسرع ماکذبتم علیؑ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ لیعلم ویعلم الذین حولہ ان اللّٰہ ورسولہ لم یستخلف غیری فذھب الیہ الرسول فاخبرہ بما قال فقال اذھب فقل اجب امیر المؤمنین ابابکر فاتاہ فاخبرہ بذلک فقال لہ علیؑ سبحان اللّٰہ ما طال العھد فنسینی فواللّٰہ انہ لیعلم ان ھٰذا الاسم لا یصلح الا لی ولقد امرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو سابع سبعۃ فسلموا علیؑ بامرۃ المومنین فاستفھمہ وصاحبہ عمر رضی اللہ عنہ من بین السبعۃ فقالا من اللّٰہ ورسولہ قال رسول اللّٰہ نعم حقاحقا من اللّٰہ ورسولہ انہ امیر المومنین وسید المسلمین وصاحب لواء الغرا المحجلین یقیدہ اللّٰہ عزوجل یوم القیامۃ علٰی الصراط فیدخل اولیائہ الجنۃ واعدائہ النار فانطلق الرسول فاخبرہ بما قال فسکتوا عنہ یومھم ذلک فما کان اللیل حمل علیؑ فاطمۃ علیؑ حمار واخذ بیدی ابنیہ الحسن والحسین فلم یدع احد من اصحاب رسول اللّٰہ الا اتاہ فی منزلہ فناشدھم اللّٰہ حقہ ودعاھم الی نصرتہ فما استجاب لہ منھم احد غیرنا الاربعۃ فانا حلقنا رؤسنا بذلنا لہ نصرتنا وکان الزبیر اشدنا نصرۃ فی نصرتہ فلما رأی علیؑ خذلان الناس لہ وترکھم نصرتہ واجتماع کلمتھم مع ابی بکر و طاعتھم لہ وتعظیمھم لہ لزم بیتہ فقال عمر رضی اللہ عنہ لابی بکر ما یمنعک ان تبعث الیہ فیبایع فانہ لم یبق احد الاوقد بایع غیرہ وغیر ھولاء الاربعۃ معہ وکان ابوبکر ارق الرجلین وارفقھما وادھاھما وابعد ھما غورا والاخر افظھما واجفاھما فقال لہ ابوبکر من نرسل الیہ فقال نرسل الیہ قنفذ اذ کان

رجلا فظاً غليظًا جافيا من الطلقاء احد بنى عدى بن كعب فارسله اليه وارسل معه اعوانًا فانطلق فاستاذن علىٰ ا فابى ان ياذن لهم فرجع اصحاب قنفذ الٰى ابى بكر و عمر ﷺ وهما فى المسجد والناس حولهما فقالو الم ياذن لنا فقال عمر ﷺ اذهبوا فان اذن لكم والافادخلوا علىٰ عليه بغير اذن فانطلقوا فاستاذنوا فقالت فاطمة اجرع علىٰ كم ان تدخلوا بيتى فرجعوا وثبت قنفذ فقالوا ان فاطمة قالت كذا وكذا فغضب عمر ﷺ فقال ومالنا وللنساء ثم امراناسًا ان يحملوا حطبًا فحملوا الحطب وحمل عمر ﷺ معهم فجعلوه حول بيت علىٰ وفيه فاطمة وعلىٰ وابناهما۔ ثم نادى عمر ﷺ حتّٰى اسمع علىٰ ا وفاطمة والله لتخرجن ولتبايعن خليفة رسول الله والا لاضرمت علىٰ ك بيتك ناراً۔ ثم رجع قنفذ الٰى بكر وهو متخوف ان يخرج علىٰ اليه بسيفه لما يعرف من باسه وشدته فقال ابو بكر لقنفذ ارجع فان خرج والا فاهجم علىٰ عليه بيته فان امتنع فاضرم علىٰ هم بيتهم ناراً فانطلق قنفذ فاقتحم هو واصحابه بغير اذن وثار علٰى الٰى سيفهٖ فسبقوه اليه وهم كثيرون فتناول بعض سيوفهم فكاثروه وضبطوه فالقوا فى عنقه حبلاً وحالت بينه وبينهم فاطمة عند الباب فضربها قنفذ بسوط كان معه علىٰ عضدها فماتت صلوات الله علىٰ ها وان فى عضدها كمثل الدملج من ضربته ثم انطلق بعلىٰ يعتل عتلاً حتّٰى انتهى به الٰى ابى بكر وعمر ﷺ قائم علٰى رأس ابى بكر بالسيف وخالد بن وليد وابو عبيدة بن الجراح وسالم مولٰى ابى حذيفة ومعاذ بن جبل والمغيرة بن شعبة واسيد بن الحصين وبشر بن سعد وسائر الناس حول ابى بكر علىٰ هم السلاح قال قلت لسلمان ادخلوا علىٰ فاطمة بغير اذن قال اى والله وما عليه خمار فنادت وابتاه وارسول الله يا ابتاه لبئس ماخلفك ابوبكر وعمر ﷺ وعيت ك لم يتفقنا فى قبرك تنادى باعلىٰ صوتها فلقد رأيت ابابكر ومن

حوله يبكون وينتحبون وما منهم الا باک غير عمر ﷺ وخالد بن الوليد والمغيرة بن شعبة وعمر ﷺ يقول لسنا من النساء وأيهن فی شيئ فانتهوا به الٰی ابی بكر وهو يقول اما والله لو وقع سيفی لعلمتم انكم لم تصلوا الٰی هٰذا ابداً والله ما الوم نفسی فی جهادكم لو كنت استمكنت من الاربعين لفرقت جماعتكم ولكن لعن الله اقوامًا بايعونی ثم خذلونی وقد كان قنفذ حين ضرب فاطمة بالسوط حين حالت بينه وبين زوجها ارسل اليه عمران حالت بينک وبين علیؑ فاطمة فاضربها فالجاها قنف الٰی عضادة باب بيتها ودفعها فكسرلها ضلعًا من جنبها والقت جنينها من بطنها فلم تزل صاحبة فراش حتٰی ماتت من ذلک شهيدة ثم نادی علیؑ قبل ان يبايع والحبل فی عنقه يابن ام ان القوم استضعفونی وكادوا يقتلوننی ثم تناول يد ابی بكر فبايعه۔

(نفس الرحمٰن فی فضائل سلمان للمرزا حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی۔ مطبوعہ ایران باب حادی عشر۔)

ترجمہ: "حضرت سلمان کا بیان ہے۔ کہ جب رات ہوئی۔ تو علیؑ نے فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا۔ اور اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین کا ہاتھ پکڑا۔ اور اہل بدر مہاجرین و انصار میں سے ہر ایک کے گھر پر گئے۔ اپنا حق جتلایا۔ اور مدد مانگی۔ مگر ان سب میں سے صرف چوالیس آدمیوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ صبح سر منڈا کر مسلح ہو کر آؤ۔ اور مجھ سے موت پر بیعت کرو۔ صبح کو ان چوالیس میں سے صرف چار حاضر ہوئے۔

میں (سلیم بن قیس ہلالی) نے سلمان سے پوچھا کہ وہ چار کون ہیں۔ سلمان نے جواب دیا۔ میں اور ابو ذر اور مقداد اور زبیر بن عوام۔ حضرت امیر رات کو پھر مہاجرین و انصار کے ہاں گئے۔ اور ان کو اپنے حق کے بارے میں خدا کی قسم کھلائی۔ وہ بولے ہم صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ مگر سوائے ہم چار کے ان میں سے کوئی نہ آیا۔ جب علیؑ نے ان کی بے وفائی دیکھی۔ تو خانہ نشین ہو گئے۔ اور قرآن کی تالیف و جمع میں مشغول ہو گئے۔ اور اپنے گھر سے نہ نکلے۔ یہاں تک کہ اس کو جمع کر لیا۔ اور وہ صحیفوں اور تسموں اور پارچہ جامہ پر تھا۔ جب علیؑ نے سب جمع کر لیا۔ اور موافق نزول و تاویل و ناسخ و منسوخ لکھ لیا۔ تو ابوبکر نے ان کے

پاس پیغام بھیجا کہ نکلئے۔ اور بیعت کیجئے۔ علیؑ نے کہلا بھیجا کہ میں مشغول رہا ہوں۔ اور میں نے قسم کھائی تھی کہ بجز نماز کسی اور کام کے لئے چادر نہ اوڑھوں گا۔ یہاں تک کہ قرآن کو تالیف و جمع کر لوں۔ پس علیؑ نے ایک کپڑے میں قران کو تالیف و جمع کیا۔ اور اس پر مہر کی۔ پھر لوگوں کی طرف نکلے۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ابوبکر کے پاس جمع تھے۔ علیؑ نے زور سے پکار کر کہا۔ اے لوگو۔ جب سے رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی ہے۔ میں آپ کو غسل دینے اور پھر قرآن کے جمع کرنے میں مشغول تھا۔ یہاں تک کہ میں نے سارا قرآن اس ایک کپڑے میں جمع کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی آیت نازل نہیں فرمائی۔ جس کو میں نے جمع نہ کیا ہو۔ اور کوئی ایسی آیت نہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائی۔ اور جس کی تاویل مجھے نہیں بتائی۔ پھر علیؑ نے ان سے کہا مبادا تم قیامت کے دن یوں کہو کہ علیؑ نے ہم کو اپنی مدد کی دعوت نہیں دی۔ اور ہمیں یاد نہیں دلایا۔ میں تم کو کتاب اللہ اول تا آخر کی طرف بلاتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ بولے آپ جس قرآن کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں۔ اس سے ہم کو اس قرآن نے جو ہمارے پاس ہے۔ بے نیاز کر دیا ہے۔ بعد ازاں علیؑ خانہ نشین ہو گئے۔ عمر نے ابوبکر سے کہا۔ کہ علیؑ کی طرف کسی کو بھیجئے کہ بیعت کرے۔ کیونکہ ہم کسی شمار میں نہیں۔ جب تک وہ بیعت نہ کریں۔ اگر وہ بیعت کر لیں۔ تو ہم ان سے امن میں ہو جائیں گے۔ چنانچہ ابوبکر نے کسی کے ہاتھ علیؑ کو کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صص کے خلیفہ کے پاس چلئے۔ قاصد علیؑ کے پاس آیا۔ اور ان سے ایسا ہی کہہ دیا۔ علیؑ نے کہا۔ تم نے کیسی جلدی رسول اللہ صص کو جھٹلایا۔ ابوبکر اور اس کے حاشیہ نشین جانتے ہیں کہ اللہ اور رسول صص نے میرے سوا کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ قاصد واپس آیا۔ اور علیؑ جو جو کچھ کہا تھا کہ سنایا۔ ابوبکر نے کہا۔ جاؤ اور کہہ دو کہ امیر المومنین ابوبکر کو بلاتے ہیں۔ قاصد نے علیؑ سے اسی طرح کہہ دیا۔ علیؑ نے اس سے کہا۔ سبحان اللہ۔ دیر نہیں ہوئی۔ کہ وہ مجھے بھول گیا۔ اللہ کی قسم اسے معلوم ہے کہ اس نام کے میں ہی لائق ہوں۔ بے شک رسول اللہ صص نے اس کو جو ساتوں میں سے ساتواں تھا حکم دیا تھا پس انہوں نے مجھے امیر المومنین کہہ کر سلام کیا تھا۔ اس نے اور اس کے ساتھ عمر ضض نے دریافت کیا تھا۔ کہ کیا یہ لقب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے۔

رسول اللہ صص نے فرمایا تھا۔ ہاں بے شک اللہ اور اس کے رسول صص کی طرف سے ہے۔ تحقیق علیؑ امیر المومنین۔سید المسلمین اور صاحب لواء غر محجلین ہیں اللہ ان کو قیامت کے دن پل صراط پر بٹھالے گا۔ وہ اپنے دوستوں کو بہشت میں اور دشمنوں کو دوزخ میں داخل کریں گے۔ قاصد نے واپسی پر ابوبکر سے یہی بیان کر دیا۔ اس دن انہوں نے علیؑ سے کچھ نہ کہا جب رات ہوئی۔ علیؑ نے فاطمہؑ کو گدھے پر سوار کیا۔ اور اپنے بیٹوں حسن و حسین کا ہاتھ پکڑا۔ اور رسول اللہ صص کے اصحاب میں سے ہر ایک کے گھر پر گئے۔ ان کو اپنے حق کے بارے میں اللہ کی قسم کھلاتی اور اپنی مدد کی دعوت دی۔ مگر سوا نے ہم چار کے ان میں سے کسی نے قبول نہ کیا۔ ہم نے اپنے سر منڈوا کر علیؑ کو مدد دی اور زبیر نے ان کو بہت مدد دی۔ جب علیؑ نے دیکھا۔ کہ لوگوں نے ان کو مدد نہ دی۔ اور بالا تفاق ابوبکر کے طرفدار بن گئے۔ اور اسی کی فرمانبرداری اور تعظیم کرنے لگ گئے۔ تو آپ خانہ نشین ہو گئے۔ پھر عمر ضض نے ابوبکر سے کہا۔ آپ کسی کو علیؑ کے پاس کیوں نہیں بھیجتے کہ وہ بیعت کریں۔ کیونکہ سوا نے ان کے اور سوا نے ان چاروں کے سب نے بیعت کرلی ہے۔ ابوبکر عمر ضض کی نسبت نرم دل تیز فہم زیادہ غور کرنے والا تھا۔ اور عمر ضض زیادہ سنگدل اور جفا کار تھا۔ ابوبکر نے اس سے پوچھا کہ کس کو علیؑ کے پاس بھیجیں۔ عمر ضض نے کہا۔ کہ قنفذ کو بھیج دیں۔ کیونکہ وہ بدخو سنگدل۔ جفاکار اور طلقا (رہا کئے گئے۔) میں سے اور قبیلہ بنی عدی بن کعب سے ہے۔ پس ابوبکر نے اس کو مع مددگاروں کے بھیج دیا۔ قنفذ گیا۔ اور علیؑ سے داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ مگر علیؑ نے اس کو اجازت نہ دی۔ قنفذ کے ساتھی ابوبکر و عمرؓ کے پاس واپس آئے۔ جب کہ وہ دونوں مسجد میں تھے۔ اور لوگ ان کے گرد جمع تھے۔ اور یوں عرض کی کہ علیؑ نے ہم کو اجازت نہ دی۔ عمرؓ نے کہا۔ جاؤ اگر وہ اجازت دے دے۔ فبہا۔ ورنہ بغیر اجازت گھر میں گھس جاؤ۔ وہ گئے اور اجازت مانگی۔ فاطمہؑ نے کہا۔ اگر بغیر اجازت تم داخل ہو گے تو میں تم کو برا بھلا کہوں گی۔ یہ سن کر وہ لوٹ آئے اور قنفذ وہیں رہا۔ واپسی پر انہوں نے عرض کی کہ فاطمہؑ نے ایسا ایسا کہا ہے۔ عمرؓ یہ سن کر غضبناک ہوا۔ کہنے لگا ہمیں عورتوں سے کیا ڈر ہے۔ پھر لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں لے چلو۔ پس انہوں نے لکڑیاں

اٹھائیں۔ اور ان کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اٹھائیں۔ ان لکڑیوں کو علیؓ کے گھر کے گرد جمع کر دیا۔ اس وقت گھر میں علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دونوں بیٹے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا۔ جسے علیؓ و فاطمہؓ نے بھی سن لیا۔ کہ خدا کی قسم تو نکل آ۔ اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی بیعت کر۔ ورنہ تیرے گھر کو آگ لگا دوں گا۔ پھر قنفذ ابوبکر کے پاس آیا۔ اور ڈر رہا تھا۔ کہ کہیں علیؓ جن کی درشتی و شدت مشہور تھی۔ میری طرف تلوار لے کر نکل آئیں۔ ابوبکر نے قنفذ سے کہا۔ کہ واپس جا۔ اگر علیؓ گھر سے نکل آئے فبہا۔ ورنہ گھر میں گھس جا اگر انکار کرے۔ تو مع ان کے گھر کو آگ لگا دے۔ قنفذ چلا گیا۔ اور وہ اور اس کے ساتھی بغیر اجازت گھر میں جا گھسے۔ علیؓ اپنی تلوار لینے اٹھے۔ مگر وہ آپ سے سبقت لے گئے۔ اور تھے بھی زیادہ۔ علیؓ نے ان میں سے ایک کی تلوار چھین لی۔ وہ علیؓ سے لڑے۔ اور ان کو پکڑ لیا۔ اور ان کے گلے میں ایک رسی ڈالی۔ دروازے کے پاس علیؓ اور مخالفین کے درمیان فاطمہؓ حائل ہو گئیں۔ قنفذ نے اپنا کوڑا فاطمہؓ کے بازو پر مارا۔ جب فاطمہؓ نے وفات پائی۔ تو ضرب کا نشان مثل بازو بند کے ان کے بازو پر تھا۔ پھر قنفذ علیؓ کو کھینچتے کھینچتے ابوبکر کے پاس لے گیا۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر کے سر پر تلوار لئے کھڑا تھا۔ اور خالد بن ولید۔ ابو عبیدہ بن جراح۔ ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم۔ معاذ بن جبل۔ مغیرہ بن شعبہ۔ اسید بن الحصین۔ بشر بن سعد۔ اور باقی لوگ ابوبکر کے گرد مسلح کھڑے تھے۔ قیس بن سلیم کا بیان ہے۔ کہ میں نے سلمان سے پوچھا۔ کیا مخالفین فاطمہؓ کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہو جاتے ہیں۔ سلیمان نے جواب دیا۔ ہاں قسم ہے خدا کی اور اس وقت فاطمہؓ پر اوڑھنی بھی نہ تھی اس حال میں فاطمہؓ نے زور سے یوں پکارا۔ اے بابا۔ اے رسول اللہ ﷺ اے بابا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ آپ کے برے خلیفہ بنے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں قبر میں بینا ہیں۔ تحقیق میں نے ابوبکر اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا۔ کہ گریہ و زاری کر رہے تھے۔ اور سوائے عمر و خالد بن ولید و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کوئی ایسا نہ تھا۔ جو رونہ رہا ہو۔ عمر کہہ رہا تھا۔ کہ ہمیں عورتوں اور ان کی رائے کی کچھ پروا نہیں۔ غرض علیؓ کو ابوبکر کے پاس لے گئے۔ اور علیؓ کہہ رہے تھے۔ قسم ہے خدا کی۔ میں تمہارے جہاد میں اپنے آپ کو ملامت نہیں کرتا۔ اگر وہ چالیس آدمی میرے ساتھ رہتے۔ میں تمہاری جماعت کو پراگندہ کر دیتا۔ مگر خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے میری بیعت کی۔ پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ جس وقت فاطمہؓ قنفذ اور اپنے خاوند کے درمیان حائل ہو گئی۔ اور قنفذ نے ان کو

تازیانہ سے مارا۔ عمر نے قنفذ کو کہلا بھیجا تھا کہ اگر فاطمہؓ تیرے اور علیؓ کے درمیان حائل ہو۔ تو اسے مارنا۔ پس قنفذ نے فاطمہؓ کو گھر کے دروازے کے بازو کی طرف دھکیل کر دبا دیا جس سے ان کے پہلو کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور ان کے پیٹ سے بچہ ساقط ہو گیا۔ وہ بیمار ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اسی ضرب سے شہید ہوئیں۔ آخر کار علیؓ نے بیعت کرنے سے پہلے درآنحالیکہ رسی ان کی گردن میں تھی۔ پکار کر کہا۔ اے میری ماں کے بیٹے قوم نے مجھ کو کمزور سمجھا۔ اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں۔ پھر آپ نے ابو بکر کا ہاتھ پکڑا۔ اور بیعت کی۔ (انتہیٰ)

اس قصہ سے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرا کی جو تمام اماموں کی سردار اور ان کے اصل الاصول ہیں انتہا درجہ کی توہین نکلتی ہے۔ کیا یہی علیؓ مرتضیٰ شیر خدا صاحب ذوالفقار قاتل الکفار کرار غیر فرار ہیں۔ جو خلافت کی طلب میں اپنی زوجہ محترمہ کو گدھے پر سوار کر کے تین رات در بدر مدد مانگتے پھرے۔ چند مخالفین آپ سے بالجبر بیعت لینے کے لئے آپ کے دولت خانہ میں بے اجازت گھس گئے۔ تو انہوں نے حضرت خاتون جنت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا۔ اسے مرزا رفیع باذل شیعی نے اپنی کتاب جملہ حیدری میں بالتفصیل یوں بیان کیا ہے۔

لکدر دربستہ زد آن چنان	کہ شہ کندہ آن درز جادر زمان
زضرب لکدر چون درآمد زجا	بیفتاد بر بطن خیر النساء
بدان بضعہ مصطفیٰ بارور	کہ افتاد بررو بآن ضرب در
برآورد آہے چناں درد ناک	کہ دل ہائے کروبیاں گشت پاک
بد زید زان نالہ عرش برین	ببارید چوں چشم روح الامین
چو در کندہ گردید از ضرب پا	یکے از فیقان آن پیشواء
زخویشان بوبکر قنفذ بنام	بجان دشمن آل خیر الانام
درآمد زور روئے کردہ ترش	یکے تازیانہ بدست اندرش
بزد بر سردوش آن بے گناہ	دگر بارہ از دل بر آورد آہ
زد نبال او خالد نام دار	درآمد بکف تیغ زہر آب دار
بزدپشت تیغش بدوش دگر	بر آور زہرا خروش دگر

حضرت خاتون جنت کی اس تکلیف و ذلت کو دیکھ کر شیر خدا سے رہا نہ گیا۔ لگے مخالفین سے نبرد آزمائی کرنے۔ مگر کچھ بن نہ پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گرفتار ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے دربار میں اس ہیئت میں

پہنچے۔

بدست عمر رضی اللہ عنہ یک سر ریسمان | دوم درکف خالد پہلوان
فگندند در گردن شیرز | کشیدند اورا بر بوبکر

جناب امیر علیہ السلام تو بقول خود تمام اہل زمین کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہاں صرف چند مخالفین نے آپ کو بری طرح نیچا دکھایا۔ آپ کی شجاعت و کرامات اور کس دن کے لئے تھیں۔ یہ تو ان کے اظہار کا خاص موقع تھا۔ اور نہیں تو اتنا ہی کرتے کہ جن دو شخصوں نے ان کی گردنوں میں رسی ڈالی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے سامنے اپنی کمان کا اژدہا بنا کر پھینک دیتے کہ وہ منہ پھیلا کر کھانے کو دوڑتا۔ جس کے ڈر سے وہ سہم جاتا۔ اور دوسرے کے گلے میں گرز آہنی کا حلقہ بنا کر ڈال دیتے۔ کہ وہ دم بخود رہ جاتا۔ اگر گرز آہنی موجود نہ تھا۔ تو کسی بھاری چکی کے پاٹ کا ہار ہی پہنا دیتے۔ جس سے اسے چلنا پھرنا بھی دشوار ہوتا۔ اور دیکھئے۔ جب حضرت امیر علیہ السلام نے اصلی قرآن جمع کر کے پیش کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنا قرآن پیش کر کے کہا کہ ہمیں یہی کافی ہے۔ تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں۔ وہ قرآن عمرؓ اول تا آخر محرف تھا۔ تحریف بھی ایسی کہ قریباً دو تہائی قرآن تلف کر دیا۔ اور بہت سی عبارتیں جن سے مذاہب باطلہ کی تائید اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و تسلیم کی توہین ہوتی ہو۔ اس میں بڑھا دیں۔ اور کفر و الحاد کے مضامین اس میں کر دیئے اس کی ترتیب بھی الٹ پلٹ کر خبط بے ربط کر دی۔ ایسے قرآن کہ حضرت امیرؑ نے شائع ہونے دیا اور اصلی قرآن چھپا لیا۔ جیسا کہ تحفۂ شیعہ حصہ اول میں بالتفصیل مذکور ہوا۔ ایسے محرف قرآن کی اشاعت کفر و الحاد کی اشاعت تھی۔ اس خاص الخاص موقع پر مولیٰ مرتضیٰ کی خاموشی سے جو الزام ان پر عائد ہوتا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت عمرؓ تو حضرت علیؑ سے اس قدر ڈرتے تھے۔ کہ مارے خوف کے ایک مدہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اور ان کے سینے سے ایک عجیب و غریب آواز نکلنے لگتی تھی۔ حضرت امیر نے اتنا بھی نہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وہ محرف قرآن لے کر تلف کر دیتے اور اس کی جگہ اپنا اصلی قرآن شائع کر دیتے۔ اگر کسی وجہ سے اس وقت ایسا نہ کر سکے۔ تو اپنے عہد خلافت میں ہی اسے شائع کر دیتے۔ حضرت امیر نے حضرت سلمان کی حمائیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمین پر دے مارا۔ کیا حضرت سلمان قرآن کریم سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ کہ سلمان پر حملہ کرنے سے حضرت امیر علیہ السلام ایسے برافروختہ ہوئے۔ اور قرآن کی آپ کے سامنے حسب عقیدہ شیعہ وہ گت بنی۔ جو مذکور ہوئی۔ مگر آپ کے کان پر جوں تک نہ رینگی العجب ثم العجب۔

ایسے افسانوں کو کوئی سلیم الطبع شخص صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ ان یاروں کی ایجاد ہیں۔ جو بظاہر اہل

بیت کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ مگر درپردہ ان کی تذلیل و تحقیر کے درپے رہتے ہیں۔ جب اعتراض کیا جاتا ہے۔ تو جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو صبر کی وصیت فرمائی تھی۔ اس لئے آپ نے ذوالفقار آب دار کو میان سے نہ نکالا۔ چنانچہ خود حضرت امیرؓ فرماتے ہیں۔ **لولا عهد عهد الى النبی الامی لا وردت المخالفین خلیج المنیة ولا رسلت علیٌ هم شابیب صواعق الموت وعن قریب سیعلمون۔** (کتاب الروضہ الکلینی نو لکشوری۔ صفحہ ۱۶) یعنی اگر مجھے حضور نبی امی کی وصیت نہ ہوتی تو میں مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اور ان پر موت کی بجلیوں کی بارشیں برساتا۔ اور وہ عنقریب جان لیں گے۔ انتہے۔

اگر اس وصیت کی تفصیل مطلوب ہو۔ تو محمد بن یعقوب کلینی کی کتاب دیکھنی چاہئے جس میں مذکور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بوساطت جبرائیل حضرت محمد ﷺ پر امت کے لئے ایک سربمہر وصیت نامہ نازل فرمایا۔ جو آپ کے اہل بیت کے پاس رہا۔ اس آسمانی وصیت نامہ میں حضرت امیر کے متعلق جو وصیت کا مضمون درج ہے۔ اسے حضرت علیؓ بدین الفاظ قبول فرماتے ہیں۔

نعم قبلت ورضیت وان انتهکت الحرمة وعطلت السنن و مزق الکتاب وهدمت الکعبة وخضبت لحیتی من راسی بدم عبیط صابرا امحتسبا ابدا حتٰی اقدم علیٌ علیک۔ (اصول کافی نو لکشوری الجبہ۔ صفحہ ۱۷۳)

ترجمہ: "ہاں میں نے قبول کیا۔ اور میں راضی ہو گیا۔ خواہ میری پردہ دری ہو۔ اور رسول ﷺ کی سنتیں معطل ہوں۔ اور قرآن ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔ اور خانہ کعبہ منہدم کر دیا جائے۔ اور میری ڈاڑھی میرے سر کی طرف سے خالص خون سے رنگی جائے۔ میں تادم مرگ ہمیشہ صابر ثواب کا امیدوار رہوں گا۔ (انتہے)

اس مقام پر شیعہ کے رئیس المحدثین نے شیر خدا کی تذلیل تو درکنار خود خدا کو بھی نہیں چھوڑا۔ غور کیجئے کہ جسے وصی نبی ﷺ بنا کر خلق کی ہدایت کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ اسے ہدایت ہو رہی ہے۔ کہ خواہ کتنا ہی فسق و فجور اور ظلم و ستم پھیل جائے۔ تم ٹس سے مس نہ ہونا۔ اس وصیت کی مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ بحث نکاح ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا میں آئے گی۔

اگر اس فرضی وصیت نامہ کو صحیح بھی فرض کیا جائے۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ باوجود اس وصیت کے حضرت علیؓ اس کے برخلاف طلب خلافت میں دربدر مدد مانگتے کیوں پھرے۔ اور مخالفین سے کیوں لڑے۔ شروع سے تقیہ ہی کیوں نہ کر لیا کہ ان جھگڑوں کی نوبت ہی نہ پہنچتی۔ اور نہ حضرت فاطمہ

الزہرا کی بے آبروئی ہوتی۔

حضرت امیر علیہ السلام کو یہ ناکامیابی بقول خود اپنے اصحاب کے بے وفائی کے سبب ہوئی حضرت کے شیعہ جیساکہ نہج البلاغہ کے مکالمہ سے ظاہر ہے۔ اپنے امام کی نافرمانی کرتے۔ اور اذیتیں پہنچاتے رہے۔ اور حضرت امام بھی ان کا اعتبار نہ کرتے تھے۔ بغرض توضیح ہم ذیل میں حضرت امیر کا ایک چھوٹا سا خطبہ نقل کر دیتے ہیں۔ جسے حضرات شیعہ کے اکابر کے چال چلن کا سرٹیفکیٹ سمجھنا چاہیے۔

ومن خطبة له عليه السلام۔ وقد تواترت عليه الاخبار باستيلاء اصحاب معاوية علىٰ البلاد و قدم علىٰ ه عاملاه علىٰ اليمن وهما عبيد اللّٰه بن عباس وسعيد بن نمران لما غلب علىٰ هما بسر بن ابى ارطاه فقام عليه السلام علىٰ المنبر ضجراً يتثاقل اصحابه عن الجهاد ومخالفتهم له فى الرأى۔ فقال ما هى الا الكوفة اقبضها وابسطها۔ ان لم تكونى الا انت تهب اعاصيرک فقبحک اللّٰه۔ ثم قال عليه السلام انبئت بسراً قد اطلع اليمن وانى واللّٰه لاظن ان هولاء القوم سيد الون منكم باجتماعهم علىٰ باطلهم وتفرقكم عن حقكم وبمعصيتكم امامكم فى الحق وطاعتهم امامهم فى الباطل وبادائهم الا مانة الٰى صاحبهم وخيانتكم وبصلاحهم فى بلادهم وفسادكم۔ فلو ائتمنت احدكم علىٰ تعب لخشيت ان يذهب بعلاقته اللّٰهم انى قد مللتهم وسئمتهم وسئمونى فابدلنى بهم خيرا منهم وابدلهم بى شرامنى اللّٰهم مث قلوبهم كما يماث الملح فى الماء۔ اما واللّٰه لوددت ان لى بكم الف فارس من بنى فراس ابن غنم۔

(نہج البلاغہ۔ مطبوعہ بیروت۔ جزء اول۔ صفحہ ۴۱۔ ۴۲)

ترجمہ: "حضرت امیر علیہ السلام کا خطبہ۔ جب آپ کو شہروں پر اصحاب معاویہ کے غلبہ پانے کی خبریں لگاتار پہنچیں۔ اور آپ کے دونوں عامل یمن عبیداللہ بن عباس اور سعید بن نمران بسر بن ارطاۃ کے غالب آنے کے بعد واپس چلے آئے۔ تو حضرت امیر علیہ السلام اپنے اصحاب کی جہاد سے کوتاہی اور رائے میں مخالفت کی وجہ سے دل تنگ ہو کر منبر پر کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا۔ یہ تو صرف کوفہ ہے۔ جس کو میں سکیڑتا اور پھیلاتا ہوں۔ (یعنی جس میں متصرف ہوں۔) اے کوفہ اگر صرف تو ہی ہو کہ جس کے بگولے اڑتے ہوں۔ تو خدا تیرا برا کرے اور پھر فرمایا۔ کہ

مجھے خبر ملی ہے۔ کہ بسر یمن پر چڑھ آیا ہے۔ واللہ میں گمان کرتا ہوں کہ یہ لوگ تمہاری جگہ کے مالک ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ باطل میں اپنے امام کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ وہ امانت اپنے صاحب کو ادا کرتے ہیں۔ اور تم خیانت کرتے ہو۔ وہ اپنے شہروں کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور تم بگاڑتے ہو۔ اگر میں تم میں سے کسی کے پاس ایک پیالہ امانت رکھوں۔ تو مجھے یہ ڈر ہوتا ہے۔ کہ وہ اس پیالہ کا دستہ نہ لے اڑے۔ الٰہی میں ان سے تنگ و عاجز آگیا ہوں۔ اور یہ مجھ سے تنگ آگئے۔ پس ان سے بہتر مجھ کو بدل دے۔ اور مجھ سے بد تر میرے عوض ان کو دے۔ الٰہی ان کے دل گھلا دے۔ جیسا نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ دیکھو خدا کی قسم میں تہہ دل سے چاہتا ہوں کہ تمہارے بدلے میرے پاس بنی فراس بن غنم کے ہزار سوار ہوں۔

(انتہٰی)

اگر ناظرین کو مزید توضیح کا اشتیاق ہو۔ تو شیعہ کے رئیس المحدثین کلینی کی کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔ جس میں روایت ذیل مذکور ہے۔

عن ابراھیم بن عبداللہ الصوفی قال حدثنی موسیٰ بن بکر الواسطی قال قال لی ابو الحسن علیہ السلام لو میزت شیعتی ما وجدتھم الا واصفۃ ولو امتحنتھم لما وجدتھم الا مرتدین ولو تمحصتم لما خلص من الالف واحد ولو غربلتھم لم یبق منھم الا ما کان لی انھم طال اتکوا علیٰ الارائک فقالوا نحن شیعۃ علیؑ انما شیعۃ علیؑ من صدق قولہ فعلہ۔

(کتاب الروضہ۔ نو لکشوری۔ صفحہ ۱۰۷)

ترجمہ: ”بحذف اسناد۔ موسیٰ بن بکر واسطی کا بیان ہے۔ کہ مجھ سے امام ابو الحسن علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اگر میں اپنے شیعہ کی تمیز کروں۔ تو نہ پاؤں گا ان کو مگر زبانی دعویٰ کرنے والے۔ اور اگر ان کا امتحان کروں۔ تو نہ پاؤں گا ان کو مگر مرتدین۔ اور اگر ان کو پرکھوں۔ تو نہ خالص نکلے گا ہزار میں سے ایک اور اگر میں ان کی چھان بین کروں۔ تو نہ باقی رہے گا ان میں سے مگر وہ جو میرا تھا۔ وہ مدت سے آراستہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم علیؑ کے شیعہ ہیں۔ علیؑ کے شیعہ وہی ہیں جن کا فعل ان کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ انتہٰی

امام حسن رضی اللہ عنہ

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ شہید ہو گئے ہیں۔ اور ان کی جگہ لوگوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ہے۔ تو ساٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ عراق عرب کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ یہ خبر سن کر حضرت امام بھی چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ کوفہ سے مقابلہ کو نکلے۔ اس لڑائی کا حال شیعہ کے نہایت متعصب مجتہد ملا باقر نے یوں لکھا ہے۔

پس خبر حرکت کردن معاویہ بجانب عراق بسمع شریف حضرت امام حسن رسید۔ بر منبر بر آمد۔ حمد و ثنائے الٰہی ادا کرد۔ ایشان را بسوئے جہاد آں ثمرہ شجرہ ملعونہ کفر و عناد دعوت نمود۔ ہیچ یک از اصحاب آن حضرت جواب نگفتند۔ پس عدی بن حاتم از زیر منبر برخاست۔ گفت سبحان اللہ چہ بدگو ہے ہستید شما۔ امام شما و فرزند پیغمبر شما ابسوی جہاد دعوت مے کند اجابت او نمے کنید۔ کجا رفتند شجاعان شما۔ ایا از غضب حق تعالیٰ نمی ترسید۔ از ننگ و عار را پروانمی کنید۔ پس جماعت دیگر برخاستند۔ باو موافقت کردند۔ حضرت فرمود۔ کہ اگر راست مے گوئید۔ بسوی نخلیہ کہ لشکر گاہ من آن جاست بیروں روید مے دانم کہ وفا بگفتہ خود نخواہید نمود چنانچہ وفا نکنید ید برائے کسے کہ از من بہتر بود۔ چگونہ اعتماد کنم بگفتہائے شما۔ و حال آنکہ دیدم کہ باپدر من چہ کردید پس از منبر فرود آمد۔ سو ارشد۔ متوجہ لشکر گاہ گردید۔ چوں بآنجا رسید۔ اکثر آنہا کہ اظہار اطاعت کردہ بودند وفا نکردند و حاضر نشد ند۔ پس خطبہ خواند۔ فرمود کہ مرا فریب دادید چنانچہ امام پیش از مرا فریب دادید۔ ندانم کہ بعد از من باکدام امام مقاتلہ خواہید کرد۔ ایا جہاد خواہید کرد۔ با کسیکہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیا وردہ است۔ واز ترس شمشیر اظہار کردہ است۔ پس از منبر بزیر آمد۔ مردے از قبیلہ کندہ را با چہار ہزار کس بر سر راہ معاویہ فرستاد۔ امر کرد کہ در منزل انبار توقف کند تا فرمان حضرت باو رسد۔ چون بانبار رسید۔ معاویہ مطلع شد۔ پیکے بنزد او فرستاد۔ نامہ نوشت کہ اگر بیائی بسوی من۔ ولایتے از ولایت شام را بتو دہم۔ و پنصد ہزار درہم برائے او فرستاد۔ آن ملعون چون زر را دید و حکومت را شنید۔ دین را بدنیا فروخت۔ زر را گرفت۔ با دو صد نفر از خویشان و مخصوصان خود رو از

حضرت گردانید۔ بمعاویہ ملحق شد۔ چوں ایں خبر بآں حضرت رسید۔ خطبہ خواند و فرمود کہ این مرد کندی بامن مکر کرد۔ بنزد معاویہ رفت مکرر گفتم بشما کہ عہد شمارا وفائے نیست۔ ہمہ شابندہ دنیا نید۔ اکنوں مردیگر رامے فرستم۔ مے دانم کہ اونیز چنین خواہد کرد پس مردے از قبیلۂ مراد را با چہار ہزار کس فرستاد۔ از وعہد ہاد پیانہا گرفت کہ غدر و مکر نکند۔ اوسوگند ہایاد کرد کہ نخواہم کرد۔ چون اور وانہ شد۔ حضرت فرمود۔ اونیز چنین خواہد کرد۔ چون بانبار رسید۔ بازمعاویہ رسولان و نامہابسوئے اوفرستاد۔ پنج ہزار درہم فرستاد۔ وعدہ حکومت ہرولایت کہ خواہد باونوشت۔ پس اونیزاز حضرت برگشت۔ بسوی معاویہ رفت چون خبر بحضورت رسید۔ باز خطبہ خواند۔ فرمود کہ مکرر گفتم بشما کہ شمار اوفائے نیست۔ اینک مرادی نیز بامن مکرر کرد۔ بنزد معاویہ رفت۔ پس عبیدا للہ بن عباس رابا قیس بن سعد و دوازدہ ہزار کس از دیر عبدالرحمٰن بجانب معاویہ فرستاد۔ فرمود کہ عبیدااللہ امیرباشد۔ اگر اورا عارضہ رودہد۔ سعید پسر قیس امیرباشد۔ عبیداللہ را وصیت کرد کہ از مصلحت قیس بن سعد و سعید بن قیس بیرون نرود۔ خود از آن جابار کرو۔ بساباط مدائن تشریف برد۔ درآنجا خواست کہ اصحاب خود راستحانے کند۔ کفرو نفاق و بے وفائی آن منافقان رابرعالمیان ظاہر گرداند۔ پس مردم را جمع کرد۔ حمد و ثنای الٰہی بجا آورد۔ فرمود اما بعد بدرستیکہ من امید وارم بلطف خدا و نعمت اوکہ خیر خواہ ترین باخلق باشم از برائے خلق او۔ کینہ از ہیچ مسلمانے در دل ندارم۔ وارادۂ بدی نسبت بکسے بخواطرنے گزرانم جمعیت مسلمانان را از پراگندگی ایشان بہترے دانم۔ آنچہ صلاح شمارا در آن مے دانم۔ نیکوتر است از آنچہ خود صلاح خود را در آن مے دانید۔ پس مخالفت امر من مکنید۔ ورائے کہ برائے شما اختیار کنم برمن رو مکنید۔ کہ حق تعالیٰ ماو شمارا بیامرزدو ہدایت نماید بہرچہ موجب محبت و خوشنودی اوست۔ چون آن منافقاں این سخن را از حضرت شنید ند بیک دیگر نظر کردند۔ گفتند از سخنان او معلوم مے شود کہ مے خواہد بامعاویہ صلح کند و خلافت راباو واگزارد۔ پس ہمہ برخاستند گفتند او مثل پدرش کافر شد۔ بخیمہ آن حضرت ریختند واسباب حضرت راغارت کردند۔ حتیٰ مصلائے حضرت را از زیر پائیش کشید ند۔ وردائے مبارکش را از دوشش ربودند۔ پس اسپ خود لاطلبید وسوار شد۔ اہل بیت آنحضرت باقلیلے از شیعیاں دور آنحضرت را گرفتند چون بساباط مدائن رسید۔ ملعونے از قبیلہ بنی اسد کہ اور اجراح بن سنان مے گفتند۔ لجام اسپ آن حضرت راگرفت۔ خنجرے بر ران مبارکش زد کہ استخوان شگافت۔ بروایت دیگر بر پہلوئے مبارکش زدوگفت۔ کافر شدی چنانچہ پدر تو کافرشد۔

پس شیعیان وموالیان حضرت آن را گرفتند بقتل ․بقتل رسانیدند۔ آنحضرت را در عماری نشاندند۔ بمدائین بردند۔ سعد بن مسود ثقفی کہ از جانب آن حضرت والی مدائین بود نزول اجلال فرمود۔ اوعم مختار بود۔ پس مختار بنزدعم خود آمد۔ گفت بیا حسن رابدست معاویہ بدہیم۔ شائد معاویہ ولایت عراق رابمابدہد۔ سعد گفت وائے برتو خدا قبیح گرداند روئے تراورائے ترا۔ من از جانب پدرا وداد والی بودم۔ حق نعمت ایشاں را فراموش کنم۔ فرزند رسول خدا رابدست معاویہ دہم۔ شیعیان چون این سخن راشنیدند۔ خواستند کہ مختار را بقتل رسانند۔ آخر ․شفاعت عم او از تقصیر او گزشتند

(جلاء العیون تصنیف محمد باقر مجلسی۔ مطبوعہ ایران۔ ۱۲۷۶ ہجری۔ صفحہ ۱۴۷۔ ۱۴۸)

ترجمہ: "پس معاویہ کے عراق کی طرف آنے کی خبر حضرت امام حسن کے کان مبارک میں پہنچی۔ آپ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا ادا کی۔ اور ان کو اس کفر و عناد کے شجرہ ملعونہ کے پھل کے ساتھ جہاد کرنے کی دعوت دی۔ حضرت امام کے اصحاب میں کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ پس عدی بن حاتم نے منبر کے نیچے سے اٹھ کر کہا۔ سبحان اللہ تم کیسا براگروہ ہو۔ تمہارے امام اور فرزند پیغمبر تمہیں جہاد کی دعوت دیتے ہیں۔ تم اس کو قبول نہیں کرتے۔ تمہارے بہادر کہاں گئے۔ کیا تم خدا تعالیٰ کے غضب سے نہیں ڈرتے۔ اور ننگ و ناموس کی پروا نہیں کرتے۔ یہ سن کر دوسری جماعت اٹھی۔ انہوں نے امام کے ساتھ موافقت کی۔ حضرت امام نے فرمایا۔ کہ اگر تم سچ کہتے ہو۔ تو نخلیہ کی طرف جہاں میرا لشکر گاہ ہے نکلو۔ میں جانتا ہوں کہ تم اپنے قول کو پورا نہ کرو گے۔ جیسا کہ تم نے وفا نہ کی اس کے ساتھ جو مجھ سے بہتر تھے میں تمہارے اقوال پر کس طرح اعتماد کروں۔ حالانکہ میں نے دیکھ لیا جو تم نے میرے باپ کے ساتھ کیا۔ پھر حضرت منبر سے اتر آئے۔ اور سوار ہو کر لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے جنھوں نے اطاعت کا اظہار کیا تھا۔ انمیں سے اکثر نے وفا نہ کی۔ اور حاضر نہ ہوئے۔ پس آپ نے ایک خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا۔ کہ تم نے مجھے فریب دیا۔ میں نہیں جانتا۔ تم کس امام کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے۔ کیا تم اس کے ساتھ مل کر لڑائی کرو گے۔ جو کبھی خدا و رسول پر ایمان نہیں لایا۔ فقط تلوار کے ڈر سے اس نے ایمان ظاہر کیا ہے۔ پھر آپ منبر سے اترے۔ اور قبیلہ کندہ کے ایک شخص کو چار ہزار آدمی دے کر معاویہ کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ اور حکم دیا کہ جب تک ہمارا حکم نہ پہنچے۔ انبار میں ٹھہرے رہو۔ جب

وہ انبار میں پہنچا۔ معاویہ کو خبر لگی۔ اس نے ایک قاصد کے ہاتھ اس کندی کو ایک خط بھیجا بدین مضمون۔

کہ اگر تم میرے پاس آجاؤ۔ میں تمہیں ملک شام سے ایک ولایت دوں گا۔ اور پانچ لاکھ درہم اس کے واسطے بھیجے۔ اس ملعون نے جب یہ رقم دیکھی۔ اور ولایت کا نام سنا۔ دین کو دنیا کے بدلہ بیچ ڈالا۔ وہ رقم لے لی۔ اپنے خویشان و مخصوصان میں سے دو سو آدمیوں کے ساتھ حضرت امام سے روگردانی کی اور معاویہ سے مل گیا۔

جب یہ خبر حضرت کو پہنچی۔ آپ نے ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا۔ کہ اس کندی نے میرے ساتھ مکر کیا۔ اور معاویہ کے پاس چلا گیا۔ میں نے بار بار تم سے کہا ہے۔ کہ تمہارے عہد کو وفا نہیں۔ تم سب دنیا کے غلام ہو۔ اب میں دوسرے شخص کو بھیجتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ بھی ایسا ہی کرے گا۔

پس آپ نے قبیلہ مراد میں سے ایک شخص کو چار ہزار آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ اور اس سے عہد و پیمان لئے کہ بے وفائی اور مکر نہ کرے گا۔ اس نے قسمیں کھائیں۔ کہ میں ایسا نہ کروں گا۔ جب وہ روانہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ وہ بھی ایسا ہی کرے گا۔ جب وہ انبار میں پہنچا۔ پھر معاویہ نے قاصد اور خط اس کی طرف بھیجے۔ پانچ ہزار درہم بھیجے۔ اور لکھا کہ جو ولایت تم چاہو گے اس کی حکومت تمہیں دی جائے گی۔ وہ بھی حضرت سے برگشتہ ہو کر معاویہ سے جا ملا۔ جب یہ خبر حضرت کو پہنچی۔ آپ نے پھر ایک خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا کہ میں نے بار بار تم سے کہا ہے۔ کہ تم میں وفا نہیں۔ دیکھو اس مرادی نے بھی مجھ سے مکر کیا۔ اور معاویہ کے پاس چلا گیا۔ پس آپ نے عبید اللہ بن عباس کو قیس بن سعد اور بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ دیر عبدالرحمٰن سے معاویہ کی طرف بھیجا۔ اور فرمایا کہ عبید اللہ امیر لشکر رہے۔ اگر اسے کوئی عارضہ پیش آئے۔ تو قیس بن سعد امیر بنے۔ اگر اس کو بھی کوئی عارضہ پیش آئے۔ تو سعید بن قیس امیر بنے۔ آپ نے عبیداللہ کو ہدایت کی کہ قیس بن سعد اور سعید بن قیس کے مشورے کے خلاف نہ کرنا۔ آپ وہاں سے کوچ کرکے ساباط مدائن کی طرف تشریف لے گئے وہاں آپ نے چاہا کہ اپنے اصحاب کا امتحان کریں۔ اور ان منافقوں کے کفر و نفاق و بے وفائی کو لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ اس لئے آپ نے لوگوں کو جمع کیا۔ اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ کہ خدا کے لطف و نعمت سے میں امیدوار ہوں کہ خدا کی مخلوقات کا سب سے زیادہ خیر خواہ

بنوں۔ کسی مسلمان کی طرف سے میرے دل میں کینہ نہیں اور کسی کے ساتھ بدی کا ارادہ اپنے دل میں نہیں لاتا۔ مسلمانوں کی جمعیت کو ان کی پراگندگی سے بہتر جانتا ہوں۔ میں جس کام میں تمہاری بھلائی سمجھتا ہوں۔ وہ اس کام سے بہتر ہے جس میں تم خود اپنی بھلائی سمجھتے ہو۔ اس واسطے تم میرے حکم کی مخالفت نہ کرو۔ اور جو رائے میں تمہارے واسطے اختیار کروں۔ اس کو رد نہ کرو۔ خدا تعالیٰ مجھے اور تمہیں بخش دے اور اس امر کی طرف ہدایت کرے۔ جو اس کے محبت و خوشنودی کا باعث ہے۔ جب ان منافقوں نے حضرت امام سے یہ باتیں سنیں۔ تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے۔ کہ اس کی باتوں سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ معاویہ سے صلح کرنا اور خلافت اس کی سپرد کرنا چاہتا ہے۔ پس وہ سب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ وہ اپنے باپ کی مانند کافر ہو گیا۔ وہ حضرت کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے۔ اور آپ کا اسباب لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ آپ کا مصلا آپ کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لیا۔ اور آپ کی چادر مبارک آپ کے کندھے سے اتارلی۔ آپ نے اپنا گھوڑا طلب کیا۔ اور سوار ہو گئے۔ آپ کے اہل بیت اور تھوڑے سے شیعہ آپ کے ارد گرد تھے۔ جب آپ مدائن میں پہنچے۔ تو قبیلہ بنی اسد میں سے ایک ملعون نے جس کو جراح بن سنان کہتے تھے۔ آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑی۔ اور آپ کی ران مبارک پر ایک خنجر مارا۔ جو ہڈی تک چیر گیا۔ بروایت دیگر اس نے آپ کو پہلو مبارک پر خنجر مارا۔ اور کہا کہ تو کافر ہو گیا جیسا کہ تیرا باپ کافر ہو گیا تھا۔ پس حضرت کے شیعوں اور یاروں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ اور حضرت کو عماری میں بٹھا کر مدائن لے گئے۔ آپ نے سعد بن مسعود ثقفی کے گھر میں جو آپ کی طرف سے مدائن کا حاکم تھا۔ قیام فرمایا۔ سعد مذکور مختار کا چچا تھا۔ مختار نے اپنے چچا کے پاس آکر کہا۔ آیئے حسن کو معاویہ کے سپرد کر دیں۔ شاید معاویہ عراق کی حکومت ہم کو دے دے۔ سعد نے کہا۔ وائے تجھ پر۔ خدا تیرے منہ اور تیری رائے کو نازیبا بنائے۔ میں حضرت امام اور ان کے والد کی طرف سے حاکم تھا۔ کیا میں ان کی نعمت کے حق کو فراموش کرکے فرزند رسول خدا کو معاویہ کے سپرد کر دوں۔ شیعوں نے جب یہ کلام سنا۔ مختار کو قتل کرنے لگے۔ مگر اس کے چچا کی سفارش پر اس کو چھوڑ دیا۔ (انتہیٰ)

اس کتاب میں ملا باقر مجلسی وہی روایت لایا ہے۔ جو امامیہ کے نزدیک معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ چنانچہ دیباچہ کتاب صفحہ ۲ میں یوں لکھا ہے۔ بخاطر فاتر رسید کہ کتاب وجیزے درین باب بلغت فارسی تالیف

نماید کہ مقصود بر ذکر ولادت و شہادت حضرت سید المرسلین و ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین بودہ باشد۔ بروجہے نوشتہ شود کہ ہمہ خلق را از ان بہرۂ بودہ باشد۔ و بر ترجمہ الفاظ روایات معتبرہ اقتصار نمودہ مقید بحسن عبارات و تنوع استعارات نگرد واز غیر احادیث معتبرہ کہ از کتب فاضل محمد ثان امامیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اخذ نمودہ چیزے نقل نماید۔ تا مومنان بخواندن و شنیدن آن بثواب احیاء احادیث ائمہ دین علیہم السلام کہ اشرف طاعات وارفع سعادات است فائیز گردند۔ و محزون گردیدن و گریستن بر مصائب جلیلہ برگزید گان رب العالمین بدرجات مقربین برسند۔ ۱۲

عبارت مذکور بالا کے بعد شیعیان امام حسن کی مزید بے وفائی کا حال بدین الفاظ درج ہے۔

اکثر روسائے لشکر آنحضرت بمعاویہ نوشتند کہ ما مطیع و منقاد تو نوایم۔ پس زود متوجہ عراق شو دچوں نزدیک رسی۔ ماحسن راگرفتہ تسلیم بتوے کنیم۔ ہر شب جمعے ازیشان مے گریختند بلشکر بلشکر معاویہ ملحق مے شدند۔ پس معاویہ نامہ دیگر بحضرت نوشت۔ نامہائے منافقان اصحاب آنحضرت را کہ باو نوشتہ بودند و اظہار اطاعت و انقیاد او کردہ بودند بانامہ خود بنزد آن حضرت فرستاد در نامہ نوشتہ کہ اصحاب تو باپدرت موافقت نکردند۔ باتو نیز موافقت نخواہند کرد۔ اینک نامہای ایشانست کہ برائے تو فرستادم۔ انتہی ملخصا (جلاء العیون۔ صفحہ ۱۴۸)

ساباط مدائن میں امام حسن کے ساتھ جو سلوک آپ کے شیعہ نے کیا۔ وہ رجال کشی صفحہ ۴۷ میں بدین الفاظ مذکور ہے۔

وثب اهل عسكر الحسن عليه السلام بالحسن فى شهر ربيع الاول فانتهبوا فسطاطه واخذ وامتاعه وطعنه ابن بشير الاسدى فى حاصرته فردوه جريحا الى المدائن حتى تحصن فيها عندعم المختار بن ابى عبيدة۔

ترجمہ: "یعنی ماہ ربیع الاول میں امام حسن علیہ السلام کے لشکر کے لوگ امام حسنؑ پر ہی جھپٹے۔ انہوں نے آپ کا خیمہ لوٹ لیا۔ اور آپ کا اسباب لے گئے۔ ابن بشیر اسدی نے حضرت کی کمر میں نیزہ مارا۔ پس انہوں نے حضرت کو زخمی کرکے مدائن کی طرف لوٹا دیا۔ یہاں تک کہ آپ مدائن میں مختار بن ابی عبیدہ کے چچا کے پاس قلعہ نشین ہو گئے۔ (انتہیٰ)

مدائن میں حضرت امام نے اپنے شیعہ کی نسبت جو اپنی رائے ظاہر فرمائی۔ وہ روایت ذیل سے ظاہر ہے۔

عن یزید بن وھب الجھنی قال لما طعن الحسن بن علی بالمدائن اتیته وھو متوجع فقلت ماتری یا ابن رسول اللّٰہ فان الناس متحیرون فقال اری واللّٰہ معاویة خیر لی من ھٰؤلاء یزعمون انھم لی شیعة ابتغوا قتلی واخذوا امالی واللّٰہ لان اخذ من معاویة عھداً احقن به دمی واٰمن به فی اھلی خیر من ان یقتلونی فتضیع اھل بیتی واھلی واللّٰہ لو قاتلت معاویة لاخذوا بعنقی حتی یدفعوا بی الیه سلما واللّٰہ لان اسالمه وانا عزیز من ان یقتلنی وانا اسیر و یمن علی فیکون سنة علی بنی ھاشم اخر الدھر ولمعاویة لا یزال یمن بھاوعقبه علی الحی منا والمیت الخ۔ (کتاب الاحتجاج للطبری۔ صفحہ ۱۴۸)

ترجمہ: "یزید بن وہب جہنی کا بیان ہے۔ کہ جب حسن بن علی مدائن میں نیزہ سے گھائل ہوئے۔ میں آپ کی خدمت میں آیا۔ حالانکہ آپ کو درد ہو رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ اے فرزند رسول ﷺ آپ کی کیا رائے ہے۔ یقیناً لوگ حیران ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ قسم ہے خدا کی میری رائے یہ ہے۔ کہ میرے لئے معاویہ ان لوگوں سے بہتر ہے۔ جو دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ ہم آپ کے شیعہ ہیں۔ انہوں نے مجھے قتل کرنا چاہا۔ اور میرا مال لوٹ لیا۔ قسم ہے خدا کی اگر میں معاویہ سے ایک عہد لوں۔ جس سے اپنے خون کی حفاظت کروں۔ اور اپنے اہل میں امن سے رہوں۔ یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ وہ مجھے قتل کر دیں۔ اور میرے اہل بیت اور میرے اہل ضائع ہو جائیں۔ قسم ہے خدا کی اگر میں معاویہ سے جنگ کروں۔ تو یہی لوگ مجھے گردن سے پکڑ کر اس کے حوالہ کر دیں گے۔ قسم ہے خدا کی اگر میں معاویہ سے صلح کروں۔ اور قتل ہونے سے محفوظ رہوں۔ اور میں قیدی بن جاؤں۔ اور وہ مجھ پر احسان کرتا رہے۔ تو یہ بنی ہاشم پر ہمیشہ کے لئے سنت ہو جائے گی۔ بے شک معاویہ اور اس کی اولاد ہمارے زندوں اور مردوں پر اس سنت کو جاری رکھے گی۔ (انتہیٰ)

قصہ کوتاہ حضرت امام نے اپنے شیعہ کی بے وفائی دیکھ کر حضرت معاویہ سے صلح کرلی۔ اور خلافت ان کے حوالہ کر دی۔ وہ صلح نامہ ہم انشاء اللہ کسی مناسب موقع پر نقل کریں گے۔ اس صلح کے سبب حضرت امام حسن کے شیعہ ہی آپ کو برا بھلا کہنے لگے۔ چنانچہ کتاب الاحتجاج۔ صفحہ ۱۴۹ میں ہے۔

عن الاعمش عن سالم بن ابی الجعد قال حدثنی رجل منا قال اتیت الحسن بن علی علیه السلام فقلت یا ابن رسول اللّٰہ اذ للت رقابنا و

جعلتنا معشر الشیعة عبید اما بقی معک رجل قال ومم ذاک قال قلت بتسلیمک الامر لهذا الطاغیة قال واللّٰه ماسلمت الامر الیه الا انی لم اجد انصارا ولو وجدت انصاراً لقاتلته لیلی ونهاری حتٰی یحکم اللّٰه بینی وبینه ولکنی عرفت اهل الکوفة و بلوتهم ولا یصلح لی منهم من کان فاسد الهم لا وفاءلهم ولا ذمة فی قول ولا فعلٍ انهم لمختلفون ویقولون لنا ان قلوبهم معنا وان سیوفهم لمشهودة علیناً۔

ترجمہ: "اعمش نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کی۔ کہ ہم میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ میں امام حسن بن علی علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور کہا اے فرزند رسول آپ نے ہماری گردنوں کو ذلیل کر دیا۔ اور ہم گروہ شیعہ کو جب تک آپ کے ساتھ ایک شخص بھی باقی ہے غلام بنا دیا۔ امام نے پوچھا۔ یہ کس سبب سے میں نے عرض کی۔ اس سبب سے کہ آپ نے خلافت اس بڑے ظالم کے سپرد کر دی۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں نے خلافت اس کے حوالہ نہیں کی۔ مگر جب مجھے مددگار نہ ملے۔ اگر مجھے مددگار مل جاتے۔ تو میں رات دن اس سے جنگ کرتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کر دیتا۔ لیکن میں نے اہل کوفہ کو پہچان لیا۔ اور ان کو آزمالیا۔ ان میں سے جو فاسد ہے میرے لائق نہیں۔ تحقیق ان میں کچھ وفا نہیں۔ اور نہ قول و فعل میں اعتبار ہے۔ وہ مختلف ہیں۔ اور ہم سے کہتے ہیں۔ کہ ہمارے دل تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ ان کی تلواریں ہم پر کھچی ہوئی ہیں۔ (انتہی)

رجال کشی صفحہ ۷۳ میں ہے۔

روی عن علی بن الحسن الطویل عن علی بن النعمان عن عبداللّٰه مسکان عن ابی حمزة عن ابی جعفر علیه السلام قال جاء رجل من اصحاب الحسن علیه السلام یقال له سفیان بن لیلی وهو علی راحلة فدخل علی الحسن علیه السلام وهو محتب فی فناء داره قال فقال له السلام علیک یا مذل المومنین فقال له الحسن علیه السلام انزل وتعجل فنزل فعقل راحلته فی الدار واقبل یمشی حتی انتهٰی الیه قال فقال له الحسن علیه السلام ما قلت قال قلت السلام علیک یا مذل المؤمنین قال وما علمک بذلک قال عمدت الی امر الامة فخلعته من

عنقک وتلدته هذه الطاغية يحكم بغير ما انزل الله قال فقال له الحسن عليه السلام ساخبرک لم فعلت ذلک قال سمعت ابی يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لن تذهب الايام والليالی حتی بلی امر هذه الامة رجل واسع البلعوم رحب الصدر ياكل ولا يشبع وهو معاوية فلذلک فعلت (الحدیث)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ امام حسن علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک شخص سفیان بن لیلیٰ نامی اونٹنی پر سوار امام حسن علیہ السلام پر داخل ہوا۔ اور آپ اپنے گھر کے صحن میں اکڑ و بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے کہا۔ اے مؤمنوں کو ذلیل کرنے والے آپ پر سلام۔ امام حسن علیہ السلام نے اس سے فرمایا اونٹنی سے اتر۔اور جلدی کر۔ پس وہ اترا۔ اس نے اپنی اونٹنی گھر میں باندھ دی۔ اور پیدل حضرت امام کے پاس پہنچا۔ امام حسن علیہ السلام نے اس سے پوچھا۔ کہ تو نے کیا کہا۔ وہ بولا میں نے یوں کہا۔ اے مومنوں کے ذلیل کرنے والے آپ پر سلام۔ امام نے فرمایا۔ کہ تم کو یہ کس طرح معلوم ہوا۔ اس نے کہا۔ آپ نے امت کا کام اپنی گردن سے اتار کر اس بڑے ظالم کے گلے میں ڈال دیا۔ جو خلاف ماانزل اللہ حکم کرتا ہے۔ یہ سن کر امام حسن علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے سنا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات دن کا سلسلہ ختم نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے کام کا والی ہو گا۔ ایک شخص کشادہ حلق فراخ سینہ جو کھائے گا۔ اور سیر نہ ہو گا۔ اور وہ معاویہ ہے۔ اس سبب سے میں نے خلافت کو چھوڑ دیا۔ الحدیث (انتہیٰ)

عمدۃ المناظرین مولوی محمد جہانگیر خاں شکوہ آبادی لکھتے ہیں کہ صاحب فصول وغیرہ علماء حضرات شیعہ نے بروایت ابی مخنف لوط بن یحییٰ کہ معتمدین حضرات امامیہ سے ہے۔ یہ روایت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ کہ فرمایا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا میں بہت برا جانتا ہوں اس کو جو میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے کیا میرے ساتھ صلح کرنے معاویہ سے۔ کہ میرا بھائی تلوار سے میری ناک بھی کاٹ لیتا تو مجھ کو اتنا ناگوار نہ گزرتا۔ چنانچہ اسی روایت کی رو سے حضرات شیعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ظاہرا انحراف باطنی رکھتے ہیں۔ انتہیٰ۔ بلفظہ۔ (مظہر العجائب صفحہ ۱۳۶)

صلح کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ اور اپنے شیعوں کا رجسٹر ساتھ لے

گئے۔ اس رجسٹر کی ضخامت کا اندازہ روایت ذیل سے لگ سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا احمد بن محمد عن الحسین بن سعید عن فضالة ابن ایوب عن سلیمان عن عمرو بن ابی بکر عن رجل عن حذیفة بن اسید الغفاری قال لما وادع الحسن معاویة وانصرف الی المدینة صحبت فی متصر فه وکان بین عینیه حمل بعیر لا یفارقه حیث توجه فقلت له ذات یوم جعلت فداک یا ابا محمد هذا الحمل لا یفارقک حیث ماتوجهت فقال یا حذیفة اتدری ماهو قلت لا قال هذا الدیوان قلت دیوان ماذا قال دیوان شیعتنا فیه اسماؤهم قلت جعلت فداک فارنی اسمی قال اغد بالغداة قال فغدوت الیه ومعی بن اخ لی وکان یقرأ ولم اکن اقرأ فقال ما غدابک قلت الحاجة التی وعدتنی قال ومن ذا الفتی معک قلت ابن اخ لی وهو یقرأ ولست اقرأ قال فقال لی اجلس فجلست فقال علی بالدیوان الاوسط قال فاتی به قال فنظر الفتے فاذا لا سماء تلوح قال فبینما هو یقرأ اذ قال هو یا عماه هو ذااسمی قلت ثقلتک امک انظر این اسمے قال فصفح ثم قال هو ذا اسمک فاستبشر ناواستشهد الفتے مع الحسین ابن علی رضی الله عنه (انتہی)

(بصائر الدرجات۔ مطبوعہ ایران ۱۲۵۸ ہجری۔ جزء رابع۔ باب ثالث)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) حذیفہ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ جب معاویہ نے امام حسن کو رخصت کیا اور وہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے میں اس سفر میں ان کے ساتھ تھا۔ اور آپ کے زیر نظر ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔ آپ جدھر رخ کرتے وہ بوجھ آپ سے جدا نہ ہوتا۔ ایک دن میں نے آپ سے عرض کی۔ کہ اے ابو محمد میں آپ پر قربان جاؤں۔ یہ بوجھ جدھر آپ رخ کرتے ہیں آپ سے جدا نہیں ہوتا۔ امام نے فرمایا۔ اے حذیفہ کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ نہیں۔ فرمایا یہ رجسٹر ہے میں نے عرض کی۔ کس چیز کا رجسٹر۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیعوں کا رجسٹر ہے۔ جس میں ان کے نام ہیں۔ میں نے عرض کی۔ میں آپ پر قربان جاؤں اس میں میرا نام دکھایئے۔ فرمایا صبح کو آنا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ میں صبح کو ان کے پاس گیا۔ اور میرے ساتھ میرا بھتیجا تھا۔ جو پڑھا ہوا تھا اور میں پڑھا ہوا نہ تھا۔ حضرت امام

نے دریافت کیا۔ کہ تم صبح کیوں آئے۔ میں نے عرض کی۔ کہ میں اس حاجت کے لئے آیا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ تمہارے ساتھ یہ جوان کون ہے۔ میں نے عرض کیا۔ میرا بھتیجا ہے جو پڑھا ہوا ہے۔ اور میں پڑھا ہوا نہیں۔ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ اس نے کہا وہ دیوان اوسط میرے پاس لاؤ۔ وہ رجسٹر لایا گیا۔ اس جوان نے اس میں نظرڈالی۔ کیا دیکھتا ہے کہ شیعوں کے نام چمک رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ جب وہ جوان ناموں کو پڑھ رہا تھا اچانک بول اٹھا۔ چچا یہ دیکھو میرا نام ہے۔ میں نے کہا۔ تیری ماں تجھ کو گم کرے۔ (یعنی تو مرے) میرا نام دیکھ۔ پس اس نے ورق گردانی کی۔ پھر کہا۔ یہ لو تمہارا نام ہے۔ اس لئے ہم خوش ہوئے اور وہ جوان امام حسین بن علیؓ کے ساتھ شہید ہوا۔ (انتہی)

بظاہر اس شترِبار رجسٹر میں وفادار شیعوں ہی کے نام ہوں گے۔ جن کی تعداد بیان بالا سے ظاہر ہے۔ پھر یہ عجائب روزگار رجسٹر کن ناموں سے پر ہو گا۔

سید محمد رضا امامی خواتون آبادی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے احوال میں یوں لکھتا ہے۔

اصحاب آنحضرت جمعے کثیر بودند کہ آنحضرت در اول خلافت بعزم جنگ معاویہ لشکر بشام کشید۔ در ہر منزلے یکے از مشاہیر را سردارد با قدرے از لشکر روانہ شام نمود۔ و معاویہ مبالغہا از برائے سردار فرستاد۔ بعضے را وعدہ دختر دادہ آن سرہنگ بالشکر بطرف معاویہ رفتند۔ وباآن حضرت از جملہ چہل ہزار کس کہ داشت چہار صد نفر ماندند۔ لاعلاج با معاویہ صلح فرمود و آن جمع نیز اکثر مرتد شدند۔ (جنات الخلود مطبوعہ سلطان المطابع۔ صفحہ ۲۰)

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ کہ چالیس ہزار شیعہ میں سے چار سو حضرت امام کے ساتھ رہ گئے۔ پھر چار سو میں سے بھی اکثر مرتد ہو گئے۔ باقی کے ناموں سے ایسا ضخیم رجسٹر کیونکر پر ہو سکتا ہے۔ ہمیں یہاں اس رجسٹر کی مزید بحث درکار نہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شیعوں نے خود امام کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اور وہ کافی طور پر بیان ہو چکا ہے۔

بعض نادان شیعہ کہا کرتے ہیں۔ کہ حضرات حسنین علیہما السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی۔ مگر ان کا یہ قول بالکل غلط ہے۔ چنانچہ رجال کشی صفحہ ۷۲ میں ہے۔

جبرائیل بن احمد وابو اسحٰق حمدویة ابراهیم ابنا نصیر قالوا حدثنا

محمد بن عبدالحمید ابن العطار الکوفی عن یونس بن یعقوب عن فضیل غلام محمد بن راشد قال سمعت ابا عبدالله علیہ السلام یقول ان معاویۃ کتب الی الحسن ابن علی صلوات اللہ علیہما ان اقدم انت والحسین واصحاب علی فخرج معھم قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری فقدموا الشام فاذن لھم معاویۃ واعدلھم الخطباء فقال یا حسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین علیہ السلام قم فبایع فقام فبایع ثم قال یا قیس قم فبایع فالتفت الی الحسین علیہ السلام ینظر ما یامرہ فقال یا قیس انہ امامی یعنی الحسن علیہ السلام

ترجمہ: " (بحذف اسناد) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ معاویہ نے حسن بن علی صلوات اللہ علیہما کو لکھا۔ کہ آپ اور حسین اور اصحاب علیؑ آئیں۔ پس ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری نکلا۔ اور وہ ملک شام کو آئے۔ معاویہ نے ان کو حاضر ہونے کی اجازت دی۔ اور ان کے لئے خطیب تیار کئے۔ پس فرمایا اے حسن اٹھ کر بیعت کیجئے۔ امام حسن اٹھے۔ اور بیعت کی۔ پھر امیر معاویہ نے حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ اٹھ کر بیعت کیجئے۔ پس امام حسین نے اٹھ کر بیعت کی۔ پھر حضرت معاویہ نے فرمایا اے قیس اٹھ کر بیعت کر۔ قیس نے امام حسن علیہ السلام کی طرف دیکھا کہ کیا حکم دیتے ہیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے قیس وہ یعنی حسن علیہ السلام میرا امام ہے۔ (انتہی)

اس کے بعد دوسری روایت میں ہے فقام الیہ الحسن فقال لہ بایع یا قیس یعنی امام حسن قیس کی طرف اٹھے اور فرمایا اے قیس بیعت کر۔ پس قیس نے بیعت کی۔ انتہی۔

رجال کشی میں دوسری جگہ صفحہ ۳۶ پر یہ روایت مذکور ہے۔ کہ مروان عامل مدینہ نے امیر معاویہ کو لکھا۔ کہ عراقی اور حجازی لوگ امام حسین کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اور ان کو دربارہ خلافت برسرپیکار لانا چاہتے ہیں۔ آپ جو حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں۔ اس کے جواب میں امیر معاویہ نے یہ الفاظ درج کئے لا نریدالو تعرض لہ فی شئ ماوفی بیعتنا یعنی ہم نہیں چاہتے کہ تم امام حسین سے کسی بات میں تعرض کرو۔ جب تک وہ ہماری بیعت پر کاربند ہیں۔ (انتہی)

امام ۔ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی اس امام مظلوم کے مولد کے تحت یہ روائتیں لایا

۴۔ عن ابی عبداللّٰہ علیه السلام قال لما حملت فاطمة علیها السلام بالحسین جاء جبریل الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم فقال ان فاطمة ستلد غلام تقتله امتک من بعدک فلما حملت فاطمة بالحسین کرهت حمله وحین وضعته کرهت وضعه ثم قال ابو عبد اللّٰہ علیه السلام لم ترفی الدنیا ام تلد غلاما تکرهه ولکنها کرهت لما علمت انه سیقتل۔ قال و فیه نزلت هذه الایة ووصینا الانسان بوالدیه احسنا حملته امه کرها ووضعته کرها وحمله وفصاله ثلثون شهرا .... (اصول کافی نو لکشوری صفحہ ۲۹۴)

ترجمہ: "امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب فاطمہ علیہا السلام حسین علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں۔ تو جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کی کہ فاطمہؓ عنقریب ایک لڑکا جنے گی۔ جس کو آپ کی امت آپ کے بعد قتل کر دے گی۔ پس جب فاطمہؓ حسین علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں۔ تو اس کو شکم میں بکراہت رکھا۔ اور جب وضع حمل کیا تو بکراہت کیا۔ پھر امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی ماں ایسی نہیں دیکھی گئی جو لڑکا جنے۔ جسے وہ ناپسند کرے۔ مگر فاطمہ نے حسین علیہ السلام کو ناپسند کیا۔ کیونکہ اسے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ جلدی قتل کیا جائے گا۔ امام موصوف نے فرمایا کہ امام حسین ہی کے بارے میں یہ آیت اتری۔

"اور ہم نے اس آدمی کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی سفارش کی۔ اس کی ماں نے اس کو شکم میں بحال کراہت رکھا۔ اور اس کا وضع حمل بحال کراہت کیا۔ اور اس کو شکم میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے میں تھا۔" (ترجمہ آیت مطابق صافی شرح کافی) (انتہیٰ)

۲۔ عن ابی عبداللّٰہ علیه السلام قال ان جبرئیل نزل علی محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال له یامحمد ان اللّٰہ یبشرک بمولود یولد من فاطمة تقتله امتک من بعدک فقال یا جبریل وعلی ربی السلام لا حاجة فی مولود یولد من فاطمة تقتله امتی من بعدی فعرج ثم هبط فقال له مثل ذلک فقال یا جبرئیل وعلی ربی السلام لا حاجة لی فی مولود تقتله امتی من بعدی فعرج جبرائیل الی السماء ثم هبط فقال یا محمد ان ربک

يقرئك السلام ويبشرك بانه جاعل في ذريته الامامة والولاية والوصية فقال انی قد رضيت ثم ارسل الى فاطمة ان الله يبشرلی بمولود يولدلك تقتله امتي من بعدے فارسلت اليه ان لا حاجة لي في مولود تقتله امتك من بعدك فارسل اليها ان الله عزوجل قد جعل فی ذريته الا مامة والولاية والوصية فارسلت انی قد رضيت فحملته كرها ووضعته كرها وحمله وفصاله ثلثون شهر احتی اذا بلغ اشده وبلغ اربعين سنة قال رب اوزعنی ان اشكر نعمتك التي انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لی فی ذريتی فلولا انه قال اصلح........ فی ذريتی لكانت ذريته كلهم ائمة ولم يرضع الحسين من فاطمة عليها السلام ولا من انثی كان يؤتی به النبی صلی الله عليه وسلم فيضع ابهامه فی فمه فيمص منهاما يكفيه اليومين والثلث فنبت لحما للحسين من لحم رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم ودمه ولم يولد لستة اشهر الا عيسٰی بن مريم عليه السلام والحسين بن علی عليهما السلام

(اصول کافی۔ صفحہ ۲۹۴۔ ۲۹۵)

ترجمہ: "امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ اور آپ سے عرض کی۔ اللہ آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ جو فاطمہؑ سے پیدا ہو گا۔ اسے آپ کی امت آپ کے بعد قتل کر دے گی۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ اے جبرئیل میرے رب پر سلام۔ مجھے اس لڑکے کی حاجت نہیں۔ جو فاطمہؑ سے پیدا ہو گا۔ جسے میری امت میرے بعد قتل کر ڈالے گی۔ یہ سن کر جبرائیلؑ اوپر کو چڑھے۔ پھر اتر آئے۔ اور حضرت سے اسی طرح عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔ اے جبرائیلؑ میرے رب پر سلام۔ مجھے ایسے لڑکے کی حاجت نہیں۔ جس کو میری امت میرے بعد قتل کرڈالے گی۔ پس جبرائیل آسمان کی طرف چڑھے۔ پھر اتر آئے۔ اور عرض کی۔ اے محمدؐ آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے۔ اور بشارت دیتا ہے۔ کہ وہ اس لڑکے کی اولاد میں امام و ولی و وصی ہونے کا منصب قائم رکھے گا۔ یہ سن کر حضرت فرمایا۔ کہ میں راضی ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت نے فاطمہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ جو تیرے پیٹ سے ہو گا۔ جسے میری امت میرے بعد قتل کرڈالے

گی۔ پس فاطمہؑ نے حضرت کی طرف پیغام بھیجا۔ کہ مجھے ایسے لڑکے کی حاجت نہیں جسے آپ کی امت آپ کے بعد قتل کر دے گی۔ اس پر حضرت نے فاطمہ کو کہلا بھیجا۔ کہ اللہ عزوجل نے اس لڑکے کی اولاد میں منصب امامت و ولایت ووصایت مقرر کر دیا ہے۔ یہ سن کر فاطمہؑ نے حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ بے شک میں راضی ہو گئی۔ پس فاطمہؑ نے حسینؑ کو بکراہت پیٹ میں رکھا۔ اور بکراہت وضع حمل کیا۔ اور اس کا پیٹ میں رکھنااور دودھ چھڑانا تیس مہینے میں تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی کمال قوت کو پہنچا۔ اور چالیس برس کا ہو گیا۔ تو اس نے کہا۔ اے میرے پروردگار تو مجھے الہام کرتا کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں۔ جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو بخشی ہے اور تاکہ میں عمل صالح بجا لاؤں جس سے تو راضی ہو جائے۔ اور میری اولاد میں میرے واسطے امام بنا دے۔

امام جعفر صادق کا قول ہے۔ کہ اگر امام حسین فی ذریتی (میری اولاد میں) نہ کہتے (بلکہ ذریتی کہتے) تو ان کی اولاد میں تمام امام ہوتے۔ اور حسین علیہ السلام نے نہ فاطمہ علیہا السلام کا دودھ پیا نہ کسی اور عورت کا۔ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاتے۔ حضرت اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں رکھ دیتے۔ وہ اس سے اتنا چوس لیتے جو دو یا تین دن کے لئے کافی ہوتا۔ اس طرح حسین علیہ السلام کا گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت و خون سے بنا۔ اور چھ ماہ میں سوائے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور حسین بن علی علیہما السلام کے کوئی پیدا نہیں ہوا۔ (انتہیٰ)

مذکورہ بالا روایتوں سے معلوم ہوا کہ

۱۔ امام حسینؑ کا وجود آپ کے نانا اور والدہ کی نظروں میں ایسا ناپسندیدہ تھا۔ کہ خداوند کریم تو ولادت امام کی بشارت دے رہا ہے۔ اور وہ اسے رد کر رہے ہیں۔

۲۔ حضرت فاطمہؓ گو بظاہر ترمیم شدہ بشارت سے راضی ہو گئیں۔ مگر آیہ وصیت کا جو شان نزول امام صادق کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ دل سے راضی نہ تھیں۔

شیعہ کا عمدۃ المجتہدین ملا محمد باقر مجلسی لکھتا ہے۔

کہ اس حمل ووضع کا از روئے کراہت ہونا امام کے خواص سے ہے۔

ملا صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ حمل وضع از روئے کراہت بود ان مخصوص آنحضرت است باعتبار خبر شہادت (حیات القلوب نو لکشوری)۔ جلد سوم۔ صفحہ ۷۸)

آیت مذکورہ بالا کی تفسیر جوان راویتوں میں مذکور ہے۔ درست نہیں۔ کیونکہ اس تفسیر کی رو سے الانسان سے مراد خاص انسان یعنی امام حسین علیہ السلام ہیں۔ جن پر اس آیت کا مضمون بروئے روایت کافی

صادق نہیں آتا۔ بشارت امام کو آپ کے نانا اور والدہ نے محض اس واسطے رد کیا تھا۔ کہ امت آپ کو قتل کردے گی۔ مگر آیت میں اس کو عمل صالح کہا گیا ہے۔

چنانچہ شیعہ کا علامہ ملا خلیل صافی میں لکھتا ہے۔ صالحا عبارت از جہاد و کشت شدن است کہ مرضی اللہ تعالیٰ بودہ۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام مژدہ بآں دادہ۔

یعنی صالحا سے مراد جہاد و شہادت پانا ہے۔ جو پسندیدہ خدا تھا۔ جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام نے اس کی بشارت دی تھی۔ (انتہیٰ)

اسی طرح آیت میں حسب تفسیر امام صادق۔ امام حسین کے حمل وفصال ہر دو کے لئے تیس مہینے ہیں۔ مگر روایت کافی میں صراحت ہے۔ کہ امام حسین نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔ اس صورت میں فصال متحقق نہ ہو گا۔ آیت کے باقی مضمون کا بھی یہی حال ہے۔ لہٰذا صحیح تفسیر یہی ہے کہ الانسان میں لام جنس کا ہے۔ جیسا کہ خلاصۃ المنہج میں جو شیعہ کا مستند فارسی ترجمہ ہے۔ مذکور ہے اور وہ یوں ہے ووصیت کردیم یعنی فرمودیم جنس آدمی را بہ پدر و مادر نکوئی کردن الخ

روایت نمبر(۲) میں جو مذکور ہے کہ چھ ماہ میں سوائے حضرت عیسیٰ بن مریم۔ اور امام حسین کے اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اس کی صحت میں کلام ہے۔ خواہ پیدا ہو کر زندہ رہنا مراد ہو۔

تفسیر کافی میں کٰھیٰعص کے تحت میں یوں لکھا ہے۔

فی الاکمال عن الحجة القائم فی حدیث انه سئل عن تاویلها فقال هذه الحروف من انباء الغیب اطلع اللّٰه عبده زکریا علیها ثم قصها علی محمد وذلک ان ذکریا سال ربه ان یعلمه اسماء الخمسة فاهبط اللّٰه علیه جبریل فعلمه ایاها فکان ذکریا اذا ذکر محمدا وعلیا وفاطمة والحسن سری عنه همه وانجلی کربه واذا ذکر الحسین خنقته العبرة ووقعت علیه البهرة فقال ذات یوم الهی مابالی اذا ذکرت اربعا منهم تسلیت باسمائهم من همومی واذا ذکرت الحسینؑ تدمع عینی وتثو رزفرتی فانباه تبارک و تعالٰی عن قصته فقال کٓهٰیٰعٓصٓ فالکاف اسم کربلا والهاء هلاک العترة والیاء یزید لعنه اللّٰه وهو ظالم الحسین والعین عطشه والصاد صبره فلما سمع بذلک ذکریا لم یفارق مسجده ثلثة ایام و منع فیها الناس من الدخول علیه واقبل علی البکاء والنحیب وکانت ندبته

الى اتنجع خير خلقك بولده اتنزل بلوے هذه الرزية بفنائه الى اتلبس عليا و فاطمة ثياب هذه المصيبة الى اتحل كرب هذه الفجيعة بساحتهما ثم كان يقول الى ارزقنى ولدا تقربة عينى عند الكبر واجعله وارثا وصيا واجعل محله منى محل الحسين فاذا رزقتنيه فافتنى بحبه ثم افجعنے به كما تفجع محمدا حبيبك بولده فرزقه اللّٰه يحيے وفجعه به وكان حمل يحيى ستة اشهر وحمل الحسين رضى اللّٰه عنه كذلك وفى المناقب عنه مثله۔

ترجمہ: "اکمال میں امام حجتہ القائم سے ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ان سے کٓھٰیٰعٓصٓ کی تاویل دریافت کی گئی آپ نے جواب دیا کہ یہ حروف غیب کی خبروں سے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) کو مطلع کیا ہے۔ بعد ازاں ان کو محمد ﷺ کے لیے ذکر کیا ہے۔ یہ قصہ یوں ہے کہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ مجھے پانچ کے ناموں کی تعلیم کر۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر جبرئیل کو نازل کیا۔ اور جبرئیل نے آپ کو وہ نام بتائے۔ پس زکریا جب محمد ﷺ، فاطمہؑ، علیؑ، حسنؑ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کو یاد کرتے۔ تو ان کا غم دور ہو جاتا۔ اور جب حسین کو یاد کرتے۔ تو اشک ریزی سے گھگی بندھ جاتی۔ اور سانس لینا دشوار ہوتا۔ ایک دن بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ خدایا کیا وجہ ہے کہ جب میں ان میں سے چار کو یاد کرتا ہوں۔ تو ان کے ناموں کی برکت سے میرے دل سے غم دور ہو جاتے ہیں اور جب حسین کا نام لیتا ہوں۔ تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور میرا آہ و نالہ بلند ہو جاتا ہے۔ پس اللہ تبارک و تعالےٰ نے ان کو اس کے قصہ سے آگاہ کیا۔ اور فرمایا۔ کٓھٰیٰعٓصٓ کاف کربلا کی طرف اشارہ ہے۔ ہا ہلاک عترت یا یزید ظالم حسین۔ عین عطش و تشنگی حسینؑ اور صاد صبر حسینؑ کی طرف اشارہ ہے۔ جب زکریا نے یہ سنا۔ تین دن اپنی مسجد سے نہ نکلے۔ اور لوگوں کو اپنے پاس آنے سے منع کر دیا۔ اور گریہ و نوحہ میں مشغول ہوگئے۔ آپ کا نوحہ و مرثیہ یہ تھا۔ خدایا کیا تو خیر الخلق (ﷺ) کو ان کے فرزند کی مصیبت سے دردمند کرے گا۔ کیا تو اس مصیبت کی زحمت ان کے صحن میں نازل کرے گا۔ خدایا کیا تو علی و فاطمہ کو اس مصیبت کے کپڑے پہنائے گا۔ کیا تو اس درد و محنت کی شدت ان کے میدان میں اتارے گا۔ اس کے بعد آپ یوں عرض کرتے۔ خدایا مجھے ایک لڑکا عطا کر۔ جس سے بڑھاپے

میں میری آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اور اس کو میرا وارث ووصی بنا دے۔ اور اس کا مرتبہ میرے نزدیک حسین کا مرتبہ بنا دے۔ جب تو مجھے ایسا لڑکا عطا کرے۔ تو مجھے اس کی محبت میں فریفتہ کردے۔ پھر مجھے اس کی مصیبت سے دردمند کردے جیسا کہ تو اپنے حبیب محمد ﷺ کو ان کے فرزند کی مصیبت سے دردمند کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے زکریا کو یحییٰ عطا کیا۔ اور اس کی مصیبت سے زکریا کو دردمند کیا۔ اور یحییٰ کا حمل چھ ماہ تھا۔ اور حسین کا حمل بھی چھ ماہ تھا۔ مناقب میں بھی امام قائم علیہ السلام سے اسی کی مثل روایت ہے۔ انتہی۔

ملا باقی مجلسی نے امام حسین کی بشارت کے متعلق جو روایت بحوالہ محمد بن العیاش وغیرہ بسند معتبر نقل کی ہے اس کا مضمون اصول کافی کی روایت سے ملتا ہے۔ مگر اس کے اخیر میں یوں ہے۔

وکسے شنیدہ است کہ فرزند شش ماہ متولد شود و بماند مگر حضرت امام حسینؑ یحییٰ (حیات القلوب ۔ جلد سوم ص ۷۸)

یہاں ہمیں روایت اکمال کے اخیر حصہ سے غرض ہے۔ پوری روایت اس واسطے نقل کی گئی۔ کہ ناظرین کو شیعہ کی تفسیر سے بھی فی الجملہ واقفیت ہو جائے۔ اب ایک طرف اصول کافی کی روایت ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ امام غائب علیہ السلام نے اسے بنظر استحسان دیکھا ہے (اصول کافی نو لکشوری ص ۲۹۴) اور دوسری طرف مصنف اکمال نے بھی امام موصوف ہی کی روایت بیان کی ہے جس کے اخیر حصہ کی تائید روایت محمد بن عیاش وغیرہ سے بھی ہوتی ہے۔ ہر دو روایت میں تطبیق کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ شیعہ کا علامہ ملا خلیل اس مقام پر بالکل خاموش ہے۔ مگر ملا باقر مجلسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حال میں لکھتا ہے۔

در حدیث معتبر از حضرت صادق منقول است کہ مدت حمل آنحضرت نہ ساعت بود۔ و در حدیث معتبر دیگر از آنحضرت منقول است کہ فرزندیکہ شش ماہ متولد شو دزندہ نمے ماند مگر عیسیٰؑ و امام حسینؑ کہ ہریک شش ماہ متولد شدند مولف گوید کہ محتمل است کہ در حدیث یحییٰ وارد شدہ باشد و راویاں بعیسی اشتباہ کردہ باشند (حیات القلوب جلد اول ص ۳۹۹)

ترجمہ: "حدیث معتبر میں حضرت صادق سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حمل کی مدت نو ساعت تھی۔ اور دوسری معتبر حدیث میں امام صادقؑ ہی سے منقول ہے کہ جو لڑکا چھ ماہ کا پیدا ہو وہ زندہ نہیں رہتا۔ سوائے عیسیٰؑ اور امام حسین علیہما السلام کے کہ دونوں چھ ماہ کے پیدا ہوئے تھے۔

مولف کہتا ہے کہ احتمال ہے کہ حدیث میں یحییٰ آیا ہو۔ اور راویوں کو عیسیٰ کا اشتباہ ہو گیا ہو۔ (انتہیٰ)

پس لا محالہ کہنا پڑے گا کہ روایت کافی کا اخیر حصہ غلط ہے۔ حضرت عیسیٰ علے نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حمل و وضع کی نسبت جو قول اشبہ بالقرآن ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا حمل و وضع حمل ایک ہی ساعت وقوع میں آیا۔ کیونکہ قرآن کریم میں حمل و انتباذ و مخاض حرف فاء کے ساتھ مذکور ہیں جو تعقیب کے لیے آتا ہے۔ للذا یہ امور پے در پے ایک دوسرے کے بعد بلا فاصلہ وقوع میں آئے' والعلم عنداللہ

روایت نمبر(۲) سے ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کے حمل کی مدت ۶ ماہ تھی۔

اصول کافی ص ۲۹۴ کی ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے۔

كان بين والحسن الحسين عليهما السلام طهر و كان بينهما في الميلاد ستة اشهر و عشرا

ترجمہ: "امام حسنؑ کی ولادت اور امام حسینؑ کے حمل کے درمیان ایک طہر تھا۔ اور دونوں کے وقت ولادت کے درمیان چھ ماہ اور دس دن کا تفاوت تھا۔ (انتہیٰ)

یہ تفاوت بھی بروے روایت صحیحہ ادلہ عقلیہ و طبیہ قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے۔

سید محمد رضا بن محمد مومن امامی خواتون آبادی لکھتا ہے۔

بہر تقدیر نطفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شش ماہ قبل از ولادت بستہ شد۔ گویند پنجاہ شب از ولادت برادرش امام حسن علیہ السلام نطفہ آنحضرت بستہ شد۔ پس فاصلہ میان اوو برادرش ہفت ماہ وبیست (ا) و پنج روز است و این معنے بسیار و درست زیرا کہ میان ہریک از اقوالے کہ در خصوص ولادت آنحضرت درین جدول مذکور است و ایام ولادت امام حسن علیہ السلام کہ درجدول سابق گذشت فاصلہ زیادہ بریں قدر میشود

(بنات الحلو و مطبوعہ مطبع سلطانی المطابع سنہ ۱۲۰۶۶ھ ۲۲)

ترجمہ: "بہر صورت ولادت سے ۶ ماہ پہلے امام حسینؑ کا نطفہ رحم میں ٹھہرا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے بھائی امام حسن علیہ السلام کی ولادت سے پچاس راتوں کے بعد آپ کا نطفہ ماں کے رحم میں ٹھہرا۔ پس آپ کی اور آپ کے بھائی کی ولادت کے درمیان سات مہینے اور پچیس دن کا تفاوت ہے اور یہ بات بہت بعید ہے کیونکہ امام حسین کی ولادت کے بارے میں جو اقوال اس جدول میں مذکور ہیں ان میں سے ہر ایک میں اور امام حسنؑ کی ولادت کے ایام میں جیسا کہ

جدول سابق میں بیان ہوا اس سے زیادہ فاصلہ پایا جاتا ہے (انتہی)

اصل کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ صرف دست چاہیئے؟

جب سات ماہ اور پچیس دن کا تفاوت بہت بعید ہوا۔ تو چھ ماہ اور دس دن کا تفاوت اس سے بھی بعید ہوگا۔ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہ آرام و اطمینان سے بسر اوقات کرتے رہے۔ مجاہدین اسلام کے زور بازو سے حاصل کردہ غنائم مدینہ میں آتے اور آل ابی طالب بیٹھے بٹھائے ان سے متمتع ہوتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخر میں امام حسین اس قابل ہو گئے تھے کہ جہاد میں حصہ لیں۔ مگر عمر فاروق اعظم نے باپ بیٹوں کو کسی محنت میں ڈالنا گوارا نہ کیا۔ بلکہ محنت غنائم میں سے حصہ دیتے رہے۔ ۱۵ھ میں جب وظائف مقرر کئے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہ کا بھی بدری اصحاب کے برابر پانچ پانچ ہزار وظیفہ مقرر کیا) کامل ابن اثیر۔ جز ثانی ص ۱۴۰)

اسی طرح شہربانو شہزادی جو مجاہدین اسلام کے ساتھ ایران سے مدینہ آئی تھی۔ امام حسین کو گھر بیٹھے عطا کر دی (اصول کافی ص ۲۹۶)

حضرت فاروق اعظم نے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ناز برداری کی اس کا اندازہ روایت ذیل سے لگ سکتا ہے۔

عن زید بن علی عن ابیه ان الحسین بن علی علیهم السلام اتی عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه وهو علی المنبر یوم الجمعه فقال له انزل عن منبر ابی فبکیٰ عمر ثم قال صدقت یا بنی منبر ابیک لا منبر ابی فقال علی علیه السلام ماهو والله عن رأی فقال صدقت والله مااتهمک یا ابا الحسن ثم نزل عن المنبر فاخذه فاجلسه الی جانبه علی المنبر فخطب الناس وهو جالس علے المنبر معه ثم قال یا ایها الناس سمعت نبیکم صلی اللّٰه علیه واله وسلم یقول احفظونی فی عترتی و ذریتی فمن حفظنی فیهم حفظه الله الا لعنة الله علی من اذانی فیهم ثلاثا

(کشف الغمه فی معرفة الائمه مطبوعه) (ایران ۱۲۹۴ھ ص ۱۴۴)

ترجمہ: زید بن علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حسین بن علی علیہ السلام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جمعہ کے دن آئے اور آپ منبر پر تھے۔ اور ان سے کہا کہ میرے باپ کے منبر سے اتر جا۔ یہ سن کر حضرت عمر رو پڑے۔ پھر فرمایا اے میرے پیارے لڑکے تو نے سچ کہا۔ یہ

تیرے باپ کا منبر ہے۔ میرے باپ کا منبر نہیں۔ اس پر حضرت علی علیہ السلام بولے۔ اللہ کی قسم حسین نے میری رائے سے نہیں کہا۔ حضرت عمر نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ اللہ کی قسم اے ابوالحسن میں آپ کو تہمت نہیں دیتا۔ پھر حضرت عمر منبر سے اترے۔ اور امام حسین کو پکڑ کر اپنے برابر منبر پر بٹھایا۔ اور لوگوں سے خطاب کیا درآنحالیکہ امام حسین آپ کے ساتھ منبر پر بیٹھے تھے۔ بعد ازاں فرمایا اے لوگوں میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ فرماتے تھے۔ تم میری عترت اور میری اولاد میں میری حفاظت کرو۔ جس نے ان میں میری حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا۔ آگاہ رہو خدا کی لعنت اس شخص پر ہے جو مجھے ان میں اذیت دے۔ یہ تین دفعہ فرمایا (انتہیٰ)

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا۔ تو انہوں نے اپنے بیٹے کو امام حسین کے بارے میں تاکیدی وصیت کی جس کو شیعہ کے شیخ صدوق نے یوں نقل کیا ہے۔

عن عبداللہ بن منصور وکان رضیعا لبعض ولدزید بن علی قال سالت جعفر بن محمد ابن علی بن الحسین فقلت حدثنی عن مقتل ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال حدثنی ابی عن ابیه قال لما حضرت معاویة الوفاة دعا ابنه یزید لعنه اللہ فاجلسه بین یدیه فقال له یا بنی انی قد ذللت لک الرقاب الصعاب ووطدت لک البلاد و جعلت الملک ومافیه لک طعمة وانی اخشی علیک من ثلاثة نفریخا لفون علیک بجهدهم وهم عبداللہ بن عمر ابن الخطاب وعبداللہ بن الزبیر والحسین بن علی فاما عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فهو معک فالزمه ولا تدعه واما عبداللہ بن الزبیر فقطعه ان ظفرت به اربالدبا فانه یجثو لک کما یجثوا الاسد لفریفسة ویوالک موابة الثعلب للکلب واما الحسین فقد عرفت حظه من رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وهو من لحم رسول اللہ صلی اللہ علیه واله ودمه وقد علمت لامحالة ان اهل العراق سیخرجو نه الیهم ثم یخذلونه ویضیعونه فان ظفرت فاعرف حقه و منزلته من رسول اللہ صلی اللہ علیه واله ولا تواخذه بفعله ومع ذلک فان لنا به خلطة ورحما وایاک ان تناله بسوء ویری منک مکروها۔ الحدیث (کتاب امالی الشیخ الصدوق

مطبوعہ ایران سن ۱۳۰۰ھ ص ۱۶۸)

ترجمہ: "عبداللہ بن منصور سے جو زید بن علی کی اولاد میں سے کسی کے رضاعی بھائی تھے روایت ہے کہ میں نے جعفر بن محمد بن علی بن حسین سے کہا کہ مجھ سے رسول ﷺ کے فرزند کی شہادت کا بیان کیجئے۔ پس امام جعفر صادق نے فرمایا کہ مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی۔ کہ امام زین العابدین نے فرمایا۔ کہ جب معاویہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے یزید لعنہ اللہ کو بلایا۔ اور اسے اپنے سامنے بٹھا کر کہا۔ کہ اے میرے پیارے بیٹے میں نے تیرے لیے سرکش گردنوں کو مطیع کر دیا۔ اور تیرے واسطے شہروں کو پامال کیا۔ اور ملک و مافیہ کو تیرے واسطے خوراک بنا دیا۔ میں تیری نسبت تین شخصوں سے ڈرتا ہوں جو تیری سخت مخالفت کریں گے۔ اور وہ عبداللہ بن عمر بن خطاب اور عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی ہیں۔ ان میں سے عبداللہ بن عمر تو تیرے ساتھ ہے تو اس کے ساتھ رہ اور اسے نہ چھوڑ۔ اور عبداللہ بن زبیر پر اگر تو غالب رہے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ کیونکہ وہ تیرے لیے زانو پر بیٹھا ہے۔ جیسا کہ شیر شکار کے لیے زانو پر بیٹھتا ہے۔ وہ تجھ سے مکر و فریب کرے گا جیسا کہ لومڑی کتے سے کرتی ہے۔ رہے امام حسین سو تجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کی فضیلت معلوم ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے خون و گوشت سے ہیں۔ تجھے ضرور معلوم ہے کہ اہل عراق ان کو اپنے پاس بلائیں گے۔ پھر ان کا ساتھ نہ دیں گے اور ان کو ہلاک کر دیں گے اگر تو ان پر غالب آئے تو ان کا حق اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کا مرتبہ پہچاننا۔ اور ان کے فعل پر مواخذہ نہ کرنا۔ باوجود اس کے ہمارا ان سے میل ملاپ اور قرابت بھی ہے۔ اس سے بچنا کہ تو ان کو برائی پہنچائے۔ اور وہ تجھ سے کوئی ناپسندیدہ سلوک دیکھیں۔ الحدیث (انتہیٰ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صفین کو جاتے ہوئے کربلا میں ٹھہرے۔ تو آپ نے امام حسین کے واقعہ ہائلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے اہل عراق لشکریوں سے فرمایا تھا کہ ثقل آل محمد ﷺ یہاں قتل ہونگے۔

نصر بن مزاحم شیعی امامی نے جو امام محمد باقر کا ہمعصر تھا۔ کتاب صفین (مطبوعہ ایران ۱۳۰۰ھ ص ۷۵) میں اسے یوں نقل کیا ہے۔

نصر مصعب ابن سلام قال حدثنا الا جلح بن عبداللّٰہ الکندی عن ابی

جحیفة قال جاء عروة البارقی الی سعید بن وهب فساله وانا اسمع فقال حدیث حدثنیه عن علی بن ابی طالب قال نعم بعثنی مخنف بن سلیم الی علیؑ فاتیته بکر بلاء فوجدته یشیر بیده ویقول ههنا ههنا فقال له رجل وما ذلک یا امیر المومنین قال ثقل لآل محمدؐ ینزل ههنا فویل لهم منکم وویل لکم منهم فقال له الرجل وما معنٰی هذا الکلام یا امیر المؤمنین قال ویل لهم منکم تقتلونهم وویل لکم منهم ید خلکم اللّٰہ بقتلهم الی النار۔

ترجمہ: "بالاختصار۔ سعید بن وہب کا بیان ہے کہ مخنف بن سلیم نے مجھے علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ میں آپ کے پاس کربلا میں آیا میں نے دیکھا کہ آپ اپنے دست مبارک سے اشارہ کرکے فرما رہے ہیں۔ یہاں یہاں ایک شخص نے آپ سے پوچھا۔ اے امیر المومنین یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ثقل آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اتریں گے۔ پس تمہارے سبب ان کے لئے سختی ہے۔ اور ان کے سبب تمہارے واسطے سختی ہے۔ اس شخص نے آپ سے پوچھا۔ اے امیر المومنین اس کلام کے کیا معنی ہیں۔ آپنے فرمایا۔ تمہارے سبب ان کے لئے سختی ہے۔ کہ تم ان کو قتل کروگے اور ان کے سبب تمہارے واسطے سختی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انکے قتل کی وجہ سے تم کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ (انتہیٰ)

واقعہ کربلا کی مختصر کیفیت بروئے کتب شیعہ یوں ہے کہ جب ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے مدینہ منورہ میں اپنے عامل کو لکھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت لو۔ امام موصوف جان کے خوف سے مکہ میں تشریف لے آئے۔ جب یہ خبر اہل کوفہ کو پہنچی تو کوفہ کے شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے۔ اور باہمی مشورہ سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم این نامہ ایست بسوئے حسین بن علی از جانب سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب بن نجیہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر و سائر شیعان و از مومنان و مسلمانان اہل کوفہ سلام خدا بر تو باد۔ و حمد میکنیم خدا را بر نعمت ہائے کاملہ او بر ماو شکر میکنیم اور ابر آنکہ ہلاک کرد دشمن جبار معاند تراکہ بے رضای امت بر ایشاں والی شد و بجور و عدوان برایشاں حاکم گردید و اموال ایشاں را [illegible] حق تصرف نمود و نیکان ایشانرا بقتل رسانید۔ وبدان ایشان رابر نیکاں مسلط گر دانید۔ واموال خد[illegible] مالداراں و جباراں قسمت نمود۔ پس خدا او را لعنت کند۔ چنانچہ قوم ثمود را لعنت کرد۔

بدانکہ مادریں وقت امامے و پیشوائے نداریم۔ بسوئے باتوجہ و بشہر ماقدم رنجہ فرما کہ ماہمگی مطیع

توایم۔ شاید کہ حق تعالٰی حق را ببرکت تو برماظاہر گرداند۔ و نعمان بن بشیر حاکم کوفہ در قصر الامارہ نشست است در نہایت مذلت و بجمعہ او حاضر نمے شویم و در عید با اوبیروں نمے رویم چوں خبربرسد کہ شاتو بایں صوب گردیدہ اید۔ اورا از کوفہ بیروں مے کنیم۔ تابابل شام ملحق گرد والسلام دجال العیون ملا باقر مجلسی)

قاصد یہ دعوتی خط لکھ کر بتاریخ ۱۰ رمضان مکہ میں داخل ہوئے اور امام حسینؑ کو یہ خط دے دیا۔ ان قاصدوں کی روانگی کے دو روز بعد اہل کوفہ نے قیس بن مصہر اور عبداللہ بن شداد اور عمارہ بن عبداللہ کو ڈیڑھ سو خط دے کر امام کی خدمت میں بھیجا۔ یہ خطوط سرداران کوفہ میں سے ایک ایک دو دو تین تین چار چار یا زیادہ کی طرف سے لکھے ہوئے تھے۔ پھر دو دن کے بعد اہل کوفہ نے ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ کے ہاتھ یہ خط حضرت امام کی خدمت میں ارسال کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

این عریضہ ایست بخدمت حسین بن علی از شیعان وفدویاں و مخلصان آنحضرت امابعد بزودی خود را بدوستان و ہوا خواہان خود برساں کہ ہمہ مردم ایں ولایت منتظر قدوم مسرت لزوم تواند و بسوی غیرتو رغبت نمے نمائند۔ البتہ البتہ بہ تعجیل تمام خود را باین مشتاقاں مستہام برساں والسلام خیر ختام (جلاء العیون)

بعد ازاں شیث بن ربعی اور حجاز بن ابحر اور یزید بن حارث اور عروہ بن قیس اور عمرو بن حجاج اور محمد بن عمرو نے بدین مضمون ایک اور خط لکھا۔

امابعد صحراہا سبزہ شدہ و میوہ ہا رسیدہ اگر بایں صوب تشریف آوری۔ لشکر ہائے تو مہیا و حاضر اند شب و روز انتظار مقدم شریف تو مے برند (جلاء العیون)

ایسے خط حضرت امام کے پاس پہنچتے تھے۔ مگر آپ جواب نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز کوفیوں کی طرف سے چھ سو خط پہنچے جب بہت سے قاصد اور بارہ ہزار خطوط حضرت کی خدمت میں پہنچ چکے۔ تو آپ نے ان کے آخری خط کے جواب میں یوں لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

این نامہ ایست از حسین بن علی بسوئے گروہ مومنان و مسلمانان و شیعاں امابعد بدرستیکہ ہانی و سعید نامہ از شما آوردند بعد از رسیدن بسیار و مکاتیب بے شمار کہ از شما بمن رسیدہ بود و بر مضامین ہمہ اطلاع بہم رسانیدم و در جمیع نامہا نوشتہ بودید کہ ما امامے نداریم۔ بزودی بیانزدما۔ شائد کہ حق تعالٰی ما را بہ برکت تو برحق و ہدایت مجتمع گرداند اینک مے فرستم بسوئے شما برادر و پسر عم و محل اعتماد خود پسر عقیل را۔ پس اگر بنو

یسد بسوئے من کہ مجتمع شدہ است رائے عقلاء و دانایاں و اشراف و بزرگان شما برانچہ در نامہا درج کردہ بودید انشاء اللہ بزودی بسوئے شمامے آیم پس بجان خود سوگند یاد مے کنم کہ امامے نیست مگر کسیکہ حکم کند در میان مردم بکتاب خدا و قیام نماید درمیان مردم بعدالت و قدم از جادۂ شریعت مقدسہ بیرون نگذارد و مردم رابردین حق مستقیم بدارد والسلام (جلاء العیون)

اس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ مسلم کوفہ میں پہنچ کر مشہور کذاب مختار ثقفی کے ہاں اترا۔ اور امام کا خط اہل کوفہ کو سنایا۔ اس خط کو سن کر اہل کوفہ روتے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ مسلم کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار اور بنا برروایت دیگر بارہ ہزار نے بیعت کی۔ مسلم نے یہ خوش گوار حالات امام کو لکھے اور ان سے کوفہ آنے کی درخواست کی۔ حضرت امام یہ خط پڑھ کر عرفہ کے روز مکہ سے روانہ ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر وغیرہ ہوا خواہوں نے ہرچند آپ کو کوفہ جانے سے روکا۔ مگر آپ نے کسی کی نہ سنی اور بال بچوں سمیت روانہ ہو گئے۔ جب آپ کوفہ کے نواح میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ کوفیوں نے عرفہ کے دن مسلم کو شہید کر دیا۔ یہ سن کر امام نے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر مسلم کے اقرباء انتقام کے خیال سے نہ مانے۔ لہٰذا امام بادل ناخواستہ آگے کو روانہ ہوئے آپ کے ساتھی ساتھ چھوڑتے گئے۔ قصہ کوتاہ آپ قطع منازل کرکے کربلا میں اترے۔ ابن زیاد حاکم کوفہ نے عمر بن سعد کو ایک لشکر جرار کے ساتھ امام کے مقابلہ میں بھیجا۔ عمر مذکور نے پہلے مصالحت کے لئے بہت کوشش کی۔ مگر شمر نے صلح نہ ہونے دی۔ آخر کار ہوا جو ہوا۔ امام کا لشکر 32 سوار اور بہ پیادے تھے۔ اور بروایت دیگر 82 پیادے تھے۔ امام محمد باقر سے منقول ہے کہ 45 سوار اور 100 پیادے تھے۔ اور لشکر مخالف بقول مشہور بائیس ہزار اور بقول امام جعفر صادق تیس ہزار تھا۔ (جلاء العیون)

جب بتاریخ ۱۰ محرم الحرام امام کو لشکر مخالف نے گھیر لیا۔ تو آپ نے ان سے خطاب کیا جو کتاب الاحتجاج ص ۱۴۵ میں یوں مذکور ہے۔

عن مصعب بن عبداللّٰہ قال لما استکف الناس بالحسین رکب فرسه وانصت الناس ثم حمد اللّٰه واثنی علیه ثم قال تبالکم ایتها الجماعة وبرحا وبؤسالم وتعسا حین استصرختمونا ولهین فاصرخنا کم موجفین فشحدتم علینا سیفا کان فی ایدینا وحششتم علینا نارا اضرمنا ها علی عدوکم وعدونا فاصبحتم البا۔ علی اولیاء کم ویدا علی اعدائکم من غیر

عدل افشوہ فیکم ولا امل اصبح لکم فیھم ولا ذنب کان منافیکم فھلا لکم الویلات اذا کرھتمونا والسیف مشیم والجاش طامن الرأی لم تستخصف ولکنکم استسرعتم الی بیعتنا کطیرۃ الدباو تھافتم الیھا کتھافت القراش ثم نقضتموھا سفھا وضلۃ بعد اوسحقا لطواغیت ھذہ الامۃ وبقیۃ الاحزاب الخ۔

ترجمہ: "مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب لوگوں نے امام حسین کو گھیر لیا۔ تو آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور لوگوں کو چپ کرایا۔ پھر خدا کی حمد و ثنا کی۔ بعد ازاں فرمایا۔ اے گروہ تمہارے واسطے ہلاکی ہو۔ اور تمہارے واسطے سختی وبلا و بدی ہو۔ جس وقت تم نے سرگشتہ و خوف زدہ ہو کر ہم سے فریاد کی ہم مضطرب ہو کر تمہاری فریاد کو پہنچے۔ پس تم نے وہ تلوار جو ہمارے ہاتھ میں تھی ہم ہی پر تیز کی۔ اور وہ آگ جو ہم نے اپنے اور تمہارے دشمنوں کے لئے روشن کی تھی وہ تم نے ہم ہی پر روشن کی۔ تم اپنے دوستوں کے خلاف ظلم وعداوت پر متفق ہو گئے۔ اور اپنے دشمنوں کے مددگار بن گئے۔ حالانکہ انہوں نے تم میں کوئی عدل شائع نہیں کیا۔ اور نہ تم کو ان سے کوئی امید ہے۔ اور ہم نے تمہارا کوئی گناہ نہیں کیا۔ پس تم پر سختیاں اور مصیبتیں کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ تم نے ہم کو مجبور کیا حالانکہ تلوار میان میں تھی۔ اور لوگوں کے دل مطمئن تھے۔ اور رائے گانٹھی گئی نہ تھی۔ مگر تم نے چیونٹیوں کی طرح ہماری بیعت کی طرف جلدی کی۔ اور پروانوں کی طرح اس کی طرف دوڑے۔ پھر تم نے نادانی اور گمراہی سے بیعت کو توڑ دیا۔ دوری ہو اس امت کے بڑے شیطانوں اور باقی گروہوں کے لئے۔ الخ۔

کوفیوں پر اس تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت امام کے ۷۲ ہمراہی یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ پھر آپ کی باری آئی آپ نے خوب داد شجاعت دی دشمنوں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیرا ہوا تھا۔ صالح بن وہب مزنی نے عقب سے آکر آپ کے پہلو مبارک پر تیر مارا جس سے آپ پہلو کے بل گر پڑے۔ اعداء نے پے در پے اور زخم لگائے۔ اور آپ کو منہ کے بل گرا دیا۔ سنان بن انس نے آپ کا سر مبارک جدا کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ شمر نے تلوار کے گیارہ ضربوں سے آپ کا سر جدا کر دیا۔ (جنات الخلود)

یاد رہے کہ لشکر مخالف میں سب کوفی تھے۔ کوئی شامی و حجازی نہ تھا۔ (ناسخ التواریخ)

کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ص ۱۷۶ میں اس واقعہ کو نہایت اختصار کے ساتھ بدین الفاظ بیان کیا ہے:

فلما مات معاوية وانقضت مدة الصلحة كانت تمنع الحسين بن على عليهما السلام من الدعوة الى نفسه اظهر امره بحسب الامكان وابان عن حقه للجاهلين به حالا بحال الى ان اجتمع له فى الظاهر الانصار فدعا عليه السلام الى الجهاد وشمر للقتال وتوجه بولده واهل بيته من حرم اللّٰه وحرم رسوله صلى الله عليه وآله وسلم نحو العراق للا ستنصار بمن دعاه من شيعته على الاعداء وقدم امامه ابن عمه مسلم بن عقيل رضى اللّٰه تعالٰى عنه وارضاه للدعوة الى اللّٰه والبيعة فبايعه اهل الكوفة على ذلك وعاهدوه وضمنوا له النصرة والنصيحة ووثقوا له فى ذلك وعاقدوه ثم لم تطل المدة بهم حتّٰى نكثوا بيعته وخذلوه واسلموه وقتل بينهم ولم يمنعوه وخرجوا الى الحسين عليه السلام فحضروه منعوه المسير فى بلاد اللّٰه واضطروه الى حيث لا يجد ناصرا ولا مهربا منهم وحالوا بينه وبين ماء الفرات حتّٰى تمكنوا منه وقتلوه فضى عليه السلام ظمانا مجاهدا صابرا محتبسا مظلوما قد نكثت بيعته۔ وانتهكت حرمته ولم يوف له بعهد ولا رعيت فيه ذمة عقد شهيدا على ما مضٰى عليه ابوه واخوه عليهما السلام والصلٰوة والرحمة

ترجمہ: "جب معاویہ نے وفات پائی۔ اور صلح کی مدت گزر گئی۔ جو حسین بن علی علیہما السلام کو اپنی طرف دعوت سے روکتی تھی۔ تو آپ نے حتی الامکان اپنا امر ظاہر کیا اور ناواقفوں کو اپنا حق بتدریج کھول کر بتایا۔ یہاں تک کہ ظاہر میں آپ کے پاس مددگار جمع ہو گئے پھر آپ نے جہاد کی دعوت دی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور اپنی اولاد و اہل بیت کو لے کر حرمین شریفین سے عراق کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ آپ اپنے شیعوں سے جنہوں نے آپ کو بلایا تھا۔ دشمنوں کے خلاف مدد لیں۔ اور آپ اپنے آگے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ اللہ کی طرف بلائے اور آپ کے لئے بیعت لے پس اہل کوفہ نے اس بات پر مسلم کی بیعت کی اور اس سے معاہدہ کیا اور اس کی نصرت و خیر خواہی کا اقرار کیا اور اس

بارے میں اس سے عہد و پیان کیا۔ پھر کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ انہوں نے مسلم کی بیعت توڑ دی۔ اس کی مدد نہ کی۔ اور اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ انکے درمیان قتل ہوا۔ مگر انہوں نے اسے نہ بچایا۔ اور وہ امام حسین علیہ السلام کی طرف نکلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو خدا کے شہروں میں چلا جانے سے روکا۔ اور تنگ کرکے آپ کو اس جگہ لے گئے۔ جہاں آپ کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اور نہ ان سے گریز کی کوئی صورت تھی۔ وہ فرات کے پانی اور آپ کے درمیان حائل ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ پر قابو پالیا اور قتل کر ڈالا۔ اس طرح آپ تشنہ مجاہد صابر راہ خدا میں ثابت مظلوم دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کی بیعت توڑی گئی۔ آپ کی بے حرمتی کی گئی۔ آپ کے عہد و پیان کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ آپ اپنے والد اور بھائی علیہما السلام والصلوٰۃ والرحمتہ کی طرح شہید مرے۔ (انتہیٰ)

بیان بالا سے صاف ظاہر ہے۔ کہ کربلا کے واقع ہوش ربا کے اصل مجرم اہل کوفہ ہیں۔ جنہوں نے دغا سے امام کو بلایا۔ اور پھر آپ ہی شہید کر دیا۔ مگر یہ اہل کوفہ کون تھے۔

جواب میں گزارش ہے کہ سب کے سب شیعہ تھے۔ جیساکہ مندرجہ بالا دعوتی خطوط اور اقتباسات ظاہر کر رہے ہیں علاوہ ازیں امام کے پاس حسب عقیدہ شیعیاں ایک رجسٹر تھا۔ جس میں ان کے شیعہ تا قیامت کے نام درج تھے۔ ناظرین یہ خیال نہ فرمائیں کہ وہ معمولی شیعہ تھے۔ نہیں بلکہ وہ چوٹی کے متقی مومن تھے۔

چنانچہ شیعہ کا سند المحدثین ابو جعفر محمد بن حسن بن فروخ صفار (متوفی ۱۹۰ھ) لکھتا ہے۔

احمد بن محمد عن الحسن بن علی بن فضال عن المفضل بن صالح عن محمد الحلبی عن ابی عبدالله قال ان اللّٰه عرض ولایتنا علی اهل الامصار فلم یقبلها الا اهل الکوفة

(بصائر الدرجات۔ مطبوعہ ایران ۱۲۸۵ھ جزء ثانی باب عاشر)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام جعفر صادق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ولایت شہروں کے باشندوں پر پیش کی۔ پس سوائے اہل کوفہ کے کسی نے اسے قبول نہ کیا۔ (انتہیٰ)

بصائر الدرجات ہی میں اسی باب میں ہے۔

حدثنا یعقوب ابن یزید عن ابن سنان عن عتیبة بیاع القصب عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبد اللّٰه یقول ان ولا یتنا عرض علی السموات

والارض والجبال والامصار ماقبلها قبول اهل الكوفة

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ہماری ولایت آسانوں زمین پہاڑوں اور شہروں پر پیش کی گئی مگر کسی نے اسے قبول نہ کیا جیسا کہ اہل کوفہ نے کیا۔ (انتہی)

اور سنئے شیعہ کا شیخ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی لکھتا ہے۔

عن عبدالله الوليد الكندى قال دخلنا على ابى عبدالله عليه السلام فى زمن مروان فقال من انتم فقلنا من اهل الكوفة فقال مابلدة من البلدان اكثر محبا لنا من اهل الكوفة ولا سيما هذه العصابة ان الله جل ذكره هداكم لامر جهله الناس واجبتمونا وابغضنا الناس واتبعتمونا وخالفنا الناس وصد قتمونا وكذبنا الناس فاحياكم الله محيانا واماتكم مماتنا الحديث (کتاب الروضۃ ص ۳۹)

ترجمہ: "عبداللہ بن ولید کندی کا بیان ہے مروان کے زمانہ میں ہم امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا تم کون ہو۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم اہل کوفہ میں سے ہیں۔ اس پر امام نے فرمایا کہ شہروں میں سے کوئی شہر ایسا نہیں جہاں کے باشندے اہل کوفہ بالخصوص اس گروہ سے بڑھ کر ہمارے محب ہوں۔ بتحقیق اللہ عزوجل نے تم کو اس امر کی طرف رہنمائی کی۔ جس سے لوگ ناواقف ہیں۔ تم نے ہم سے محبت کی۔ اور لوگوں نے دشمنی کی۔ تم نے ہماری اتباع کی اور لوگوں نے ہماری مخالفت کی۔ تم نے ہماری تصدیق کی۔ اور لوگوں نے ہماری تکذیب کی اللہ تم کو ہماری طرح زندہ رکھے۔ اور ہماری موت مارے الحدیث (انتہی)

اس روایت کو نقل کرکے شیعہ کا شہید ثالث مجالس المومنین میں فدک کے حال میں لکھتا ہے۔

بالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت اقامت دلیل ندارد۔ وسنی بودن کہ فی الاصل خلاف اصل و محتاج دلیل ست اگرچہ ابو حنیفہ کوفی باشد

یعنی حاصل کلام یہ کہ اہل کوفہ کو شیعہ ہونے پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور کوفی کا سنی ہونا خلاف اصل اور دلیل کا محتاج ہے خواہ ابو حنیفہ کوفی ہو۔ انتہی۔

تشیع بھی عجب چیز ہے۔ ائمہ اہل بیت کی نافرمانی کریں۔ ثقل آل محمد کو قتل کر ڈالیں۔ اس پر بھی محب اہل بیت کہلائیں۔

شیعہ نے شہدائے کربلا کی تذلیل و توہین کا سلسلہ اب تک جاری رکھا ہے ان کے حالات کی نقلیں ناٹک اور سوانگ کے انداز پر بنا کر باجوں اور کھیل تماشوں کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں میں پھراتے ہیں۔ اور واقعات شہادت کے متعلق زیادہ تر جھوٹے اور محض بے اصل مرثیے بنا کر موافقین و مخالفین کو بیہودہ طریق پر ستاتے ہیں۔ اہل بیت کے گستاخانہ طور پر نام لے کر اس قسم کے مضامین بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ یزیدیان اشرار نے ان کو اس ذلت و خواری کے ساتھ قتل کیا۔ اور عورتوں نے سر کے بال نوچ ڈالے۔ اور سر و سینہ پیٹ ڈالا۔ اور کپڑے پھاڑ کر خیمہ سے نکل آئیں۔ اور اس طرح پر انہوں نے بین کیے۔ ایسے افعال کے جواز میں روایتیں تراشی جاتی ہیں۔

چنانچہ امام جعفر صادق کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے۔ وقد شققن الجیوب ولطمن الخدود الفاطمیات علی الحسین ابن علی علیہ السلام وعلی مثلہ تلطم الخدود و تشق الجیوب۔

(تہذیب الاحکام مطبوعہ ایران مجلد ثانی ص ۲۸۳)

یعنی دختران علی و فاطمہ نے حسین بن علی علیہ السلام پر اپنے گریبان پھاڑ ڈالے اور رخسارے پیٹ ڈالے۔ اور حسین جیسے پر رخسارے پیٹے جاتے ہیں۔ اور گریبان پھاڑنے جاتے ہیں۔ (انتہی)

مولوی حاجی محمد رحیم اللہ بنوری لکھتے ہیں

کہ شیعان عزادار مدعیان محبت اہل بیت اطہار کی محبت کی آڑ میں ہر سال نہ معلوم کے اہل بیت کے بارے میں انتہا درجہ کی تذلیل واہانت کرتے رہتے ہیں۔ پھر اس پر مدعی محبت اہل بیت بن کر ہر وقت جنت کے دعویدار بنے رہتے ہیں۔

بلکہ شیعوں کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔ کہ یزید جو تمام بے دینوں کا سردار اور انکے نزدیک قطعاً جہنمی تھا جس پر لعنت کئے بغیر ان کے اعتقاد میں کسی شیعہ کو ہرگز جنت مل ہی نہیں سکتی۔ اس بیدین نے بھی اہل بیت سید العالمین کی اس درجہ توہین و تذلیل گوارا نہیں کی۔

چنانچہ حق الیقین میں اس کے متعلق ایک یہ روایت لکھی ہے۔ کہ جس وقت یزیداں اشرار اہل بیت اخیار کو شہر دمشق میں جو یزید کا پایہ تخت تھا لے گئے اور امام عالی مقام کے سر مبارک کو شمر نے یزید کے سامنے پیش کرکے اس حرکت سراپا ملام سے اپنے نزدیک اس کے انعام و اکرام کا اپنا استحقاق ثابت کیا۔ تو اس وقت یزید نے جو اپنے حاضرین دولت کے ساتھ دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ نہایت غصہ ہو کر اس سے یہ کہا

کہ اے معلون میں نے تجھ کو کب یہ حکم دیا تھا کہ تو ان کو قتل کر دینا۔ بلکہ میرا حکم تو یہ تھا کہ تو ان کو اپنی حراست میں یہاں لے آنا۔ میں بحفاظت تمام ان کو نظر بند کرکے رکھوں گا۔ اور یہ کہہ کر تلوار کھینچ کر اس کے قتل کرنے کو اٹھا۔ لیکن حاضرین دربار نے بمنت و سماجت اس نابکار کا قصور معاف کرایا۔ پھر اس کے بعد یزید نے جملہ متعلقین شہدائے کربلا کو اپنے محل سرئی خاص میں ٹھہرایا۔ اور دونوں وقت اپنے دستر خوان پر ان کو کھانا کھلوایا کرتا۔ اور ان کی تشفی اور تسکین اور اپنے لشکریوں کی بے جا حرکت پر اظہار ندامت کرتا رہتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب اہل بیت پاک نے وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف مراجعت کا قصد فرمایا تب اس نے روپیہ اور اشرفیاں انکی نذر کیں۔ اور سواریوں کو آراستہ کرکے ان پر ان کو سوار کرایا۔ اور اپنی فوج کے کچھ آدمیوں کو ان کے ہمرکاب کرکے یہ حکم دیا۔ کہ دیکھو حضرات کو نہایت حفاظت کے ساتھ وہاں پہنچا دینا۔ خبردار راستہ میں ان کے کچھ تکلیف نہ ہونے پائے۔

اس قصہ کے بیان کرنے کے بعد اس اہل کتاب نے اس کے متعلق اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے۔ کہ یہ صرف یزید کی مکاری و ریاکاری تھی۔ ورنہ وہ اپنے دل سے اس معاملہ سے جو ہوا تھا بہت خوش تھا۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ اس وقت اس کو ریاکاری و مکاری کے اظہار کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو ہی چکا تھا۔ اور اس کی حکومت کا سکہ اس کے تمام قلم رو میں موافقین و مخالفین کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے اگر وہ اس قسم کے معاملات میں ریاکاری و ظاہرداری کا بہ تقاضا مصلحت برتاؤ کرتا تو اس نمونہ قیامت کے پیش آنے کی نوبت ہی کاہے کو پیش آتی۔ جس کی وجہ سے شیعان مومنین کو دونوں ہاتھوں سے دنیا و دین کے کمانے کا اچھا مشغلہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ جس کے مقابلہ میں کوئی شغل خوش نہیں معلوم ہوتا۔ تیسرے یہ ہے کہ دل کا حال علام الغیوب کے سوا یقیناً کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی کو اس امر کا دعویٰ ہو یا بالفرض اس کو کسی ذریعہ سے معلوم بھی ہو جائے تو اس کا دعویٰ یا علم کسی دوسرے پر حجت نہیں ہوتا۔ نہ اس پر کوئی شرعی حکم مرتب ہو سکتا ہے۔ حجت شرعی تو وہی علم ہے جو انبیائے کرام کو وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (انتہی) بلفظہ

(ابطال اصول الشیعہ مطبوعہ مطبع مشرق العلوم بجنور ص ۲۶۶ و ص ۲۶۷)

ہم قارئین کو یہاں زیادہ ٹھہرانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ امامیہ اثنا عشریہ کے دیگر ائمہ کی نسبت بھی ہمیں بطریق اختصار کچھ نہ کچھ عرض کرنا ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

محمد بن یعقوب کلینی بروایت امام باقر لکھتا ہے۔

کہ ایک دفعہ یزید بن معاویہ حج کو جاتے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اس نے ایک قریشی کو بلا کر پوچھا کہ کیا تو اقرار کرتا ہے۔ کہ تو میرا غلام ہے۔ میں اگر چاہوں تجھے بیچ ڈالوں اور چاہوں تو بطور غلام تجھے اپنے پاس رکھوں۔ قریشی نے جواب دیا۔ اے یزید خدا کی قسم تو قریش میں بلحاظ حسب مجھ سے بزرگ نہیں۔ نہ تیرا باپ جاہلیت و اسلام میں میرے سے افضل تھا۔ نہ تو دین میں مجھ سے افضل و بہتر ہے۔ للذا میں تیری غلامی کا کس طرح اقرار کروں۔

یزید نے اس سے کہا خدا کی قسم اگر تو اقرار نہ کرے گا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ وہ بولا تیرا مجھ کو قتل کرنا امام حسینؑ کے قتل سے بڑھ کر نہیں ہے۔ یہ سن کر یزید نے اس کو قتل کرا دیا۔

بعد ازاں امام زین العابدین کو بلا کر ان سے وہی کہا جو قریشی سے کہا تھا۔ امام زین العابدین نے کہا یہ تو بتا کہ اگر میں اقرار نہ کروں تو کیا میرے ساتھ بھی کل والے قریشی کا سا سلوک کیا جائے گا۔ یزید نے کہا کہ ہاں۔ اس وقت امام نے فرمایا۔ **قد اقررت لک بما سالت انا عبد مکروہ لک فان شئت فامسک وان شئت فبع** (کتاب الروضہ ص ۱۱۰)

یعنی جو تو طلب کرتا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں میں آپ کا غلام مجبور ہوں۔ اگر چاہیں اپنے پاس رکھیں اور چاہیں تو بیچ دیں انتہے۔

غور کا مقام ہے کہ امام سجاد زین العابدین ان ہی امام عالی مقام کے تو فرزند ارجمند تھے۔ جنہوں نے بیعت نہ کرنے کی بنا پر اپنی اور اپنے اہل بیت کی جان قربان کر دی۔ ان سے یزید کی غلامی کا اقرار صرف اپنی اکیلی جان کی خاطر کب متصور ہو سکتا ہے۔ مزید آنکہ ایک عام قریشی امام خاص سے سبقت لے گیا۔ قریشی نے تو حق بات کہنے کی وجہ سے اپنی جان دے دی۔ مگر امام نے اپنے والد بزرگوار کے خلاف اپنی جان کو مقدم رکھا۔ اور حق الامر کو چھپایا۔ ایسی روائتیں صرف تذلیل اہل بیت کے لئے گھڑ لی گئی ہیں۔

شیعہ اثنا عشریہ کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ بارہ اماموں کے سوا اگر کوئی اور شخص خواہ علوی فاطمی ہو

امامت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے قیامت کو اس کا منہ کالا ہو گا۔ دیکھو روایات ذیل۔

۱۔ عن سورة بن كليب عن ابى جعفر عليه السلام قال قلت قول الله عزوجل ويوم القيمة ترى الذين كذبوا على الله وجوههم مسودة قال من قال انى امام وليس بامام فقلت وان كان علويا قال وان كان علويا قلت وان كان من ولد على بن ابى طالب عليه السلام قال وان كان

اصول کافی ص ۲۳۵

ترجمہ سورہ بن کلیب سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد باقر مجلسی علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

"اور قیامت کے دن تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا کہ ان کے منہ کالے ہیں۔" (سورع۔ زمر۔ ع۶)

امام نے فرمایا کہ مراد وہ شخص ہے جو کہے کہ میں امام ہوں حالانکہ وہ امام نہیں۔ راوی کا قول ہے۔ کہ میں نے عرض کیا خواہ کہنے والا علوی ہو۔ فرمایا خواہ علوی ہو۔ میں نے عرض کیا۔ خواہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد سے ہو۔ فرمایا خواہ اولاد علی علیہ السلام سے ہو۔ انتہی۔

۲۔ عن ابى عبدالله عليه السلام قال من ادعى الامامة وليس من اهلها فهو كافر (اصول كافى ص ۲۳٦

ترجمہ: "یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص امامت کا دعویٰ کرے۔ اور امامت کا اہل نہ ہو وہ کافر ہے۔ انتہی

۳۔ عن الحسن المختار قال قلت لا بى عبد الله عليه السلام جعلت فداك ويوم القيمة ترى الذين كذبوا على الله قال كل من زعم انه امام وليس بامام قلت وان كان فاطميا علويا قال وان كان فاطميا علويا

(اصول کافی ص ۲۳٦)

ترجمہ: "یعنی حسین بن مختار سے روایت ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کی۔ میں آپ پر فدا ہو جاؤں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور قیامت کے دن تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا۔"

امام نے فرمایا کہ مراد وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں امام ہوں حالانکہ وہ امام نہیں۔ میں نے عرض

کی خواہ وہ فاطمی علوی ہو۔ فرمایا خواہ فاطمی علوی ہو۔ (انتہی)

عن ابن ابي يعفور عن عبدالله عليه السلام قال سمعته يقول ثلثة لا يكلمهم الله يوم القيمة ولا يزكيهم ولهم عذاب "يم من ادعى امامة من الله ليست له ومن جحد اماما من الله ومن زعم ان لهما في الاسلام نصيب (اصول کافی ص ۲۳۶)

ترجمہ: "ابن ابی یعفور کا بیان ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو سنا کہ فرما رہے تھے۔ قیامت کے دن اللہ تین شخصوں سے کلام نہ کرے گا۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا۔ جس نے نمبر ۱ اللہ کی طرف سے امامت کا دعویٰ کیا ہے جو اس کا حق نہیں۔ نمبر ۲ جس نمبر ۳ نے اللہ کی طرف سے کسی امام کا انکار کیا۔ جس نے کہا کہ دو قسم اول کو اسلام میں حصہ ہے۔ (انتہی)

شیعہ کا شیخ صدوق اپنے رسالہ اعتقادات باب الاعتقاد فی الظالمین میں لکھتا ہے۔

فمن ادعى الامامة وهو غير امام فهو الظالم الملعون ومن وضع الامامة في غير اهلها فهو ظالم ملعون واعتقادنا فيمن جحد امامة امير المومنين على ابن ابى طالب والائمة من بعده انه كمن جحد نبوة جميع الانبياء واعتقاد نافيمن اقربا مير المؤمين وانكر واحد امن بعده عن الائمة انه بمنزلة من اقر بجميع الانبياء وانكر نبوة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وقال الصادق المنكرلا خرنا كالمنكر لا ولنا وقال النبى صلى الله عليه وسلم الائمة من بعدى اثنا عشر اولهم امير المؤمنين على ابن ابى طالب واخرهم المهدى القائم طاعتهم طاعتى ومعصيتهم معصيتى من انكر واحدامنهمن فقد انكرنى وقال الصادق من شك فى كفر اعدائنا والظالمين لنا فهو كافر۔

ترجمہ: "جس شخص نے امامت کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ امام نہیں۔ وہ ظالم ملعون ہے۔ اور جس شخص نے امامت کو نااہل کے سپرد کیا وہ ظالم ملعون ہے۔ جو شخص امیرالمومنین علی بن ابی طالب اور ائمہ مابعد کا انکار کرے اس کی نسبت ہمارا یہ اعتقاد ہے۔ کہ وہ شخص اس شخص کی مانند ہے۔ جو تمام پیغمبروں کا انکار کرے۔ اور جو شخص امیرالمومنین کا اقرار کرے۔ اور

آپ کے بعد کے ائمہ میں سے کسی کا انکار کرے۔ اس کی نسبت ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو تمام پیغمبروں کا اقرار کرے اور ہمارے پیغمبر محمد ﷺ کا انکار کرے۔ امام صادق کا قول ہے کو ہمارے اخیر امام کا انکار ہمارے اول امام کے انکار کی مانند ہے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ امام ہونگے۔ سب سے پہلے امیر المومنین علی بن ابی طالب اور سب سے اخیر مہدی قائم ہونگے۔ ان بارہ اماموں کی طاعت میری طاعت اور ان کی معصیت میری معصیت ہے۔ جس شخص نے ان بارہ میں سے ایک کا انکار کیا۔ اس نے میرا انکار کیا۔ اور امام صادق کا قول ہے کہ جس شخص نے ہمارے دشمنوں اور ظالموں کے کافر ہونے میں شک کیا وہ کافر ہے۔ (انتہیٰ)

اوراق لاحقہ میں ناظرین دیکھیں گے۔ کہ امامیہ اثنا عشریہ کے اس عقیدہ کے رو سے العیاذ باللہ کیسے کیسے بزرگ روسیاہ جہنمی ٹھہرتے ہیں۔

شیعہ کا علامہ ملا خلیل قزوینی اصول کافی کی روایت نمبر(۱) مندرجہ بالا کی شرح میں لکھتا ہے۔

مراد بعلوی فرزند علی ست مطلقاً و مراد بولد فرزندان بیواسطہ است۔ مثل محمد بن الحنفیہ۔

یعنی علوی سے مراد مطلقاً فرزند علی ہے۔ اور ولد علی سے مراد علی کے بے واسطہ فرزند ہیں۔ جیسا محمد بن حنفیہ انتہیٰ۔ علامہ موصوف نے محمد بن حنفیہ کی مثال دی ہے۔ ہم ذیل میں ان ہی کا قصہ پیش کرتے ہیں۔ جسے شیعہ کے شیخ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے یوں بیان کیا ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قتل الحسین علیہ السلام ارسل محمد ابن الحنفیۃ الی علی بن الحسین علیہ السلام فخلابہ فقال لہ یا بن اخی قد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفع الوصیۃ والامامۃ من بعدہ الی امیر المومنین علیہ السلام ثم الی الحسن ثم الی الحسین علیہما السلام وقد قتل ابوک رضی اللہ عنہ وصلی علی روحہ ولم یوص وانا عمک ونحوابیک وولادتی من علی علیہ السلام من فی سنی وقدمتی احق بہا منک فی حراثۃ فلا تنازعنی فی الوصیۃ والامامۃ ولا تحاجنی فقال لہ علی ابن الحسین علیہما السلام یا عم اتق اللہ ولا تدع ما لیس لک بحق انی اعظک ان تکون من الجاھلین ان ابی یا عم صلوات اللہ علیہ وسلامہ اوصی الی قبل ان یتوجہ الی العراق وعھد الی

فی ذلک قبل ان یستشهد بساعة وهذا سلاح رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم عندی فلا تتعرض لهذا فانی اخاف علیک نقض العمر و تشتت الحال ان اللّٰه عزوجل جعل الوصیة والامامة فی عقب الحسین علیه السلم فاذا اردت ان تعلم ذلک فانطلق بنا الی الحجرا الاسود حتی نتحاکم الیکم و نساله عن ذلک قال ابن جعفر علیه السلام وکان الکلام بینهما بمکة فانطلقا حتی اتیا الحجرا الاسود فقال علی بن الحسین علیه السلام محمد بن الحنفیة ابدأ انت فابتهل الی اللّٰه عزوجل وسله ان ینطق لک الحجر ثم سل فابتهل محمد بن الحنیفة فی الدعاء وسال اللّٰه تعالٰی ثم دعا الحجر فلم یجبه فقال علی بن الحسین علیه السلام یا عم لوکنت وصیا واماما لا جابک قال له محمد فادع اللّٰه انت یا ابن اخی وسله فدعا اللّٰه علی بن الحسین علیه السلام بما اراد ثم قال اسئلک بالذی جعل فیک میثاق الانبیاء و میثاق الا وصیاء و میثاق الناس اجمعین لما اخبرنا من الوصی والامام بعد الحسین ابن علی علیهم السلام قال فتحرک الحجر حتی کادان یزول عن موضعه ثم انطقه اللّٰه عزوجل بلسان عربی مبین فقال اللهم ان الوصیة والامارة بعد الحسین بن علی الی علی بن الحسین بن فاطمة بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم قال فانصرف محمد بن علی وهو یتولی علی ابن الحسین علیهما السلام

(اصول کافی ص ۲۱۸)

ترجمہ: ”ترجمہ امام محمد باقر علیہ السلام کا بیان ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے زین العابدین علی بن حسین علیہ السلام کو بلا بھیجا۔ اور اس سے خلوت میں کہا کہ اے میرے بھتیجے تجھے خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصی اور امام ہونے کا منصب اپنے بعد امیر المومنین علیہ السلام کو پھر حسن۔ پھر حسین علیہما السلام کو دے دیا۔ اور تیرے والد رضی اللہ عنہ وصلی علی روحہ قتل ہوئے اور انہوں نے کسی کو وصی نہ بنایا۔ میں تیرا چچا اور تیرے باپ کی مثل ہوں اور میری ولادت علی علیہ السلام سے ہے۔ میں بوجہ اپنی عمر اور شجاعت کے تجھ سے بسبب تیری نو عمری کے امامت کا زیادہ مستحق ہوں۔ اس لئے وصی و امام ہونے کے منصب

کے لئے تو میرے ساتھ جھگڑا اور مباحثہ نہ کر۔

علی بن حسین علیہما السلام نے اس سے کہا کہ اے میرے چچا اللہ سے ڈر اور اس چیز کا دعویٰ نہ کر جو تیرا حق نہیں۔ میں بطور نصیحت آپ کو اس سے منع کرتا ہوں کہ آپ جاہلوں سے بنیں۔ اے میرے چچا میرے والد صلوات اللہ علیہ نے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے میرے واسطے وصیت کی۔ اور شہادت پانے سے ایک ساعت پہلے اس وصیت کی تاکید کی۔ یہ دیکھئے میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا سلاح ہے۔ لٰہذا آپ امامت کے جھگڑے میں نہ پڑیں۔ میں ڈرتا ہوں ایسے فعل سے آپ کی عمر کم ہو جائے گی۔ اور آپ کا حال پراگندہ ہو جائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے منصب وصیت و امامت حسین علیہ السلام کی اولاد میں مقرر کیا ہے۔ اور اگر آپ اس امر کو جاننا چاہتے ہیں۔ تو ہمارے ساتھ حجر اسود کے پاس چلئے۔ تاکہ ہم اس سے فیصلہ کرائیں۔ اور اس بارے میں اس سے دریافت کریں۔

امام محمد باقر کا قول ہے کہ ہر دو کے مابین گفتگو مکہ میں ہوئی۔ پس وہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ حجر اسود کے پاس آئے۔ علی بن حسین علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ سے کہا آپ شروع کریں۔ اور اللہ عزوجل سے تضرع کریں۔ اور خدا سے طلب کریں۔ کہ وہ آپ کے لئے حجر اسود کو بولنے کی طاقت دے۔ بعد ازاں آپ نے حجر اسود کو پکارا مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر علی بن حسین علیہ السلام نے کہا۔ اے میرے بھتیجے تو اللہ سے دعا کر اور اس سے سوال کر۔ پس علی بن حسین علیہ السلام نے اللہ سے اپنی مراد کی دعا کی۔ بعد ازاں کہا۔ میں تجھ سے اس ذات کی واسطے سوال کرتا ہوں جس نے تجھ میں انبیاء کا میثاق اور اصیاء کا میثاق اور تمام لوگوں کا میثاق رکھا ہے کہ تو ہم کو اتنا بتا دے کہ حسین بن علی علیہ السلام کے بعد کون وصی و امام ہے۔

امام محمد باقر کا قول ہے کہ حجر اسود حرکت میں آیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ اپنی جگہ سے باہر ہو جائے بعد ازاں اللہ نے اس کو فصیح عربی زبان میں بولنے کی قوت عطا فرمائی۔ چنانچہ اس نے کہا۔ خدایا وصی و امام ہونا حسین بن علیؑ کے بعد علی بن حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔

راوی کا قول ہے۔ پس محمد بن علی واپس آگیا۔ اور وہ علی بن حسین علیہ السلام کو دوست رکھتا تھا۔

(انتہیٰ)

ــہ محاکمہ بصائر الدرجات جزء عاشر باب سابع عشر کشف الغمہ ص ۳۰۸ کتاب الخرائج والجرائح

للراوندی ص ۲۷ اور کتاب الاحتجاج للطبرسی ص ۱۶۲ میں بھی مذکور ہے۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام کے صاجزادے محمد بن حنفیہ نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور اس پر اتنا اصرار کیا تھا۔ کہ محاکمہ کی نوبت پہنچی۔ شیعہ کا فرقہ جو محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہے۔ کیسانیہ کہلاتا ہے کیسانیہ کہتے ہیں کہ حجر اسود نے محمد بن حنفیہ کے حق میں شہادت دی تھی۔ کیسانیہ میں کئی اختلاف ہیں۔

حیانیہ یعنی اصحاب حیان بن زید سراج کہتے ہیں کہ حضرت علی صلی اللہ علیہ وسلم بن ابی طالب کے بعد محمد بن حنفیہ امام تھے۔

باقی کہتے ہیں کہ وہ امام حسین کے بعد امام تھے۔ یہ مختاریہ یعنی اصحاب مختار ثقفی کہلاتے ہیں۔ پھر کیسانیہ میں محمد بن حنفیہ کی حیات و موت میں اختلاف ہے۔ کریبیہ یعنی اصحاب ابوکریب ضریر کہتے ہیں۔ کہ محمد بن حنفیہ اب تک زندہ ہیں۔ اور مہدی منتظر وہی ہیں۔ ہاشمیہ کہتے ہیں۔ کہ وہ وفات پاچکے اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم امام تھے۔ ابو ہاشم کے بعد امامت میں اختلاف ہے رازمیہ یعنی اصحاب رزام رائی ابو ہاشم کے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو امام سمجھتے ہیں۔ پھر محمد مذکور کے بعد ان کی اولاد میں تامنصور عباسی امامت کے قائل ہیں۔ بنانیہ ابو ہاشم کے بعد بنان بن سمعان نہدی کو امام جانتے ہیں۔ طیاریہ ابو ہاشم کے بعد عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کو امام جانتے ہیں۔

امام محمد باقر و امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما

ان دونوں اماموں پر شیعہ کی خاص عنایت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کی اکثر روائتیں ان ہی کی طرف منسوب ہیں۔ ہم ان کی نسبت ذیل میں صرف چند امور بطور مشتے نمونہ از خروار پیش کرتے ہیں۔

عن زرارة بن اعين عن ابى جعفر قال سالته عن مسئلة فاجا بنى ثم جاءه رجل فسأله عنها فاجابه بخلاف ما اجابنى ثم جاء آخر فاجا به بخلاف ما اجابنى واجاب صاحبى فلما خرج الرجلان قلت يا ابن رسول الله رجلان من اهل العراق من شيعتكم قد ما يسئلان فاجبت كل واحد منهما بغير ما اجبت به صاحبه فقال يا زرارة ان هٰذا خير لنا وابقى لنا ولكم ولوا جمتعتم على امر واحد لصدفكم الناس علينا ولكان اقل لبقائنا وبقائكم ثم قال قلت لابى عبدالله شيعتكم لو حملتموهم على الاسنة او على النار المضو ادهم يخرجون من عندكم مختلفين قال فاجابنى بمثل

جواب ابیہ۔ (اصول کافی۔ کتاب العلم ص ۳۷)

ترجمہ: " زرارہ بن اعین کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے مجھے جواب دیا۔ پھر آپ کی خدمت میں ایک اور شخص آیا۔ اس نے وہی مسئلہ آپ سے دریافت کیا۔ آپ نے اس کو میرے جواب کے خلاف جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا۔ آپ نے اس کو دونوں جوابوں کے خلاف اور ہی جواب دیا۔ جب وہ دونوں شخص چلے گئے۔ میں نے عرض کی۔ کہ اے فرزند رسول ﷺ یہ دونوں شخص عراق کے رہنے والے آپ کے قدیمی شیعوں میں سے ہیں۔ وہ ایک مسئلہ آپ سے دریافت کرتے تھے۔ آپ نے ہر ایک کو دوسرے کے خلاف جواب دیا۔ امام نے فرمایا۔ زرارہ ہمارے حق میں یہی امر بہتر ہے۔ اور اسی میں ہماری تمہاری بقا زیادہ ہے۔ اگر تم ایک بات پر متفق ہو جاؤ۔ تو لوگ تم کو ہمارے خلاف پھیر دیں گے۔ اور یہ بات ہماری اور تمہاری بقا کو کم کر دے گی۔ زرراہ کا قول ہے کہ بعد ازاں میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا۔ کہ اگر آپ اپنے شیعوں کو حکم دیں کہ (لڑائی میں) نیزوں اور آگ پر چلیں۔ تو وہ بے شک چلیں گے۔ حالانکہ وہ آپ کی خدمت سے مختلف ہو کر نکلتے ہیں۔ زرارہ کہتا ہے کہ اس پر امام صادق نے وہی جواب دیا۔ جو ان کے والد نے دیا تھا۔ (انتہیٰ)

۲۔ عن ابی عبداللّٰہ قال انی لا تکلم علی سبعین وجھا لی فی کلھا المخرج۔

ترجمہ: "یعنی امام جعفر فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک بات میں ستر پہلو رکھتا ہوں۔ جس کروٹ چاہوں پلٹ جاؤں۔ (بدر الدجیٰ بحوالہ بحار الانوار صفحہ ۲۵ بصائر الدرجات جزء سادس)

۳۔ محمد بن یحیٰی عن محمد بن احمد عن عمر بن علی عن عمر بن یزید عن عمہ محمد بن عمر عن بعض من حدثۃ ان ابا جعفر علیہ السلام کان یقول من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یدخل الحمام الا بمیزر قال فدخل ذات یوم الحمام فتنور فلما ان اطبقت النورۃ علی بدنہ القی المیزر فقال لہ مولی لہ بابی انت وامی انک لتو صینا بالمیزر ولزومہ وقد القیت عن نفسک فقال اما علمت ان النورۃ اطبقت العورۃ۔

(فروع کافی۔ مجلد ثانی۔ جزء ثانی۔ کتاب الزی والتجمل صفحہ ۶۱)

ترجمہ: "بحذف اسناد۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے تھے۔ کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ حمام میں بغیر لنگی باندھے نہ جائے۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک روز امام حمام میں داخل ہوئے۔ اور اپنی شرمگاہ کو آپ نے چونہ لگایا۔ جب چونہ نے آپ کے بدن کو چھپا لیا۔ تو آپ نے لنگی کو پھینک دیا۔ آپ کے ایک آزاد کردہ غلام نے عرض کی۔ کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ آپ ہم کو تو لنگی باندھنے اور اس کے لازم ہونے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اور خود بدولت نے اس کو پھینک دیا ہے۔ اس پر امام نے فرمایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ چونہ نے شرمگاہ کو چھپا لیا ہے۔ (انتہیٰ)

افسوس! کہاں ائمہ باحیا۔ اور کہاں یہ حرکت بے جا۔

۴۔ عن حماد بن عثمان قال سألت ابا عبداللّٰه عليه السلام او اخبرني من سأله عن الرجل ياتي المرأة في ذلك الموضع وفي البيت جماعة فقال لي ورفع صوته قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من كان مملوكه مالا يطيق فليبعه ثم نظر في وجوه اهل البيت ثم اصغى الى فقال لا باس به (كتاب الاستبصار فيما اختلف من الاخبار مطبوعه مطبع جعفرى. مجلد ثانى۔ باب اتيان النساء فيما دون الفرج ص ۱۳۰)

ترجمہ: "حماد بن عثمان کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ مسئلہ دریافت کیا یا مجھے خبر دی اس شخص نے جس نے امام سے دریافت کیا تھا کہ حضرت مرد کا اپنی بیوی کے مقعد میں دخول کرنا کیسا ہے۔ اس وقت گھر میں ایک جماعت (مخالفین کی) موجود تھی۔ اس لئے امام نے بآواز بلند یہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ جو شخص اپنے مملوک سے اس کی حیثیت سے زیادہ خدمت لے۔ اسے چاہیے کہ بیچ دے۔ پھر امام نے گھر والوں کے چہروں کی طرف دیکھا پھر اپنا منہ میری طرف جھکا کر چپکے سے فرمایا۔ کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔ (کتاب الاستبصار میں صفحہ مذکورہ بالا (نیز فروع کافی۔ جلد ثانی۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۳۴)

پر دوسری روایت میں مذکور ہے۔

کہ صفوان نے یہی مسئلہ امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا۔ جواب ملا نعم ذلک له یعنی مرد کا اپنی عورت کے مقعد میں دخول کرنا جائز ہے۔ یہ سن کر صفوان نے پوچھا کہ کیا آپ بھی ایسا کیا کرتے ہیں۔ جواب ملا انا لا نفعل ذلک یعنی ہم ایسا نہیں کیا کرتے۔ شیخ الطائفہ طوسی یوں

تطبیق دیتا ہے کہ بنا بر قوم امام رضا (انا لا نفعل ذلک) اس فعل میں ایک طرح کی کراہت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ فعل ناجائز نہیں۔ مگر اس سے بچنا افضل ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے۔ کہ امام رضا کا قول بنا بر تقیہ ہے۔ افسوس! آئمہ پاک، اور یہ تعلیم۔

۵۔ عن ابی العباس البقباق قال سال رجل ابا عبد اللّٰہ علیہ السلام ونحن عندہ عن عاریۃ الفرج قال حرام ثم مکث قلیلاً ثم قال لکن لا باس بان یحل الرجل بحاریۃ لاخیہ (فروع کافی۔ مجلد ثانی۔ جزء اول صفحہ ۲۰۰)

ترجمہ: "ابو العباس بقباق کا بیان ہے۔ کہ ہم امام جعفر کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص نے آپ سے فرج کی عاریت دینے کا مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حرام ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا لیکن اس میں حرج نہیں۔ کہ ایک شخص اپنی باندی اپنے بھائی کے لئے حلال کر دے۔ (انتھی)

۶۔ عن ذرارۃ عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال ان سال من ذکرک شئ من مذی او ودی وانت فی الصلٰوۃ فلا تغسلہ ولا تقطع الصلٰوۃ ولا تنقض لہ الوضوء وان بلغ عقبیک فانما ذٰلک بمنزلۃ النخامۃ۔

(فروع کافی۔ مجلد اول۔ کتاب الطہارۃ۔ باب المذی والوزی۔ صفحہ ۲۱)

ترجمہ: "امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ اگر نماز کی حالت میں تیرے ذکر سے مذی یا ودی نکل کر ٹخنوں تک بھی بہ جائے۔ تو اس کو نہ دھو۔ اور نماز قطع نہ کر۔ اور وضو نہ توڑ۔ کیونکہ مذی یا ودی بمنزلہ آب بینی کے ہے۔ (انتہٰی)

اسی صفحہ پر دوسری روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔
کہ اگر مذی نکل کر ران تک بہ جائے۔ تو نماز کو قطع نہ کرنا چاہئے۔
اور نہ اس کو ران سے دھونا چاہئے کہاں ائمہ اطہار۔ اور کہاں مذی و ودی کی طہارت۔

۷۔ عن زرارۃ عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لہ ان رجلا من موالیک یعمل الحمائل بشعر الخنزیر قال اذ فرغ فلیغسل یدہ

(تہذیب الاحکام۔ مطبوعہ ایران۔ جلد ثانی کتاب المکاسب ۔ صفحہ ۱۱۴)

ترجمہ: "زرارہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے یاروں میں سے ایک شخص سور کے بالوں سے تلواروں کے حمائل بناتا ہے۔ امام نے فرمایا

جب بنا چکے تو اسے اپنا ہاتھ دھولینا چاہیے۔ (انتہیٰ)

اس روایت کے بعد دوسری روایت یہ ہے۔

عن برد الاسکاف قال سألت ابا عبداللّٰہ علیه السلام عن شعر الخنزیر یعمل به فقال خذمنه فاغله بالماء حتیٰ یذھب ثلث الماء ویبقی ثلثان ثم اجعله فی فخارة جدیدة لیلة باردة فان جمد فلا تعمل به وان لم یجمد لیس علیه وسم فاعمل به واغسل یدک اذا مسسته عند کل صلٰوة قلت ووضوء قال لا اغسل الید کما تمس الکلاب۔

ترجمہ: "برد اسکاف کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سور کے بالوں کی نسبت سوال کیا۔ کہ جن سے کوئی چیز بنائی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بالوں کو لے کر پانی میں جوش دے۔ یہاں تک کہ ایک تہائی پانی جل جائے۔ اور دو تہائی باقی رہ جائے۔ پھر اس کو سرد رات میں کورے مٹکے میں ڈال دے۔ اگر جم جائے۔ تو ان بالوں سے کوئی چیز نہ بنائی جائے۔ اور اگر نہ جمے تو ان پر چربی نہیں۔ لہٰذا ان کو اپنے کام میں لا۔ اور جب تیرا ہاتھ ان بالوں کو لگے۔ تو ہر نماز کے وقت ہاتھ کو دھولے میں نے عرض کیا۔ کہ کیا وضو بھی پھر کرے۔ فرمایا۔ کہ نہیں۔ تو اپنا ہاتھ دھو ڈال۔ جیسا کہ کتے کے چھونے سے دھوتا ہے۔ (انتہیٰ)

اسی طرح زرارہ نے امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کہ اگر سور کے بالوں کی رسی سے کوئیں سے پانی نکالا جائے۔ تو کیا اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے۔ امام نے فرمایا۔ کہ کچھ حرج نہیں۔

(دیکھو فروع کافی حصہ اول۔ کتاب الطہارۃ۔ صفحہ ۴)

ایسی ہی روائتیوں کی بنا پر شیعہ کا بڑا مجتہد سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سور کے بالوں اور ہڈیوں کو پاک بتاتا ہے۔ (دیکھو جامع عباسی)

۸۔ **الحسین بن محمد الاشعری عن معلی بن محمد عن علی بن السندی القمی قال حدثنا عیسٰی بن عبدالرحمٰن عن ابیه قال دخل ابن عکاشة بن محصن الاسدی علی ابی جعفر علیه السلام وکان ابو عبداللّٰه قائما عنده فقدم الیه عنبا فقال حبة حبة یاکل الشیخ الکبیر والصبی الصغیر وثلٰثة واربعة یاکله من یظن انه لا یشبع وکله حبتین۔ حبتین فانه یستحب فقال لابی جعفر علیه السلام لای شئ لا نزوج ابا عبداللّٰه وقد**

ادرک التزویج قال وبین یدیه صرة مختومة فقال اما انه سیجئ نخاس من اهل بربر فینزل دارمیمون فنشتری له بهٰذه الصرة جاریة قال فاتی لذالک مااتی فد خلنا یوما علی ابی جعفر علیه السلام فقال الا اخبرکم عن النخاس الذی ذکرته لکم قد قدم فاذهبوا فاشتروا بهٰذه الصرة منه جاریة قال فاتیت النخاس فقال قد بعت ماکان عندی الاجاریتین مریضتین اضدلهما امثل من الاخری قلنا فاکرجها حتی ننظر الیهما فاخرجهما فقلنا بکم تبیعنا هٰذه المماثلة قال بسبعین دینارا قلنا احسن قال لا انقص من سبعین دینار اقلنا له نشتریها منک بهٰذہٖ الصرة مابلغت ولا ندری مافیها وکان عنده رجل ابیض الراس واللحیة قال فکوا وزنوا فقال النخاس لا تفکوا فانها ان نقصت حبة من سبعین دینار الم ابایعکم فقال الشیخ ادنوا فدنونا وفککنا الخاتم وزنا الدنا نیر فاذا هی۔ سبعون دینارًا لا یزید ولا ینقص فاخذنا الجاریة فادخلنا ها علی ابی جعفر وجعفر قائم عنده فاخبرنا ابا جعفر بما کان فحمد اللّٰه واثنی علیه ثم قال لها ما اسمک قالت حمیدة فقال حمیدة فی الدنیا محمودة فی الاخرة اخبرینی عنک ابکر انت ام ثیب قالت بکر قال وکیف ولا یقع فی ایدی النخاسین شئ الافسدوه فقالت کان یجیئنی فیقعدمنی مقعد الرجل من المرأة فیسلط اللّٰه علیه رجلا ابیض الرأس والحیة فلا یزال یلطمه حتٰی یقوم عنی ففعل بی مرارًا وفعل الشیخ به مراراً فقال

(اصول کافی۔ کتاب الحج۔ صفحہ ۳۰۲ ۔ ۳۰۴)

ترجمہ: " ترجمہ بحذف اسناد ابن عکاشہ بن محصن اسدی امام محمد باقر کی خدمت میں آیا۔ اس وقت آپ کے پاس جعفر صادق کھڑے تھے۔ امام محمد باقر نے ابن عکاشہ پر ایک انگور پیش کیا۔ اور فرمایا عمر رسیدہ بوڑھا اور چھوٹا لڑکا انگور کو ایک ایک دانہ کھاتا ہے۔ اور جو شخص گمان کرتا ہے۔ کہ میں سیر نہ ہوں گا۔ دو دو تین تین یا چار چار دانہ کھاتا ہے۔ تو انگور کو دو دو دانے کرکے کھا کیونکہ یہ مستحب ہے۔ ابن عکاشہ نے امام محمد باقر سے کہا۔ آپ جعفر صادق کا نکاح کیوں نہیں کر دیتے۔ حالانکہ وہ حد نکاح کو پہنچا ہوا ہے۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ امام محمد باقر کے

سامنے ایک سر بمہر تھیلی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ آگاہ رہو۔ بے شک اہل بربر سے ایک بردہ فروش عنقریب آئے گا۔ وہ میموں کے گھر میں اترے گا۔ ہم اس تھیلی کے عوض اس سے ایک لونڈی جعفر کے لئے خرید لیں گے۔

راوی کا بیان ہے۔ کہ اس پر کچھ عرصہ گزرا۔ جو گزرا۔ ہم ایک روز امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ آگاہ رہو میں تمہیں اس بردہ فروش کی خبر دیتا ہوں۔ جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔ کہ وہ آگیا ہے۔ سو تم جاؤ۔ اور اس تھیلی کے عوض اس سے ایک لونڈی خرید لاؤ۔ راوی کا قول ہے۔ کہ میں بردہ فروش کے پاس آیا۔ اس نے کہا۔ میں نے سب بیچ دیا۔ جو میرے پاس تھا۔ سوائے دو بیمار لونڈیوں کے جن میں سے ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ہم نے کہا ان کو نکال۔ تاکہ ہم دیکھ لیں۔ پس اس نے ان دونوں کو نکالا۔ ہم نے پوچھا کہ اس خوبصورت کو کتنے میں بیچتا ہے۔ اس نے کہا۔ ستر دینار میں۔ ہم نے کہا۔ کچھ رعایت کیجئے۔ وہ بولا میں ستر دینار سے کم نہ کروں گا۔ ہم نے کہا۔ ہم تجھ سے اس تھیلی کے عوض خواہ کتنے کی ہو۔ خریدتے ہیں۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں کتنے ہیں۔ اس بردہ فروش کے پاس ایک شخص سفید ریش و سر تھا۔ وہ بولا۔ اسے کھولو۔ اور وزن کرو۔ بردہ فروش نے کہا کہ نہ کھولو۔ کیونکہ اگر ستر دینار سے ایک حبہ کم نکلا۔ تو میں تمہارے ہاتھ نہ بیچوں گا۔ اس بوڑھے شخص نے کہا۔ میرے نزدیک آجاؤ۔ پس ہم اس کے نزدیک ہو گئے۔ ہم نے مہر کو توڑا اور دیناروں کو گنا۔ تو ناگاہ وہ ستر دینار تھے۔ نہ زیادہ نہ کم۔ ہم نے لونڈی کو لیا۔ اور اسے امام محمد باقر کے پاس لے گئے۔ اس وقت جعفر صادق ان کے پاس کھڑے تھے۔ ہم نے امام محمد باقر سے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر اس لونڈی سے پوچھا۔ کہ تیرا نام کیا ہے۔ وہ بولی۔ حمیدہ۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمودہ مجھے بتا۔ کہ تو اچھوتی ہے۔ یا کسی مرد کے پاس گئی ہے۔ اس نے جواب دیا میں اچھوتی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھوتی کیونکر۔ حالانکہ بردہ فروشوں کے ہاتھ میں کوئی شے نہیں ہوتی۔ جس کا اچھوتا پن وہ خراب نہ کر دیں۔ اس نے عرض کیا۔ کہ بردہ فروش میرے ساتھ فعل بد کا قصد تو کیا کرتا تھا۔ اور میری دونوں رانوں کے بیچ بیٹھ جایا کرتا تھا۔ مگر اللہ تعالٰی اس پر ایک سفید سر و ریش مرد کو مسلط کر دیتا تھا۔ جو اسے تھپڑ مارنے لگتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے دور ہو جاتا تھا۔ اس نے میرے ساتھ بارہا ایسا کیا۔ اور اس پیر مرد نے بھی اس سے بارہا ایسا کیا۔ یہ سن کر امام

محمد باقر نے فرمایا۔ جعفر! اسے لے جاؤ۔ اسی لونڈی سے بہترین اہل زمین یعنی موسیٰ بن جعفر علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (انتہیٰ)

اس قصے میں دونوں اماموں کا خوب مذاق اڑایا ہے۔ کیا جعفر صادق کے لئے کوئی حرہ نہ ملتی تھی۔ کہ لونڈی خریدنی پڑی۔ پھر اس لونڈی سے غیروں کے سامنے اچھوتی یا غیر اچھوتی کا سوال جعفر کی موجودگی میں جس کی عنقریب وہ بیوی ہونے والی ہے۔ عام اشخاص کو بھی زیبا نہیں۔ ائمہ کا تو کیا ذکر۔

۹۔ **عن الحسین بن ثویر وابی سلمة السراج قالا سمعنا ابا عبداللّٰه وهو یلعن فی دبر كل مكتوبة اربعة من الرجال واربعا من النساء التیمی والعدوی وفعلان و معاویة وبسمیهم وفلانة وفلانة وهند ام الحكم اخت معاویة۔**

(تہذیب الاحکام۔ مجلد اول۔ باب کیفیتہ الصلوٰۃ وصفتہا۔ صفحہ ۲۷۷۔ فروع کافی۔ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۲۰۳)

ترجمہ: "حسین بن ثویر اور ابو سلمہ سراج کا بیان ہے۔ کہ ہم نے امام جعفر صادق کو سنا۔ حالانکہ آپ ہر نماز فرض کے بعد چار مردوں پر ان کے نام لے کر اور چار عورتوں پر لعنت کیا کرتے تھے۔ یعنی ابوبکر عمر۔ عثمان معاویہ۔ اور عائشہ۔ حفصہ ہند۔ اور معاویہ کی بہن ام الحکم (انتہیٰ) صادق اور یہ وظیفہ؟

۱۰۔ **سئل ابو جعفر و ابو عبداللّٰه علیهما السلام فقیل لهما انا نشتری ثیابًا یصیبها الخمر وودک الخنزیر عند حیاکتها انصلی فیها قبل ان نغلسها فقالا نعم لا باس انما حرم اللّٰه اكله وشربه ولم یحرم لبسه ومسه والصلٰوة فیه۔** (من لایحضرہ الفقیہ۔ مطبوعہ مطبع جعفریہ۔ لکھنؤ ۱۳۰۷ ہجری۔ صفحہ ۸۰)

ترجمہ: " امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے دریافت کیا گیا کہ ہم ایسے کپڑے خرید لیتے ہیں۔ جن میں بننے کے وقت شراب اور سور کی چربی لگ جاتی ہے۔ کیا ہم ان کپڑوں کو پہن کر نماز پڑھ لیا کریں۔ دونوں اماموں نے جواب دیا۔ ہاں کچھ ڈر نہیں۔ خدا نے صرف شراب کا پینا اور سور کی چربی کا کھانا حرام کیا ہے۔ ان کا پہننا چھونا اور اس میں نماز پڑھنا حرام نہیں کیا ہے۔ (انتہیٰ)

نظر بر اختصار ہم اس قسم کی اور روائیتیں یہاں درج نہیں کرتے۔ مگر حضرت زید شہید کا قصہ جس سے اندازہ کیا جا سکتا۔ حضرت زید امام محمد باقر کے بھائی ہیں۔ انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کی

کیفیت اصول کافی میں مذکور ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک روز حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام محمد باقر کے پاس آئے۔ اور ان کو کوفیوں کے خط دکھائے۔ جن میں حضرت زید کو لکھا تھا کہ آپ کوفہ میں تشریف لے آئیں۔ ہمارے لشکر تیار ہیں۔ ان کو ساتھ لے کر بنو امیہ پر خروج کریں۔ امام محمد باقر نے پوچھا۔ کہ اس خط وکتابت کی ابتداء ان کی طرف سے ہے۔ یا یہ آپ کے مکتوب کا جواب ہیں۔ حضرت زید نے فرمایا۔ کہ یہ ابتدا ان کی طرف سے ہے۔ امام محمد باقر نے فرمایا۔ کہ یہ خروج پیش از وقت ہے۔ آپ کوفیوں کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ حضرت زید نے خفا ہو کر فرمایا۔ لیس الامام منامن جلس فی بیته وارخی ستره وثبط عن الجهاد ولکن الامام منامن منع حوزته وجاهد فی سبیل اللّٰه حق جهاده ودفع عن رعیته وذب عن جریمه۔

"ہم میں سے امام وہ نہیں جو اپنے گھر بیٹھ رہا اور پردہ لٹکایا۔ اور جہاد سے رک گیا۔ لیکن امام ہم میں سے وہ ہے۔ جس نے اپنی مملکت کو ضرر سے بچایا۔ اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ جیسا کہ چاہیے اور اپنی رعیت اور اپنے حریم سے ضرر کو دور کیا۔"

شیعہ کا علامہ ملا خلیل اس کی شرح یوں کرتا ہے۔

پس غضبناک شد زید نزد آں ایما بایں کہ تو امام نیستی من امامم بعد ازاں برائے اینکہ خروج بسیف یکے از شروط امامت است آں درمنست نہ در تو گفت نیست امام از جملہ ما اہل بیت رسول ﷺ کسے کہ نشست درخانہ خود الخ۔

ترجمہ: "یعنی زید یہ سن کر خفا ہوا۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ تو امام نہیں۔ میں امام ہوں۔ بعد ازاں زید نے اس واسطے کہ تلوار کے ساتھ خروج وامامت کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ وہ مجھ میں ہی ہے۔ تجھ میں نہیں یوں کہا۔ کہ ہم اہل بیت رسول ﷺ میں سے امام وہ نہیں۔ جو اپنے گھر بیٹھ رہا۔ الخ۔

حضرت زید کا یہ کلام سن کر امام محمد باقر نے کہا کہ آپ جو امامت کے لئے تلوار کے ساتھ خروج وغیرہ شرط قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اپنی ذات میں پاتے ہیں۔ اس کا ثبوت کتاب و سنت و نظائر امم سابقہ سے پیش کریں۔ ہر ایک امر کے لئے محل مدت مقرر ہے۔ خروج کا وقت ابھی نہیں آیا۔ پھر فرمایا۔

اترید یا اخی ان یحق ملة قوم قد کفروا بأیات اللّٰه وعصوا رسوله واتبعوا اهوائهم بغیر هدی من اللّٰه وادعوا الخلافة بلا برهان من اللّٰه ولا عهد من رسوله۔

ترجمہ: "اے میرے بھائی کیا تو چاہتا ہے کہ اس قوم کی ملت کی تجدید کرے جنہوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا۔ اور رسول خدا کی نافرمانی کی اور جو ہدایت الٰہی کے بغیر اپنی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو گئے۔ اور خلافت کے دعویدار بن گئے۔ حالانکہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی برہان نہیں۔ اور نہ رسول خدا کی طرف سے کوئی وصیت ہے (انتہیٰ)

(دیکھو اصول کافی۔ صفحہ ۲۲۴ ۔ ۲۲۵)

قصہ مذکور بالا سے جس کو شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی

باب ما یفصل بہ بین دعویٰ الحق المبطل فی امر الامامۃ۔

(اس باب میں بیان ہے کہ اس چیز کا جس سے امامت کے معاملہ میں سچے اور جھوٹے کے دعوے میں فرق ہو سکے) کے تحت میں لایا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ حضرت زید امامت کے مدعی تھے۔ آخر کار انہوں نے امام محمد باقر کی وفات کے بعد بنو امیہ پر تلوار کے ساتھ خروج کیا اور شہید ہوئے۔ وہ حسب بیان اصول کافی محمد باقر اور جعفر صادق میں سے کسی کو امام تسلیم نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان میں وہ شرط پائی نہ جاتی تھی۔ جو بنا بر قول زید امام میں ہونی چاہیے۔

لہٰذا شیعہ کے شہید ثالث کا مجالس المومنین میں یہ لکھنا۔ (تحقیق آنست کہ زید بن علی علیہما السلام مدعی خلافت نبود۔ و یقین مے دانست کہ مستحق خلافت حقیقی در زمان او امام جعفر صادق است) پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اور بنا بر اعتقاد اثنا عشریہ حضرت زید شہید پر جو فتویٰ لگتا ہے۔ وہ ناظرین کو معلوم ہے۔

ملا باقر مجلسی حضرت زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال یوں لکھتا ہے۔

بدانکہ اہل کوفہ از جملہ منافقین بودند دعویٰ تشیع مے کردند و آں ملاعیناں با حضرت امیر المومنین و امام حسن و امام حسین علیہما السلام ماجراہا کردند کہ شنیدہ اید۔ و دشمن بنی امیہ نیز بودہ اند۔ و ہر چند خواستند کہ برایشان خروج کنند نتوانستند ۔ آخر تلبیس کردند۔ و پیش یک یک از شیعان رفتند۔ و گفتند کہ شما مے دانید کہ امر بمعروف واجب است۔ و ایں ظلم کہ بنی امیہ کردند و دمار از خلق برآوردند این فرض دین است۔ کہ برایشاں خروج کنیم۔ واگر خروج مکینم۔ کافر باشیم۔ قوے از شیعہ فریب خوردند غرض ایشان آن بود کہ بقیہ اہل بیت رسالت را بر طرف کنند۔ جملگی رفتند پیش زید و چندان الجاح کردند کہ زید رغبت کرد در خروج باوجود آنکہ مکرر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام باو گفتہ بود۔ کہ میدانم کارے نمے سازی و ترامے کشند۔ کوفیاں۔ با تو یاری نخواہند کرد و این کار تو

تمام نمی شوا دو از تو نیست از اولا د عباس است۔ قبول نہ کرد۔

مرد ماں اور انگزاشتند و بریں داشتند و بیست ہزار کس ازان مدبران ناپاک سوار و پیادہ سوگند خوردند۔ چون زید خروج کرد و بان لشکر بدر جامع کوفہ رسید۔ جملہ زید راہگزاشتند و گریختند مگر قلیلے چون زید آں حال رادید۔ گفت رفضونی یعنی مرا گذاشتند ورہا کردند۔ ازاں روز شیعہ بر افضی موسوم شدو بعضے مے گویند عمر بن سعد حرا مزادہ اصحاب حضرت سید الشہداء را بایں اسم داند۔ پس زید را بگرفتہ کشتند وبردار زوند۔ وچہار سال آں جناب مصلوب بود۔ وبعد ازاں اور اسوختند۔ وخاکسترش راباد دادند۔ و حضرت صادق علیہ السلام درہنگامے کہ مصلوب بود بروے نماز گزاروند۔ وبعد ازاں یحیٰی پسرا او بخراسان رفت و بعضے مردم اور اباامت برداشتند۔ بعد او نیز مقتول شدو مصلوب گردید۔ و بعد ازیشان امامت بمحمد نام کہ صاحب طالقاں بود رسید و اورا درایام معتصم باشد عباسی ابہر کردند۔ در حبس وفات یافت۔ زیدیہ الحال شرفاء مکہ و اہل یمن و توابع اویند۔ و در اصول اشاعرہ اند۔ و در فروع بعضے شافعی اندو بعضے حنفی۔ وزیدیہ امامت را مخصوص فرزندان فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا مے دانند۔ بشرط آنکہ آں فرزند عالم و زاہد و شجاع باشد۔ و خروج بسیف کند خواہ از اولاد حسن و خواہ از اولاد حسین علیہما السلام باشد۔ و بعضے ازیشان ثلثہ را خلیفہ مے دانند۔ و بعضے سب شیخین مے کنند و ایشان چندیں فرقہ اند۔ (تذکرۃ الائمہ۔ نسخہ قلمی نوشتہ ۱۳۴۴ھ۔ ورق ۶۱)

ترجمہ: "جان لے کہ اہل کوفہ منافقین میں سے تھے اور شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان ملعونوں نے حضرت امیر المومنین اور امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے ساتھ وہ سلوک کئے۔ جو تم نے سنے ہیں۔ یہ اہل کوفہ بنو امیہ کے بھی دشمن تھے۔ انہوں نے ہرچند چاہا کہ بنو امیہ پر خروج کریں۔ مگر نہ کرسکے۔ ان کا کوئی سردار نہ تھا۔ آخر انہوں نے مکر و فریب سے کام لیا۔ اور شیعوں میں سے ایک ایک کے پاس جا کر کہنے لگے۔ کہ تمہیں معلوم ہے۔ کہ امر بالمعروف واجب ہے۔ بنو امیہ نے جو یہ ظلم کیا۔ اور خلقت کو ہلاک کیا۔ ہمارا دینی فرض ہے۔ کہ ان پر خروج کریں۔ اگر ہم خروج نہ کریں گے تو کافر ہوں گے شیعہ کی ایک جماعت دھوکہ میں آگئی۔ ان کی غرض یہ تھی کہ باقی اہل بیت کو بھی برطرف کردیں۔ وہ سب کے سب زید کے پاس گئے۔ اور اس قدر اصرار کیا کہ زید خروج کی طرف مائل ہو گئے۔ باوجودیکہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے زید سے بار بار کہا تھا۔ کہ میں جانتا ہوں۔ کہ تجھ سے کچھ نہ بن آئے گا۔ اور وہ تجھے مار ڈالیں گے۔ اہل کوفہ تیری مدد نہ کریں گے۔ اور تیرا یہ کام پورا نہ ہو گا۔ یہ

تیرے حصہ میں نہیں۔ اولاد عباس کے حصہ میں ہے۔ مگر زید نے قبول نہ کیا۔ انہوں نے زید کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور اسے خروج پر آمادہ کر دیا۔ ان ناپاک بدبختوں میں سے بیس ہزار سوار و پیادہ نے قسم کھائی۔ جب زید نے خروج کیا۔ اور اس لشکر کے ساتھ کوفہ کی جامع مسجد کے دروازے پر پہنچا۔ سوائے قلیل تعداد کے سب زید کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب زید نے یہ حال دیکھا کہا کہ کوئی یعنی وہ مجھے چھوڑ گئے۔ اس دن سے شیعہ کا نام رافضی ہو گیا۔

بعضے کہتے ہیں کہ عمر بن سعد حرامزادہ (نعوذ باللہ) نے حضرت سید الشہداء کے اصحاب کا یہ نام رکھا تھا۔ پس مخالفوں نے زید کو پکڑ کر شہید کر دیا۔ اور سولی پر لٹکا دیا۔ آپ چار سال مصلوب ہی رہے۔ بعد ازاں انہوں نے آپ کو جلا دیا۔ اور آپ کی راکھ کو اڑا دیا۔ جس وقت آپ مصلوب تھے۔ حضرت صادق علیہ السلام نے آپ پر نماز پڑھی۔ زید کے شہید ہونے کے بعد آپ کا صاحبزادہ یحییٰ خراسان میں چلا گیا۔ بعض لوگوں نے اس کو اپنا امام قرار دیا۔ پھر وہ مقتول ہو کر مصلوب ہوا۔ بعد ازاں امامت محمد صاحب طالقان کو پہنچی۔ اس کو معتصم باللہ عباسی کے عہد میں قید کر لیا گیا۔ اور قید ہی میں اس نے وفات پائی۔ اس زمانے میں زیدیہ شرفاء مکہ اور اہل یمن و مضافات یمن ہیں۔ وہ اصول میں اشاعرہ ہیں۔ اور فروع میں بعض شافعی اور بعض حنفی ہیں۔ زیدیہ امامت کو فرزندان فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ بشرطیکہ عالم و زاہد و شجاع ہو۔ اور تلوار کے ساتھ خروج کرے۔ خواہ امام حسن کی اولاد سے ہو یا امام حسین کی۔ ان میں سے بعضے ثلاثہ کو خلیفہ جانتے ہیں۔ اور بعض شیخین پر تبرا کرتے ہیں۔ اور ان کے کئی فرقے ہیں۔ (انتہیٰ)

حالات مندرجہ بالا کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ کوفہ کے شیعوں نے پہلے حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کو دعوتی لوط بھیجے۔ پھر خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو خروج کی ترغیب دی۔ ان میں سے بیس ہزار نے ربقول مصنف حبیب السیر (مجالس المومنین) چالیس ہزار نے امامت پر حضرت زید کی بیعت کی۔ حضرت زید نے ان کو ساتھ لے کر یوسف بن عمر ثقفی پر خروج کیا۔ جو ہشام بن عبد الملک کی طرف سے عراق کا حاکم تھا۔ عین مقابلہ کے وقت انہوں نے بیعت توڑ کر فرار کی راہ لی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت زید شہید ہو گئے۔ یہ اہل کوفہ اول درجے کے متقی مومن تھے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ وہ منافق بدیں معنے تھے۔ کہ بانی تو اہل بیت کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ مگر دل سے یہی چاہتے تھے۔ کہ یہ بھی نہ رہیں۔ مسلمانوں میں اتفاقی پیدا ہو جائے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ دنیا میں اسلام کا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے۔ یہی اس فرقہ کے

بانی ابن سبا کا منشا تھا۔

زیدیہ کو اثنا عشریہ نہایت برا سمجھتے ہیں۔ رجال کشی صفحہ ۱۴۹ میں مذکور ہے۔
امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ الزیدیة هم النصاب یعنی زیدیہ ہی ناصب یعنی دشمن اہل بیت ہیں۔

اور امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ زیدیہ اور واقفیہ اور ناصبیہ سب یکساں ہیں۔
اور امام محمد تقی علیہ السلام کا قول ہے۔ کہ آیہ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ نصاب و زیدیہ و واقفیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

زیدیہ کے فرقوں کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ تذکرۃ الائمہ میں اصطلاح رافضی کی جو اصل بیان کی گئی ہے۔ وہ خلاف تصریح کتب شیعہ ہے۔ چنانچہ کتاب الروضہ صفحہ ۱۶ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے۔ بل اللّٰہ سماکم یعنی شیعہ کا نام رافضی تو خدا نے رکھا ہے۔

امام جعفر صادق کی زندگی میں دو مدعی امامت ظاہر ہوئے۔ جن کا طویل قصہ اصول کافی باب مایفعل به بین دعوے المحق والمبطل فی امر الامامة میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب محمد نفس زکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب کو بغداد سے یہ خبر آئی۔ کہ اس کے والد اور چچوں اور چچیرے بھائیوں کو منصور دوانقی نے قتل کر ڈالا۔ تو اس نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی (دعا الناس لبیعته صفحه ۲۲۸) سب نے بالاتفاق اس کی بیعت کی۔ پھر وہ اپنے خاندان کے سرداروں سے بیعت لینے کی فکر میں ہوا۔ اور اپنے کوتوال عیسیٰ بن زید بن علی بن حسین کے مشورے سے امام جعفر صادق کو طلب کیا۔ عیسیٰ نے امام صادق سے کہا۔ کہ آپ اسلام لائیں۔ تاکہ سلامت رہیں۔ امام صادق نے کہا۔ کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آیا ہے۔ نفس زکیہ نے کہا۔ کہ نہیں لیکن ہماری مراد یہ ہے۔ کہ آپ بیعت کریں۔ تاکہ آپ کی جان و مال و اولاد امن میں رہے۔ اور آپ کو لڑائی کی تکلیف نہ دی جائے۔ لا ولکن بایع تامن علیٰ نفسک وما لک وولدک ولا تکلفن حربا ص ۲۲۹

امام صادق نے ہرچند عذر کیا۔ مگر نفس زکیہ نے کہا۔ کہ آپ کو بیعت کرنے سے چارہ نہیں۔ امام جعفر صادق نہیں مانتے۔ نفس زکیہ کہتا ہے۔ کہ آپ کو طوعاً یا کرہاً بیعت کرنی پڑے گی۔ امام صادق سختی سے انکار کرتے ہیں، نفس زکیہ حکم دیتا ہے کہ ان کو قید خانہ میں لے جاؤ۔ چنانچہ وہ قید خانہ میں جاتے ہیں۔ آخر کار نفس زکیہ مدینہ میں خروج کرتا ہے۔ اور وہیں ۱۴۵ھ میں شہید ہو جاتا ہے۔ یہ خبر سن کر نفس

زکیہ کا بھائی ابراہیم بھی بصرہ میں خروج کرتا ہے۔ اور کوفہ سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر مقام باخمری میں شہید ہو جاتا ہے۔ امامیہ کے فرقہ حسنیہ کے ہاں اماموں کی ترتیب یوں ہے۔ علی مرتضٰی۔ حسن مجتبیٰ۔ حسن مثنیٰ ملقب بہ نسامن آل محمد۔ عبداللہ محض۔ محمد نفس زکیہ۔ ابراہیم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ بیٹوں (اسماعیل' عبداللہ' موسیٰ' اسحاق۔ محمد) میں دربارہ امامت بہت اختلاف ہے۔ اسماعیل جو سب سے بڑے تھے۔ باپ کی حیات میں انتقال کر گئے۔ امامیہ کا فرقہ اسماعیلیہ بنا برنص امام جعفر صادق ان الامر فی الکبیر مالم تکن فیه عاهة (امامت بڑے میں ہوتی ہے۔ جب تک اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ اصول کافی صفحہ ۲۲۰)

اسماعیل کو امام صادق کے بعد امام جانتے ہیں۔ امام صادق کی وفات پر عبداللہ نے جو اسماعیل کے بعد سب سے بڑے تھے امامت کا دعویٰ کیا۔ لوگوں نے اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔

چنانچہ ہشام بن سالم کہتا ہے۔ کنا بالمدینة بعد وفاة ابی عبداللّٰه علیه السلام انا وصاحب الطاق والناس مجتمعون علی عبداللّٰه بن جعفر انه صاحب الامر بعد ابیه۔

یعنی امام صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد میں اور صاحب طاق ابو جعفر احول مدینہ میں تھے۔ اور لوگ عبداللہ بن جعفر پر متفق تھے کہ وہ اپنے باپ کے بعد امام ہیں۔ (اصول کافی صفحہ ۲۲۰)

اسی وقت موسیٰ کاظم نے بھی امامت کا دعویٰ کیا۔ جب ابو علی حسن بن عبداللہ نے جو زاہد و عابد یگانہ تھا۔ موسیٰ سے دریافت کیا۔ کہ اس زمانے کا امام کون ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تجھے بتا دوں۔ تو کیا تو تسلیم کرلے گا۔ ابو علی نے کہا۔ ہاں میں تسلیم کرلوں گا۔ اس پر موسیٰ نے کہا۔ انا هو یعنی میں وہ امام ہوں۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۲۱۲)

موسیٰ کاظم نے فیصلہ کے لئے ایک عجیب امتحان پیش کیا۔ جس کا ذکر شیعہ کے قطب راوندی نے یوں کیا ہے۔

ومنها ان ابا المفضل بن عمر قال لما قضٰی الصادقؑ کان وصیته فی الامامة لموسٰیؑ فادعی اخواہ عبداللّٰه الامامة وکان اکبر ولد جعفرؑ فی وقتهٖ ذٰلک وهو المعروف بالا فطح فامر موسٰی بجمع حطب کثیرة فی وسط دارهٖ فارسل الٰی عبداللّٰه [illegible] امامیة [illegible] ما جلس الیه اخوہ عبداللّٰه امر موسٰی ان تضرم النار فی ذلک الحطب فاضرمت ولا یعلم

الناس ما سبب ذالک حتیٰ صار الحطب کله حمراثم قام موسیٰ وجلس بثیابه فی وسط النار واقبل یحدث الناس ساعة ثم قام فنفض ثیابه ورجع الی المجلس فقال لا خیه عبداللّٰہ انک کنت تزعم انک الامام بعد ابیک فاجلس فی ذالک المجلس قالو فرأینا عبداللّٰہ تغیر لونه ثم قام یجر ردائه حتی اخرج من دار موسیٰ (کتاب الخرائج والجرائح مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۱ھ ہجری۔ صفحہ ۳۹۔)

ترجمہ: "موسیٰ کاظم کے معجزات میں سے ایک یہ ہے۔ کہ ابو الفضل بن عمر نے بیان کیا۔ کہ جب امام صادق علیہ السلام نے وفات پائی۔ تو آپ نے موسیٰ کے لئے امامت کی وصیت کی تھی۔ مگر موسیٰ کے بھائی عبداللہ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ جو اس وقت امام جعفر کی اولاد میں سب سے بڑا تھا۔ اور ملقب بہ افطح تھا۔ (چونکہ عبداللہ پہن سر تھا یا اس کے پاؤں ہاتھی کے پاؤں کی طرح موٹے گول تھے اس لئے اسے افطح کہتے تھے۔) پس موسیٰ نے اپنے گھر کے وسط میں بہت سی لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور عبداللہ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ وہ امامیہ کے سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کے پاس آیا۔ جب عبداللہ موسیٰ کے پاس بیٹھ گیا۔ تو موسیٰ نے حکم دیا۔ کہ ان لکڑیوں میں آگ لگائی جائے۔ پس ان میں آگ لگائی گئی۔ اور لوگوں کو اس کا سبب معلوم نہ تھا۔ یہاں تک کہ تمام لکڑیاں سرخ ہو گئیں۔ پھر موسیٰ اٹھے اور اپنے کپڑوں سمیت آگ کے بیچ میں بیٹھ گئے۔ اور کچھ دیر لوگوں سے کلام کرتے رہے۔ بعد ازاں اٹھے اور اپنے کپڑے جھاڑ کر مجلس میں آبیٹھے۔ اور اپنے بھائی عبداللہ سے کہنے لگے کہ تو اپنے باپ کے بعد امامت کا مدعی ہے۔ تو آگ کے بیچ میں میری جگہ جا بیٹھ۔ حاضرین کا قول ہے کہ ہم نے دیکھا کہ عبداللہ کا رنگ بدل گیا۔ پھر وہ اپنی چادر کھینچتا ہوا اٹھا۔ یہاں تک کہ موسیٰ کے گھر سے نکل گیا۔ (انتہیٰ)

عبداللہ مذکور نے اپنے والد کے ستر دن بعد وفات پائی۔ امامیہ کا فرقہ فطحیہ عبداللہ افطح کی امامت کا قائل ہے۔ (رجال کشی صفحہ ۱۶۴)

اسحاق بن جعفر اپنے بھائی موسیٰ کاظم کی امامت کا قائل تھا۔ مگر محمد بن جعفر زیدیہ کی رائے رکھتا تھا۔ (کشف الغمہ) امامیہ کا فرقہ شمطیہ یعنی اصحاب یحییٰ بن ابی الشمط کہتے ہیں۔ کہ امام صادق کے بعد امامت ان کے پانچ بیٹوں کو بدیں ترتیب پہنچی۔ اسمٰعیل۔ محمد۔ موسیٰ کاظم۔ عبداللہ۔ اسحاق واقفیہ کہتے ہیں۔ کہ امامت موسیٰ کاظم پر موقوف ہے۔ ان کے بعد کوئی اور نیا امام نہ ہو گا۔

امام موسیٰ کاظم کی زندگی میں دو اور مدعی امامت بر مسلک زیدیہ ظاہر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے مدینہ میں خروج کیا تھا۔ جس کا ذکر اصول کافی صفحہ ۳۲۱ میں بدیں الفاظ مذکور ہے۔ **لما خرج الحسین بن علی المقتول بفخ واحتوی علی المدینة دعا موسٰی بن جعفر علیه السلام الی البیعة فاتاه فقال له یابن عم لا تکلفنی ماکلف ابن عمک عمک ابا عبداللّٰه علیه السلام**

یعنی جب حسین بن علی بن حسن بن علی بن ابی طالب نے خروج کیا۔ جو مدینہ پر مسلط ہو گئے۔ اور آخر کار مقام فخ (مکہ سے ۶ میل) میں (بتاریخ ۸ ذی الحجہ ۱۶۹ھ) شہید ہو گئے۔ تو انہوں نے موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ موسیٰ کاظم نے ان کے پاس آکر کہا۔ اے چچا کے بیٹے تو مجھے تکلیف نہ دے۔ اس بات کی جس کی تکلیف تیرے چچا کے بیٹے (نفس زکیہ) نے تیرے چچا جعفر صادق علیہ السلام کو دی تھی۔ (انتہی)

اس خروج کی تفصیل مروج الذہب للمسعودی اور معجم البلدان للحموی میں مذکور ہے۔ حسین مذکور کے بعد یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے امامت کا دعویٰ کیا۔ اور امام موسیٰ کاظم کو ایک خط لکھا۔ جس میں درج تھا کہ تم لوگوں کو میری بیعت سے روکتے ہو۔ تم نے اور تم سے پہلے تمہارے والد نے امامت کا ناحق دعویٰ کیا ہے۔ خط کے الفاظ یہ ہیں۔

وقد شاورت فی الدعوة للرضا من آل محمد صلی اللّٰه علیه و آله وقد احتجبتها واحتجبها ابوک من قبلک وقدیما ادعیتم مالیس بکم (اصول کافی صفحہ ۲۳۲)

شیعہ کی کتابوں میں امام موسیٰ کاظم کی نسبت یہ روایت موجود ہے۔

عن ابی الحسین الماضی علیه السلام قال العورة عورتان القبل والدبر فا ماالدبر فمستور بالالیتان واما القبل فاستره بیدک فاذاسترت القضیب والبیضین فقد۔ سترت العورة

(فروع کافی مجلّہ ثانی۔ جزء ثانی کتاب الزی والتجمل۔ باب الحمام۔ صفحہ ۶۰)

ترجمہ: "ابو الحسن ماضی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ شرمگاہیں دو ہیں۔ اگلی اور پچھلی۔ لیکن پچھلی تو چوتڑوں سے چھپی ہوئی ہے۔ رہی اگلی۔ سو اس کو اپنے ہاتھ سے چھپا لو۔ جب تم نے قضیب اور دونوں خصیوں کو چھپا لیا۔ تو تم نے اپنی شرمگاہ کو چھپا لیا۔ (انتہی)

افسوس! کہاں امام موسیٰ کاظم اور کہاں یہ قول۔

امام علی رضا رضی اللہ عنہ

امام رضا کا ذکر پہلے ضمناً آچکا ہے۔ یہاں ایک اور روایت انکے متعلق درج کی جاتی ہے۔

عن موسیٰ بن عبد الملک عن رجل قال سالت ابا الحسن الرضا علیه السلام عن اتیان الرجل المرأة من خلفها فی دبرها فقال احلتها ایة من کتاب اللّٰه تعالٰی قول لوط علیه السلام هولاء بناتی هن اطهر لکم وقد علم انهم لا یریدون الفرج۔

(کتاب الاستبصار۔ مجلد ثانی۔ باب اتیان النساء فی مادون الفرج۔ صفحہ ۱۳۰)

ترجمہ: "ایک شخص نے ابو الحسن رضا علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ مرد کا پیچھے سے اپنی عورت کے مقعد میں دخول کرنا کیسا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس فعل کو قرآن مجید کی ایک آیات نے حلال کر دیا ہے۔ وہ حضرت لوط علیہ السلام کا یہ قول ہے۔ هٰؤلآء بناتی هن اطهر لکهم (یہ میری لڑکیاں ہیں۔ یہ تمہارے واسطے حلال ہیں۔) اور حضرت کو معلوم تھا کہ ان کی قوم کی مراد فرج نہیں۔ (انتہیٰ)

آیت زیر بحث سورۂ ہود میں ہے۔ جہاں مذکور ہے کہ فرشتے جوانان خوبرو کی صورت بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔ ان کی قوم جو اغلام کی عادی تھی۔ دوڑی آئی۔ حضرت نے فرمایا کہ تم میرے مہمانوں میں میری فضیحت نہ کرو۔ اس کام کے لئے میری لڑکیاں موجود ہیں۔ وہ تمہارے واسطے پاکیزہ تر ہیں۔

مفسرین اہل سنت نے حضرت کے قول کی یہ تفسیر لکھی ہے۔ کہ یہ عورتیں جو میری لڑکیاں یا لڑکیوں کے برابر ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ تم ان سے نکاح کر لو۔ مگر امام رضا نے بنا بر روایت مذکورہ بالا یہ تفسیر فرمائی۔ کہ تم ان کی دبر میں دخول کر لو۔

امام رضا کی زندگی میں ۱۹۹، ۲۰۰ ہجری میں کئی بزرگوں نے امامت کے دعوے کے ساتھ خروج کیا۔ ابن طبا طبا علوی یعنی محمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ کوفہ میں ظاہر ہوئے۔ امام موسیٰ کاظم کے صاحب زادے زید نے بصرہ میں خروج کیا۔ امام موسیٰ کاظم کے دوسرے صاحبزادے ابراہیم یمن میں ظاہر ہوئے۔ اور مدت تک یمن پر قابض رہے۔ امام جعفر صادق کے صاحبزادے محمد نے مکہ اور نواحی حجاز میں خروج کیا۔ محمد مذکور کو امیر المومنین کہتے [illegible] تفصیل کے لئے [illegible] مذہب وغیرہ دیکھو۔

امام محمد تقی رضی اللہ عنہ

یہ امام رضا کے صاحبزادے ہیں۔ ان کا قصہ اصول کافی میں بدیں الفاظ مذکور ہے۔

قال (علی بن جعفرؒ) قال له اخوته ونحن ايضًا ماكان فينا امام قط حائل اللون فقال لهم الرضاء هو ابنی قالوا فان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وآله قد قضى بالقافة فبيننا وبينك القافة قال ابعثوا انتم اليهم فاما انا فلا ولا تعلموهم لما دعوتموهم ولتكونوا فی بيوتكم فلما جاؤا اقعدونا فی البستان واصطف عمومته واخوته واخواته واخذوا الرضا عليه السلام والبسوه جبة صوف وقلنسوة منها ووضعوا علٰی عنقه مسحاة وقالو اله ادخل البستان كانك تعمل فيه ثم جاؤا بابی جعفر عليه السلام فقالوا الحقوا هٰذا الغلام بابيه فقالوا ليس له هٰهنا اب ولٰكن هٰذا اعم ابيه وهٰذا عمه وهٰذه عمته وان يكن له هٰهنا اب فهو صاحب البستان فان قدمته وقدمته واحدة فلما رجع ابو الحسن عليه السلام قالوا هٰذا ابوه قال علی بن جعفرؒ فقمت فمصصت ريق ابی جعفر عليه السلام ثم قلت له اشهد انك امامی عنداللّٰه فبكی الرضا عليه السلام ثم قال يا عم الم تسمع ابی وهو يقول قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه واٰله بابی ابن خير الاماء ابن النوبيه الطيبة الفم المنتخبة الرحم ويلهم لعن اللّٰه الاعبس وذريته صاحب الفتنة ويقتلهم سنين وشهوراً وايا مايسومهم خسفًا ويسقيهم كاسًا مصبرة وهو الطريد الشهيد الموتور بابيه وجده صاحب الغيبة يقال مات اوهلك ای وادٍ سلك افيكون هذا يا عم الامنی فقلت صدقت جعلت فداك۔ (اصول کافی)

ترجمہ: "علی بن جعفر صادق کا بیان ہے۔ کہ امام رضا کے بھائیوں اور ہم نے بھی امام رضا سے کہا۔ کہ ہم میں کبھی کوئی امام حائل اللون (رنگ بدلا ہوا۔ سبز چہرہ) نہیں ہوا۔ (جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ محمد تقی آپ کا بیٹا نہیں۔ صافی شرح کافی)

امام رضا نے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ وہ بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت اسامہ کو ان کے والد زید سے الحاق کرنے میں۔ صافی)

علمائے قیافہ کے قول پر فیصلہ فرمایا تھا۔ پس ہمارے اور آپ کے مابین علمائے قیافہ حکم ہیں۔
امام رضا نے فرمایا۔ کہ میں تو ان کو نہیں بلاتا۔ تم ان کو بلا بھیجو۔ اور ان کو وہ مطلب نہ بتاؤ۔
جس کے لئے تم ان کو طلب کرتے ہو۔ اور وہ تمہارے گھروں میں اتریں۔ جب علمائے قیافہ
آئے۔ تو انہوں نے ہم کو باغ میں بٹھایا۔ اور امام رضا کے چچوں بھائیوں اور بہنوں نے صف
باندھی۔ اور امام رضا کو پکڑ کر ریشم کا جبہ اور اسی جنس کی ٹوپی پہنائی۔ اور ان کی گردن پر ایک
کدال رکھ دیا۔ اور ان سے کہا۔ کہ آپ باغ میں داخل ہو جائیں۔ گویا کہ آپ اس میں کام
کرتے ہیں۔ پھر وہ امام محمد تقی علیہ السلام کو لائے۔ اور علمائے قیافہ سے کہا۔ کہ اس لڑکے کو اس
کے باپ سے الحاق کرو۔ وہ بولے۔ کہ اس مجلس میں کوئی اس کا باپ نہیں ہے۔ لیکن یہ اس
کے باپ کا چچا ہے۔ اور یہ اس کا چچا ہے۔ اور یہ اس کی پھوپھی ہے۔ اگر اس مکان میں کوئی
اس کا باپ ہے۔ تو وہ باغ میں کام کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس کی اور اس کی چال یکساں ہے۔
جب امام رضا واپس ہوئے۔ تو علمائے قیافہ نے کہا کہ یہ اس کا باپ ہے۔
علی بن جعفر صادق کا قول ہے۔ کہ یہ سن کر میں اٹھا۔ اور میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کا لعاب
دہن چوسا۔ پھر میں نے ان سے کہا۔ کہ آپ اللہ کے نزدیک میرے امام ہیں۔ امام رضا علیہ السلام
رو پڑے۔ پھر فرمایا۔ اے میرے چچا۔ کیا تو نے میرے باپ کو نہیں سنا کہ کہتے تھے۔ کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا باپ فدا ہو۔ بہترین کنیزاں کے بیٹے۔ نوبیہ کے بیٹے (امام محمد تقی) پر وہ
نوبیہ جس کا منہ خوشبودار اور جس کا رحم برگزیدہ ہے۔ اور صاحب فساد کے دل میں ڈالا جائے
گا۔ کہ اعبس اور اس کی اولاد پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ وہ صاحب فساد اولاد اعبس کو سالوں
مہینوں، دنوں میں قتل کرے گا۔ اور ان کو ذلت چکھائے گا۔ اور ان کو جام تلخ پلائے گا۔ اور وہ
نوبیہ کا بیٹا دور کیا گیا۔ بھگایا ہوا باپ دادے کے سبب مظلوم اور غائب ہو گا۔ (یہاں تک کہ)
کہا جائے گا۔ کہ وہ مر گیا یا گمراہ ہو گیا۔ کسی صحرا میں چلا گیا۔ اے میرے چچا کیا یہ (محمد تقی)
میرے سوا کسی اور کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ قربان جاؤں آپ نے سچ فرمایا۔
(انتہی)

اس قصے میں کئی امور غور طلب ہیں۔ جو ذیل میں درج ہیں۔

اول — امام موسیٰ کاظم کثیر الاولاد تھے۔ ان کی اولاد کی تعداد اٹھارہ یا انیس لڑکے اور بیس لڑکیاں
تھیں۔ (جنات الخلود) اور ایک قول میں تیئس لڑکے اور سینتیس لڑکیاں بتائی جاتی ہیں۔ (بحر الجواہر)

للسید محمد باقر)

یہ واقعہ ۱۹۷ ہجری کا ہے۔ جب کہ امام محمد تقی کی عمر دو سال کی تھی۔ اس وقت امام رضا کے بھائی اور بہنوں میں سے اکثر زندہ ہوں گے۔ اور آپ کے چچوں میں سے محمد بن جعفر صادق اور علی بن جعفر صادق تو یقیناً زندہ تھے۔ ان سب کا ایسے افتراء پر متفق ہو جانا بعید از عقل معلوم ہوتا ہے۔

دوم امام رضا کو مالی کے بھیس میں باغ میں داخل کرنا پھر محمد تقی کو علمائے قیافہ پر پیش کرنا ایک ناٹک کا تماشا ہے۔ اس میں باپ بیٹے ہر دو کی توہین ظاہر ہے۔

سوئم امام رضا کا قول ہے۔ کہ میں تو علمائے قیافہ کو نہیں بلاتا۔ اس امر پر مبنی ہے۔ کہ اہل علم قیافہ کا قول ان کے نزدیک معتبر نہ تھا۔ (صافی شرح کافی)

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید کا فیصلہ اسی طرح فرمایا تھا۔ اس میں جناب رسالت مآب علیہ الوف التحیتہ والصلوٰۃ کی صریح مخالفت ہے۔

چہارم جب علمائے قیافہ نے اپنا فیصلہ سنایا۔ تو امام رضا نے اس کی تائید میں ایک حدیث نبوی ﷺ سنا دی اگر واقعی یہ حدیث تھی۔ تو امام رضا نے پہلے ہی کیوں نہ سنا دی۔ تاکہ کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ رہتی۔ اور باپ بیٹے کی توہین نہ ہوتی۔

پنجم اس حدیث امام رضا میں بقول ملا خلیل شارح کافی اعبس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس اور صاحب فتنہ سے مراد حکام چنگیزی ہیں۔ امام محمد تقی کی تعریف کے ساتھ عباس و اولاد عباس کی مذمت کو کیا ربط۔ خلیفہ مامون عباسی نے سادات کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ اپنی لڑکی ام الفضل کا نکاح امام محمد تقی سے کر دیا تھا۔ اور فدک اولاد فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر رد کر دیا تھا۔ شیعہ جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے خار کھائے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ پہلے مذکور ہو چکی ہے۔

ششم اس حدیث میں جو الفاظ طرید شرید غائب امام محمد تقی کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ ان سے امام موصوف کی توہین عیاں ہے۔ ملا خلیل نے ان الفاظ کو شیعہ کے امام غائب علیہ السلام پر چسپاں کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔

ہفتم حدیث کے الفاظ الموتو ربابیہ وجدہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ امام محمد تقی کے والد کی طرح دادا پر بھی کچھ افترا ہو گا۔ جس کی تصریح نہیں کی گئی۔

قصہ زیر بحث دوسرے طریق سے بدین الفاظ مروی ہے۔

در مناقب رؤیت کردہ کہ حضرت جواد بسیار سبزہ و گندم گوں بود۔ باین جہت بعضے شک نمودند در فرزند رضا بودن او۔ و آنحضرت در خراسان بود۔ پس بنی عبدالمطلب جمعیت کردند وقیافہ دانان را جمع کردند۔ وحضرت جواد راکہ در سن دو سالگی بود برایشاں عرض کردند۔ چوں قیافہ دانان را نظر برآن حضرت افتاد بررو در افتادند و سجدہ کردند۔ بعد ازاں برخواستند و گفتند۔ وائے بر شما مثل ایں ستارہ درخشاں و نور تاباں را بر امثال ما اشخاص عرض مے کنید۔ بخدا قسم ایں حسب زکی ظاہر و نسب مہذب طاہر است کہ از ستارگان زواہر و رحمہائے پاکیزہ طواہر بہم رسیدہ۔ بخدا قسم است نیست او مگر ذریہٴ امیرالمومنین۔ پس آن طفل بزرگوار بزبانے برندہ تر از تیغ آبدار فرمود۔ حمد مرخدائے راکہ مارا از نور خود خلق کردہ وبرگزیدہ است مارا از بریہ خود۔ و مارا امین بروحی خود قرار دادہ۔ وائے مردمان منم محمد بن علی رضا۔ پسر امام موسیٰ کاظم پسر امام جعفر صادق پسر امام محمد باقر پسر امام علی سید العابدین پسر امام حسین شہید سید الشہداء پسر امیرالمومنین علی بن ابی طالب و پسر فاطمہ دختر محمد مصطفیٰ۔ در مثل منی شک مے آورید= و بر خدا وجدم افترا مے زنید۔ ومرابر قیافہ داناں عرض مے کنید۔ بخدا کہ من بہتر از خود آن اشخاص مے دانم آنچہ دردل خود پنہاں کردہ اند۔ ومن دانا تر مردم بآنچہ بعد ازاں خواہد شد بعلمی کہ خدا بما عطا فرمودہ پیش ازاں کہ عالم راتمام کند۔ و خدا را گواہ مے گیرم کہ اگر نہ انیست کہ مشرکاں وذریہ کافراں واہل بغی وعدوان ہجوم آوردہ اند بر ماو عالم راشک و شرک وشقاق گرفتہ است چیزے چند مے کردم کہ اولین و آخرین از آن تعجب کنند و بعد ازان دست خود را برسینہ گرفتہ گفت۔ یا محمد ساکت شو چنانچہ پدران تو ساکت شدند۔ وصبر کن۔ چنانچہ صبر کردند پیغمبرؑان اولو العزم۔ و تعجیل مکن کہ وعدہ خدائے از برائے ایشاں نیست مگر یک ساعت از روز کہ منقضی شود دولت ایشان و ہلاک شوند اہل بغی و عدوان۔ وبعد ازاں و آمد و دست یک مرد راکہ در پہلوئے او بود گرفت و براہ افتاد وپا برگردن۔ ہمہ مرد میکہ در آنجا جمع شدہ بودند گزار درراہ مے داند باو۔ و بخدا قسم کہ مشائخ و بزرگان آل ابو طالب نظرے کردند باو دے گفتند۔ اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ وچوں ایں خبر بخراسان بحضوت رضا رسید فرمود الحمد اللہ کہ خدا بفرزند من شرف ابراہیم فرزند رسول خدارا دادو بمادر فرزندم شرف ماریہ قبطیہ چہ اور انیز تہمت زدہ بودند۔ و تشکیک کردہ بودند۔ وبعد ازاں ظاہر شد فساد تشکیک ایشان وفرمود پسرم تاسی و اقتدا نمود بابراہیم فرزند رسول خدا۔

(بحر الجواہر للسید محمد باقر۔ مطبوعہ ایران ۱۲۹۶ھ صفحہ ۲۴۷)

ترجمہ: "مناقب میں روایت ہے کہ حضرت محمد تقی جواد بہت سبزہ اور گندم گون تھے۔ اس وجہ سے بعضوں نے ان کے رضا کے بیٹے ہونے میں شک کیا۔ اس وقت امام رضا خراسان میں تھے۔ پس بنی عبدالمطلب نے جمع ہو کر علمائے قیافہ کو بلا لیا۔ اور حضرت جواد کو جو دو سال کے تھے۔ ان پر پیش کیا۔ جب علمائے قیافہ کی نظر حضرت پر پڑی۔ انہوں نے منہ کے بل گر کر سجدہ کیا۔ بعد ازاں اٹھ کر کہنے لگے۔ وائے تم پر ایسے چمکتے ستارے اور روشن نور کو ہم جیسے اشخاص پر پیش کرتے ہو۔ خدا کی قسم یہ روشنی پاک حسب اور پاک مہذب نسب ہے۔ جو روشن ستاروں اور پاک پاکیزہ رحموں سے بہم پہنچا ہے۔ خدا کی قسم وہ بجز اولاد امیرالمومنین نہیں ہے۔

پس اس بزرگوار لڑکے نے آب دار تلوار سے زیادہ کاٹنے والی زبان سے فرمایا۔ حمد ہے خدا کے لئے جس نے ہم کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ اور اپنی خلقت میں سے ہم کو برگزیدہ کیا۔ اور ہم کو اپنی وحی کا امین قرار دیا۔ اے لوگو میں ہوں محمد بن علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین بن امیر المومنین علی بن ابی طالب و فاطمہ بنت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ تم مجھ جیسے بندے میں شک کرتے ہو۔ اور خدا اور میرے دادا پر افتراء کرتے ہو۔ اور مجھے علمائے قیافہ پر پیش کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں خود ان اشخاص سے بہتر ہوں۔ مجھے معلوم ہے۔ جو کچھ انہوں نے اپنے دل میں پوشیدہ کیا ہے۔ میں اس علم کے ساتھ جو خدا نے اس جہاں کی پیدائش کے پورا کرنے سے پہلے ہم کو عطا کیا۔ سب لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ اس امر کو جو اس کے بعد ہو گا۔ اور میں خدا کو گواہ بناتا ہوں۔ کہ اگر یہ بات نہ ہو۔ کہ مشرکوں اور کافروں کی اولاد اور اصحاب بغاوت و ستم نے ہم پر ہجوم کیا ہوا ہے۔ اور دنیا کو شک و شرک و مخالفت نے گھیرا ہوا ہے۔ تو میں چند ایسی چیزیں دکھاتا۔ کہ اولین و آخرین ان سے تعجب کرتے۔

بعد ازاں حضرت جواد نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر فرمایا۔ اے محمد چپ ہو جا۔ جیسا کہ تیرے آباؤ اجداد چپ ہو گئے۔ اور صبر کر جیسا کہ اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا۔ اور جلدی نہ کر۔ کیونکہ ان کے واسطے خدا کا وعدہ دن کی ایک ساعت ہے۔ کہ ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اصحاب بغاوت و ستم ہلاک ہو جائیں گے۔ بعد ازاں حضرت نے آ کر ایک شخص کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جو آپ کے پہلو میں تھا۔ اور راستہ لیا۔ جو لوگ وہاں جمع تھے۔ آپ نے ان

سب کی گردن پر پاؤں رکھا وہ آپ کا راستہ دیتے تھے۔ خدا کی قسم آل ابو طالب کے بزرگ و مشائخ آپ کو دیکھ کر کہتے تھے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته جب یہ خبر حضرت رضا کو خراسان میں پہنچی۔ فرمایا الحمد اللہ کہ خدا نے میرے بیٹے کو رسول خدا کے صاحبزادے ابراہیم کا شرف بخشا۔ اور میرے بیٹے کی والدہ کو ماریہ قبطیہ کا شرف عطا کیا۔ کیونکہ حضرت ماریہ پر بھی لوگوں نے تہمت لگائی تھی۔ اور شک کیا تھا۔ اور بعد ازاں ان کے شک کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا تھا۔ اور فرمایا کہ میرے بیٹے نے ابراہیم فرزند رسول خدا کی پیروی کی (انتہی)

یہ روایت کافی کی روایت کے معارض ہے۔ کیونکہ جب امام رضا اس موقع پر حاضر ہی نہیں۔ تو ان کا علمائے قیافہ کے بلانے سے انکار کرنا اور مالی کے بھیس میں باغ میں داخل کیا جانا اور پھر علمائے قیافہ کے فیصلہ کو حسب مراد پاکر اس کی تائید میں ایک حدیث سنانا یہ سب غلط ٹھہرتا ہے۔ مگر روایت مناقب بھی اعتراض سے خالی نہیں۔ کیونکہ باپ کی عدم موجودگی میں علمائے قیافہ کا دو سال کے بچے کو اس کے باپ سے الحاق کرنا متعذر ہے۔ اور فیصلہ کے بعد اسی دو سالہ لڑکے سے وہ تقریر منسوب کرنا جو اوہام شیعہ کے مطابق ہے شیعی یاروں کی ایجاد ہے۔ ایسی روائتیں محض توہین و تذلیل اہل بیت کے لئے وضع کی گئی ہیں۔

امام محمد تقی کی زندگی میں ۲۰۷ہجری میں عبدالرحمٰن بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب نے امامت کے دعوی کے ساتھ یمن میں خروج کیا۔ اسی طرح ۲۱۹ ہجری میں محمد بن قاسم بن عمر بن علی بن حسین علی بن ابی طالب نے خراسان میں امامت کا دعویٰ کیا۔ (تاریخ کامل لابن اثیر)

امام علی نقی رضی اللہ عنہ

امام علی نقی آٹھ برس کے تھے۔ کہ ان کے والد امام محمد تقی نے وفات پائی۔ وفات کے وقت (دیکھو اصول کافی۔ باب الاشارۃ والنص علی ابی الحسن الثالث ص ۲۰۱) محمد تقی نے پیام آور کے ذریعے خیران زاکانی کو جو آپ کے در دولت کا ملازم تھا۔ خلوت میں یہ کہلا بھیجا۔ کہ میرے بعد میرا بیٹا علی نقی امام ہے۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے جو آپ کی بیماری کا حال دریافت کرنے آیا کرتا تھا۔ اس پیام کو دیوار کے پیچھے سے سن لیا۔ جب پیام کو دیوار کے پیچھے سے سن لیا۔ جب پیام آور چلا گیا۔ تو احمد نے خیران سے پوچھا۔ کہ وہ پیام آور کیا کہہ گیا۔ خیران نے کہا۔ خیر ہے۔ احمد نے کہا۔ مجھ سے کیوں چھپاتے ہو۔ میں نے سب سن لیا ہے۔ اس پر خیران نے کہا۔ کہ تو نے خلاف قرآن تجسّس کیا ہے۔ مگر تو اس شہادت کو یاد رکھنا۔ شائد کسی روز ہمیں اس کی ضرورت پڑے۔ اور قبل از وقت کسی سے نہ کہنا۔ بعد ازاں خیران نے مضمون پیام دس رقعوں میں لکھ کر اور ان پر مہر لگا کر شیعہ میں سے دس مشہور اشخاص کے حوالہ کر دیا۔ جب امام محمد تقی نے وفات پائی۔ تو سرداران شیعہ امامیہ محمد بن فرج کے ہاں جمع ہو کر امامت کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ وہاں خیران کو طلب کیا گیا۔ اور وہ دس اشخاص بھی بلائے گئے۔ خیران نے رقعوں کا مضمون کھول کر سنایا۔ اور کہا کہ امام محمد تقی نے مجھے اس امر پر مامور کیا تھا۔ اس پر بعض نے خیران سے کہا۔ کہ تمہارے ساتھ کوئی اور گواہ ہونا چاہیے۔ خیران نے کہا۔ کہ احمد بن محمد بن عیسیٰ گواہ ہے۔ جب احمد مذکور سے دریافت کیا گیا۔ تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ میں نے کچھ نہیں سنا۔ خیران نے مباہلہ کی دھمکی دی۔ تو کہہ دیا کہ میں نے یہ مضمون سنا ہے۔ کیا ایسی روایت سے امامت ثابت ہو سکتی ہے۔

امام علی نقی کا قول اس کتاب کے پہلے حصہ میں آچکا ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ علی نقی کی زندگی میں ۲۵۰ھ میں ابو الحسین یحییٰ بن عمر علوی نے کوفہ میں امامت کے دعویٰ کے ساتھ خروج کیا۔ اور کوفہ پر قابض ہو گیا۔ اسی سال حسن بن زید علوی (متوفی ۲۷۰ھ) نے طبرستان میں امامت کا دعویٰ کیا۔ اور طبرستان و جرجان پر متسلط ہو گیا۔ حسن مذکور کے بعد اس کے بھائی محمد بن زید نے امامت کا دعویٰ کیا۔ اور دیلم پر قابض ہو گیا۔ طبرستان میں حسن کے بعد حسن بن علی حسنی معروف بہ اطروش اور اس کے بیٹے نے پھر حسن بن قاسم حسنی نے امامت کا دعویٰ کیا۔ ۲۵۰ھ ہی میں احمد بن عیسیٰ علوی اور

ادریس بن موسیٰ علوی رے میں اور کرکی علوی یعنی حسن بن علی اسماعیل بن محمد بن عبداللہ بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب قزوین میں امامت کے مدعی ہوئے۔

امام حسن عسکری و امام محمد مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک حسن عسکری گیارہویں امام ہیں۔ ان کی زندگی میں ۲۵۶ھ میں ابن الصوفی علوی نے مصر میں اور علی بن زید علوی نے کوفہ میں امامت کے دعویٰ کے ساتھ خروج کیا۔ (کامل ابن اثیر)

حسن عسکری کے بعد حسب عقیدہ اثنا عشریہ ان کے بیٹے محمد بارہویں امام اور مہدی منتظر ہیں۔ مگر جعفریہ کہتے ہیں۔ کہ حسن عسکری کے بعد ان کے بھائی جعفر بن علی تقی امام ہیں۔ کیونکہ حسن عسکری کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی وجہ سے ان کی میراث جعفر مذکور کو ملی۔ اثنا عشریہ نے محمد مہدی کے جو حالات لکھے ہیں۔ ان سے جعفریہ کے قول کی تردید نہیں۔ بلکہ تائید ہوتی ہے۔

ہم ذیل میں ان حالات کو بطریق اختصار بیان کرتے ہیں۔

زیر بحث محمد مہدی کی والدہ کا نام بنا بر قول اصح نرجس بتایا جاتا ہے۔ جو یشوعا بن قیصر روم کی دختر اور شمعون حواری عیسیٰ کی نسل سے تھی۔ نرجس کا اصلی نام ملیکہ تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا مع ائمہ کرام ملیکہ کے خواب میں تشریف لانا۔ اور خواب ہی میں اس کو مسلمان کرنا اور امام حسن عسکری سے نکاح کر دینا۔ پھر امام حسن کا خواب میں ملیکہ کو بتانا کہ فلاں روز قیصر لشکر اسلام سے جنگ کرے گا۔ تو اپنے تئیں اسیران جنگ میں شامل کر دینا۔ یہ سب خواب پریشان کی باتیں ہیں۔ جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ اس طرح ملیکہ اسیر ہو کر بغداد پہنچتی ہے۔ اور اپنا نام نرجس رکھ لیتی ہے۔ جو کنیزوں کے لئے موزون ہے۔ امام نقی بشیر بن سلیمان کو سامرہ سے بھیجتے ہیں۔ وہ دو سو بیس اشرفی کی عوض ملیکہ کو خرید لاتا ہے۔ اور امام کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔ (حق الیقین و جنات الخلود۔)

سید محمد باقر موسوی محمد مہدی کی ولادت وغیرہ کی نسبت یوں لکھتا ہے۔

در کمال الدین از محمد بن عبداللہ مطہری روایت کردہ۔ کہ گفت۔ رفتم نزد حکیمہ خاتون بعد از وفات ابو محمد وازاو پرسیدم۔ حجت خدا امروز کیست و بیان کردم چیزے را کہ از اختلاف مردم بہم رسیدہ است۔ فرمود بنشین۔ چوں نشستم گفت۔ خدائے تعالیٰ ہرگز زمین خود را از حجت ناطق و صامت خالی نگزاشتہ و نمی گذارد و امامت بغیر از امام حسن و امام حسین علیہما السلام در دو برادر قرار نہ داز از برائے ہمیں کہ ظاہر شود کہ عدیلے و نظیرے از برائے ایشان نیست۔ کہ مثل ایشان باشد۔ بلکہ

اولاد حسین را بر اولاد حسن تفضیل داد چنانچہ اولاد ہارون را بر اولاد موسیٰ ترجیح داد۔ باوجود این کہ رعیت موسیٰ بود۔ وفضیلت امامت از برائے اولاد امام حسین است تا روز قیامت۔ و امت را بائید حیرتے دست دہد کہ سعید و شقی و نیک و بد در بوتۂ امتحان در آیند۔ دوران حیرت بائید نیک از بد امتیاز یابد۔ و بعد از وفات ابو محمد نیز ہمان حیرت واقع شدہ و این اختلافات دست دادہ۔ راوی گوئید کہ عرض کردم اے خاتون من از برائے امام حسن عسکری اولادے باقی ماندہ۔ پس تبسمے کردو گفت۔ اگر عقبیٰ از برائے او نباشد زمین خالی از حجتے خواہد بود۔ و بغیر از حسنین امامت در دو برادر قرار نگرفت۔ گفتم پس اے سیدۂ من شرح کن از برائے ما کیفیت و لادت مولائے مراد و طریق غائب شدن اورا۔ فرمود جاریہ داشتم کہ نام نرجس بود۔ روزے پسر برادرم ابو محمد بزیارت من آمد۔ وبسیار نگاھہائے خیرہ بنرجس نمود۔ گفتم اے آقائے من شائید میلے باد بہم رسانیدہ باشی بفرستم اورا از برائے تو۔ فرمود نہ اے عمہ تعجب دارم از بن کہ باید از شکم این جاریہ مولودے بیرون آئید۔ کہ زمین راپر از عدالت کند بعد ازانکہ از ظلم و جور پر شدہ باشد۔ گفتم پس بفرستم اورا۔ فرمود از پدرم ابو الحسن اذن بخواہ۔ پس رختہائے خود را پوشیدم۔ ورفتم بمنزل برادرم ابو الحسن وچون سلام و دادم و نشستم۔ ابتدا نمود آنحضرت بمن و فرمود نرجس را از برائے پسرم ابو محمد بہبر۔ گفتم از برائے ہمین آمدم کہ از تو اذن بخواہم۔ فرمود خوشابحال توکہ زن مبارکے ہستی ازما اہل بیت وخدائے تعالیٰ مقدر کردہ کہ ترا شریک کند درین نعمت عظمیٰ۔ حکیمہ گوئید۔ چون برگشتم بمنزل خود۔ نرجس را آرائیش کردم و درخانہ خود اورا بابو محمد دادم۔ و آنحضرت چند روز نزدمن ماندہ بعد ازان رفت بخانہ والد ماجدش نرجس را نیز فرستادم۔ وچند مدت ازین مقدمہ گذشت کہ ابو الحسن از دنیا رفت و ابو محمد بجائے او نشست و بہمان نسبت کہ اورازیارت مے کردم پس روزے رفتم بزیارت ابو محمد بروم وآں روز نزد او بودم۔ چون شب خواستم بروم۔ فرمود اے عمہ امشب نزد مابمان کہ دراین شب مولودے از مے متولد مے شود کہ قدرا و پیش خدا بسیار باشد و زمین مردہ را زندہ ساز د پرسیدم از کہ متولد مے شود۔ فرمود از نرجس۔ گفتم من در نرجس اثر حملے نمے بینم۔ فرمود ازین ہمیں نرجس نہ از دیگرے۔ پس جستم از جائے خود۔ ورفتم بنزد نرجس۔ و نہایت دقت و تامل در شکم و پشت او کردم۔ واصلا اثر حملے ندیدم۔ برگشتم و عرض کردم بابو محمد کہ اثر حملے در او ندیدم۔ آنحضرت خندید و فرمود۔ اول صبح اثر حمل ظاہر شود۔ وطفل متولد گردد چہ مثل او مثل مادر موسیٰ است کہ حمل او ظاہر نشد وہیچ کس ندانست کہ حاملہ است۔

تاعین زائیدن بعلت آنکہ فرعون شکم زنان حاملہ راے شگافت بجہت تفحص موسیٰ۔ واین فرزند من نظیر موسیٰ ے باشد۔ حکیمہ گوئید دران شب بخوابیدم۔ وانتظار کشیدم۔ تا ہنگام طلوع صبح و نرجس در پہلوئے من خوابیدہ بود۔ در کمال آرام۔ چون صبح شد جست از جادر نہایت فزع و خوف او را بسینہ خود چسپانیدم۔ و بسم اللہ گفتم۔ ناگاہ ابو محمد از اطاق دیگر صدا زد کہ سورہ انا نزلناہ فی لیلۃ القدر رابخوان۔ وبر او بدم۔ پس من انا انا انزلناہ ے خواندم۔ وبراوے دمیدم۔ پس پرسیدم تراچہ ے شود گفت آنچہ مولائے من خبرداد ظاہر شد و من انا انزلناہ ے خواندم۔ وآن طفل نیز در رحم بامن موافقت ے نمود در قراءت وسلام کرد برمن پس ترسیدم کہ ناگاہ صدائے ابو محمد رسید کہ اے عمہ مترس و تعجب مدار۔ از امر خدائے کہ حق تعالیٰ در طفولیت زبان مارا گویا بحکمت ے سازد و خدا در بزرگی حجت بر خلق مرامے گرداند۔ ہنوز سخن ابو محمد تمام نشدہ بود کہ دیدم نرجس از منظر من ناپیدا شدو گویا پردہ در پیش چشم من کشیدہ شد۔ پس برخاستم ودویدم رو بطاقیکہ ابو محمد بود کہ اورا خبر کنم وفریاد ے زدم۔ کہ نرجس را بروند کہ ناگاہ صدائے آنحضرت رسید کہ اے عمہ برگرد بجائے خود اضطراب مکن کہ اورا مے بینی۔ پس برگشتم و دقیقہ نگذشت کہ دیدم نرجس بر سرجائے خود نشستہ وچنان نورے باو احاطہ کردہ کہ چشم را خیرہ ے کند و مولائے خود صاحب الامر را دیدم کہ بسجدہ رفتہ وانگشتان سبابہ خود را روبآسمان کردہ ے گوئید۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً رسول اللّٰہ وان ابی امیر المومنین۔ ویک یک از ائمہ راشمرد تابخودش رسید گفت۔ اللّٰھم انجزلی وعدی واتمم لی امری وثبت وطاتی واملا الارض بی عدلا وقسطًا پس حضرت امام حسین فریاد زدکہ اے عمہ اورا بردار و بنزد من آر۔ پس اورا برداشتم و بردم۔ وہمیں کہ برابر پدرش رسید سلام کرد وآن حضرت از من گرفت ودیدم مرغان سفید۔ چند کہ بربالائے سرآں طفل بال ے زدند۔ پس بیکے از مرغان گفت بگیراین طفل راونزد خود نگاہ دار و بعد از چہل روز از برائے من بیار اورا و نیکو پرستاری و محافظت کن اورا۔ پس آن مرغ او راگرفت۔ و بآسمان پرواز نمود۔ وسائر مرغان از عقب او رفتند و ابو محمد ے گفت۔ استودعک الذی استودعتہ ام موسیٰ پس نرجس بگریہ در آمد۔ برادر زادہ ام گفت گریہ مکن و ساکت شو کہ شیر براو حرام است مگر از پستان تو وبتو بر خواہد گشت۔ چنانچہ موسیٰ بما درش برگشت چنانچہ در قرآن مجید فرمودہ فرددناہ الٰی امھاکی تقر عینھا ولا تحزن۔ حکیمہ گوئید پرسیدم آن مرغ چہ بود۔ فرمود روح القدس بود کہ مؤکل است بائمہ و

ایشان را تربیت مے کند بعلم و حکمت و متوجہ توفیق و تائید ایشان است۔ حکیمہ گوئید بعد از چہل روز پسر برادرم فرستادہ از عقب من۔ چون رفتم۔ دیدم طفلے در پیش روئے اوراہ میرود۔ عرض کردم کہ این دو سالہ مے نمائید۔ خندید و فرمود۔ اولاد انبیا و اوصیا ہر گاہ ائمہ شد ند بخلاف دیگر انند و طفل ماچون یک ماہہ مے شود۔
مثل یک سالہ دیگرانست۔ و مادر شکم مادر سخن مے گوئیم۔ و قرآن میخوانیم و عبادت پروردگار مے کنیم۔ و در شیر خوارگی ملائکہ فرمان بردار ماے باشند۔ و ہر صبح و ہر شام بر ما نازل مے شوند۔
(بحر الجواہر۔ مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۴۷۰۔ ۴۷۱)

ترجمہ: "کمال الدین میں محمد بن عبداللہ مطہری سے روایت ہے۔ کہ میں امام حسن عسکری کی وفات کے بعد حکیمہ خاتون کے پاس گیا۔ اور اس سے پوچھا کہ حجت خدا آج کون ہے۔ اور میں نے وہ اختلاف بیان کر دیا۔ جو لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ حکیمہ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب میں بیٹھ گیا۔ تو ارشاد فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنی زمین کو کبھی حجت ناطق و صامت سے خالی نہیں رکھا اور نہ رکھے گا۔ اور سوائے حسنین علیہما السلام کے دو بھائیوں میں امامت قرار نہیں دی تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کوئی ان کا عدیل و نظیر نہیں۔ جو ان کی مثل ہو۔ بلکہ اولاد حسین کو اولاد حسن پر فضیلت دی۔ جیسا کہ اولاد ہارون کو اولاد موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دی۔ باوجودیکہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی رعیت تھے۔ اور امامت کی فضیلت روز قیامت تک امام حسین علیہ السلام کی اولاد کے لئے ہے۔ امت کو حیرت ہونی چاہئے کہ سعید و شقی اور نیک و بد امتحان کی کٹھالی میں ہیں۔ اور اس حیرت میں نیک و بد میں امتیاز ہو جائے۔ امام حسن عسکری کی وفات کے بعد بھی وہی حیرت وقوع میں آئی۔ اور یہ اختلافات پیدا ہو گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی۔ اے میری خاتون کیا حسن عسکری سے کوئی اولاد باقی ہے۔ حکیمہ نے بحالت تبسم فرمایا۔ کہ اگر ان کے ہاں اولاد نہ ہو۔ تو زمین حجت سے خالی ہو گی۔ اور سوائے حسنین کے دو بھائیوں میں امامت قرار نہیں پائی۔ میں نے عرض کی۔ اے میری سردار تب مجھ سے میرے آقا کی ولادت اور ان کے غائب ہونے کی کیفیت بالتفصیل بیان فرما دے۔ یہ سن کر حکیمہ نے فرمایا۔ کہ میرے ہاں ایک کنیز تھی جس کا نام نرجس تھا۔ ایک دن میرا بھتیجا امام حسن عسکری مجھ سے ملنے آیا۔ اس نے نرجس کی طرف بہت حیرت کی نگاہیں کیں۔ میں نے عرض کی۔ اے میرے آقا شائید نرجس کی طرف آپ کا میلان ہو گیا

ہے۔ کیا میں اسے آپ کے لئے بھیج دوں فرمایا۔ نہ اے پھوپھی! مجھے تعجب ہے۔ کہ اس کنیز کے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا ہو گا۔ جو اس زمین کو ظلم و جور سے پر ہونے کے بعد عدل سے پر کر دے گا۔ میں نے عرض کی۔ تو کیا میں اسے بھیج دوں۔ فرمایا کہ میرے باپ امام نقی سے اجازت طلب کیجئے۔ لہٰذا میں اپنے کپڑے پہن کر اپنے بھائی امام نقی کے ہاں پہنچی۔ جب میں سلام کر کے بیٹھ گئی۔ تو حضرت نے مجھ سے کلام شروع کیا۔ اور فرمایا کہ نرجس کو میرے بیٹے حسن عسکری کے واسطے لے جاؤ۔ میں نے عرض کی۔ کہ میں اسی مطلب کے لئے آئی ہوں کہ آپ سے اجازت لے لوں فرمایا۔ تیرا حال بہت اچھا ہے۔ تو ہم اہل بیت میں سے مبارک عورت ہے۔اور خدا تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے۔ کہ تجھے اس نعمت عظمیٰ میں شریک کرے۔ حکیمہ کا بیان ہے۔ کہ جب میں اپنے گھر واپس آئی۔ تو میں نے نرجس کو آراستہ کیا۔ اور اپنے گھر میں اسے حسن عسکری کے حوالہ کر دیا۔ حضرت چند روز میرے پاس رہے۔ بعد ازاں اپنے والد کے گھر تشریف لے گئے۔ میں نے نرجس کو بھی بھیج دیا۔ اس کے بعد تھوڑا عرصہ گزرا کہ امام نقی نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ اور حسن عسکری ان کے جانشین ہوئے۔ میں جس طرح امام نقی کی زیارت کیا کرتی تھی۔ اسی طرح حسن عسکری کی زیارت کو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک روز میں آپ کی زیارت کو گئی۔ اور سارا دن آپ کی خدمت میں رہی۔ جب شام کو واپس آنے لگی۔ تو آپ نے فرمایا۔ پھوپھی! آج کی رات ہمارے پاس رہو۔ کیونکہ اس رات میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا۔ جس کی قدر خدا کے نزدیک بہت ہو گی۔ وہ مردہ زمین کو زندہ کر دے گا۔ میں نے پوچھا۔ کہ کس سے پیدا ہو گا۔ فرمایا۔ نرجس سے۔ میں نے عرض کی کہ میں نرجس میں حمل کی کوئی علامت نہیں پاتی۔ فرمایا اسی نرجس سے نہ کسی اور سے۔ پس میں اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ اور نرجس کے پاس گئی۔ اور اس کے پیٹ اور پیٹھ میں نہایت غور و تامل کیا۔ مگر حمل کی کوئی علامت بالکل نہ پائی۔ میں نے لوٹ کر عرض کی۔ اے حسن میں نے اس میں حمل کا کوئی نشان نہیں پایا۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا۔ کہ علی الصباح حمل کا نشان ظاہر ہو جائے گا۔ اور لڑکا پیدا ہو گا۔ کیونکہ نرجس کا حال موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی مانند ہے۔ جس کا حمل ظاہر نہ ہوا۔ اور کسی نے تولد کے وقت تک نہ جانا کہ حاملہ ہے۔ اس لئے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑتا تھا۔ میرا یہ لڑکا موسیٰ علیہ السلام کی مثل ہو گا۔ حکیمہ کا بیان ہے۔ میں اس رات نہ سوئی۔ اور طلوع صبح تک

انتظار کرتی رہی۔ اور نرجس نہایت آرام سے میرے پہلو میں سوئی ہوئی تھی۔ جب صبح ہوئی۔ تو نرجس نہایت خوف اور ڈر سے چونک اٹھی۔ میں نے اس کو اپنے سینہ سے لگالیا۔ اور بسم اللہ پڑھی۔ کہ اتنے میں اچانک حسن نے دوسرے کمرے سے آواز دی۔ کہ سورہ قدر پڑھ کر اسے دم کر دو۔ پس میں سورہ قدر پڑھ کر اسے دم کرتی تھی۔ میں نے نرجس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوتا ہے۔ وہ بولی کہ جو کچھ میرے آقا نے خبر دی تھی وہ ظاہر ہو گیا۔ اور میں سورہ قدر پڑھ رہی تھی۔ اور وہ لڑکا بھی ماں کے رحم میں میرے ساتھ وہی سورت پڑھ رہا تھا۔ اس لڑکے نے مجھے سلام کیا۔ میں ڈر گئی۔ اچانک حسن عسکری کی آواز آئی۔ کہ اے پھوپھی! ڈر مت۔ اور امر الٰہی سے تعجب نہ کر کہ خدا تعالیٰ بچپن میں ہماری زبان کو حکمت کے ساتھ گویا کر دیتا ہے۔ اور بزرگی میں اپنی مخلوقات پر حجت بنا دیتا ہے۔ ابھی حسن کا کلام تمام نہ ہوا تھا۔ کہ میں نے دیکھا کہ نرجس میری نظر سے غائب ہو گئی۔ گویا میری آنکھ کے سامنے پردہ گرا دیا گیا۔ میں اٹھ کر اس کمرے کی طرف دوڑی جس میں حسن عسکری تھے۔ تاکہ ان کو خبر دوں۔ میں فریاد کرتی تھی۔ کہ نرجس کو لے گئے۔ ناگاہ حضرت کی آواز آئی۔ کہ اے پھوپھی اپنی جگہ پر واپس جا۔ اور گھبرا مت۔ تو اسے موجود پائے گی۔ میں واپس آئی اور ایک دقیقہ نہ گزرا۔ کہ میں نے دیکھا کہ نرجس اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اور اسے ایسے نور نے گھیرا ہوا ہے۔ کہ جس سے آنکھ چندھیا جاتی ہے۔ اور میں نے اپنے آقا (محمد مہدی) کو دیکھا۔ کہ سجدے میں گرے ہوئے ہیں۔ اور سبابہ انگلیوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر یہ پڑھ رہے ہیں۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان محمد رسول اللّٰہ۔ اور کہہ رہے ہیں کہ میرا باپ امیر المومنین ہے۔ اور ائمہ میں سے ایک ایک کا نام لے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اپنا نام آتا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے۔ وہ پورا کر دے۔ اور میرے امر کو پورا کر دے۔ اور میرا قدم ثابت رکھ۔ اور میرے ذریعے زمین کو عدل و انصاف سے پر کر دے۔ پس امام حسن نے چلا کر فرمایا۔ کہ اے پھوپھی! اسے میرے پاس اٹھالا۔ میں اس کو اٹھا کر لے گئی۔ اس نے اپنے والد کے پاس پہنچتے ہی سلام کیا۔ حضرت نے اس کو مجھ سے لے لیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ چند سفید پرندے اس لڑکے کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ حضرت نے ان میں سے ایک پرندے سے فرمایا۔ کہ اس لڑکے کو لو۔ اور اپنے پاس رکھو۔ اور چالیس دن کے بعد میرے پاس لاؤ۔ اس کی خدمت و حفاظت اچھی طرح کرو۔ وہ پرندہ اس

لڑکے کو لے کر آسمان کی طرف اڑ گیا۔ باقی پرندے اس کے پیچھے چلے گئے۔ اور امام عسکری یہ فرمارہے تھے۔ کہ میں تجھ کو اس ذات کے سپرد کرتا ہوں۔ جس کے سپرد موسیٰ کو موسیٰ کی ماں نے کیا تھا۔ یہ دیکھ کر نرجس رونے لگی۔ میرے بھتیجے نے کہا۔ رومت چپ رہ۔ کیونکہ بچہ تیرے پستان کے اور دودھ اس پر حرام ہے۔ وہ تیرے پاس آجائے گا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پاس آگئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "پس ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف واپس کر دیا۔ تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے۔ اور غم نہ کرے۔" حکیمہ کا قول ہے۔ کہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ وہ پرندہ کیا تھا۔ فرمایا۔ روح القدس تھا۔ جو اماموں پر موکل ہے۔ اور علم و حکمت سے ان کی تربیت کرتا ہے۔ اور ان کی تائید و توفیق کی طرف متوجہ ہے۔ حکیمہ کا بیان ہے۔ کہ چالیس روز کے بعد میرے بھتیجے نے مجھے بلا بھیجا۔ جب میں گئی۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ ایک لڑکا حضرت کے آگے پاؤں چلتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ کہ یہ دو سال کا معلوم ہوتا ہے ہنس کر فرمایا۔ کہ انبیاء اور اوصیا کی اولاد جب امام ہوتی ہے۔ تو دوسروں کے خلاف ہوتی ہے۔ ہمارا بچہ جب ایک مہینہ کا ہوتا ہے۔ تو دوسروں کے یکسالہ بچے کی مانند ہوتا ہے۔ ہم ماں کے پیٹ میں بات کرتے ہیں۔ اور قرآن پڑھتے ہیں۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں۔ اور شیر خوارگی میں فرشتے ہمارے فرماں بردار ہوتے ہیں۔ اور ہر صبح و شام ہم پر نازل ہوتے ہیں۔ (انتہیٰ)

ناظرین غور فرمائیں۔ کہ ظالموں نے کس طرح قرآنی قصہ کی مدد سے یہ سارا افسانہ گھڑا ہے۔ محمد مہدی کی پیدائش ۲۵۶ھ میں یا ایک سا قبل بیان کی جاتی ہے۔ امام حسن عسکری (متوفی ۲۶۰ ہجری) کی وفات خلیفہ وقت کی طرف سے جو کارروائی عمل میں آئی وہ اصول کافی میں بروایت احمد بن عبیداللہ بن خاقان جو خلیفہ معتمد عباسی کا وزیر مال تھا۔ یوں مذکور ہے۔

ولقد ورد علی السلطان واصحابه فی وقت وفاة الحسن بن علی ما تعجبت منه وما ظننت انه یکون وذلک انه لما اعتل بعث الی ابی ان ابن الرضا قد اعتل فرکب من ساعته فبادر الی دار الخلافة ثم رجع مستعجلا ومعه خمسة من خدم امیر المومنین کلهم من ثقاته وخاصته فیهم نحریر فامرهم بلزوم دار الحسن وتعرف خبره وحاله وبعث الی نفر من المتصببین فامرهم بالاختلاف الیه وتعاهده صباحا ومساء فلما کان

بعد ذلک بیومین او ثلاثة اخبر انه قد ضعف فامر المتصببین بلزوم داره وبعث الی قاضی القضاة فاحضره مجلسه وامرهٗ ان یختار من اصحابه عشرة ممن یوثق به فی دینه وامانته وورعه فاحضرهم فبعث بهم الی دار الحسن وامرهم بلزومه لیلا ونهارا فلم یزالوا هناک حتی توفی علیه السلام فصارت سرمن رای ضجة واحدة وبعث السلطان الٰی داره من فتشها وفتش حجرها وختم علی جمیع مافیها وطلبوا اثر ولده وجاءوا بنساء یعرفن الحمل فدخلن علی جواریه ینظرن الیهن فذکر بعضهن ان هناک جاریة بها حبل فجعلت فی حجرة ووکل بها نحریرا الخادم واصحابه ونسوة معهم ثم اخذ وبعد ذلک فی تهیئته وعطلت الاسواق ورکبت بنوها شم والقواد وابی وسائر الناس الٰی جنازته فکانت سرمن رای یومئذ شبیهابا لقیمٰة فلما فرغوا من تهیئته بعث السلطان الی ابی عیسٰی بن المتوکل فامره بالصلٰوة علیه فلما وضعت الجنازة للصلٰوة علیه دنا ابو عیسٰی منه فکشف عن وجهه فعرضه علٰی بنی هاشم من العلویة والعباسیة والقواد والکتاب والقضاة والمعدلین وقال هذا الحسن بن علی بن محمد بن الرضا مات حتف انفه علی فراشه حضرهٗ من حضره من خدم امیر المؤمنین وثقاته فلان وفلان ومن القضاة فلان وفلان ومن المتصببین فلان و فلان ثم غطی وجهه وامر بجمله فحمل من وسط داره ودفن البیت الذی دفن فیه ابوه فلما دفن طلب اخذ السلطان والناس فی طب ولده وکثروا التفتیش فی المنازل والدور وتوقفوا عن قسمة میراثه ولم یزل الذین وکلوا بحفظ الجاریة التی توهم علیها الحمل لا زمین حتی تبین بطلان الحمل عنهن فلما بطل الحمل عنهن قسم میراثه بین امه واخیه جعفر وادعت امه وصیته وثبت ذلک عند القاضی۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۳۲۵)

ترجمہ: "بے شک تحقیق خلیفہ معتمد علی اللہ اور اس کے یاروں پر امام حسن بن علی کی وفات کے بعد ایک واقعہ وقوع میں آیا۔ کہ جس سے میں نے تعجب کیا۔ مجھے گمان نہ تھا۔ کہ

واقعہ وقوع میں آئے گا۔ وہ یہ ہے کہ جب امام حسن بن علی بیمار ہوئے۔ تو بادشاہ نے میرے باپ عبیداللہ وزیر کو بلا بھیجا۔ کہ ابن الرضاء (حسن عسکری) بیشک بیمار ہو گئے۔ پس میرا باپ اسی وقت سوار ہو کر جلدی خلیفہ کے گھر پہنچا۔ اور پھر جلدی واپس آیا۔ اور اس کے ساتھ امیر المومنین معتمد علی اللہ کے پانچ نوکر تھے۔ جو اس کے ثقات و خواص میں سے تھے۔ ان پانچ میں نحریر بھی تھا۔ میرے باپ نے ان کو حکم دیا۔ کہ حسن عسکری کے گھر کے دروازے پر حاضر رہو۔ اور اس کی خبر رکھو۔ اور اس کا حال دریافت کرتے رہو۔ اور طبیبان حاذق کی ایک جماعت کو بلوا کر حکم دیا۔ کہ حسن عسکری کے پاس آمد و رفت رکھو۔ اور صبح و شام ان کی خبر لیتے رہو۔ جب اس پر دو تین روز گذر گئے۔ تو میرے باپ کو خبر کر دی گئی۔ کہ حسن کمزور ہو گئے ہیں۔ پس آپ نے ان طبیبوں کو حکم دیا۔ کہ حسن کے گھر کے دروازے پر حاضر رہو۔ اور قاضی القضاۃ کو بلا بھیجا۔ اور اس کو اپنی مجلس میں حاضر کر کے حکم دیا۔ کہ تم اپنے یاروں میں سے ایسے دس شخص انتخاب کر لو۔ جن کی دیانت و امانت و پرہیزگاری پر لوگوں کو اعتماد ہو۔ قاضی نے ایسے اشخاص کو حاضر کیا۔ میرے باپ نے قاضی کو ان کے ساتھ حسن عسکری کے گھر کی طرف بھیجا۔ اور حکم دیا کہ رات دن ان کے پاس حاضر رہو۔ وہ وہیں حاضر رہے۔ یہاں تک کہ حسن عسکری علیہ السلام نے وفات پائی۔ اور سر من رای نالہ وفغان بن گیا۔ خلیفہ معتمد نے امام موصوف کے گھر میں ایک جماعت کو بھیجا۔ جنہوں نے گھر کی اور گھر کے حجروں کی تلاشی لی۔ اور جو کچھ گھر میں تھا اس پر مہر لگا دی۔ اور حسن کے لڑکے کے لئے جستجو کی۔ اور وہ عورتیں بلائی گئیں۔ جو حمل کی شناخت کر سکتی تھیں۔ وہ امام کی کنیزوں پر داخل ہوئیں۔ اور انہیں دیکھتی تھیں۔ بعض عورتوں نے ذکر کیا کہ یہاں ایک کنیز ہے۔ جس کو حمل ہے۔ وہ کنیز حجرے میں کر دی گئی۔ اور اس پر نحریر خادم اور اس کے ساتھی عورتیں مقرر کر دی گئیں۔ بعد ازاں غسل و کفن کی تیاری کی گئی۔ اور بازار بند ہو گئے۔ اور بنو ہاشم اور سردار اور میرا باپ اور باقی لوگ جنازے کے لئے سوار ہو گئے۔ اور روز سامرہ قیامت کی مانند ہو گیا۔ جب امام کے غسل و کفن سے فارغ ہوئے۔ تو خلیفہ نے ابو عیسیٰ بن متوکل کو بلوا کر حکم دیا۔ کہ نماز جنازہ پڑھاؤ۔ جب نماز کے لئے جنازہ (صحن میں) رکھا گیا۔ تو ابو عیسیٰ اس کے قریب ہوئے۔ اور امام کا منہ کھول کر بنو ہاشم یعنی اولاد علی و اولاد عباس اور سرداروں اور محرروں اور قاضیوں اور مسلم العدالت لوگوں کو دکھایا۔ اور کہا۔ کہ یہ حسن بن علی بن محمد بن

رضا ہیں۔ جو اپنی طبعی موت سے اپنے بستر پر مرے ہیں۔ موت کے وقت آپ کے پاس امیر المومنین کے خدام و ثقات میں سے فلاں فلاں اور قاضیوں میں سے فلاں فلاں اور طبیبان حاذق میں سے فلاں فلاں حاضر تھے بعد ازاں آپ کا منہ ڈھانپ دیا۔ اور جنازے کے اٹھائے جانے کا حکم دیا۔ پس گھر کے صحن سے اٹھایا گیا۔ اور اس گھر میں دفن کئے گئے۔ جس میں ان کے والد مدفون تھے۔ جب دفن ہو چکے۔ تو خلیفہ اور لوگ حسن کے بیٹے کے لئے جستجو کرنے لگے۔ اور کنیزوں کے مکانوں اور لوگوں کے گھروں کی خوب تلاشی لی۔ اور امام کی میراث کے تقسیم کرنے میں توقف کیا۔ وہ لوگ جن کے سپرد اس کنیز کی نگہبانی تھی۔ جس پر حمل کا وہم تھا۔ برابر حاضر رہے۔ یہاں تک کہ ظاہر ہو گیا۔ کہ حمل نہیں ہے۔ جب امام کی کنیزوں سے حمل کا خیال باطل ہو گیا۔ تو امام کی میراث ان کی والدہ اور ان کے بھائی جعفر میں تقسیم کی گئی۔ اور ان کی ماں نے جعفر کے وصی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور وہ قاضی کے نزدیک ثابت ہو گیا"۔ (انتہے)

مندرجہ بالا سرکاری رپورٹ اثنا عشری قلم سے لکھی ہوئی ہمارے پاس موجود ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ یہ ساری تلاشی بغرض دریافت وارث حقیقی تھی۔ مگر اثنا عشریہ کا خیال ہے۔ کہ خلیفہ امام قائم کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ امام قائم پیدائش ہی کے وقت سے جان کے خوف سے غائب تھے۔ ان کی غیبت دو طرح کی بتاتے ہیں۔ ایک صغریٰ دوسری کبریٰ۔ صغریٰ ۷۴ سال ہے۔ جس میں سے پانچ سال اپنے والد کے ساتھ اور ۶۹ سال بعد میں رہے۔ اس عرصہ میں امام موصوف سفیروں کے ذریعے نذر و نیاز لیتے اور اپنے شیعوں کی درخواستوں اور سوالات کا جواب دیتے رہے۔ اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہوئی۔ جواب تک جاری ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کب تک رہے۔ (بحرالجواہر)

شیعہ کے ائمہ نے امام قائم کے ظہور و خروج کے وقت کے متعلق عجیب گل افشانی کی ہے۔ جو روایات ذیل سے ظاہر ہے۔

۱۔ اصبغ بن نباتہ حضرت امیر علیہ السلام سے سوال کرتا ہے۔ کہ کم یکون الغیبة والحیرة یعنی امام غائب کی غیبت اور لوگوں کی حیرت کتنی مدت ہو گی۔ حضرت امیر جواب میں فرماتے ہیں۔ ستة ایام او ستة اشهر اوست سنین یعنی چھ دن یا چھ مہینے یا چھ سال (اصول کافی۔ باب الغیبۃ۔ صفحہ ۲۱۱) امام غائب کی غیبت کو اس وقت قریباً گیارہ سو سال گذر چکے ہیں۔ مگر امام موصوف اب تک ظاہر نہیں ہوئے۔

۲۔ عن ابی حمزة الثمالی قال سمعت ابا جعفر یقول یا ثابت ان اللّٰه

تبارک و تعالٰی قد کان وقت ھٰذا الا مرفی السبعین فلما ان قتل الحسین صلوات اللّٰہ علیہ اشد غضب اللّٰہ علٰی اھل الارض فاخرہ الٰی اربعین ومائۃ فحدثنا کم فاذعتم الحدیث فکشفتم قناع الستر ولم یجعل اللّٰہ بعد ذٰلک وقتاعندنا ویمحو اللّٰہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب قال ابو حمزہ فحدثت بذٰلک ابا عبداللّٰہ علیہ السلام فقال قد کان ذٰلک۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۲۳۲)

ترجمہ: " ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو سنا کہ فرماتے ہیں۔ اے ثابت اللہ تبارک و تعالٰی نے اس امر (ظہور مہدی) کا وقت ۷۰ ہجری معین کیا تھا۔ جب امام حسین صلوات اللہ علیہ شہید ہوئے۔ تو خدا کا غضب اہل زمین پر سخت ہو گیا۔ پس اسے ۱۴۰ ہجری تک مؤخیر کر دیا۔ ہم نے تمہیں سے بتا دیا۔ مگر تم نے ہماری حکایت کو فاش کر دیا۔ اور ہمارے ستر کے پردے کو پھاڑ دیا۔ اس کے بعد خدا نے ہمارے نزدیک کوئی وقت معین نہیں کیا۔ خدا مٹاتا ہے۔ جو چاہتا ہے۔ اور ثابت رکھتا ہے۔ (جو چاہتا ہے) اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔ ابو حمزہ کا قول ہے۔ کہ میں نے اس حدیث کی حکایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ بے شک ایسا ہی تھا۔ " (انتہیٰ)

اصول کافی میں باب کراہیتہ التوقیت کے تحت یہ پہلی روایت ہے۔

ملا خلیل صافی میں لکھتا ہے۔ کہ این جامراد توقیت دعویٰ علم است بوقت ظہور مہدی موعود پیش از آنکہ ظاہر شود۔

اور عنوان باب کا ترجمہ یوں کرتا ہے۔

این باب بیان نہی اللہ تعالٰی است از تعیین وقت ظہور مہدی موعود۔

مگر اس روایت کی شرح میں یوں رقمطراز ہے۔ مخفی نماند کہ امثال این حدیث از قبیل استعارہ تمثیلیہ است کہ شائع است در قرآن و احادیث۔ مراد آنست کہ وقت ظہور دولت آل محمد ﷺ معلوم نانیست۔ این قدر معلوم است کہ اگر قتل امام حسین علیہ السلام نمے بود۔ در سال ہفتادم ہجری مے شد۔ و گر فاش کردن شیعہ اسرار مارا بحیثیتے کہ بائمہ ضلالت و پیروان ایشان رسد نمے بود درسال صد و چہل مے شد۔ پس مراد بحدیث۔ فحدثنا کم فاذعتم الحدیث بیان توقیت نیست بلکہ اسرار دیگر است مثل بیان شرک ائمہ ضلالت و شرک ہر کہ بردش ایشان مے رود۔ (انتہیٰ)

ملا خلیل کا اس حدیث کو از قبیل استعارہ۔ تمثیلیہ قرار دینا درست نہیں۔ کیونکہ اس طرح اس حدیث و عنوان باب میں مطابقت نہیں رہتی۔ لہٰذا حدیث میں ھٰذا الامر مراد ظہور مہدی ہی ہے۔ جب خدا نے

ظہور مہدی کے لئے ۷۰ ہجری معین کیا ہوا تھا۔ تو مولد مہدی کے لئے اس سے بھی پہلے کوئی وقت معین کیا ہو گا۔ پھر بر مسلک شیعہ خدا کو بداء ہو گیا ہو گا۔۔ تعالٰی اللّٰہ عن ذٰلک علوا کبیرا

۳۔ از حضرت صادق مروی است کہ فاصلہ درمیان قتل نفس زکیہ و خروج قائم بیش از پانزدہ روز نباشد (بحر الجواہر۔ صفحہ ۴۶۳)

ترجمہ حضرت صادق سے مروی ہے کہ نفس زکیہ کے قتل ہونے اور امام قائم کے خروج کے درمیان پندرہ دن سے زیادہ فاصلہ نہ ہو گا۔ (انتہٰی)

نفس زکیہ یعنی محمد ﷺ بن عبداللہ محض بن حسن مثنے یوم دو شنبہ ۱۴ رمضان ۱۴۵ ہجری کو شہید ہوئے تھے۔ مگر امام قائم اب تک غائب ہیں۔

اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ صاحب الزمان خوف کے مارے غائب ہیں۔ چنانچہ جب امام جعفر صادق سے غائب ہونے کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو آپ نے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ انہ یخاف۔ یعنی ان کو خوف ہے۔ زرارہ نے امام کے اشارے کی تفسیر قتل سے کی ہے۔ (اصول کافی ۔ صفحہ ۲۱۱)

بر تقدیر صحت روائیت و تفسیر زرارہ خوف قتل امام کے غائب ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ حسب عقیدہ شیعہ ائمہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔ ان کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ علم ما کان وما یکون رکھتے ہیں۔

چنانچہ اصول کافی میں ایک باب کا عنوان یہ ہے۔ **ان الائمة یعلمون متی یموتون وانهم لا یموتون الا باختیار منهم** (ائمہ جانتے ہیں کہ وہ کب مریں گے اور وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔)

دوسرے باب کا عنوان یوں ہے۔ **ان الائمة یعلمون علم ما کان وما یکون وانه لا یخفی علیهم شیئ** (اماموں کو علم ما کان وما یکون ہوتا ہے۔ اور ان پر کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہوتی۔) پس جب صاحب الزمان کی موت ان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اور ان کو یقیناً معلوم ہے۔ کہ میں حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے نزول تک زندہ رہوں گا۔ دجال کے ساتھ مقاتلہ کروں گا۔ اور اپنے اور اپنے اسلاف کے دشمنوں سے انتقام واجبی لوں گا۔ اور مالک شرق و غرب بن جاؤں گا۔ بعد ازاں اپنی آئی موت مروں گا۔ تو ان کو قتل کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص اس وقت کہ دینی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور صاحب الزمان جانتے ہیں۔ کہ ایران و عراق و ہندوستان وغیرہ میں میرے مشتاق کثرت سے ہیں۔ جن کے پاس کافی سامان جنگ بھی موجود ہے۔ بایں ہمہ آپکا ظہور نہ فرمانا بحث طلب ہے۔ اگر کہا جائے کہ ان کو قتل کا تو وہم نہیں۔ مگر ایذاء بدنی کا خطرہ ہے۔ تو یہ خطرہ بھی غائب ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ آئمہ اور لوگوں سے افضل ہیں۔ ان کی عبادت بھی اعلیٰ واتم ہے۔ لہٰذا یہ بعید از عقل ہے۔ کہ وہ راہ خدا میں اذیت و مشقت اٹھانے سے گریز کریں۔ اور اس طرح مجاہدہ و مشقت کے اجر جزیل سے محروم رہیں۔ شیعہ اپنے امام غائب علیہ السلام کا نہایت بے قراری سے انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں یوں لکھتا ہے۔

ثم وصلت الی مدینة الحلة وھی مستطیلة مع الفرات واھلھا کلھم امامیة اثنا عشریه وبھا مسجد علی بابه ستر حریر یقولون ان محمد بن الحسن العسکری دخل ھٰذا المسجد وغاب فیه وھو عندھم الامام المھدی المنتظر فیھم کل یوم یلبسن آلة الحرب مائة منھم ویاتون باب المسجد ومعھم دابة مسرجة ملجمة ومعھم الطبول والبوقات ویقولون اخرج یا صاحب الزمان فقد کثر الظلم والفساد وھٰذا اوان خروجک لیفرق اللّٰه بک بین الحق والباطل ویقفون الی اللیل ثم یعودون کذالک دأبھم ابداً (نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار للشیخ الشبلنجی الشبلخی۔ صفحہ ۱۵۲)

ترجمہ: "بعد ازاں میں شہر حلہ میں پہنچا جو دریائے فرات کے ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ اس شہر کے باشندے سب کے سب اثنا عشریہ ہیں۔ یہاں ایک مسجد ہے۔ جس کے دروازے پر ریشم کا پردہ ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ محمد بن حسن عسکری اس مسجد میں داخل ہوئے۔ اور غائب ہو گئے۔ محمد مذکور ان کے نزدیک امام مہدی منتظر ہیں۔ ان میں سے ایک سو آدمی ہر روز لڑائی کے ہتھیار لگا کر مسجد کے دروازے پر آتے ہیں۔ ان کے ساتھ زین و لگام سے آراستہ ایک گھوڑا ہوتا ہے۔ اور ڈھول و ترم ہوتے ہیں۔ وہ یوں پکارتے ہیں۔ اے صاحب زمان ظلم و فساد بکثرت ہو گیا ہے۔ یہ آپ کے خروج کا وقت ہے۔ تاکہ خدا آپ کے ذریعے حق و باطل میں فرق کر دے۔ وہ رات تک ٹھہرتے ہیں۔ پھر چلے جاتے ہیں۔ ہمیشہ ان کی یہی عادت ہے۔

یہی مضمون مقدمہ ابن خلدون میں بھی مذکور ہے۔

حسب عقیدہ اثنا عشریہ جب صاحب الزمان مکہ میں ظہور فرمائیں گے۔ تو ان کے پاس ۱۷ہزار آئتوں والا اصلی قرآن حضرت امیر علیہ السلام کا جمع کیا ہوا موجود ہو گا۔ علاوہ اس کے دیگر کتب سماویہ و مواریث انبیاء۔ مصحف فاطمہ و جامعہ۔ جفر اکبر و جفر اصغر اور جفر احمد اور رجسٹر شیعہ ہو گا۔ صندوق جفر احمر میں رسول اللہ ﷺ کا سلاح ہو گا۔ جسے امام صاحب خونریزی کے لئے کھولیں گے۔ مکہ سے مدینہ پہنچ کر جو قیامت برپا کریں گے۔ اور رجعت میں جو ستم ڈھائیں گے وہ اس کتاب کے حصہ اول میں بطریق اختصار مذکور ہو چکا ہے۔ ہم یہاں اس کا اعادہ گوارہ نہیں کر سکتے۔

امام غائب علیہ السلام کی غیبت کو اس وقت قریباً گیارہ سو برس ہو چکے ہیں۔ اس عرصہ دراز میں اطراف عالم میں آپ کی اولاد بھی بکثرت ہو گی۔ (جنات الخلود)

سید محمد باقر موسوی یوں لکھتا ہے۔

در کتاب نزہتہ الناظر مسطور است کہ امروز مکان حضرت صاحب در جزیرہ از جزائر مغرب است۔ کہ آن را عقلمیہ خوانند و ہریک از اولاد ذکور آنحضرت کہ طاہر و قاسم و ہاشم و ابراہیم و

عبدالرحمٰن سلام اللہ علیہم باشند در جزیرہ ازاں جزائر حاکم اندو نام آن جزائر این است۔ ناعمہ۔ مبارکہ۔ صالحیہ۔ خضریہ۔ بیضاویہ نوریہ و مسکن آنحضرت در جزیرہ ایست کہ آن راکاملیہ گویندہ زوجہ آنحضرت از دختران ابو لیث است (بحرالجواہر صفحہ ۴۵۶)

ترجمہ: "کتاب نزہتہ الناظر میں لکھا ہے۔ کہ آج کل حضرت صاحب کا مکان مغرب کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں ہے۔ کہ جس کو علقمیہ کہتے ہیں۔ اور حضرت کے صاحبزادوں طاہر' قاسم' ہاشم' ابراہیم' عبدالرحمٰن' سلام اللہ علیہم میں سے ہر ایک ان جزائر میں سے ایک جزیرہ میں حاکم ہے۔ اور ان جزیروں کے نام یہ ہیں۔ ناعمہ۔ مبارکہ' صالحیہ' خضریہ بیضاویہ نوریہ' اور حضرت کا مسکن ایک جزیرے میں ہے۔ جس کو کاملیہ کہتے ہیں۔ اور حضرت کی بیوی ابو لیث کی لڑکیوں میں سے ہے۔ (انتہی)

یہ جزائر کسی کتاب جغرافیہ میں مذکو نہیں۔ غور کیجئے۔ امام موہوم۔ امام کا مسکن موہوم۔ اولاد کے قلم رو موہوم۔ اسی طرح اثنا عشریہ کا امام گم۔ قرآن گم۔ مذہب گم۔ ہدایت گم۔

ناظرین نے اوراق سابقہ میں دیکھ لیا۔ کہ شیعہ نے بارہ اماموں کو کس طرح ذلیل کیا ہے۔ کسی کی عمر بھر نافرمانی کرتے رہے۔ اور آخر کار شہید کر دیا۔ کسی کو مذل المومنین کا خطاب عطا کیا۔ کسی کو دغا سے اپنے ہاں بلا کر قتل کر ڈالا۔ کسی کے منہ سے یزید جیسے فاسق کی غلامی کا اقرار کرا دیا۔ کئی ایک کی طرف ایسے حیا سوز اور گندے مسائل منسوب کر دیئے۔ کہ العیاذ باللہ۔ کسی کے نسب میں بٹہ لگا کر ناٹک کا تماشا دکھا دیا۔ کسی کی امامت کا خاکہ اڑا دیا۔ کسی کے حرم سرا کی تلاشی کا قصہ گھڑ لیا۔ اور ایک موہوم بچہ کو اس سے منسوب کر کے امام غائب بنا دیا۔ اور اس بچہ کے لئے موہوم مسکن اور موہوم اولاد قرار دی۔ طرفہ یہ کہ بقول اثنا عشریہ یہ بارہ کے بارہ ہی اپنے دین کو چھپاتے اور جھوٹ بولتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ بیچارے خود شاکی ہیں۔ کہ ہمارے شیعہ ہم پر جھوٹ تھوپنے والے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں بیان ہوا۔ ان بارہ کے سوا اہل بیت میں سے اگر کسی اور نے امامت کا دعویٰ کیا۔ یا بارہ میں سے کسی ایک کی امامت کا انکار کیا۔ تو اسے روسیاہ جہنمی بتایا گیا۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ۔ محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے یحییٰ۔ حسن مثنیٰ کے صاحبزادے عبداللہ محض۔ عبداللہ محض کے صاحبزادے محض نفس زکیہ۔ نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم۔ امام جعفر صادق کے دو صاحبزادے عبداللہ افطح اور محمد۔ حسن مثنویٰ کے دو پوتے حسین بن علی اور یحییٰ بن عبداللہ محض۔ محمد بن قاسم علوی ابو الحسین یحییٰ علوی۔ ادریس بن موسیٰ علوی۔ کرکی علوی۔ امام حسن عسکری کا بھائی جعفر بن علی۔ ابن الصوفی علوی۔ علی بن زید علوی۔ سب کے سب اسی ضمن میں آتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

شیعہ کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت امیر علیہ السلام بلا فصل امام ہیں۔ مگر حضرت امیر علیہ السلام کے بعد ان میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم ذیل میں ایک نہایت مختصر نقشہ درج کرتے ہیں۔ جس سے امامت اور مہدی منتظر کے بارے میں شیعہ کے اختلاف کا پتہ لگ سکتا ہے۔

نمبر شمار	نام فرقہ	تعداد و ترتیب ائمہ	مہدی منتظر
۱	کربیبہ	علی مرتضیٰ کے بعد محمد بن حنیفہ امام ہیں	محمد بن حنیفہ کوہ رضوی میں زندہ ہیں۔
۲	ہاشمیہ	محمد بن حنیفہ کے بعد ابو ہاشم امام ہیں۔ پھر امامت میں اختلاف ہے۔	
۳	مختاریہ	علی مرتضیٰ اور حسنین کے بعد محمد بن حنفیہ امام ہیں۔	
۴	زیدیہ	علی مرتضیٰ اور حسنین کے بعد زید شہید امام ہیں۔	
۵	باقریہ	علی مرتضیٰ۔ حسن۔ حسین۔ علی زین العابدین محمد باقر۔	محمد باقر
۶	ناؤسیہ	علی مرتضیٰ۔ حسین حسین۔ علی زین العابدین محمد باقر۔ جعفر صادق۔	جعفر صادق
۷	حاصریہ	علی مرتضیٰ۔ حسن۔ حسین۔ علی زین العابدین۔ محمد باقر۔ زکریا بن محمد باقر	زکریا کوہ حاصر میں زندہ ہیں۔
۸	قرمطیہ	علی مرتضیٰ۔ حسن۔ حسین۔ علی زین العابدین۔ محمد باقر۔ جعفر صادق۔ اسماعیل بن جعفر صادق	اسماعیل
۹	مبارکیہ	اسماعیل کے بعد ان کے صاحبزادے محمد خاتم الائمہ ہیں۔	محمد بن اسماعیل
۱۰	افطحیہ	جعفر صادق کے بعد ان کے صاحبزادے عبد اللہ افطح امام ہیں۔ جو وفات پاچکے ہیں۔	عبد اللہ افطح مراجعت فرمائیں گے۔
۱۱	ممطوریہ	جعفر صادق کے بعد ان کے صاحبزادے موسیٰ کاظم خاتمہ الائمہ ہیں۔	موسیٰ کاظم
۱۲	شمطیہ	جعفر صادق کے بعد ان کے پانچ بیٹے بدیں ترتیب امام ہیں۔ اسماعیل۔ محمد۔ موسیٰ کاظم۔ عبد اللہ۔ اسحاق۔	
۱۳	ثفلیہ یا محمدیہ	علی مرتضیٰ۔ حسن مثنےٰ۔ عبد اللہ محض۔ محمد نفس زکیہ۔	محمد نفس زکیہ

۱۴	اثناعشریہ	علی مرتضیٰ۔ حسن۔ حسین۔ علی زین العابدین۔ محمد باقر۔ جعفر صادق۔ موسیٰ کاظم۔ علی رضا۔ محمد تقی۔ علی نقی۔ حسن عسکری۔ محمد مہدی۔	
۱۵	جعفریہ	حسن عسکری کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے بھائی جعفر بن علی امام ہیں۔	جعفر بن علی
۱۶	سبائیہ	علی مرتضیٰ شہید نہیں ہوئے۔ ابن ملجم نے شیطان کو جو آپ کی شکل میں متمثل تھا۔ قتل کیا۔ آپ ابر میں پوشیدہ ہیں۔ رعد آپ کی آواز اور برق آپ کا ایک ہے۔ مہدی موعود آپ ہی ہیں۔	
۱۷	جارودیہ	اس فرقہ کا ایک گروہ قائل ہے۔ کہ محمد بن قاسم علوی جنہوں نے ۲۱۹ ہجری میں خروج کیا تھا۔ امام اور مہدی منتظر ہیں۔ (مروج الذہب للمسعودی۔ کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل لابن حزم الظاہری)	
۱۸	جارودیہ	اس فرقہ میں سے بعضے کہتے ہیں۔ کہ ابوالحسین یحییٰ بن عمر جنہوں نے ۲۵۰ ہجری میں خروج کیا تھا۔ امام و مہدی منتظر ہیں۔ (کتاب الفصل لابن حزم۔)	
۱۹	کیسانیہ	اس فرقہ کا ایک گروہ قائل ہے کہ ابومسلم سراج زندہ اور مہدی منتظر ہیں۔ (کتاب الفصل)	
۲۰	کیسانیہ	دوسرا گروہ قائل ہے کہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب زندہ اور مہدی منتظر ہیں۔ (کتاب الفصل)	
۲۱	مہدویہ	محمد بن عبداللہ جو اسماعیل بن جعفر صادق ک ی اولات سے ہیں۔ خاتم الائمہ اور مہدی منتظر ہیں۔	

محض امامت کے بارے میں شیعہ میں اس قدر اختلاف ہے۔ دیگر عقائد کے لحاظ سے ان میں جو اختلافات ہیں۔ ان کے لئے بیان کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ تحفہ اثنا عشریہ میں صرف امامیہ کے ۴۴ فرقے مذکور ہیں۔ کیسانیہ۔ زیدیہ اور غلات کے فرقے ان کے علاوہ ہیں۔

بایں ہمہ کہا جاتا ہے کہ شیعہ میں اختلاف نہیں۔ چنانچہ اصول کافی (باب فیہ نکت و نتف صفحہ ۲۷۰) میں ہے۔

عن ابی عبیدة الحذاء قال سألت اباجعفر علیه السلام عن الاستطاعة وقول الناس فقال وتلاهذه الایة ولا یزالون مختلفین الامن رحم ربک ولذٰلک خلقهم یا ابا عبیدة الناس مختلفون فی اصابة القول وکلهم هالک قال قلت له قوله الا من رحم ربک قال هم شیعتنا ولرحمته خلقهم وهو قوله وکذالک خلقهم۔

ترجمہ: " ابو عبیدة حذاء کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے استطاعت اور اس میں لوگوں کے قول کی نسبت سوال کیا۔ آپ نے آیہ۔ **ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذالک خلقهم** پڑھ کر فرمایا۔ اے ابو عبیدہ لوگ بات کے پہنچنے میں مختلف ہیں۔ اور وہ سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں۔

پوری آیت یوں ہے۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَالِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (ہود۔ ع ۱۰)

ترجمہ۔ اگر تیرا پروردگار چاہتا۔ تو لوگوں کو ایک بات بتا دیتا۔ وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ مگر جس پر تیرا پروردگار رحم کرے۔ اور اسی کے لئے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور تیرے پروردگار کا کلمہ پورا ہو گیا۔ میں بے شک جن و انسان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ انتہے۔

اس آیت میں ذٰلِكَ کا اشارہ اختلاف کی طرف ہے۔ نہ کہ سب کی طرف جیسا کہ شیعہ سمجھتے ہیں۔

میں نے آپ سے عرض کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الا من رحم (مگر جس پر تیرا رب رحم کرے۔) فرمایا۔ وہ ہمارے شیعہ ہیں۔ اللہ نے ان کو اپنی رحمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور لذالک خلقهم کے یہی معنی ہیں۔ انتہے۔

اس کے ساتھ امام محمد باقر کا یہ دوسرا قول بھی ملاحظہ ہو۔

وتفرقت هذه الامة بعد نبيها صلى الله عليه وآله على ثلث وسبعين فرقة اثنتان وسبعون فرقه فى النار وفرقة ثلث عشرة فرقة فى الجنة ومن الثلث وسبعين فرقة تنتحل ولا يتنا ومودتنا اثنا عشرة فرقة منها فى النار وفرقة فى الجنة وستون فرقة من سائرا الناس فى النار (کتاب الروضہ للکلینی۔ صفحہ ۱۰۶)

ترجمہ: "یہ امت اپنے نبی ﷺ کے بعد ۷۳ فرقوں میں متفرق ہو گئی۔ جن میں سے ۷۲ دوزخ میں اور ایک بہشت میں ہو گا۔ اور منجملہ ۷۳ فرقوں کے ۱۳ فرقے ہماری ولایت و محبت کے مدعی ہیں۔ جن میں سے ۱۲ دوزخ میں اور ایک بہشت میں۔ اور باقی لوگوں کے ۶۰ فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ (انتہی)

اس روایت میں امام محمد باقر شیعہ کے ۱۳ فرقے تسلیم فرماتے ہیں۔ مگر یہ طفلی تسلی دیتے ہیں۔ کہ بہشتی فرقہ ان ۱۳ ہی میں سے ایک ہو گا۔ کیا ایسا فرقہ بہشتی ہو سکتا ہے۔ جس کے پاس ہدایت کتاب کے لئے الٰہی بھی موجود نہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ حقیقت میں جتنا اختلاف مذاہب اور اختلاف آراء اور اختلاف اصول و فروع حضرت کی اولاد سے پیدا ہوا ہے۔ اور کہیں ایسا اختلاف ظہور میں نہیں آیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مذہب کی طرف بلاتا تھا۔ بلکہ ان میں سے بہت سے اپنے مذہب کے دلائل دینے کے لئے حدیثیں وضع کرنا جائز سمجھتے تھے۔ خواہ وہ وضع صریح ہو۔ یا تاویل کے ساتھ (تحفہ شیعہ۔ حصہ اول۔ صفحہ ۲۲۶)

یہی حال فرقہ اثنا عشریہ کا ہے۔ جنہوں نے زعم میں بارہ امام مقرر کر لئے ہیں۔ اور ان کے لئے خیالی شرطیں گھڑ لیں ہیں۔ جن کا ذکر انشاء اللہ مناسب موقع پر آئے گا۔

اب ہم ذیل میں بتوفیق الٰہی طریق قال اقول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اعتراض شیعہ مع جوابات پیش کرتے ہیں۔

قال السید امداد امام

دوسرا امر جو آنحضرت ﷺ کی رحلت کے قریب واقع ہوا۔ اور جس نے رسول اللہ ﷺ ارادے کو پورا ہونے نہ دیا و جیش اسامہ سے تعلق رکھتا ہے۔ رسول اللہ نے اسامہ کی سرکردگی میں کفار کے مقابلہ کو لشکر بھیجنا چاہا تھا۔ اور اس قدر آپ کو اس امر میں کدورت تھی کہ آپ نے یہ فرمایا۔ کہ جو لشکر اسامہ کی شرکت سے اختلاف کرے گا۔ وہ مورد لعنت ٹھہرے گا۔

(دیکھو) ملل و نحل علامہ شہرستانی الخلاف الثانی فی مرضه قال جهزو اجيش اسامه لعن

اللّٰہ من تخلف عنھا۔ اور دیکھو شرح مواقف کا آخر جو تذییل الکتاب سے لکھا گیا ہے۔ (صفحہ ۴۶ ۷
مطبوعہ نو لکشور)

بلا شبہ اگر آپ کچھ روز اور بھی رہتے۔ تو یہ لشکر اسامہ کی کمان میں اعدائے اسلام کی طرف روانہ ہو جاتا۔ مگر ہم صحابی اور دیگر مسلمانان وقت نے بھی اس سے پوری مخالفت کی۔ اس لئے اسامہ بمقابلہ کفار کے روانہ نہ ہو سکا۔ اور رسول اللہ کو اپنے ارادے میں ناکامی پہنچی تعجب ہے کہ ان حضرات مسلمانوں نے مورد لعنت ہونا گوارا کیا۔ اور گھر بیٹھے یہ کس طرح کا ایمان ہے۔ کہ رسول اللہ تاکید اکید کے ساتھ کسی امر کے لئے حکم دیں۔ نہ بجا لایا جائے۔ کوئی شک نہیں کہ اس نافرمانی کا کوئی سبب خاص تھا۔ ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر اسامہ لشکر اسلام لے کر کافر کی جانب چل نکلتے۔ تو سقیفہ عدو کا اجماع ظہور میں نہ آسکتا۔ اور یقیناً امر خلافت کسی اور پہلو پر قرار لیتا۔ المختصر یہی کہ رسول اللہ کے عہد کے ایسے ہیں۔ جو آپ کی رحلت کے قریب میں واقع ہوئے۔ اسلام اور پیروان اسلام کے درمیان مخالفت سخت کا نقشہ دکھلاتے ہیں۔ (مصباح ایضاح المبہم۔ صفحہ ۶۔ ۷)

اقول

پہلا امر جو مصنف نے بیان کیا ہے۔ وہ حدیث قرطاس ہے۔ جس کی مفصل بحث کتاب کے پہلے حصے میں آچکی ہے۔ دوسرا امر جو یہاں زیر بحث ہے۔ وہ تخلف از اسامہ ہے۔ جواب سے پہلے ہم مصنف کی غرض کو وضاحت کے ساتھ بتانا چاہتے ہیں۔

اس کے متعلق ملا باقر مجلسی جو رافضیوں کا شیخ الاسلام ہے۔ بحوالہ طبری یوں لکھتا ہے۔

اسامہ بن زید را امیر کرد و لشکرے از منافقان و اہل فتنہ و غیرایشان برائے او دو امر کرد اوراکہ بااکثر صحابہ بیرون رود بسوئے بلاد روم بآن موضعے کہ پدرش شہید شدہ بود و غرض حضرت از فرستادن این لشکر آن بود کہ مدینہ از اہل فتنہ این خالی شود و کسے با امیرالمومنین منازعہ نکند تا امر خلافت بر آنحضرت مستقر۔

ترجمہ: "پس رسول اللہ نے اسامہ بن زید کو امیر بنایا۔ اور اس کے واسطے منافقوں اہل فتنہ وغیرہ کا ایک لشکر تیار کیا۔ اور اسے حکم دیا کہ اکثر صحابہ کو ساتھ لے کر بلاد روم کے اس مقام پر چلا جائے۔ جہاں اس کا باپ شہید ہوا تھا۔ حضرت کی غرض اس لشکر سے یہ تھی۔ کہ مدینہ اہل فتنہ اور منافقوں سے خالی ہو جائے۔ اور کوئی شخص حضرت امیرالمومنین کے ساتھ جھگڑا نہ کرے۔ تاکہ خلافت کا معاملہ حضرت امیر پر قرار پکڑے۔ (انتہیٰ)

صاحب آگے چل کر لکھتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ نے شدت مرض میں آنے کے لئے طلب نہیں کیا تھا۔ بلکہ حضرت عائشہ نے آپ کی اجازت و اطلاع پر کہہ دیا تھا۔ کہ ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لئے بلا لو۔ اور حضرت حفصہ نے کہا تھا۔ کہ امامت کے لئے عمر کو بلا لو۔ رسول اللہ یہ سن کر مسجد میں تشریف لائے۔ اور دیکھا کہ ابوبکر منافق جماعت کرا رہے ہیں۔ آپ نے ان کو محراب سے ہٹا دیا۔ اور خود از سر نو نماز پڑھائی۔ بعد ازاں آپ نے ابوبکر و عمر اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو اپنے دولت خانے میں طلب فرمایا۔ اور ان پر خفا ہو کر ارشاد فرمایا۔ کہ کیا میں نے تم کو لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم نہ دیا تھا۔ تم نے کیوں نافرمانی کی۔ پھر فرمایا۔

روانہ کنید لشکر اسامہ را و بیروں روید بالشکر اسامہ۔ خدا لعنت کند کسے را کہ کہ تخلف نمائید از لشکر اسامہ۔ اس کو تین دفعہ اعادہ فرما کر آپ بے ہوش ہو گئے۔

(حیات القلوب نو لکشوری۔ حصہ دوم۔ صفحہ ۸۴۰۔ ۸۴۲)

اس بیان سے معترضین کے یہ دعاوی ظاہر ہوتے ہیں:

۱۔ حضرات شیخین اور دیگر صحابہ کرام منافق اور اہل فتنہ تھے۔

۲۔ لشکر اسامہ کے بھیجنے سے غرض یہ تھی۔ کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو آسانی سے خلافت بلافصل مل جائے۔ اسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر میں صحابہ منافقین بالخصوص حضرات شیخین کو بھرتی کیا تھا۔ جو خلافت علی کے سخت مخالفت تھے۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے شدت مرض میں کسی کو خلیفہ نماز مقرر نہ کیا تھا۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ خدا اسے لعنت کرے جو لشکر اسامہ سے تخلف کرے۔ لہٰذا متخلفین یعنی حضرات شیخین اور دیگر متعینان لشکر جو حضرت کی حیات میں اسامہ کو چھوڑ کر مدینہ میں واپس آگئے۔ سزاوار لعنت ہیں۔ اور سزاوار لعنت سزاوار خلافت نہیں ہو سکتا۔

اب بالترتیب ان دعاوی کی تردید سنئے۔

پہلے دعویٰ کی تردید

حضرات ثلاثہ کو اور دیگر صحابہ کرام کو منافق و مرتد بتانا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ ہم اس کتاب کے حصہ اول میں قرآن کریم کی آیات محکمات سے جن میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ صحابہ کرام مہاجرین و انصار کا کامل الایمان اور بہشتی ہونا ثابت کر آئے ہیں۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں چند حوالے کتب شیعہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے صحابہ کرام کے فضائل ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ شیعہ کے علامہ حلی نے شرح تجرید میں یوں لکھا ہے۔

قال علیہ السلام یوما علی المنبر انا الصدیق الاکبر انا الفاروق الاعظم اسلمت قبل ان اسلم ابوبکر و اٰمنت قبل ان اٰمن۔

یعنی حضرت امیر علیہ السلام نے ایک دن منبر پر فرمایا۔ کہ میں ہوں صدیق اکبر میں ہوں فاروق اعظم اسلام لایا قبل اسلام لانے ابوبکر کے اور ایمان لایا قبل ایمان لانے ابوبکر کے۔ (آیات بینات)

۲۔ مرزا رفیع باذل شیعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا قصہ اس عنوان (در کیفیت ایمان آور دن عمر بن خطاب) سے شروع کر کے یوں لکھا ہے۔

عمر بعد ازاں از پس چند گاہ در آمد بدین رسول الٰہ الخ

(حملہ حیدری مطبوعہ مطبع سلطانی۔ ۱۲۶۷ ہجری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۱)

۳۔ جنگ بدر میں ۳۱۳ صحابی شامل تھے۔ جن میں سے ۹۷ مہاجرین (حیات القلوب) اور باقی انصار تھے۔ مہاجرین میں حضرات خلفائے ثلاثہ قطعاً شامل تھے۔ اس لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب کے لئے عریش میں یوں دعا مانگی تھی۔

الٰہی گر این چند تن از عباد / کہ کرد ند حکم ترا انقیاد
بحکم تو بستند ہر کس میاں / ند ید ند بیش و کم دشمناں
بمانند از فتح کوتاہ دست / بیانبداز دست اعدا شکست
بروے زمین تا قیامت دگر / نگر دد پرستندئہ وا دگر
بکن یاری وین خود از کرم / ظفر بخش مارا بر اہل ستم
باین زاری و عجز در سجدہ بود / کہ خواہش بفرمان حق در ربود
در آندم صف خصم نزدیک شد / زبس گرد خورشید تاریک شد
ابوبکر نزد نبی داشت جائے / بگفت اے بحق خلق را رہنمائے
در آمد بہ تنگی سپاہ و ضلال / چہ فرمائی اکنون برائے قتال

(حملہ حیدری۔ جلد اول صفحہ ۸۳)

غور کیجئے یہ خدا کے فرماں بردار ۳۱۳ اصحاب اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے اپنے سے تگنی تعداد سے لڑنے مرنے کو تیار اور فقط حکم کے منتظر ہیں۔ کیا منافقین ایسا کر سکتے ہیں۔ کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جو ان کو منافق کہتے ہیں۔

۴۔ ابو علی طبرسی (متوفی ۵۴۸ ہجری) سورۂ ممتحنہ کے شروع کی آیات کا شان نزول یوں بیان کرتا ہے:

نزلت فی حاطب ابن ابی بلتعة وذلک ان سارة مولاة ابی عمر و بن صیفی بن هاشم اتت رسول اللّٰه من مکة الی مدینة بعد بدر بست سنین فقال لها رسول اللّٰه أمسلمة جئت قالت لا قال أمها جرة قالت لا قال فما جاء بک قالت کنتم الاصل والعشیره والموالی وقد ذهب الموالی واحتجت حاجة شدیدة فقد مت علیکن لتعطونی وتکسرنی وتحملونی قال فاین انت من شبان مکة وکانت مغنیة نائحة قالت ما طلب منی بعد وقعة بدر فحث رسول اللّٰه علیها بنی عبدا المطلب فکسرها حملوها واعطوها نفقة وکان رسول اللّٰه یتجهز لفتح مکة فاتاها حاطب ابن ابی بلتعة وکتب معهاکتا با الی اهل مکة واعطاها عشرة دنانیرعن ابن عباس وعشرة دراهم عن مقاتل بن حیان وکساها بردا علی ان توصل الکتاب الی اهل مکة رکتب فی الکتاب من حاطب بن ابی بلتعة الٰی اهل مکة ان رسول اللّٰه یریدکم فخذوا حذرکم فخرجت سارة ونزل جبرئیل فاخبر النبی صلی اللّٰه بما فعل فبعث رسول اللّٰه علیا وعمارا وعمرو الزبیر وطلحة والمقداد بن الاسود وا بامرثد وکانوا کلهم فرسانا وقال لهم انطلقوا حتی تاتوا روضة خاخ فان بها ظعینة معها کتاب من حاطب الی المشرکین فخذوه منها فخرجوا حتٰی ادرکوها فی ذلک المکان الذی ذکرهٗ رسول اللّٰه فقالوا لها این الکتاب فحلفت باللّٰه ما معها من کتاب فنحوها وفتشوا امتاعها فلم یجدوا معها کتابًا فهموا بالرجوع فقال علیٌ واللّٰه ماکذبنا ولا کذبنا وسل سیفه وقال لها اخرجی الکتاب والا واللّٰه لاضربن عنقک فلما رات الجا اخرجته من ذوائبها قد اخبأته فی شعرها فرجعوابا لکتاب الٰی رسول اللّٰه فارسل انی حاطب فاتاه فقال له هل تعرف الکتاب قال نعم قال فما حملک علی ما صنعت قال یارسول اللّٰه واللّٰه ما کفرت منذ اسلمت ولا غششتک منذ نصحتک ولا اجبتهم منذ فارقتهم ولکن لم یکن احد من المهاجرین الاوله بمکة من یمنع عشیرتهم وکنت عزیزا ای غریبا وکان اهلی بین ظهرانیهم فخشیت علی اهلی فاردت ان اتخذ عندهم یدا او قد علمت ان اللّٰه ینزل بهم بأسه وان کتابی لا یغنی عنهم شیئًا فصدقه رسول اللّٰه وعذره فقام عمر

الخطاب وقال دعنی یارسول اللّٰہ اضرب عنق ھٰذا المنافق قال رسول اللّٰہ وما یدریک یا عمر لعل اللّٰہ اطلع علی اھل بدر فغفرلھم فقال لھم اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ (مجمع البیان۔ مجلد ثانی۔ صفحہ ۴۱۹ ۔ ۴۲۰)

ترجمہ: "یہ آیتیں حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔ اور وہ اس طرح ہے کہ ابو عمرو بن صیفی بن ہاشم کی کنیز سارہ نام جنگ بدر سے چھ سال کے بعد مکہ سے مدینہ میں رسول اللہ کی خدمت میں آئی۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا۔ کہ کیا تو مسلمان ہونے آئی ہے۔ وہ بولی۔ کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو مہاجرت کے لئے آئی ہے۔ وہ بولی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تو کیوں آئی ہے۔ اس نے عرض کی۔ کہ آپ اصل و عشیرہ و موالی تھے۔ میرے موالی (بدر کے دن دنیا سے) چلے گئے۔ اور میں سخت محتاج ہو گئی۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں آئی ہوں۔ کہ آپ مجھے نفقہ و پوشاک و سواری عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو مغنیہ نائحہ تھی۔ جوانان مکہ سے تو نے سوال کیوں نہ کیا۔ وہ کہنے لگی کہ جنگ بدر کے بعد کسی نے میرے راگ و نوحہ کی طرف خیال نہیں کیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو اس کے بارے میں ترغیب دی۔ لہٰذا انہوں نے اسے لباس و سواری و نفقہ دیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ حاطب بن ابی بلتعہ سارہ کے پاس آیا۔ اور اسے اہل مکہ کی طرف ایک خط لکھ کر دیا۔ اور اس کو بقول ابن عباس دس دینار اور بقول مقاتل بن حیان دس درہم دیئے۔ اور چادر پہنائی۔ تاکہ وہ خط اہل مکہ کو پہنچا دے۔ اس کا مضمون یہ تھا۔ کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کو ہے کہ رسول اللہ تم پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ تم اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لو۔ سارہ یہ خط لے کر روانہ ہو گئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دے دی۔ اس لئے آپ نے علی و عمار عمرو زبیر و طلحہ و مقداد بن اسود و ابو مرثد کو بھیجا۔ جو سب کے سب سوار تھے۔ اور ان سے فرمایا کہ روانہ ہو جاؤ۔ جب تم روضہ خاخ میں پہنچو گے۔ تو وہاں کجاوے میں ایک عورت تم کو ملے گی۔ جس کے پاس حاطب کی طرف سے مشرکین مکہ کے لئے ایک خط ہے۔ تم وہ خط لے لینا۔ وہ چلے گئے۔ یہاں تک کہ اسی مکان جس کا ذکر رسول نے کیا تھا۔ وہ عورت ملی۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔ کہ وہ خط کہاں ہے۔ اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا۔ کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ اس پر انہوں نے اسے اتار کر اس کے اسباب کی تلاشی لی۔ مگر اس کے پاس کوئی خط نہ ملا۔ اس لئے انہوں نے لوٹ آنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے ہم سے جھوٹ نہیں فرمایا۔ اور نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے۔ اور اپنی تلوار کھینچ کر اس سے کہا۔ وہ خط نکالو۔ ورنہ خدا کی قسم میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ جب اس نے یہ جدوجہد دیکھی۔ تو اپنے گیسوؤں سے خط نکال دیا۔ جسے اس نے اپنے بالوں میں چھپایا ہوا تھا۔

پس وہ خط لے کر رسول اللہ کی خدمت میں واپس آئے۔ آپ نے حاطب کو بلا بھیجا۔ جب حاطب حاضر ہوا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا۔ کیا تو یہ خط پہچانتا ہے۔ حاطب نے عرض کی کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم میں جب سے اسلام لایا ہوں۔ کافر نہیں ہوا۔ اور جب سے آپ کا خیر خواہ بنا ہوں۔ آپ کا بد خواہ نہیں ہوا۔ اور جب سے ان سے جدا ہوا ہوں۔ ان کا دوست نہیں بنا۔ مگر مہاجرین میں سے ایک بھی ایسا نہیں۔ جس کے قبیلے کا کوئی خبر گیر مکہ میں نہ ہو۔ میں بے وطن ہوں اور میرے اہل ان کے درمیان ہیں۔ مجھے اپنے اہل کی نسبت اندیشہ ہے۔ اس لئے میں نے چاہا۔ کہ اہل مکہ کے ساتھ کچھ احسان کروں۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ خدا ان پر عذاب و سختی نازل کرے گا۔ اور میرا خط ان سے کسی چیز کو نہ ٹال سکے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ نے حاطب کی تصدیق فرمائی۔ اور اس کا عذر قبول فرمایا۔ اس پر عمر بن خطاب نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے۔ کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمر! تو کیا جانے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے۔ اس واسطے اس نے ان کو بخش دیا۔ اور اسی واسطے فرمادیا۔ کہ تم جو چاہو کرو۔ میں بے شک تمہیں بخش چکا۔ (انتہی)

اس قصہ کو علی بن عیسیٰ اردبیلی نے بھی اپنی مشہور کتاب کشف الغمہ میں جو ۶۸۷ ہجری کی تصنیف ہے۔ ذکر کیا ہے۔

اس میں اخیر حصہ یوں ہے۔ **فقال عمر یارسول اللّٰہ مرنی بقتلہ فقد نافق فقال انہ من اھل بدرولعل اللّٰہ اطلع علیھم فعفرلھم**

(کشف الغمہ فی معرفتہ الائمہ مطبوعہ ایران۔ ۱۲۹۴ ہجری۔ صفحہ ۶۲)

ترجمہ پس عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھے اس کے قتل کر دینے کی اجازت دیجئے۔ کیونکہ وہ منافق ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حاطب اہل بدر سے ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے۔ اس واسطے اس نے ان کو بخش دیا ہے۔ انتہی۔ اس قصہ میں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں کہہ دیا۔ کہ مجھے اس منافق کے قتل کی اجازت دیجئے۔

جواب میں گزارش ہے۔ کہ اس کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دینی صلابت اور منافقین سے بغض و عداوت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا۔ کہ جنگی تیاریوں کو مشرکین مکہ سے پوشیدہ رکھا جائے۔ حضرت فاروق اعظم نے گمان کیا۔ کہ حاطب اس حکم کی مخالفت کے سبب مستوجب قتل ہے۔ چونکہ آپ کو جزم و یقین نہ تھا۔ اس وجہ سے حاطب کے قتل کی اجازت طلب کی اور موالات کفار کے سبب اس پر منافق کا اطلاق کر دیا۔ مگر حاطب معذور تھے۔ انہوں نے بنا بر تاویل ایسا کیا تھا۔ کہ اس طرح میرے بال بچے بچ جائیں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اور ان کی نیت نیک تھی۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس آیت **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا عدوی وعدوکم اولیاء** ط میں

ان کے ایمان کی شہادت دی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد مبارک اعملوا ماشئتم۔ (کرو جو چاہو) سے یہ مراد نہیں کہ اہل بدر کے لئے معاصی مباح ہو گئے۔ بلکہ یہ خطاب اکرام و تشریف متضمن اس امر کو ہے۔ کہ ان کو وہ صلاح حال حاصل ہو گئی۔ جس کے طفیل خدا تعالیٰ نے ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے اور ان میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ کہ آئندہ اگر بالفرض ان سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ تو معاف کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کا صدق ظاہر کر دیا۔ اہل بدر تاحیات اہل جنت کے اعمال پر رہے۔ اگر بالفرض والتقدیر کسی سے شاذ و نادر کوئی لغزش ظہور میں آئی۔ توفیق توبہ و مغفرت الٰہی اس کے شامل حال ہوئی حاصل کلام یہ ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل بدر کے حسن عاقبت کی خبر دی ہے۔ اور آپ صادق ہیں۔ للہٰذا اہل بدر کا بہشتی ہونا ثابت ہے۔

۵۔ شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی غزوہ حدیبیہ کے بیان میں بروایت امام جعفر صادق یوں لکھتا ہے۔

وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ اراد ان یبعث عمر فقال یارسول اللّٰہ ان عشیرتی قلیل وانی فیھم علی ماتعلم ولکنی ادلک علی عثمان بن عفان قال فارسل علیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ فقال انطلق الی قومک من المومنین فبشرھم بما وعدنی ربی من فتح مکۃ فلما انطلق عثمان لقی ابان بن سعید فتاخرعن السرج فتحمل عثمان بین یدیہ ودخل عثمان فاعلمھم فجلس سھیل بن عمر و عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وجلس عثمان فی عکسر المشرکین وبایع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ المسلمین وضرب باحدی یدیہ علی الاخریٰ لعثمان وقال المسلمون طوبیٰ صعثمان قد طاف بالبیت وسعٰی بین الصفا والمروۃ واحل فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ ماکان لیفعل فلما جاء عثمان قال لہ رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ اطفت بالبیت فقال ما کنت لاطوف بالبیت ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ لم یطف بہ الحدیث

(روضہ کلینی ص ۱۵۱)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا تھا۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ کو (بطور قاصد مشرکین مکہ کی طرف) بھیجیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ میرا قبیلہ کم ہے۔ اور میں مشرکین مکہ میں جیسا ہوں آپ کو معلوم ہے۔ لیکن میں آپ کو عثمان بن عفان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ تو اپنی قوم مومنین کی طرف جا۔ اور ان کو فتح مکہ کی بشارت دے۔ جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ جب عثمان روانہ ہوئے۔ تو (راستے میں) ابان بن سعید سے ملے۔ ابان عقب زین پر بیٹھ گیا اور عثمان کو اپنے آگے سوار کر لیا۔

عثمان مکہ میں داخل ہوئے۔ اور ان کو حضرت کا پیام پہنچایا اور وہ جنگ کے لئے تیار تھے۔ پس سہیل بن عمرو رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا۔ اور عثمان مشرکین کے لشکر میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت رضوان لی۔ اور عثمان کے لئے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارا۔ مسلمانوں نے کہا۔ خوش نصیب ہے۔ عثمان کہ جس نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور حلال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان ایسا نہیں کا۔ جب عثمان آئے۔ تو رسول ﷺ نے پوچھا۔ کہ کیا تم نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ عثمان نے عرض کی۔ میں طواف کس طرح کرتا جبکہ آپ نے طواف نہ کیا۔ (الحدیث انتہی)

روایت مذکورہ بالا سے امور ذیل معلوم ہوئے۔

(ا) رسول اللہ ﷺ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلوص پر اس قدر اعتماد تھا۔ کہ آپ نے ان کو مشرکین مکہ کی طرف رسالت کے لیے انتخاب فرمایا۔ مگر جب فاروق اعظم نے یہ عذر بیان کیا۔ کہ مکہ میں میرے قبیلہ کے لوگ کم ہیں۔ اور مشرکین پر میری شدت آپ کو معلوم ہے۔ تو حضور ﷺ نے اس عذر کو مسموع فرما کر ان کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

(ب) حضرت عثمان نے جناب رسالت مآب ﷺ کے حکم کی تعمیل کی حالانکہ مکہ میں ان کے قتل ہونے کا احتمال تھا۔ کیونکہ کفار مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔

(ج) بیعت رضوان کے وقت حضرت عثمان مکہ میں تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو بیعت کے شرف میں یوں داخل فرمایا۔ کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا۔ کہ یہ بیعت عثمان ہے۔ بیعت رضوان میں چودہ سو یا کچھ زیادہ صحابہ تھے۔ وہ سب آیہ لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین کے مصداق ہیں۔

(د) اس بیعت میں رسول اللہ کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ قرار پایا۔ اور یہ عثمان کے لیے منقبت عظمیٰ ہے۔

(ر) حضرت عثمان میں کمال ادب تھا کفار مکہ آپ سے کہتے ہیں کہ اگر چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو۔ مگر آپ جواب دیتے ہیں کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اپنے آقائے نامدار ﷺ کے بغیر اکیلا طواف کروں۔ ادھر جب مسلمانوں نے کہا کہ خوشا حال عثمان کا کہ ان کو خانہ کعبہ کا طواف نصیب ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ یہ سن کر فرماتے ہیں۔ کہ عثمان بغیر ہمارے ایسا نہیں کر سکتا۔ آقا ہو تو ایسا خادم ہو تو ایسا۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ ہمزیہ میں کیا خوب فرمایا ہے۔

وابی ان یطوف بالبیت اذلم　　یدن منه الی النبی فناء

فجزته عنها ببیعة رضوا　　نٍ ید من نبیه بیضاء

ادب عنده تضا عفت الاعمال　　بالترک حبذا الا دباء

۵

ترجمہ اشعار

اور حضرت عثمان نے بیت اللہ کے طواف سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ بیت اللہ کی کوئی طرف رسول اللہ کے قریب نہ تھی۔

پس ان کو رسول اللہ کے ید بیضا نے بیعت رضوان میں اس عمل نیک کا بدلہ دیا۔

یہ (تنہا طواف نہ کرنا) عثمان میں ایک بڑا ادب تھا۔ جس کے سبب ان کو طواف سے دگنا ثواب ملا۔ اصحاب محمد کیا خوب ادیب تھے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب با ادب تھے۔ مگر حضرت عثمان میں یہ خوبی خصوصیت سے تھی۔ کیونکہ ان میں وصف حیا جو منشاء ادب ہے سب سے زیادہ تھا۔ آپ نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اپنا دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ پر نہ رکھا۔

(۶)۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

للّٰہ بلاد فلان فقد قوم الاود و داوی العمد خلف الفتنة و اقام السنة ذهب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرها وسبق شرها ادی الی اللّٰہ طاعته واتقاه بحقه رحل وترکهم فی طرق متشعبة لا یهتدی فیها الضال ولا یستیقن المهتدی (نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ۱۳۰۷ھ۔) جزء اول ص ۲۷۰

ترجمہ: "خدا کے لئے ہے فلان شخص کی بھلائی۔ جس نے کجی کو سیدھا کیا۔ اور بیماری کی دوا کی۔ فتنہ کو پیچھے چھوڑا۔ اور سنت کو قائم رکھا۔ پاک لباس کم عیب گیا۔ خلافت کے خیر کو پایا۔ اور اس کے شر سے پہلے چلا گیا۔ اللہ کی اطاعت کو بجالایا۔ اور حق میں اللہ سے ڈرا۔ رحلت فرماگیا۔ اور لوگوں کو متفرق راستوں میں چھوڑ گیا۔ جن میں گمراہ راستہ نہیں پاتا۔ اور راہ پانے والا متیقن نہیں ہوتا۔ (انتہی)

اس کلام میں بعض اکابر شیعہ نے تحریف کی ہے۔ کہ بجائے ممدوح کے نام کے لفظ فلاں لکھ دیا۔ تاکہ خصم کو استدلال کی گنجائش نہ رہے۔ مگر شارحین نے اسے ظاہر کر دیا ہے۔

چنانچہ شیعہ کا علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی اس کلام کی شرح یوں کرتا ہے۔

قوله للّٰہ بلاد فلان لفظ یقال فی معرض المدح لقولهم للّٰہ دره وللّٰہ ابوه

واصله ان العرب اذا اراد وامدح شیئ وتعظیمه نسبوه الی اللّٰه تعالٰی بهذا اللفظ وروی للّٰه بلاء فلان ای عمله الحسن فی سبیل اللّٰه و لمنقول ان المراد بفلان عمرو عن القطب الراوندی انه انما اراد بعض اصحابه الی زمن رسول اللّٰه ممن مات قبل وقوع الفتن وانتشارها وقال ابن ابی الحدید ان ظاہر لا وصاف المذکورة فی الکلام یدل علی انه اراد رجلا ولی امر الخلافة قبله لقوله قوم الا ودو داوی العمد ولم یرد عثمان لوقوعه فی الفتنة وتشعبها بسببه ولا ابابکر لقصرمدة خلافته وبعد عهده عن الفتن فکان الاظهرانه اراد عمرو اقول ارادته لابی بکر اشبه من ارادته لعمرلما ذکره فی خلافة عمرو ذمها به فی خطبته المشهورة بالشقشقیة کما سبقت الاشارة الیه وظل وصفه بالتوء احدها تقویمه لامرجأنی الخلق عن سبیل اللّٰه الی الاستقامة فیه الثانی مداواته للعمد واستعار لفظ العمد للامراض النفسانیة باعتبار استلزامها للاذی کالعمد ووصف المداواة لمعالجة تلک الامراض بالمواعظ البالغة والزواجر القارعة القولیة والفعلیة الثالثة اقامته للسنة ولزومها الرابع وتخلیفه للفتنة ای موته قبلها ووجه کون ذٰلک مد حاله هو اعتبار عدم وقوعها بسببه وفی زمنه بحسن تدبیره الخامس ذهابه نقی الثوب واستعار لفظ الثوب لعرضه ونقاه لسلامته عن دنس المذام السادس قلة عیوبه السابع اصابته خیرها وسبق شرها والضمیر فی الموضعین یشبه ان یرجع الی المعهودمما هوفیه من الخلافة ای اصاب ما فیها من الخیر المطلوب وهو العدل واقامة دین اللّٰه الذی به یکون الثواب الجزیل فی الاخرة والشرف الجلیل فی الدنیا وسبق شرها ای مات قبل وقوع الفتنة فیها وسفک الدماء لا جلها الثامن اداؤه الی اللّٰه طاعته التاسع اتقاه له بحقه له بحقه ای ادی حقه خوفا من عقوبته العاشر رحیله الی الاخرة تارکا للناس بعده فی طرق مشعبة من الجهالات لا یهتدی فیها من ضل عن سبیل اللّٰه ولا یستیقن المهتدی فی سبیل اللّٰه انه علی سبیله لاختلاف طرق

الضلال و کثرۃ المخالف لہ الیھا۔

ترجمہ: "للہ بلاد فلان ایک لفظ ہے۔ جو مقام مدح میں بولا جاتا ہے۔ مثل للہ درہ اور للہ ابوہ کے اور اس کی اصل یہ ہے۔ کہ عرب جس وقت کسی شئے کی تعریف یا تعظیم کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اس شئے کو اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ایک روایت ہے۔ کہ (لفظ فلاں سے مراد عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔) اور قطب راوندی سے روایت ہے۔ کہ لفظ فلاں سے مراد اصحاب علی میں سے بعض ہیں۔ جو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وقوع فتنہ اور اس کے انتشار سے پہلے وفات پا گیا۔ اور ابن ابی الحدید کہتے ہیں۔ کہ اس کلام میں ظاہر اوصاف مذکورہ اس پر دلالت کرتے ہے۔ کہ مراد ایسا شخص ہے جو حضرت امیر سے پیشتر متولی امر خلافت ہو چکا ہے۔ کیونکہ آپ نے قوم الاود اور داوی العمد ذکر کیا ہے۔ اور عثمان تو مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ فتنہ میں پڑے اور ان کے سبب فتنہ پھیلا۔ اور ابوبکر بھی مراد نہیں۔ کیونکہ ان کی خلافت کی مدت کم اور ان کا زمانہ فتنوں سے بعید ہے۔ پس اظہر یہ ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ ابوبکر کا مراد ہونا بہ نسبت عمر رضی اللہ عنہ کے حق سے زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنے مشہور و معروف خطبہ شقشقیہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معائب اور اس کی مذمت بیان کی ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ حضرت امیرؑ نے اس ممدوح کے لئے اوصاف بیان کئے ہیں۔ پہلا وصف یہ ہے کہ اس ممدوح نے کجی کو سیدھا کیا۔ یہ کنایہ ہے۔ اس سے کہ خلق اللہ میں جو راہ خدا سے کجی تھی۔ اس ممدوح نے اس کو دور کر کے ان کو راہ استقامت پر لگا دیا۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ اس ممدوح نے عمد یعنی مرض کی دوا کی۔ یہاں لفظ عمد امراض نفسانیہ کے لئے مستعار ہے۔ بدیں اعتبار کہ امراض نفسانیہ عمد کی طرح اذیت کو مستلزم ہیں۔ اور امراض نفسانیہ کا علاج قولی مواعظ بلیغہ اور فعلی دھمکیوں سے ہے۔ تیسرا وصف یہ ہے۔ کہ اس ممدوح نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق میں قائم رکھا اور خود بھی سنت پر عامل رہا۔ چوتھا وصف یہ ہے کہ اس ممدوح نے فتنہ کو اپنے پیچھے چھوڑا یعنی فتنہ واقع ہونے سے پیشتر انتقال کر گیا۔ یہ امر اس کے لئے مدح بدین اعتبار ہے کہ اس کی حسن تدبیر سے اس کے سبب اور اس کے زمانے میں کوئی فتنہ وقوع میں نہ آیا۔ پانچواں وصف اس ممدوح کا دنیا سے پاک لباس رخصت ہونا ہے۔ یہاں لفظ ثوب یعنی لباس اس کی آبرو کے لئے اور لباس کا پاک ہونا مذمتوں سے سلامتی کے لئے مستعار ہے۔ چھٹا

وصف یہ ہے۔ کہ قلیل العیب تھا۔ ساتواں وصف یہ ہے کہ وہ ممدوح خلیفہ ہو کر خلافت کی بھلائی کو پہنچا۔ اور وہ خیر مطلوب عدل و انصاف اور اقامت دین الٰہی ہے۔ جس کے سبب آخرت میں ثواب اور دنیا میں شرف جلیل ہوتا ہے۔ اور خلافت کے شر سے محفوظ رہا۔ یعنی خلافت میں فتنہ کے واقع ہونے اور خلافت میں خونریزی ہونے سے پیشتر وفات پاگیا------- آٹھواں وصف یہ ہے۔ کہ ممدوح خدا کی طاعت بجالایا۔ نواں وصف یہ ہے۔ کہ اس ممدوح نے حق اللہ کو بخوف عقوبت الٰہی پوری طرح ادا کیا۔ دسواں وصف یہ ہے۔ کہ ممدوح اپنے بعد لوگوں کو جہالتوں کے اختلاف اور مخالفین کی کثرت کے سبب نہ ان میں راہ خدا سے گمراہ راہ یاب ہو سکے۔ اور نہ یا بندہ راہ خدا اپنی راہ یابی کا یقین کر سکے۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ فلاں سے مرا خواہ صدیق اکبر ہوں۔ یا فاروق اعظم ہمارا مدعا ثابت ہے۔ وہ ممدوح باوصاف عشرہ خلیفہ راشد و مومن کامل ہے۔ اس سے خلافت بلا فصل کا افسانہ باطل ہو گیا۔

شارح ابن میثم نے جب دیکھا کہ حضرت امیر کی اس تقریر سے مذہب شیعہ کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ تو حفظ مذہب کے لئے اس طرح خامہ فرسائی کی۔

واعلم ان الشیعة قدا وردواھنا سوالا فقالوا ان ھٰذہ الممادح التی ذکرھا علیه السلام فی حق احد الرجلین تنا فی ما اجمعنا علیه من تخطیتھم واخذھما لمنصب الخلافة فاما ان لا یکون ھذا الکلام من کلامه علیه السلام او ان یکون اجماعنا خطاء ثم اجابوا من وجھین احدھما لانسلم التنافی المذکور فانه جازان یکون ذلک الممدوح منه علیه السلام علی وجه استصلاح من یعتقد صحة خلافة الشیخین واستجلاب قلوبھم بمثل ھذا الکلام الثانی انه جاز ان یکون مدحه ذلک لاحدھما فی معرض توبیخ عثمان بوقوع الفتنة فی خلافته واضطراب الامر علیه واستیثارہ ببیت مال المسلمین ھو وبنو ابیه حتی کان ذلک سببًا لثوران المسلمین من الامصار الیه وقتلھم له ونبه علی ذلک بقوله وخلف الفتنة وذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا وسبق شرھا وقوله وترکھم فی طرق متشعبة فان مفھوم ذلک یستلزم ان الوالی بعد ھذا الموصوف قد اتصف باضداد ھذہ الصفات واللّٰه اعلم۔

ترجمہ: "جان لے کہ شیعہ نے یہاں ایک سوال بدین طور وارد کیا ہے۔ کہ امیر علیہ السلام نے جو مدح و توصیف شیخین میں سے ایک کے حق میں ذکر کی ہے۔ وہ ہمارے اس اجماع کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ان دونوں کے خطا پر ہونے اور منصب امامت کے چھیننے پر منعقد کیا ہے۔ پس یا تو یہ کلام امیر علیہ السلام کا کلام نہیں یا ہمارا اجماع خطا پر ہے۔ بعد ازاں انہوں نے اس کا دو طرح سے جواب دیا ہے۔ اول یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ تعریف و توصیف ہمارے اجماع تخطیہ کے منافی ہے کیونکہ ممکن ہے۔ کہ آپ نے یہ مدح اس کلام کے ساتھ شیخین کی خلافت کے صحیح جاننے والوں کی اصلاح اور دلداری کے طور پر کی ہو۔ دوسرے یہ کہ شیخین میں سے ایک کی مدح بطور تعریض کے حضرت عثمان کی توبیخ کے موقع میں ہو۔ بدین وجہ کہ ان کی خلافت میں فتنہ واقع ہوا۔ اور امر خلافت مضطرب رہا۔ اور انہوں نے اور ان کے بھائیوں نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں سے مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ان کو قتل کر ڈالا۔ اور اس پر آپ نے اپنے اس قول سے متنبہ فرمایا۔ فتنہ کو پیچھے چھوڑا۔ پاک دامن کم عیب رخصت ہوا۔ خلافت کی بھلائی پائی۔ اور برائی سے بچا۔ لوگوں کو پریشان راستوں میں چھوڑ گیا۔ کیونکہ ان کلمات کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے۔ کہ جو خلیفہ اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف ہے۔ اس کے بعد جو خلیفہ ہوا ہے۔ وہ ان صفات کے اضداد کے ساتھ متصف ہے۔ واللہ اعلم (انتہی)

ابن میثم نے اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے جس ایک اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ وہ ہر دو درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اول تو شیعہ کا اجماع نہایت پوچ اور ناقابل حجت ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ جب تک قول امام معصوم اس میں داخل نہ ہو۔ وہ قابل حجت نہیں ہو سکتا اور قول امام اس میں داخل ہونا کسی قطعی حجت سے ثابت نہیں۔ کتاب اللہ ان کے نزدیک محرف ہے۔ جس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ اخبار غیر شیعہ ان کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔ اور اخبار شیعہ جن میں سے اکثر آحاد ہیں۔ علل سے خالی نہیں۔ اور ان میں اختلاف کا وہ طوفان برپا ہے۔ کہ کوئی خبر ایسی نہیں۔ جس کی ضد دوسری خبر نہ ہو علاوہ ازیں اجماع کے نقل کرنے والے نقل اجماع میں اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ (اساس الاصول)

پس اجماع شیعہ فی حد ذاتہ لغو اور پوچ ہے۔ وہ بمقابلہ اس قول صریح امام کے جو قرناً بعد قرن منقول ہوتا چلا آتا ہے۔ کسی طرح التفات کے لائق نہیں ہو سکتا۔ پس ابن میثم کا محل اعتراض میں اپنے اجماع تخطیہ کو اس قول کے مقابلہ میں ڈالنا اور اس کے برابر ظاہر کرنا خطا ہے۔ اگر بفرض محال اجماع کو

تسلیم کر لیا جائے۔ اور منافات کو مان لیا جائے۔ تو حسب تقریر مصنف تحفہ اثنا عشریہ رفع منافات کی یہ توجیہ کہ آپ نے یہ کلام محض مدارات اور دلداری معتقدین صحت خلافت شیخین کے لئے فرمائی تھی۔ صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ امام معصوم نے دس جھوٹ موکد بقسم بولے۔ اور وہ بھی صرف ایک غرض دنیاوی کے حصول کے لئے جس کے حصول کی ناامیدی ہو چکی ہو۔ اور ایسے بزرگوں کے سامنے جنہوں نے کتاب اللہ کی تحریف کی اور دین کو بدلا ڈالا۔ اور مرتد ہو گئے۔ ایسے لوگوں کے روبرو ایسے خلفاء جور کی ایسی تعریف کرنا جس سے زیادہ کوئی تعریف متصور نہیں ہو سکتی۔ یقیناً اعانت کفر ہے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ حضرت اسد اللہ اس کا ارتکاب فرماتے۔ باوجود یکہ حدیث اذا مدح الفاسق غضب الرب (جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے۔ تو پروردگار غضبناک ہوتا ہے) بھی سن چکے ہوں۔ اگر ایسے بزرگ اس قسم کے اغراض دنیویہ کے حصول کے لئے ایسی نازیبا تدبیریں کریں۔ تو پھر مکاران دنیا طلب اور ان میں کیا فرق ہو گا۔ اسی طرح دوسری توجیہہ بھی پوچ ہے۔ بوجہ ذیل:

اول یہ کہ توبیخ عثمان کی اس طرح بھی ہو سکتی تھی۔ کہ یہ دس جھوٹ لازم نہ آتے۔

دوسرے یہ کہ اگر موافق اوصاف مذکورہ سیرت شیخین محمود تھی۔ تو ان کی خلافت ثابت ہو گئی۔ اور اگر محمود نہ تھی تو اس کے ترک پر عثمان کو توبیخ کرنا یعنی چہ۔

تیسرے۔ یہ کہ عثمان کی مخالفت سیرت شیخین کے ساتھ اس عبارت میں ہرگز مذکور نہیں۔ نہ صراحتاً نہ اشارتاً۔ اور یہ بات خطبات کوفہ میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس وقت عثمان کہاں تھے۔ اور فتنہ و فساد کہاں تھا۔ بلکہ یہ کلام بظاہر اس وجہ سے کہ اپنے زمانہ خلافت میں مہمات کا سرانجام اور حسن انتظام ایسا نہ ہوا۔ جیسا کہ زمانہ شیخین میں تھا۔ بطور حسرت و افسوس و غبطہ ہے۔ اگر توبیخ عثمان منظور ہوتی۔ تو صاف فرمانے سے کون مانع تھا۔ کہ اس نے یہ کیا اور یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس وقت بجز اہل شام اور کون آپ کا مخالف تھا۔ اور جب وہ لوگ قتل عثمان کا الزام آپ کے ذمے لگاتے تھے۔ تو پھر توبیخ عثمان سے کیا خوف تھا۔ اور تقیہ کی کیا ضرورت تھی۔ پس واضح ہو گیا۔ کہ نہ وہ اعتراض صحیح ہے۔ نہ اس کے جواب۔ بلکہ حضرت امیرؑ کا یہ قول صحیح ہے۔ اور یہ مدح و توصیف واقعی ہے۔

(۷) نصر بن مزاحم منقری تمیمی نے جو شیعی امام و امام محمد باقر کا ہمعصر تھا۔ کتاب صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کا ایک خط نقل کیا ہے۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں ہے۔ وہ خط بہت طویل ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔

وذکرت ان اللّٰہ اجتبی لہ من المسلمین اعوانا ایدہ اللّٰہ بھم فکانوا فی

منازلهم عنده علی قدر فضائلهم زعمت فی الاسلام وانصحهم للّٰه ورسوله الخلیفة وخلیفة الخلیفة ولعمری ان مکانهما من الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید رحمهما اللّٰه وجزاهما باحسن الجزاء وذکرت ان عثمان کان فی الفضل ثالثًا فان یکن عثمان محسنا فسیجزیه اللّٰه باحسانه وان یک مسیئا فسیلقی ربا غفوراً لا یتعاظمه ذنب ان یغفره (الٰی ان قال) وفی المهاجرین خیر کثیر نعرفه جزائهم اللّٰه باحسن اعمالهم۔ (کتاب صفین ہجری۔ صفحہ ۶۳ و ۶۵)

ترجمہ: "اور تو نے ذکر کیا۔ کہ خدا نے اپنے رسول کے لئے مسلمانوں میں سے مددگار چھانٹے جن کے ساتھ حضرت کی تائید کی۔ سو وہ اپنی اسلامی فضیلتوں کے اعتبار سے آپ کے نزدیک اپنے اپنے مراتب میں تھے۔ ان میں سے اسلام میں سب سے افضل جیسا کہ تو نے گمان کیا۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کا سب سے زیادہ خیر خواہ خلیفہ رسول اللہ اور خلیفہ کا خلیفہ تھا۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم کہ اسلام میں ان دونوں کا مرتبہ بے شک بڑا ہے۔ اور ان کی موت کی مصیبت بے شک اسلام میں سخت زخم ہے۔ خدا ان دونوں پر رحم فرمائے۔ اور ان کو جزائے احسن دے۔ اور تو نے ذکر کیا۔ کہ عثمان فضیلت میں تیسرے ہیں۔ سو اگر عثمان نیکو کار تھے۔ تو خدا ان کو ان کی نیکی کی جزا دے گا۔ اور اگر بد کردار تھے۔ تو رب غفور کے پاس جائیں گے۔ جس کے بخشش کے آگے کوئی گناہ بڑا نہیں (یہاں تک کہ فرمایا حضرت امیر نے) اور مہاجرین میں خیر کثیر ہے۔ جسے ہم پہچانتے ہیں۔ خدا ان کو ان کے نیک اعمال کی جزا دے۔

(انتہی)

جب یہ کلام جو مذہب تشیع کا بیخ کن ہے شیعہ کی نظر سے گذرا۔ تو انہوں نے بدین خیال کہ مبادا کسی خصم کے ہاتھ لگ جائے اور گلو گیر مذہب ہو۔ اس میں تصرف کرنا شروع کیا۔

چنانچہ سید شریف رضی اللہ (متوفی ۴۰۴ھ) نے اسے الفاظ ذیل میں ظاہر کیا۔

وزعمت ان افضل الناس فی الاسلام فلان فلان امراً ان تمم عتزلک کله وان نقص لم یلحقک ثلمته وما انت والفاضل والمفضول والسائس والمسوس وما للطلقاء ابناء الطلقاء والتمیز بین المهاجرین الاولین و ترتیب درجاتهم الخ۔ (نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ۱۳۰۷ ہجری۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۷)

ترجمہ: "اور تو نے گمان کیا۔ کہ اسلام میں سب لوگوں سے افضل فلاں فلاں تھے۔ یہ فضیلت اگر ثابت ہو جائے۔ تو تجھے اس کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اور اگر ثابت نہ ہو۔ تو تجھے اس کا عیب لاحق نہ ہو گا۔ اور تجھے فاضل و مفضول اور حاکم و محکوم سے کیا علاقہ اور طلقاء اور طلقاء کی اولاد کو مہاجرین اولین کے درمیان تمیز اور ان کے درجوں کو ترتیب سے کیا علاقہ۔ الخ (انتہی)

یہ ہے شریف رضی کی شرافت کہ اول تو حضرت معاویہ کے کلام میں بجائے۔ الخلیفة اور خلیفة الخلیفة کے لفظ فلان فلان استعمال کئے تاکہ خصم استدلال نہ کرسکے۔ دوسرے یہ کہ اس کے بعد جو امیر کا کلام مؤکد بقسم مع دعائے خیر مذکور ہے۔ اسے بالکل ساقط کر دیا۔ تیسرے یہ کہ حضرت عثمان کا ذکر خیر بھی درمیان سے اڑا دیا۔ چوتھے یہ کہ حضرت امیرؓ نے جو مہاجرین میں خیر کثیر کے وجود کا اعتراف کیا۔ اور ان کے لئے دعائے خیر کی۔ اس کی جگہ یہ مضمون رکھ دیا۔ کہ طلقاء اور ابناء طلقاء کو مہاجرین کے درمیان تمیز اور ان کے درجات کی ترتیب سے کیا۔ علاقہ۔

طلقاء ان اسیران جنگ کو کہتے ہیں۔ جو رہا کر دیئے جائیں۔ یہاں طلقاء اور ابناء طلقاء سے ابو سفیان و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے معاویہ مہاجرین کے آگے تیری اور تیرے باپ کی کیا ہستی ہے۔ مہاجرین تو وہ ہیں جن کی ہجرت محض دین کے لئے تھی۔ جنہوں نے دین اسلام کی مدد کی۔ اور حضرت امیر سے جنگ نہ کی۔ اس سے مقصود خلفائے ثلاثہ اور ابو سفیان و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فضیلت ہجرت سے خارج کرنا ہے۔

شریف رضی کی اس جرأت سے شراح نہج البلاغہ کو بڑی دقت پیش آئی۔ کیونکہ حضرت امیر کے خطبات اور کتب و رسائل کتب تواریخ میں موجود ہیں۔ لہذا انہوں نے حفظ مذہب کے لئے اصل کے ساتھ کچھ اپنی بھی تک بندی کر دی۔

چنانچہ کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی شیعی نے اپنی شرح کبیر میں جو ۶۷۷ھ ہجری میں اختتام کو پہنچی کلام زیر بحث کو یوں نقل کیا ہے۔

وذكرت ان اللّٰه اجتبى له من المسلمين اعوانا ايده بهم فكانوا في منازلهم عنده على قدر فضائلهم في الاسلام وكان افضلهم في الاسلام كما زعمت وانصحهم للّٰه ولرسوله الخليفة الصديق وخليفة الخليفة الفاروق ولعمري ان مكانه في الاسلام لعظيم وان المصاب بهما لجرح في الاسلام شديد يرحمهما اللّٰه وجزاء باحسن ما عملا غير انك ذكرت

امرا ان نقص لم یلحقک ثلمة وما انت والصدیق فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا وما انت والفاروق فالفاروق فرق بیننا وبین اعدائنا وذکرت ان عثمان کان فی الفضل ثالثًا فان یک عثمان محسنًا فسیجزیه اللّٰه باحسانه وان یک مسیئًا فسیلقی ربا غفوراً لا یتعاظمه ذنب ان یغفره (الی ان قال) وفی المهاجرین خیر کثیر تعرفه جزاهم اللّٰه باحسن اعمالهم ثم ما انت والتمیز بین المهاجرین الاولین وترتب درجاتهم (الخ)

ترجمہ: ” اور تو نے ذکر کیا کہ خدا نے اپنے رسول کے لئے مسلمانوں میں سے مددگار چھانٹے۔ جن کے ساتھ حضرت کی تائید کی۔ سو وہ اپنی اسلامی فضیلتوں کے اعتبار سے آپ کے نزدیک اپنے اپنے مراتب میں تھے۔ اور اسلام میں سب سے افضل جیسا کہ تو نے گمان کیا۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کا سب سے زیادہ خیر خواہ خلیفہ صدیق اور اس خلیفہ کا خلیفہ فاروق تھا۔ اور مجھے اپنی زندگی کی قسم کہ ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں بے شک بڑا ہے۔ اور ان کی موت کی مصیبت اسلام میں بے شک سخت زخم ہے۔ اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے۔ اور ان کو ان کے نیک اعمال کی جزا دے۔ مگر تو نے ایک امر ذکر کیا۔ جو اگر ثابت ہو جائے۔ تو تجھے اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر ثابت نہ ہو۔ تو تجھے کوئی عیب لاحق نہ ہو گا۔ اور تجھے صدیق سے کیا علاقہ۔ صدیق تو وہ ہے۔ جو ہمارے حق کی تصدیق کرے۔ اور ہمارے دشمن کے باطل کا بطلان کرے۔ اور تجھے فاروق سے کیا علاقہ۔ فاروق تو وہ ہے۔ جو ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان فرق کرے۔ اور تو نے ذکر کیا کہ عثمان فضیلت میں تیسرے تھے۔ اگر عثمان نیکوکار تھے۔ تو خدا ان کو ان کی نیکی کی جزا دے گا۔ اور اگر وہ بدکردار تھے۔ تو رب غفور کے پاس جائیں گے۔ جن کی بخشش کے آگے کوئی گناہ بڑا نہیں۔ (یہاں تک کہ فرمایا حضرت امیر نے) اور مہاجرین میں خیر کثیر ہے جسے تو پہچانتا ہے۔ خدا ان کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دے۔ پھر تجھے مہاجرین اولین کے درمیان تمیز اور ان کے درجوں کی ترتیب سے کیا تعلق۔ الخ (انتہیٰ)

اس عبارت میں الحاقات (غیر انک الخ۔ ثم ماانت والتمیز الخ) نے مطلب میں عجیب خبط و تناقض پیدا کر دیا ہے۔ ترتیب مضامین یوں ہے۔ حضرت امیر نے پہلے تو بنا بر قول معاویہ رضی اللہ عنہ شیخین کی افضلیت و حقیت خلافت اور صدیقیت و فاروقیت کا ذکر کیا ہے۔ پھر ہر دو کی فضیلت و علو مرتبت کا

اعتراف کرتے ہوئے دعاوی ہے۔ بعد ازاں فضیلت شیخین کو مشکوک قرار دے کر امیر معاویہ سے خطاب ہے کہ تو نے جو خط میں صدیق و فاروق کی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ اگر وہ فضیلت ثابت ہو جائے۔ تو تجھے کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر ثابت نہ ہو تو تجھے کچھ نقصان نہیں۔ بعد ازاں شیخین کی صدیقیت و فاروقیت کو تسلیم کرتے ہوئے پھر امیر معاویہ سے خطاب ہے۔ کہ تو کجا اور صدیق و فاروق کجا۔ اس کے بعد اسی سے انکار ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ صدیقیت تو ہمارے حق کی تصدیق اور فاروقیت ہماری اور ہمارے اعدا کے مابین تفریق ہے۔ لہٰذا نہ ابوبکر صدیق ہیں۔ نہ عمر فاروق۔ اسی طرح پہلے تو تمام مہاجرین میں خیر کثیر کے وجود کا اعتراف ہے۔ بعد ازاں اسی سے انکار ہے اور اشارہ کیا ہے۔ کہ امیر معاویہ اور خلفائے ثلاثہ وغیرہ فضیلت ہجرت کے مستحق نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ یہ الحاقات ہرگز حضرت امیر کا کلام نہیں۔ بلکہ کسی مخبوط الحواس لا یعقل کا تصرف ہیں۔

(۸) حضرت امیر علیہ السلام اہل بیت کے ذکر کے بعد صحابہ کرام کی مدح میں فرماتے ہیں۔

لقد رأیت اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیه واٰله فما اری احدامنهم یشبهه لقد کانوا یصبحون شعثا غبراوقد باتوا سجدا وقیامًا یراوحون بین جباههم وخدودهم ویقفون علی مثل الجمر من ذکر معادهم۔ کان بین اعینهم رکب المعزی من طول سجودهم۔ اذا ذکر اللّٰه هملت اعینهم حتی تبل جیوبهم وما دواکمایمید الشجر یوم الریح العاصف خوفًا من العقاب ورجاء للثواب (نہج البلاغہ۔ مطبوعہ بیروت جزء اول۔ صفحہ ۱۱۳۔ ۱۱۴)

اس کلام میں حضرت امیرؑ نے اصحاب محمد ﷺ کے سات اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اول وہ زاہد اور تارک زینت دنیا تھے۔ آشفتہ مو اور گرد آلود رہا کرتے تھے۔ دوسرے وہ رات عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ تیسرے جب طول سجود سے کسی کی پیشانی ماندہ ہو جاتی۔ تو وہ بجائے پیشانی کے اپنا رخسار زمین پر رکھتا۔ چوتھے ذکر معاد و احوال قیامت سے وہ ایسے بے چین ہو جاتے کہ گویا آگ کی چنگاری پر کھڑے ہیں۔ پانچویں طول سجود سے ان کی پیشانیاں سیاہ ہو گئی تھیں۔ اور ان کا چمڑا مثل بکری کے گھٹنے کے بے حس اور سخت ہو گیا تھا۔ چھٹے جب اللہ کا ذکر ہوتا تو اتنے روتے کہ گریبان تر ہو جاتے۔ ساتویں کبھی عذاب الٰہی کے خوف سے وہ ایسے بے قرار ہوتے جیسا کہ درخت کی ٹہنی تیز ہوا کے جھونکے سے ہوا کرتی ہے۔ اور کبھی ثواب الٰہی کے اشتیاق میں درخت کی شاخ کی طرح جھومتے۔

(۹) حضرت امیر علیہ السلام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کنتم ممن دخل فی الدین اما رغبة واما رهبة علی حین فازاهل

السبق بسبقھم و ذھب المھاجرون الاولون بفضلھم

(نہج البلاغہ۔ جزء ثانی۔ صفحہ)

ترجمہ: "ترجمہ۔ تم ان میں سے ہو جو دین میں رغبت سے یا ڈر سے داخل ہوئے۔ جس وقت سابقین شرف سبقت سے بہرہ ور ہو چکے۔ اور مہاجرین اولین فضیلت لے گئے۔ (انتہیٰ)

(۱۰) جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہجوم کیا۔ تو حضرت امیر نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں خطاب فرمایا۔

ان الناس ورائی وقد استسفرونی بینک وبینھم وواللّٰہ ما ادری ما اقول لک ما اعرف شیئا لا تعرفہ۔ انک لتعلم ما نعلم ماسبقناک الی شئ فنخبرک عنہ ولا خلونا بشئٍ فنبلغکہ وقد رایت کما رأینا وسمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللّٰہ کما صحبنا وما ابن ابی قحافۃ ولا ابن الخطاب اولٰی بعمل الحق منک وانت اقرب الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلم وشیجۃ رحم منھما وقد نلت من صھرہ مالم ینالا۔ الخ

(نہج البلاغہ۔ جزء اول۔ صفحہ ۱۷)

ترجمہ: "لوگ میرے پیچھے ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے اور آپ کے درمیان سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں۔ میں ایسی کوئی شے نہیں پہچانتا جس سے آپ ناواقف ہوں۔ اور نہ کوئی ایسی بات آپ کو بتا سکتا ہوں جس کو آپ نہ جانتے ہوں۔ آپ بے شک وہی جانتے ہیں۔ جو ہم جانتے ہیں۔ کسی چیز میں ہم نے آپ سے سبقت نہیں کی۔ جو ہم آپ کو بتائیں۔ اور نہ ہم کسی چیز میں منفرد ہیں۔ جو آپ کو پہنچا دیں۔ بے شک آپ نے دیکھا جیسا ہم نے دیکھا۔ اور آپ نے سنا جیسا ہم نے سنا۔ اور رسول اللہ کی صحبت میں رہے۔ جیسا کہ ہم رہے۔ نہ ابو قحافہ کے بیٹے اور نہ خطاب کے بیٹے۔ آپ کی نسبت حق پر عمل کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ قرابت میں ان دونوں کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔ اور تحقیق آپ نے رسول اللہ کی دامادی کی فضیلت پائی ہے۔ جو ان دونوں نے نہیں پائی۔ الخ (انتہیٰ)

اس خطبہ میں حضرت امیرؑ نے شرف صحبت وغیرہ کسی بات میں اپنے آپ کو حضرت عثمان سے افضل نہیں بتایا۔ اور یہ بھی صاف فرما دیا ہے۔ کہ حضرت عثمان کو رسول اللہ ﷺ کی دامادی کا شرف

حاصل ہے۔ باوجود اس تصریح کے شیعہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی فقط ایک بیٹی فاطمہ تھیں۔ اور زینب و رقیہ و ام کلثوم آپ کی صاحبزادیاں نہ تھیں۔ اس کی تردید میں نہج البلاغہ کی عبارت مذکورہ بالا کے علاوہ اقتباسات ذیل پیش کئے جاتے ہیں۔

(الف) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (احزاب - ع)

ترجمہ: "اے نبی اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے۔ کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیں۔ (انتہیٰ)

اس آیت میں ازواج بنات، نساء بصیغہ جمع وارد ہیں۔ جس سے ثابت ہے۔ کہ ازواج مطہرات کی طرح حضرت کی بیٹیاں بھی دو سے زیادہ تھیں۔

(ب) عن حماد بن عثمان عن ابی عبداللّٰہ علیه السلام قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واٰله ابا بنات۔ (فروع کافی۔ مجلد ثانی۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۵۶)

ترجمہ: "امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیٹیوں کے باپ تھے۔

اسی صفحہ پر روایت ہے عن الجارود بن المنذر قال قال لی ابو عبداللّٰہ علیه السلام بلغنی انه ولدلک ابنة وانک تسخطها وما علیک منها ریحانة تشمها وقد کفیت رزقها وقد کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واٰله ابا بنات اس روایت میں مذکور ہے۔ کہ جارود بن منذر کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ جس سے وہ ملول ہوا۔ اس کی تسلی کے لئے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ایسا نہ ہونا چاہیے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ کے ہاں کئی بیٹیاں تھیں۔

(ج) شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی لکھتا ہے۔

فولد له منها قبل مبعثه القاسم ورقیة وام کلثوم وولدله بعد المبعث الطیب والطاهر والفاطمة علیها السلام

(اصول کافی۔ باب مولد النبی ﷺ و وفاتہ۔ صفحہ ۲۷۸)

ترجمہ: "پس رسول اللہ ﷺ کے ہاں خدیجہ سے بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔ قاسم اور رقیہ اور زینب اور ام کلثوم۔ اور بعثت کے بعد آپ کے ہاں پیدا ہوئے طیب اور طاہر اور فاطمہ علیہم السلام۔ (انتہیٰ)

(د) اصول کافی کی ایک طویل روایت میں مذکور ہے کہ زرارہ امام محمد باقر کی خدمت میں عرض

کرتا ہے۔ کہ آپ میری جوانی کو دیکھتے ہیں۔ میں نے اب تک اس خیال سے نکاح نہیں کیا۔ کہ مبادا غیر شیعہ امامیہ کی عورت میرے واسطے حلال نہ ہو۔ بہت سی قیل و قال کے بعد امام ایسے نکاح کے جواز میں رسول اللہ کی مثال اور حضرت نوح و لوط علیہما السلام کی عورتوں کا قصہ جو سورۂ تحریم میں مذکور ہے۔ پیش کرتے ہیں۔ ذرارہ عرض کرتا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ اس کد خدائی میں میرے مرتبہ میں نہیں۔ آپ کی بیوی آپ کے زیر دست تھی۔ اور دل سے آپ کے حکم اور دین کے ماننے والی تھی۔ اس پر امام نے فرمایا کہ کیا تو سمجھتا ہے۔ کہ سورہ تحریم میں فخانتھما میں حضرت نوح یا لوط کی عورت یا خیانت سے مراد زنا اور چوری ہے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ وہاں خیانت سے مراد وہ عمل ہے۔ جو شوہر کے دین کے انکار پر دلالت کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی تائید میں فرما دیا۔ وقد زوج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ فلانًا۔ یعنی تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فلاں شخص کو اپنی بیٹی دی (اصول کافی۔ صفحہ ۵۶۵) صافی میں اس کا فارسی ترجمہ یوں مذکور ہے۔ و بتحقیق دختر داد رسول اللہ ﷺ عثمان را۔ مراد انیست کہ نفاق معلوم رسول اللہ ﷺ در وقت دادن دختر نیز معلوم اوبود (اور تحقیق بیٹی دی رسول اللہ ﷺ نے عثمان کو۔ مراد یہ کہ عثمان کا نفاق رسول اللہ کو معلوم ہو گیا۔ اور بیٹی واپس لے لی۔ یا مراد یہ ہے۔ کہ بیٹی دینے کے وقت بھی عثمان کا نفاق آپ کو معلوم تھا۔)

(ھ) **عن ابی جعفر علیہ السلام قال اوصت فاطمۃ الٰی علی علیہ السلام ان یتزوج ابنۃ اختھا من بعدھا ففعل۔** (فروع کافی۔ مجلد ثانی۔ جزء اول صفحہ ۲۴۳)

ترجمہ: "امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ نے علی علیہ السلام سے وصیت کی۔ کہ میرے بعد میری بہن کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔ پس آپ نے ایسا ہی کیا۔ (انتہیٰ)

(و) **عن فاطمۃ بنت علی عن امامۃ بنت ابی العاص بن الربیع وامھا زینب بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ قالت اتانی امیر المومنین علی علیہ السلام فی شھر رمضان فاتی بعشاء وتمرو کماۃ فاکل علیہ السلام وکان یحب الکماۃ۔** (فروع کافی۔ مجلد ثانی۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۵۹)

ترجمہ: "فاطمہ بنت علی نے روایت کی۔ کہ امامہ نے جو ابو العاص بن ربیع کی بیٹی تھی۔ اور جس کی ماں زینب بنت رسول ﷺ تھیں۔ بیان کیا۔ کہ امیر المومنین علی علیہ السلام ماہ رمضان میں میرے پاس آئے۔ آپ کے لئے شام کا کھانا اور کھجور اور کھنبی لائی گئی۔ اور آپ نے تناول فرمایا۔ آپ کھنبی کو پسند فرماتے تھے۔ (انتہیٰ)

(ز) عن ابی مریم وذکرہ عن ابیه ان امامة بنت ابی العاص وامها زینب بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واٰله کانت تحت علی بن ابی طالب علیه السلام بعد فاطمة فخلف علیها بعد علی المغیرة بن النوفل فذکرانها وجعت وجعا شدیدا حتٰی اعتقدلسانها فجاءها الحسن والحسین ابنا علی علیه السلام وهی لا تستطیع الکلام فجعلا یقولان لها والمغیرة کارہ لذلک اعتقت فلانًا واهله فجعلت تشیر براسها کذا وکذا فجعلت تشیر براسها ای نعم لا تنصح بالکلام فاجاز ذالک لها

(من لا یحضرہ الفقیه۔) جزء رابع باب الوصیة بالکتب والایماء۔ صفحه ۲۷۳) ترجمہ: "اس روایت میں بھی بتایا گیا ہے۔ کہ ابو العاص کی بیٹی امامہ حضرت زینب بنت رسول اللہ کے بطن سے تھی۔ فاطمہ کے بعد حضرت علی نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت علی کے بعد اس نے مغیرہ بن نوفل سے شادی کر لی تھی۔"

شیعہ کے ہاں رمضان میں ہر روز تسبیحات کے بعد جو درود پڑھنا چاہیے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔

اللهم صل علی فاطمة بنت بنیک محمد علیه واٰله السلام والعن من اٰذی نبیک فیها۔ اللهم صل علی القاسم والطاهر ابنی نبیک۔ اللهم صل علی رقیة بنت نبیک والعن من اٰذی نبیک فیها۔ اللّٰهم صل علی ام کلثوم بنت نبیک والعن من اٰذی نبیک فیها۔

(تہذیب الاحکام۔ للطوسی۔ مطبوعہ ایران۔ مجلد اول۔ کتاب الصلوۃ۔ صفحہ ۱۳۵)

ترجمہ: "یااللہ رحمت بھیج فاطمہ پر جو تیرے نبی محمد علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہے۔ اور لعنت بھیج اس پر جو تیرے نبی کو اس کے سبب اذیت دے۔ یااللہ رحمت بھیج قاسم اور طاہر پر جو تیرے نبی کے بیٹے ہیں۔ یااللہ رحمت بھیج اپنے نبی کی بیٹی رقیہ پر اور لعنت بھیج اس پر جو تیرے نبی کو اس کے سبب اذیت دے۔ یااللہ رحمت بھیج۔ اپنے نبی کی بیٹی ام کلثوم پر اور لعنت بھیج اس پر جو تیرے نبی کو اس کے سبب اذیت دے۔ (انتہیٰ)

جو لوگ رقیہ اور ام کلثوم کو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں نہیں سمجھتے۔ وہ اس روایت کی رو سے موردِ لعنت ٹھہرتے ہیں۔

(ط) عن یزید بن خلیفة قال کنت عند ابی عبداللّٰہ فساله رجل من

القميين فقال يا ابا عبدالله تصلى النساء على الجنائز قال فقال ابو عبدالله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان هدى دم المغيرة بن ابى العاص وحدث حديثًا طويلاً وان زينب بنت النبى صلى الله عله واٰله توفيت وان فاطمة خرجت فى نسائها فصلت على اختها

(تہذیب الاحکام۔ مجلد اول۔ باب الصلوٰۃ علی الاموات۔ صفحہ ۲۱۵)

ترجمہ: ”اس روایت میں امام جعفر صادق کا بیان ہے۔ کہ نبی ﷺ کی صاحبزادی زینب نے وفات پائی۔ تو فاطمہ عورتوں کے ساتھ نکلی۔ اور اس نے اپنی بہن پر نماز پڑھی۔

(ی) شیخ الطائفہ طوسی اپنی کتاب مبسوط (مطبوعہ ایران۔ کتاب النکاح) میں یوں لکھتا ہے۔

ازواج النبى صلى الله عليه وسلم واٰله امهات فى معنى العقد عليهن وليس امهات حتى تحرم بناتهن وامها تهن لا نهن ليست بامهات على الحقيقه نسبًا اورضاعًا فيكون بناتهن اخوات وامهاتهن جدات ولا يتجاوزالتحريم بهن لانه لا دليل عليه ولانه عليه السلام زوج بناته زوج فاطمة عليه السلام عليا وهو امير المومنين صلوات الله وسلامه عليه وامها خديجة ام المومنين وزوج بنته رقية وام كلثوم عثمان لما ماتت الثانية قال لو كانت الثالثة لزوجناه اياها وزوج الزبير اسماء بنت ابى بكر وهى اخت عائشة وتزوج طلحة اختها الاخرى۔

ترجمہ: ”نبی ﷺ کی ازواج مطہرات عقد نکاح کے لحاظ سے امہات ہیں۔ وہ امہات نہیں کہ ان کی بیٹیاں اور مائیں حرام ہوں۔ کیونکہ وہ نسب یا رضاع کے لحاظ سے حقیقی امہات نہیں کہ ان کی بیٹیاں بہنیں اور مائیں دادیاں ہوں اور حرمت نکاح ان ازواج سے تجاوز نہیں کرتی۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کا نکاح کر دیا۔ چنانچہ امیر المومنین علی صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے فاطمہ کا نکاح کر دیا۔ جس کی ماں ام المومنین خدیجہ ہیں۔ اور اپنی بیٹی رقیہ و ام کلثوم کا نکاح عثمان سے کر دیا۔ جب دوسری نے وفات پائی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تیسری ہوتی۔ تو میں ضرور اس کا نکاح عثمان سے کر دیتا۔ اور زبیر کا نکاح ابوبکر کی بیٹی اسماء سے کر دیا۔ جو عائشہ کی بہن ہے۔۔ ابو طلحہ نے اس کی دوسری بہن سے نکاح کیا۔ (انتہیٰ)

(ک) ابن بابویہ قمی کتاب الخصال (مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ء صفحہ ۳۷-۳۸) میں یوں تھا۔

كان لرسول الله سبعة اولاد۔ حدثنا ابى و محمد بن الحسن رضى الله عنهما قالا حدثنا سعد بن عبدالله البرقى عن ابيه عن ابن ابى عمير عن على بن ابى حمزة عن ابى بصير عن ابى عبدالله قال ولد لرسول الله من خديجة القاسم وطاهر وهو عبدالله وام كلثوم ورقية وزينب و فاطمة وتزوج على بن ابى طالب فاطمة عليها السلام وتزوج ابو العاص وهو رجل من بنى امية زينب و تزوج عثمان بن عفان ام كلثوم فماتت ولم يدخل بها فلما ساروا الى بدر زوجه رسول الله رقية وولد لرسول الله ابراهيم من مارية القطبية وهى ام ابراهيم ام ولد۔

ترجمہ: "رسول اللہ کے بال بچے سات تھے۔ (بحذف اسناد) امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے ہاں خدیجہ سے پیدا ہوئے۔ قاسم اور طاہر جو عبداللہ ہیں۔ اور ام کلثوم اور رقیہ اور زینب اور فاطمہ۔ علی بن ابی طالب نے فاطمہ علیہا السلام سے نکاح کیا۔ اور ابو العاص بن ربیع نے جو بنی امیہ میں سے تھا۔ زینب سے نکاح کیا۔ اور عثمان بن عفان نے ام کلثوم سے نکاح کیا۔ جو دخول سے پیشتر وفات پا گئی۔ جب بدر کو گئے۔ تو رسول اللہ نے عثمان کا نکاح رقیہ سے کر دیا۔ اور رسول اللہ کے ہاں ماریہ قبطیہ سے ابراہیم پیدا ہوئے۔ ابراہیم کی ماں ماریہ قبطیہ ام ولد ہے۔ (انتہی)

اس روایت کے متصل دوسری روایت امام جعفر صادق کی مذکور ہے۔ جس میں ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ ایک روز حضرت عائشہ نے فاطمہ سے کہا۔ کہ تیری ماں خدیجہ کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ فاطمہؓ نے رسول اللہ سے اس امر کی شکایت کر دی۔ رسول اللہ نے خفا ہو کر فرمایا۔

ان خديجة ولدت منى طاهرا وهو عبدالله وهو المطهر وولدت منى القاسم وفاطمة ورقية وام كلثوم و زينب

یعنی خدیجہ نے مجھ سے جنا طاہر کو جو عبداللہ اور مطہر ہے۔ اور مجھ سے جنا قاسم، فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم اور زینب کو۔ (انتہی)

(ل) ابو عمرو کشی اپنی مشہور کتاب معرفتہ اخبار الرجال (مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۷ ہجری صفحہ ۲۴۱) میں لکھتا ہے۔ (محمد بن مسعود)

قال کتب الی الفضل قال حدثنا ابن ابی عمیر عن ابراهیم بن عبد الحمید عن اسمٰعیل بن جابر قال لما قدم ابو اسحاق من مکة فذکر له قتل المعلی بن خنیس قال فقام مغضبا یجر ثوبه فقال له اسمٰعیل ابنه یا ابت این تذهب فقال لو کانت نازلة لقد مت علیها فجاء حتیٰ قدم علی داود بن علی فقال له یاداٶد اتیت ذنبًا لا یغفره اللّٰه لک قال وما ذالک الذنب قال قتلت رجلا من اهل الجنة ثم مکث ساعة ثم قال انشاء اللّٰه فقال له داؤد انت قد اذنبت ذنبا لا یغفر اللّٰه لک قال وما ذلک قال زوجت ابنتک فلانا الاموی قال ان کنت زوجت فلا نه الاموی فقد زوج رسول اللّٰه عثمان ولی برسول اللّٰه اسوة۔ (الخ)

ترجمہ: "بحذف اسناد جب ابو اسحاق (امام جعفر صادق) مکہ سے آئے۔ تو ان سے معلی بن خنیس کے قتل ہونے کا ذکر کیا گیا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ امام یہ سن کر غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ اور اپنا کپڑا زمین پر گھسیٹنے لگے۔ ان کے بیٹے اسماعیل نے عرض کی۔ کہ اے باپ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ امام نے فرمایا۔ اگر کوئی سخت بلا ہوئی۔ تو میں ضرور اس سے پیش آؤں گا۔ پس آپ آئے یہاں تک کہ داؤد بن علی کے پاس پہنچے۔ اور اس سے فرمایا۔ کہ اے داؤد بے شک البتہ تو نے ایسا گناہ کیا ہے۔ کہ خدا اسے معاف نہ کرے گا۔ داؤد نے پوچھا کہ وہ گناہ کیا ہے۔ امام نے پوچھا وہ کیا ہے۔ داؤد نے کہا کہ آپ نے اپنی بیٹی فلاں اموی کو نکاح میں دی ہے۔ امام نے فرمایا۔ کہ اگر میں نے فلاں اموی کو اپنی بیٹی دی ہے۔ (تو کیا ہوا) خود رسول اللہ نے اپنی بیٹی عثمان کو دے دی۔ اور میرے واسطے رسول اللہ میں اسوۂ حسنہ ہے۔ الخ (انتہیٰ)

(م) ملا باقر مجلسی لکھتا ہے۔

در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ زینب و فاطمہ را بحضرت امیرالمومنین تزویج نمود۔ و تزویج کرد بابو العاص بن ربیع کہ از بنی امیہ بو در زینب را و بعثمان بن عفان ام کلثوم راو پیش از آنکہ بخانہ آن برود برحمت الٰہی واصل شد و بعد از و حضرت رقیہ را باو تزویج نمود

(حیات القلوب۔ جلد دوم۔ صفحہ ۷۱۸)

ترجمہ: "یعنی قرب الاسناد میں بسند معتبر حضرت صادق سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ کے ہاں خدیجہ سے پیدا ہوئے۔ طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب۔ آپ نے فاطمہ کا نکاح حضرت امیرالمومنین سے کر دیا۔ اور زینب کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے کر دیا۔ جو بنو امیہ میں سے تھا اور ام کلثوم کا نکاح عثمان بن عفان سے کر دیا۔ ام کلثوم پیشتر اس کے کہ عثمان کے گھر جائے انتقال کر گئی۔ اس کے بعد حضرت رقیہ کا نکاح عثمان سے کر دیا۔ (انتہی)

یہی ملا صاحب وقائع سال چہارم ہجرت کے تحت میں لکھتا ہے۔ عبداللہ پسر رقیہ کہ از عثمان بہم رسیدہ بود۔ فوت شد۔ (حیات القلوب۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۴۶)

پھر صفحہ ۷۱۹ پر لکھتا ہے۔

جمع از علمائے خاصہ و عامہ را اعتقاد آنست کہ رقیہ و ام کلثوم دختران خدیجہ بودند از شوہر دیگر۔ کہ پیش از حضرت رسول بودند حضرت ایشان را تربیت کردہ بود و دختر حقیقی آن جناب نبودند بعضے گفتہ اند کہ دختران خواہر خدیجہ بودہ اند و بر نفی این دو قول۔ روایات معتبرہ دلالت مے کند۔

ترجمہ: "علمائے خاصہ و عامہ کی ایک جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ رقیہ و ام کلثوم خدیجہ کی بیٹیاں دوسرے شوہر سے تھیں جو حضرت رسول سے پہلے تھا۔ اور حضرت نے ان کو پالا تھا۔ اور آن جناب کی حقیقی بیٹیاں تھیں۔ بعضوں نے کہا ہے۔ کہ وہ خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ ان دونوں قولوں کے غلط ہونے پر معتبر روائتیں دلالت کرتی ہیں۔ (انتہی)

(۱۱) مفسر منہج الصادقین لقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ حنین و اوطاس کی غنیمت سے پیغمبر خدا ﷺ نے مؤلفتہ القلوب کو حصہ دیا۔ اور مہاجرین کو زیادہ اور انصار کو کم۔ اس تقسیم سے انصار غمگین اور رنجیدہ ہوئے۔ اور بعضے کہنے لگے۔ کہ پیغمبر نے تمام غنیمت کا مال اپنی قوم کو دیا۔ اور ہم کو محروم کیا۔ آنحضرت کو اُس کے سننے سے نہایت رنج ہوا۔ اور انصار کو جمع کرکے فرمایا کہ تم دوزخ کے کنارے پر تھے۔ خداوند تعالیٰ نے میرے واسطے سے تم کو اس سے نجات دی۔ کیا یہ سچ نہیں ہے۔ سب نے کہا یارسول اللہ سچ ہے۔ اسی طرح آپ نے چند باتیں اور فرما کر کہا۔ کہ تم بھی اس کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ میں تنہا آیا تھا اور تم نے میری مدد کی۔ اور میں خائف تھا۔ تم نے امان دی۔ اور لوگ میری تکذیب کرتے تھے تم نے تصدیق کی۔ انصار یہ بات سن کر رونے لگے۔ اور ہائے ہائے کرنے لگے۔ پیغمبر خدا کے پاؤں پر گر کر کہنے لگے۔ کہ یارسول اللہ تن و جان و مال ہمارا آپ پر قربان ہے۔ ہمارا مال آپ کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ چاہیں اپنی قوم کو عطا فرمائیں۔ اور جو کچھ آپ کی نسبت

ہم لوگوں میں سے بعض نے کہا۔ وہ بے ادب اور ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ اور اب وہ توبہ کرتے ہیں
آپ ان کے لئے استغفار فرمایئے۔ تب آپ نے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور فرمایا۔ اللّٰھم اغفرلانصار
وابناء الانصار وابناء ابناء الانصار یا معشر الانصار ما ترضون ان ینصرف الناس بالشاۃ
والغنم وفی سہمکم رسول اللّٰہ قالوا بلی یارسول اللّٰہ۔ یعنی شمارا ضی نیستید کہ مردمان باز گردند
و نصیب ایشان گوسفند وچارپائے باشد و درنصیب شما رسول خدا باشد گفتند بلے۔ رضینا باللّٰہ وعنہ
وبرسولہ پس فرمود کہ الانصار کرشی وعیبتی لرسلک الناس وادیار سلک الانصار شعب
لسلکت شعب الانصار۔ انصار سرمن اندوخواص من انداگر مردماں بودی سلوک کنند و انصار
بشعبے من بطریق انصار۔ سلوک کنم (جلد دوم۔ مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۱۰) ماخوذ آیات بینات۔

(۱۲) انصار کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یوں وصیت فرمائی ہے۔

پس وصیت مے کنم شمارا بانصار زیراکہ دانستید حقہائے ایشان راو سعیہائے ایشان رابنزد خداو
نزد رسول و نزد مومنان۔ توسعہ دادند برائے شماد در خانہائے خود و نصف میوہائے خود را۔شما بخشید
ندو اختیار کروند شمارا برخود ہرچند کہ خود محتاج بودند۔ پس کسے کہ والی امرے شود درمیان
مسلمانان بائید کہ نیکو کار انصار رابنواز دواز بدکردار ایشان عفو نمائید (حیات القلوب۔ جلد دوم
صفحہ ۸۴۹) اس وصیت سے مدح انصار کے علاوہ یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اپنا
خلیفہ معین نہ فرمایا۔ بلکہ ارشاد فرمایا۔ کہ جو خلیفہ ہو میں اس کو وصیت کرتا ہوں۔ لہٰذا حضرت علیؓ
کی خلافت منصوص نہ تھی۔

(۱۳) حضرت امیر علیہ السلام انصار کی مدح میں فرماتے ہیں۔ هم واللّٰه ربوا الا سلام كما
يربى الفلو مع غنائهم بايديهم السباط والسنتهم السلاط

(نہج البلاغہ۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۳۰)
ترجمہ: "خدا کی قسم انہوں نے باوجود اپنے استغنا کے اسلام کو اپنے فیاض ہاتھوں اور فصیح زبانوں سے
یوں پالا۔ جیسا کہ بچھیرا پالا جاتا ہے۔ (انتہیٰ)

(۱۴) بقول شیعہ فاطمۃ الزہرا نے فدک کے معاملہ میں خلیفہ وقت کے خلاف انصار سے بدیں
الفاظ مدد مطلب کی۔

يامعشر الانصار واعضاد الملة وحصنة الاسلام ما هٰذه الفترة عن نصرتی
شرح کمال الدین میثم بحرانی تحت قول بلى كانت فى ايدينا فدک

ترجمہ: "یعنی اے انصار کے گروہ اے ملت کے مددگارو اے اسلام کی محکم پناہ میری مدد سے تمہاری سستی کیسی ہے۔ (انتہیٰ)

(۱۵۔) ملا باقر مجلسی بحوالہ علی بن ابراہیم و شیخ مفید و طبرسی وغیرہ غزوہ احزاب کے بیان میں یوں لکھتا ہے۔

چون این خبر بحضرت رسول رسید۔ اصحاب خود را طلبید۔ وبایشان مشورت کرد۔ و ایشان ہفت صد نفر بودند۔ پس سلمان گفت یارسول اللہ جماعت قلیل در مطاولہ و مبارزہ در برابر جماعت کثیر نمے تواند ایستاد۔ حضرت فرمود پس چہ کنیم۔ سلمان گفت خندقے مے کنیم بردور خود کہ حجابے باشد میان تو وایشان۔ کہ ایشان از ہر جانب بر سرما نیاید و جنگ از یک جانب باشد و مادر بلاد عجم وقتیکہ لشکر گرانے متوجہ ما مے شد۔ چنین مے کردیم کہ جنگ از موضع معین واقع شود۔ پس جبرئیل بر حضرت رسول نازل شد و گفت رائے سلمان صوابست وبآن عمل مے باید کرد۔ حضرت فرمود کہ زمین را پیمو دند از ناحیہ احد تا براتج۔ وہربست گام یاسی گام رابجماعتے از مہاجران و انصار داد کہ حفر نمایند و امر کرد کہ بیلہا و کلنگہا آور دند و حضرت خود ابتدا کرد در حصہ مہاجران و کلنگے برداشت و خود میکندید و حضرت امیرالمومنین خاک را نقل مے کرد تا آنکہ عرق کرد و ماندہ شد و فرمود کہ عیشے نیست مگر عیش آخرت خداوندا بیامرز انصار و مہاجران را۔ وچون مردم دیدند کہ حضرت خود متوجہ کندن گردید اہتمام بسیار کردند در کندن و خاک را نقل مے کردند۔ چون روز دوم شد۔ بامداد آمدند بر سر خندق۔ و حضرت در مسجد فتح نشست و صحابہ مشغول کندن شدند۔ ناگاہ بسنگے رسیدند کہ کلنگ برآن کار نمے کرد۔ پس جابر بن عبداللہ انصاری رابخدمت حضرت فرستادند کہ حقیقت حال را عرض نمائید۔ جابر گفت کہ چون بمسجد فتح رفتم دیدم حضرت برپشت خوابیدہ است و ردائے مبارک رادر زیر سرگزاشتہ و از گرسنگی برشکم خود سنگے بستہ است گفتم یارسول اللہ سنگے در خندق پیدا شدہ کہ کلنگ دران اثر نمے کند۔ پس برخاست و بسرعت روانہ شد۔ چون بآن موضع رسید۔ آبے طلبید و ازان وضو ساخت و کف آبے در دہاں حکمت نشان کرد۔ و مضمضہ نمود و برآن سنگ ریخت۔ پس کلنگ راگرفت و ضربتے برآن سنگ زد کہ ازان برقے ساطع شد و در آن برق قصرہائے شام رادیدیم۔ پس بار دیگر کلنگ راز دو برقے ساطع شد کہ قصرہائے مدائن رادیدیم۔ پس بار دیگر کلنگ زد و برقے لامع شد کہ قصرہائے یمن رادیدیم۔ پس فرمود کہ این مواضع

راکہ برق بر آنہا تابید شام فتح خواہید کرد۔ مسلمانان از استماع این بشارت شاد شدند و خدارا حمد کروند و منافقاں گفتند کہ وعدہ ملک کسریٰ و قیصرے دہد و از ترس بردور خود خندق ے کندو۔ پس حق تعالیٰ آیہ قل اللّٰھم مالک الملک را برائے تکذیب و تادیب منافقان فرستاد و ابن بابویہ روایت کردہ است کہ چون کلنگ اول راز دسنگ شکست وفرمود کہ اللہ اکبر کلید ہائے شام راخدا بمن داد و بخدا سوگند کہ قصرہائے سرخ آن راے بینم۔ پس کلنگ دیگرز دو ثلث دیگر راشکست وگفت اللہ اکبر خدا کلید ہائے ملک فارس رابمن داد و بخدا سوگند کہ الحال قصر سفید مدائن راے بینم و چون کلنگ سوم راز دو باقی سنگ جداشد۔ گفت اللہ اکبر کلید ہائے یمن بمن دادند و بخدا سوگند کہ دروازہ ہائے صنعا راے بینم (حیات القلوب۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۴۸۔۴۴۹)

ترجمہ: "جب حضرت رسول کو یہود و قریش کی آمد کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے اپنے اصحاب کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ اور وہ سات سو تھے۔ پس سلمان نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جنگ و مقابلہ میں قلیل جماعت کثیر جماعت کے برابر نہیں ٹھہر سکتی۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر کیا کریں۔ سلمان نے عرض کیا۔ کہ ہم اپنے گرد ایک خندق کھود لیتے ہیں۔ جو آپ کے اور دشمنوں کے درمیان ایک روک ہو۔ تاکہ وہ ہر طرف سے ہم پر حملہ آور نہ ہوں۔ اور لڑائی ایک طرف سے ہو۔ بلاد عجم میں جب بھاری لشکر ہمارے مقابل ہوتا تھا۔ تو ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ تاکہ لڑائی ایک معین جگہ سے واقع ہو۔ پس جبرئیلؑ نے حضرتؐ پر نازل ہو کر عرض کی۔ کہ سلمان کی رائے درست ہے۔ اس پر عمل کرنا چاہیے۔ حضرت نے حکم دیا کہ احد کی طرف سے راتج (رائح؟) تک زمین کو ماپ لیں۔ آپ نے مہاجرین و انصار کی ہر جماعت کو بیس بیس یا تیس تیس قدم زمین کھودنے کو دی۔ اور حکم دیا کہ بیلچے اور کسیاں لے آئیں۔ حضرت نے خود مہاجرین کے حصہ میں ابتداء کی۔ اور کسی اٹھالی۔ آپ کھود رہے تھے۔ اور حضرت امیرالمومنین مٹی اٹھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت رسول کو پسینہ آگیا۔ اور ماندہ ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ آخرت کی عیش کے سوا کوئی عیش نہیں۔ خدایا انصار و مہاجرین کو بخش دے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت خود کھود رہے ہیں۔ تو وہ بڑی کوشش سے کھودتے اور مٹی اٹھاتے جاتے تھے۔ جب دوسرا روز ہوا۔ تو وہ خندق پر آئے۔ اور حضرت مسجد فتح میں بیٹھ گئے اور صحابہ کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ ناگاہ ایک پتھر نمودار ہوا۔ جس پر کسی اثر نہ کرتی

تھی۔ پس انہوں نے جابر بن عبداللہ انصاری کو حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ کہ حقیقت حال عرض کرے۔ جابر کا بیان ہے۔ کہ جب میں مسجد فتح میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت پیٹھ کے بل سوئے ہوئے ہیں ۔ اور چادر مبارک سر کے نیچے رکھی ہوئی ہے۔ اور بھوک کے سبب اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھا ہوا ہے۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ خندق میں ایک پتھر نمودار ہوا ہے۔ جس پر کسی اثر نہیں کرتی۔ پس حضرت اٹھے۔ اور جلدی روانہ ہو گئے۔ جب اس جگہ پہنچے۔ تو آپ نے پانی طلب کیا۔ اور اس سے وضو کیا۔ اور ایک چلو اپنے حکمت نشاں منہ میں ڈال کر کلی کی۔ اور اس پتھر پر پھینک دیا۔ پھر کسی لے کر اس پتھر پر ایک ضرب لگائی۔ جس سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ اور اس روشنی میں ہم نے شام کے محل دیکھے۔ پھر دوسری بار کسی ماری اور ایک روشنی نمودار ہوئی۔ جس میں ہم نے مدائن کے محل دیکھے۔ پس آپ نے فرمایا کہ جن جگہوں پر روشنی چمکی ہے۔ تم ان کو فتح کرو گے۔ مسلمان یہ خوشخبری سن کر خوش ہوئے۔ اور خدا کی حمد کی۔ مگر منافق کہنے لگے۔ کہ حضرت کسریٰ و قیصر کے ملک کا وعدہ دیتے ہیں۔ اور ڈر کے مارے اپنے گرد خندق کھودتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے منافقوں کی تکذیب و تادیب کے لئے آیہ قل اللّٰھم مالک الملک نازل فرمائی۔ ابن بابویہ نے روایت کی ہے۔ کہ جب حضرت نے پہلی بار کسی ماری۔ پتھر ٹوٹ گیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ خدا نے ملک شام کی کنجیاں مجھے دیں۔ اور خدا تعالیٰ کی قسم کہ میں وہاں کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے دوسری بار کسی ماری اور دوسری تہائی توڑ دی اور فرمایا۔ اللہ اکبر خدا نے ملک فارس کی کنجیاں مجھے دیں۔ اور خدا کی قسم کہ میں مدائن کا سفید محل اب دیکھ رہا ہوں جب آپ نے تیسری بار کسی ماری اور باقی پتھر ٹوٹ گیا۔ تو فرمایا اللہ اکبر یمن کی کنجیاں مجھے دے دی گئی۔ اور خدا کی قسم کہ میں صنعا کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔ (انتہیٰ)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ جو جہاد خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں ہوئے اور جو ملک انہوں نے فتح کئے ان کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی سے دے دی تھی۔ اور ان کی فتوحات کو اپنی فتوحات سے تعبیر فرمایا تھا۔

(۱۹) فروع کافی میں ایک طویل حدیث بروایت ابو عمرو زبیری مذکور ہے۔ جس میں حضرت امام جعفر صادق نے شرائط جہاد بیان فرمائی ہیں۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔

فلما نزلت هذه الاية اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا فى المهاجرين

الذین اخرجھم اھل مکۃ من دیارھم واموالھم احل لھم جھادھم بظلمھم ایاھم واذن لھم فی القتال فقلت فھذہ نزلت فی المھاجرین بظلم مشرکی اھل مکۃ لھم فما بالھم فی قتالھم کسریٰ و قیصر و من دونھم من مشرکی قبائل العرب فقال لو کان انما اذن لھم فی قتال من ظلمھم من اھل مکۃ فقط لم یکن لھم الیٰ قتال جموع کسریٰ وقیصر و غیر اھل مکۃ من قبائل العرب سبیل لان الذین ظلموھم غیرھم وانما اذن لھم فی قتال من ظلمھم من اھل مکۃ لاخراجھم ایاھم من دیارھم واموالھم بغیر حق ولو کانت الایۃ انما عنت المھاجرین الذین ظلمھم اھل مکۃ کانت الایۃ مرتفعۃ الفرض عمن بعدھم اذا لم یبق من الظالمین والمظلومین احد وکان فرضھا مرفوعا من الناس بعد ھم اذا لم یبق من الظالمین والمظلومین احد ولیس کما ظننت ولا کما ذکرت ولکن المھاجرین ظلموا من جہتین ظلمھم اھل مکۃ باخراجھم من دیارھم واموالھم فقاتلوھم باذن اللّٰہ لھم فی ذلک وظلمھم کسریٰ وقیصر و من کان دونھم من قبائل العرب والعجم بما کان فی ایدیھم مما کان المومنون احق بہ منھم فقد قاتلوھم باذن اللّٰہ عزوجل لھم فی ذلک وبجمعۃ ھذہ الایۃ یقاتلوا مومنوا کل زمان وانما اذن اللّٰہ عزوجل للمومنین الذین قالوا بما وصف اللّٰہ عزوجل من الشرائط التی شرطھا اللّٰہ علی المومنین فی الایمان والجھاد ومن کان قائم بتلک الشرائط فھو مومن وھو مظلوم وما ذون لہ فی الجھاد بذلک المعنی ومن کان علی خلاف ذلک فھو ظالم ولیس من المظلومین ولیس بماذون لہ فی القتال۔

(فروع کافی۔ نو لکشوری۔ حصہ اول صفحہ ۶۱۱ - ۶۱۲)

ترجمہ: "جب آیہ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا۔ مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کو اہل مکہ نے ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دیا تھا۔ تو مظلوم ہونے کے سبب ان کے لئے اہل مکہ سے جہاد کرنا جائز ہوگیا۔ اور ان کو قتال کی اجازت دی گئی۔
راوی کا قول ہے کہ اس پر میںؔ نے عرض کیا۔ کہ یہ آیت تو مہاجرین کے بارے میں نازل

ہوئی۔ کیونکہ مشرکین مکہ نے ان پر ظلم کیا تھا۔ مگر مہاجرین نے کسریٰ اور قیصر سے اور مشرکین مکہ کے سوا دیگر مشرکین قبائل عرب سے کیوں جنگ کی۔ امام نے فرمایا کہ اگر مہاجرین کو فقط اہل مکہ ظالمین کے ساتھ جنگ کی اجازت ہوتی۔ تو ان کے لئے کسریٰ و قیصر کی فوجوں اور اہل مکہ کے سوا دیگر قبائل عرب سے لڑنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ مہاجرین پر ظلم کرنے والے یہ نہ تھے۔ بلکہ اور تھے۔ اور مہاجرین کو اہل مکہ ظالمین کے ساتھ جنگ کی اجازت صرف اس لئے دی گئی تھی۔ کہ انہوں نے مہاجرین کو ان کے گھروں اور مالوں سے ناحق نکال دیا تھا۔ اور اگر آیت میں مراد فقط مہاجرین ہوں۔ جن پر اہل مکہ نے ظلم کیا تھا۔ تو یہ آیت مرتفعتہ الفرض ہوئی۔ ان سے جو ان مہاجرین کے بعد ہوئے۔ جب کہ ظالموں اور مظلوموں سے کوئی نہ رہا۔ اور اس آیت کا فرض مرفوع ہوا۔ ان لوگوں سے جو ان کے بعد ہوئے۔ جب کہ ظالموں اور مظلوموں میں سے کوئی نہ رہا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ جیسا کہ تو نے گمان کیا۔ اور نہ ایسا ہے۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔ لیکن مہاجرین پر دو جہت سے ظلم تھا۔ اہل مکہ نے ان پر ظلم کیا۔ کیونکہ جو (ملک و سلطنت) ان کے ہاتھوں میں تھا۔ مومنین ان کی نسبت اس کے زیادہ مستحق تھے۔ اس لئے مہاجرین نے ان سے بھی باذن الٰہی جہاد کیا۔ اور اسی آیت کی دلیل سے ہر زمانے کے مومنین جہاد کرتے ہیں۔ اور اللہ عزوجل نے صرف ایسے مومنوں کو جہاد کی اجازت دی ہے۔ جو ایمان و جہاد کے بارے میں خدا کی قائم کردہ شرائط کو قائم رکھتے ہیں۔ جس شخص میں وہ شرطیں موجود ہوں وہ مومن و مظلوم ہے۔ اور اسی واسطے ماذون لہ فی الجہاد ہے۔ اور جو شخص اس کے برعکس ہو۔ وہ ظالم ہے۔ نہ کہ مظلوم۔ اسے قتال کی اجازت نہیں۔ (بلکہ مومنین کو اس سے قتال کرنا چاہیے۔) (انتہیٰ)

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ کسریٰ و قیصر پر بھی جہاد بحکم خدا ہوا تھا۔ اور مہاجرین جنہوں نے جہاد کیا خدا کی طرف سے ماذون تھے۔ اس حدیث میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ جہاد کی اجازت نہیں۔ مگر ان مومنوں کو جو متصف بصفات التآئبون العٰبدون الحٰمدون السائحون ہوں۔ پس مہاجرین کا ان اوصاف سے متصف ہونا ثابت ہو گیا۔ اور یہ امر محتاج بیان نہیں۔ کہ ایسے گروہ کے سردار اور خلیفہ بھی ایمان اور اعمال اور تمام صفات حسنہ سے متصف تھے۔ کیونکہ جو لوگ ایمان اور حسن اعمال میں کامل ہوں وہ ایسے شخصوں کی سرداری اور امامت کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ جو منافقین و مرتدین میں داخل اور اہل بیت کے دشمن اور ان کے حقوق کے غاصب ہوں۔

(۱۷) شیعہ کا علامہ علی بن عیسیٰ اردبیلی امام حسن رضی اللہ تعالیٰ کے حال میں لکھتا ہے۔

ومن کلامه علیه السلام ما کتبه فی کتاب الصلح الذی استقر بینه وبین

معاویة حیث رای حقن الدماء واطفاء الفتنة وهو بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم هٰذا ما صالح علیه الحسن بن علی بن ابی طالب-------- معاویة بن ابی سفیان صالحه علی ان یسلم الیه ولایة امر المسلمین علی ان یعمل فیهم بکتاب اللّٰہ تعالٰی وسنة رسوله صلی اللّٰہ علیه واٰله وسلم وسیرة الخلفاء الراشدین ولیس المعاویة بن ابی سفیان ان یعهد الی احد من بعده عهدا بل یکون الامر من بعده شوریٰ بین المسلمین وعلی ان الناس اٰمنون حیث کانوا من ارض اللّٰہ شامهم وعراقهم وحجازهم ویمنهم وعلی ان اصحاب علی وشیعته آمنون علی انفسهم واموالهم ونسائهم واولادهم وعلی معاویة بن ابی سفیان بذلک عهد اللّٰہ ومیثاقه وما اخذ اللّٰہ علی احد عن خلقه علیه بالوفاء بما اعطی اللّٰہ من نفسه وعلی ان لاینبغی للحسن بن علی ولا لاخیه المسلمین ولا لاحدمن اهل بیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واٰله وسلم غائلة سرا ولا جهرا ولا یحیف احدا منهم فی افق من الا فاق شهد علیه بذلک وکفی باللّٰہ شهیدا فلان و فلان والسلام۔

ولما تم الصلح وابرم الامر التمس معاویة من الحسن علیه السلام ان یتکلم بمجمع من الناس ویعلمهم انه قد بایع معاویة وسلم الامر الیه فاجابه الی ذٰلک فخطب وقد حشر الناس خطبة حمد اللّٰہ تعالٰی وصلی علی نبیه صلی اللّٰہ علیه واٰله فیها وهی من کلامه المنقول عنه علیه السلام قال ایها الناس ان اکیس الکیس التقی واحمق الحمق الفجور و انکم لو طلبتم مابین جابلق وجابرس رجلاً جده رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واٰله وسلم ماوجد تموه غیری وغیر اخی الحسین وقد علمتم ان اللّٰہ هدا کم بجدی محمد فانقذ کم به من الضلالة ورفعکم به من الجهالة واعزکم به بعد الذلة وکثرکم به بعد القلة ان معاویة نازعنی حقا هولی دونه فنطرت لصلاح الامة وقطع الفتنة وقدکنتم بایعتمونی علی ان تسالمون من سالمت وتحاربون من حاربت فرایت ان اسالم معاویة

واضع الحرب بینی وبینه وقد بایعته ورایت ان حقن الدماء خیر من سفکها ولم اردبذالک الاصلاحکم وبقائکم وان ادری لعله فتنة لکم و متاع الی حین۔ (کشف الغمہ معرفتہ الائمہ۔ مطبوعہ ایران ۱۲۹۴ ہجری۔ صفحہ ۱۷۰)

ترجمہ: "اور امام حسن علیہ السلام کے کلام سے ہے وہ جو آپ نے صلح کی کتاب میں لکھا جو آپ کے اور معاویہ کے درمیان قرار پائی۔ جب آپ نے مسلمانوں کو قتل سے بچانا اور آتش فتنہ کو فرو کرنا پسند فرمایا اور وہ صلح نامہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یہ وہ ہے جس پر حسن بن علی بن ابی طالب نے معاویہ بن ابی سفیان سے صلح کی۔ صلح اس بات پر قرار پائی۔ کہ حسن مسلمانوں کی سرداری معاویہ کے سپرد کر دے گا۔ بشرطیکہ معاویہ ان میں اللہ کی کتاب اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل کرتا رہے۔ اور معاویہ بن ابی سفیان کو یہ اختیار نہ ہو گا۔ کہ اپنے بعد کسی کے لئے وصیت کرے۔ بلکہ معاویہ کے بعد خلافت کا معاملہ شوریٰ پر رہے گا۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ لوگ خدا کی زمین میں جس جگہ رہیں گے امن میں رہیں گے۔ اہل شام شام میں اہل عراق عراق میں اہل حجاز حجاز میں اور اہل یمن یمن میں۔ اور یہ بھی شرط ہے۔ کہ اصحاب علی اور آپ کا گروہ اپنی جان و مال اور اپنی عورتوں اور بچوں پر بے خوف رہیں گے۔ اور معاویہ بن ابی سفیان پر اس امر کی بابت اللہ کا عہد و میثاق ہے۔ اور اللہ کا عہد جو اپنے کسی بندے پر ہوتا ہے۔ اس بندے پر اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے۔ کہ معاویہ نہ حسن بن علی کے لئے نہ ان کے بھائی حسین کے لئے اور نہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے لئے پوشیدہ اور ظاہر کوئی بدی سوچے گا۔ اور نہ روئے زمین کی کسی طرف میں ان میں سے کسی پر ظلم کرے گا۔ اس پر فلاں فلاں نے گواہی کی اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ والسلام

جب صلح تمام ہو گئی۔ اور معاملہ طے ہو گیا۔ تو معاویہ نے حسن علیہ السلام سے التماس کی کہ آپ لوگوں کے مجمع میں کلام کریں اور انہیں بتا دیں کہ میں نے معاویہ سے بیعت کر لی ہے۔ اور خلافت اس کے سپرد کر دی ہے۔ امام نے اس التماس کو قبول کیا اور لوگوں کے مجمع میں ایک خطبہ پڑھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود تھا۔ یہ خطبہ آپ سے منقول ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا۔ کہ اے لوگو داناؤں میں دانا وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔ اور احمقوں میں احمق وہ ہے۔ جو بدکردار ہو۔ اگر تم جابلق و جابرس (یہ دو شہروں کے نام ہیں جابرس اقصیٰ مشرق میں اور جابلق اقصیٰ مغرب میں ہے) کے درمیان ایسا شخص تلاش کرو جس کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ تو سوا میرے اور میرے بھائی حسین کے نہ پاؤ گے۔ تمہیں

معلوم ہے کہ خدا نے تم کو میرے نانا محمد ﷺ کے واسطے سے ہدایت دی۔ اور گمراہی سے بچایا۔ اور جہالت سے نکالا۔ اور ذلت کے بعد تم کو عزت دی۔ اور قلت کے بعد تم کو کثیر بنایا۔ تحقیق معاویہ نے مجھ سے خلافت میں جو میرا ہی حق تھا۔ جھگڑا کیا۔ پس میں نے صلاح امت اور قطع فتنہ کے لئے غور کیا۔ تم نے مجھ سے اس سے شرط پر بیعت کی تھی۔ کہ جس سے میری صلح ہو اس تمہاری بھی صلح ہو۔ اور جس سے میری لڑائی ہو۔ اس تمہاری بھی لڑائی ہو۔ سو میں نے سوچا کہ معاویہ سے صلح کر لوں ۔ اور لڑائی کو جو اس کے اور میرے درمیان ہے۔ بند کر دوں۔ تحقیق میں نے اس سے بیعت کر لی۔ اور حفظ خون کو خونریزی سے بہتر پایا۔ اس سے صلح سے میرا ارادہ بجز تمہاری صلاح و بقا کے اور کچھ نہیں۔ اور میں نہیں جانتا شائد یہ تمہارے واسطے آزمائش اور ایک وقت تک فائدہ ہے۔ (انتہیٰ)

صلح نامہ مذکورہ بالا ان ہی الفاظ میں مرزا غیاث الدین شیرازی شیعی کی تاریخ حبیب السیر میں بھی منقول ہے۔

اس مقام پر امور ذیل خصوصیت سے قابل غور ہیں۔

اول امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس صلح نامہ کی رو سے ولائیت امر مسلمین جس سے مراد امامت کبرے اور خلافت راشدہ ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ اس سے شیعہ کے اس قول کی تردید ہو گئی۔ کہ امامت نبوت کی طرح ہے۔ جس طرح نبوت دوسرے کو تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح امامت بھی کسی دوسرے کو نہیں دی جا سکتی۔

دوم تفویض خلافت کے ساتھ ایک تو یہ شرط بڑھائی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل کریں۔ خلفائے راشدین سے جناب امیر علیہ السلام مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اول تو جمع کا واحد پر طلاق بلا قرینہ صحیح نہیں علاوہ ازیں ظاہر ہے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب امیرؓ کو امام حق اور خلیفہ راشد نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ نصر بن مزاحم شیعی کتاب صفین میں لکھتا ہے۔

قال معاوية لعمر و يا ابا عبدالله انى ادعوک الى جهاد هذا الرجل الذى عصى ربه وقتل الخليفة واظهر الفتنة وفرق والجماعته وقطع الرحم قال عمرو الى من قال الى جهاد على (وقعته صفین۔ مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۹)

ترجمہ: "معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص سے کہا۔ اے ابو عبداللہ میں آپ کو اس شخص کے خلاف جہاد کرنے کی طرف بلاتا ہوں۔ جس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی اور خلیفہ کو قتل کیا۔ اور فساد ظاہر کیا۔ اور جماعت کو پراگندہ کر دیا۔ اور قطع رحم کیا۔ عمرو نے پوچھا کہ کس کی طرف بلاتے ہو۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ علیؓ کے خلاف جہاد کرنے کی طرف (انتہیٰ)

تو جب حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلیفہ راشد ہی نہ تھے۔ معاہدہ میں ان کی اتباع کو کس طرح تسلیم کر لیتے۔ پس خلفاء راشدین سے مراد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں۔ کیونکہ بجز ان کے اور کوئی خلیفہ نہیں ہوا تھا۔ کہ جس کی سیرت کے اتباع کا عہد لیتے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں۔ کہ حضرت امیرؓ بھی خلفائے راشدین میں شامل ہیں۔ تو چشم ما روشن دل ماشاد۔ نہ ہمیں کچھ نقصان۔ اور نہ اہل تشیع کو کچھ نفع۔ کیونکہ حضرات ثلاثہ بہر صورت اس میں داخل ہیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرات ثلاثہ کی خلافت راشدہ تسلیم کرنے کے ساتھ اپنی خلافت قدیمی اور اپنے والد ماجد کی خلافت بلافصل کو باطل کر دیا۔ خلع خلافت کے ساتھ آپ نے دوسری شرط یہ قرار دی۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کا معاملہ شورے پر ہو گا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت امام کے نزدیک امامت کے لیے نہ نص شرط ہے۔ نہ عصمت۔

سوم۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے ظاہر ہے۔ کہ آپ نے خلافت راشدہ و امامت کبرے جس میں نزاع تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ اور ان کو خلیفہ حق تسلیم کر لیا۔ اور ان کی بیعت بھی کر لی۔ اور یہ بھی ثابت ہے۔ کہ آپ نے تفویض خلافت محض صلاح امت اور قطع فتنہ کے لیے کی۔ نہ اس لیے کہ آپ کو خوف تھا کہ میرا لشکر مجھکو پکڑ کر امیر معاویہ کے حوالے کر دے گا۔ یا بوقت قتال مجھکو تنہا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرے گا۔ یا دشمن سے مل جائے گا۔

(۱۸) ابن شہر آشوب و غیر او روایت کردہ اند کہ روزے آن حضرتؐ نظر کرد بسوئے ذرا عہائے سراقہ بن مالک کہ باریک و پر مو بود۔ پس فرمود کہ چگونہ خواہد بود حال تو درہنگامیکہ دست رنجہائے پادشاہ عجم را در دستہائے خود کردہ باشی۔ پس چون در زمان عمر فتح مدائن کروند۔ عمر او ر اطلبید و دست رنجہائے پادشاہ عجم را در دستہائے کر او کرد (حیات القلوب جلد دوم۔ صفحہ ۷۱)

ترجمہ: "ابن شہر آشوب وغیرہ نے روایت کی ہے۔ کہ ایک دن آنحضرت نے سراقہ بن مالک کے بازوں کی طرف دیکھا جو باریک و پر مو تھے۔ پس فرمایا۔ کہ تیرا حال کس طرح ہو گا جب کہ تو شاہ عجم کے کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنے گا۔ پس جب عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدائن کو فتح کیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے سراقہ کو طلب کر کے پادشاہ عجم کے کنگن اس کے ہاتھوں میں ڈال دیئے۔ (انتہیٰ)

اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جہاد کا درست ہونا لازم آتا ہے۔ ورنہ وہ ناجائز ہوتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بچنے کی خبر دے جاتے۔

(۱۹) اصول کافی میں مولد علی بن الحسین علیہما السلام کے تحت میں یہ روایت مذکور ہے۔

عن ابی جعفر علیه السلام قال لما اقدمت بنت یزد جرد علی عمر اشرف لها عذارے المدینة واشرق المسجد بضوئها لما دخلته فلما نظر الیها عمر غطت وجهها وقالت افیروج باد اهر مزفقال عمر اتشتمنی هذه وهم بها فقال له امیر المومنین علیه السلام لیس ذٰلک لک خیرها رجلا من المسلمین واحسبها بفیئه فخیرها فجاءت حتّٰی وضعت یدها علی راس الحسین علیه السلام فقال امیر المومنین علیه السلام ماسمک فقالت جہان شاہ فقالها لیس بل شهربانویه ثم قال للحسین یا یا عبد اللّٰه لیلدن لک منها خیر اهل الارض فولدت علی بن الحسین۔ الخ۔

(اصول کافی۔ صفحہ ۲۹۶)

ترجمہ: "امام محمد باقر علیہ السلام کا بیان ہے۔ کہ جب یزد جرد کی بیٹی عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی۔ تو مدینہ کی لڑکیاں اس کے دیکھنے کے لئے گھروں کے چھتوں پر چڑھ گئیں۔ اور جب وہ مدینہ میں داخل ہوئی۔ تو مسجد اس کے حسن کی تابش سے روشن ہو گئی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا۔ تو اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اور کہا۔ بد روزگار باد اہرمز عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کیا یہ مجھے گالی دیتی ہے۔ اور اس کی تکلیف کا قصد کیا۔ امیر المومنینؑ نے آپ سے کہا۔ کہ یہ گالی آپ کے لئے نہیں۔ آپ اس کو اختیار دیں کہ مسلمانوں میں سے کسی کو چن لے۔ اور اس کو اس شخص کی غنیمت کے حصہ میں باعتبار خمس شمار کر لیں۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اختیار دیا۔ وہ آئی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا ہاتھ حسین علیہ السلام کے سر پر رکھ دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ "جہاں شاہ" اس پر امیر المومنین نے فرمایا۔ بلکہ تیرا نام شہربانویہ ہے۔ پھر حضرت امیر علیہ السلام نے حسین سے فرمایا۔ اے ابو عبداللہ تیرے ہاں اس سے ایک لڑکا پیدا ہو گا۔ جو اہل زمین میں سب سے بزرگ ہو گا۔ اس نے علی بن حسین جنا۔ الخ۔ (انتہی)

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ شاہ بانو بنت یزد جرد غنیمت میں آئی تھی۔ اگر جہاد صحابہ کرام صحیح نہ ہوتا۔ تو شاہ بانو کا لینا درست نہ ہوتا۔ اور روایت ابو عمرو زبیری میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ جہاد کی اجازت کیسے مومنوں کے لئے ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام اور ان کے سردار حضرت فاروق اعظم میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے اوصاف ثابت ہوئے۔

(۲۰) صحیفہ کاملہ میں جسے زبور آل محمد اور مصحف اہل بیت کہا جاتا ہے۔ وکان عن دعائہ علیہ السلام فی الصلوٰۃ علی اتباع الرسل ومصدقیھم کے تحت یہ دعا مذکور ہے۔

فاذکرھم منک بمغفرۃ ورضوان اللّٰھم واصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ والذین ابلوا البلاء الحسن فی نصرہ و کانفوہ واسرعوا الی وفادتہ وسابقوا الی دعوتہ واستجا بوالہ حیث اسمعھم حجۃ رسالاتہ وفا دقوالا ذق والا ولادنی اظھار کلمتہ وقاتلوا الویاء والا بناء فی تثبیت نبوتہ وانتصروا بہ ومن کانوا منطوین علی محبۃ یرجون تجارۃ لن تبور فی مودتہ والذین ھجرتھم العشائر ذلغلقوا بعرونہ وانتقت منھم الموایات اذا سکتوافی ظل قرابتہ فلا منشاء لھم اللّٰھم ماترکرلک وفیک وارضھم من رضوانک وبما حاشوا الخلق علیک وکانوا مع رسولک دعاۃ لک الیک واشکرھم علٰی ھجرھم فیک دیار قومھم وخروجھم من سعۃ المعاش الٰی ضیقہٖ ومن کثرت فی دینک من مظلومھم اللّٰھم وصل الی التابعین لھم باحسان الذین یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان خیر جزائک الذین قصد راسۃ احد لو فصوا الی شاکلتھم ولم ریب فی بعم ولم یختلیحھم شک فی قضو اثارھم والایتام بھدایۃ منارھم مکانفین وموازدین لھم یدینون بدینھم ویھتدون بھدیم یتفقون علیھم ولا یتھمونھم فیما ادواالیھم (صحیفہ کاملہ مطبوعہ۔ مطبع طبی حکیم عبدالحمید کلکتہ صفحہ ۱۱۳)

ترجمہ: "خدایا تو بخشش اور خوشنودی سے یاد کر اتباع رسل اور ان کے تصدیق کنندوں کو خصوصاً اصحاب محمد ﷺ کو جنہوں نے حق صحبت کو اچھی طرح ادا کیا۔ اور جن کی شجاعت کا حضرت کی اعانت میں خوب امتحان ہوا۔ انہوں نے آپ کی مدد کی۔ اور آپ کی رسالت کے قبول کرنے میں جلدی کی۔ اور آپ کی دعوت کی اجابت میں سبقت کی۔ جب آپ نے ان کو اپنی پیغمبری کی حجت (قرآن مجید) سنائی۔ تو انہوں نے آپ کی پیغمبری کو قبول کیا۔ اور آپ کے کلمہ کے ظاہر کرنے کے لئے اپنے بال بچوں اور بیویوں کو چھوڑا اور آپ کی نبوت کے برقرار

رکھنے کے لئے اپنے باپ بیٹوں سے لڑائی کی۔ اور آپ کی مدد سے غلبہ حاصل کیا۔ وہ آپ کی حجت پر لپٹے ہوئے تھے۔ اور آپ کی دوستی میں ایسی سوداگری کے امیدوار تھے۔ جس میں خسارہ ہرگز نہ ہو گا۔ اور آپ کی ہدایت کی دستاویز کو پکڑا۔ تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب وہ آپ کی قرابت کے سایہ میں آٹھہرے۔ تو ان کے رشتہ داروں کے رشتہ ٹوٹ گئے۔ خدایا تو ان کی ہجرت کو نہ بھلا۔ جو تیرے لئے اور تیری راہ میں تھی۔ اور تو ان کو اپنی خوشنودی سے راضی کر۔ (اور جزا دے ان کو) اس لئے کہ انہوں نے خلقت کو تیری طرف جمع کر دیا۔ اور وہ تیرے رسول کے ساتھ تیرے لئے اور تیری ہی طرف لوگوں کو بلانے والے تھے۔ اور ان کو جزا دے۔ کہ انہوں نے تیری راہ میں اپنی قوم کے شہروں کو چھوڑا اور عیش و آرام چھوڑ کر تنگی معاش کو اختیار کیا۔ اور احسان کر ان مظلوم صحابہ پر جن کے وجود سے تو نے اپنے دین کے اعزاز کے لئے مسلمان بکثرت کر دیئے۔ خدایا تو صحابہ کے تابعین کو بہترین جزا دے۔ جنہوں نے نیکی میں صحابہ کی پیروی کی۔ وہ تابعین جو یوں دعا کیا کرتے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ معاف کر دے۔ وہ تابعین جنہوں نے صحابہ کی سیرت کا اتباع کیا۔ اور ان کے عمل کا قصد کیا۔ اور ان کے طریقہ مذہب پر چلے۔ ان تابعین کو صحابہ کی بصیرت میں کسی شک نے نہیں پھیرا۔ اور صحابہ کے آثار کی پیروی کرنے اور ان کی روشنی کی ہدایت کے اقتدا کرنے میں کوئی شک ان کے دل میں نہ آیا۔ وہ صحابہ کی حمایت و مدد کرنے والے اور ان کے دین کے معتقد تھے۔ اور ان ہی کی راہ چلتے اور ان کی نصرت پر متفق تھے۔ اور جو کچھ صحابہ نے ان کو پہنچایا اس میں ان پر تہمت نہ رکھتے تھے۔ (انتہیٰ)

دعاء مندرجہ بالا سے امور ذیل معلوم ہوئے۔

۱۔ حضرت امام سجاد صحابہ کرام کے حق میں دعائے خیر فرماتے تھے۔

۲۔ حضرت امام زین العابدین تابعین کے لئے دعائے خیر فرماتے تھے۔

۳۔ صحابہ کرام نے ایمان لا کر خالصاً لوجہ اللہ ہجرت اختیار کی۔

۴۔ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کو مدد دی۔ اور غزوات میں کفار پر غالب آئے۔ کفار پر غلبہ پانا دو چار کا کام نہ تھا۔ چنانچہ جنگ بدر میں ۳۱۳ اور احد میں قریباً ایک ہزار اور حنین میں بارہ ہزار اور تبوک میں تیس ہزار صحابہ شامل تھے۔

۵۔ صحابہ کرام عاشق رسول اکرم ﷺ تھے۔ رسول کی محبت آخرت میں ان کو سودمند ہو گی۔

۶۔ جب صحابہ کرام ایمان لائے۔ تو ان کے کنبے کے لوگ ان کی ایذا کے درپے ہو گئے۔ اور ان سے رشتہ قرابت قطع کر دیا۔

۷۔ صحابہ کرام نے دعوت اسلام دی اور ان کی سعی سے ہزار ہا بندگان خدا دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

۸۔ صحابہ کرام کے تابعین صحابہ کی راہ پر چلے۔ اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ انہوں نے صحابہ کے ایمان و ہدایت میں کوئی شک نہ کیا۔ اور نہ ان پر کسی طرح کا طعن و تشنیع کیا۔

۹۔ صحابہ کرام نے احادیث و قرآن جیسا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے ملا تھا۔ بلا کم و کاست تابعین کو پہنچا دیا۔ یہ فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو امام زین العابدین نے بیان فرمائے۔ تمام مہاجرین و انصار بالخصوص خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔

(۲۱) امام حسن عسکری اپنی تفسیر میں حضور ختم المرسلین اور آپ کی آل و اصحاب کی فضیلت یوں بیان فرماتے ہیں۔

وذٰلک ان رسول اللّٰہ قال لما بعث اللّٰہ عزوجل موسی بن عمران واصطفاہ نجیا وفلق البحر فنجی بنی اسرائیل واعطاہ التورۃ والا لواح ای مکانہ من ربہ عزوجل فقال یارب لقد اکرمتنی بکرامتک لم تکرم بھا احدا قبلی فھل فی انبیاءک عندک من ھو اکرم منی فقال اللّٰہ عزوجل یا موسٰی اما علمت ان محمدا افضل عندی من جمیع ملٰئکتی وجمیع خلقی قال موسٰی یارب فان کان محمد افضل عندک من جمیع خلقک فھل فی اٰل الانبیاء اکرم من اٰلی قال اللّٰہ عزوجل یا موسٰی اما علمت ان فضل اٰل محمد علی جمیع اٰل النبین کفضل محمد علی جمیع المرسلین فقال یارب فان کان اٰل محمد عندک کذلک فھل فی صحابۃ الانبیاء اکرم من صحابتی قال اللّٰہ عزوجل یا موسٰی اما علمت ان فضل صحابۃ محمد علی جمیع صحابۃ المرسلین کفضل اٰل محمد علی جمیع اٰل النبین وکفضل محمد علٰی جمیع المرسلین فقال موسٰی یا رب فان کان محمد واٰلہ واصحابہ کما وصفت فھل فی امم الانبیاء

افضل عندک من امتی ظللت علیھم الغمام وانزلت علیھم المن والسلوٰی وفلقت لھم البحر فقال اللّٰہ یا موسٰی اما علمت ان فضل امۃ محمد علٰی جمیع الامم کفضلی علی جمیع خلقی۔ (الحدیث)

(تفسیر امام حسن عسکری مطبوعہ۔ مطبع جعفری لکھنؤ ۱۳۰ ہجری۔ صفحہ ۵)

ترجمہ: " رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ جب اللہ عزوجل نے موسیٰ بن عمران کو مبعوث فرمایا۔ اور ان کو اپنا ہمراز انتخاب کیا۔ اور سمندر کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو نجات دی۔ اور موسیٰ کو توریت اور تختیاں عطا کیں۔ تب موسیٰ نے اپنے پروردگار عزوجل کی بارگاہ میں اپنا رتبہ دیکھا۔ اور عرض کی۔ اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو وہ بزرگی بخشی ہے۔ جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں بخشی۔ کیا تیرے نبیوں میں کوئی نبی تیرے نزدیک مجھ سے زیادہ بزرگ ہے۔ اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا۔ اے موسیٰ علیہ السلام کیا تجھے معلوم نہیں کہ محمد میرے نزدیک میرے تمام فرشتوں اور میری تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار اگر محمدؐ تیرے نزدیک تیری تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ تو کیا نبیوں کی آل میں کسی کی آل میری آل سے بزرگ ہے۔ اللہ عزوجل نے جواب دیا۔ اے موسیٰ علیہ السلام کیا تجھے معلوم نہیں کہ آل محمد کی فضیلت تمام نبیوں کی آل پر ایسی ہے۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام پیغمبروں پر ہے۔ پس موسیٰ نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے نزدیک ایسی فضیلت رکھتی ہے۔ تو کیا نبیوں کے اصحاب میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے بزرگ ہیں۔ اللہ عزوجل نے جواب دیا۔ اے موسیٰؑ کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ اصحاب محمدؐ کی فضیلت تمام نبیوں کے اصحاب پر ایسی ہے جیسا کہ آل محمدؐ کی فضیلت تمام نبیوں کی آل پر اور محمد کی فضیلت تمام نبیوں پر ہے۔ پس موسیٰ نے عرض کی اے میرے پروردگار اگر محمدؐ اور ان کی آل اور ان کے اصحاب ایسے ہیں۔ جیسا کہ تو نے بیان کیا۔ تو کیا نبیوں کی امتوں میں کوئی امت تیرے نزدیک میری امت سے افضل ہے جس پر تو نے بادلوں کا سایہ کیا۔ اور من و سلوے نازل کیا۔ اور جس کے لئے تو نے سمندر کو پھاڑا۔ اللہ نے فرمایا۔ اے موسیٰ کیا تجھے معلوم نہیں کہ امت محمد کی فضیلت تمام امتوں پر ایسی ہے جیسا کہ میری فضیلت تمام مخلوقات پر ہے۔ الحدیث (انتہیٰ)

اسی تفسیر میں دوسری جگہ صفحہ ۱۹۶ پر ہے۔

(اوحی اللّٰہ الٰی اٰدم) ان اللّٰہ لیفیض علی کل واحد من محبی محمد واٰل محمد واصحابه من الرحمۃ مالو قسمت علی عدد کعدد کل ما خلق اللّٰہ من اول الدھر الٰی اٰخرہ کانو اکفار الکفاھم ولاداھم الی عاقبۃ محمودۃ والایمان باللّٰہ حتٰی یستحقوا به الجنۃ وان رجلا ممن یبغض اٰل محمد واصحابه الخیرین او واحد منھم لعذبه اللّٰہ عذابا لو قسم علی مثل عدد خلق اللّٰہ لا ھلکھم اجمعین۔

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے آدم پر وحی کی۔) کہ خدا محبین محمد ﷺ و آل محمد ﷺ و اصحاب محمد ﷺ میں ہے۔ ہر ایک پر ایسی رحمت نازل کرے گا کہ اگر وہ شروع زمانہ سے اخیر تک کی تمام مخلوقات پر جو کافر ہوں تقسیم کی جائے۔ تو انکے لئے کافی ہو اور ان کی عاقبت اچھی بنا دے۔ اور ان کو مومن بنا دے۔ یہاں تک کہ وہ جنت کے مستحق بن جائیں۔ اور اگر کوئی شخص خیار آل محمد ﷺ اور خیار اصحاب محمد ﷺ سے یا ان میں سے کسی ایک سے دشمنی رکھے۔ تو خدا اس کو ایسا عذاب دے گا کہ اگر وہ عذاب تمام مخلوقات پر تقسیم کیا جائے تو ان سب کو ہلاک کر دے۔ (انتہیٰ)

(۲۲) شیعہ کا عالم عامل ادیب کامل ناشر اخبار ائمہ ابرار محی مناقب حیدر کرار وآلہ الاطہار اپنی مشہور کتاب کشف الغمہ فی معرفتہ الائمہ (مطبوعہ ایران ۱۲۹۴ ہجری صفحہ ۲۲۰) میں لکھتا ہے۔

عن عروۃ بن عبداللّٰہ قال سالت ابا جعفر محمدبن علی علیھما السلام عن حلیۃ السیوف فقال لا باس به قد حلی ابوبکر الصدیق رضی اللّٰہ عنه سیفه قلت فتقول الصدیق قال فوثب وثبۃ واستقبل القبلۃ وقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل له الصدیق فلا صدق اللّٰہ له قولا فی الدنیا ولا فی الاخرۃ۔

ترجمہ: "عروہ بن عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر بن علی علیہما السلام سے پوچھا کہ تلواروں کے قبضہ کو حلیہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ امام نے جواب دیا کہ حلیہ کرنے میں کچھ ڈر نہیں۔ اس لئے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے قبضہ کو حلیہ کیا۔ میں نے عرض کی۔ کیا آپ بھی ابوبکر صدیق کہتے ہیں۔ راوی کا قول ہے کہ یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔ اور قبلہ کی طرف منہ کرکے فرمایا۔ ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں: ہاں وہ صدیق ہیں!!! جو کوئی ان کو صدیق نہ کہے۔ خدا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اس کے قول کی تصدیق کرے۔ (انتہیٰ)

(۲۳) شیعه کا رکن اسلام شیخ جلیل ابو عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی اپنی کتاب معرفتہ اخبار الرجال (مطبوعہ بمبئی۔ صفحہ ۲۰) میں یہ حدیث لایا ہے۔

حمدويه و ابراہیم قالا حدثنا ایوب بن نوح عن صفوان عن عاصم بن حميد عن فضيل الرسان قال سمعت اباداؤد وهو يقول حدثنى بريدة الاسلمى قال سمعت رسول اللّٰه يقول ان الجنة تشتاق الى ثلاثة قال فجاء ابوبكر فقيل له ابا بابكرانت الصديق وانت ثانى اثنين اذ هما فى الغار فلوسالت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم من هولاء الثلاثة قال انى اخاف ان اساله فلا اكون منهم فيعيرنى بذالک بنوتيم قال ثم جاء عمر فقيل له يا رباحفص ان رسول اللّٰه قال ان الجنة تشتاق الى ثلاثة وانت الفاروق الذى ينطق الملک على لسانک فلوسالت رسول اللّٰهمن هولاء الثلاثة فقال انى اخاف ان اساله فلا اكون منهم فيعيرنى بنو عدى۔ الحديث۔

ترجمہ: "بحذف اسناد۔ بریدہ اسلمی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بہشت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے میں ابوبکر آگئے۔ ان سے کہا گیا۔ کہ اے ابوبکر آپ صدیق ہیں۔ اور آپ ثانی اثنین اذھما فی الغار ہیں۔ کاش آپ رسول اللہ سے دریافت کریں۔ کہ یہ تین کون ہیں۔ ابوبکر نے جواب دیا۔ کہ میں ڈرتا ہوں۔ کہ اگر میں حضرت سے دریافت کروں اور ان تینوں میں میں نہ ہوں۔ تو بنو تیم مجھے اس پر سرزنش کریں گے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ پھر عمر آگئے۔ ان سے کہا گیا۔ کہ ابو حفص رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ بہشت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ آپ فاروق ہیں۔ جن کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے۔ کاش آپ رسول اللہ سے دریافت کریں کہ یہ تین کون ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ کہ میں ڈرتا ہوں۔ کہ اگر میں حضرت سے دریافت کروں۔ اور ان تینوں میں نہ ہوں۔ تو بنو عدی مجھے اس پر سرزنش کریں گے۔ الحدیث۔ (انتہی)

اس روایت سے ظاہر ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر ملقب بہ صدیق اور حضرت عمر ملقب بہ فاروق تھے۔ اور سب اصحاب مقدم الذکر کو صدیق و یار غار اور مؤخر الذکر کو فاروق ناطق بالصدق والصواب جانتے تھے۔

فضائل خلفاء و صحابہ کرام میں مذکورہ بالا چوبیں اقتباسات کے علاوہ کتب شیعہ میں اور حوالہ جات بھی ہمارے زیر نظر ہیں۔ جن کو طوالت کے خوف سے یہاں نقل نہیں کیا جاتا خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ ہم حضرات خلفائے ثلاثہ ودیگر صحابہ کرام کے فضائل تین قسم کے دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اول قرآن مجید کی آیات محکمات سے جن میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ دوم احادیث رسول اللہ ﷺ سے جن کا قدر مشترک حد تواتر و یقین کو پہنچا ہوا ہے۔ سوم روایات جناب امیر علیہ السلام و دیگر ائمہ سے جو متواتر ہیں۔ اگر یہ دلائل باطل ٹھہرائے جائیں۔ تو ہم حضرات شیعہ سے التماس کریں گے۔ کہ وہ کسی اور دلیل قطعی سے جناب امیر علیہ السلام کا ایمان ثابت کریں۔ جس میں خوارج کو بھی چون و چرا کی گنجائش نہ ہو۔

مطرقۃ الکرامہ صفحہ ۲۵ تا ۲۸ میں سوال از جمیع علمائے شیعہ کے ضمن میں مضمون زیر بحث کے متعلق یوں لکھا ہے: الحاصل اس قسم کے دلائل اہل حق اثبات ایمان و فضائل جناب خلفاء و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں قائم کرتے ہیں۔ اور بڑے دعویٰ کے ساتھ سینہ ٹھوک کر کہتے ہیں۔ کہ شیعہ و خوارج بھی بجزان دلائل کے کوئی دوسری دلیل اثبات ایمان جناب امیر یا جناب شیخین میں ہرگز پیش نہیں کر سکتے۔ اور اگر بالفرض یہ دلائل معروضہ باطل ہو جائیں۔ تو پھر ہرگز کسی طرح کسی کا ایمان خلفاء و صحابہ میں سے (جن میں جناب امیرؓ بھی شامل ہیں) ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ مصداق کار رد باستخوان رسالت و حقیقت اسلام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ بلکہ حضرات شیعہ کو دو مرحلے سخت دشوار یہ پیش آتے ہیں۔ کہ اول تو یہ کہ جب ان دلائل کو بوجہ عداوت صحابہ تاویلات رد کر کے باطل اور غلط قرار دیں گے اور یہ دلائل بزعم ان کے غلط اور باطل ہو جائیں گے۔ تو اثبات ایمان جناب امیرؓ ان کو اپنا مستدل کسی طرح قرار نہ دے سکیں گے۔ نہ کوئی دوسری دلیل اثبات ایمان جناب میں ان کے پاس موجود ہے۔ پس اثبات ایمان جناب امیرؓ سے عاجز ہوں گے۔

دوسرا یہ ہے کہ جب مخالفین شیعہ یا مخالفین جناب امیر شیعہ کی کتب مذہبی سے جناب امیر کے خارج از ایمان ہونے کا ثبوت دیں گے۔ اور بروئے روایت معتبرہ شیعہ معاذ اللہ تو بہ جناب امیر کا نفاق وار تداد کالشمس فی نصف النہار اثبات کو پہنچائیں گے۔ تو اس وقت ان حضرات دشمن دوست نما کو اثبات ایمان سے عاجز ہونے پر اکتفا نہ ہو گا۔ بلکہ صراحتاً بموجب اپنی ایمانی روایت کے اقرار کفر و نفاق افضل الائمہ کرنا پڑے گا۔ اور رجعت صغریٰ بلکہ کبریٰ کا مزہ یاد آجائے گا۔ شائد کسی ناواقف کو تامل و تردد ہو کہ جن کا ولاء و تمسک اس حد تک پہنچا ہو کہ انبیاء و رسل سے بھی بڑھا دیا ہو۔ ان کی کتب دین و ایمان سے ثبوت کفر و نفاق کے کیا معنے۔ مگر سچ ہے دوستی بے خرد خود دشمنی است۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو بھی

باوجود دعویٰ عصمت کفر تک نہ چھوڑا۔ اب ذرا متوجہ ہو کر سنئے۔ اور اس کا ثبوت لیجئے۔ مشتے از خروارو قطرہ از بحار۔ تفصیل دوسرے وقت پر حوالہ ہو کر اجمالاً عرض ہوتا ہے۔ بعد وفات جناب سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت ثقلین یعنی کتاب اللہ اور عترت باقی رہی جن کے تمسک اور حفظ اور نگہداشت کی وصیت کمال شد و مد کے ساتھ کی گئی تھی۔ اب حضرات شیعہ انصاف و عقل کی آنکھوں سے اپنی ہی کتابوں میں پڑھیں۔ اور دیکھیں کہ جناب امیر نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اول کتاب اللہ کو لیجئے۔ جب وفات سرور کائنات ﷺ کے بعد اصحاب مرتد ہوئے۔ اور دین کو درہم و برہم کیا۔ اور اپنی مرضی کے موافق جھوٹے اور غلط مسائل لوگوں کو بتلا کر گمراہ کرنے لگے۔ اور کتاب اللہ کو جس کی نگہبانی کا وعدہ بکمال تاکید ہوا تھا تحریف کیا اور سورتیں اس میں سے نکال ڈالیں۔ اور جو چاہا اس میں بڑھایا۔ جس سے آج تک قلوب مخلصین پاش پاش ہیں۔ اور وہی قرآن محرف تمام عالم میں مشرق سے مغرب تک پھیلایا۔ ایسی سخت ضرورت کے وقت میں جناب اسد اللہ نے اصلی قرآن منزل من اللہ کو جس میں مدائح اہل بیت اور فضائل صحابہ صاف صاف لکھے ہوئے تھے۔ ایسا صندوق تقیہ میں دبکایا کہ آج تک شیعان ایران اور فدائیان کوفتہ الہند کو خواب میں بھی زیارت نہیں ہوئی اور انشاء اللہ قیامت تک نہ ہو گی اور ہمیشہ بلکہ اپنی خلافت کے زمانے میں بھی اس جھوٹے اور مصنوعی قرآن کو اپنی نمازوں میں پڑھتے رہے۔ اور اپنے شیعوں کو اسی کی تلاوت کا حکم اور تلاوت پر مثوبات اخروی کا مژدہ سناتے رہے۔ نہ کبھی دشمنان دین کو تحریف و اشاعت قرآن محرف سے روکا۔ بایں ہمہ قوت و شجاعت کہ عمر فاروق آپ سے مرتے دم تک ڈرتے رہے۔ ایک بھی دھمکی نہ دی۔ ایک بھی معجزہ نہ دکھلایا۔ اگر روک نہیں سکتے تھے۔ تو اپنا سچا قرآن ہی شائع کر دیتے۔ اگر اور کسی کی خلافت میں خوف تھا۔ (خوف کیسا آپ کی موت و حیات تو اختیاری تھی) تو اپنی ہی خلافت میں شائع کرتے۔ اور اگر شائع کرنا خلاف مصلحت تھا۔ تو سو پچاس اپنے شیعان پاک ہی کو تعلیم فرما دیتے (کیا شیعان پاک اور فدائیان جانباز ناصبی و خارجی تھے۔ کہ ان سے بھی مخفی رکھا۔) سچ تو یہ ہے کہ حفظ وصیت کے یہی معنی تھے کہ آحاد امت سے اس کو کوئی دیکھ بھی نہ سکے۔ اہل عقل و انصاف غور کریں۔ کہ یہ کام کسی پکے مسلمان اور سچے خیر خواہ اسلام کا ہے۔ یا کسی بدخواہ مسلمانان اور دشمن اسلام کا۔ نہیں! نہیں صرف چھپانے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ حضرت افضل الائمہ نفس رسول ہمیشہ بموجب ارشاد فنبذوہ ورآء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلاً ترجمہ: پھینک دیا انہوں نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے اور لی اس کے بدلے تھوڑی۔ قیمت ۱۲۔ اس کے اوامر و نواہی کے مخالفت کرتے رہے۔ حق تعالیٰ شانہ تو ان الذین یکتمون ما انزلنا

من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولٰئک یلعنھم اللّٰہ ویلعنھم اللاعنون

☆ جو لوگ چھپاتے ہیں جو اتاریں ہم نے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم نے ان کو بیان کر دیا لوگوں کے لئے کتاب میں۔ یہی ہیں جن پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرنے والے۔

فرما کر قرآن اور اس کے احکام کے چھپانے والوں کو مورد اپنی لاعنین کی لعنت کا فرمائے۔ اور وصی رسول بر خلاف حکم الٰہی اس کو ایسا چھپادیں کہ کسی کو بھی پتہ نہ چلے اور اصول شیعان اور مخلصان پاک پر (معاذ اللہ) مصداق اس آیت کے بنیں اللہ تعالٰی تو ان الذین توفھم الملئکۃ الایۃ فرما کر دارالکفر سے ہجرت واجب فرمائے۔ اور باوجود قدرت پر ہجرت ترک کرنے والوں کے لئے ماواھم جھنم اور ساءت مصیرا فرمائے اور جناب فاروق اعظم شیعہ باوجود قدرت گھر سے بھی قدم نہ نکالیں۔ جب ابرو با دزیر فرمان تھے۔ تو بلاد عاد میں ہی اپنے شیعہ کو لے جا کر آباد ہو جاتے بلکہ ہمیشہ کفار و اشرار کے یار غار و رفیق و غمگسار لیل و نہار ہم نوالہ و ہم پیالہ رہے اور قبول مومنین مخلصین مورد مأوھم جھنم اور ساءت مصیرا کے ہوئے۔ اللہ تعالٰی جاھدوا الکفار و المنافقین فرمائے۔ اور خلیفہ برحق جہاد کی جگہ کفار کے ہاتھوں پر بیعت خلافت کرکے ربقہ اطاعت و انقیاد گردن میں ڈالیں اور بجائے غلظت صدیق اکبر شیعہ اہل کفر و نفاق کی جھوٹی تعریفیں اور خوشامدیں علی الاعلان کریں۔ جناب باری عزاسمہ تو لاتتولوا قوما غضب اللّٰہ علیھم اور من یتولھم منکم فانہ منھم فرمائے۔ اور جناب باری سید الاوصیاء ان سے موالات فرمائیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا موالات ہو سکتی ہیں۔ کہ ان کو خلعت دامادی پہنائیں۔ اور شرف مصاہرت سے مشرف فرمائیں۔ خداوند عالم تو فاصدع بما تومر فرمائے۔ اور من لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٓئک ھم الکفرون تک کی دھمکی دے۔ اور امام برحق دین کو دبکائے۔ اور غلط مسائل خلاف ما انزل اللّٰہ سے لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں۔ حق جل و علاتو ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللّٰہ من اولیاء ثم لا تنصرون فرمائے۔ اور امام الائمہ اہل ظلم سے دوستیاں کریں۔ ان کے اموال غنائم بے تکلف کھائیں۔ ان کے غنائم کی چھوکریوں سے جو حرام تھیں بے دغدغہ صحبتیں کریں حق تعالٰی تو خلافت موعود بقول وعد اللّٰہ الذین امنوا منکم الایۃ کو (جس کے مخالفین کو فسق کا لقب دیا ہے) موکد من اللہ فرمائے اور سید الاولیاء اس کے توڑنے کے منصوبے باندھیں علاوہ ازیں بموجب حکم کتاب مختوم خدا تعالٰی

کی طرف سے تو بمقابلہ خلفائے جو ربکمال تشدید و تاکید صبر و سکوت کا حکم صادر ہوا اور خلیفہ رسول بلا فصل اس کے برخلاف ادنیٰ معاملہ میں جیسا میزاب عباس تلوار کشی فرمائیں۔ قتل و قتال پر آمادہ ہو جائیں۔ (شاید ایسی خلافت ماخوذ خلاف سے ہو گی۔) پس اہل عقل اپنی میزان عقل میں اندازہ فرمائیں۔ کہ یہ کام کسی ادنیٰ ایمان والے کا ہو سکتا ہے۔ اس انبار کفریات کی کہاں تک تعداد کی جائے۔ الغرض قرآن ناطق نے قرآن صامت کی فی الواقع خوب ہی نگہداشت کی اور کتاب اللہ سے بہت ہی اچھا تمسک فرمایا۔ پھر حیف ہے۔ کہ اس پر بھی ان کو افضل امت اور نفس رسول فرمائیں۔ اور ان کے منکر کو کافر ٹھہرائیں۔

اب عترت کی طرف ذرا متوجہ ہو کر اجمالی حالات سن لیجئے۔ کہ جب کفار و منافقین نے جناب سیدہ معصومہ پر (دروغ برگردن راوی) ظلم اور زیادتیاں کیں۔ باغ فدک جو ہبہ یا وصیت یا میراث میں ملا تھا غصب کیا۔ اور آپ کو برسر منبر گالیاں دیں اور تہمت فاحشہ کے ساتھ متہم کیا۔ اور آپ کے شکم مبارک پر ضرب کا ایسا صدمہ پہنچایا۔ جس سے بعد سقوط حمل اہل بیت کے دو معصوم ہلاک ہوئے۔ اور خانہ رشک جنت کو آگ لگا دیا اور جلا ڈالا اور جناب سیدہ نے بلبلا کر اسد اللہ سے پدر من مردو یاور من ست شد بہزار حسرت و افسوس کہا۔ فرمایئے تو سہی ایسے وقت میں آپ کے اسد اللہ الغالب نے اہل بیت پیغمبر کی کیا دستگیری فرمائی اور کیا حفظ و نگہداشت کی۔ قطع نظر عترت ہونے کی غیرت حمیت کے (جو اوصاف عالیہ میں سے ہے۔) مقتضا سے ہی فرمایئے۔ کہ آپ کو کیا کرنا تھا۔ ایسے موقع میں ایک ادنیٰ آدمی بھی اپنی جان دے دیتا ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ اسد اللہ کفار و منافقین سے مل گئے۔ اور بخوف منافع دنیاویہ ظالموں سے مل کر اہل بیت رسالت کی توہین و تذلیل کرائی۔

چنانچہ بقول علامہ مجلسی جناب سیدہ نے ناخوش ہو کر مثل جنین پردہ نشین رحم شدہ و مثل خائنین درخانہ گریختہ۔ گرگان مے درند و مے برند تو از جائے خود حرکت نمے کنی۔ فرمایا اور ذرا حمیت اور غیرت اسلامی کو جوش نہ آیا۔ اہل عقل و انصاف غور فرمائیں۔ کہ اگر کسی میں تھوڑا سا بھی اسلام ہو وہ اہل بیت نبوت پر باوجود قدرت اس قدر ظلم و ستم دیکھ سکتا ہے۔ یہ وہی کر سکتا ہے کہ جس کے دل میں ایمان کی بلکہ ایمان کے ساتھ غیرت کی بو بھی نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر بھی لیجئے کہ وہی کفار و منافقین دختر اسد اللہ اور نواسی رسول اللہ کو جبراً چھین لے گئے اور سالہا سال تک اپنے عقد و تصرف میں رکھا یہاں تک کہ اولاد بھی ہوئی جس پر آج تک شیعان پاک نوحہ کرتے چلے

آئے ہیں۔ مگر اسد اللہ نے ان کی رعایت سے یہاں تک صبر و سکوت کیا کہ مطلق چون و چرا نہ کیا۔ اس دختر نیک اختر نے طمانچہ تک مارا۔ پر اسد اللہ کو ذرا بھی جوش ایمانی نہ آیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملی بھگت تھی۔ کوئی ایمان دار کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ کسی مومن کا کام ہے۔ یہ کام تو کسی ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جس نے اپنے دین کو بعوض دنیا بیچ ڈالا ہو۔ بالجملہ بروئے روایات مذہبی شیعہ صدہا ایسے امور ہیں۔ جن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لانا اور ہجرت کرنا اور اعانت رسول کرنا صرف دکھلانے کے لئے تھا۔ اور ان کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان نہ تھا۔ نعوذ باللّٰہ من تلک الکفریات۔

لہٰذا اب جمیع علماء شیعہ سے سوال کیا جاتا ہے۔ کہ آپ حضرات اگر دلائل مذکورہ سے ایمان و فضائل جناب شیخین وغیرہ کے قائل نہیں ہوتے تو جناب امیر کا مومن ہونا کسی ایسی دلیل قطعی سے ثابت کر دیں جو شرائط مندرجہ بالا کے موافق ہو۔ حوصلہ و ہمت کی بات تو یہ ہے۔ کہ ان سب دلیلوں کو چھوڑ کر کوئی ایسی دلیل ڈھونڈ کر لائیں۔ کہ اس میں کسی احتمال کی بھی گنجائش نہ ہو۔ اور اس کے مقدمات خصم کو مسلم ہوں۔ اور حضرت امیر کا ایمان بھی اس سے ثابت ہو جائے۔ مگر ناظرین دیکھ لیں گے۔ کہ انشاء اللہ ابد الدہر بھی شیعہ کو کوئی ایسی دلیل نصیب نہ ہو گی۔ اور ممکن نہیں۔ کہ بدون اختیار مذہب حق را کامیابی حاصل ہو۔ اور وہ اپنے اصول پر جواب دے سکیں۔ انتہی۔ **بلفظہ۔**

دوسرے دعویٰ کی تردید

لشکر اسامہ کے بھیجنے سے غرض یہ نہ تھی۔ کہ حضرت امیر کی خلافت بلا فصل میں کوئی سد راہ باقی نہ رہے۔ بلکہ اس سے غرض اسامہ کے والد حضرت زید کا انتقام لینا اور کفار کی سرکوبی تھی۔ اسی واسطے یہ لشکر حضرت زید کے قتل گاہ کی طرف بھیجا گیا۔ اور ان کے قاتل کو قتل اور کفار کو پامال کر کے واپس آ گیا۔ خلافت بلافصل کا افسانہ جو شیعہ نے گھڑ لیا ہے اس کی تردید فضائل صحابہ کرام کے ضمن میں اوپر آ چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری وصیت منبر پر فرمائی۔ اس میں کسی کو خلیفہ معین نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ میرے بعد خلیفہ مقرر ہو وہ ایسا کرے۔ خود حضرت امیر خلافت شیخین کی صحت کے قائل اور ان کے مداح ہیں۔ امام حسن علیہ السلام صلح نامہ میں حضرات ثلاثہ کا خلفاء راشدین ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت امیر کے ارشادات ذیل اسی بارے میں قابل غور ہیں:

ومن خطبة له عليه السلام لما اريد على البيعة بعد قتل عثمان رضى الله

عنه ودعوني والتمسوا غيري فانا مستقبلون امرًا له وجوه والوان لا تقوم له القلوب ولا تثبت عليه العقول وان الا فاق قدا غامت والحجة قد تنكرت واعلموا ان اجبتكم ركبت بكم ما اعلم ولم اصغ الى قول القائل وعتب العاتب وان تركتموني فانا كا حدكم ولعلى اسمعكم واطوعكم لمن وليتموه امركم وانا لكم وزيرًا خير لكم مني اميرًا (نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: "حضرت امیر علیہ السلام کا ایک خطبہ اس وقت کا جبکہ قتل عثمان کے بعد آپ کی بیعت میں داخل ہونے کی درخواست کی گئی یہ ہے کہ مجھے چھوڑو اور کوئی دوسرا ڈھونڈو۔ کیونکہ ہم ایسے امر کی طرف متوجہ ہیں۔ جس کے رخ مختلف اور رنگ جدا جدا ہیں۔ نہ دل اس کو سنبھال سکتے ہیں۔ نہ عقلیں اس پر ثابت قدم رہ سکتی ہیں۔ اور تحقیق آفاق پر ابر چھا گیا۔ اور راہ راست بے پہچان ہو گیا۔ اور تم کو معلوم رہے۔ کہ اگر میں تمہاری درخواست بیعت کو قبول کر لوں تو تم کو اس راستے پر چلاؤں گا جس کو میں پہچانتا ہوں اور کسی قائل کے قول اور ناخوش ہونے والے کے خشم و ملامت کی طرف متوجہ نہ ہوں گا۔ اور اگر تم مجھ کو چھوڑ دو گے۔ تو میں تم میں سے ایک کی مثل ہوں گا۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ میں اس کا جس کو تم اپنا خلیفہ بناؤ گے۔ تم سے زیادہ حکم سننے والا اور زیادہ اطاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور تمہارے لئے خلیفہ بننے کی نسبت میرا وزیر بننا بہتر ہے۔ (انتہی)

اس خطبہ میں حضرت امیرؓ نے بنا بر مظنہ فسادات آئندہ خلافت سے انکار کر دیا۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ آپ کی خلافت منصوصہ نہ تھی۔ ورنہ آپ رد نہ کرتے۔ کیونکہ خلافت حسب عقیدہ شیعہ تالی نبوت ہے۔ جس طرح نبوت رد نہیں ہو سکتی۔ حضرت امیر کے الفاظ وان ترکتمونی الخ سے ظاہر ہے۔ کہ خلافت کا مدار اہل حل و عقد کی بیعت پر ہے۔ اہل حل و عقد کی بیعت جس کے ہاتھ پر واقع ہو گی۔ وہ خلیفہ ہو جائے گا۔ ورنہ مامور و محکوم رہے گا۔ اس سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ اس وقت تک امیر و خلیفہ نہ تھے۔ حضرت کا ارشاد کہ مجھے امید ہے کہ جس کو تم خلیفہ بناؤ گے میں تمہاری نسبت اس کے حکم کا زیادہ سننے والا اور زیادہ مطیع ہوں گا۔ اس مطلب کی مزید وضاحت کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس ارشاد میں حضرت زیادتی سمع اور زیادتی اطاعت اس کی نسبت فرماتے ہیں۔ جس کو مخاطبین اہل حل و عقد خود اپنے اختیار سے بدون کسی نص کے اپنا حاکم و امیر بنالیں۔ اور بدیہی ہے کہ اس کا واجب الاطاعۃ بالخصوص حضرت کی نسبت ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ وہ امام

حق اور خلیفہ راشد ہو۔ اگر وہ جائر و غاصب ہو تو حضرت کے لئے ہرگز واجب الاطاعۃ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے۔ کہ نہ جناب امیرؑ خلیفہ بلافصل ہیں۔ اور نہ خلافت منصوص من اللہ ہے۔ بلکہ انعقاد خلافت کا مدار بیعت اہل حل و عقد پر ہے۔ خطبہ کے اخیر الفاظ (امیر بننے کی نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے واسطے بہتر ہے۔) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ شہادت عثمان کے وقت تک امیر نہ تھے۔ اور اپنی امارت کو اہل حل و عقد کی بیعت پر موقوف سمجھتے تھے۔

(۲) حضرت امیرؑ نے بیعت خلافت کے بعد طلحہ و زبیر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

واللّٰہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیھاو حملتمونی علیھا۔ (نہج البلاغہ۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۳۱)

ترجمہ خدا کی قسم مجھے خلافت میں رغبت نہ تھی۔ اور نہ ولایت میں کوئی غرض تھی۔ لیکن تم نے مجھ کو خلافت کی دعوت دی۔ اور مجھ کو اس پر آمادہ کیا انتہیٰ۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت امیر کی خلافت منصوص نہ تھی۔ اور نہ آپ خلیفہ بلافصل تھے۔

(۳) نصر بن مزاحم شیعی امامی نے بالا سناد بیان کیا ہے۔ کہ حضرت معاویہ نے حبیب بن مسلمہ فہری اور شرجیل بن سمط اور معن بن یزید بن اخنس سلمی کو حضرت امیر کی خدمت میں بھیجا کہ ان سے قاتلین عثمان کی حوالگی کا مطالبہ کریں۔ حضرت امیر نے ان کے جواب میں حمد و ثنا کے بعد یوں فرمایا۔

اما بعد فان اللّٰہ بعث النبی صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ فانقذ بہ من الضلالۃ و انعش بہ من الھلکۃ وجمع بہ بعد الفرقۃ ثم قبضہ اللّٰہ الیہ وقدادی ما علیہ ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمرو احسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ وقد وجدنا علیھما ان تولیا الامردوننا ونحن ال الرسول واحق بالامر فغفرنا ذٰلک لھما ثم ولی امر الناس عثمان فعمل باشیاء عابھا الناس علیہ فسار الیہ ناس فقتلوہ ثم اتانی الناس وانا معتزل امرھم فقالوا لی بایع فابیت علیھم فقالوا الی بایع فان الامۃ لا ترضٰی الابک وانا نخاف ان لم تفعل ان یفترق الناس فبایعتھم الخ

(کتاب صفین مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۱۰۵۔ و تحفہ صفین مطبوعہ مطبع عباسیہ۔ صفحہ ۱۴۹)

ترجمہ: ”بعد حمد و ثنا آنکہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ پس آپ کے ذریعے

(لوگوں کو) گمراہی اور ہلاکت سے بچایا۔ اور فرقت کے بعد جمع کیا۔ بعد ازاں آپ کو اپنی طرف قبض کیا۔ اور آپ نے اپنا فرض ادا کیا۔ پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ پھر ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنایا۔ ان دونوں نے اپنی سیرت کو اچھا رکھا اور امت میں عدل کیا۔ ہم نے ان دونوں پر غصہ کیا کہ وہ ہمارے بغیر امر خلافت سے متولی ہو گئے۔ حالانکہ ہم آل رسول خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ پس ہم نے ان کو یہ معاف کر دیا۔ پھر عثمان لوگوں کے امر کے متولی بنائے گئے۔ انہوں نے کچھ ایسی باتیں کیں۔ جن کے سبب لوگوں نے ان پر عیب لگایا۔ پس کچھ لوگ آپ پر حملہ آور ہوئے۔ اور آپ کو شہید کر دیا۔ پھر لوگ میرے پاس آئے حالانکہ میں ان کے امر سے کنارہ کش تھا۔ اور مجھ سے کہنے لگے کہ بیعت لو۔ پس میں نے انکار کر دیا۔ وہ بولے کہ بیعت لو۔ کیونکہ امت آپ کے سوا کسی پر راضی نہیں۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے۔ تو ہمیں ڈر ہے۔ کہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ للذا میں نے ان سے بیعت لی۔ (الخ) (انتہےٰ)

یہاں امور ذیل قابل غور ہیں:

(الف) حضرت امیرؑ نے جو اپنے آپ کو احق بالخلافہ فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ آپ کے نزدیک حقیق بالخلافہ ضرور تھے۔

(ب) حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت صحیح تھی۔ حضرت امیر کو بتقاضائے بشریت جو ان پر اعتراض تھا۔ وہ آپ نے بطیب خاطر رفع دفع کر دیا۔ اور ان کی خلافت راشدہ کو تسلیم کر لیا:

(ج) حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب حضرت امیر پر خلافت پیش کی گئی۔ تو آپ نے پہلے انکار کر دیا۔ پھر صلاح امت کے خیال سے قبول فرمایا:

(د) حضرت عثمان کے زمانے تک حضرت امیر خلیفہ بالفعل نہ تھے۔ فعلیت خلافت کا مدار بیعت اہل حل و عقد پر ہے۔ چنانچہ ارشاد امیرؑ ہے: انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار یہ حضرات جس مستحق کو خلیفہ بنائیں وہ بالفعل خلیفہ ہو جائے گا۔ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ وہی خلیفہ حق کہلائے گا۔

(ہ) حضرت امیر کا اپنے تئیں احق بالخلافتہ فرمانا بموجب اپنے گمان اور رائے کے تھا۔ احقیت یا استحقاق خلافت فعلیت خلافت کے لئے کچھ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ فعلیت خلافت کا مدار اہل حل و عقد کی بیعت پر ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

امور مذکور بالا سے خلافت بلافصل کا بطلان کالشمس فی النہار ظاہر ہے۔ حضرت امیر اپنے آپ کو

احق بالخلافۃ فرما رہے ہیں۔ مگر شیعہ نے جو ان کے حالات بیان کئے ہیں ان سے خلافت کا استحقاق تو در کنار حضرت امیر کا ایمان تک ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ میرے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ اس وصیت سے پہلے اعیان روز گار جو صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر تھے ان کا گمان تھا کہ خلافت کی وصیت حضرت طلحہ کے لئے ہو گی۔ وہ لوگ جو خلافت عمر کو ناپسند کرتے تھے اعتراض کرنے لگے۔ مگر حضرت امیرؓ نے بڑے زور سے صدیق اکبر کی تائید کی۔

اس کے متعلق شیعہ کی معتبر تاریخ روضۃ الصفا۔ (مطبوعہ بمبئی ۱۲۶۲ ہجری۔ جلد دوم۔ صفحہ ۲۶۰) کے الفاظ یہ ہیں۔

وجمع کہ خلافت عمر راکارہ بودند گفتند اے خلیفہ رسول خدا درین امر خطیر تاملے بسزا فرما زیراکہ در قیامت خلفا از حال رعایا وزیر دستان مسئول خواہند بود۔ علی گفت اے طلحہ ماہیچ کس را بغیر از عمر اطاعت نمے کنیم۔ بخدا سوگند کہ تحمل این بارگران جز اوراکسے نمے دانیم۔ وشمہ از اوصاف اوبیان کردہ بجانب ابی بکر توجہ نمودہ گفت۔ اے خلیفہ رسول خدا پسندیدہ شما پسندیدہ ماست ورضائے مامقرون برضائے شماست۔ برھمگنان معلوم است۔ کہ مدت الحیوۃ بروجہ احسن زیستی و پیوستہ بنظر مرحمت درحال امت نگریستی۔ باری سبحان و تعالیٰ ترا اجزائے خیر دہادو بعنایت و مغفرت خود مخصوص گرداناد۔ (انتہیٰ)

ترجمہ: "جو لوگ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ناپسند کرتے تھے کہنے لگے۔ اے خلیفہ رسول خدا اس بڑے امر میں مناسب تامل فرمایئے۔ کیونکہ قیامت کے دن خلیفوں سے رعایا اور زیر دستوں کے حال کی بابت سوال ہو گا۔ علی علیہ السلام نے کہا کہ اے طلحہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کریں گے خدا کی قسم مجھے عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور شخص معلوم نہیں۔ جو اس بھاری بوجھ کو اٹھا سکے۔ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان فرمائے۔ پھر ابوبکر کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ اے خلیفہ رسول خدا آپ کا پسندیدہ ہمارا پسندیدہ ہے۔ اور ہماری رضا آپ کی رضا کے ساتھ ہے۔ سب کو معلوم ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ بھر آپ نے نہایت اچھی طرح سے زندگی بسر کی ہے۔ آپ ہمیشہ امت کے حال پر نظر مرحمت فرماتے رہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اور اپنی عنایت و مغفرت سے مخصوص کرے۔ (انتہیٰ)

حضرت امیرؓ کے اس ارشاد سے خلافت بلافصل کا بطلان ظاہر ہے۔

(۵) خلافت عثمان کی صحت کو بھی حضرت امیرؑ نے تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ جب لوگ حضرت عثمان کی بیعت کرنے لگے۔ تو حضرت امیر نے فرمایا۔

لقد علمتم انی احق الناس بھا من غیری وواللّٰہ لا سلمن ما سلمت امور المسلمین۔ (نہج البلاغہ۔ جزء اول۔ صفحہ ۷۷)

ترجمہ: "بے شک تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں غیر کی نسبت خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ خدا کی قسم میں عثمان کے لئے خلافت تسلیم کرتا ہوں۔ جب تک کہ مسلمانوں کے امور (فتنہ و فساد سے) سلامت رہیں۔ (انتہیٰ)

ارشادات مذکورہ بالا کے علاوہ قرآن مجید کی آیات بھی جن سے حضرات ثلاثہ کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔ خلافت بلافصل کو باطل کر رہی ہیں۔

تیسرے دعویٰ کی تردید

معترض کا یہ قول کہ سیدنا ابوبکر صدیق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شدت مرض میں بغیر اجازت کے مسلمانوں کو نماز پڑھانے لگ گئے۔ صریح البطلان ہے۔ صدیق اکبر کی طرف سے ایسی جرأت ایک نماز میں نہیں۔ بلکہ سترہ نمازوں میں قطع نظر نقل متواتر کے عقلاً بھی مستبعد و محال ہے۔

ایس ذاکر حسین جعفر شیعی امامی اثنا عشری لکھتا ہے۔

ایام مرض میں جب وقت نماز آتا۔ بلال آنحضرت ﷺ کو اطلاع دیتے۔ اور حضرت باہر آکر نماز پڑھاتے۔ مگر اکثر مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ آخری سترہ نمازوں میں حاضر نہ ہو سکے۔ اس موقعہ پر طبری نے لکھا ہے۔ کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ علی کو بلا بھیجو۔ پس علی کو بلانے گئے۔ عائشہ نے کہا کہ اگر ابوبکر کو بلالوں تو کیا حرج ہے۔ اور حفصہ نے کہا۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ کو بلالوں تو کیا۔ حرج ہے۔ پس یہ سب آنحضرت ﷺ کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ پس فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ اب تو چلے جاؤ جب مجھے ضرورت ہو گی تو بلا لوں گا۔ پس یہ لوگ چلے گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نماز کا وقت آیا۔ جواب ملا البتہ فرمایا۔ بس تو ابوبکر کو حکم دے دو۔ کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (تاریخ اسلام۔ حصہ دوم۔ مطبوعہ مقبول پریس دہلی ۱۳۳۲ھ۔ صفحہ ۱۶۸)

چوتھے دعویٰ کی تردید

مصنف کا قول کہ حضرت شیخین و دیگر صحابہ کرام نے لشکر اسامہ سے تخلف کیا غلط ہے۔ متعینان

لشکر میں سے کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی نہ کی۔ نہ کسی نے تخلف کیا۔ بلکہ تیار ہو کر مدینہ سے باہر تین میل کے فاصلہ پر جمع ہو گئے۔ اور سب چلنے ہی کو تھے۔ کہ حضرت اسامہ کو ان کی والدہ ام ایمن نے پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ حالت نزع میں ہیں۔ اس حال میں حضرت اسامہ اور متعینان لشکر کس طرح گوارا کر سکتے تھے۔ کہ باوجود قرب کے اپنے آقائے نامدار ﷺ کی آخری زیارت اور شمول جنازہ سے محروم رہیں۔ حضرت صدیق اکبر نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی حکم دیا کہ اسامہ مع متعینان لشکر فوراً روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

شیعہ کی معتبر تاریخ روضۃ الصفا (جلد دوم۔ صفحہ ۲۴۷) میں یوں لکھا ہے۔

چون امر خلافت بر صدیق اکبر قرار گرفت فرمود تا در مدینہ ندا کروند کہ ہیچ کس از لشکریان اسامہ تخلف ننمائید و ہر کرا رسول اللہ نامزد فرمود کہ با اسامہ برود باید کہ دران امر تاخیر و تسویف جائز ندارد۔ بعضے اصحاب رائے و کیاست معروض صدیق گردانید ندکہ معظم لشکر اسلام این جماعت اند کہ مے فرمائی۔ کہ ہمراہ اسامہ ،غزا روند۔ اکنون چون مسموع مے شود کہ قبائل عرب و فرق یہود کہ در حوالی مدینہ اند در مقام ارتدا د و مخالفت اند مبادا کہ از رفتن اسامہ خللے بملک و ملت راہ یابد۔ اگر روزے چند این مہم در خیر تاخیر و تعویق ماند بصواب نزدیک تر باشد۔ صدیق در جواب گفت کہ اگر سباع ضارہ در غیبت اسامہ مرا پارہ پارہ سازند من اور اخواہم فرستاد۔۔۔۔۔ القصہ صدیق فرمان داد تا اسامہ بمقصد شتابد اسامہ بموجب فرمودہ براحلہ نشست و روے توجہ بدیار شام آورد۔۔۔۔۔۔ نقل است کہ بعد از انتقال حضرت مقدس نبوی ارباب شقاق و عناد را تصور آن بود کہ اہل اسلام را قوت و شوکتے نماندہ کہ لشکر کشندہ آسان بدفع ایشان مے تو ان پرداخت۔ چون بمسامع آن جماعت رسید کہ اسامہ بالشکرے چنان قوی از مدینہ بیرون رفت رعب و خوف برخاطر ہمہ استیلا یافت و از مسلمانان حسابہا برگرفتند۔ بصحت پیوستہ کہ از لشکر اسامہ ہیچ کس تخلف ننمود۔ مگر فاروق۔ و این صورت بواسطہ آن بود کہ در حین وداع صدیق با اوگفت کہ در سوانح مہمات بحضور عمر رضی اللہ عنہ احتیاج است اگر رائے تو اقتضا فرمائید اورا رخصت دہ تا باز گردد۔ اسامہ ملتمس ابوبکر مبذول داشتہ عمر بمدینہ مراجعت نمود۔ (انتہیٰ)

ترجمہ: "جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے۔ تو ان کے حکم سے مدینہ میں منادی کر دی گئی۔ کہ لشکریان اسامہ میں سے کوئی تخلف نہ کرے۔ اور جس کو رسول اللہ نے اسامہ کے ساتھ جانے کے لئے نامزد فرمایا ہے۔ اسے چاہیے کہ اس امر میں تاخیر کو جائز نہ رکھے اصحاب رائے

وکیاست میں سے بعضوں نے صدیق اکبر کی خدمت میں عرض کی کہ لشکر اسلام کا بڑا حصہ یہ جماعت ہے۔ جن کو آپ حکم دیتے ہیں۔ کہ اسامہ کے ساتھ جنگ کے لئے جائیں۔ اب جو سنا جاتا ہے۔ کہ قبائل عرب اور یہود کے فرقے جو مدینہ کے نواح میں ہیں۔ ارتداد و مخالفت کے درپے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اسامہ کے جانے سے ملک و ملت میں کچھ خلل آجائے اگر چند روز یہ مہم تاخیر و تعویق میں رہے۔ تو صواب کے زیادہ نزدیک ہے۔ صدیق نے جواب میں کہا۔ کہ اسامہ کی غیر حاضری میں اگر ضرر پہنچانے والے درندے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں میں اسے بھیجوں گا۔۔۔۔۔۔ حاصل کلام صدیق نے حکم دیا۔ کہ اسامہ اپنی منزل مقصود کی طرف جلدی روانہ ہو جائے۔ حسب الحکم اسامہ اونٹ پر سوار ہو کر ملک شام کی طرف متوجہ ہوئے۔ نقل ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے انتقال کے بعد دشمنوں کا یہ خیال تھا۔ کہ مسلمانوں میں لشکر کشی کی قوت و طاقت نہیں رہی۔ ان کو آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ جب ان مخالفین کے کانوں میں یہ خبر پہنچی۔ کہ اسامہ ایسے زبردست لشکر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گیا ہے۔ تو سب کے دلوں پر رعب و خوف غالب ہو گیا۔ اور مسلمانوں سے ڈرنے لگے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ سوائے فاروق کے لشکر اسامہ میں سے کسی نے تخلف نہیں کیا۔ اور فاروق کا تخلف اس واسطے تھا۔ کہ وداع کے وقت صدیق نے اسامہ سے کہا۔ کہ مہمات آئندہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی حاضری کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کی رائے مقتضی ہو۔ تو ان کو واپس ہونے کی اجازت دے دیں۔ اسامہ نے ابوبکر کی التماس کو قبول فرمایا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کو لوٹ آئے۔ (انتہیٰ)

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لاجواب کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ضمن میں اس طعن کا جو جواب دیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ طعن ابوبکر صدیق پر کس وجہ سے کیا جاتا ہے۔ آیا اس وجہ سے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد تجہیز لشکر سے اعراض کیا یا اس وجہ سے کہ خود لشکر سے تخلف کیا۔ اگر بوجہ اول طعن ہے۔ تو یہ صریح غلط ہے۔ کیونکہ آپ نے خلاف مرضی جمیع اصحاب تجہیز لشکر کی۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جماد الاولیٰ ۸ ہجری میں جنگ موتہ میں روم و عرب کے مشرکین نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ اس لئے یوم دو شنبہ ۲۶ ماہ صفر ۱۱ ہجری کو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ رومیوں سے جنگ کرنے اور زید بن حارثہ کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے روز آپ نے اسامہ بن زید کو بلا کر ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے تمہیں اس لشکر کا سردار مقرر کر دیا۔

تم اس کو لے کر اپنے ہاتھ سے قتل گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ آپ نے اسامہ کو جنگ کے متعلق اور ہدایات بھی دیں۔ چہار شنبہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو بخار اور درد سر شروع ہو گیا پنج شنبہ کی صبح کو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اسامہ کے لئے جھنڈا تیار کیا اور اس سے فرمایا کہ راہ خدا میں جہاد کرو اور کافروں سے لڑائی کرو۔ اسامہ وہ جھنڈا لے کر نکلے اور بریدہ بن حصیب اسلمی کو علمبردار بنا کر وہ جھنڈا اس کے ہاتھ میں دیا۔ اور مدینہ منورہ سے تین میل شام کی طرف مقام جرف میں قیام کیا تاکہ سپاہ جمع ہو جائے۔ چنانچہ صدیق اکبر و فاروق اعظم و ابو عبیدہ بن جراح و سعد بن ابی وقاص وسعید بن زید و قتادہ بن نعمان و سلمہ بن اسلم وغیرہ اعیان مہاجرین و انصار نے اس لشکر میں شرکت کے لئے تیاری کر لی۔ پنج شنبہ ۸ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ نے بوجہ شدت مرض حضرت ابو بکر کو بلا کر خلیفۂ نماز مقرر کیا۔ چنانچہ وفات شریف تک وہی نماز پڑھاتے رہے۔ جو اصحاب اسامہ کے ساتھ جانے کے لئے متعین ہوئے تھے۔ وہ یوم شنبہ۔ ۱۰ ربیع الاول کو گروہ گروہ حضور اقدس ﷺ سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچے۔ یک شنبہ کے دن مرض اتنا زیادہ ہو گیا۔ کہ حضور اقدس بول نہ سکتے تھے۔ اسامہ بقصد وداع حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور کے سر اور ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور اپنا دست مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر اسامہ پر رکھتے تھے۔ اسامہ رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچے۔ دوسرے روز صبح کے وقت اسامہ پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مرض میں تخفیف تھی۔ حضور نے اسامہ کو وداع کرتے ہوئے فرمایا۔ اغد علی برکۃ اللہ اسامہ نے جرف میں پہنچ کر لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اور خود سوار ہونے کو تھے کہ ان کی والدہ ام ایمن کا قاصد پہنچا کہ رسول اللہ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لہٰذا اسامہ مع عمر فاروق و ابو عبیدہ بن جراح کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ دن ڈھلتے ہی حضور نے وفات پائی۔ یہ سن کر تمام سپاہ جرف سے مدینہ میں واپس آ گئی۔ اور بریدہ نے وہ جھنڈا رسول اللہ ﷺ کے حجرے کے آگے کھڑا کر دیا۔ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے۔ تو انہوں نے بریدہ کو حکم دیا۔ کہ وہ جھنڈا اسامہ کے گھر پر لے جاؤ۔ تاکہ وہ متعینان لشکر کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ اسامہ مع لشکر جرف میں پہنچے۔ اس اثنا میں خبر لگی کہ حوالی مدینہ میں بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے ہیں۔ اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے بعض اصحاب نے حضرت صدیق اکبر سے عرض کی کہ اس حالت میں ایسے لشکر جرار کا دور دراز مہم پر بھیجنا مصلحت وقت نہیں۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ کہ خواہ میری جان جائے میں خلاف فرمان رسول اللہ نہیں کر سکتا۔ مگر اسامہ سے درخواست کی کہ عمر فاروق کو یہاں چھوڑ جائیں۔ تاکہ محافظت مدینہ اور مشورہ وغیرہ میں ان سے مدد لی جائے۔ غرض اسامہ کی اجازت سے فاروق اعظم مدینہ میں واپس آ گئے۔ اور یکم ربیع الثانی ۱۱ ہجری

کو اسامہ نے کوچ کیا۔ اور بیس روز میں مقام ابنی میں پہنچے۔ وہاں تاخت و تاراج کے بعد اسامہ نے اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا۔ اور مظفر و منصور واپس آگئے۔ (دیکھو طبقات ابن سعد۔ صحیح بخاری۔ روضۃ الصفا وغیرہ)

اور اگر اس وجہ سے حضرت صدیق اکبر (اور فاروق اعظم) پر طعن ہے۔ کہ انہوں نے لشکر اسامہ سے تخلف کیا۔ تو اس کے چند عمدہ جواب ہیں:

اول۔ رئیس وقت جب کسی شخص کو لشکر میں تعین کرے۔ اور پھر اپنی خدمتوں میں سے کسی دوسری خدمت پر مامور کر دے۔ تو یہ ماموری صریح دلالت کرتی ہے۔ اس بات پر کہ اس شخص کو لشکر کے تعیناتیوں میں سے موقوف کر دیا۔ اور ان میں سے اس ایک کو مستثنٰی کر لیا۔ اور پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ بعینہ یہی حال ابوبکر صدیق کا ہوا۔ اس لئے کہ رسول اللہ نے اپنی اول بیماری میں اس لشکر کو جدا کر کے اسامہ کے ساتھ جانے پر متعین فرمایا۔ پھر جب آپ کا مرض بڑھ گیا۔ اور اسامہ اور ان کے ہمراہیوں نے کوچ میں توقف کیا تو خود رسول اللہ ﷺ نے ان متعینان لشکر میں سے ابوبکر کو منتخب کر کے امامت نماز میں اپنا نائب کیا۔ اور اس کام میں ابوبکر کو مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا۔ پس ابوبکر کی تعیناتی خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں موقوف ہو چکی تھی۔ اور آپ کی وفات کے بعد ابوبکر کا جانا نہ جانا دونوں برابر تھا۔ اور شریعت سے ثابت ہے۔ کہ ابتداء جہاد فرض کفایہ ہے۔ اور لشکر اسامہ کی تجہیز بھی اسی قبیل سے تھی۔ پس بالخصوص لشکر کے ساتھ ابوبکر کے نہ جانے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے کفار اور مرتدوں کے فتنہ کا دفع کرنا فرض عین تھا۔ پس ابوبکر نے کفایہ کو ترک کر کے فرض عین کو ادا کیا۔ اور یہی حکم شرعی ہے۔ خصوصاً جب کہ تمام لشکر ابوبکر کی تجہیز و تحریص سے لڑنے کے لئے نکلا۔ تو ان سب کا ثواب بھی آپ کی طرف عائد ہوا۔ اور لاجرم یہ فرض کفایہ بھی آپ ہی کے جریدۂ اعمال میں ثابت ہوا۔

دوم۔ جنگ و جہاد کے لئے لوگوں کو متعین کرنا کچھ وحی اور احکام منزل من اللہ میں سے نہیں ہے۔ بلکہ ایسے امور سیاست مدنی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا۔ سیاست مدن ابوبکر سے متعلق ہو گئی۔ اور اب یہ باتیں ان کے ہاتھ میں اور ان کے صلاح سے وابستہ ہو گئیں۔ کہ جس کو چاہیں اسامہ کے ہمراہ کر دیں۔ جس کو چاہیں اپنے حضور میں رکھیں۔ اور خود چاہے نکلیں یا نہ نکلیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اپنے لشکر کو کسی طرف جنگ میں جانے کے لئے متعین کرے۔ اور اثنائے تہیہ سفر میں خود سفر آخرت کر جائے۔ تو اب جو بادشاہ اس کا قائم مقام ہو

گا۔ اس کو اختیار ہے کہ بادشاہ سابق کے بعض تعیناتیوں کو اپنے حضور میں رہنے دے۔ کیونکہ وہ اسی میں ملک و دولت کی اصلاح و بہبودی دیکھتا ہے۔ اور اس قدر تصرف کرنے میں نہ بادشاہ اول کی مخالفت لازم آتی ہے۔ نہ اس کی نافرمانبرداری۔ کیونکہ مخالفت تو اس وقت ہوتی جب اس کے مقرر کئے ہوئے امیر کی جگہ دوسرا سردار مقرر کیا جاتا یا اس کے دشمنوں کی مصالحت کر لی جاتی۔ حالانکہ صدیق اکبر نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ حاصل یہ کہ امور جزئیہ اور ملک و دین کے مصالح وقتیہ رئیس وقت کی صوابدید سے ہوتے ہے۔ اور ایسے امور میں اپنی عقل و رائے سے تصرف کرنا جائز ہے۔ اور پیغمبر کا حکم ایسے امور میں قطعاً وحی اور باب تشریع سے نہیں ہے۔

سوم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد ابوبکر صدیق کا منصب دوسرا ہو گیا۔ وہ اپنے پہلے منصب ہی پر قائم نہیں رہے۔ پہلے عام مومنین کے زمرہ میں تھے۔ اب خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہوئے۔ اور پیغمبر کی جگہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ منصب بدل جانے کے بعد احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ جیسے لڑکا جب بالغ ہو تو جو احکام بالغ کے ہیں وہ اس پر جاری ہوں گے۔ اسی طرح مجنون جب اچھا ہو جائے۔ مقیم جب مسافر ہو جائے۔ اور مسافر جب اقامت کر لے۔ غلام جب آزاد ہو جائے۔ رعیت جب حاکم ہو جائے۔ فقیر جب تونگر ہو جائے۔ تونگر جب فقیر ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ پس قارئین غور فرمائیں۔ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب پیغمبر کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے تو آپ کو اسامہ کے ساتھ جانا کیا ضرور تھا۔ اس لئے کہ پیغمبر خود اگر زندہ ہوتے تو کبھی اسامہ کے ساتھ نہ جاتے اور نہ ساتھ جانے کا ارادہ رکھتے۔ البتہ لشکر کا سامان کرنا اور اس کا روانہ کرنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمہ واجب تھا۔ کیونکہ یہ پیغمبر علیہ السلام کا کام تھا اور اس کام کو پیغمبر علیہ السلام کے سچے خلیفہ صدیق اکبر نے خوب انجام دیا۔

چہارم اگر تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ ابوبکر صدیق اسامہ کے ساتھ جانے ہی پر مامور تھے۔ پیغمبر کے استخلاف نماز سے وہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ تو غایت مافی الباب یہ ہو گا۔ کہ ابوبکر کی عصمت میں خلل آجائے۔ اور آپ معصوم نہیں رہیں گے۔ تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ امامت کے لئے معصوم ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ عدالت ضروری ہے۔ اور عدالت میں دو ایک گناہ صغیرہ کرنے سے نقصان نہیں آتا۔

پنجم دو ایک مطاعن جو شیعہ ابوبکر و عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اہل سنت و جماعت کی روایت سے ثابت کرتے ہیں۔ اول تو وہ ثابت نہیں ہیں۔ بالفرض اگر ثابت بھی ہوں۔ تو شیعہ کو چاہیے۔ کہ سینوں کی ان تمام روایتوں کو جو ابوبکر اور دیگر صحابہ کرام کے مناقب و فضائل اور بشارات عالیہ میں وارد ہیں۔ اور جو ان کے فضائل وغیرہ آیات کریمہ اور احادیث صحیح اور اقوال ائمہ سے ثابت

ہیں اور جن میں سے بعض روایات کتب شیعہ میں بھی مندرج ہیں۔ ان سب کو پلہ ترازو میں رکھیں۔ اور ان چند مطاعن کو ترازو کے دوسرے پلہ میں رکھیں۔ پھر تول کر دیکھیں کہ کونسا پلہ بھاری نکلتا ہے۔ اور کس قدر بھاری نکلتا ہے۔

ششم یہ ضروری نہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم وجوب ہی کے واسطے مقرر ہو جیسا کہ علامہ مرتضیٰ شیعی نے اپنی کتاب الدرر والغرر میں ثابت کیا ہے۔ پس اگر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو اسامہ کے ساتھ جانے کے لئے حکم بھی فرمایا ہو۔ اور آپ نہ گئے ہوں تو خلل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ممکن ہے یہ حکم ندب و استحسان کے واسطے ہو۔ اور امر مندوب کا ترک کرنا گناہ و معصیت نہیں ہے۔

ہفتم شیعوں کے مذہب میں بدلائل منصوصہ ثابت ہے۔ کہ حضرت آدم اور حضرت یونس علیہما السلام نے بلا واسطہ خدا کے حکم کے خلاف کیا۔ تو اگر امام نے بھی رسول کے ایک حکم کو نہ مانا۔ تو کونسی قباحت ہے۔ اس لئے کہ امام رسول کا نائب ہے۔ اور نائب چاہے۔ کتنا ہی بزرگ ہو اصل سے کم ہی ہو گا۔

حدیث زیر بحث میں بحوالہ ملل و نحل شہرستانی (متوفی ۵۴۸ ہجری) جو جملہ لعن اللّٰہ من تخلف عنها نقل کیا گیا ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں:

اول۔ یہ جملہ موضوع ہے۔ کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں۔ چنانچہ علامہ علی بن برہان الدین حلبی۔ (متوفی ۱۰۴۴ ہجری) لکھتے ہیں۔

فلا منافاة بين القول بان ابابكر رضى اللّٰه عنه كان من جملة الجيش وبين القول بانه تخلف عنه لا نه كان من جملة الجيش اولاً وتخلف لما امرهٗ صلى اللّٰه عليه وسلم بالصلاة بالناس وبهٰذا يرد قول بعض الرافضة طعنافى ابى بكر رضى اللّٰه عنه۔ انه۔ تخلف عن جيش اسامة رضى اللّٰه عنه لما علمت ان تخلفه عنه كان بامرمنه صلى اللّٰه عليه وسلم لاجل صلاته بالناس وقول هٰذا الرافضى انه صلى اللّٰه عليه وسلم لعن المتخلف عن جيش اسامة مردود لا نه لم يرد اللعن فى حديث اصلاً۔ (سیرت حلبیہ مطبوعہ مصر۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۲۸۹)

ترجمہ: "پس اس قول میں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ منجملہ لشکر کے تھے۔ اور اس قول میں کہ وہ لشکر

سے پیچھے رہ گئے کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ آپ پہلے منجملہ لشکر کے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو پیچھے رہ گئے۔ کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کا تخلف رسول اللہ ﷺ کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے تھا۔ اور اس رافضی کا قول کہ آنحضرت ﷺ نے لشکر اسامہ سے پیچھے رہ جانے والے پر لعنت کی مردود ہے۔ کیونکہ یہ لعنت کسی حدیث میں ہرگز وارد نہیں ہوئی۔ (انتہیٰ)

دوم یہ جملہ ملل و نحل شہرستانی کے اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا۔ چنانچہ شیعہ کا فخرالمحققین حاجی مرزا ابوالفضل اس کے متعلق یوں لکھتا ہے:

محمد بن عبدالکریم شہرستانی در کتاب ملل و نحل نقل کردہ کہ پیغمبر فرمود۔ **جهزوا جيش اسامة لعن الله من تخلف عنها**۔ وصدر این حدیث اگرچہ متواتر است ولے ذیل آن کہ مشتمل برلعن است از طرق عامہ من بندہ در غیر ملل و نحل ندیدہ ام (شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۰ ہجری۔ صفحہ ۳۶۷)

ترجمہ: محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے کتاب ملل و نحل میں نقل کیا ہے۔ کہ پیغمبر نے فرمایا۔ کہ لشکر اسامہ کی تیاری کرو۔ خدا لعنت کرے اسے جو اس لشکر سے پیچھے رہا۔ اس حدیث کا پہلا حصہ اگرچہ متواتر ہے۔ مگر اخیر حصہ جو لعنت پر مشتمل ہے۔ میں نے اہل سنت کے طریقوں سے سوائے ملل و نحل کے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا۔ (انتہیٰ)

شہرستانی کی نسبت حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۲۵۳ ہجری) لسان المیزان (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ جزء خامس۔ صفحہ ۲۶۳) میں یوں نقل فرماتے ہیں:

قال ابن السمعانی فی معجم شیوخه وکان منهما بالمیل الٰی اهل البلاء یعنٰی الاسماعیلیة والدعوة الیهم لضلالاتهم وقال الخوارزمی صاحب الکافی لولا تخبطه فی الاعتقاد و میله الی اهل الزیغ والالحاد کان هوا لامام فی الاسلام۔

ترجمہ: "ابن سمعانی (متوفی ۵۶۲ ہجری) نے اپنی کتاب معجم الشیوخ میں لکھا ہے۔ کہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی اہل بدع یعنی اسماعیلیہ کی طرف میلان اور ان کی گمراہیوں کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے ساتھ متہم تھا۔ اور خوازمی صاحب کافی نے کہا ہے۔ کہ اگر اعتقاد میں اس کا خبط اور اہل زیغ والحاد کی طرف اس کا میلان نہ ہوتا۔ وہ اسلام میں امام ہوتا۔ (انتہیٰ)

شیخ الاسلام تاج سبکی (متوفی ۷۷۱ ہجری) شہرستانی کے حال میں لکھتے ہیں:

فی تاریخ شیخنا الذهبی ان ابن السمعانی ذکرانه کان متهما بالمیل الی اهل القلاع یعنی الاسماعیلیة والدعوة الیهم والنصرة لطاماتهم وانه قال فی التحبیر انه متهم بالالحاد والمیل الیهم غال فی التشیع - انتہے

(مختصراً طبقات شافعیة الکبریٰ۔ جزء رابع۔ صفحہ ۷۹)

ترجمہ: "ہمارے شیخ ذہبی (متوفی ۷۴۸ ہجری) کی تاریخ میں ہے۔ کہ ابن سمعانی نے ذکر کیا۔ کہ شہرستانی اسماعیلیہ کی طرف میلان اور ان کے مذہب کی طرف دعوت اور اس کے بے اصل اقوال کی تائید کے ساتھ متہم تھا۔ اور ابن سمعانی نے اپنی کتاب تحبیر میں کہا کہ شہرستانی الحاد اور ملحدون کی طرف میلان کے ساتھ متہم اور غالی شیعہ تھا۔ (انتہے)

ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ ہجری) نے منہاج السنہ (جزء الثالث۔ صفحہ ۲۰۷، ۲۰۹) میں یوں لکھا ہے:

ینقله الشهر ستانی وامثاله من المصنفین فی الملل و النحل عامته مما ینقله بعضهم عن بعض وکثیر من ذٰلک لم یحرر فیه اقوال المنقول عنهم ولم یذکر الاسناد فی عامة ما ینقله بل هو ینقل من کتب من صنف المقالات قبله مثل ابی عیسٰی الوراق وهو من المصنفین للرافضة المتهمین فی کثیر مما ینقلونه ومثل ابی یحیٰی وغیرهما من الشیعة وینقل ایضًا من کتب بعض الزیدیة والمعتزلة الطاعنین فی کثیر من الصحابة وبالجملة فالشهرستانی یظهر المیل الی الشیعة اما بباطنه واما مداهنة لهم فان هٰذا لکتاب الملل والنحل صنفه الرئیس من رؤسائهم وکانت له ولایة دیوانیه وکان للشهر ستانی مقصود فی استعطافه له وکذلک صنف له کتاب المصارعة بینه وبین ابن سینا لمیله الی التشیع والفلسفة واحسن احواله ان یکون من الشیعة ان لم یکن من الاسماعیلیة اعنی المصنف له ولهذا تحامل فیه للشیعة تحاملاً بینا واذا کان فی غیر ذٰلک من کتبه یبطل مذهب الامامیة فهذا یدل علی المداهنة لهم فی هٰذا الکتاب لاجل من صنفه له۔

ترجمہ: "شہرستانی اور اس کی مثل دیگر مصنفین جو کچھ ملل و نحل میں نقل کرتے ہیں۔"

بالعموم اس قبیل سے ہے۔ کہ جس کو ان میں سے بعض بعض سے نقل کرتا ہے۔ اور اس
میں سے بہت سا حصہ ایسا ہے۔ کہ اس میں اس نے منقول عنہم کے اقوال نہیں لکھے۔ اور
نقل کرنے میں عموماً اسناد کو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنے سے پہلے مصنّفین کی کتابوں سے نقل
کرتا ہے۔ مثل ابو عیسیٰ و راق کے جوان مصنّفین میں سے ہے۔ جو رافضیوں کے لئے
تصنیف کرتے ہیں۔ اور منقول کے حصہ کثیر میں متہم ہیں۔ اور مثل ابو یحیٰی اور دیگر شیعہ کے
۔ اور نیز وہ بعض زیدیہ و معتزلہ کی کتابوں سے نقل کرتا ہے۔ جو بہت سے صحابہ میں طعن
کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ شہر ستانی شیعہ کی طرف میلان ظاہر کرتا ہے۔ دل سے یا ان کی
خوشامد کے لئے۔ کیونکہ یہ کتاب ملل و نحل اس نے ایک شیعی رئیس کے لئے تصنیف کی
جس کے لئے ولایت دیوانی تھی۔ اور شہر ستانی کا مقصود اس کا دل اپنے ہاتھ میں لانا تھا۔ اسی
طرح شہر ستانی نے اس رئیس کے لئے تشیع اور فلسفہ کی طرف میلان کا سبب کتاب
المصارعۃ بینہ وبین ابن سینا تصنیف کی۔ اس رئیس کا احسن احوال یہ ہے۔ کہ شیعہ مین سے
ہو۔ اس واسطے شہر ستانی نے اس کتاب میں شیعہ کی طرف داری میں ستم ڈھایا ہے۔ شہر ستانی
اپنی دوسری کتابوں میں مذہب امامیہ کی تردید کرتا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس نے اس
کتاب میں مصنف کی رعائیت سے شیعہ کی مداہنت کی ہے۔ (انتہی)

اندرین حالت شہر ستانی کی یہ روایت بالا اسناد جس کے ساتھ وہ متفرد ہے کیا وقعت رکھتی ہے۔

سوم بالفرض اگر یہ جملہ حدیث رسول مان لیا جائے۔ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسامہ کو تنہا
چھوڑنا اور اس مہم سے پہلو تہی کرنا حرام ہے۔ سو معلوم ہے کہ جب ابو بکر خدمت امامت پر متعین ہوئے۔
ان سب باتوں سے مستثنیٰ ہو گئے۔ نیز جملہ لعن اللّٰہ من تخلف میں لفظ مَنْ موافق اصول شیعہ کے عام ہے۔
تو معنی یہ ہوئے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص۔ جیش اسامہ سے تخلف کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو اس
صورت میں نہ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی اور دیگر صحابہ موجودین سب مورد لعنت ٹھہریں گے
پس اب شیعہ جو جواب حضرت علی کی طرف سے دیں۔ وہی جواب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اہل سنت و
جماعت کی طرف سے سمجھ لیں۔ ہاں اگر شیعہ یہ کہیں کہ یہ وعید و عتاب ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ جو
اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے کے لئے متعین تھے۔ تو ہم جواب دیں گے۔ کہ جھزوا جیش اسامۃ (اسامہ
کے لشکر کا سامان کرو) صرف متعینان لشکر کی طرف خطاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ لشکر اسامہ ہی سے یہ فرمانا
کہ لشکر اسامہ کو درست کرو کلام بے معنی ہو جائے گا۔ پس ضرور ہوا کہ یہ خطاب عام ہو۔ جس میں حضرت علی
وغیرہ سب شامل ہوں۔

مصنف نے ملل و نحل شہر ستانی کے علاوہ آخر شرح مواقف کا بھی حوالہ دیا ہے۔ جو تذییل الکتاب

کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ اس ممتز سیل میں یہ عبارت ہے:

قال آلامدی کان المسلمون عند وفاۃ النبی علیہ السلام علی عقیدۃ واحدۃ وطریقۃ واحدۃ الامن کان یبطن النفاق ویظھر الوفاق ثم نشاء الخلاف فیما بینھم اولاً فی امور اجتھادیۃ لا توجب ایمانا ولا کفراً وکان غرضھم منھا اقامۃ مراسم الدین وادامۃ مناھج الشرع القویم وذٰلک کاختلافھم عند قول النبی فی مرض موتہ ائتونی بقرطاس اکتب لکم کتابالا تضلوا بعدی حتّٰی قال عمران النبی قد غلبہ الوجع حسبنا کتاب اللّٰہ وکثرا للغط فی ذٰلک حتّٰی قال النبی قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع وکاختلافھم بعد ذٰلک فی التخلف عن جیش اسامۃ فقال قوم بوجوب الاتباع لقولہ علیہ السلام جھزوا جیش اسامۃ لعن اللّٰہ من تخلف عنھا وقال قوم بالتخلف انتظارا لما یکون من رسول اللّٰہ فی مرضہ۔ الخ

ترجمہ: "آمدی نے کہا کہ پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے وقت مسلمان ایک عقیدہ اور ایک طریقہ پر تھے۔ سوائے ان کے جو دل میں نفاق رکھتے اور موافقت ظاہر کرتے تھے۔ پھر ان کے درمیان پہلے امور اجتہادیہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ جو نہ موجب ایمان ہیں۔ نہ موجب کفر اور ان امور سے ان کا مقصود مراسم دین کا قائم رکھنا اور شرع قویم کے طریقوں کا باقی رکھنا تھا۔ مثلاً پیغمبر علیہ السلام کی وفات شریف کے وقت ان میں اختلاف ہوا۔ جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے پاس کاغذ لاؤ۔ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں۔ جس سے تم میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے کہا۔ کہ پیغمبر علیہ السلام پر درد غالب ہو گیا ہے۔ ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ اور اس بارے میں شور زیادہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضور نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں=۔ اس کے بعد ان کے درمیان لشکر اسامہ سے تخلف کے بارے میں اختلاف ہوا۔ ایک جماعت نے کہا کہ رسول اللہ کے قول (لشکر اسامہ کا سامان کرو۔ خدا لعنت کرے اسے جو تخلف کرے) کا اتباع واجب ہے۔ دوسرے نے کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ تاکہ دیکھیں کہ مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہوتا ہے۔ الخ (انتہی)

آمدی نے اختلاف کے بیان کرنے میں شہرستانی کا اتباع کیا ہے۔ ملل و نحل میں جس ترتیب اور جن الفاظ میں یہ اختلافات بیان ہوئے ہیں۔ آمدی نے وہی ترتیب اور قریباً وہی الفاظ اختیار کئے ہیں۔ یہ آمدی کون ہیں۔ بغور سنئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان (مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ۔ حیدر آباد دکن۔ جزء ثالث۔

صفحہ ۱۳۴) میں ان کا ذکر یوں کرتے ہیں:

السیف الآمدی المتکلم علی بن ابی علی صاحب التصانیف۔ وقد نفی من دمشق لسوء اعتقادہ وصح عنه انه کان یترک الصلٰوۃ نسال اللّٰہ العافیة وکان من الاذکیاء مات ستة اثنین وثلاثین وست مائة سامحه اللّٰہ وعفی عنه انتہے۔ وکان مولد سیف الدولة بآمد وقدم بغداد وقرأ القرأت وتفقه لاحمد بن حنبل وسمع من ابی الفتح بن شاتیل وحدث عنه بغریب الحدیث لابی عبید ثم تحول شافعیا وصحب ابا القاسم بن فضلان واشتغل علیه فی الخلاف وحفظ طریقه الشریف ونظر فی طریقة اسعد المیمنی وتفنن فی علم النظر ثم دخل مصر و تصدر بها لاقراء العقلیات واعادہ بمدرسة الشافعی ثم قاموا علیه ونسبوہ للتعطیل وکتبوا محضراً فخرج منها واستوطن حماہ وصنف التصانیف ثم تحول الی دمشق ودرس بالعزیزیة ثم عزل منها ومات فی صفر سنة احدی وثلاثین وست مائة۔

ترجمہ: "سیف آمدے متکلم علی بن ابی علی صاحب تصانیف۔ اعتقاد بد کے سبب دمشق سے نکال دیا گیا۔ اس کی نسبت یہ امر ثابت ہے کہ وہ نماز چھوڑ دیتا تھا۔ ہم خدا سے عافیت مانگتے ہیں۔ اور وہ تیز طبع عالموں میں سے تھا۔ اس نے ۶۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ خدا اس سے درگزر کرے۔ اور اسے معاف کردے (انتہیٰ)

سیف الدولہ کا مولد آمد تھا۔ وہ بغداد میں آیا اور علم قرأت پڑھا۔ اور احمد بن حنبل کی فقہ پڑھی۔ اور ابو الفتح بن شاتیل سے حدیثیں سنیں۔ اور اس سے غریب الحدیث لابی عبید کی روایت کی۔ پھر وہ شافعی ہو گیا۔ اور ابو القاسم بن فضلان کی صحبت میں رہا۔ اور اس سے علم مناظرہ پڑھتا رہا۔ اور اس کا طریق سیکھا۔ اور اسعد میمنی کے طریقہ میں نظر کی اور علم نظر میں ماہر ہو گیا۔ پھر وہ مصر میں داخل ہوا۔ اور وہاں معقولات کی تعلیم کے لئے صدر نشین بنا۔ اور مدرسہ شافعی میں لوٹ آیا۔ پھر اہل مصر اس کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ اور اس کو تعطیل (خدا کو بیکار سمجھنا۔ اور اس کی صفات کی نفی کرنا) سے منسوب کیا۔ اور ایک محضر لکھا۔ لہٰذا وہاں سے نکل گیا۔ اور حماہ میں جا آباد ہوا۔ اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ پھر دمشق کو چلا گیا۔ اور مدرسہ عزیزیہ میں مدرس بن گیا۔ پھر وہاں سے بھی معزول ہو گیا۔ اور اس نے ۶۳۱ ہجری میں وفات پائی۔ انتہے۔ کیا آمدی بد اعتقاد شخص کی روایت بلا اسناد مقام حجت میں پیش ہونے کے قابل ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

قال السید امداد امام

یوں تو قصہ خلافت کا سقیفہ ہی میں طے پا گیا۔ مگر بنی ہاشم وہاں نہ تھے۔ اس لئے بنی ہاشم کی طرف سے اہل سقیفہ کو پورے طور پر اندیشہ لگا ہوا تھا۔ مگر چونکہ ان کے سردار علی ابن ابی طالب کسی سخت کارروائی کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوئے۔ جس کا اصل سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنی رحلت کے قریب حضرت رسول اللہ ﷺ نے آپ کو سمجھا دیا تھا۔ کہ میرے بعد تم فوری طور پر اپنے مخالفین کے مقابلہ میں تلوار نہ کھینچنا تاکہ اسلام جو اس وقت ایک ابتدائی حالت میں تھا۔ برباد نہ ہو جائے۔ بنی ہاشم بھی بہ تبعیت علی خاموش ہو رہے۔ اس پر بھی یہ بات اہل سقیفہ کی طرف سے مناسب سمجھی گئی۔ کہ علی سے بیعت لی جائے۔ چنانچہ حضرت عمر ابن الخطاب علی کے پاس گئے۔ اور علی کو حضرت ابوبکر کے حضور میں لے آئے۔ اس جلسہ میں علی نے حضرت ابوبکر سے یہ کہا کہ آپ نے انصار کو یہ کہہ کر کہ حدیث نبوی کی رو سے شخص قریش کو خلیفہ ہونا چاہیے۔ انصار سے حصول حق فرمایا۔ اب آپ سے میں طالب داد ہوتا ہوں۔ کہ جو داد آپ نے انصار سے پائی ہے۔ وہی داد اب آپ مجھے دیجئے۔ میں قریش سے ہوں' ہاشمی ہوں' برادر رسول اللہ ہوں۔ داماد رسول اللہ ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

(دیکھو روضۃ الاحباب جلد دوم۔ صفحہ ۳۳۔ و ۳۴)

اس کا جواب ہی کیا تھا جو اہل خلافت کی طرف سے ملتا۔ بہرحال جب علی سے بیعت کے لئے ارشاد کیا گیا۔ تو علیؑ نے بیعت نہیں کی۔ اہلسنّت کہتے ہیں۔ کہ علیؑ نے بی بی فاطمہؑ کے رحلت کے بعد بیعت کی۔ (دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۱۲۵)

مگر شیعہ بیعت سے تمام تر انکار رکھتے ہیں۔ راقم کو حضرت علیؑ کے تمام معاملات ملکی و مالی و اخلاقی پر نظر غور ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ کی رحلت کے بعد بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت یا اور کسی قسم کی بیعت نہیں کی۔ اس واسطے کہ آپ سچے اور نہایت صاف دل آدمی تھے۔ مصباح الظلم صفحہ ۷۔ ۸

اقول

جس خلافت کا تصفیہ سقیفہ میں ہوا۔ وہ خلافت نبوت تھی۔ کوئی دنیوی خلافت نہ تھی۔ کہ اس میں قرابت یا دامادی کو دخل ہوتا۔ اگر قرابت کا لحاظ ہوتا۔ تو حضرت عباس و امام حسن رضی اللہ عنہما احق بالخلافۃ ہوتے۔ حسب بیان اصول کافی حضرت امیر علیہ السلام کے لئے وصیت نامہ آسمانی میں صبر کی وصیت درج تھی۔ مگر مولیٰ مرتضیٰ نے اس وصیت کے خلاف کیا۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گدھے پر سوار کرکے تین رات مہاجرین و انصار میں سے ہر ایک کے دروازے پر جاتے رہے۔ جب کافی مدد نہ ملی۔ تو حضرت صدیق اکبر کی بیعت کر لی جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ وقت بیعت کی نسبت کئی روائتیں ہیں۔ یہاں ہمیں ان روایات میں وجہ تطبیق یا ترجیح سے بحث نہیں۔ مقصود صرف یہ ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے بیعت کی۔ خواہ کسی وقت ہو۔ دیکھو عبارات ذیل:

۱۔ کتاب سلیم بن قیس ہلالی میں جو اصحاب امیر علیہ السلام میں سے تھا بروایت سلمان فارسی پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے معاونین کی قلت کے سبب وفات شریف سے تین روز کے بعد بیعت کی۔ کتاب کے الفاظ یہ ہیں۔ ثم تناول ید ابی بکر فبایعه (پھر حضرت امیر نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑا۔ اور آپ کی بیعت کی۔)

۲۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ جاؤابامیر المومنین علیه السلام مکرهًا فبایع (کتاب الروضۃ۔ صفحہ ۱۱۵۔ رجال کشی۔ صفحہ ۴)

ترجمہ: وہ امیرالمومنین علیہ السلام کو زبردستی لے آئے۔ پس آپ نے بیعت کی۔ (انتہیٰ)

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام کا بیان ہے۔ کتم علی علیه السلام امره وبایع مکرها حیث لم یجدا هوانًا۔

(کتاب الروضہ۔ صفحہ ۱۳۹)

ترجمہ: علی علیہ السلام نے اپنا امر پوشیدہ رکھا اور بحالت مجبوری بیعت کی جب آپ کو مددگار نہ ملے۔ (انتہیٰ)

روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت امیرؑ نے بیعت کی۔ مگر یہ کہنا کہ یہ بیعت بجبر و اکراہ تھی درست نہیں۔ اس لئے کہ حضرت امیر علیہ السلام کی شجاعت وقوت اس درجہ کی تھی۔ کہ حضرت شیخین تو کیا آپ تمام دنیا کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اوپر آچکا ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے بطیب خاطر خلافت ثلاثہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ اگر شیخین سے کچھ شکایت تھی۔ تو بخوشی معاف فرمادیا تھا۔ ان روایات

سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت امیر نے جناب رسالت مآب علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کی وفات شریف کے بعد ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ اگر ۶ ماہ والی روایت کی ترجیح تسلیم کر لی جائے۔ تو اس تاخیر کا باعث یہ نہ تھا۔ کہ حضرت مولیٰ مرتضیٰ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر راضی نہ تھے۔ بلکہ اس کی وجہ وہی تھی جو خود حضرت امیر نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بدین الفاظ بیان فرمائی تھی۔ انا قدعرفنا فضلک وما اعطاک اللّٰہ ولم ننفس علیک خیرا ساقہ اللّٰہ الیک ولکنک استبددت علینا بالا مرو کنانری لقرا بتنا من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نصیبًا حتٰی فاضت عینا ابی بکر۔

(صحیح بخاری۔ مطبوعہ مصر۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۳۵)

ترجمہ: بے شک ہم آپ کی فضیلت کو اور جو کچھ خدا نے آپ کو عطا کیا ہے۔ اس کو پہچانتے ہیں۔ اور آپ کی خلافت پر جو خدا نے آپ کو عطا کی ہے۔ حسد نہیں کرتے۔ لیکن آپ نے امر خلافت میں ہم سے مشورہ نہیں لیا۔ حالانکہ ہم رسول اللہ سے قرابت کے سبب مشاورت میں اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوبکر کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (انتہیٰ)

قال السید امداد امام

یہاں پر مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ کہ خلافت حق طور پر قائم ہوئی یا نہیں۔ یہاں پر صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ اس خلافت کا اثر آل محمد ﷺ پر کیا ہوا؟ فوری اثر تو یہ ہوا کہ بنی ہاشم سے حکومت دور ہو گئی۔ جس کے باعث جو منزلت آل محمد ﷺ کی عہد رسول خدا میں تھی باقی نہ رہی۔ میری دانست میں آل محمدؐ کے ظاہری تنزل کی فعلی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ ہم دکھلا سکیں گے۔ کہ آل محمد کی بے توقیریاں بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہنچ گئیں۔ کہ کربلا کی بے ادبیوں کے بعد اہل حرم دمشق کے کوچہ و بازار میں بڑی بے رحمی کے ساتھ شہید کئے گئے اور اس کے بعد بھی خون ائمہ خاندان پیغمبر کا ہوتا رہا۔ اور سادات کشیاں بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ ہوتی رہیں۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۹۰۸

اقول

از روئے آیہ استخلاف خلافت جس ترتیب سے وقوع میں آئی ہے وہی حق ہے۔ اس سے نبوت کی تاکید اور رسالت کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ترتیب خلاف قیاس و معقول واقع ہوئی ہے۔ تاکہ نبوت کا التباس ملک کے ساتھ نہ ہو جائے۔ اور جانشینی میں بادشاہوں کا طریق نہ برتا جائے۔ جو اپنے بیٹوں اور گھر والوں کو اپنا جانشین بناتے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں مذکور ہوا۔ چونکہ مصنف اس

لیتہ ہے تا آتما ہے اس لئے اس ترتیب کو اہل بیت کے دنیوی تنزل کا ایک سبب بتا رہا ہے۔ آل محمد ﷺ کے ساتھ خلفائے ثلاثہ کا سلوک قابل تحسین رہا ہے جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنی بیعت کی تاخیر کا سبب بیان کیا تو صدیق اکبر نے فرمایا والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی (صحیح بخاری مطبوعہ مصر۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۳۵)۔

یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میرے نزدیک اپنے خویش و اقرباء کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے خویش و اقربا سے محبت و سلوک رکھنا پسندیدہ تر ہے۔ (انتہیٰ)

۱۵ھ میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وظائف مقرر کرنے لگے تو حضرت علی و عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ پہلے آپ اپنی ذات خاص کے واسطے مقرر کر لیں۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ لا بل ابدأبعم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم الاقرب فالاقرب یعنی میں اپنی ذات سے شروع نہیں کرتا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے چچا سے شروع کرتا ہوں بعد ازاں الاقرب فالاقرب پر عمل ہو گا۔

چنانچہ حضرت عباس کا وظیفہ پچیس ہزار اور حضرات حسنین میں سے ہر ایک کو بدری اصحاب کے برابر پانچ پانچ ہزار اور ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے لئے دس دس ہزار مقرر کیا۔ اور اپنے واسطے محض قوت لایموت پسند کیا۔ (کامل ابن اثیر) خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اہل بیت کے ساتھ جو نیک سلوک کیا۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ اہل بیت کی اس توقیر پر غور کیجئے۔ کہ عبدالملک بن مروان کی خلافت میں ان کا صاحب زادہ ہشام حج کے لئے شام سے بیت اللہ شریف میں آتا ہے۔ مگر کثرت ہجوم کے سبب حجر اسود تک پہنچنے نہیں پاتا۔ اور عاجز آکر ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ نظارہ دیکھ رہا ہے۔ کہ اتنے میں حضرت امام زین العابدین تشریف لاتے ہیں۔ لوگ دیکھتے ہیں راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور آپ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ شامیوں میں سے ایک شخص حیران ہو کر ہشام سے پوچھتا ہے۔ کہ یہ کون ہیں۔ ہشام اس خیال سے مبادا اہل شام امام زین العابدین کی امارت میں رغبت کریں۔ جواب دیتا ہے۔ کہ میں انکو نہیں جانتا۔ فرزدق شاعر جو اس موقع پر حاضر ہے۔ آگے بڑھ کر جواب دیتا ہے۔ کہ میں ان کو جانتا ہوں۔ وہ شامی کہتا ہے۔ کہ بتایئے۔ اس پر فرزدق حضرت امام کی مدح میں ایک فی البدیہہ قصیدہ پڑھتا ہے۔ جو کتب فریقین میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ بنو امیہ میں سے بعض نے آل محمد ﷺ پر بڑا تشدد کیا ہے۔ مگر سب سے زیادہ تشدد خود شیعہ نے کیا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کی نافرمانی کرنے والے اور ان کے قاتل کون تھے؟ امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے

والے کون تھے؟ دیگر ائمہ اہل بیت کی تذلیل و توہین کرنے والے کون تھے؟

ان سب سوالوں کا جواب یہی ہے کہ شیعہ تھے۔ طرفہ یہ کہ قدماء و اکابر شیعہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے بعد بھی شیعہ کے فرقہ ناجیہ اور محبان اہل بیت کے زمرہ میں شامل کر لئے گئے۔

چنانچہ شیعہ کے شہید ثالث نے مجالس المومنین میں یہ عبارت لکھی ہے۔ سلیمان بن سرد خزاعی ساکن کوفہ است و سبب خروج او بر بنی امیہ آن بود کہ چون طائفہ کوفیان با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کروند و نوبت بشہادت امام حسین رسانیدند۔ سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بدندان گرفتہ برخود نفرین مے کرد کہ خسران دنیا و آخرت نصیب ماشد کہ بعد از آنکہ امیرالمومنین حسین را طلب داشتیم تیغ بر روئے او کشیدیم تا از بے وفائی مارسید باو آنچہ رسید وروسائے این جماعت پنج نفر بودند۔ سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب بن نجبہ وعبداللہ بن سعد و عبداللہ بن وال و رفاعہ بن شداد واین پنج کس از معارف اصحاب امیرالمؤمنین بودند۔ چون عزیمت ایشان بطلب خون امام حسین تصمیم یافت۔ جمع کثیر در سرائے سلیمان بن صرد خزاعی جمع آمدند مسیب بن نجبہ کہ مصحوب عمر سعد بکربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ گفتند خدا تعالیٰ مارا بطول عمر مبتلا گردانید تادر انواع فتنہ ہا افتادیم۔ وبامور ناشائستہ متہم گشتیم۔ اکنوں از اعمال سیئہ خویش نادم گشتہ مے خواہیم کہ دست دردامن توبہ وانابت زنیم شائد کہ خداوند عزوعلیٰ توبہ مارا قبول کردہ برمارحمت کند وہرکس از آن جماعت کہ بکربلا رفتہ بودند عذرے مے گفتند سلیمان بن صرد گفت۔ ہیچ چارہ نمے دانیم۔ جز آنکہ خود را در عرضہ تیغ آوریم چنانچہ بسیارے از بنی اسرائیل تیغ دریک دیگر نہادند قال اللہ تعالیٰ اِنَّکُمْ ظلمتم انفسکم الایۃ ومجموع شیعہ بزانوے استغفار در آمدہ گفتند مصلحت آن است کہ شمشیرہارا از نیام بیرون کردہ سنانہار است کنیم و جہاں را از لوث دشمنان آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پاک گردانیم الخ۔

اب اگر یہ عذر پیش کیا جائے۔ کہ قاتلان امام کی توبہ قبول نہیں ہوتی ہے۔ تو اس شبہ کو علاوہ دیگر مباحث کے عیون اخبار الرضا کی حدیث سے ہم رفع کئے دیتے ہیں۔ حیث روی ☆ الصدوق باسنادہ سمع الرضا بعض اصحابہ یقول لعن اللہ من حارب امیر المومنین فقال لہ قل الامن تاب واصلح ثم قال ذنب من تخلف عنہ ولم یتب اعظم من ذنب من قاتلہ وتاب۔ انتہے بلفظہ (تصحیح المسائل صفحہ ۱۶۳)

مقتل ابو مخنف میں بروایت ابن طاؤس لکھا ہے۔ کہ جب اہل حرم اسیر ہو کر نکلے۔ تو شیعان محاربین امام نوحہ و زاری کرنے لگے۔ اور ماتم امام میں لباس سیاہ پہنا۔ تب اہل حرم نے فرمایا۔ کہ جب یہ

لوگ ماتم امام کرتے ہیں۔ تو قاتل کون ہے۔ (تنقیح المسائل للمولوی علی بخش حاشیہ صفحہ ۱۴۶)

دمشق میں یزید نے آل محمد کے ساتھ جو سلوک کیا۔ وہ بحوالہ حق الیقین پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں بغرض مزید توضیح تنقیح المسائل۔ صفحہ ۱۴۶ تا ۱۶۶ کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

اب دیکھئے یزید کے ساتھ اخلاص و محبت پیدا کرنا امام سجاد کا اور یزید کی بیعت کر لینی اور دیت خون امام کے لے لینی اور باہم عہد و پیمان محبت کا قائم ہونا اور قتل امام حسین سے تبرا کرنا یزید کا کس دھوم دھام سے محدثین شیعہ نے بیان کیا ہے۔ کہ اس کو محمول بر تقیہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ بعد خروج بجہاد جب امام حسین رضی اللہ عنہ و اعوان و انصار کا تقیہ ممنوع تھا۔ تو امام سجاد علیہ السلام کا بھی بعد خروج بجہاد کے سبب داخل اعوان امام ہونے کے تقیہ کیوں جائز ہو گا۔ لا محالہ یزید کے جوائز لینے اور دعوتیں کھانے اور اخلاص بڑھانے سے امام سجاد نے اطاعت کی۔ اسی لئے مدینہ میں بیعت بھی کی ہو گی۔ اور جب یزید کو پاک صاف ٹھہرا دیا۔ تو شائید نماز غفیلہ بعد مغرب حضرت امامیہ انہی کے طفیل میں بامید ثواب پڑھا کرتے ہوں گے۔ کہ علی المشہور امام سجاد نے یزید کو تعلیم کی تھی۔ چونکہ اس سے مجھ کو اس مقام میں بحث اور حجت نہیں ہے۔ لہٰذا دیگر روایات پر قناعت کرتا ہوں۔

☆ صدوق نے اپنے اسناد کے ساتھ روایت کی کہ امام رضا نے اپنے اصحاب میں سے بعض کو یہ کہتے سنا۔ خدا لعنت کرے اس کو جس نے امیر المومنین سے جنگ کی۔ اس پر امام نے اس سے کہا کہ کہہ سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور نیکی کی۔ پھر فرمایا۔ جس شخص نے حضرت امیرؑ سے تخلف کیا۔ اور توبہ نہ کی اس کا گناہ بڑا ہے۔ اس شخص کے گناہ سے جس نے حضرت سے قتال کیا اور توبہ کی۔ ۱۲

باقر مجلسی جلاء العیون میں لکھتے ہیں۔

"یزید گفت اے ہند نوحہ و زاری بکن برفرزند رسول خدا و بزرگ قریش کہ ابن زیاد لعین در امر او تعجیل کرد و من راضی بکشتن او نبودم۔ پس اہل بیت را در خانہ او جائے داد و ہر چاشت و شام حضرت امام زین العابدین را بر سر خوان خود مے طلبید ۔ ایضاً فیہ یزید چون این جواب را شنید طمانچہ بر روئے خود زد و گریست و گفت مرا بقتل حسین چہ کار است۔ ایضاً فیہ۔ روز ہشتم یزید اہل بیت را طلبید و نوازش و عذر خواہی کرد و تکلیف بماندن شام کرد چون قبول نکردند۔ محملہائے مزین برائے ایشان ترتیب داد و اموال برائے خرچ ایشان حاضر کرد و گفت اینہا عوض آن است کہ نسبت بشما واقع شدہ ایضاً فیہ وبروایت شیخ خفیہ و دیگراں۔ یزید نعمان بن بشیر راکہ از صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بود طلبید و گفت۔ مردے راکہ بصلاح و سداد و امانت و دیانت موصوف باشد با

ایشان ہمراہ کن۔ الخ۔ ایضاً فیہ۔ یزید گفت خدا لعنت کند۔ ابن مرجانہ رابخدا سوگند کہ اگر من بجائے اوے بودم امام حسین ہرچہ از من طلب ے کرد۔ اجابت مے کردم۔ و بر کشتن او راضی نمے شدم۔ باید کہ ہمیشہ نامہ ہائے تو بمن رسد و ہر حاجت کہ داشتہ باشی از من طلب نما۔ کہ باجابت مقرون است۔ پس آن مردے راکہ برائے حراست۔ ورفاقت ایشان مقرر شدہ بود طلبید و سفارش بسیار درباب رعایت ایشان نمود۔ ایضاً فیہ کلینی بسند حسن از حضرت امام محمد باقر روایت کردہ است۔ کہ چون یزید برائے حج بمدینہ آمد حضرت امام زید العابدین بیعت یزید کردند و یزید گفت کہ خود را حفظ کردی و از شرافت و بزرگی تو چیزے کم نشد۔ فقط۔ بعد نقل روایت کے مجلسی فرماتے ہیں۔ ے تواند بود کہ مسلم بن عقبہ از جانب لعین آمدہ بود و چنین بیعت گرفتہ باشد۔ چنانچہ راویان اشتباہے شدہ باشد۔ فقط۔

اور طبرسی نے احتجاج میں روایت کی ہے-----

احتجاج علی بن الحسین علی یزید قال لہ علی بن الحسین یایزید بلغنی انک ترید قتلی فان کنت لا بدقاتلی فوجہ مع ھولاء والنسوۃ من یردھن الی حرم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لہ یزید لا یود یھن غیرک لعن اللّٰہ ابن مرجانہ فواللّٰہ ماامرتہ بقتل ابیک۔ ولو کنت متوالیًا لقتالہ ماقتلتہ ثم احسن جائزتہ وحملہ الناس الی المدینۃ۔ بلفظہٖ۔

تنبیہہ: "بعد تشریف لے جانے امام سجاد کے کوفہ سے مدینہ منورہ کو ارتباط و حجت محبت و یزید کا یہاں تک مستحکم رہا کہ جب مسلم بن عقبہ کو یزید نے مدینہ طیبہ میں بھیجا۔ تو دوبارہ حفاظت ولحاظ وپاس امام کے یزید نے کمال تاکید کردی۔

مجلد یازدہم۔ بحار الانوار میں جو حدیث مشعر بیان اس قصہ کے ہے۔ دیکھ لیجئے۔ اس میں صاف یہ عبارت ہے۔ وانظر علی بن الحسین فاکفف عنہ واستومن لہ خیرا الخ۔ اسی حدیث میں جو عبارت ثم اتی مروان بعلی بن الحسین یمشی بین مروان وابنہ عبد الملک حتی جلس بینھما عندہ سے آخر تک ہے۔ اور قدح شراب کا ذکر ہے۔ ذرا اس کو بھی ملاحظہ کرکے نتائج کو سوچ لیجئے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ اور محمد بن حنفیہ کا خدمت یزید میں جانا اور مال کثیر حاصل کرنا اور خود یزید کے ہاتھ پر بیعت بلا اکراہ کرنا اور امیر المومنین یزید کو کہنا مزید برآن ہے۔ کمافی البحار۔ اب منصف مزاج امامیہ میں اگر کوئی ہو۔ تو انصاف سے کہہ دے کہ جب طلب کرنے والے اور قتل کرنے والے اور پھر

رونے والے اور پھر توبہ کرنے والے حضرات شیعہ ہیں۔ تو کس منہ سے دبیر و انیس کے مرثیے پڑھ کر محبان حسین بنتے ہیں۔ اور جب یزید کے وہ حالات بیان کر رہے ہیں۔ جو زبان باقر مجلسی سے کسی قدر بھرنے تھے۔ تو غزالی و ابن عمر پر طعن کرنا کیا تعصب ہے۔ فافهم انتهٰى۔ بلفظه

قال السید امداد امام

معاملہ فدک

خلافت کے قائم ہونے کے تھوڑے ہی روز کے بعد بی بی فاطمہؑ کو دار القضا میں فدک کے مقدمہ کی تقریب سے جانا پڑا۔ جاننا چاہیے کہ فدک صوبہ حجاز کا ایسا علاقہ ہے۔ جو مدینہ سے دو تین روز کی راہ پر واقع ہے۔

صاحب صراح لکھتے ہیں۔ کہ فدک خیبر کا علاقہ ہے۔ واضح ہو خیبر داخل حجاز ہے۔ پس اس رو سے فدک کا عرقہ حجاز ہونا نہایت درست ہے۔ پہلے یہ علاقہ کفار خیبر کی ملک تھے مگر ان سے مصالحہ کے بعد رسول اللہ کے قبضہ میں چلا آیا اور رسول اللہ کا خالصہ قرار پایا۔

شرح ابن الحدید۔ جلد ۴۔ صفحہ ۲۹۴ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابو بکر کو فدک کے مال نبی ہونے سے انکار تھا۔ مگر جمیع مفسرین کہتے ہیں۔ کہ فدک رسول اللہ کا مال تھا۔ اور حقیقت حال بھی یہی ہے۔ کہ یہ ایسا ہی تھا۔ آخر اتفاق کی کیا صورت ہوتی۔ بہرحال یہ ایک نہایت آباد اور زرخیز علاقہ تھا۔ اس میں چشمے اور باغات وغیرہ بہت تھے۔ اور جناب رسول اللہ کو اس سے ایک اچھی صورت آمدنی کی تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ رسول مقبول امیروں کی طرح زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کی وافر آمدنی سے محتاجوں کے بہت سے کام نکلتے تھے۔ رسول اللہ نے اپنے حین حیات اس علاقہ کو بحکم قرآنی وآت ذا القربٰی حقه حضرت بی بی یعنی صاحب زادی صلوٰت اللہ علیہا وابیہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس رو سے حضرت سیدہ اس علاقہ پر قابض تھیں۔

تفسیر درمنثور سیوطی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب فدک کا علاقہ از روئے مصالحہ کے رسول اللہ کے قبضہ میں آیا۔ تب جبرائیل علیہ السلام یہ آیت بالا لے کر نازل ہوئے۔ اور رسول اللہ سے عرض کی کہ فدک اپنے عزیزوں کو دے دیجئے۔ آنحضرت نے پوچھا کہ عزیز کون۔ جبرائیل نے کہا کہ فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ۔ جناب رسالت مآب نے حکم خدا کی تعمیل کی۔ اور فدک کو تحریر ہبہ کے ذریعہ سے جناب فاطمہ کے قبضہ میں دے دیا۔ (دیکھو معارج النبوۃ۔ رکن ۴ صفحہ ۲۲۱ و حبیب السیر و روضۃ الصفا۔ صفحہ ۱۳۵۔ جلد ۲)

مگر جب خلافت حضرت ابو بکر پر قرار پائی۔ تو خلیفہ صاحب نے اسے ضبط کر لیا۔ کتب بالا کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فدک کی ضبطی کے وقت فدک حضرت سیدہ کے قبضہ میں تھا۔ جواہر العقدین کی روایت کے الفاظ سے بھی صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قبضہ حضرت سیدہ سے فدک لیا گیا۔ بہرحال

جب دار القضا میں حضرت سیدہ نے اس بے دخلی کی نسبت یہ جتلایا کہ میرے والد ماجد نے مجھے علاقہ ہبہ کر دیا ہے۔ حضرت ابو بکر فطرتاً ایک نیک مزاج آدمی تھے۔ نہایت آشتی سے بولے کہ میرا یہ گمان تھا۔ کہ آپ میراث کی حیثیت سے اس کی دعوی دار ہوئی ہیں۔ در حالے کہ قول رسول اللہ کا یہ ہے۔ کہ نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ یعنی ہم گروہ انبیاء میں وراثت کوئی شے نہیں ہے۔ ہم جو ترکہ چھوڑ جاتے ہیں۔ صدقہ کا حکم رکھتا ہے۔ مگر ایسی صورت میں کہ تمہارے باپ تم کو یہ علاقہ اپنی حیات میں ہبہ کے طور پر دے گئے ہیں۔ تمہارا قبضہ اس پر ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت خلیفہ رو فدک کے بارے میں کوئی تحریری حکم دینا چاہتے تھے۔ کہ حضرت عمر نے حضرت خلیفہ کو ایسی تحریر سے منع کیا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ ایک عورت سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی جس طرح سب عورتیں ہیں۔ فاطمہؓ بھی ایک عورت ہے۔ اس سے گواہ طلب کیجئے۔ اس پر حضرت بی بی نے اپنے شوہر حضرت علی اور ام ایمن اور اسماء بنت عمیس کو گواہی میں پیش کیا۔ ان شخصوں کی گواہی پر حضرت خلیفہ نے رو فدک کا تحریری حکم صادر فرمایا۔ جب اس کی خبر حضرت عمر کو ہوئی۔ آپ نے حضرت خلیفہ کے ہاتھ سے اس تحریری حکم کو چھین کر چاک کر ڈالا (دیکھو شرح ابن الحدید جلد ۲ صفحہ ۳۰۵) اور یہ فرمایا کہ فاطمہؓ کی زوجہ ہے۔ علیؓ کی گواہی کیونکر قابل پذیرائی ہو سکتی ہے۔ علی جب کہیں گے۔ تو اپنے نفع کی کہیں گے۔ باقی رہیں وہ عورتیں ان کی گواہی ناکافی متصور ہے۔ جب حضرت سیدہ نے حضرت عمر کی تقریر سنی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اے صاحبو! آپ رسول اللہ ﷺ سے سن چکے ہیں۔ کہ یہ دونوں بیبیاں اہل جنت سے ہیں۔ پس ان سے دروغ گوئی عمل میں نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن حضرت سیدہ کا یہ جواب پذیر نہ ہوا۔ فدک آپ سے لے لیا گیا۔ اس وقت حضرت سیدہ نے ان لفظوں میں فریاد کی کہ واابتاہ وامحمداہ اور اس کے بعد آپ اپنے گھر کو واپس گئیں۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۲۰۔۲۱

اقول

صراح میں ہے۔ فدک بفتحتین نام دہے از خیبر۔ یعنی فدک بفتحتین خیبر کا ایک گاؤں ہے قاموس اور منتخب میں بھی اس طرح ہے۔ مصباح اللغۃ میں ہے۔ کہ وہ ایک شہر ہے جو مدینہ سے دو روز کی راہ ہے۔ اور خیبر سے ایک منزل معجم البلدان یاقوت حموی میں ہے۔ کہ فدک ایک گاؤں ہے۔ حجاز میں مدینہ سے دو دن کی راہ اور بعض روایت میں تین دن کی راہ۔ ان عبارتوں سے ظاہر ہے۔ کہ اہل سنت کے نزدیک فدک ایک گاؤں یا زیادہ سے زیادہ ایک شہر کا نام ہے۔ مگر اہل تشیع اسے گاؤں کیا بلکہ ایک بڑا صوبہ یا ملک قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب بیان ہو گا۔

مصنف کی طرح تمام شیعہ یہی کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فدک حضرت فاطمہ الزہرا کو ہبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ علامہ میثم بحرانی شارح نہج البلاغہ قول امیر بلی کانت فی ایدینا فدک کے تحت میں لکھتا ہے۔ ثم المشھور بین الشیعۃ والمتفق علیہ عندھم ان رسول اللہ اعطاھا فاطمۃ۔

یعنی شیعہ کے درمیان مشہور اور ان کے ہاں متفق علیہ یہ امر ہے کہ رسول اللہ نے فدک فاطمہ کو عطا کر دیا تھا۔ (انتہیٰ)

علمائے امامیہ اس کے ثبوت میں روایت ذیل پیش کرتے ہیں۔ جن کو وہ سینوں کی روایتیں کہتے ہیں۔ (آیات بینات)

(۱) شیعہ کا ثقۃ الاسلام علی بن طاؤس حلی اپنی کتاب طرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف میں لکھتا ہے:

ومن طريف مناقضاتهم ماردوه فی کتبهم الصحيحة عندهم برجالهم عن مشائخهم حتى استندوه عن سيد الحفاظ ابن مردوية قال اخبرنا محی السنة ابو الفتح عبدوس بن عبدالله الهمد انی اجازة قال حدثنا القاضی ابو نصر شعيب بن علی قال حدثنا موسٰی بن سعيد قال حدثنا الوليد بن علی قال حدثنا عباد بن يعقوب قال حدثنا علی بن عباس عن فضيل عن عطية عن ابی سعيد قال لما نزلت اٰية واٰت ذا القربٰی حقه دعا رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فاطمةؓ فاعطاهافدک۔

ترجمہ: " اور سینوں کے عجیب مناقضات میں سے وہ روایت ہے۔ جس کو انہوں نے اپنی صحیح کتابوں میں اپنے مشائخ سے روایت کیا ہے۔ یہاں تک کہ سید الحفاظ ابن مردویہ کی سند سے یوں روایت ہے۔ کہ کہا ابن مردویہ نے۔ کہ خبر دی ہم کو محی السنہ ابو الفتح عبدوس بن عبداللہ ہمدانی نے اجازۃ کہ حدیث کی ہم سے قاضی ابو نصر شعیب بن علی نے کہ حدیث کی ہم سے موسیٰ بن سعید نے کہ حدیث ہم سے ولید بن علی نے کہ حدیث کی ہم سے عباد بن یعقوب نے کہ حدیث کی ہم سے علی بن عباس نے فضیل سے۔ فضیل نے عطیہ سے۔ عطیہ نے ابو سعید سے۔ کہا ابو سعید نے کہ جب آیہ واٰت ذا القربٰی حقه نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ علیہا السلام کو بلایا۔ اور فدک انہیں دے دیا۔ (انتہیٰ)

(۲) شیعہ کا علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں آیہ واٰت ذا القربٰی حقه کے تحت میں لکھتا ہے۔

اخبرنا السيد ابو حميد مهدی بن نزار الحسنی قراءة قال حدثنا الحاکم ابو القاسم بن عبداللّٰه الحسکانی قال حدثنا الحاکم الوالد ابو محمد قال حدثنا عمر بن احمد بن عثمان ببغداد شفاها قال اخبرنی عمر بن

الحسین بن علی بن مالک قال حدثنا جعفر بن محمد الاحمصی قال حدثنا حسن بن حسین قال حدثنا ابو معمر بن سعید جیثم وابو علی القاسم الکندی ویحیٰی بن یعلٰی وعلی بن مسهر عن فضیل بن مرزوق عن عطیة الکوفی عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت قوله واٰت ذا القربٰی حقه اعطی رسول اللّٰه فاطمة فدک۔

ترجمہ: "خبر دی ہم کو سید ابو حمید مہدی بن نزار حسنی نے قراءۃ کہ حدیث کہ ہم سے حاکم ابو القاسم بن عبداللہ حسکانی نے کہ حدیث کی ہم سے حاکم والد ابو محمد نے کہ حدیث کی ہم سے عمر بن احمد بن عثمان نے بغداد میں بالمشافہہ کہ خبر دی مجھ کو عمر بن حسین بن علی بن مالک نے کہ حدیث کی ہم سے جعفر بن محمد احمصی نے۔ کہ حدیث کی ہم سے ابو معمر بن سعید جیثم اور ابو علی قاسم کندی اور یحییٰ بن یعلٰی اور علی بن مسہر نے فضیل بن مرزوق سے۔ فضیل نے عطیہ کوفی سے۔ عطیہ نے ابو سعید خدری سے۔ کہا ابو سعید خدری نے کہ جب آیہ واٰت ذا القربٰی حقه۔ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فدک فاطمہ کو دے دیا۔ (انتہیٰ)

(۳) ملا باقر مجلسی بحار الانوار کی کتاب الفتن باب نزول الآیات فی امر فدک میں یہ روایت لایا ہے۔

محمد بن العباس عن علی بن العباس المقانعی عن ابی کریب عن معاویة عن فضیل بن مرزوق عن عطیه عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت فاٰت ذاالقربٰی حقه دعا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاطمة واعطاها فدک۔

ترجمہ: "محمد بن عباس نے علی بن عباس مقانعی سے۔ اس نے ابو کریب سے ابو کریب نے معاویہ سے۔ معاویہ نے فضیل بن مرزوق سے۔ فضیل نے عطیہ سے عطیہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی۔ کہا ابو سعید خدری نے کہ جب آیہ فاٰتِ ذا القربٰی حقه۔ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؑ کو بلایا۔ اور اسے فدک دے دیا۔ (انتہیٰ)

(۴) بحار الانوار کی کتاب الفتن ہی میں یہ روایت ہے۔

روی السید ابن طاؤس فی کتاب سعد السعود من تفسیر محمد بن العباس بن علی بن مروان قال روی حدیث فدک فی تفسیر قوله تعالٰی واٰت ذا القربٰی حقه من عشرین طریقا فمنها مارواه محمد بن محمد بن سلیمان الاعبدی وهیثم بن خلف الدوری وعبداللّٰه بن سلیمان بن

الاشعث ومحمد بن القاسم بن زكريا قالوا حدثنا عباد بن يعقوب قال اخبرنا علي بن عابس وحدثنا جعفر بن محمد الحسيني من علي بن منذر الطريقي عن علي بن عابس عن فضيل بن مرزوق عن عطية العوفي عن ابي سعيد الخدري قال لما نزلت وأت ذا القربى حقه دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة واعطاها فدك۔

ترجمہ: "سید ابن طاؤس نے کتاب سعد السعود میں تفسیر محمد بن عباس بن علی بن مروان سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ کہتا ہے کہ ہبہ فدک کی حدیث وأت ذا القربٰی حقه کی تفسیر میں بیں طریقوں سے مروی ہے ان میں سے ایک وہ ہے جسے اس نے محمد بن محمد بن سلیمان اعبدی اور ہیثم بن خلف دوری اور عبداللہ بن سلیمان بن اشعث اور محمد بن قاسم بن زکریا سے روایت کیا ہے۔ کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے روایت کی ہے کہ عباد بن یعقوب نے ہم کو خبر دی ہے۔ علی بن عابس نے۔ اور نیز حدیث کی ہم سے جعفر بن محمد حسینی نے علی بن منذر طریقی سے۔ اس نے علی بن عابس سے۔ اس نے فضیل بن مرزوق سے۔ اس نے عطیہ عوفی سے۔ اس نے ابو سعید خدری سے۔ کہا ابو سعید خدری نے کہ جب آیہ وأت ذا القربی حقه نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو بلایا۔ اور فدک اسے دے دیا۔ (انتہٰی)

(۵) مولوی دلدار علی صاحب نے عماد الاسلام میں کنز العمال شیخ علی متقی سے یہ روایت نقل کی ہے:

عن ابي سعيد قال لما نزلت وأت ذا القربٰى حقه قال النبي صلى الله عليه وسلم يا فاطمة لك فدك۔ رواه الحاكم في تاريخة وقال تفرد به ابراهيم بن محمد بن ميمون عن علي بن عابس۔ ابن النجار۔

ترجمہ: "ابو سعید سے روایت ہے کہ جب آیہ وأت ذا القربی حقه نازل ہوئی۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا۔ اے فاطمہ فدک تمہارے واسطے ہے۔ اسے حاکم نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ اور کہا کہ ابراہیم بن محمد بن میمون علی بن عباس سے اس کے ساتھ متفرد ہے۔ (انتہٰی)

(۶) سید محمد مجتہد طعن الرماح میں بحوالہ تفسیر درمنثور یہ روایت لایا ہے:

اخرج البزار وابو يعلٰى وابن ابي حاتم وابن مردوية عن ابي سعيد الخدري رضي الله تعالٰى عنه قال لما نزلت هٰذه الاية وأت ذا القربٰى حقه دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاطمة فاعطاها فدک۔

یعنی ابو سعید خدری بنالٹھ سے روایت ہے۔ کہ جب آیہ وآت ذا القربی حقه نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ملتی ایم نے فاطمہ کو بلایا۔ اور فدک اسے دے دیا۔ (انتہے)

(۷) طرائف میں ایک روایت بشر بن الولید اور واقدی اور بشر بن غیاث سے لکھی ہے:

روی غیر واحد منهم من بشر بن الولید والو اقدی وبشر بن غیاث فی احادیث یرفعونها الی محمد صلی اللہ علیه وسلم نبیهم انه لمافتح خیبرا اصطفٰی لنفسه قری من قری الیهود فنزل جبریلؑ بهٰذه الایة فاٰت ذا القربی حقه فقال محمد صلی اللہ علیه وسلم من ذا القربی وما حقه قال فاطمةؓ فدفع الیها فدک ثم اعطاها العوالی بعد ذلک فاستغلتها حتٰی توفی ابوها محمد صلی اللہ علیه وسلم۔

ترجمہ: "بشر بن الولید اور واقدی اور بشر بن غیاث نے مرفوع حدیثوں میں روایت کی ہے۔ کہ جب خیبر فتح ہوا۔ تو رسول اللہ ملتی ایم نے دیہات یہود میں سے کئی گاؤں اپنی ذات کے لئے علیحدہ کر لئے۔ پس جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ کہ ذا القربٰی کو ان کا حق دے دو۔ اس پر آپ نے پوچھا۔ کہ ذا القربٰی کون ہیں۔ اور ان کا حق کیا ہے۔ جبرائیل نے کہا۔ کہ ذا القربٰی فاطمہؓ ہیں۔ پس آپ نے فدک انہیں دے دیا۔ بعد ازاں مدینہ کے شرقی دیہات بھی ان کو عطا کئے۔ حضرت فاطمہ ان دیہات کا غلہ لیا کرتیں۔ یہاں تک کہ ان کے والد حضرت محمد ملتی ایم نے وفات پائی۔

(۸) عماد الاسلام میں بحوالہ معارج النبوۃ یہ روایت مذکور ہے۔

ودر مقصد اقصٰی مذکور است کہ بعض گویند حضرت رسول اللہ ملتی ایم بسوئے خیبر امیر المومنین علی رافرستاد۔ و مصالحہ بردست امیر واقع شد بر آن نہج کہ حضرت امیر قصد خون ایشان نکند و حوائط خواص از آل رسول باشد۔ پس جبرئیل فرود آمد و گفت کہ حق تعالٰی مے فرمائید کہ حق خویشان بدہ رسول گفت کہ خویش من کیستند و حق ایشان چیست۔ جبرائیل گفت فاطمہ است۔ حوائط فدک راباوده وآن چہ از خدا و رسول اوست در فدک ہم باوبدہ۔ پیغمبرؐ فاطمہؓ رابخواند و برائے وے مجتے نوشت و آن وثیقہ بودہ کہ بعد از وفات رسول پیش ابوبکر آورد و گفت۔ این کتاب رسول خداست برائے من و حسن و حسین۔ انتہے۔ یہی روایت روضتہ الصفاء میں بھی مذکور ہے۔

در حقیقت یہ سب ایک ہی روایت کے مختلف طریقے ہیں۔ پہلے چار طریقوں میں اسناد مذکور ہے۔ باقی چار میں صرف بعض راویوں کے نام یوں بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے چار نمبروں میں اسناد کا سلسلہ ابو سعید پر ختم ہوتا ہے۔ اور ابو سعید سے عطیہ نے اور عطیہ سے فضیل بن مرزوق نے آگے چلایا ہے۔ اور ان ہی سے اس روایت کا سلسلہ آگے بڑھا ہے۔ مگر ابو سعید کے نام میں ایک عجیب دھوکا دیا گیا ہے۔ جس سے ناظرین کو شبہ ہوتا ہے۔ کہ یہ ابو سعید خدری ہیں جو صحابی تھے۔ حالانکہ یہ ابو سعید ابو سعید خدری نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ ابو سعید ہے۔ جو کلبی کے لقب سے مشہور اور صاحب تفسیر ہیں۔ ان کے بہت سے نام اور مختلف کنیتیں ہیں۔ اور اسی سبب سے لوگوں کو اکثر ان کے نام میں دھوکا ہو جاتا ہے۔ کبھی ان کا نام محمد بن سائب کلبی سے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی حماد بن سائب کلبی کہہ کر پکارے جاتے ہیں۔ اور اسی سبب سے لوگوں کو اکثر ان کے نام میں دھوکا ہو جاتا ہے۔ کبھی ان کا نام محمد بن سائب کلبی سے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی حماد بن سائب کلبی کہہ کر پکارے جاتے ہیں۔ اور ان کی تین کنیتیں ہیں۔ ایک ابو نصر اور دوسری ابو ہشام اور تیسری ابو سعید۔ اور ان ہی سے عطیہ عوفی روایت کرتے ہیں۔ اور چونکہ عطیہ عوفی شیعہ تھے۔ وہ اس قسم کی حدیثوں کو اپنے شیخ ابو سعید کلبی سے اس طور پر روایت کرتے ہیں۔ کہ جس سے دھوکا ہو کہ یہ ابو سعید خدری صحابی سے روایت ہے۔ کیونکہ وہ حدثنا یا قال ابو سعید کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ کلبی یا اور مشہو نام ان کا نہیں لیتے تاکہ لوگوں کو شبہ ہو کہ یہ جس سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابو سعید خدری صحابی ہیں۔ چنانچہ یہ مغالطہ ظاہر ہو گیا۔ اور ان کی یہ ہوشیاری کھل گئی۔ (آیات بینات) بغرض توضیح ہم عطیہ و ابو سعید کا حال کتب اسماء الرجال سے نقل کرتے ہیں۔

تقریب میں ہے۔ **عطية بن سعد الكوفي يخطي كثيراً وكان شيعًا مدلسًا** یعنی عطیہ بن سعد کوفی اکثر خطا کرتا تھا۔ اور روایت میں تدلیس کرتا تھا۔ روایت میں خطا کرنا اور شیعی ہونا محتاج بیان نہیں۔ مگر تدریس کیا چیز ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

صورتش آنست کہ راوی نام شیخ خود رانبرد و از شیخ کہ فوق اوست روایت کند و لفظ یکہ موہم سماع است بیار دو حال آنکہ از وے سماع ندارد۔ چنانچہ گوئد عن فلان و قال فلان و تدلیس مذموم و مکروہ است مگر آنکہ ثابت شود کہ وے تدلیس نمے کند مگر از ثقہ و در آن غرض فاسد نباشد مثل اخفائے سماع از شیخ بجہت صغر سن و عدم جاہ و شہرت و ستر حال کہ سبب طعن گردد۔ (انتہی)

میزان الاعتدال میں عطیہ کی نسبت یوں لکھا ہے۔

عطية بن سعد العوفي الكوفي تابعي شهيرٌ ضعيف..... قال سالم

المرادی کان عطیة یتشیع.... وقال احمد ضعیف الحدیث و کان هیشم یتکلم فی عطیة وروی ابن المدینی عن یحیٰی قال عطیة وابوهارون و بشر بن حرب عندی سواء وقال احمد بلغنی ان عطیة کان یاتی الکلبی فیاخذ عنه التفسیر کان یکنیه بابی سعید فیقول قال ابو سعید قلت یعنی یولهم انه الخدری وقال النسائی وجماعة ضعیف۔ یعنی عطیة بن سعد عوفی کوفی تابعی۔

ترجمہ: "سالم مرادی کا قول ہے کہ عطیہ شیعی تھا...... اور احمد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث تھا۔ اور ہیشم کو عطیہ میں کلام ہے۔ اور ابن مدینی نے یحیٰی سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں کہ عطیہ اور ابو ہارون اور بشر بن حرب میرے نزدیک برابر ہیں۔ اور امام احمد کہتے ہیں۔ کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا۔ اور اس سے تفسیر لیتا۔ اور اس کی کنیت ابو سعید رکھتا۔ اور یوں کہتا۔ کہ ابو سعید نے ایسا کہا ہے۔ کہ ذہبی کہتے ہیں۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ اس کا مقصود یہ تھا۔ کہ لوگ سمجھیں کہ یہ ابو سعید خدری ہیں۔ اور امام نسائی اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف بتایا ہے۔ (انتہی)

سخاوی نے رسالہ منظومہ جزری میں باب من له اسماء مختلفة ولغوته متعددة میں جہاں کلبی کا ذکر لکھا ہے۔ وہاں یہ بیان کیا ہے۔ وهو ابو سعید الذی روی عنه عطیة العوفی موهما انه الخدری یعنی یہی کلبی ابو سعید کی کنیت سے پکارا جاتا ہے۔ اور عطیہ عوفی اسی کنیت سے اس سے روایت کرتا ہے۔ تاکہ لوگوں کو خیال ہو کہ یہ ابو سعید خدری ہیں عطیہ کے حال سے یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ روایت زیر بحث ابو سعید خدری سے جو صحابی ہیں۔ نہیں ہے۔ بلکہ ابو سعید کلبی سے ہے۔ جس کا حال تہذیب التہذیب میں یوں مذکور ہے:

قال معتمر بن سلیمان عن ابیه کان بالکوفة کذابان احدهما الکلبی وقال الدوری عن یحیٰی بن معین لیس بشیئ وقال معاویة بن صالح عن یحیٰی ضعیف وقال البخاری ترکه یحیٰی وابن مهدی وقال عبدالواحد بن غیاث عن ابن مهدی جلس الینا ابو جزء علی باب ابی عمرو بن العلاء فقال اشهد ان الکلبی کافر قال فحدثت بذلک یزید بن زریع فقال سمعته یقول اشهدانه کافر قال فماذا زعم قال سمعته یقول کان جبریل یوحی

الی النبی صلی اللّٰہ علیه واٰله وسلم فقام النبی لحاجته وجلس علی فاوحی الی علی فقال یزید انا لم اسمعه یقول هٰذا ولکنی رأیته یضرب صدره ویقول انا سبائی انا سبائی۔ قال العقیلی هم صنف من الرافضة اصحاب عبداللّٰہ بن سبا و قال ابن فضیل عن مغیرة عن ابراهیم انه قال لمحمد بن السائب مادمت علی هٰذا الرأی لا تقربنا وکان مرجئًا وقال ابو عاصم زعم لی سفیان الثوری قال قال الکلبی ماحدثت عن ابی صالح عن ابن عباس فهو کذب فلا ترووه وقال الاصمعی عن قرة بن خالد کانوا یرون ان الکلبی یزرف یعنی یکذب وقال یزید بن هارون کبر الکلبی وغلب علیه النسیان وقال ابو حاتم الناس مجمعون علی ترک حدیثه هو ذاهب الحدیث لا یشتغل به وقال النسائی لیس بثقة ولا یکتب حدیثه وقال علی بن الجنید والحاکم ابو احمد والدار قطنی متروک وقال الجوزی هو کذاب ساقط وقال ابن حبان وضوح الکذب فیه اظهر من ان یحتاج الی الاغراق فی وصفه روی عن ابی صالح التفسیر وابو صالح لم یسمع من ابن عباس لا یحل الاحتجاج به وقال الساجی متروک الحدیث وکان ضعیفا جد الفرطه فی التشیع وقد اتفق ثقات اهل النقل علی ذمه وترک الروایة عنه فی الاحکام والفروع قال الحاکم ابو عبداللّٰہ روی عن ابی صالح احادیث موضوعة وذکر عبدالغنی بن سعید الازدی انه حماد بن السائب الذی روی عنه ابو اسامة وتقدم فی ترجمة عطیه ان کان یکنی الکلبی ابا سعید ویروی عنه۔ (انتہی ملخصاً)

ترجمہ: "معتمر اپنے باپ سلیمان کی روایت سے بیان کرتا ہے۔ کہ کوفہ میں دو کذاب تھے۔ ان میں سے ایک کلبی ہے۔ اور دوری نے بروایت یحیٰی بن معین بیان کیا۔ کہ کلبی لیس بشیئی ہے۔ اور معاویہ بن صالح بروایت یحیٰی بیان کرتا ہے۔ کہ کلبی ضعیف ہے۔ اور امام بخاری کا بیان ہے۔ کہ کلبی کو یحیٰی اور ابن مہدی نے ترک کر دیا ہے۔ عبدالواحد بن غیاث نے ابن مہدی سے روایت کی۔ کہ ابن جزء نے ابو عمرو بن علاء دروازے میں ہمارے پاس بیٹھ کر کہا۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ کلبی کافر ہے۔ ابن مہدی نے کہا۔ میں نے یزید بن

ذریعے سے اس کا تذکرہ کیا۔ وہ بولا کہ میں نے ابو جزء کو یہ کہتے سنا ہے۔ کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ کہا کہ کلبی نے کیا کہا۔ جواب دیا کہ میں نے اسے یہ کہتے سنا ہے۔ کہ حضرت جبرائیل نبی ﷺ پر وحی القا کرتے تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے۔ تو علی بیٹھ جاتے۔ اور جبرائیل علی پر وحی القا کرتے۔ اس پر یزید نے کہا کہ میں نے کلبی کو یہ کہتے سنا ہے۔ مگر میں نے دیکھا ہے۔ کہ کلبی سینہ ٹھونک کر کہا کرتا تھا۔ کہ میں سبائی ہوں۔ میں سبائی ہوں۔ عقیلی کا قول ہے۔ کہ سبائیہ رافضیوں کی ایک قسم ہے۔ اور وہ عبداللہ بن سبا کے چیلے ہیں۔ ابن فضیل نے بروایت مغیرہ بیان کیا۔ کہ ابراہیم نے محمد بن سائب سے کہا۔ کہ جب تک تو اس رائے پر ہے۔ ہمارے نزدیک نہ آنا۔ اور وہ مرجی تھا۔ ابو عاصم کہتے ہیں۔ کہ سفیان ثوری نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ کلبی کا قول ہے۔ کہ میں نے جو کچھ بروایت ابی صالح ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ وہ جھوٹ ہے۔ تم اسے روایت نہ کرنا۔ اصمعی نے بروایت قرہ بن خالد بیان کیا کہ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ کلبی جھوٹ بولتا ہے۔ اور یزید بن ہارون کا قول ہے۔ کہ کلبی عمر رسیدہ ہو گیا۔ اور اس پر نسیان غالب ہو گیا۔ ابو حاتم کا بیان ہے۔ کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ کلبی کی حدیث چھوڑ دینی چاہیے۔ اور اس کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے۔ نسائی کا قول ہے۔ کہ کلبی ثقہ نہیں۔ اور اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ اور علی بن جنید اور ابو احمد حاکم اور دار قطنی کہتے ہیں۔ کہ کلبی متروک ہے۔ جو زجانی کہتا ہے۔ کہ وہ بڑا جھوٹا ساقط عن الاعتبار ہے۔ ابن حبان کا قول ہے۔ کہ کلبی کا جھوٹ ایسا ظاہر ہے۔ کہ محتاج بیان نہیں۔ اس نے ابو صالح سے تفسیر روایت کی ہے۔ اور ابو صالح نے ابن عباس سے سنا نہیں۔ اس کے ساتھ احتجاج جائز نہیں۔ ساجی کہتا ہے۔ کہ کلبی کی حدیث متروک ہے۔ اور وہ تشیع میں غلو کے سبب نہایت ضعیف ہے۔ اور ثقات ناقلین اس کی مذمت اور احکام و فروع میں اس کی روایت کے چھوڑ دینے پر متفق ہیں۔ اور ابو عبداللہ حاکم کا بیان ہے۔ کہ اس نے ابو صالح سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور عبد الغنی بن سعید ازدی نے ذکر کیا کہ وہ حماد بن سائب ہے۔ جس سے ابو اسامہ نے روایت کی ہے۔ اور عطیہ عوفی کے حال میں پہلے آچکا ہے۔ کہ عطیہ مذکور کلبی کو ابو سعید کی کنیت سے یاد کرتا ہے۔ اور اس سے حدیثیں روایت کرتا ہے۔ (انتہی)

اگرچہ عطیہ و کلبی کے حالات معلوم ہونے کے بعد ہبہ فدک کی روایت کے غلط و موضوع ہونے

میں کچھ شک نہیں ہو سکتا۔ مگر مزید توضیح کے لئے ہم بعض دیگر رواۃ پر بھی سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ پہلے چار نمبروں میں عطیہ سے نیچے فضیل بن مرزوق کا نام ہے۔ جس کی نسبت تہذیب التہذیب میں لکھا ہے:

عن ابن معین صالح الحدیث الا انه شدید التشیع۔ قال ابن ابی حاتم عن ابیه صالح الحدیث صدوق بهم کثیرا یکتب حدیثه قلت یحتج به قال لا وقال النسائی۔ ضعیف قال مسعود عن الحاکم لیس هو من شرط الصحیح وقد عیب علی مسلم اخراجه لحدیثه قال ابن حبان فی الثقات یخطئی وقال فی الضعفاء کان یخطئی علی الثقات ویروی عن عطیة الموضوعات۔

ترجمہ: "ابن معین سے روایت ہے کہ فضیل صالح الحدیث ہے۔ مگر کٹر شیعی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے روایت کی۔ کہ فضیل صالح الحدیث صدوق ہے۔ وہم بہت کرتا ہے۔ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا اس کی حدیث کے ساتھ احتجاج کیا جاتا ہے۔ میرے باپ نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ نسائی نے کہا کہ فضیل ضعیف ہے۔ مسعود نے بروایت حاکم کہا۔ کہ وہ شرط صحیح سے نہیں۔ اور مسلم پر یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ اس نے فضیل کی حدیث نقل کی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں کہا۔ کہ فضیل خطا کرتا ہے۔ اور کتاب ضعفاء میں فرمایا۔ کہ وہ ثقات کی طرف خطا منسوب کرتا تھا۔ اور عطیہ عوفی سے موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا۔ (انتہیٰ)

نمبر ا، ۴ میں فضیل سے نیچے علی بن عابس ہے۔ جس کی نسبت تہذیب التہذیب میں یوں ہے۔

علی بن عابس الاسدی الازرق الکوفی الملائی۔ قال الدوری عن ابن معین کانه ضعیف وفی روایة عنه لیس بشئ وکذا البخاری عن یحیٰی وقال ابوداؤد عن یحیٰی ضعیف وکذا قال الجوزجانی والنسائی والرازی وقال ابن حبان فحش خطاؤه فاستحق الترک۔

ترجمہ: "دوری نے بروایت ابن معین علی ابن عابس کو ایک روایت میں ضعیف اور دوسری میں لیس بشی کہا۔ بخاری نے بھی بروایت یحیٰی ایسا ہی کہا ہے۔ اور ابوداؤد نے بروایت یحیٰی ضعیف کہا۔ اور ایسا ہی جوزجانی اور نسائی و رازی نے کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس کی خطا فحش ہے۔ اور ترک کا مستحق ہے۔ (انتہیٰ)

میزان الاعتدال میں ہے:

القاسم بن زکریا حدثنا عباد بن یعقوب حدثنا علی بن عابس عن فضیل بن مرزوق عن عطیة عن ابی سعید قال لما نزلت وأت ذا القربٰی حقه دعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاطمة فاعطاها فدک۔ قلت هٰذا باطل ولو کان وقع ذٰلک لما جاءت فاطمة رضی اللّٰہ عنها تطلب شیئا هو فی حرزها و ملکها و فیه غیر علی من الضعفاء۔

ترجمہ: "قاسم بن زکریا نے کہا کہ عباد بن یعقوب نے ہم سے بیان کیا۔ کہ ہم سے علی بن عابس نے بیان کیا کہ فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے اور عطیہ نے ابو سعید سے روایت کی کہ جب آیہ وأت ذا القربٰی حقه نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو بلایا۔ اور اسے فدک دے دیا۔ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔ اگر آپ فدک دے دیتے۔ تو فاطمہ رضی اللہ عنہا اس شئے کی طلب میں نہ آتیں جو آپ کے قبضے اور ملک میں ہوتی۔ اور اس حدیث میں سوائے علی بن عابس کے اور بھی ضعیف راوی ہیں۔ (انتہیٰ)

نمبر۲ میں اس خبر کو فضیل سے روایت کرنے والوں میں ایک یحیٰی بن یعلیٰ ہے۔ جس کی نسبت تقریب میں ہے۔ یحییٰ بن یعلٰی الاسلمی الکوفی شیعی ضعیف

نمبر۳ میں فضیل سے نیچے معاویہ ہے۔ جو مبہم ہے۔ غرض یہ کہ اس روایت کے پہلے چار طریقوں میں اخیر کے راوی شیعی ہیں۔ جنہوں نے اس روایت کو وضع کیا ہے۔ اور جہاں ابو سعید کے ساتھ خدری لکھا ہے۔ وہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ خدری نہیں بلکہ کلبی ہے۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ باقی چار طریقوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ جن میں پورا اسناد مذکور نہیں۔

نمبر۵ جو کنز العمال سے منقول ہے۔ اس کی نسبت گزارش ہے۔ کہ اول تو حاکم خود شیعی ہیں۔ چنانچہ لسان المیزان میں لکھا ہے۔

محمد بن عبداللّٰہ الضبی النیسا بوری الحاکم ابو عبداللّٰہ الحافظ صاحب التصانیف امام صدوق ولکنه یصحح فی مستدرکه احادیث ساقطة فیکثر من ذٰلک فما ادری هل خفیت علیه فما هو ممن یجهل ذٰلک وان علم فهو خیانة عظیمة ثم هو شیعی مشهور بذٰلک من غیر تعرض للشیخین وقد قال ابو طاهر سالت ابا اسماعیل عبداللّٰہ الانصاری

عن الحاکم ابی عبداللّٰہ فقال امام فی الحدیث رافضی خبیث قلت ان اللّٰہ یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی فقط۔

ترجمہ: "ابو عبداللہ حاکم حافظ صاحب تصانیف امام صدوق ہیں۔ مگر اپنی مستدرک میں غیر معتبر حدیثوں کو صحیح بتاتے ہیں۔ اور ایسا بہت کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا وہ حدیثیں ان پر پوشیدہ رہیں۔ وہ ایسے تو نہیں کہ اس سے جاہل ہوں۔ اگر ان کو معلوم تھا۔ تو یہ بڑی خیانت ہے۔ پھر وہ مشہور شیعی ہیں۔ شیخین سے تعرض نہیں کرتے۔ ابو طاہر کا بیان ہے۔ کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے ابو عبداللہ حاکم کی نسبت دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ وہ حدیث میں امام اور خبیث رافضی ہیں۔ میں نے کہا کہ خدا انصاف کو پسند فرماتا ہے۔ وہ شخص رافضی نہیں بلکہ فقط شیعی ہے۔ (انتہیٰ)

اگر تفصیل مطلوب ہو۔ تو طبقات الشافعیتہ الکبریٰ للتاج السبکی کو دیکھنا چاہیے دوسرے یہ کہ ابراہیم جو شیعی ہے۔ علی بن عابس سے جس کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ اس خبر کے ساتھ متفرد ہے۔ اور علی بن عابس سے ابو سعید تک سلسلہ نامعلوم ہے۔ غالباً اس سلسلہ میں فضیل و عطیہ ہوں گے۔ بہرحال یہ طریق بھی کسی طرح قابل حجت نہیں۔

نمبر۶ تفسیر در منثور سے بحوالہ ابن مردویہ وغیرہ بلا اسناد مذکور ہے۔ ہم اس کتاب کے حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں۔ کہ در منثور کی کوئی روایت ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ تاوقتے کہ اصول روایت و درایت پر پوری نہ اترے۔ اگرچہ اس روایت کا اسناد مذکور نہیں۔ مگر بظاہر یہ وہی روایت ہے۔ جو سید الحفاظ ابن مردویہ سے طرائف میں اوپر نقل ہو چکی ہے۔ جس میں فضیل و عطیہ و کلبی پائے جاتے ہیں۔

نمبر۷ طرائف میں بشر بن ولید اور واقدی اور بشر بن غیاث سے بلا اسناد منقول ہے۔ غالباً یہ وہی روایت ابو سعید وعطیہ و فضیل ہے۔ چونکہ اسے واقدی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس واسطے اس کی طرف چنداں توجہ کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ واقدی کی نسبت تقریب میں ہے۔ متروک مع سعة علمه یعنی واقدی باوجود بڑے عالم ہونے کے متروک ہیں۔

بشر بن غیاث واقدی سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کی نسبت لسان المیزان میں ہے۔ مبتدع ضال لا ینبغی ان یروی عنه قال الخطیب حکی عنه اقوال شنیعة اساء اهل یعلم قولهم فیه وکفره اکثرهم لا جلها قال ابو زرعة الرازی بشر المریسی زندیق وقال الا زدی زائغ صاحب رأی لا یقبل له قوله ولا یخرج حدیثه۔ (بشر بن غیاث بدعتی گمراہ ہے۔ اس سے حدیث کی

روایت نہ چاہیے۔ خطیب نے کہا کہ اس سے برے اقوال منقول ہیں۔ اہل علم اس کی نسبت بری رائے رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے ان اقوال کے سبب اس کی تکفیر کی ہے۔ ابو زرعہ رازی نے کہا۔ کہ بشر مریسی زندیق ہے۔ اور ازدی نے کہا کہ وہ گمراہ صاحب رائے ہے۔ اس کا قول قبول نہ کیا جائے۔ اور نہ اس کی حدیث نقل کی جائے۔)

بشر بن غیاث کی نسبت لسان المیزان میں ہے۔ قال صالح بن محمد جزرة وهو صدوق لكنه لا يعقل قد كان خرف وقال السليماني منكر الحديث وقال الاجرئ سالت ابا داؤد البشر بن الوليد ثقة قال لا (صالح بن محمد جزرہ کا قول ہے کہ وہ صدوق ہے۔ مگر لا بے عقل ہے۔ بڑھاپے کے سبب اس کی عقل جاتی رہی تھی۔ اور سلیمانی کا قول ہے۔ کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ اور آجری کا قول ہے۔ کہ میں نے ابوداؤد سے پوچھا کہ کیا بشر بن ولید ثقہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں)

ایسے لوگوں کی روایت سے استدلال کرنا صاف بتا رہا ہے۔ کہ امامیہ کو کوئی صحیح روایت اس بات میں نہیں ملی۔ اور ملتی کیونکر جب کہ اس کا وجود ہی نہ تھا۔ اور نہ ہے لہٰذا اس روایت کے موضوع ہونے میں کچھ شک نہیں۔

نمبر۸ معارج النبوۃ سے بحوالہ مقصد اقصیٰ بعنوان بعض گوئید منقول ہے۔

اول تو کتاب معارج النبوۃ ایسی نہیں۔ کہ اس کی روایات بطور سند پیش ہو سکیں۔ دوسرے یہ کہ صاحب معارج نے باوجود التزام لکھنے واقعات کے اس روایت ہبہ کو واقعہ قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ روایت ما قبل کو جو اس کے منافی ہے۔ واقعہ لکھا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس روایت کو مقصد اقصیٰ جیسی غیر معروف کتاب سے بعنوان بعضے گوئید نقل کیا ہے۔

چوتھے یہ کہ اس روایت ہبہ کا اسناد بیان نہیں کیا۔ بدین وجوہ یہ روایت ساقط عن الاعتبار ہے۔

اگر روایت ابو سعید کے اسناد سے قطع نظر کی جائے۔ تو بھی اس سے شیعہ کا مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ آیہ وآت ذا القربٰی حقه وابن السبيل عام ہے۔ اس خطاب کے رسول اللہ ﷺ سے مختص ہونے اور ذا القربیٰ میں قرابت سے مراد خاص قرابت ولادیہ ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہیں۔

علاوہ ازیں اس روایت کی صحت میں اس بنا پر کلام ہے۔ کہ سورہ بنی اسرائیل جس میں یہ آیت وارد ہے۔ مکی ہے۔ اور آیہ مذکورہ مکی ہونے سے مستثنیٰ نہیں۔ لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ زہرا کو مکہ میں فدک کس طرح ہبہ کر دیا۔ حالانکہ فدک تو خیبر سے واپس ہونے پر

ے ہجری میں بطریق صلح حضرت کے قبضہ میں آیا تھا۔ لہٰذا اگر ہبہ ہوتا۔ تو مدینہ میں بعد تسلط ہوتا۔ بعض علمائے شیعہ کا یہ کہنا کہ بطور پیش بندی قبل از قبضہ فدک مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہو گی۔ بے فائدہ ہے۔ کیونکہ احادیث شیعہ سے ثابت ہے۔ کہ آیت زیر بحث فدک کے قبضہ میں آنے کے بعد نازل ہوئی ہے۔

ان سب امور سے قطع نظر کرکے اگر ہم اس روایت کے مضمون کو صحیح تسلیم کرلیں۔ تو بھی محض ہبہ ثابت ہو گا۔ فدک پر قبضہ ثابت نہ ہو گا۔ چنانچہ سید مرتضٰی نے جو قاضی الجبار کے ابطال تصرف کا جواب شافی میں دیا ہے۔ اس کی نسبت ابن ابی الحدید شیعی معتزلی یوں لکھتا ہے:

فاما قول قاضي القضاة لو كانت في يدها لكان الظاهر انها لها۔ و امتراض المرتضٰى عليه بقوله انه لم يعتمد في انكار ذٰلک علٰى حجة بل قال لو كانت في يدها لكان الظاهر انها لها والامر على ما قال فمن اين انها لم تخرج عن يدها علٰى وجه كما ان الظاهر يقتضٰى خلافه فانه لم يحب عما ذكره قاضي القضاة لان معنى قوله انها لو كانت في يدها اى متصرفة فيها لكانت اليه حجة في الملكية لان اليد والتصرف حجة لا محالة فلو كانت في يدها تتصرف فيها وفي ارتفاقها كما يتصرف الناس في ضياعهم واملاكهم لما احتاجت الى الاحتجاج بآية الميراث ولا بدعوى النحل لان اليد حجة فهلا قالت لابى بكر هذه الارض في يدى ولا يجوز انتزاعها عنى الابحجة وحينئذ كان يسقط احتجاج ابى بكر بقوله نحن معاشر الانبياء لا نورث لانها ماتكون قد ادعتها ميراثًا ليحتج عليها بالخبر وخبرابى سعيد في قوله فاعطاها فدک يدل على الهبة لا على القبض والتصرف لا نه يقال اعطاني فلان كذا فلما قبضه ولو كان الا عطاء هو القبض والتصرف لكان هذا الكلام متناقضا۔ (شرح ابن ابی الحدید۔ مطبوعہ مصر۔ جلد رابع۔ صفحہ ۱۰۵)

ترجمہ: "رہا قاضی القضاۃ کا یہ قول کہ اگر فدک حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں ہوتا۔ تو ظاہر تھا کہ وہ فاطمہؓ ہی کا ہے۔ اور اُس پر مرتضٰی کا یوں اعتراض کرنا کہ قاضی القضاۃ نے قبضۂ فاطمہؓ کے انکار کرنے میں کسی دلیل پر اعتماد نہیں کیا۔ بلکہ یوں کہہ دیا کہ اگر فدک حضرت فاطمہؓ

کے ہاتھ میں ہوتا۔ تو ظاہر تھا کہ وہ فاطمہؓ ہی کا ہے۔ اور ہے بھی یونہی جیسا اس نے کہا۔ مگر یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ کہ فدک کسی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ جیسا کہ ظاہر اس کے خلاف کا مقتضی ہے۔ سو مرتضٰی نے قاضی القضاۃ کے قول کا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ قاضی القضاۃ کے قول کے یہ معنی ہیں۔ کہ اگر فدک حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں ہوتا۔ یعنی وہ اس پر قابض ہوتیں۔ تو حضرت فاطمہؓ کا قبضہ ملکیت میں حجت ہوتا۔ کیونکہ قبضہ و تصرف بے شک حجت ہے۔ پس اگر فدک حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں ہوتا۔ اور وہ اس میں اور اس کے منافع میں یوں تصرف کرتیں۔ جیسا کہ لوگ اپنی زمینوں اور ملکیتوں میں تصرف کیا کرتے ہیں۔ تو وہ آیہ میراث کے ساتھ حجت پکڑنے اور ہبہ کے دعویٰ کی محتاج نہ ہوتیں۔ کیونکہ قبضہ کا ہونا حجت ہے۔ پس (بصورت تصرف) انہوں نے حضرت صدیق اکبر سے یوں کیوں نہ کہہ دیا۔ کہ یہ زمین میرے قبضہ میں ہے۔ اس کا میرے قبضہ سے نکالنا بجز حجت کے جائز نہیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر کا حدیث نحن معاشر الانبیاء کے ساتھ حجت پکڑنا ساقط ہو جاتا۔ کیونکہ حضرت فاطمہؓ بطریق اِرث اس کی دعویٰ دار نہ بنتیں۔ کہ ان کے خلاف حدیث سے احتجاج ہو سکتا۔ رہا مرتضٰی علم الھدیٰ کا استدلال حدیث ابو سعید کے فقرے **فاعطاھا فدک** (پس رسول اللہ ﷺ نے فدک فاطمہؓ کو عطا کر دیا۔) سے۔ سو وہ فقرہ ہبہ پر دلالت کرتا ہے۔ نہ کہ قبض و تصرف پر اس لئے کہ کہا جاتا ہے۔ **اعطانی فلان کذا فلم اقبضہ۔** (فلان شخص نے مجھے یہ چیز عطا کی۔ پس میں نے اسے قبض نہ کیا) اگر اعطاء (عطا کرنا) قبض و تصرف ہوتا۔ تو یہ کلام متناقض ہوتا۔ (انتہی)

اگر بالفرض ہبہ باقبضہ تسلیم کیا جائے۔ تو آیہ زیر بحث کے حکم کی پوری تعمیل یا تو معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ نے خود نہیں کی۔ یا خدا نے نہیں کرائی۔ کیونکہ مساکین و مسافر محروم چھوڑ دیئے گئے۔ بہرحال روایت ابو سعید کسی طرح ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا ہبہ فدک کا دعویٰ اور حضرت علی و ام ایمن یا حسنینؓ کی شہادت اہل سنت و جماعت کی کسی معتبر باسناد صحیح روایت میں مذکور نہیں۔ بلکہ کتب اہل سنت میں اس کے برخلاف موجود ہے۔ جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا۔ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واما قصہ ہبہ و گواہی دادن ام ایمن و امام حسن پس باطل محض است۔ ہیچ جا روایتے بآں صحیح نشدہ (قرۃ العینین مجتبائی۔ صفحہ ۲۳۰) مصنف نے جن کتابوں کا حوالہ پیش کیا ہے۔ ان میں سے ابن ابی الحدید کی شرح ہے۔ جو شیعی معتزلی ہے۔ روضۃ الصفا

اور حبیب السیر کتب تواریخ شیعہ میں سے ہیں۔ در منثور اور معارج النبوۃ کا حال اوپر معلوم ہو چکا۔ جواہر العقدین للسمہودی کی جس روایت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ علامہ سمہودی کی دوسری کتاب وفاء الوفا میں یوں مذکور ہے:

روى ابن شبة عن النمير بن حسان قال قلت لزيد بن علي وانا اريد ان اهجن امر ابى بكران ابا بكر انتزع من فاطمة رضى الله تعالٰى عنها فدک فقال ان ابابكر رضي الله تعالٰي عنه كان رجلا رحيماً وكان يكره ان يغير شيئا تركه رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتته فاطمة رضى الله تعالٰى عنها فقالت ان رسول الله اعطانى فدک فقال لها هل لک على هٰذا ابينة فجاءت بعلى رضى الله تعالٰى عنه نشهد لها ثم جاءت بام ايمن فقالت اليس تشهد انى من اهل الجنة قال بلٰى قالت فاشهد ان النبى صلى الله عليه وسلم اعطاها فدک فقال ابوبكر فبرجل وامرأة تستحقينها او تسحقين لها القضية قال زيد بن على وايم الله لو رجع لى الامر لقضيت فيها بقضاء ابى بكر رضى الله تعالى عنه (وفاء الوفا۔ جزء ثانی ۔ صفحہ ۱۶۱)

ترجمہ: ”حافظ ابن شبہ (متوفی ۲۶۲ ہجری) نے نمیر بن حسان سے روایت کی کہ میں نے زید بن علی سے بارادۂ تہجین و تذلیل ابوبکر رضی اللہ عنہ کہا کہ ابوبکر نے فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فدک چھین لیا تھا۔ اس پر حضرت زید نے جواب دیا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک نرم دل آدمی تھے۔ وہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی کسی چیز کو تغییر و تبدیل کر دیں۔ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان کے پاس آئیں اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فدک مجھے دے دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے پاس اس پر کوئی گواہ ہے۔ وہ علی رضی اللہ عنہ کو لائیں۔ انہوں نے فاطمہ کے حق میں شہادت دی۔ پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ام ایمن کو پیش کیا۔ ام ایمن نے کہا کہ کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ میں اہل جنت سے ہوں۔ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ بے شک۔ تب ام ایمن نے کہا۔ کہ میں گواہی دیتی ہوں۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فدک فاطمہؓ کو عطا کیا تھا۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کیا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے دعویٰ فدک ثابت ہو سکتا ہے۔ حضرت زید بن علی نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ معاملہ میرے سامنے پیش ہوتا۔ تو میں وہی حکم دیتا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے دیا تھا۔ (انتہیٰ)

اس روایت کو مولوی دلدار علی نے عماد الاسلام میں اور سید محمد نے طعن الرماح میں نقل کیا ہے۔ ابن ابی الحدید نے اس کا پورا اسناد اپنی شرح میں ابوبکر جوہری کی کتاب سقیفہ و فدک کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے:

قال ابوبکر اخبرنا ابو زید قال ثنا محمد بن عبداللّٰہ بن الزبیر قال ثنا فضیل بن مرزوق قال ثنا البختری بن حسان قال قلت لذید بن علی وانا اھجن امر ابی بکران ابابکر انتزع فدک من فاطمة۔ (الخ)

ترجمہ: "ابوبکر جوہری نے کہا کہ ابو زید نے ہمیں خبر دی کہ محمد بن عبداللہ بن زبیر نے ہم سے بیان کیا کہ فضیل بن مرزوق نے ہم سے بیان کیا۔ کہ بختری بن حسان نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے زید بن علی سے بارادۂ تہجین و تذلیل ابوبکر کہا کہ ابوبکرؓ نے فدک فاطمہؓ سے چھین لیا۔ (الخ)

اس روایت کے متعلق گذارش ہے کہ اول تو ابن ابی الحدید شیعی معتزلی اس روایت کا ناقل ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن ابی الحدید نے اس روایت کو ابوبکر جوہری کی کتاب سقیفہ و فدک سے نقل کیا ہے۔ یہاں بحث طلب امر یہ ہے کہ آیا کوئی کتاب جوہری کی اس نام کی ہے بھی یا نہیں؟ سوائے ابن ابی الحدید کے اور کسی مشہور عالم نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ اور نہ اس سے کچھ لیا ہے۔ ایسی گمنام کتاب کی روایت کب قابل توجہ ہو سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ جوہری نے یہ روایت عمر بن شبہ سے لی ہے۔ جن کی کنیت ابو زید ہے۔ اگرچہ ابن شبہ معتبرین سے ہیں۔ مگر اس کا کیا ثبوت کہ جوہری نے جو روایت ان کے نام سے نقل کی اور جوہری کے نام سے جو کچھ ابن ابی الحدید نے لکھا وہ جعل سے خالی ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو زید نے اس کو محمد بن عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے۔ جس کی نسبت تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ قال العجلی کوفی ثقة یتشیع (عجلی نے کہا کہ وہ کوفی اور ثقہ ہے۔ مگر اپنے آپ کو شیعی ظاہر کرتا ہے۔) فضیل بن مرزوق کا حال پہلے آچکا ہے۔ کہ وہ پکا شیعی ہے۔ نمیر بن حسان یا بختری بن حسان کے رافضی ہونے میں شک نہیں۔ اس لئے کہ وہ خود بتا رہا ہے۔ کہ میں نے حضرت زید سے بارادہ تذلیل ابوبکر سوال کیا۔ لہٰذا یہ روایت بھی ہم پر بطور حجت پیش نہیں ہو سکتی۔

مصنف نے جو قصہ ہبہ فدک اور شہادت کو بحوالہ شرح ابن ابی الحدید لکھا ہے۔ خود شارح

موصوف نے بدین الفاظ اس پر نکتہ چینی کی ہے۔

واما ما یرویه رجال الشیعة والاخباریون منهم فی کتبهم من قولهم انهما اهاناها واسمعا ها کلاما غلیظا وان ابابکر رق لها حیث لم یکن عمر حاضر افکتب لها بفدک کتا با فلما خرجت به وجدها عمر فمدیده الیه لیاخذه مغالبة فمنعته فدفع بیده فی صدرها واخذ الصحیفة فخرقها بعد ان تفل فیها فمحا هاوانها دعت علیه فقالت بقرالله بطنک کما بقرت صحیفتی فشیئ لا یرویه اصحاب الحدیث ولا ینقلونه وقدر الصحابة یجل عنه وکان عمر اتقی الله واعرف لحقوق الله من ذٰلک۔

(شرح نہج البلاغہ مجلد رابع۔ صفحہ ۸۷)

ترجمہ: "وہ جو شیعہ کے راوی اور اخباری اپنی کتابوں میں روایت کرتے ہیں کہ شیخین نے حضرت فاطمہؑ کی اہانت کی اور ان کو سخت کلام سنایا۔ اور نیز یہ کہ حضرت ابوبکر کو حضرت فاطمہ پر ترس آیا۔ جب کہ حضرت عمر حاضر نہ تھے۔ پس آپ نے فدک کے بارے میں حضرت فاطمہ کو ایک وثیقہ لکھ دیا۔ جب وہ وثیقہ لے کر نکلیں۔ تو حضرت عمر ان کو ملے۔ پس حضرت عمر نے وثیقہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تاکہ اسے زبردستی چھین لیں۔ حضرت فاطمہؑ نے ان کو منع کیا۔ پس انہوں نے فاطمہؑ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور وہ وثیقہ چھین لیا۔ اور اس میں تھوک کر پھاڑ دیا۔"

یہ ایسا قصہ ہے۔ جسے اصحاب حدیث روایت نہیں کرتے۔ اور نہ اسے نقل کرتے ہیں۔ اور صحابہ کی قدر اس سے برتر ہے۔ اور حضرت عمر ایسے خدا ترس اور حقوق اللہ کے پہچاننے والے تھے۔ کہ ان سے ایسی حرکت سرزد نہ ہو سکتی تھی۔ (انتہیٰ)

علاوہ ازیں وہ قصہ شرح ابن ابی الحدید میں مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب شافی سے لے گیا ہے۔ جس کا اسناد یوں بیان کیا گیا ہے:

رؤی ابراهیم بن السعید الثقفی عن ابراهیم بن میمون قال حدثنا عیسٰی بن عبدالله بن محمد بن علی بن ابی طالب علیه السلام عن ابیه عن جده عن علی علیه السلام قال جاءت فاطمة علیه السلام الٰی ابی بکر۔ (الخ)

ترجمہ: "اس اسناد میں ابراہیم بن سعید ثقفی مجہول ہے۔ اور ابراہیم بن میمون شیعی ہے۔ جیساکہ منتہی المقال فی اسماء الرجال میں مذکور ہے۔ جو شیعہ کی معتبر کتاب ہے۔ اور عیسٰی بن عبداللہ بن محمد کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے۔ **قال الدار قطنی متروک الحدیث وقال ابن حبان یروی عن أبائه اشیاء موضوعة** (دار قطنی نے کہا کہ وہ متروک

الحدیث ہے۔ اور ابن حبان نے کہا۔ کہ وہ اپنے آباؤ اجداد سے موضوع باتیں روایت کرتا ہے۔) اندریں حالات یہ قصہ ہمارے نزدیک کیا وقعت رکھ سکتا ہے۔

اب ہم شیعہ کی اصح الکتب سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ جس سے فدک کے معاملات اور دیگر حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ روایت یہ ہے:

علی بن محمد بن عبداللّٰہ عن بعض اصحابنا اظنه السیاری عن علی بن اسباط قال لما ورد ابو الحسن موسٰی علیه السلام علی المهدی راه یرد المظالم فقال یا امیر المومنین ما بال مظلمتنا لا ترد فقال له وما ذٰلک یا ابا الحسن قال ان اللّٰه تبارک و تعالٰی لما فتح علی نبیه صلی اللّٰه علیه وسلم فدک وما والاهام یوجف علیه بخیل ولا رکاب فانزل اللّٰه نبیه صلی اللّٰه علیه واٰله واٰت ذا القربٰی حقه فلم یدر رسول اللّٰه من هم فراجع فی ذٰلک جبرائیل ربه فاوحی اللّٰه الیه ان ادفع فدک الی فاطمة فدعا رسول اللّٰه فقال لها یا فاطمة ان اللّٰه امرنی ان ادفع الیک فدک فقالت قد قبلت یا رسول اللّٰه من اللّٰه ومنک فلم یزل وکلاؤها فیها حیٰوة رسول اللّٰه فلما ولی ابوبکر اخرج عنها وکلاؤها فاتته فسألته ان یردها علیه فقال لها أیتنی باسودا واحمر یشهد لک بذلک فجاءت با میر المومنین علیه السلام وام ایمن فشهدوالها فکتب لها بترک التعرض فخرجت والکتاب معها فلقیها عمر فقال لها ماهٰذا معک یا بنت محمد قالت کتاب کتبه لی ابن ابی قحافة قال ارینه فابت فانتزعه من یدها ونظر فیه ثم تفل فیه ومحاه وخرقه فقال لها هٰذا لم یوجف علیه ابوک بخیل ولا رکاب فضعی الجبال فی رقابنا فقال له المهدی یا ابا الحسن حدها فقال حدمنها جبل احد وحدمنها عریش مصر وحد منها سیف البحر و حد منها دومة الجندل فقال له کل هٰذا قال نعم یا امیر المومنین هٰذا کله ان هٰذا کله مما لم یوجف اهله علی رسول اللّٰه بخیل ولا رکاب فقال کثیر وانظر فیه۔ (اصول کافی نول کشوری۔ کتاب الحجۃ۔ باب الفئی والانفال۔ صفحہ ۳۵۴)

ترجمہ: "علی بن محمد بن عبداللہ نے ہمارے اصحاب میں سے بعض سے روایت کی جسے میں سیاری گمان کرتا ہوں۔ اور اس بعض نے علی بن اسباط سے روایت کی کہ کہا علی بن اسباط نے کہ جب امام ابو الحسن موسیٰ کاظم مہدی عباسی پر وارد ہوئے۔ تو دیکھا کہ مہدی رد(۱) مظالم کر رہا ہے۔ پس امام نے کہا۔ اے امیر المومنین ہمارے مظلمہ کا کیا حال ہے۔ کہ واپس

نہیں کیا جاتا۔ مہدی نے کہا۔ اے ابو الحسن وہ کیا ہے۔ امام نے فرمایا۔ کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر فدک اور فدک کے ملحق کو فتح کیا۔ کہ جس پر آپ نے گھوڑے اور اونٹ نہ دوڑائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر آیہ وآت ذالقربی نازل فرمائی۔ پس رسول اللہ نے نہ جانا کہ ذا القربی کون ہیں۔ پس اس امر میں آپ نے جرائیلؑ کی طرف رجوع فرمایا۔ اور جرائیلؑ نے اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ فدک فاطمہؑ کو دے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؑ کو بلایا۔ اور ان سے فرمایا۔ کہ اے فاطمہ تحقیق خدا نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ فدک تجھے دے دوں۔ فاطمہؑ نے کہا۔ یارسول اللہ میں نے اللہ سے اور آپ سے قبول کیا۔ رسول اللہ کی حیات میں فاطمہؑ کے وکیل اس میں رہے۔ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فاطمہؑ کے وکیلوں کو فدک سے نکال دیا۔ پس فاطمہؑ خلیفہ کے پاس آئیں۔ اور ان سے درخواست کی کہ فدک مجھے واپس دے دیجئے۔ خلیفہ نے کہا کہ کسی سیاہ یا سرخ (عربی یا عجمی) کو میرے پاس لاؤ۔ جو آپ کے حق میں فدک کی ملکیت کی گواہی دے۔ لہٰذا وہ امیر المومنین علیہ السلام اور ام ایمن کو لائیں۔ جنہوں نے آپ کے حق میں گواہی دی۔ اس پر خلیفہ نے لکھ دیا کہ فاطمہؑ سے (معاملہ فدک میں) تعرض نہ کیا جائے۔ فاطمہ وہ وثیقہ لے کر نکلیں۔ عمر رضی اللہ عنہ (راستہ میں) ان سے ملے۔ اور پوچھا کہ اے بیٹی محمد کی یہ تیرے پاس کیا ہے۔ وہ بولیں کہ وثیقہ ہے۔ جو ابو قحافہ کے بیٹے نے میرے لئے لکھ دیا ہے۔ کہا کہ مجھے دکھاؤ۔ فاطمہؑ نے انکار کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور اس میں نظر کی۔ پھر اس پر تھوک دیا۔ اور اسے مٹا دیا۔ اور پھاڑ ڈالا۔ اور ان(۲) سے کہا۔ اس پر تیرے باپ نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ پس تو ہماری گردنوں پر پہاڑ رکھ دے۔ یہ سن کر مہدی نے امام سے کہا۔ اے ابو الحسن فدک کے حدود مجھ سے بیان کرو۔ امام نے فرمایا۔ فدک کی ایک حد کوہ احد ہے۔ دوسری عریش مصر۔ تیسری کنارہ بحر چوتھی دومتہ الجندل ہے۔ اس پر مہدی نے کہا۔ یہ سب؟ امام نے کہا۔ ہاں اے امیر المومنین یہ سب۔ کیونکہ اس سب کے باشندوں پر رسول اللہ نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ مہدی بولا۔ کہ یہ تو بہت ہے۔ میں اس میں غور کروں گا۔ (انتہے)

(۱) مظالم جمع ہے مظلمہ کی۔ اور مظلمہ وہ مال ہے۔ جو ظلم سے لیا جائے۔

(۲) صافی شرح کافی میں ہے۔ پس گفت عمر فاطمہ را مجموع آنچہ تصرف مے خواہی یعنی اکثر آن نہ دوانیدہ برآن پدر تو اسپان لشکر روانہ شترآن لشکر را۔ باین معنے کہ اگر فدک رابتودہم باین سبب کہ نوشتہ شدہ این جالازم مے آئید کہ اکثر ممالک محروسہ رابتودہم۔ پس بگذار کو سہار در گردن ما یعنے مارا زیر بار خود کن تاما ترک خلافت مے کنیم ۱۲ منہ اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعے فیہ ولوالدیہم اجمعین۔

روایت مذکورہ بالا میں امور ذیل قابل غور ہیں:

۱۔ اس روایت میں آیہ وآت ذا القربٰی۔ کا جو شان نزول بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تردید پہلے ہو چکی ہے۔

۲۔ یہ جو مذکور ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات شریف میں فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے قبضہ میں تھا۔ اور اس میں ان کے وکیل رہا کرتے تھے۔ اس کی تردید بھی پہلے آچکی ہے۔

۳۔ یہ حضرت صدیق اکبر پر افتراء ہے۔ کہ آپ نے خلاف نص قرآنی ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت پر رد فدک کا تحریری حکم دے دیا۔

۴۔ حضرت عمر فاروق کی طرف جن افعال کی نسبت کی گئی ہے۔ وہ ان سے بری ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۵۔ فدک کے حدود جو شیعہ کے امام معصوم موسیٰ کاظم بیان فرماتے ہیں۔ یہ ہیں۔ ایک حد کوہ احد ہے۔ جو مدینہ منورہ سے قریباً تین میل مشرق کی جانب ہے۔ دوسری حد عریش مصر ہے۔ جو شام سے مصر کے راستے میں بحیرہ روم کے کنارے میں عین سرحد مصر پر ہے۔

(معجم البلدان للیاقوت)۔

تیسری حد کنارہ بحر جس کا اطلاق اکثر بحر عمان کے کنارے پر ہوتا ہے۔ (صافی شرح کافی)۔ چوتھی حد دومتہ الجندل ہے۔ جو دمشق سے جنوب کو پانچ دن کی مسافت پر ہے۔ اور مدینہ منورہ سے ۱۵ یا ۱۶ دن کی راہ ہے۔ (طبقات ابن سعد۔) ان حدود سے شیعہ کے خیال فدک کی وسعت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

شیعہ کا شہید ثالث مجالس المومنین میں فدک کے حال میں لکھتا ہے:

صاحب معجم البلدان گفتہ فدک قریہ ایست میان حجاز در میان او و مدینہ دو روزہ راہ است و بعضے گفتہ اندسہ روزہ وآن قریہ از کفار خیبر بود کہ بطریق مصالحہ در تحت تصرف آنحضرت آمدہ بود و بموجب دین الٰہی خالصہ حضرت رسالت پناہی شدہ بود و در آن جا چشمۂ آب روان و درختہائے خرما بسیار بود۔ مخفی نماند کہ این تحدید منافی آن است کہ صاحب کتاب طرائف باسناد خود از حضرت امام موسیٰ کاظم روایت نمودہ کہ از آن حضرت حدود فدک را پرسیدند در جواب گفت۔ حد اول عریش مصر است و حد دوئم دومتہ الجندل وحد ثالث تیمار و حد رابع جبل احد از مدینہ ولا شک ان صاحب البیت ابصر بالبیت وبرہر تقدیر مراد بفدک قریہ ایست کہ حضرت پیغمبر در

وقت نزول این آیہ وآت ذا القربٰی حقہ آن را بحضرت فاطمہ علیہا السلام بخشیدہ۔ وبود۔

ترجمہ: "مصنف معجم البلدان نے کہا کہ فدک حجاز میں ایک گاؤں ہے مدینہ اور اس کے درمیان دو دن کا فاصلہ ہے۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ تین دن کا۔ یہ گاؤں کفار خیبر کا تھا۔ جو باہمی صلح کے طریق سے آنحضرت ﷺ کے قبضہ میں آیا تھا۔ اور دین الٰہی کے بموجب حضرت رسالت پناہ کا خالصہ ہو گیا تھا۔ وہاں آب رواں کا چشمہ اور خرما کے درخت بہت تھے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ یہ حد بندی منافی ہے۔ اس کے جو صاحب کتاب طرائف نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت امام موسیٰ کاظم سے روایت کیا ہے۔ حضرت امام سے فدک کے حدود دریافت کئے گئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ حد اول عریش مصر اور حد دوم دومتہ الجندل اور حد سوم تیما اور حد چہارم کوہ احد مدینہ کے متصل ہے۔ اور شک نہیں کہ گھر والے کو گھر کا حال زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ بہر تقدیر فدک سے مراد وہ گاؤں ہے۔ جو حضرت پیغمبر ﷺ نے آیہ وآت ذالقربی حقہ کے نزول کے وقت حضرت فاطمہ علیہا السلام کو عنایت کیا تھا۔ (انتہٰی)

شیعہ کا جناب مقدس اردبیلی لکھتا ہے۔ فدک دہے است کہ رسول خدا در وقت نزول آیہ وآت ذا القربی حقہ بفاطمہ بخشیدہ بود (حدیقۃ الشیعہ ۔ مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۶) ملا خلیل شارح اصول کافی لکھتا ہے۔ فدک موضعے است نزدیک مدینہ ۔ تعجب ہے کہ شیعی مصنفین اپنے امام معصوم کے خلاف فدک کو گاؤں بتا رہے ہیں۔

۶۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ فدک مال فیئے تھا۔ چنانچہ صافی میں اس کی شرح میں یوں لکھا ہے۔ لم یوجف معلوم از باب افعال است و ضمیر مستتر راجع بہ رسول است۔ باو بخیل برائے تعدیہ بمفعول دوم است و مفعول اول محذوف است بتقدیر لم یوجف العسکر واشارہ است بقول اللہ تعالیٰ درسورہ حشر(ا) وما افاء اللّٰہ علٰی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللّٰہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللّٰہ علٰی کل شیئی قدیرO ما افاء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القریٰ فلِلّٰہِ وللرسول ولذی القربٰی والیتٰمٰی والمٰسکین وابن السبیل کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم بیان این ظاہر مے شود۔ (انتہٰی)

(ا) اور جو فیئے بنا دیا ہے۔ خدا نے اپنے رسول پر ان سے۔ سو تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ لیکن خدا جتا دیتا ہے۔ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ اور خدا سب چیز کر سکتا ہے۔ اور جو فیئے بنا دے خدا اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو واسطے خدا کے اور واسطے رسول کے

اور واسطے قرابت والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کی تانہ آوے لینے دینے دولت مندوں کے تم میں سے ۱۲۔

ان دو آیتوں میں سے پہلی میں فئے کا ذکر ہے۔ فئے اس مال کو کہتے ہیں۔ جو کافر سے بغیر قتل مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ دوسری آیت میں مصارف فیئے کا ذکر ہے۔ دوسری آیت کے بعد کی تین آئتوں میں ذا القربٰی والیتمٰی والمساکین وابن السبیل سے بدل کے طور پر فقراء مہاجرین وانصار اور تابعین الٰی یوم القیامہ کا ذکر ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ فیئے کا مصرف عامۂ مسلمین کی مصالح و ضروریات ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریق عمل مال فیئے میں یوں تھا۔ کہ اپنے اہل و عیال کا ایک سال کا نفقہ رکھ لیتے۔ باقی کو عامۂ مسلمین کی ضروریات میں صرف فرماتے۔ اور مساکین و محتاجوں میں سے جس کو چاہتے عطا فرماتے۔ مال غنیمت کے برعکس فیئے میں خمس و قسمت نہ تھی۔ بلکہ فیئے کا اختیار حضور کے دست مبارک میں تھا۔ آپ کے بعد آپ کے جانشینوں نے اس بات میں پورے طور پر آپ کا اتباع کیا۔ تفسیر منہج الصادقین میں ہے۔ سوم فیئے است (یعنی منجملہ اموالیکہ ائمہ وولاۃ دران تصرف دارند) وآن مالے است کہ از کفار بمسلمانان منتقل شود بدون قتال و ایجاف خیل و رکاب و آن رسول را باشد در حیات وے و بعد از وے کسے را۔ کہ قائم مقام وے باشد از ائمہ دین و ایشان بہرکس کہ خواہند دہند و بہرچہ صلاح باشد صرف نمایند واین قول امیرالمومنین ست صلوات اللہ وسلامہ علیہ انتہٰی۔ (آیات بینات۔ بحث فدک)

اسی طرح خلاصۃ المنہج میں ہے۔ فیئے فئے آن مالیست کہ از کفار بمسلمانان منتقل شود بدون قتال و آن رسول را باشد در حیات وے۔ وبعد ازوے کسے را کہ قائم مقام وے باشد از ائمہ ہدے و ایشان بہرکس کہ خواہند دہند۔ (انتہٰی)

اس سے ظاہر ہے فیئے کہ پر رسول اللہ ﷺ کا تصرف مالکانہ نہ تھا۔ بلکہ متولیانہ تھا۔ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وفاروق در باب بنی نضیر و مانند آن تمسک نمود بآیہ و معقول۔ اما آیت پس خدا تعالٰی مے فرمائید۔ فللّٰہ وللرسول الایہ۔ بعد از آن فرمود للفقراء المہاجرین۔ پس از این جادانستہ شد کہ اختصاص رسول بمنزلہ اختصاص خدا است از جہت تصرف دید نہ از جہت ملک رقبہ و للفقراء قرینہ است برآن۔ واما معقول پس بیان نمود کہ تصرف آن حضرت ﷺ مالکانہ نبود۔ بلکہ مثل تصرف متولی در بیت المال۔

عن مالک بن اوس بن الحدثان قال ذکر عمر بن الخطاب یومًا الفئی فقال

ما انا احق بهذا الفیئے منکم وما احد منا احق به من احدالا انا علٰی منازلنا من كتاب اللّٰه عزوجل وقسم رسوله فالرجل وقدمه والرجل وبلاءه والرجل وعياله والرجل وحاجته اخرجه ابو داؤدو عنه قال قرأ عمر بن الخطاب انما الصدقٰت للفقرآء والمسٰكين والعٰملين عليها حتى بلغ عليم حكيم فقال هٰذه هٰؤُلآء ثم قرأواعلموآ انما غنمتم من شيئ فان لِلّٰه خمسه وللرسول حتى بلغ وابن السبيل ثم قال هٰذه لهٰؤُلآءِ ثم قرأ ما افاء اللّٰه على رسوله من اهل القرىٰ حتٰى بلغ للفقراء ثم قرأ والذين جآؤ امن بعدهم ثم قال هٰذه استوعبت المسلمين عامة فلئن عشت فليا تين الراعي وهو بسرو حمير نصيبه منها يعرق فيها جبينه رواه في شرح السنة وعنه قال كان فيما احتج به عمران قال كانت لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثلٰث صفايا بنو النضير وخيبر وفدک فاما بنو النضير فكانت حبسًا لنوائبه واما فدک فكانت حبسًا لابناء السبيل واما خيبر فجزاها رسول عن نفقة اهله جعله بين فقراء المهاجرين رواه ابو داؤد (انتہی)

ترجمہ: ”حضرت فاروق اعظم نے اموال بنی نضیر اور مانند اس کے دیگر اموال فیئے کے بارے میں آیت اور معقول سے تمسک فرمایا۔ آیت تو یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلِلّٰہ وللرسول الآیة۔ اور اس کے بعد فرماتا ہے۔ للفقراء المهاجرين (فقراء مہاجرین کے لئے) پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول کا اختصاص بمنزلہ اختصاص خدا کے ہے۔ تصرف دید کی جہت سے نہ کہ ملک رقبہ کی جہت سے اور للفقراء اس پر قرینہ ہے۔ رہا معقول۔ سو حضرت فاروق نے بیان فرما دیا۔ کہ آنحضرت ﷺ کا تصرف (فیئے میں) مالکانہ نہ تھا۔ بلکہ ایسا تصرف تھا۔ جیسا کہ متولی کا بیت المال میں ہوا کرتا ہے۔ حضرت مالک بن اوس بن الحدثان سے روایت ہے۔ کہ ایک روز حضرت عمر بن الخطاب نے فیئے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں اس فیئے کا تم سے زیادہ مستحق نہیں۔ اور ہم میں سے کوئی اس کا دوسرے سے زیادہ مستحق نہیں۔ مگر ہم از روئے کتاب خدا اور از روئے تقسیم رسول خدا ﷺ کے اپنے مراتب پر ہیں۔ پس مرد اور اس کے اسلام کا تقدم اور مرد اور اس کا ابتلاء فی سبیل اللہ اور مرد اور اس کا اہل و عیال اور مرد اور اس کا احتیاج (سب معتبر و ملحوظ ہیں۔) اس کو ابوداؤد

نے روایت کیا۔ اور مالک بن اوس ہی سے روایت ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ یہاں تک کہ آپ علیم حکیم تک پہنچ گئے۔ پھر فرمایا کہ یہ صدقات اصناف مذکورین کے لئے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ واعلموا انما غنمتم من شيئ فان لله خمسه وللرسول یہاں تک کہ آپ وابن السبیل تک پہنچے۔ پھر فرمایا کہ یہ غنیمت ان مذکورین کے لئے ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ ما افاء اللّٰہ عَلٰی رسوله من اهل القریٰ یہاں تک کہ آپ للفقراء تک پہنچے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ والذين جآؤا من بعدهم پھر فرمایا کہ یہ آیتیں فیئے کے حکم کے بارے میں) عامہ مسلمین کو شامل ہیں۔ پس خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو بے شک چرانے والا اپنا اموال فیئے کا حصہ پالے گا۔ حالانکہ وہ موضع سرو حمیر میں ہو گا۔ اور ان اموال کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی پر پسینہ نہ آیا ہو گا۔ اس کو شرح سنہ میں روایت کیا ہے۔ اور احتجاج کیا تھا۔ کہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ تین صفیہ (صفیہ اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو حاکم لشکر غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے اپنے واسطے پسند کرے) تھیں۔ ایک اموال بنی نضیر دوسرے اموال خیبر۔ تیسرے فدک۔ اموال بنی نضیر آپ کے حوادث و حوائج کے لئے محبوس و موقوف تھے۔ فدک مسافروں کے لئے محبوس و موقوف تھا۔ رہا خیبر۔ سو رسول اللہ ﷺ نے اس کے تین ٹکڑے کئے تھے۔ دو ٹکڑے مسلمانوں کے درمیان اور ایک ٹکڑا اپنے اہل و عیال کے لئے مقرر کیا۔ اور اپنے اہل کے نفقہ سے جو کچھ بچ رہتا۔ اسے فقراء مہاجرین میں تقسیم فرما دیتے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (انتہیٰ)

ذیل میں ہم اس بحث کے متعلق کتب اہل سنت و جماعت سے چند اور روائتیں نقل کرتے ہیں:

(ا) عن ابن شهاب قال اخبرني عروة بن الزبير ان عائشة ام المومنين رضي الله عنها اخبرته ان فاطمة عليها السلام ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم سألت ابابكر الصديق بعد وفات رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يقسم لها ميراثها ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما افاء الله عليه فقال لها ابوبكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا نورث ما تركنا صدقة فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فهجرت ابابكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت وعاشت بعد رسول الله

صلی اللّٰہ علیہ وسلم ستۃ اشہر قالت وکانت فاطمۃ تسال ابابکر نصیبہا مما ترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من خیبر وفدک وصدقتہ بالمدینۃ فابی ابوبکر علیہا ذٰلک وقال لست تارکا شیئًا کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعمل بہ الا عملت بہ فانی اخشی ان ترکت شیئا من اُمرہ ان ازیغ فاما صدقتہ بالمدینۃ فدفعہا عمر الی علی وعباس واما خیبر وفدک فامسکہما عمر قال ہما صدقۃ رسول اللّٰہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کانتا لحقوقہ التی تعروٰہ ونوائبہ وامرہما الی من ولی الامر قال فہما علی ذٰلک الیوم۔

(صحیح بخاری) مطبوعہ مصر۔ جزء ثانی۔ کتاب الجہاد۔ باب فرض الخمس۔)

(۲) حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنا مالک بن اوس بن الحدثان النصری ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ دعاہ اذ جاءہ حاجبہ یرفا فقال لہ ہل لک فی عثمان وعبدالرحمٰن والزبیر وسعد یستاذنون فقال نعم فادخلہم فلبث قلیلاً ثم جاء فقال ہل لک فی عباس وعلی یستاذنان قال نعم فلما دخلا قال عباس یا امیر المومنین اقض بینی و بین ہٰذا اوہما یختصان فی الذی افاء اللّٰہ علی رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من مال بنی النضیر فاستب علی وعباس فقال الرہط یا امیر المومنین اقض بینہما وارح احدہما من الاخر فقال عمر اتئذوا لانشدکم باللّٰہ الذی باذنہٖ تقوم السماء والارض ہل تعلمون ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ یرید بذٰلک نفسہ قالو اقد قال ذٰلک فاقبل عمر علی علی وعباس فقال انشد کما باللّٰہ ہل تعلمان ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد قال ذلک قالا نعم قال فانی احدثکم عن ہٰذا الامران اللّٰہ سبحانہ کان خص رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ہذہ الفئ بشئ لم یعطہ احدا غیرہ فقال جل ذکرہ وما افاء اللّٰہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب الٰی قولہ قدیر فکانت ہٰذہ خالصۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم واللّٰہ ما احتازہا

دونکم ولا استأثرها علیکم لقد اعطا کموها وقسمها فیکم حتی بقی
ھٰذا المال منها فکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ینفق علی اهله
نفقة سنتهم من ھٰذا المال ثم یاخذما بقی فیجعله مجعل مال اللّٰہ فعمل
ذٰلک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم حیاته ثم توفی النبی صلی اللّٰہ
علیه وسلم فقال ابوبکر فانا ولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقبضه
ابوبکر فعمل فیه بما عمل به رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وانتم حینئذٍ
فاقبل علی علی وعباس وقال تذکر ان ابابکر فیه کما تقولان واللّٰہ یعلم
انه فیه لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفی فی اللّٰہ عزوجل ابابکر فقلت
انا ولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وابی بکر فقبضته سنتین من
امارتی اعمل فیه بما عمل فیه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و ابوبکر
واللّٰہ یعلم انی فیه صادق بار راشد تابع للحق ثم جئتمانی کلا کما
وکلمتکما واحدة وامر کما جمیع فجئتنی یعنی عباساً فقلت لکما ان
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقة فلما بدالی
ان ادفع الیکما قلت ان شئتما دفعته الیکما علی ان علیکما عهد اللّٰہ
ومیثاقه لتعملان فیه بما عمل فیه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و
ابوبکر وما عملت فیه مذولیت والافلا تکلمانی فقلتما ادفعه الینا بذلک
فدفعته الیکما افتلتمسان منی قضاء غیر ذٰلک فواللّٰہ الذی باذنه تقوم
السماء والارض لا اقضی فیه بقضاء غیر ذٰلک حتی تقوم الساعة فان
عجزتما عنه فادفعا الی فانا اکفیکماه قال فحدثت ھٰذا الحدیث عروة بن
الزبیر فقال صدق مالک بن اوس انا سمعت عائشة رضی اللّٰہ عنها زوج
النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم تقول ارسل ازواج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم
عثمان الی ابی بکر یسألنه ثمنهن مما افاء اللّٰہ علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ
علیه وسلم فکنت انا اردهن فقلت لهن الا تتقین اللّٰہ الم تعلمن ان النبی
صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یقول لا نورث ماترکنا صدقة یرید بذلک نفسه
انما یاکل اٰل محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم فی ھٰذا المال فانتهی ازواج

النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی ما اخبرتھن قال فکانت ھٰذہ الصدقة بید علی منعھا علی عباسًا فغلبه علیھا ثم کان بید حسن بن علی ثم بید حسین بن علی ثم بید علی بن حسین و حسن بن حسن کلاھما کانا یتداولا نھا ثم بید زید بن حسن وھی صدقة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حقا (صحیح بخاری۔ جزء ثالث۔ کتاب المغازی۔ باب حدیث بنی النضیر۔)

(۳) حدثنا ابراھیم بن موسٰی اخبرنا ھشام اخبرنا معمر عن الزھری عن عروة عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا ان فاطمة علیھا السلام والعباس اتیا ابابکر یلتمسان میراثھما ارضه من فدک وسھمه من خیبر فقال ابوبکر سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا نورث ماترکنا صدقة انما یاکل اٰل محمد فی ھٰذا المال واللّٰہ لقرابة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی

(صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب حدیث بن النضیر)

(۴) حدثنا عبداللّٰہ بن جراح ناجریر عن المغیرة قال جمع عمر بن عبدالعزیز بنی مروان حین استخلف فقال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کانت له فدک فکان ینفق منھا ویعودمنھا علی صغیر بنی ھاشم ویزوج فیھا ایمھم وان فاطمة سألته ان یجعلھا لھا فابی فکانت کذلک فی حیٰوة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی مضٰی لسبیله فلما ان ولی ابوبکر عمل فیھا بما عمل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حیوٰتہٖ حتٰی مضٰی لسبیله فلما ان ولی عمر عمل فیھا بمثل ما عملا حتٰی مضٰی لسبیله ثم اقطعھا مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزیز قال عمر یعنی ابن عبدالعزیز فرأیت امر امنعه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاطمة لیس لی بحق وانی اشھدکم انی قدر ددتھا علٰی ماکانت یعنی علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

(سنن ابی داؤد۔ مجلد دوم۔ کتاب الخراج۔ باب فی تدوین العطاء)

(۵) اخبرنا محمد بن عمر قال ثنا ابراھیم بن جعفر بن محمد الانصاریٰ عن ابیه قال کانت فدک صفیالرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکانت لابن السبیل وسألته ابنته فدک ان یھبھا لھا فابٰی رسول اللّٰہ ذٰلک علیھا فلم یطمع فیھا طامع ثم توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والامر

علٰی ذٰلک فولٰی ابوبکر فسلک بها ما کان رسول اللّٰه یفعل ثم کان عثمان فمثل ذٰلک فلما کانت الجماعة علی معاویة سنة اربعین ولی معاویة مروان بن الحکم المدینة فکتب الی معاویة یطلب الیه فدک فاعطاه ایاها فکانت بیدمر وان یبیع ثمرها بعشرة اٰلاف دینار کل سنة ثم نزع مروان عن المدینة وغضب علیه معاویة فقبضها منه فکانت بید وکیله بالمدینة وطلبها الولید بن عتبة بن ابی سفیان عن معاویه فابٰی معاویة ان یعطیه وطلبها سعید بن العاص فابٰی معاویة ان یعطیه فاذا ولی معاویة مروان المدینة المرة الاٰخرة ردها علیه بغیر طلب من مروان ورد علیه غلتها فیما مضٰی فکانت بید مروان فاعطی عبدالملک نصفها واعطی عبد العزیز بن مروان نصفها فوهب عبدالعزیز نصفها الذی کان بیده بعمر بن عبدالعزیز قال فلما توفی عبدالملک طلب عمر بن عبدالعزیز الی الولید حقه فوهبه له وطلب الٰی سلیمان حقه فوهبه له ثم بقی من اعیان بنی عبدالملک حتی خلصت لعمر بن عبدالعزیز قال جعفر فلقدولی عمر بن العزیز الخلافة وما یقوم به وبعیاله الاهی تفل عشرة الاف دینار فی کل سنة واقل قلیلاً واکثر فلما ولی الخلافة سأل عن فدک وفحص عنها فاخبربما کان من امرها فی عهد رسول اللّٰه وابی بکر و عمر و عثمان حتٰی کان معاویة قال فکتب عمر الٰی ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کتابًا فیه بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم من عبداللّٰه عمر امیر المومنین الٰی ابی بکر بن محمد سلام علیک فانی احمد الیک اللّٰه الذی لا اِلٰه الا هو اما بعد فانی نظرت فی امر فدک وفحصت عنه فاذاهو لا یصلح لی ورأیت ان اردها علی ماکانت علیه فی عهد رسول اللّٰه وابی بکر و عمرو عثمان واترک ماحدث بعدهم فاذا جاءک کتابی فاقبضها وولها رجلا یقوم فیها بالحق والسلام علیک

(طبقات ابن سعد مطبوعہ جرمنی۔ جزء خامس۔ ترجمہ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۸۶۔۲۸۷)

ترجمہ احادیث مذکورہ بالا

(ا) ابن شہاب نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبردی کہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اسے خبردی کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ علیہا السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق سے درخواست کی کہ میری میراث جو رسول اللہ ﷺ نے

چھوڑی ہے۔ اس میں سے جو خدا نے آپ پر فیئے کر دی مجھے بانٹ دیں۔ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ غضب میں آئیں۔ اور حضرت ابوبکر کے پاس سے چلی آئیں۔ حضرت ابوبکر سے آپ کا ہجران ہمیشہ رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے۔ کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر سے اس میں سے جو رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا۔ یعنی خیبر و فدک و صدقہ مدینہ میں سے اپنا حصہ طلب کرتی تھیں۔ حضرت ابوبکر نے اس سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ میں اسے کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ اگر میں آپ کے امر میں سے کوئی چیز ترک کر دوں۔ تو مجھے ڈر ہے کہ راہ حق سے برگشتہ ہو جاؤں۔ لیکن مدینہ میں آپ کا صدقہ۔ سو اسے حضرت عمر نے حضرت علی و عباس کے سپرد کر دیا۔ اور خیبر و فدک کو اپنے پاس رکھا۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے صدقہ ہیں۔ جو آپ کے حوادث و حوائج اور ان حقوق کے لئے موقوف تھے جو پیش آیا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں اس کے سپرد ہیں جو والی ہو۔ کہا زہری نے (بوقت بیان حدیث) کہ یہ دونوں آج تک اسی حال پر ہیں۔ (صحیح بخاری)

(۲) حدیث کی ہم سے ابو الیمان نے خبر دی ہم کو شعیب نے زہری سے کہ کہا زہری نے کہ خبر دی ہم کو مالک بن اوس بن مدثان نصری نے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا۔ میں آپ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں آپ کا خادم یرفا آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ عثمان و عبدالرحمٰن و زبیر و سعد دروازے پر کھڑے اذن طلب کر رہے ہیں۔ کیا آپ انہیں اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ ہاں پس جب دونوں داخل ہوئے۔ تو عباس نے کہا۔ اے امیرالمومنین میرے اور اس کے درمیان حکم کر۔ اور وہ اس مال میں جھگڑ رہے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے مالوں سے اپنے رسول ﷺ پر فیئے کیا تھا۔ پس علی و عباس نے ایک دوسرے کو سخت سست کہا۔ پس اس گروہ نے کہا۔ اے امیرالمومنین ان دونوں کے درمیان حکم کر۔ اور ایک کو دوسرے سے نجات دہ۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ ٹھہرو میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں۔ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ "ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔" جس سے حضور کی مراد خود ذات شریف تھی۔ وہ بولے کے بے شک رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ پس حضرت عمر حضرت علی و عباس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ انہوں نے

عرض کی کہ ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں تمہیں اس امر کی خبر دیتا ہوں کہ اللہ سبحانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فیئے میں ایسی چیز سے مخصوص کیا ہے۔ کہ آپ کے سوا کسی کو وہ عطا نہیں کی۔ پس یہ آیۃ پڑھی۔ وما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولارکاب الایۃ۔ پس یہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھے۔ پھر اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بغیر ان کو اپنے واسطے جمع نہیں کیا۔ اور نہ تم کو چھوڑ کر ان کو اپنے واسطے انتخاب کیا۔ اور وہ مال تمہیں دے دیئے اور تم میں تقسیم کر دیئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے یہ مال بچ رہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے اپنے عیال پر ایک سال کا نفقہ صرف فرماتے تھے۔ پھر جو باقی رہتا۔ اسے لیتے اور ان مصارف میں صرف فرماتے جن میں مال خدا کو صرف فرمایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں اسی طرح عمل فرمایا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ پس ابوبکر نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔ اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اس میں عمل کیا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا تھا۔ پس حضرت عمر حضرت علی و عباس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ کہ تم اس وقت زعم کرتے تھے۔ کہ ابوبکر اس عمل میں ایسے ہیں جیسا کہ تم کہہ رہے تھے۔ اور خدا جانتا ہے۔ کہ ابوبکر اس معاملہ میں صادق نیکوکار اور براہ راست اور حق کے تابع تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ابوبکر کو موت دی۔ پس میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کا خلیفہ ہوں۔ اور اپنی خلافت کے دو سال میں نے اس مال کو قبض کیا۔ اور میں نے اس میں عمل کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے کیا تھا۔ اور خدا جانتا ہے۔ کہ میں اس معاملہ میں صادق نیکوکار اور براہ راست اور حق کا تابع ہوں۔ پھر تم دونوں میرے پاس آئے۔ تمہاری بات ایک تھی۔ اور تمہارا امر ایک تھا۔ اے عباس تو میرے پاس آیا۔ پس میں نے تم دونوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ جب میری یہ رائے ہوئی۔ کہ وہ مال تمہارے سپرد کر دوں۔ تو میں نے کہا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے سپرد کر دیتا ہوں۔ اس شرط پر کہ تم پر خدا کا عہد وثیقہ ہے۔ کہ تم اس میں اسی طرح عمل کرو گے۔ جیسا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے عمل کیا۔ اور جیسا کہ میں نے عمل کیا۔ جس سے کہ میں خلیفہ ہوا۔ ورنہ (اس بارے میں) تم مجھ سے کلام نہ کرو۔ تم نے کہا اس شرط پر ہمارے سپرد کر دو۔ پس میں نے وہ مال تمہارے سپرد کر دیا۔ کیا تم مجھ سے التماس کرتے ہو۔ کہ میں اس کے خلاف حکم کروں۔ اس خدا کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ میں اس میں اس کے سوا اور حکم نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے۔ اگر تم اس کام سے عاجز ہو۔ تو وہ مال میرے سپرد کر دو میں اس مشقت سے تم کو بچا دیتا ہوں۔

کہا (زہری نے) کہ میں نے یہ حدیث عروہ بن زبیر سے بیان کی۔ عروہ نے کہا کہ مالک بن اوس نے سچ کہا ہے۔ میں نے حضرت عائشہ زوج النبی ﷺ کو سنا کہ فرماتی تھیں۔ کہ نبی ﷺ کی ازواج نے حضرت عثمان کو حضرت ابوبکر کی خدمت میں اپنی میراث طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ اس میں سے .... جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر فیئے کیا تھا۔ پس میں نے ان کو روکا اور کہا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ نبی ﷺ فرماتے تھے۔ کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جس سے مراد آپ کی ذات شریف تھی۔ آل محمد اسی مال سے تو کھاتے ہیں۔ پس ازواج پیغمبر ﷺ طلب میراث سے باز آئیں۔ اور انہوں نے رجوع کیا اس کی طرف جو میں نے بتایا تھا۔

کہا (عروہ نے) کہ یہ صدقہ حضرت علی کے ہاتھ میں تھا۔ علی نے عباس کو اس سے روک دیا۔ اور اس پر غلبہ پایا۔ پھر یہ مال حسن بن علی کے ہاتھ میں رہا۔ اور دونوں نوبت بنوبت اس میں تصرف کرتے تھے۔ پھر زید بن حسن کے ہاتھ میں رہا۔ اور بطریق راستی یہ رسول اللہ ﷺ کا صدقہ تھا۔ (صحیح بخاری)

(۳) حدیث کی ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے کہ خبر دی ہم کو ہشام نے کہ خبر دی ہم کو معمر نے زہری سے۔ زہری نے عروہ سے۔ عروہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ فاطمہ علیہا السلام اور عباس حضرت ابوبکر کے پاس آئے حالانکہ وہ زمین فدک اور حصہ خیبر سے اپنی میراث طلب کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ میں نے نبی ﷺ کو سنا ہے۔ کہ فرما رہے تھے۔ کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ آل محمد ﷺ اس مال میں سے کھاتے ہیں۔ خدا کی قسم قرابت رسول اللہ ﷺ کے حق کی نگہداشت مجھے اپنی قرابت سے محسوس تر ہے۔ (صحیح بخاری)

(۴) حدیث کی ہم سے عبداللہ بن جراح نے خبر دی ہم کو جریر نے مغیرہ سے۔ کہا کہ مغیرہ نے کہ عمر بن عبدالعزیز نے بنی مروان کو جمع کیا۔ جس وقت وہ خلیفہ بنائے گئے۔ پس فرمایا کہ فدک رسول اللہ ﷺ کے لئے خالصہ تھا۔ آپ اس میں سے (اہل و عیال اور فقراء) اور مساکین پر) خرچ کیا کرتے تھے۔ اور اس میں سے بنو ہاشم کے چھوٹوں پر احسان کیا کرتے تھے۔ اور اسی میں سے بنو ہاشم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کیا کرتے تھے۔ بے شک حضرت فاطمہ نے آپ سے درخواست کی کہ فدک مجھے ہبہ کر دیجئے۔ مگر حضور انورؐ نے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات شریف میں فدک اسی طرح رہا۔ یہاں تک کہ حضور نے وفات پائی۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ تو انہوں نے اس میں اسی طرح عمل کیا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنی حیات شریف میں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ جب حضرت عمر

خلیفہ ہوئے۔ تو انہوں نے اس میں عمل کیا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ پھر مروان نے فدک کو اپنی جگہ جاگیر بنایا۔ بعد ازاں فدک عمر بن عبدالعزیز کے تصرف میں آیا۔ کہا عمر یعنی ابن عبدالعزیز نے۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ امر جس سے رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو روکا تھا۔ میرے لئے سزاوار نہیں۔ تحقیق میں تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے فدک اسی وجہ پر لوٹا دیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر کے زمانے میں تھا۔ (سنن ابی داؤد)

(۵) خبر دی ہم کو محمد بن عمر نے۔ کہا حدیث کی ہم سے ابراہیم بن جعفر بن محمد انصاری نے اپنے باپ سے۔ کہا جعفر نے فدک رسول اللہ ﷺ کا خالصہ تھا۔ اور مسافروں کے لئے موقوف تھا۔ آپ کی صاحبزادی (فاطمہ الزہراء) نے درخواست کی کہ فدک مجھے ہبہ کر دیجئے مگر رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا۔ پس کسی طامع نے اس میں طمع نہ کی۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ اور فدک کی حالت اسی طرح تھی۔ پس حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے۔ آپ نے اس میں وہی عمل کیا۔ جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر نے وفات پائی۔ اور حضرت عمر خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمر نے اس میں وہی عمل کیا۔ جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عثمان خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔ جب ۴۰ھ میں حضرت معاویہ کی امارت پر اجماع ہو گیا۔ تو آپ نے مروان بن الحکم کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ مروان نے بذریعہ تحریر حضرت معاویہ سے فدک طلب کیا۔ حضرت معاویہ نے فدک اسے دے دیا۔ پس فدک مروان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ہر سال اس کا پھل دس ہزار دینار کو بیچ دیا کرتا تھا۔ بعد ازاں مروان کو حکومت مدینہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔ حضرت معاویہ اس پر ناراض ہو گئے۔ اور اس سے فدک لے لیا۔ وہ مدینہ میں حضرت معاویہ کے وکیل کے ہاتھ میں تھا۔ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اور سعید بن العاص نے یکے بعد دیگرے فدک طلب کیا۔ مگر حضرت معاویہ نے انکار کر دیا۔ جب حضرت معاویہ نے مروان کو دوسری بار مدینہ کا حاکم بنایا۔ تو فدک بن مانگے اسے دے دیا۔ اور فدک کی گذشتہ آمدنی بھی اس کو دلا دی۔ اس طرح فدک مروان کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اس کا نصف (اپنے بیٹے) عبدالملک کو اور نصف (دوسرے بیٹے) عبدالعزیز بن مروان کو دے دیا۔ عبدالعزیز نے اپنا نصف (اپنے بیٹے) عمر بن عبدالعزیز کو دے دیا۔

کہا (جعفر بن محمد نے) کہ جب عبدالملک نے وفات پائی۔ تو عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان (بن عبدالملک) سے بھی اس کا حصہ طلب کیا۔ ولید نے دے دیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان (بن عبدالملک) سے بھی اس کا حصہ طلب کیا۔ سلیمان نے بھی اسے ہبہ کر دیا۔ پھر عبدالملک کی دیگر اولاد کا حصہ باقی رہا۔ یہاں تک کہ سارا فدک عمر بن عبدالعزیز کو مل گیا۔

کہا جعفر نے کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے۔ درآں حالے کہ ان کا اور ان کے عیال کا گزارہ فدک

ہی پر تھا۔ جس کی سالانہ آمدنی دس ہزار دینار یا کچھ کم وبیش تھی۔ جب ان کو خلافت ملی۔ تو انہوں نے فدک کا حال دریافت کیا۔ اور تفتیش کی۔ پس ان کو خبر دی گئی اس کی حالت سے جو رسول اللہ وابوبکر و عمر اور عثمان کے عہد میں تھی۔ یہاں تک کہ امیر معاویہ کا زمانہ آیا۔

کہا (جعفر نے) پس عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف یہ نامہ لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے بندے امیرالمومنین عمر کی طرف سے ابوبکر بن محمد کے نام۔ تجھ پر سلام ہو۔ میں تجھ سے اللہ کی حمد کرتا ہوں۔ کہ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ بعد حمد و صلوٰۃ آنکہ میں نے فدک کے معاملہ میں غور کیا۔ اور تفتیش کی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ میرے لائق نہیں ہے۔ میری رائے ہے کہ میں اس کو اسی وجہ پر رد کردوں جس پر وہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر و عثمان کے عہد میں تھا۔ اور ترک کردوں جو ان کے بعد حادث ہوا۔ پس جس وقت میرا یہ نامہ تیرے پاس پہنچے۔ تو فدک کو قبض کر۔ اور ایسے شخص کو اس کا متصرف بنا جو اس میں حق کے ساتھ قیام کرے۔ والسلام علیک۔ (طبقات ابن سعد)

روایات مذکور بالا سے ظاہر ہے۔ کہ حدیث لانورث اور اموال آنحضرت ﷺ کا مسلمانوں اور ان کے مصالح میں مشترک ہونا اور ان کا انتظام خلیفۂ وقت کی رائے پر موقوف ہونا صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرت علی و عباس کے درمیان متفق علیہ تھا۔

روایت نمبر(۲) سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ حضرت عمر نے حضرت علی و حضرت عباس کو اموال بنی نضیر صرف بطریق تولیت عطا فرماتے تھے۔ نہ کہ بطریق ملک۔ کیونکہ حدیث لانورث کے اعتراف کے باوجود ان کا اموال مذکور کا مطالبہ کرنا صرف ان کی تولیت و تصرف کا مطالبہ تھا۔

شاید یہاں کوئی یہ اعتراض کرے۔ کہ جب حضرت عمر نے ان کو اموال مذکورہ بطریق تولیت عطا فرما دیئے۔ تو پھر انہوں نے کس واسطے خصومت کی۔ اس کا جواب علامہ خطابی نے یوں دیا ہے۔ کہ تولیت میں شرکت ان پر شاق گذری۔ اس لئے انہوں نے تولیت میں تقسیم طلب کی۔ تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کے تصرف میں مستقل ہو۔ مگر حضرت عمر نے تولیت کی تقسیم سے انکار کر دیا۔ تاکہ اس پر ملک کا نام جاری نہ ہو۔ کیوں کہ قسمت مالوں ہی میں ہوتی ہے۔ اور زمانہ گزرنے پر ملک کا گمان ہو جاتا ہے۔

روایات نمبر ۳۔ ۴۔ ۵۔ سے فدک کا حال خصوصیت سے معلوم ہوتا ہے۔ فدک پر رسول اللہ ﷺ کا تصرف متولیانہ تھا۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بلحاظ تولیت و مصرف کے فدک کا وہی حال تھا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تھا۔ حضرت معاویہ نے مروان کو بطور جاگیر دے دیا۔ شاید بدیں تاویل کہ جو امر نبی ﷺ کے ساتھ مختص ہو۔ وہی آپ کے خلیفہ کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ کو خود تو ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا اپنے بعض اقرباء کے ساتھ سلوک کیا۔ واللہ اعلم۔ جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت میں فدک کو اسی حالت پر بحال کر دیا۔ جس پر وہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔

قال السید امداد امام

اس قصہ کے تھوڑے ہی دن بعد آپ افراط شکستگی قلب سے بیمار ہوئیں۔ اور ارباب زمانہ کی طرف سے کمال بیزاری کی حالت میں رحلت فرما گئیں۔ صحیح بخاری جزء خامس اور صحیح مسلم کے جزء ثالث میں مسطور ہے۔ کہ اس فدک کے معاملہ کے بعد حضرت سیدہؑ حضرت ابوبکر سے بہت آزردہ ہوئیں۔ اور بالکلیہ حضرت خلیفہ سے قطع تعلق فرمایا۔ اور اپنی بقیہ زندگی میں ان سے بات نہ کی۔ اور جب حضرت سیدہ نے ودیعت حیات فرمائی۔ تو حضرت امیر علیہ السلام نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نعش مبارک کو رات کے وقت دفن کیا۔ اور اس کی خبر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو نہ دی۔

(مصباح الظلم۔ صفحہ ۲۱)

اقول

جناب سرور دو عالم ﷺ کی وفات شریف کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا رنج و الم میں ایک مکان میں خانہ نشین ہو گئیں۔ یہ مکان بقیع میں قبہ عباس کے قریب ہے۔ جس میں بنا بر ارجح الاقوال آپ کا مرقد مبارک ہے۔ آپ کے پہلو میں بقول ابن عبدالبر آپ کے فرزند دل بند حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون ہیں۔

امام غزالی زیارت بقیع کے بیان میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ زائر کو چاہیے کہ مسجد فاطمہؓ میں نماز پڑھے۔ پھر لکھتے ہیں۔ انه المعروف ببیت الحزن لان فاطمة رضی اللّٰه تعالٰی عنها اقامت به ایام حزنها علٰی ابیها صلی اللّٰه علیه وسلم (یعنی مسجد فاطمہ بیت الحزن کے نام سے معروف ہے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد بزرگوار ﷺ کے غم میں وہاں مقیم رہیں) آپ اسی حالت میں بیمار ہو گئیں۔ اس وقت معمول تھا۔ کہ عورتوں کا جنازہ مردوں کی طرح بے پردہ لے جایا کرتے تھے۔ اس لئے حالت مرض میں آپ نے بنا بر روایت حافظ عمر بن شبہ فرمایا۔ انی لا ستحیی من جلالة جسمی اذا اخرجت علی الرجال غدا (میں اپنے جسم کی

جلالت سے حیا کرتی ہوں جس وقت کل مجھے لوگوں کے سامنے نکالا جائے گا) یہ سن کر حضرت اسماء بنت عمیس نے کہا۔ کہ میں نے ملک حبشہ میں دیکھا ہے۔ کہ عورتوں کے لئے ایک قسم کا نعش بناتے ہیں۔ اور کجاوہ کی مانند ایک نعش بنایا۔ جس کا ذکر حافظ ابن عبدالبر نے بروایت ام جعفر بالتفصیل کیا ہے۔ یہی مضمون بطریق اختصار دولابی نے روایت کیا ہے۔ روایت دولابی میں یہ الفاظ ہیں۔ لما ارتھا النعش تبسمت وما رؤیت متبسمة یعنی بعد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الا یومئذ (جب اسماء نے حضرت فاطمہؓ کو وہ نعش دکھایا۔ تو آپ نے تبسم فرمایا۔) اور آپ نبی ﷺ کے بعد سوائے اس دن کے حالت تبسم میں نہ دیکھی گئی تھیں۔) دولابی نے یہ بھی روایت کی ہے۔ کہ حضرت زہرا نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت علی اور اسماء بنت عمیس مجھے غسل دیں۔ اور بقول ابن عبدالبر حضرت علی سے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے رات کے وقت دفن کیجیو۔ اس پر علامہ سمہودی لکھتے ہیں: قلت لعلها ارادت بذالک المبالغة فی التستروھو السبب فی عدم اعلام ابی بکر رضی اللّٰہ تعالٰی عنه ویتأید بذالک دوایة دفنها بالبقیع (میں کہتا ہوں کہ شاید حضرت زہراء کی مراد اس سے ستر میں مبالغہ تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر نہ دی گئی۔ اور اس سے حضرت زہراء کے بقیع میں دفن ہونے کی روایت کو تقویت ہوتی ہے۔)

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے غم ہی میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ چونکہ آپ ستر بہت چاہتی تھیں۔ اس واسطے آپ نے کجاوہ کی مانند جنازہ کو پسند فرمایا۔ جس کا اس وقت تک عرب میں رواج نہ تھا۔ (طبقات ابن سعد۔ جزء ثامن ۔ صفحہ ۱۸) اور حضرت علی سے وصیت کی کہ مجھے رات کو دفن کرنا۔ اس واسطے آپ کو بقیع ہی میں دفن کیا گیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو وفاء الوفاء جزء ثانی۔ صفحہ ۹۲ تا ۹۵)

اس میں شک نہیں۔ کہ حدیث صحیح بخاری میں وارد ہے۔ کہ حضرت علی نے حضرت صدیق اکبر کو حضرت زہراء کی وفات کی اطلاع نہ دی۔ جس کی وجہ اوپر بیان ہوئی۔ مگر یہ کسی حدیث صحیح میں نہیں آیا۔ کہ حضرت صدیق اکبر کو خبر نہ ہوئی۔ یہ کس طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ حضرت اسماء بنت عمیس جو اس وقت حضرت ابوبکر کے تحت میں تھیں۔ حضرت زہرا کو غسل دیں۔ اور حضرت ابوبکر کو خبر نہ ہو۔ روایت ام جعفر میں صاف مذکور ہے۔ کہ جب حضرت زہرا نے وفات پائی۔ تو حضرت عائشہ تشریف لائیں۔ مگر حضرت اسماء نے اندر جانے سے روک دیا۔ حضرت عائشہ نے حضرت صدیق اکبر کے آگے شکایت کی۔ حضرت ابوبکر تشریف لائے۔ اور دروازے میں کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے اسماء تجھے کیا ہوا۔ کہ تو نبی

ﷺ کی ازواج کو آپ کی صاحبزادی فاطمہ کے پاس جانے سے روکتی ہے۔ اس کی موید ہیں وہ روایت جن میں مذکور ہے۔ کہ صدیق اکبر نے حضرت زہرا پر نماز پڑھی۔

چنانچہ طبقات ابن سعد (جزء ثامن۔ صفحہ ۱۹) میں ہے:

اخبرنا محمد بن عمر حدثنا قیس بن الربیع عن مجالد عن الشعبی قال صلے علیها ابوبکر رضی اللّٰه عنه وعنها اخبرنا شبابة بن سوار حدثنا عبد الاعلی بن ابی المساور عن حماد عن ابراهیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم فکبر وعلیها اربعًا۔

ترجمہ: "خبر دی ہم کو محمد بن عمر نے۔ کہ حدیث کی ہم سے قیس بن ربیع نے مجالد سے۔ مجالد نے شعبی سے۔ کہا شعبی نے کہا نماز پڑھی حضرت زہراء پر ابوبکر نے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہا۔ ہم کو خبر دی شبابہ بن سوار نے حدیث کی ہم سے عبد الاعلیٰ بن المساور نے حماد سے۔ حماد نے ابراہیم سے کہا ابراہیم نے کہ نماز پڑھی ابوبکر صدیق نے فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ پر۔ پس آپ نے ان پر چار تکبیریں کہیں۔ (انتہٰی)

رہا حضرت فاطمہ کا غضب و ہجران۔ سو اس کی نسبت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

کرمانی در شرح بخاری گفتہ۔ اما غضب فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ پس امرے بود کہ حاصل شد بر مقتضائے بشریت و ساکن شد بعد ازان۔ واما ہجران۔ مراد بدان انقباض و کوفت طبیعت است از ملاقات نہ ہجران محرم از ترک سلام و مانند۔ آن۔ (انتہٰی اشعۃ اللمعات۔ جلد ثالث۔ صفحہ ۴۸۱)

مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وآنچہ بخاطر این بندہ مے گزرد آنست کہ انقباض زہرا رضی اللہ عنہا امرے جبلی بود و غیر مقدور و بترک آنچہ واجب شرع است از رد سلام و عیادت و مثل آن نے کشید۔ (انتہٰی قرۃ العینین صفحہ ۲۲۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ کہ گویا حضرت زہراء حدیث لا نورث میں تخصیص سمجھتی تھیں۔ اور منافع ارض و عقار میں میراث کو جائز خیال کرتی تھیں۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عموم کے قائل تھے۔ لہٰذا جب آپ نے حضرت صدیق اکبر کو عموم پر مصمم پایا۔ تو ان سے انقطاع کیا۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:

فلم تکلمه یعنی فی هٰذا الامر ولا نقباضها لم تطلب عنه حاجة ولا اضطرت الٰی لقائه فتکلمه ولم ینقل قط انهما التقیا فلم تسلم علیه ولا

کلمته۔

ترجمہ: "حضرت زہرا نے حضرت ابوبکر سے کلام نہ کی۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ خاص اسی امر کی بابت کلام نہ کی۔ یا انقباض کے سبب حضرت ابوبکر سے کوئی حاجت طلب نہ کی اور نہ ملاقات کی ضرورت پڑی۔ کہ حضرت ابوبکر سے کلام کرتیں۔ اور یہ ہرگز منقول نہیں کہ دونوں کی ملاقات ہوئی ہو۔ اور حضرت زہراء نے ان کو سلام نہ کیا ہو۔ اور نہ کلام کیا ہو۔

انتہیٰ

علامہ سمہودی (وفاء الوفاء۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۵۷) لکھتے ہیں:

وفی روایة له ان فاطمة والعباس اتیا ابابکر وذکره مختصرا کما فی روایة الصحیح ایضًا وقال فیه فهجرته فاطمة فلم تکلمه فی ذٰلک المال حتی ماتت وکذا نقل الترمذی عن بعض مشائخه ان معنی قول فاطمة لابی بکروعمر لا اکلمکما ای فی هٰذه المیراث ولا یرده قوله فهجرته اذلیس المراد الهجر الحرام بل ترکها للقائه والمدة قصیرة وقد اشتغلت فیها بحزنها ثم بمرضها ویوید ذلک مارواه البیهقی باسناد صحیح الی الشعبی مرسلا ان ابابکر عاد فاطمة فقال لها علی هٰذا ابوبکر یستأذن علیک قالت اتحب ان اٰذن له قال نعم فاذنت له فدخل علیها فرضاها حتّٰی رضیت عنه۔

ترجمہ: "اور حافظ عمر بن شبہ کی ایک روایت میں ہے۔ کہ حضرت فاطمہ و عباس حضرت ابوبکر کے پاس آئے۔ ابن شبہ نے اس کو مختصر طور پر روایت کیا ہے۔ جیسا کہ روایت صحیح میں ہے۔ ابن شبہ نے اس میں کہا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے ہجران کیا۔ اور اس مال میں ابوبکر سے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔

اسی طرح ترمذی نے اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ نے جو حضرت ابوبکر و عمر سے کہا کہ میں تم دونوں سے کلام نہ کروں گی۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس میراث کے بارے میں کلام نہ کروں گی۔ اور قول **فهجرته** (پس حضرت زہراء نے حضرت ابوبکر سے ہجران کیا) اس کو رد نہیں کرتا۔ کیونکہ اس سے مراد ہجران حرام نہیں۔ بلکہ حضرت ابوبکر کی ملاقات کا ترک ہے۔ اور یہ مدت بھی تھوڑی تھی۔ آپ اس میں اپنے غم میں پھر اپنے مرض

میں مبتلا رہیں۔ اس معنی کی تائید اس خبر سے ہوتی ہے۔ جسے امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ بطریق ارسال امام شعبی سے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر حضرت فاطمہ کی عیادت کو آئے۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ کہ حضرت ابوبکر دروازے میں آپ سے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ حضرت زہرا نے کہا۔ کیا تم پسند کرتے ہو۔ کہ میں ان کو اجازت دے دوں۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ کہ ہاں پس حضرت زہراء نے اجازت دے دی۔ [illegible]رت ابوبکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ سے معذرت کرنے لگے۔ یہاں تک [illegible] آپ ان سے راضی ہو گئیں۔ (انتہیٰ)

یہی مرسل شعبی طبقات ابن سعد (جزء ثانی۔ صفحہ ۱۷) میں بدین الفاظ مذکور ہے۔

اخبرنا عبداللّٰه بن نمیر حدثنا اسمٰعیل عن عامر قال جاء ابوبکر الٰی فاطمة حین مرضت فاستاذن فقال علی هذا ابوبکر علی الباب فان شئت ان تاذنی له قالت وذٰلک احب الیک قال نعم فدخل علیها واعتذر علیها وکلمها فرضیت عنه۔

ترجمہ: "خبر دی ہم کو عبداللہ بن نمیر نے کہ حدیث کی ہم سے اسماعیل نے عامر سے۔ کہا عامر شعبی نے کہ جب فاطمہ بیمار ہوئیں۔ ابوبکر ان کی عیادت کو آئے۔ اور اجازت مانگی۔ علی نے کہا۔ کہ ابوبکر دروازے میں ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ان کو اجازت دیں۔ فاطمہ بولیں کیا یہ آپ کے نزدیک پسندیدہ تر ہے۔؟ جواب دیا کہ ہاں۔ پس ابوبکر فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے معذرت کی۔ اور کلام کیا۔ پس وہ آپ سے راضی ہو گئیں۔ (انتہیٰ)

کتب شیعہ سے بھی حضرت زہراء کی رضامندی ثابت ہے۔ تحفہ اثنا عشریہ میں اس بارے میں کتاب محجاج السالکین وغیرہ کی روایت نقل کی گئی ہے۔ ہم بخوف طوالت اسے یہاں نقل نہیں کرتے۔ جس کا جی چاہے۔ وہ دیکھ لے۔

قال السید امداد امام
لفظ غضبت غَضِبَتْ پر رائے

واضح ہو کہ حدیث بخاری میں لفظ غَضِبَتْ دیکھا جاتا ہے۔ جس کے معنے غضبناک ہوئیں۔ بلاشبہ یہ محل غضبناک ہونے کا تھا۔ اس لئے کہ فدک آپ کے خیال کی رو سے آپ کا مال تھا۔ جو خلافت اولیٰ کی طرف سے لیا گیا۔ مگر نہایت جائے شرم ہے۔ کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے سیف المسلول میں غَضِبَتْ کے معنی نِدَمَتْ یعنی شرمندہ ہوئیں۔ لکھ دیا ہے۔ یہ شرمندگی کا کیا محل تھا۔ حضرت سیدہ فدک کو اپنا مال سمجھے ہوئے تھیں اور اپنے مال کی واپسی کی نظر سے دار القضا میں دعویٰ دار ہوئی تھیں۔ حضرت علی اور دیگر گواہان نے بھی آپ کے دعویٰ کو حق سمجھ کر آپ کی طرف سے گواہیاں دی تھیں۔ آئندہ بھی اہالیان خاندان پیغمبرؐ فدک کو مال فاطمہ جانتے رہے۔ اور اس لئے عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفۂ بنی امیہ اور بھی چند دیگر خلفائے بنی عباس رد فدک کرتے رہے۔ المختصر کہیں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ اور اولاد فاطمہ فدک کے چھین جانے کو امر حق مانتی تھی۔ ایسی صورت میں بی بی فاطمہ اگر حضرت ابوبکر سے ناراض ہو کر ان پر غضبناک ہوئیں۔ تو یہ امر خلاف محل نہیں ہوا۔ کس واسطے کہ جب کوئی آدمی کسی سے نہایت ناراض ہوتا ہے۔ تو غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے۔ نہ کہ شرمندگی کا۔

بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت سیدہ نے حضرت ابوبکر سے ترک کلام کر دیا۔

اسی طرح شرح ابن الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت سیدہ نے بوقت وفات یہ وصیت فرمائی۔ کہ ابوبکر آپ کے جنازے کی نماز تک نہ پڑھنے پائیں۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت سیدہ حضرت ابوبکر پر غضبناک ہوئی تھیں۔ آپ حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں کسی طور پر شرمندہ نہیں ہوئیں۔ مصباح الظلم ۔ صفحہ ۲۱ ۔ ۲۲

اقول

کتاب سیف المسلول ہمارے پاس موجود نہیں۔ لہٰذا بطور تحقیق قاضی صاحب کی تحریر کی نسبت

کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں صحیح بخاری ہی میں بجائے غضبت کے وجدت بھی وارد ہے۔ جس کے معنے غم و ندامت کو شامل ہیں۔ شاید قاضی صاحب نے وجدت کے معنی ندامت بتائے ہوں گے۔ یعنی حضرت سیدہ نے جب باغ فدک میراث میں طلب کیا۔ تو حضرت ابوبکر نے جواب میں حدیث ما ترکنا صدقۃ پیش کی۔ یہ جواب کافی سن کر حضرت سیدہ نادم ہوئی ہوں گی۔

اگر وَجَدَتْ کے معنی غضبت تسلیم کئے جائیں۔ تو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حق بات پر غضبناک ہونا حضرت سیدہ کی شان کے خلاف ہے۔ اس اشکال کا جواب پہلے آچکا ہے۔

مصنف نے یہاں دعویٰ ارث کو دعویٰ ہبہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ اہل سنت کی کسی صحیح روایت سے دعویٰ ہبہ اور شہادت کا ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت سیدہ کا غضب یا ندامت صرف دعویٰ ارث سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی واسطے جواب میں حضرت صدیق اکبر نے حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث پیش کی تھی۔ جسے سن کر حضرت سیدہ خاموش ہو گئیں۔ ہماری کتب معتبرہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت سیدہ نے خلیفہ اول کے فیصلہ کو غلط فرمایا ہو۔ بلکہ آپ کا سکوت اس فیصلہ کے حق ہونے کا ثبوت ہے۔

علامہ نووی شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

قال القاضی عیاض وفی ترک فاطمة منازعة ابی بکر بعد احتجاجه علیها بالحدیث التسلیم للاجماع علی قضیة فیها لما بلغها الحدیث وبین لها التاویل ترکت رأیها ثم لم یکن منها ولامن احد من ذریتها بعد ذٰلک طلب المیراث ثم ولی علی الخلافة فلم یعدل بها عما فعله ابوبکر و عمر۔

ترجمہ: ”جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر حدیث کے ساتھ احتجاج کیا۔ تو حضرت سیدہ نے حضرت صدیق اکبر کے ساتھ منازعت کو ترک کر دیا۔ اس ترک منازعت سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت سیدہ نے اس قضیہ پر اجماع کو تسلیم کر لیا۔ اور جب آپ کو وہ حدیث پہنچی اور آپ سے اس کی تاویل بیان کی گئی۔۔ تو آپ نے اپنی رائے چھوڑ دی۔ پھر اس کے بعد نہ حضرت سیدہ نے اور نہ آپ کی اولاد میں سے کسی نے میراث طلب کی۔ پھر حضرت علی خلیفہ ہوئے۔ تو آپ نے اس بارے میں اس طریق سے عدول نہ کیا۔ جس پر حضرت ابوبکر و عمر عمل کرتے رہے۔ (انتہیٰ)

حضرت فاطمہ کے علاوہ اولاد فاطمہ بھی فیصلہ صدیق اکبر کو درست تسلیم کرتی رہی ہے۔ حضرت زید شہید کا قول پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

یہاں شیعہ کے امام معصوم محمد باقر کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ سمہودی لکھتے ہیں:

وروی ابن شبة ایضًا عن کثیر النوی قال قلت لابی جعفر جعلنی اللّٰہ فداءک ابابکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ھل ظلماکم من حقکم شیئًا اوذھبا بہ قال لا والذی انزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا ما ظلمانامن حقنا مثقال حبة من خردل قلت جعلت فداءک فاتو لاھما قال نعم ویحک قولھما فی الدنیا والاخرة وما اصابک ففی عنقی ثم قال فعل اللّٰہ بالمغیرة وبکیان فانھما کذبا علینا اھل البیت۔ (وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۶۱)

ترجمہ: "اور ابن شبہ ہی نے کثیر النوے سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر سے عرض کی۔ کہ خدا مجھے آپ پر قربان کر دے۔ آپ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت بتایئے۔ کہ آیا انہوں نے تمہارے حق میں سے کچھ کم کر دیا۔ یا تمہارا حق غصب کر لیا۔ امام نے جواب دیا۔ کہ نہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا۔ تاکہ وہ سب جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ کہ ان دونوں نے ہمارے حق میں سے ایک رائی کے دانہ کی مقدار بھی کم نہیں کیا۔ میں نے عرض کی۔ کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ کیا میں ان کو دوست رکھوں۔ امام نے فرمایا۔ کہ ہاں۔ تجھ پر افسوس۔ تو دنیا اور آخرت میں ان دونوں سے دوستی رکھ۔ پھر جو تجھے تکلیف ہو وہ میری گردن پر ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا مغیرہ اور بکیان کا برا کرے کہ انہوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ تھوپ دیا۔ (انتہٰی)

ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کے اس قول کا اعتبار کہ حضرت سیدہ نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ حضرت صدیق اکبر میرے جنازہ کی نماز تک نہ پڑھنے پائیں۔ اگر ایسی وصیت کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس کی وجہ حضرت سیدہ کا ستر و حیاء تھا۔ آپ یہ نہ چاہتی تھیں۔ کہ میرے جنازہ پر نامحرم کی نظر پڑے۔ کدورت و ناخوشی اس کی وجہ نہیں ہو سکتی۔

صاحب تحفہ اثنا عشریہ فرماتے ہیں:

و دلیل عقلی برآن کہ حاضر نہ کردن ابوبکر بر جنازہ حضرت زہرا از ہمیں جہت بود نہ بنا بر کدورت و

ناخوشی آنست کہ اگر بنا بر کدورت و ناخوشی باشد از ین جہت خواہد بود کہ ابوبکر بروے نماز نگذارد ۔ واین خود درست نمے۔ شود۔ زیرا کہ باجماع مؤرخین طرفین از شیعہ و سنی چون جنازہ امام حسن رضی اللہ عنہ بر آور دند۔ امام حسین بسعید بن ابی العاص کہ از جانب معاویہ امارت مدینہ داشت اشارت کردہ فرمود کہ اگر نہ سنت جد من برآن بودے کہ امام جنازہ امیر باشد ہرگز تراپیش نمے کردم۔ پس معلوم شد کہ حضرت زہرا بنا بر پاس نماز ابوبکر این وصیت نہ فرمودہ بود والا حضرت امام حسین خلافت وصیت زہرا چہ قسم بعمل مے آورد۔ وظاہر است کہ سعید بن ابی العاص بہزار مرتبہ از ابوبکر کمتر بود در لیاقت امامت نماز و صرف شش ماہ بود کہ جناب پیغمبر پدر بزرگوار حضرت زہرا ابوبکر را پیش نماز جمیع مہاجرین و انصار ساختہ و بتاکید تمام این مقدمہ را پر داختہ چہ احتمال است کہ حضرت زہراء درین مدت قلیل این واقعہ از یاد رفتہ باشد۔ (تحفہ اثنا عشریہ ۔ صفحہ ۲۸۱)

ترجمہ: "حضرت صدیق اکبر کا حضرت سیدہ کے جنازے کی نماز پڑھنا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہ نے جو رد فدک کیا وہ بروجہ تملیک نہ تھا۔ بلکہ بروجہ تولیت تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔ اس میں سے مناسب حصہ آل محمد پر خرچ ہوتا۔ باقی سب مصالح عامہ مسلمین میں صرف کیا جاتا۔

قال السید امداد امام

قاضی ثناء اللہ صاحب کو ایسے بد قرینہ معنی گھڑنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ آپ کو چونکہ اس قول نبوی سے اطلاع تھی۔ کہ فاطمہ کا ایذا دینے والا خدا اور رسول کا ایذا دینے والا ہے۔ آپ کو اس کی ضرورت ہوئی۔ کہ حضرت ابوبکر کے وفور محبت میں غَضِبَتْ کے معنی نِدَمَتْ قرار دیں۔ الامان۔ الامان۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۲۲۔

اقول

اغضاب و ایذاء کے معنی قصداً دوسرے کو خشمناک کرنا اور اذیت پہنچانا ہے۔ حضرت صدیق اکبر سے ایسا وقوع میں نہیں آیا۔ کیونکہ آپ نے حضرت سیدہ کے دعویٰ کے جواب میں جو حدیث پیش کی وہ آپ نے حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھی۔ اس کی تعمیل آپ پر واجب تھی۔ اس تعمیل میں جس سے مقصود اطاعت رسول اللہ ﷺ تھا اگر حضرت فاطمہؓ غضبناک ہوگئیں۔ تو اسے اغضاب و ایذاء نہیں کہتے۔ اگر حضرت صدیق اکبر کو اس عتاب کا مورد فرض کیا جائے۔ تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آپ سے بڑھ کر مطعون ٹھہریں گے۔ کیونکہ جب حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی کی خواستگاری کی تھی۔ تو اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ میں فرمایا تھا۔ **فاطمة منی فمن اغضبها اغضبنی** (فاطمہ مجھ سے ہے۔ جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔) اور ایک روایت میں ہے۔ **یریبنی ما ارابها ویؤذینی ما اٰذاها** ناخوش کرتی ہے۔ مجھے وہ چیز جو ناخوش کرتی ہے۔ فاطمہ کو اور اذیت دیتی ہے۔ مجھے وہ چیز جو اذیت دیتی ہے۔ فاطمہ کو) پس اگر فرض کیا جائے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت سیدہ کو خشمناک کیا۔ اور اذیت دی۔ تو یہ صرف اس واسطے کیا۔ کہ خدا اور رسول کی اطاعت کی جائے۔ اس میں ان کے نفس کی غرض کوئی نہ تھی۔ برعکس اس کے حضرت مولیٰ مرتضیٰ نے یہ خواستگاری جو کی تھی اس میں ان کے نفس کی غرض تھی۔ **و بینهما بون بعید**۔ اسی طرح واقعہ حدیث **قم یا ابا تراب** میں بھی حضرت علی نے فاطمہ کو اذیت دی۔ للہذا اگر مولیٰ مرتضیٰ حدیث ایذا کے وعید سے مستثنیٰ ہیں۔ تو حضرت صدیق اکبر بطریق اولیٰ ایسے ہیں۔ پس حدیث ایذا اپنے اطلاق پر نہیں رہ سکتی۔ جو کام بطور امر بالمعروف یا بغرض اصلاح کیا جائے۔ اس کے سبب اگر کسی کو رنج پہنچے تو اسے ایذاء نہیں کہتے۔ **فافهم**۔

بیان بالا کے علاوہ مضمون زیر بحث کے متعلق کچھ اور عرض کیا جاتا ہے۔ امام جعفر صادق حضرت امام محمد باقر علیہما السلام سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا نے فرمایا کہ بتحقیق کہ خدا غضب فاطمہ سے غضبناک ہوتا ہے۔ اور رضاء فاطمہ سے راضی ہوتا ہے۔

(مجالس الابرار ترجمہ اردو بحار الانوار۔ جلد دہم۔ مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ۔ صفحہ ۶۷۔)

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ خداوند عالم نے وحی کی اپنے پیغمبر پر کہ فاطمہ سے کہو کہ وہ نافرمانی علی کی نہ کریں۔ کیونکہ علی جب غیظ و غضب کرتے ہیں۔ تو میں ان کے غصہ سے غصہ کرتا ہوں۔ (مجالس الابرار صفحہ ۱۵۵)

کتاب علل الشرائع میں حبیب بن ثابت سے روایت کی ہے۔ کہ کہا اس نے علی اور فاطمہ علیہما السلام کے درمیان کسی قسم کی گفتگو ہو گئی تھی۔ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ فرش بچھادیا۔ ان حضرت کے لئے۔ حضرت نے اس پر آرام فرمایا۔ جناب سیدہ علیہا السلام تشریف لائیں اور ایک طرف کو حضرت کے لیٹ رہیں۔ اور امیر المومنین علیہ السلام تشریف لائے۔ اور دوسری جانب حضرت کے لیٹ رہے۔ پس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ جناب امیر علیہ السلام کا لے کر اپنی ناف مبارک پر رکھا۔ اور جناب سیدہ علیہا السلام کا ہاتھ بھی لے کر اپنی ناف پر رکھا۔ اور چپکے سے کوئی بات دونوں صاحبوں سے فرمائی۔ یہاں تک کہ دونوں صاحبوں میں اصلاح کرادی۔ جب حضرت باہر تشریف لائے۔ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ آپ تشریف لے گئے تھے۔ رنجیدہ اور باہر تشریف لائے فرحناک۔ حضرت نے فرمایا کہ کیوں نہ شاد ہوں۔ حالانکہ میں نے اصلاح کی ہے۔ دو شخصوں کے درمیان کہ جو محبوب ترین اہل زمین ہیں۔

اور کتاب مصباح الانوار میں حبیب سے مثل اسی روایت کے مروی ہے۔ اور کتاب علل الشرائع میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ میں اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ بلاد حبشہ تھے۔ ایک کنیز ان کے لئے ہدیہ بھیجی گئی۔ کہ قیمت اس کے چار ہزار درہم تھی جب میں مدینہ میں آیا۔ تو جعفر طیار نے اسی کنیز کو اپنے بھائی امیر المومنین علیہ السلام کے واسطے ہدیہ بھیجا۔ اور اس کنیز نے خدمت ان جناب کی کی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس کنیز کو خانہ جناب سیدہ علیہا السلام میں رکھا۔ ایک دن جناب سیدہ علیہا السلام جو گھر میں تشریف لائیں۔ ملاحظہ کیا کہ سر مبارک امیر المومنین علیہ السلام کا اس جاریہ کی گود میں ہے۔ جب جناب سیدہ علیہا السلام نے یہ حال ملاحظہ کیا۔ جناب امیر علیہ السلام سے دریافت فرمایا۔ کہ یا علی کیا تم نے کوئی کام کیا۔ اس سے حضرت نے فرمایا۔ اے دختر رسول قسم خدا کی میں نے کوئی کام اس سے نہیں کیا۔ اب جو کہنا چاہتی ہو کہو۔ کہ میں اسے بجالاؤں۔ جناب سیدہ علیہا السلام نے فرمایا کہ میں چاہتی ہوں کہ مجھے رخصت دو کہ میں اپنے باپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جاؤں۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے رخصت دی۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے برقع و چادر سر پر ڈالا۔ اور اپنے پدر بزرگوار کے مکان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ قبل اس کے کہ جناب سیدہ علیہا السلام اپنے پدر بزرگوار کے مکان پر پہنچیں۔ جبرائیل بحکم۔ رب جلیل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ خدا تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ اس وقت فاطمہ تمہارے پاس شکایت علی کو لے کر آتی ہیں۔ ان سے علی کے باب میں کوئی امر قبول نہ کرنا۔ جب جناب سیدہ علیہا السلام داخل خانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوئیں۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ تم میرے پاس شکایت علی کی لے کے آئی ہو۔ جناب سیدہ علیہا السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ قسم ہے خدائے کعبہ کی میں اسی لئے آئی ہوں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ کہ واپس جاؤ علی کے پاس۔ اور کہو کہ میں رغم انف اپنے راضی ہوں۔ جس میں تمہاری رضا ہو۔ جناب سیدہ علیہا السلام یہ سن کر واپس آئیں خدمت امیر المومنین علیہ السلام میں۔ اور تین مرتبہ فرمایا۔ کہ میں رغم انف پر اپنے راضی ہوں۔ جس امر میں تمہاری رضا ہو۔ اے ابو الحسن۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اے فاطمہؑ تم نے شکایت کی میرے حبیب اور دوست مددگار میرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہائے کیا شرمندگی اور رسوائی ہوئی مجھے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس جاریہ کو رضائے خدا کے لئے آزاد کیا۔ اور چار سو درہم کہ میرے پاس بچے ہیں۔ وہ میں تصدق دیتا ہوں فقرائے مدینہ پر۔ پس کپڑے اور نعلین پہن کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لے چلے۔ دوبارہ جبرائیل نازل ہوئے۔ خدمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور کہنے لگے کہ خداوند عالم فرماتا ہے بعد سلام کے۔ کہ علی سے کہو کہ میں نے تم کو بہشت عطا کیا عوض میں جاریہ کے آزاد کرنے کے بسبب خوشنودی فاطمہ کے اور تم کو میں نے اختیار جہنم کا دیا بعوض تمہارے چار سو درہم تصدق کرنے کے جسے چاہو تم داخل بہشت کرو میری رحمت سے اور جسے چاہو تم جہنم سے نکالو میرے عفو کے سبب سے۔ اس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں ہوں تقسیم کرنے والا بہشت اور دوزخ کا جانب خدا اور رسول سے۔

ابن شہر آشوب نے کتاب مناقب میں مثل اس روایت کے ابو ذر غفاری سے روایت کی ہے۔
اور کتاب اشارۃ المصطفیٰ میں بھی مثل اس روایت کے تھوڑے تغیر سے مذکور ہے۔

(مجالس الابرار۔ صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۲)

اب ناظرین غور فرمائیں۔ کہ روایت حبیب بن ثابت میں حضرت سیدہ اور امیر المومنین ایک دوسرے سے ناراض پائے جاتے ہیں۔ اور روایت ابو ذر غفاری میں حضرت سیدہ حضرت مولیٰ مرتضیٰ پر خفا ہوتی ہیں۔ اور امیر المومنین کی جھوٹی شکایت اپنے والد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جاتی ہیں۔
علاوہ ازیں ایک اور روایت پہلے آچکی ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ جب حضرت فاطمہ دربار ابو بکر سے گھر واپس آئیں۔ تو حضرت علی پر نہایت خفا ہوئیں۔ اور ان سے ان غضب آمیز الفاظ میں خطاب فرمایا۔ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدۂ و مثل خائباں در خانہ گریختہ و بعد از آنکہ شجاعان دہر رابر خاک ہلاک افگندی مغلوب این نامردان گردیدۂ پسر ابو قحافہ معیشت فرزندانم رامے گیرد و تو از جائے خود حرکت مے کنی الخ۔ ان روایات کو دیکھئے شیعہ کیا جواب دیتے ہیں۔

قال السید امداد امام

ہر انصاف پسند یہی سمجھتا ہے۔ کہ حضرت سیدہ حضرت ابو بکر سے غیظ و غضب کے ساتھ کنارہ کش ہوئیں۔ اور تادم آخر ان سے بیزار اور کنارہ کش رہیں۔ حتیٰ آنکہ اپنے پدر بزرگ کی رحلت کے بعد چھ مہینے کے اندر نہایت دلشکستگی کی حالت میں سفر آخرت اختیار کر گئیں۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۲۲۔

نہ تھیں۔ ہاں محفوظ تھیں۔ یہ انبیائے کرام ہی کی شان ہے۔ کہ معصوم تھے۔ اہل سنت و جماعت کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے۔ کہ حضور رسول اکرم ﷺ کی خوشنودی کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرات اہل بیت اور صحابہ کرام ہردو کا اسی طرح احترام بجالاتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے آقائے نامدار ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور اطاعت خدا و رسول کو سب سے مقدم جانتے ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مواعید کو مدنظر رکھ کر مشاجرات صحابہ کرام میں سکوت کو پسند فرماتے ہیں۔ اگر مجبور ہوں جیسا کہ شیعہ کے جواب میں ہونا پڑتا ہے۔ تو ان کے لئے محامل نیک اور تاویلات حسنہ ظاہر کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ وجہ یہ کہ صحابہ کرام سے جو کچھ وقوع میں آیا۔ وہ از روئے اجتہاد تھا۔ نہ کہ اغراض نفسانیہ اور مسالح دنیویہ کے لئے جیسا کہ بعض جہلاء خیال کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر ایک مصیب تھا۔ تو دوسرا گو مخطی مگر ماجور اور طعن سے کوسوں دور تھا۔ اہل سنت ایسے معاملات میں اس قسم کی تاویل سے بچتے ہیں۔ کہ جس سے ایک طرف کی تنقیص شان لازم آئے اسی واسطے حضرت سیدہ کی آزردگی کو تقاضائے بشریت یا تاویل لا نورث پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت سیدہ کے کمال میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں غضب سے کوئی نقص نہ آیا۔ اس کے برعکس شیعہ کو دیکھئے کہ صحابہ کرام کے حق میں باوجود تقیہ کے کیا کہتے ہیں۔ اور اہل بیت کی طرف کیسے بے اصل اور بے سروپا امور منسوب کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کسی طرح آل محمد ﷺ کی خوشنودی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ کاش شیعہ اس پر غور کریں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام سب خدا اور رسول کے پیارے ہیں۔ ان کی آزردگی معاذ اللہ عقبیٰ میں کیا عالم پیدا کر سکتی ہے۔ محتاج بیان نہیں ہے۔

قال السید امداد امام

معاملہ فدک پر قانونی نظر

واضح ہو کہ یہ قصہ فدک کا اہل سنت اور اہل تشیع میں قصہ قرطاس کی طرح ایک بڑی نزاعی شکل رکھتا ہے۔ اہل فراست اس کے بارے میں اپنی رائے جس طرح چاہیں قائم کر لیں۔ مگر راقم کی یہ بات سمجھ میں نہ آئی۔ کہ حضرت رسول کا نحن معشر الا نبیاء الی اٰخرہ فرمانا کیا تھا جو توریت سے مخالفت رکھتا ہے۔ اور قرآن مجید سے بھی۔ قرآن میں تو حضرت سلیمان کا وارث داؤد ہونا صاف صاف طور پر مذکور ہے۔ اسی طرح توریت کا بھی مضمون ہے۔ یہ اسباب ظاہر یہ قول قول رسول نہیں ہو سکتا۔ اگر حضرت رسول خاص اپنی نسبت ایسا فرماتے تو خیر ایک بات ہوتی۔ تمام انبیاء کی نسبت آپ کا ایسا فرمانا بالکل

بے محل معلوم ہوتا ہے۔

اس قول کی نسبت علمائے امامیہ کہتے ہیں۔ کہ قول لا نورث ما ترکناہ صدقۃ خلاف عربیت و مخل فصاحت ہے۔ پس یہ قول رسول اللہ کا قول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ آپ افصح عرب تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں قاضی شاذان خاموش نظر آتے ہیں۔ قاضی موصوف کے پاس اس کا جواب ہی کیا تھا۔ خاموش نہ رہ جاتے تو کیا کرتے۔ یہ ایک موضوع قول تھا۔ اس لئے کہ بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۵۹ کی رو سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آن حضرت نے سلاح و بغلہ سفید و دلدل و زمین فدک کو ترکہ چھوڑا تھا۔ اسی طرح اور اشیاء کا ترکہ چھوڑنا کتاب اسعاف الراغبین۔ صفحہ ۔ او غیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب اشیاء متروکہ عدم ارث کا حکم نہیں رکھتی تھیں۔ اس لئے کہ واقعہ کربلا کے وقت چند چیزیں رسول اللہ ﷺ کی مثلاً دستار آنحضرت ﷺ جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس ارث کے طور پر نہ بہ سبیل صدقہ موجود تھی۔

خیر۔ قصہ فدک کی بنا پر جو ایک فقہی اختلاف سنی اور شیعہ کے درمیان واقع ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ امر شہادت میں حضرات علمائے اہل سنت کے نزدیک شوہر کی شہادت اس کی زوجہ کی طرف سے یا باپ کی شہادت اس کے بیٹے کی جانب سے ناجائز قرار پا گئی ہے۔ (دیکھو) شرح مواقف۔ نو لکشوری پریس۔ مقصد رابع از مرصد رابع۔ صفحہ ۷۳۵)

اس کے برخلاف شیعوں کے علماء نے اس طرح کی شہادت کو قابل پذیرائی مانا ہے۔ ظاہراً اس امر میں زمانے کی قانونی ترقی علمائے شیعی کی طرف دار معلوم ہوتی ہے۔ عقل بھی یہی کہتی ہے۔ کہ کوئی ضرور نہیں۔ کہ شوہر یا باپ رشتہ مندی کی وجہ سے بہ حیثیت گواہ دروغ گوئی کا مرتکب ہو۔ جھوٹ گواہی ایک غیر رشتہ مند بھی ایسی طرح دے سکتا ہے۔ جس طرح شوہر یا باپ۔ مجرد رشتہ دار ہونے سے ایسے اشخاص ناقابل گواہی کیونکر قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ قاضی کو دیکھنا چاہیے۔ کہ گواہ کس رنگ کا آدمی ہے۔ مجرد شوہر یا باپ ہونے سے ناقابل سماعت گواہ کسی کو قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ فدک کے قصہ میں عدالت کو دیکھنا تھا۔ کہ علی کس ترکیب کے گواہ ہیں۔ علیؑ سے دروغ گوئی عمل میں آسکتی تھی یا نہیں۔ مجرد یہ امر کہ علیؑ مدعیہ کے شوہر تھے۔ اس لئے ان کی گواہی قابل وثوق نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ ایک امر ایسا ہے۔ جو قانونی کم حوصلگی سے خبر دیتا ہے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۲۵۔

اقول

سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے وراثت انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بالکل درست

ہے۔ انبیائے کرام دنیا میں اس لئے مبعوث نہ ہوئے۔ کہ مال جمع کرکے اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جائیں۔ اور اگر کوئی ایسا وارث نظر نہ آئے۔ تو بدین خیال کہ عصبات ہمارے مال کے وارث ہو جائیں گے درگاہ الٰہی سے لڑکا طلب کریں جو ان کے بعد ان کے اندوختہ کا مالک ہو۔ جو شخص ان کی نسبت یہ گمان کرتا ہے۔ وہ حقیقت میں شان نبوت کی تحقیر و توہین کرتا ہے۔ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے اس واسطے بھیجا کہ احکام الٰہی کو بندگان خدا تک پہنچا دیں۔ اور خود ان احکام کو عملی جامہ پہنا کرامت کے لئے اسوۂ حسنہ بنیں۔ ان کی نظروں میں مال دنیا کی ذرا بھی وقعت نہ تھی۔ ان کو شب و روز یہی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ کہ لوگ شریعت الٰہی پر کاربند رہیں۔ اور وہ شریعت تبدل و تغیر سے محفوظ رہے۔ ان کی میراث اگر ہے تو یہی دین الٰہی ہے۔ اسی واسطے العلماء ورثۃ الانبیاء ارشاد ہوا ہے۔ پیغمبر چونکہ اعدائے دین سے امت کی حمایت وامور امت کی اقامت اور ان کے مصالح کی رعایت میں بمنزلہ والد کے ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی ترکہ از قسم اموال دنیا رہ جائے۔ تو وہ وقف علی الامت سمجھا جاتا ہے۔

ہم اس مسئلے کو بعون و نصرت الٰہی یہاں کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں:

(ا) رسول اللہ ﷺ کی میراث کے متعلق کنز العمال (مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن۔ جزء سادس۔ الفصل الرابع فیما یتعلق بمیراثه صلی اللّٰه علیه وسلم۔ صفحہ ۵) میں ہے۔

ان النبی لا یورث وانما میراثه فی فقراء المسلمین والمساکین۔

(مسند امام احمد بروایت ابو بکر رضی اللہ عنہ)

النبی لا یورث (مسند ابو یعلیٰ بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ)

کل مال النبی صدقة الا ما اطعمه اهله وکساهم انا لا نورث (ابو داؤد بروایت زبیر رضی اللہ عنہ)۔

لا تقتسم ورثتی دینارًا ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (مسند امام احمد۔ بخاری و مسلم۔ ابو داؤد۔ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

لا نورث ما ترکناه صدقة (مسند امام احمد۔ بخاری و مسلم۔ ابو داؤد و ترمذی و نسائی۔ بروایت عمرو عثمان و سعد و طلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔)۔ (مسند امام احمد۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔) (مسلم و ترمذی بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

لا نورث ما ترکناه صدقة وانما یاکل آل محمد صلی اللّٰه علیه وسلم فی هذا المال (مسند امام احمد۔ بخاری و مسلم۔ ابوداؤد و نسائی بروایت ابو بکر رضی اللہ عنہ)

لانورث ماترکناہ فھو صدقۃ وانما ھٰذا المال لاٰل محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم لنائبتھم ولضیفھم فاذامت فھو الٰی اولی الامر بعدی (ابوداؤد بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا)

روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ کہ خبر زیر بحث کو حضرات صدیق اکبر و فاروق اعظم و ذوالنورین و حذیفہ بن الیمان و عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی الوقاص و طلحہ بن عبیداللہ و زبیر بن العوام رضی اللہ تعالٰی عنہم روایت کرتے ہیں۔ بلکہ حضرت مولٰی مرتضٰی و عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی۔ کیونکہ جب حضرت فاروق اعظم نے خدا کی قسم دے کر پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ تو دونوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ اجلہ صحابہ ہیں۔ ان میں سے آٹھ تو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ جن کو شیعہ معصوم جانتے ہیں۔ حضرت حذیفہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ماحدثکم حذیفۃ فصدقوہ (جو کچھ حذیفہ حدیث کریں تم اس کو سچ جانو۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو صدیقہ ہی ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔ جن کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ العباس منی وانا منہ (عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔) اور نیز فرماتے ہیں من اذی عمی فقدآ ذانی (جس نے میرے چچا کو اذیت دی۔ اس نے بلاشبہ مجھے اذیت دی) ایسے اجلہ صحابہ کی روایت جس وقعت کی مستحق ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔

(۲) اگر اس خبر کے راوی فقط حضرت صدیق اکبر ہوتے۔ تو بھی ان کے حق میں اس کی قطعیت آیہ قرآنی کے برابر تھی۔ کیونکہ اسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا تھا۔ خبر کی تقسیم متواتر غیر متواتر ان لوگوں کے لئے ہے۔ جنہوں نے دوسروں کے واسطے سے سنا ہو۔ مگر جس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحالت ایمان دیکھا اور ان سے بلا واسطہ سنا۔ اس کے حق میں وہ خبر متواتر بلکہ متواتر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس قصے کے وقت صحابہ کرام جمع تھے۔ کسی نے اس بارے میں اختلاف نہ کیا۔ بلاشبہ ایسی خبر آیہ مواریث مخصص بن سکتی ہے۔ جس میں پہلے بھی بہت تخصیص ہو چکی ہے۔ مثلاً کافر کی اولاد وارث نہیں۔ غلام وارث نہیں۔ قاتل وارث نہیں۔

(۳) اصول کافی (کتاب فرض العلم۔ باب صفتہ العلم وفضلہ وفضل العلماء۔ صفحہ ۱۷) میں ہے:۔

عن ابی عبداللّٰہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیئ منھا فقد اخذ حظًا وافراً الخ

ترجمہ: امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ علماء پیغمبروں کے وارث ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں نے میراث میں نہیں چھوڑا کوئی درہم نہ دینار سوائے اس کے نہیں کہ انہوں نے میراث میں اپنی احادیث میں سے

کچھ احادیث چھوڑی ہیں۔ پس جس شخص نے ان میں سے کسی چیز کو لیا۔ اس نے میراث کا حصہ کامل لیا۔ (انتہیٰ) اس روایت میں کلمہ انما حصر کے لئے ہے۔ پس شیعہ کے امام معصوم کے قول سے ثابت ہو گیا۔ کہ پیغمبروں نے کسی کے لئے کوئی چیز سوائے علم و احادیث کے میراث میں نہیں چھوڑی۔

(۴) لا نورث ما ترکناہ صدقۃ کو خلاف عربیت و مخل فصاحت بتانا سراسر نادانی ہے۔ ماترکناہ صدقۃ بطور استیناف لا نورث کی علت ہے۔ ما ترکناہ مبتدا ہے۔ اور صدقہ بالرفع خبر ہے۔ دوسری روایت ماترکناہ فھو صدقۃ اس مطلب کو واضح کر رہی ہے۔ حدیث کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ صدقہ و وقف ہے۔ پس یہ قول رسول خدا نہ خلاف عربیت ہے۔ نہ مخل فصاحت ہے۔ ہاں اگر کسی کے دماغ میں خلل ہو۔ وہ اور بات ہے۔ انبیاء کرام کے مال میں جو میراث جاری نہیں اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ لوگ گمان نہ کریں کہ انبیاء اپنے وارثوں کے لئے مال جمع کرنے آئے تھے۔

(۵) خبر زیر بحث کو موضوع ثابت کرنے کے لئے مصنف نے جس حدیث بخاری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے:

عن عمرو بن الحارث اخی جویریۃ قال ماترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند موتہ دیناراً ولادرھما ولا عبداً ولا امۃً ولا شیئًا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضًا جعلھا صدقۃ رواہ البخاری۔ (مشکوۃ۔ باب در ممتمات ولواحق باب وفات النبی ﷺ)

ترجمہ: "عمرو بن حارث برادر جویریہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا۔ نہ درہم نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی اور شئے مگر اپنی سفید خچر (دلدل) اور اپنا ساز جنگ اور زمین (مال بنی نضیر و فدک وغیرہ) جسے آپ نے صدقہ بنا دیا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (انتہیٰ)

اس حدیث میں یہ صاف مذکور ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ترکہ صدقہ وقف تھا۔ اہل سنت و جماعت کی کسی معتبر روایت میں مذکور نہیں کہ یہ اشیاء ارث کا حکم رکھتی تھیں۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو کوئی وجہ نہ تھی کہ حضرت صدیق اکبر حضرت زہرا کو ترکہ سے محروم رکھتے۔ کیونکہ بنا بریں تقدیر ازواج مطہرات کو بھی ترکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے حصہ پہنچتا تھا۔ جن میں خود ان کی صاحبزادی عائشہ صدیقہ بھی تھیں۔ اور قریباً نصف حصہ میراث حضرت عباس کو ملتا جو ابتدائے خلافت سے حضرت ابوبکر

ﷺ کے رفیق و مشیر تھے۔ اگر حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت صدیق اکبر کو عداوت تھی۔ جیساکہ شیعہ کہتے ہیں۔ تو حضرات ازواج مطہرات و عباس کے ساتھ کیا خصومت تھی کہ ان کو محروم الارث کردیا۔ لہٰذا ظاہر ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبر نے عداوت و بغض کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ محض اس واسطے کہ آپ نے نص زیر بحث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنی تھی۔ اس نص کو پیش کرکے آپ نے ساتھ ہی فرما دیا۔ کہ خدا کی قسم قرابت رسول اللہ ﷺ کے حق کی نگہداشت مجھے اپنی قرابت سے محبوب تر ہے۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبر کو رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا کس قدر پاس تھا مگر اس نصف کی موجودگی میں معذور تھے۔

صاحب تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۷۷ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ بعضے(۱) علمائے شیعہ کہتے ہیں۔ کہ اگر متروکہ پیغمبر میں میراث جاری نہیں۔ تو شمشیر و زرہ اور بغلہ سپید یعنی دلدل وغیرہ کس واسطے حضرت امیرؑ کو دیئے گئے۔ ہم جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ دینا خود دلیل ہے۔ اس امر کی کہ متروکہ پیغمبر میں میراث جاری نہیں۔ کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام کو کسی وجہ سے میراث پیغمبر علیہ السلام نہ پہنچتی تھی۔ اگر وارث ہوتے تو حضرت زہرا و ازواج مطہرات و عباس ہوتے۔ پس حضرت امیر علیہ السلام کو دینا اسی واسطے تھا کہ متروکہ پیغمبر تمام مسلمانوں پر وقف کا حکم رکھتا ہے۔ خلیفہ وقت جس کو چاہے۔ کوئی چیز عطا کرے۔ خلیفہ اول نے حضرت امیر علیہ السلام کو ان اشیاء کے لائق بلکہ الیق سمجھ کر عطا کردیں۔ متروکہ پیغمبر علیہ السلام میں سے بعض چیزیں حضرت زبیر بن العوام کو بھی ملی ہیں۔ جو جناب پیغمبر علیہ السلام کے پھوپھی زادے تھے۔ اس طرح محمد بن سلمہ انصاری کو بھی بعض چیزیں دی گئیں۔ پس یہ تقسیم عدم توریث کی صریح دلیل ہے۔ اس کو معرض شبہ میں لانا اہلسنت کے حق میں ایک اور دلیل زیادہ کر دینا ہے۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

(انتہی)

مصنف کا یہ قول کہ حدیث لانورث آیہ قرآنی وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ (سورہ نمل ۔ ع ۲) (اور وارث ہوئے سلیمان داؤد کے۔ اور بولے اے لوگو ہم سکھلائے گئے ہیں۔ بولی اڑتے جانوروں کی اور دیئے گئے ہیں ہر چیز سے۔ بے شک یہی ظاہر ہے۔ فضیلت ۱۲) کے مخالف ہے غلط ہے۔ بلکہ اس آیت کے موافق ہے۔ کیونکہ اس آیت میں وراثت علم و نبوت مراد ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ہے۔

(۱) اصول کافی (باب ماعند الائمۃ من سلاح رسول اللہ ومتاعہ۔ صفحہ ۱۴۳۔) میں ہے۔ عن ابی بصیر عن ابی

عبداللہ قال ترک رسول اللہ من المتاع سیفا ودرعا وعنزة ورحلا وبغلته الشهباء فورث ذلک کله علی بن ابی طالب۔ ترجمہ: ابو بصیر کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ رسول اللہ نے متاع میں سے چھوڑے ایک تلوار اور ایک زرہ اور ایک چھوٹا نیزہ اور ایک زین اور اپنی سپید بغلہ۔ پس علی بن ابی طالب نے یہ سب میراث میں لئے۔ (انتہی)

(ا) محمد بن یحییٰ عن سلمة بن الخطاب عن عبداللہ بن محمد عن عبداللہ بن القسم عن ذرعة بن محمد عن المفضل بن عمر قال قال ابو عبداللہ ان سلمان ورث داؤد و ان محمد اورث سلیمان وانا ورثنا محمدًا وان عندنا علم التورة والانجیل والزبور وتبیان مافی الالواح قال قلت ان ھٰذا لھو لعلم قال لیس ھٰذا ھو العلم ان العلم الذی یحدث یومًا بعد یوم وساعة بعد ساعة۔

(اصول کافی۔ کتاب الحجہ۔ باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء والاوصیاء الذین من قبلھم۔ صفحہ ۱۴۳)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔ اور محمد سلیمان کے وارث ہوئے۔ اور ہم محمد کے وارث ہوئے۔ اور ہمارے پاس ہے علم توریت و انجیل و زبور کا اور بیان واضح اس کا جو الواح موسیٰ میں تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے کہا۔ بے شک یہی علم ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہی علم نہیں۔ علم وہ ہے جو روز بروز ساعت بساعت حادث ہوتا ہے۔ (انتہی)

شیعہ کا علامہ ملا محمد خلیل قزوینی اس روایت کی شرح یوں کرتا ہے:

گفت امام جعفر صادق علیہ السلام بدرستیکہ سلیمان میراث گرفت علم را ازداؤد چنانچہ اللہ تعالیٰ گفتہ در سورہ نمل کی وورث سلیمٰن داؤد۔ وبدرستیکہ محمد میراث برد علم را از سلیمان وبدرستیکہ ما اہل بیت محمد میراث بردیم علم را از محمد وبدرستیکہ نزد ماست علم توریت موسیٰ و علم انجیل و علم زبور و علم نسخہ کہ بیان واضح الواح موسیٰ است باین معنی کہ ہرچہ از شکستن بعض الواح خواند یا از بالارفتن بعض الواح مجہول باشد ازاں نسخہ تشخیص یابد چنانچہ در سورہ اعراف گفتہ۔ وفی نسخته ھدی ورحمة۔ راوی گفت گفتم بدرستیکہ ہر آئنہ ایںنست وبس علم عظیم باین معنی کہ منحصر است علم عظیم درین گفت نیست این وبس علم عظیم۔ بدرستیکہ علم عظیم آنست کہ حادث مے شود باستنباط و فکر روز بروز و ساعت بساعت۔ مراد ایںنست کہ این قسم علوم نیز داخل علم عظیم

ماست پس منحصر در سابق نیست۔ (صافی شرح اصول کافی۔)

(۲) احمد بن ادریس عن محمد بن عبدالجبار عن صفوان بن یحیٰی عن شعیب الحداد عن ضریس الکناس قال کنت عند ابی عبداللّٰہ وعندہ ابو بصیر فقال ابو عبد اللّٰہ ان داؤد ورث علم الانبیاء وان سلیمان ورث داؤد ان محمد اورث سلیمان وانا ورثنا محمد اوان عندنا صحف ابراھیم والواح موسٰی فقال ابو بصیر ان ھٰذا لھو العلم فقال یٰا ابامحمد لیس ھٰذا ھو العلم انما العلم ما یحدث باللیل والنھار یومًا بیوم وساعۃ بساعۃ۔

(اصول کافی۔ کتاب الحجہ۔ صفحہ ۱۳۷)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) ضریس کناسی کا بیان ہے۔ کہ میں امام جعفر صادق کی خدمت میں تھا۔ اور آپ کے پاس ابوبصیر تھا۔ امام نے فرمایا کہ داؤد نبیوں کے علم کے وارث ہوئے۔ اور سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور محمد سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم محمد کے وارث ہوئے۔ اور ہمارے پاس صحف ابراہیم اور الواح موسیٰ ہیں۔ ابو بصیر بولا کہ بے شک یہی علم عظیم ہے۔ امام نے فرمایا کہ اے ابو محمد یہی علم عظیم نہیں۔ سوائے اس کے نہیں کہ علم عظیم وہ ہے جو رات دن اور ساعت بساعت حادث ہوتا ہے۔ (انتہیٰ)

مذکورہ بالا ہر دو روایت سے ظاہر ہے۔ کہ آیت میں وراثت سے مراد وراثت علم و نبوت ہے نہ کہ وراثت مال و متروکہ۔ اور قرینہ عقلیہ بھی قول معصوم کے مطابق اسی وراثت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس لڑکے تھے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر) جو سب آپ کے وارث تھے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے اختصاص و امتیاز کے مقام میں یہ عبارت فرمائی۔ جو وراثت ان سے مختص ہو اور دوسرے بھائی اس میں شریک نہ ہو سکیں۔ وہ یہی وراثت علم و نبوت ہے۔ کیونکہ دوسرے بھائیوں کو یہ چیزیں حاصل نہ تھیں۔ نیز ظاہر ہے۔ کہ ہر ایک بیٹا اپنے باپ کی میراث لیتا ہے۔ اور اس کے مال کا وارث ہوتا ہے۔ ایسی وراثت کی خبر دینا لغو محض ہے۔ اور کلام الٰہی لغو سے پاک ہے۔ جس چیز میں تمام جہاں شریک ہے۔ اس میں حضرت سلیمان کو شریک بیان کرنے میں کونسی بزرگی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فضائل و مناقب کے بیان میں اس وراثت عامہ کا ذکر کرے۔ نیز کلام آئندہ صریح ناطق ہے۔ کہ اس وراثت سے مراد وراثت علم ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وقال یٰایھا الناس علمنا منطق الطیر (اور بولے اے لوگو ہمیں اڑتے جانوروں کی بولی سکھائی گئی۔)

مصنف کا یہ قول کہ خبر زیر بحث تورات سے مخالفت رکھتی ہے۔ اس کی نادانی پر دال ہے۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام جن کی اولاد میں نبوت چلی ان کی نسبت تورات موجودہ میں یوں مذکور ہے۔ پھر خداوند نے ہارون کو فرمایا۔ تو ان کی زمین میں سے میراث نہ لینا اور تیرے لئے ان کے درمیان حصہ نہ ہو گا۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں تیرا حصہ اور تیری میراث میں ہوں۔ دیکھ میں نے سارے دسویں حصے جو بنی اسرائیل نکالیں بنی لاوی کو میراث دے۔ یہ اس خدمت کا جو کہ دے کرتے ہیں۔ یعنی جماعت کے خیمے کی خدمت کا بدلا ہے۔ اور آگے کو بنی اسرائیل جماعت کے خیمے کے نزدیک ہرگز نہ آوئیں۔ نہ ہو کہ وے گنہگار ہوں اور مرجائیں۔ بلکہ بنی لاوی جماعت کے خیمے کی خدمت کریں۔ وے ان کے گناہ اٹھانے والے ہوں گے۔ تمہارے قرنوں میں یہ ہمیشہ کے لئے قانون ہو گا۔ کہ تم بنی اسرائیل کے درمیان میراث نہ پاؤ گے۔ (گنتی۔ باب ۱۸۔ آیات ۲۰ تا ۲۴)۔

اسی طرح کتاب استثناء باب ۱۸ کی پہلی دو آیتوں میں ہے۔ کاہنوں اور لاویوں کا بلکہ سارے فرقے لاوی کا حصہ اور میراث اسرائیل کے درمیان نہ ہو گا۔ وے تو خداوند کی قربانیاں جو آگ سے گزرانی جائیں۔ اور اسی کی میراث کھائیں گے۔ پس ان کی میراث ان کے بھائیوں کے ساتھ نہ ہو گی۔ بلکہ خداوند ہی ان کی میراث ہے۔ جیسا اس نے انہیں فرمایا تھا۔ (انتہیٰ)

علمائے شیعہ اس مقام پر ایک اور روایت بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ جس میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّاۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (سورہ مریم۔ ع ۱)

ترجمہ: "اور میں ڈرتا ہوں چچیرے بھائیوں سے اپنے پیچھے اور عورت میری بانجھ ہے۔ سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک ولی جو وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوب کا۔ اور کر دے اس کو اے میرے رب رضی و پسندیدہ۔ (انتہیٰ)

صاحب تحفہ اثنا عشریہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں بھی وراثت سے مراد قطعاً وراثت علم و نبوت ہے ورنہ لازم آئے گا۔ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل احیاء و اموات کے مال کے وارث ہوں۔ اور یہ ظاہر البطلان ہے۔ نیز حضرت زکریا علیہ السلام نے دو لفظ فرمائے۔ ایک وَلِيًّا دوسرا يَرِثُنِيْ یعنی آپ نے بارگاہ الٰہی سے ایک ولی طلب کیا۔ جو صفت وراثت سے موصوف ہو۔ پس اگر اس وراثت سے مراد خاص وراثت علمی نہ ہو۔ تو یہ صفت محض لغو ٹھہرتی ہے۔ اور اس کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں۔

کیونکہ بیٹا تمام شریعتوں میں باپ کا وراث ہوا کرتا ہے۔ اور لفظ ولی سے بے تکلف وراثت مال سمجھی جاتی ہے۔ نیز یہ محال عادی ہے۔ کہ حضرت زکریا جو زہد و بے تعلقی میں معروف ہیں۔ وراثت مال سے ڈر کر بارگاہ الٰہی میں ایسے ولد کی درخواست کریں جو آپ کے عصبات کو محروم الارث کر دے۔ ایسا تو وہی کرتا ہے۔ جو کمال درجے کا حریص دنیا ہو۔ نیز اگر حضرت زکریا کو ڈر تھا۔ کہ میرے چچیرے بھائی میرے مال کو بے جا خرچ کریں گے۔ تو یہ ڈر کا مقام نہ تھا۔ کیونکہ جب انسان مرجاتا ہے۔ اس کے مال کا خرچ کرنا اس کے وارثوں کا ذمہ ہوتا ہے۔ خواہ بجا کریں یا بیجا۔ مردہ کو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ علاوہ ازیں اس خوف کو بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا علاج تو خود ان کے ہاتھ میں تھا کہ اپنی وفات سے پہلے تمام مال کو خیرات و تصدق کر دیتے۔ ان کو موت ناگہانی کا خوف بھی نہ تھا۔ کیونکہ انبیاء کو ان کی موت سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور موت و حیات کا اختیار دیا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں وراثت منصب مراد ہے۔ حضرت زکریا کا خیال تھا کہ مبادا اشرار بنی اسرائیل میرے بعد منصب نبوت پر مستولی ہو کر احکام الٰہی کی تحریف اور شرائع ربانیٰ کو تبدیل کر دیں۔ اور میرے علم کی محافظت نہ کریں اور اس پر عمل بجا نہ لائیں۔ اور فساد عظیم کا موجب ہوں۔ اس لئے انہوں نے جناب الٰہی سے ایک ولد طلب کیا۔ اس طلب ولد سے ان کا مقصد اجراء احکام الٰہی اور ترویج شریعت اور اپنے خاندان میں بقائے نبوت تھا۔ جو موجب تضاعف اجر ہو۔ (انتہٰی)

اگرچہ شاہ صاحب نے خفت الموالی کا مطلب صاف بیان فرما دیا ہے۔ مگر شیعہ کا مجتہد سید محمد آنکھیں بند کر کے آپ کے جواب میں یوں لکھتا ہے:

> اگر مراد وراثت نبوت و علم مے بود خوف از بنی اعمام معنی نداشت و آن حضرت اعلم و اعرف بمعارف ربانیہ بود۔ پس چگونہ مے ترسید کہ حق تعالٰی میراث نبوت را بکسے دہد کہ او اہل بیت رسالت و نبوت نداشتہ باشد یا آنکہ علم و حکمت را بکسے عطا فرمائد کہ قابلیت و لیاقت آن نداشتہ باشد۔ (طعن الرماح مطبوعہ مطبع سلطان المطابع۔ صفحہ ۱۱۷)

ترجمہ: "یعنی اگر وراثت نبوت و علم مراد ہوتی۔ تو بنی اعمام سے ڈر بے معنے تھا اور حضرت زکریا اعلم و اعرف بمعارف ربانیہ تھے۔ آپ کس طرح ڈرتے تھے کہ حق تعالٰی میراث نبوت ایسے شخص کو دے جو رسالت و نبوت کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ یا علم و حکمت ایسے شخص کو عطا فرمائے جو اس کی قابلیت و لیاقت نہ رکھتا ہو۔ (انتہٰی)

اس کے جواب میں بوجوہ ذیل گزارش ہے:

اَوّلاً حضرت زکریا کے موالی جو اشرار بنی اسرائیل تھے ان سے حضرت کو یہ ڈر تھا۔ کہ کہیں میرے قائم مقام بن کر دین کی تحریف کر دیں۔ اس واسطے بارگاہ الٰہی سے ولد طلب کیا جو صلاحیت نبوت رکھتا ہو۔ آپ کو یہ ڈر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ میرے بعد کسی نالائق کو نبی بنا دے۔

ثَانِیًا سید محمد جو یہاں وراثت مال مراد لیتا ہے۔ اس کا بطلان خود قرآن مجید سے ظاہر ہے۔ بدیں طور کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کو ایسا ولد عطا نہ کیا جو صاحب اولاد ہو کہ جس سے وراثت مال کا سلسلہ جاری رہے۔ بلکہ آپ کو ایسا فرزند عطا کیا جو عورتوں کے پاس نہ جاتا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران - ۴)

ترجمہ: "پس اس کو فرشتوں نے آواز دی اور وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھتا تھا۔ کہ اللہ تجھ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ) کی گواہی دینے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور نیکوں میں سے نبی ہو گا۔ (انتہیٰ)

پس ظاہر ہوا کہ حضرت زکریا نے ایسا ولد طلب کیا تھا۔ جو صلاحیت نبوت رکھتا ہو نہ کہ ایسا ولد جو وارث مال ہو۔

ثَالِثًا حضرت زکریا علیہ السلام ابیا کی نسل سے تھے۔ (لوقا۔ باب ا آیہ ۵) اور ابیا حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ (اتواریخ۔ باب ۲۴۔ آیہ ۱۰۔ نحمیاہ باب ۱۲۔ آیہ ۴، ۱۷)

اور یہ پہلے آچکا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان میں وراثت مال کا سلسلہ جاری نہ تھا۔ لہٰذا حضرت زکریا کو وراثت مال کا تو خوف ہی نہ تھا۔ اگر اس خاندان میں ایسا سلسلہ جاری بھی ہوتا۔ تو بھی حضرت زکریا کی وراثت مال کا خوف نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ مردے کے وارث اگر مال متروکہ کو بیجا صرف کریں۔ تو مرے پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ علاوہ ازیں اس صورت میں اس کا علاج خود حضرت زکریا کے ہاتھ میں تھا۔ کہ تمام مال کو خیرات و صدقہ کر دیتے۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لا محالہ آیہ زیر بحث میں وراثت علم و نبوت ہی مراد ہے۔

لوقا کی آیہ مذکورۃ الصدر یوں ہے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے دنوں میں ابیا کے فریق میں سے زکریا نامی ایک کاہن تھا۔ اس کی جورو ہارون کی بیٹیوں میں سے تھی۔ اور اس کا نام الیسابات تھا۔

عربی ترجمہ میں یوں ہے: کان فی ایام ھیرودس ملک الیھودیۃ کاھن اسمہ زکریا من

فرقۃ ابیا وامرتہ من بنات ھارون واسمھا الیصابات۔ انتھٰی) اس آیت کی تفسیر میں پادری اسکاٹ صاحب یوں لکھتا ہے۔ جب کاہنوں کا شمار یہاں تک بڑھ گیا۔ کہ سب ایک ہی وقت ہیکل میں خدمت نہیں کر سکتے تھے۔ تب داوٗد نے انہیں چوبیس جماعتوں میں بانٹ دیا۔ کہ اپنی اپنی باری پر ایک ایک جماعت ہفتہ ہفتہ خدمت کرے۔ (اتواریخ باب ۲۴ ان میں ابیا کے باری دار آٹھویں جماعت کے لوگ تھے۔ سردار کاہن کے سوا باقی کاہنوں کو اجازت تھی۔ کہ دوسرے فرقوں میں شادی کریں۔ مگر زکریا نے اپنے ہی فرقہ میں شادی کی تھی۔ کہانت کے سبب ہارون کی نسل بہت عزت دار تھی۔ اور یہ بیان اس واسطے یہاں ہوا ہو گا۔ تاکہ ظاہر ہو کہ یوحنا کا تولد بہت عزت دار گھرانے میں ہوا۔ وہ خاص ہارون کی نسل سے تھا۔ (انجیل لوقا و یوحنا کی تفسیر مطبوعہ الہ آباد ۱۸۷۱ء ۔ صفحہ ۷)

رَابِعًا شیعہ کی بڑی معتبر تفسیر صافی میں ہے:

اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ موتی ان لا یحسنوا خلافتی علی امتی ویبدلوا علیھم دینھم وقرئ بالقصر وفتح الیا۔ المجمع عن الباقرؑ ھم العمومۃ وبنو العم والقمی یقول خفت الورثۃ من بعدی وفی الجوامع قرء السجاد والباقر خفت بفتح الخاء وتشدید الفاء وکسرالتاء ای قلو اوعجزوا من الدین بعدی۔

ترجمہ: "اور میں ڈرتا ہوں موالی سے اپنے پیچھے اپنی موت کے بعد کہ وہ میری امت پر میرے اچھے خلیفہ نہ ہوں گے۔ اور ان پر ان کے دین کو بدل دیں گے۔ اور ورآءی کو مقصور (بدون ہمزہ) اور فتح یاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ مجمع میں امام باقر سے روایت ہے۔ کہ موالی مراد چچے اور چچوں کی اولاد ہے۔ اور قمی کہتا ہے۔ کہ معنے یہ ہیں۔ کہ میں اپنے وارثوں سے ڈرتا ہوں۔ اور جوامع میں ہے۔ کہ امام سجاد و باقر علیہما السلام نے بجائے خِفْتُ کے خَفَّتْ پڑھا یعنی...... میرے بعد میرے موالی کم ہو جائیں گے۔ اور دین کے قائم رکھنے سے عاجز آجائیں گے۔ (انتہیٰ)

یہاں قابل غور امر یہ ہے۔ کہ صاحب تفسیر صافی کے علاوہ شیعہ کے معصوم امام بھی ہمارے ہی موئید ہیں۔

ملا فتح اللہ کاشانی خلاصۃ المنہج میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے:

جمیع اصحاب مارا کردہ اند برآنکہ انبیاء مال را میراث گرفتہ اندنہ آنکہ مایعرف خود راصدقہ ے

کردہ اند۔ زیرا کہ مراد بارث مذکور مال است نہ علم و نبوت۔ چہ لفظ میراث را در لغت و شریعت اطلاق نمے کنند نقل ارث از اموال و در غیر اموال استعمال نمے کنند مگر بر طریق از حقیقت بمجاز نقل کردن خلاف اصل است و بدون دلیل غیر جائز و دیگر آنکہ ذکریا بعد از وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا یعنی بگردان فرزند مرا اے پروردگار من شائستہ و پسندیدہ کہ از قول او راضی باشی و ہمیشہ مطیع و فرماں بردار تو باشد۔ پس اگر مراد از ارث نبوت باشد۔ چناں کہ مخالف مے گوئید ذکر این بعد ازان بے معنی بود و لغو و عبث باشد ہمچنانکہ نیکو نیست کہ کسے گوئید بار خدایا پیغمبرے بما فرست و اوراعاقل و مرضی خود گردان زیرا کہ ہر گاہ شخصے منصب نبوت داشتہ باشد۔ البتہ متصف خواہد بود برضائے خدا تعالٰی و آنچہ اعظم از انست موئید اینست کہ زکریا تصریح فرمودہ باآنکہ مے ترسم از بنی اعمام خود بعد از فوت خود پس طلب وارث بجہت خوف او بودہ باشد از بنی اعمام واین خوف معقول نیست مگر بمال نہ نبوت زیرا کہ زکریا اعلم ازان بود بآنکہ او سبحانہ نبوت و علم بکسی دہد کہ از اہل او نبود۔ پس این کہ مخالف از پیغمبر نقل کردہ۔۔۔۔۔۔ کہ نحن معاشرا لانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ محض افترا باشد و عین عناد و طغیان ولہٰذا سیدۃ النساء تکذیب این سخن کردہ و درنزد آن استشہاد فرمود بآیہ وبرثنی ویرث من ال یعقوب۔ حاصل کہ زکریا بجہت خوف آنکہ مبادا میراث او بر بنی اعمام منتقل شود و آن را در فسق و فجور صرف کنند و موجب دیار۔۔۔۔۔۔ فسق و معصیت ایشان از حق تعالٰی طلب فرزند صالح کرد کہ مرضی او سبحانہ باشد و مامور امراو۔ (انتہٰی)

ترجمہ: "ہمارے تمام اصحاب نے اس آیت کے ساتھ استدلال کیا ہے۔ اس امر پر کہ انبیاء نے میراث میں مال لیا ہے۔ نہ یہ کہ اپنے ترکہ کو صدقہ کر دیا ہے۔ کیونکہ میراث بارث مذکور مال ہے۔ نہ کہ علم و نبوت۔ اس لئے کہ لغت و شریعت میں لفظ میراث کا اطلاق فقط ان اموال پر ہوتا ہے۔ جو مورث سے وارث کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ غیر اموال میں اس لفظ کو صرف بطریق مجاز استعمال کرتے ہیں۔ اور حقیقت سے مجاز کی طرف نقل کرنا خلاف اصل ہے۔ اور بغیر دلیل کے جائز نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ زکریا نے اس کے بعد فرمایا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا یعنی اے میرے پروردگار میرے بیٹے کو شائستہ و پسندیدہ بنا کہ تو اس کے قول و فعل سے راضی ہووے۔ اور وہ ہمیشہ تیرا مطیع و فرمان بردار رہے۔ پس اگر ارث سے مراد نبوت ہوتی جیسا کہ مخالف کہتا ہے۔ تو یرثنی کے بعد رضی کا ذکر بے معنی اور لغو و عبث ہوتا۔ جیسا کہ یہ اچھا نہیں کہ کوئی کہے۔ بار خدایا تو ہمارے واسطے ایک پیغمبر بھیج۔ اور اس کو عاقل

اور اپنا پسندیدہ بنا۔ کیونکہ جب ایک شخص کو منصب نبوت حاصل ہو۔ تو وہ البتہ رضائے خدا تعالیٰ سے اور رضاء سے جو بڑھ کر ہے۔ اس سے متصف ہو گا۔ اس کا مؤید ہے۔ زکریا کا قول صریح کہ میں مرنے کے بعد اپنے بنی اعمام سے ڈرتا ہوں۔ پس وارث کا طلب کرنا بنی اعمام کے خوف سے ہو گا۔ اور یہ خوف معقول نہیں مگر مال پر نہ کہ نبوت پر۔ کیونکہ یہ تو حضرت زکریا کی عقل میں نہ آسکتا تھا۔ کہ اللہ سبحانہ علم و نبوت ایسے شخص کو دے جو اس کا اہل نہ ہو۔ پس یہ جو مخالف نے پیغمبر سے نقل کیا ہے۔ کہ **نحن معاشر الانبیاء لانورث ما ترکناہ صدقة** محض افترا اور عین عناد و طغیان ہے۔ اسی واسطے سیدۃ النساء۔ نے اس قول کی تکذیب کی اور آیہ **یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ** سے استشہاد کیا۔ حاصل یہ کہ زکریا نے اس خوف سے کہ مبادا میری میراث میرے بنی اعمام کی طرف منتقل ہو جائے۔ اور وہ اس کو فسق و فجور میں صرف کریں۔ اور وہ ان کے فسق و معصیت کی زیادتی کا موجب ہو حق تعالیٰ سے فرزند صالح طلب کیا جو پسندیدۂ خدا اور اس کے امر کا مطیع ہو۔ (انتہیٰ)

اس کے جواب میں گزارش ہے:

اَوّلاً ملا کاشانی کا یہ قول ہے کہ انبیا نے میراث میں مال لیا ہے۔ مجرد دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور انبیا تو درکنار وہ اتنا بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت زکریا نے میراث میں کوئی مال لیا۔ حضرت یحییٰ کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاٰتَیْنَاہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔** (اور ہم نے دیا یحییٰ کو حکم بچپن میں) اس کے تحت تفسیر صافی میں ہے۔ **فی الکافی عن الباقرؑ مات زکریا فورثه ابنه یحیٰی الکتاب والحکمة وھو صبی صغیر ثم تلاھٰذہ الایة۔** کافی میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے۔ کہ حضرت زکریا نے وفات پائی۔ تو ان کے صاحبزادے یحییٰ نے وراثت میں کتاب و حکمت پائی۔ حالانکہ وہ چھوٹے بچے تھے۔ پھر امام نے یہ آیت پڑھی۔ (انتہیٰ)

پس قول معصوم سے ثابت ہو گیا۔ کہ حضرت زکریا کا ترکہ کتاب و حکمت ہی تھا۔ جو ان کے بیٹے حضرت یحییٰ نے وراثت میں لیا۔

صاحب تحفہ اثنا عشریہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر شیعہ کہیں کہ لفظ وراثت علم میں مجاز اور مال میں حقیقت ہے۔ لہٰذا حقیقت سے مجاز کی طرف اس لفظ کا نقل کرنا بغیر ضرورت کے جائز نہیں۔ ہم اس کا جواب یوں دیں گے۔ کہ یہاں ضرورت یہ ہے کہ قول معصوم تکذیب سے محفوظ ہے۔ نیز ہم تسلیم نہیں کرتے کہ لفظ وراثت مال میں حقیقت ہے۔ بلکہ منقولات عرفیہ کی مانند استعمال سے عرف

فقہاء میں اس میں تخصیص آگئی ہے۔ درحقیقت اس کا اطلاق وراثت علم و منصب سب پر صحیح ہے۔
بصورت تسلیم یہ مجاز متعارف و مشہور ہے۔ خصوصاً استعمال قرآن میں یہاں تک کہ حقیقت کی برابری کا
دم بھرتا ہے۔

ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا خلف من بعدھم خلف ورثوا الکتب۔

ترجمہ۔ پھر ہم نے کتاب کے وارث بنائے وہ لوگ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے انتخاب
کیا۔ پس ان کے بعد ناخلف ان کے جانشین ہوئے۔ کتاب کے وارث ہوئے۔ انتھی

قول معصوم سے شاہ صاحب کی مراد قول امام جعفر صادق ہے۔ جو روایت کلینی میں پہلے مذکور ہو
چکا ہے۔

شیعہ کے سید سند علامہ فہامہ فاقد الاقران زبدۃ الاعیان العامل الکامل المعقود علیہ الانامل سمی رسول
اللہ الجلیل مولانا و مقتدانا ملا خلیل بن الغازی القزوینی نے اس روایت کے ترجمہ میں بتا دیا ہے۔ کہ امام کی
مراد وراثت علم ہے یہ روایت تفسیر آیت وورث سلیمٰن داؤد داؤد ہے۔

یہ بھی پہلے آچکا ہے۔ کہ آیہ وانی خفت الموالی میں حسب قراءت دو معصوم وراثت علم و
نبوت ہی مراد ہے۔ اور تورات سے بھی ہمارا ہی مدعا ثابت ہے۔

ثانیًا ملا کاشانی نے دوسری دلیل اپنے مدعا پر یہ بیان کی ہے۔ کہ اگر آیہ وانی خفت الموالی میں
وراثت نبوت مراد ہے۔ تو حضرت زکریا کی دعا کا ماحصل یہ ہو گا۔ کہ بار خدایا مجھے ولد نبی عطا فرما
اور اسے اپنا پسندیدہ بنا۔ حالانکہ نبی جو ہو گا۔ وہ پسندیدہ ہی ہو گا۔ لہٰذا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا لغو و
عبث ٹھہرا۔ اور قرآن لغو سے پاک ہے۔ پس آیت میں وراثت نبوت مراد نہیں ہو سکتی۔

امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

واعلم انھم ذکروا فی تفسیر الرضی وجوھا
(احدھا) ان المراد واجعله رضیا من الانبیاء وذٰلک لان کلھم مرضیون
فالرضی منھم مفضل علی جملتھم فائق لھم فی کثیر من امورھم
فاستجاب اللہ تعالٰی له ذٰلک فوھب له سیداً وحصوراً ونبیًّا من
الصّٰلحین لم یعص ولم یھم بمعصیة وھٰذا غایة مایکون به المرء رضیا
(وثانیھا) المراد بالرضی رضیافی امته لا یتلقی بالتکذیب ولا یراجه بالرد
(وثالثھا) المراد بالرضی ان لا یکون منھما فی شیئ ولا یوجد فیه مطعن

ولا ينسب اليه شيئ من المعاصى

(ورابعها) ان ابراهيم و اسمٰعيل عليهما السلام قالا فى الدعاء ربنا واجعلنا مسلمين لک وکانا فی ذٰلک الوقت مسلمين وكان المرادهناک ثبتنا علٰى هٰذا اوالمراد اجعلنا فاضلين من انبيائک المسلمين فكذا هٰهنا۔

(انتہے)

ترجمہ: "جان لے کہ مفسرین نے رضی کی تفسیر میں کئی وجہیں ذکر کی ہیں۔

اول وجہ یہ کہ مراد یہ ہے۔ کہ خدایا تو اس کو نبیوں میں سے رضی بنا دے۔ اور یہ اس لئے کہ تمام پیغمبر مرضی و پسندیدہ ہوتے ہیں۔ پس ان میں سے رضی (راضی و خوشنود) تمام پر فضیلت اور بہت سے امور میں ان پر فوقیت رکھتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول کی۔ اور آپ کو ایک لڑکا عطا فرمایا جو سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور صالحین میں سے نبی تھا۔ جس نے گناہ نہ کیا۔ اور نہ گناہ کا قصد کیا۔ اور یہ غایت ہے اس امر کی جس کے ساتھ انسان رضی ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ رضی سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ اپنی امت میں رضی ہو کہ امت آپ کی تکذیب و تردید نہ کرے۔

تیسری وجہ یہ کہ رضی سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ کسی بات میں متہم نہ ہو۔ اور اس میں طعن کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اور نہ کوئی گناہ اس کی طرف منسوب ہو۔

چوتھی وجہ یہ کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اپنی دعا میں عرض کی تھی۔ کہ اے رب ہمارے تو ہم کو اپنا فرمانبردار بنا۔ حالانکہ وہ اس وقت فرمانبردار تھے۔ وہاں مراد یہ تھی کہ تو ہم کو اپنی فرمانبرداری پر ثابت و قائم رکھ یا مراد یہ تھی کہ تو ہم کو اپنے فرمانبردار نبیوں میں فاضل بنا۔ اسی طرح یہاں ہے۔ (انتہے)

معترض نے جو اپنے وہم کی تائید میں قول حضرت زکریا علیہ السلام وانی خفت الموالی نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت زکریا کو خوف تھا۔ کہ مبادا میرے بنی میرے مال کو بے جا صرف کریں۔ اسکا جواب اوپر آچکا ہے۔ پیغمبروں کو مال دنیا کی کیا فکر۔ ان کو تو اقامت دین کا خیال ہوتا ہے۔ اور ان کی بعثت سے مقصود بھی یہی ہے۔ خطبہ فاطمہ جس کا معترض نے ذکر کیا ہے۔ ہم اس کی صحت کے قائل نہیں۔ آیہ یرثنی ویرث من اٰل یعقوب مفید مطلب معترض نہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لہٰذا حدیث نحن معاشر

الانبیاء کو موضوع بتانا عین عناد طغیان و مکابرہ ہے۔

رہا ہبہ فدک و شہادت کا قصہ۔ سو وہ ہماری کسی معتبر بالا سناد الصحیح روایت سے ثابت نہیں۔

شرح مواقف کا جو مصنف نے حوالہ دے دیا۔ وہ یہ ہے:

(فان قیل ادعت) فاطمة (انه) علیه السلام (نحلها) ای اعطاها فد کانحلة (وشهد) علیه (علی والحسن والحسین وام کلثوم) والصحیح ام ایمن وهی امرأة اعتقها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وکانت حاضنة اولاده فزوجها من زید فولدت له اسامة (فرد ابوبکر شهادتهم) فیکون ظالما (قلنا اما الحسن والحسین فللفرعیة) لان شهادة الولد لا تقبل لا حد ابویه واجداده عند اکثر اهل العلم وایضًا هما کانا صغیرین فی ذٰلک الوقت (واما علی وام کلثوم فلقصورهما عن نصاب البینة) وهو رجلان اورجل وامرأتان (ولعله) ای ابابکر (لم یرالحکم بشاهد و یمین لانه مذهب کثیر من العلماء) وایضا قد ذهب بعضهم الٰی ان شهادة احد الزوجین للاخر غیر مقبولة۔

ترجمہ: "اگر کہا جائے کہ دعویٰ کیا) فاطمہ نے (کہ آنحضرت) ﷺ نے (عطا کیا آپ کو) یعنی آپ کو فدک بطور ہبہ و عطیہ عطا کیا (اور شہادت دی) اس پر (علی و حسن و حسین و ام کلثوم نے) صحیح ام ایمن ہے۔ اور وہ ایک عورت تھی۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا تھا۔ اور وہ آپ کی اولاد کی دایہ تھی۔ پس حضور نے زید سے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ جس سے اسامہ پیدا ہوئے۔ (پس ابوبکر نے ان کی شہادت کو رد کیا۔) اس لئے وہ ظالم ہوئے۔

(ہم جواب میں کہیں گے) کہ حسن و حسین کی شہادت رد ہوئی بوجہ فرعیت کے) کیونکہ بیٹے کی شہادت آباء و اجداد میں سے کسی کے لئے اکثر اہل علم کے نزدیک مقبول نہیں۔ اور نیز وہ دونوں صغیر تھے۔ (رہے علی و ام کلثوم۔ سو ان کی شہادت مقبول نہ ہوئی نصاب شہادت کی کمی کے سبب) نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔ (شاید اس نے) یعنی ابوبکر نے (ایک شاہد اور یمین پر حکم لگا دینے کو پسند نہ کیا۔) کیونکہ یہ بھی بہت سے علماء کا مذہب ہے) اور نیز بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے۔ کہ زوجین میں سے ایک کی شہادت دوسرے کے لئے مقبول نہیں۔ (انتہیٰ)

اس عبارت میں امور ذیل قابل غور ہیں:

(ا) اس عبارت سے شیعہ یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ کی طرف سے ہبہ فدک کا دعویٰ اور اس پر حضرت علی و حسنین و ام ایمن کی شہادت اور ابو بکر کا رد شہادت کرنا علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ (طعن الرماح۔ صفحہ ۴)

مگر یہ مغالطہ ہے۔ صاحب مواقف نے اسے **کلام الشیعۃ یدور علی الامور** کے تحت میں نقل کیا ہے۔ اور اس عنوان کے تحت میں ان امور کو مع جوابات بیان کیا ہے۔ جن سے شیعہ اپنے زعم میں حضرت علی کی امامت ثابت کرتے ہیں۔

ان امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں۔ کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے۔ حضرت ابوبکر بالاتفاق معصوم نہ تھے۔ لہٰذا امامت علی متعین ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک بیعت اثبات امامت کا طریق نہیں اور حضرت ابوبکر کی امامت بالاتفاق بیعت سے ثابت ہے۔ لہٰذا وہ امام نہ تھے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ حضرت علی افضل الخلق تھے۔ اور مفضول کی امامت جائز نہیں۔

چوتھا امر یہ ہے کہ کئی وجہ سے ابوبکر میں امامت کی اہلیت نہ تھی۔

وجہ اول یہ کہ ابوبکر ظالم تھے۔ ان کے ظالم ہونے کے ثبوت میں شیعہ کی طرف سے ایک دلیل تو یہ ہے۔ کہ وہ بعثت سے پہلے کافر تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ کو ان کی میراث فدک نہ دیا۔ حالانکہ وہ بروئے آیہ مواریث مستحق تھیں۔ اور نیز وہ معصومہ تھیں۔ لہٰذا دعویٰ فدک میں سچی تھیں مصنف موافق شیعہ کی ان دلیلوں کی تردید کرنے کے بعد عبارت زیر بحث کو لایا ہے۔ جس کا مطلب صاف یہ ہے۔ کہ ابوبکر کے ظالم ہونے کو شیعہ اپنی اس روایت سے ثابت کریں۔ کہ حضرت زہراء نے فدک کا دعویٰ کیا تھا۔ اور حضرت علی و حسنین و ام الکلثوم نے اس پر شہادت دی تھی جس کو ابوبکر نے رد کر دیا تھا۔ لہٰذا وہ ظالم ثابت ہوئے تو ہم بفرض صحت اس کا یوں جواب دیں گے۔ کہ حسنین کی شہادت بوجہ فرعیت و نیز بوجہ صغر سن مقبول نہ ہوئی۔ باقی رہے علی و ام کلثوم۔ سو ان کی شہادت بوجہ نقصان نصاب شہادت مقبول نہ ہوئی۔ پس حضرت ابوبکر کا ظلم ثابت نہ ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ صاحب مواقف و شارح روایت ہبہ فدک و شہادت کو شیعہ کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ اور اس سے جس بات کو شیعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تردید کرتے ہیں۔ انہوں نے اس روایت شیعہ کی تنقید نہیں کی۔ بلکہ بفرض محال اسے صحیح تسلیم کرکے جواب دیا ہے۔ لہٰذا ہم سید امداد امام سے کہتے ہیں۔ کہ جب

اہل سنت اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ حضرت فاطمہ نے دربار ابوبکر میں ہبہ فدک کا دعویٰ کیا۔ تو ردو قبول شہادت علی وغیرہ سے کیوں بحث کر رہے ہو۔

(۲) اصول کافی کی روایت میں شہادت حضرات حسنین کا ذکر نہیں۔ بلکہ فقط حضرت علی و ام ایمن کا ذکر ہے۔ صاحب مواقف کو معلوم نہ تھا۔ کہ روایات شیعہ میں ام کلثوم کا ذکر نہیں۔ چونکہ شارح کو ان روایات پر اطلاع تھی۔ اس لئے انہوں نے اس غلطی کی تصحیح فرمادی۔ اور کہہ دیا کہ والصحیح ام ایمن۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ شارح مواقف اس روایت کی صحت کے قائل ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ بتا رہے ہیں۔ کہ روایات شیعہ میں ام کلثوم نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے۔ کہ ان روائتوں میں ام ایمن ہے۔

(۳) شارح مواقف نے بتایا ہے کہ زوجین کی شہادت ایک دوسرے کے لئے بعض اہل علم کے نزدیک مقبول نہیں۔ اور بیٹے کی شہادت ماں باپ یا داد کے لئے اکثر اہل علم کے نزدیک جائز نہیں۔ ہر دو صورت میں عدم جواب کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ جسے خصاف یعنی ابوبکر رازی یوں روایت کرتے ہیں:

حدثنا صالح بن زریق وکان ثقة ثنا مروان بن معاویة الفزاری عن یزید بن زیاد الشامی عن الزهری عن عروة عن عائشه رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لا تجوز شهادة الوالد لولده ولا الولد لوالده ولا المرأة لزوجها ولا الزوج لامراته ولا العبد لسیده ولا السید لعبده ولا الشریک لشریکه ولا الاجیر لمن استاجره۔

ترجمہ: "(بحذف اسناد) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ باپ کی شہادت بیٹے کے لئے اور بیٹے کی باپ کے لئے اور زوجہ کی شہادت شوہر کے لئے اور شوہر کی زوجہ کے لئے اور غلام کی شہادت اپنے آقا کے لئے اور آقا کی اپنے غلام کے لئے اور شریک کی شہادت اپنے شریک کے لئے اور اجیر کی شہادت مستاجر کے لئے جائز نہیں۔ (انتہیٰ)
(تفصیل کے لئے دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ۔)

قال السید امداد امام

معاونین فیصلہ فدک فرماتے ہیں۔ کہ اگر فدک ناحق طور پر حضرت سیدہ سے چھین لیا گیا تھا۔ تو حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں فدک کو کیوں نہ واپس لے لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت کلاںؑ کا دعویٰ برسر حق نہ تھا۔"

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر امام رازی کی تحقیق درست ہے۔ تو حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں
حضرت علیؑ کے قبضہ میں تھا۔ ایسی صورت میں حضرت علیؑ کس چیز کو کس سے واپس لے لیتے۔
امام موصوف لکھتے ہیں۔ کہ خلیفہ اول نے باوجود شہادت ام ایمن کے فدک جناب سیدہ کو نہ دیا۔
اور حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو دے دیا۔ اور بوقت خلافت چہارم فدک حضرت علیؑ کے قبضہ میں تھا۔
اس سے معترض کا جواب ہو جاتا ہے۔ مگر راقم کے نزدیک یہ تجویز امام رازی کی محض خلاف قرائن ہے۔
حضرت عمر ایسا کیوں کرنے لگے۔ فدک آل محمد سے برابر نکلا رہا۔ بار اول اسے خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز نے
آل محمد کو رد کیا ہے۔ بہرحال اعتراض بالا کا جواب راقم اس طور پر دیتا ہے۔ کہ اگر حضرت سیدہ حضرت
علیؑ کے عہد خلافت میں زندہ رہتیں۔ تو حضرت علیؑ حضرت سیدہ کو ضرور رد فدک کر دیتے۔ اس لئے کہ
آپ اس سے پورے طور پر واقف تھے۔ کہ حضرت رسول نے فدک کو حضرت سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اگر
آپ اس امر سے واقف نہ ہوتے۔ تو معاملہ فدک کو حضرت سیدہ کے گواہ مقدمہ قرار نہ دیئے جاتے۔
اب چونکہ حضرت فاطمہ زندہ نہ تھیں۔ آپ نے اپنے عہد میں فدک کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی۔
حقیقت حال یہ ہے۔ کہ حضرت فاطمہؑ کی رحلت کا غم حضرت علیؑ کے دل پر بے حد تھا۔ کبھی آپ کا دل
قبول نہیں کر سکتا تھا۔ کہ حضرت سیدہ کے گذشتہ معاملات اندوہگین کو از سر نو تازہ کریں۔ جو حضرات
معاملات قلبی سے خبر رکھتے ہیں۔ میری اس تھوڑی تحریر کو بہت مان سکتے ہیں۔ سنگدل نفس پرور شقی
المزاج کیا جانے کہ معاملات قلبی کیا ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے آپ کے خلیفہ ہوتے ہی اہل زمانہ نے آپ
کو نہایت تنگ کرنا شروع کر دیا۔ امیر معاویہ نے اغوا کر کے ام المومنین حضرت عائشہ کو آمادہ جنگ کرا دیا۔
حضرت زبیر اور طلحہ نکث بیعت کر کے ام المومنین کی طرف جا ملے واقعہ جنگ جمل کا پیش آیا۔ پھر امیر
معاویہ سے آپ کی شہادت کے وقت تک ہنگامہ عظیم قائم رہا۔ ان مکروہات میں مبتلا رہ کر آپ فدک کی
طرف کیونکر متوجہ ہو سکتے تھے۔ امر واقعی یہ ہے۔ کہ معاملات خلافت جو قومی اور دینی کام تھے
حضرت علی کو اپنے چار برس اور پانچ مہینے کی خلافت میں اتنی فرصت ہی کہاں حاصل ہوئی کہ اپنے ذاتی اور
خانگی امور کی طرف رخ کر سکتے۔ پس ان اسباب کی وجہ سے فدک جو خاندان پیغمبرؐ سے عہد خلافت اولیٰ
میں نکل گیا تھا۔ حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں بھی نکلا ہی رہا۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۲۶۔ ۲۷۔

اقول

مصنف نے امام رازی کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ بظاہر یہ تفسیر کبیر میں سے ہے۔ کیونکہ امام
رازی آیہ وما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ منھم کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

کہ اگر یہ آیت متعلق اموال بنی نضیر کے ہو۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اموال لڑائی کے بعد ضبط کئے گئے۔ اس لئے چاہیے کہ وہ مال غنیمت ہوں نہ مال فیئے۔

اس کے جواب میں مفسرین کے دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے۔ کہ یہ آیت فدک کے متعلق ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اموال بنی نضیر کے بارے میں ہے۔

یہاں زیر بحث پہلا قول ہے۔ جس میں فدک کی کیفیت درج ہے۔ مصنف نے اسی میں سے نقل کیا ہے۔ شیعہ اسے ہبہ فدک کے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر انہیں معلوم رہے۔ کہ یہ قول بلا اسناد مذکور ہے۔ اسے مقام حجت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ امام رازی نے اسے صرف نقل کر دیا ہے۔ اس کی تصحیح یا تائید نہیں کی۔ اگر ایسا کرتے بھی۔ تو ان کا مجرد قول بمقابلہ روایات معتبرہ بالا سانید الصحیحہ کیا وقعت رکھ سکتا ہے۔ لہٰذا ایسے قول مفسرین کو تحقیق رازی بتانا نادانی ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد فدک یکے بعد دیگرے خلفائے اربعہ کے تصرف میں رہا۔ اور اس کا مصرف وہی تھا۔ جو عہد نبوی میں تھا۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ کے بعد ۴۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بنابر تاویل مروان کے قبضہ میں بطور جاگیر دے دیا۔ مگر شیعہ کہتے ہیں۔ کہ فدک حضرت علیؓ کے قبضہ میں نہیں آیا۔ اس لئے ان پر یہ اعتراض جو جواب دیا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں اسے آل محمد پر رد کیوں نہ کیا۔ مصنف نے اس اعتراض وارد ہوتا ہے۔ وہ بالکل لغو اور پوچ ہے۔ کیونکہ جب حضرت امیر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو رد فدک خانگی امور میں سے نہ تھا۔ بلکہ از قبیل فرائض منصبی تھا۔ حق دار کو حق پہنچانا خلیفہ وقت کا فرض ہے۔ یہ کہنا کہ حضرت فاطمہؓ کے غم میں حضرت امیرؓ کو فرائض منصبی فراموش ہو گئے تھے۔ ان کی توہین و تذلیل ہے۔ اس غم کے ساتھ جنگ جمل کا بہانہ بھی عجیب ہے۔

حضرت امیرؓ تو حسب بیان شیعہ ایسے شجاع تھے۔ کہ اکیلے تمام دنیا کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ ان کے دشمن حضرات خلفائے ثلاثہ وغیرہ انتقال فرما چکے ہیں۔ اب اپنی خلافت میں ان کو کس کا ڈر تھا۔ حید کرار اور ذوالفقار آبدار۔ مقابلہ کی کس میں طاقت تھی۔ اس اعتراض کے جو جوابات شیعہ کے ائمہ معصومین کی طرف منسوب ہیں۔ وہ بھی اطمینان بخش نہیں۔

چنانچہ شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی حضرت امیر علیہ السلام کے ایک خطبہ میں یہ عبارت نقل کرتا ہے:

قد عملت الولاۃ قبلی اعمالا خالفوا فیھا رسول اللہ متعمدین لخلافه

ناقضین لعهده مغیرین لسنته ولو حملت الناس علی ترکها وحولتها الی مواضعها والٰی ما کانت فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله لتفرق عنی جندی حتّٰی ابقی وحدی او قلیل من شیعتی الذین عرفو افضلی وفرض امامتی من کتاب اللّٰه عن ذکره وسنة نبیه صلی اللّٰه علیه واٰله ارایتم لو امرت بمقام ابراهیم علیه السلام فرددته الی الموضع الذی وضعه رسول اللّٰه ورددت فدک الی ورثة فاطمة علیها السلام۔ ---- اذا لتفرقوا عنی۔ (کتاب الروضہ۔ صفحہ ۔۲۹)

ترجمہ: ”مجھ سے پہلے خلیفوں نے کئی عمل ایسے کئے جن میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور عمداً آپ کے خلاف کیا۔ اور آپ کے عہد کو توڑ ڈالا۔ اور آپ کی سنت کو بدل دیا۔ اگر میں لوگوں کو ان اعمال کے ترک کی ترغیب دوں اور ان اعمال کو ان کے محل کی طرف اور اس حالت کی طرف جو عہد رسول اللہ ﷺ میں تھی لوٹا دوں۔ تو البتہ میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ یا میرے ساتھ تھوڑے سے شیعہ رہ جائیں گے۔ جنہوں نے میری فضیلت اور میری امامت کے فرض کو کتاب اللہ اور سنت نبی کریم ﷺ سے پہچان لیا ہے۔ تم بتاؤ اگر میں مقام ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں حکم دے دوں اور اسے اس جگہ کی طرف لوٹا دوں جس میں رسول اللہ ﷺ نے اسے رکھا تھا۔ اور فدک کو حضرت فاطمہ علیہا السلام کے وارثوں پر رد کر دوں۔ تو اس وقت وہ ضرور مجھ سے الگ ہو جائیں گے۔ (انتہیٰ)

نہایت تعجب کا مقام ہے۔ کہ شیعہ ایک طرف تو حضرت امیر علیہ السلام کی شجاعت کے بیان میں رطب اللسان ہیں۔ اور دوسری طرف ان کو ایسا بزدل ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ سنت رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے بدلی جا رہی ہے۔ مگر آپ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کیا ایسا بزدل خلافت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

سید نعمت اللہ جزائری اپنی مشہور کتاب انوار نعمانیہ میں لکھتا ہے:

وامام علیؑ لو سکرت لی الرسادة ثم جلست علیها الحدیث معناه انی ان تمکنت من الحکومة بین الناس من غیره نازع وهٰذا یدل علی انه لم یکن متمکنا فی وقت خلافته من اقامة الاحکام علی وجوهها الاتقدمه المتخلفون فی البدع فصار لا یقدر ان یغیر ما فعلوه فمنه عزل شریح عن

القضاء ارادة فلم یتمکن منه لانه کان منصوبا من قبل المتقدمین ومنه صلوة الضحٰی فلقدارسل ابنه الحسن ان ینادی فی مساجد الکوفة ان لا تصلی فضج الناس ضجة واحدة وقالوا واعمراه امرنا بالصلٰوة وانت تنها ناعنها ارایت الذی ینهٰی عبداً اذا صلی ومنه رد الفدک والعوالی علی اولا د فاطمة فانه کان مظنة الفتنة والفساد بتغلیظ مِن تقدمه وقدروی الصدوق طاب ثراه فی کتاب العلل عللا اخریٰ منها رواه مسند الٰی ابی بصیر عن ابی عبداللّٰہ قال قلت له لم لم یاخذ امیر المومنین کالما ولی الناس ولا یة علة نزکها فقال لان الظالم والمظلوم قد کانا قدما علی اللّٰہ سبحانه واثاب اللّٰہ المظلوم وعاقب الظالم فکره ان یسترجع شیئا قد عاقب اللّٰہ علیه غاصبه واثاب علیه المغصوبة وذکر ایضًا جواباً آخر الا باسناده الی ابراهیم الکرخی قال سالت ابا عبداللّٰہ فقلت لای علة ترک امیر المومنین فدلما ولی الناس فقال للاقتداء برسول اللّٰہ لما فتح مکة وقد باع عقیل ابن ابی طالب داره فقیل له یارسول اللّٰہ الا ترجع الٰی دارک فقال وهل ترک لنا عقیل داره انا اهل البیت لا نسترجع شیئا یوخذ منا ظلما فلذلک لم یسترجع فدکالما ولی وذکراً ایضًا جوابًا ثالثاً باسناده الی علی بن فضال عن ابی الحسن قال سالته عن امیر المومنین لم لم یسترجع فد کالما ولی الناس فقال لا نااهل بیت لا یاخذلنا حقوقنا ممن ظلمنا۔ الاهو یعنی الا اللّٰہ ونحن اولیاء المومنین انما نحکم لهم وناخذحقوقهم ممن ظلمهم ولا ناخذ لا نفسنا۔

ترجمہ: ”رہا قول علی لو کسوت لی الرسادة ثم جلست علیها الحدیث سو اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اگر میں لوگوں کے درمیان بغیر کسی نزاع کرنے والے کے حکومت پر قادر ہو جاؤں الخ۔ یہ قول دلالت کرتا ہے۔ اس بات پر کہ حضرت امیر اپنے عہد خلافت میں اقامت احکام پر جیسا کہ چاہیے قادر نہ تھے۔ مگر متخلفین بدعتوں میں آپ سے سبقت لے گئے۔ لہٰذا آپ قادر نہ تھے۔ کہ بدل دیں اس کو جو انہوں نے کیا۔ منجملہ ان احکام کے جن کے بدل دینے پر آپ قادر نہ تھے۔ قاضی شریح کا عہدہ قضاء سے معزول کرنا تھا۔ آپ نے اس کا ارادہ کیا۔ مگر

اس پر قادر نہ ہوئے۔ کیونکہ قاضی موصوف متقدمین کی طرف سے متعین تھے۔ اور منجملہ ایسے احکام کے نماز ضحیٰ تھی۔ آپ نے اپنے صاحبزادے حسنؑ کو بھیجا کہ مساجد کوفہ میں منادی کردے کہ نماز ضحیٰ نہ پڑھی جائے۔ پس لوگوں نے شور برپا کر دیا اور کہنے لگے۔ ہائے عمر ؓ جس نے ہم کو اس نماز کا حکم دیا۔ اور آپ ہم کو اس سے منع کر رہے ہیں۔ ارأیت الذی ینھی۔ عبداً اذا صلّی اور منجملہ ایسے احکام کے فدک و عوالی مدینہ کا اولاد فاطمہ پر رد کرنا تھا۔ کیونکہ متقدمین کی درشتی کے سبب یہ مظنہ فتنہ و فساد تھا۔

شیخ صدوق طاب ثراہ نے کتاب العلل میں اس کے اور اسباب بیان کئے ہیں جن میں سے ایک کو بسند ابو بصیر روایت کیا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ امیرالمومنین نے اپنی خلافت میں فدک کیوں نہ لیا۔ اور کس سبب سے اسے چھوڑ دیا۔ امام نے فرمایا کہ ظالم و مظلوم دونوں اللہ سبحانہ کے ہاں پہنچ چکے تھے۔ اور خدا نے مظلوم کو ثواب اور ظالم کو عذاب دے دیا تھا۔ اس لئے حضرت امیر نے ناپسند کیا کہ اس چیز کو واپس لیں جس پر اللہ نے غاصب کو عذاب اور مغصوب دے دیا تھا۔ اس لئے حضرت امیر نے ناپسند کیا کہ اس چیز کو واپس لیں۔ جس پر اللہ نے اللہ نے غاصب کو عذاب اور مغصوب کو ثواب دے دیا۔

شیخ صدوق نے اس کا ایک اور جواب دیا ہے۔ جسے اس نے بسند ابراہیم کرخی روایت کیا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ حضرت امیر نے اپنی خلافت میں فدک کس واسطے نہ لیا۔ امام نے جواب دیا کہ اس میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کا اقتدا کیا۔ کہ فتح مکہ کے وقت جبکہ عقیل بن ابی طالب نے آپ کا گھر بیچ دیا تھا۔ آپ سے عرض کی گئی کہ یارسول اللہ آپ اپنے گھر میں نزول کیوں نہیں فرماتے۔ آپ نے جواب دیا کہ کیا عقیل نے ہمارے واسطے کوئی گھر چھوڑا ہے۔ ہم اہل بیت اشیائے مغصوبہ کو واپس نہیں لیتے۔ اسی واسطے حضرت امیرؑ نے اپنی خلافت میں فدک واپس نہ لیا۔

شیخ صدوق نے اس کا تیسرا جواب یوں دیا ہے۔ کہ علی بن فضال نے امام ابو الحسنؑ سے دریافت کیا۔ کہ حضرت امیرالمومنین نے اپنی خلافت میں فدک کس واسطے واپس نہ لیا۔ حضرت امام نے فرمایا۔ کہ ہم اہل بیت کے حقوق ظالموں سے بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں لیتا۔ ہم مومنوں کے اولیاء ہیں۔ ہم ان کے لئے حکم کرتے ہیں۔ اور ان کے ظالموں سے ان کے حقوق لیتے ہیں۔ مگر اپنے حقوق نہیں لیتے۔ (انتہیٰ)

سید نعمت اللہ نے جو یہ بتایا کہ حضرت امیرؑ اپنے عہد خلافت میں بھی اقامت احکام پر قادر نہ تھے۔ اور فتنہ و فساد کے خوف سے ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ ہم اس کے جواب میں گزارش کرتے ہیں۔ کہ ایسی حالت میں تو حضرت امیر لائق امامت ہی نہ تھے۔ کیونکہ الجبان لا یستحق الامۃ (بزدل امامت کا مستحق نہیں) مسلمات شیعہ سے ہے۔ ان کو چاہیے تھا کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۝ (نساء ع ۱۴)

ترجمہ: "تحقیق جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنا برا کر رہے ہیں.......کہتے ہیں۔ فرشتے (ان سے) تم کس حال میں تھے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم کمزور تھے۔ اس ملک میں۔ فرشتے کہتے ہیں۔ کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں وطن چھوڑ جاتے ہو۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے۔ دوزخ اور بری جگہ پھر جانے کی ہے۔ (انتہی)

صاحب تفسیر صافی اس آیت کے تحت میں یوں لکھتا ہے:

اقول وفی الایۃ دلالۃ علی وجوب الھجرۃ من موضع لا یتمکن الرجل فیہ من اقامۃ دینہ۔

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں دلالت ہے۔ ہجرت کے واجب ہونے پر ایسی جگہ پر سے جہاں انسان اپنے دین کی اقامت پر قادر نہ ہو۔ (انتہی)

یہ مسلم ہے کہ حضرت امیر نے ہجرت نہیں فرمائی۔ پس ثابت ہوا کہ آپ رد فدک پر قادر تھے۔ لہٰذا اعتراض قائم رہا۔ باقی رہے امام جعفر صادق کے تین جواب پہلے جواب میں یوں کلام ہے۔ کہ عذاب و ثواب آخروی تو قیامت کے دن ہو گا۔ اس سے حضرت امیر پر سے یہ اعتراض نہیں اٹھ سکتا کہ انہوں نے اپنی خلافت میں باوجود قدرت کے اولاد فاطمہؑ پر کس واسطے رد فدک نہ کیا حالانکہ رد مظالم ان پر فرض تھا۔ حضرت امام کے دوسرے جواب میں بدیں طور کلام ہے۔ کہ امام محمد باقر نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے فدک واپس لیا۔ اور ان کے قبضہ میں رہا۔ پھر خلفائے عباسیہ میں سے جو اہل بیت کے حق کا لحاظ کرتے تھے وہ اولاد فاطمہؑ پر رد کرتے رہے۔ چنانچہ ماموں نے اپنے عامل قثم بن جعفر کو لکھا۔ کہ فدک اولاد فاطمہ کو دے دو۔ اس وقت امام علی رضا نے لیا۔ پھر متوکل اس پر متصرف ہو گیا۔ بعد ازاں معتضد نے رد کیا۔

مکتفی نے پھر لے لیا۔ اور مقتدر نے رد کیا۔ (دیکھو مجالس المومنین۔ حال فدک)

علاوہ ازیں حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے خلافت مغصوبہ کو قبول کیا۔ اور حضرت امام حسین اسی خلافت مغصوبہ کے لئے یزید سے برسرپیکار ہوئے۔ جس کا خاتمہ ان کی شہادت پر ہوا۔ پس اگر اہل بیت شئے مغصوب کو نہیں لیتے۔ تو ان حضرات نے کس واسطے فدک واپس لے لیا۔ اس کا جواب سید محمد مجتہد یوں دیتا ہے۔ کہ اہل بیت خود بخود شے مغصوب کو طلب نہیں کرتے اگر بن مانگے کوئی رد کرے۔ تو اسے قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ مجتہد موصوف روایت ابراہیم کرخی کو نقل کر کے لکھتا ہے۔ واین حدیث صریح است درایں کہ اہل بیت از خود خواہش استرجاع شئے مغصوب نمے نمایند (طعن الرماح۔ صفحہ ۱۴۷)

جائے غور ہے کہ روایت کے الفاظ یہ ہیں انا اھل بیت لا نسترجع شیئًا یوخذمنا ظلمًا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم اہل بیت شئے مغصوب کو واپس نہیں لیتے۔ مجتہد صاحب نے از خود خواہش کی قید اپنی طرف سے بڑھا دی ہے۔ بفرض محال اگر اسے تسلیم کر لیا جائے۔ تو بھی وہ جواب خلل سے خالی نہیں۔ کیونکہ حسب بیان شیعہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت چھین لی۔ تو حضرت امیر اسی خلافت مغصوبہ کے لئے حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کر کے تین رات مہاجرین و انصار میں سے ہر ایک کے گھر مدد مانگتے پھرے۔ جب مدد نہ ملی۔ تو مجبوراً خانہ نشین ہو گئے۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔

اسی طرح بحار الانوار میں کتاب الاختصاص سے بسند عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔

جس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا۔ تو حضرت سیدہ نے دربار ابوبکر میں ہبہ فدک کا دعویٰ کیا۔ جب اس میں کامیاب نہ ہوئیں۔ تو حضرت علی کے پاس آئیں۔ حضرت امیر نے ان کو سمجھا دیا کہ دعویٰ ارث کیجئے۔ اور نظیر میں حضرت سلیمان و حضرت زکریا کا قصہ پیش کیجئے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ مگر کچھ نہ بنا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ حضرت سیدہ کو گدھے پر سوار کر کے اور حضرات حسنین کو ساتھ لے کر چالیس دن مہاجرین و انصار کے گھر پھرے مگر کسی نے مدد نہ کی۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ثم خرجت وحملها علیؑ علی اتان علیه کساءله خمل فدار بها اربعین صباحا فی بیوت المهاجرین والانصار والحسن والحسین معها وهی

تقول یا معشر المهاجرین والانصار انصروا اللّٰه وابنة نبیکم وقد بایعتم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه یوم بایعتموه ان تمنعوه وذریته مما تمنعون منه انفسکم وذراریکم ففر الرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله ببیعتکم قال فما اعان احدولا اجابها ولا نصرها (ایات بینات۔ بحث فدک۔ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) مجالس الانوار

ترجمہ: " اردو بحار الانوار۔ جلد دہم۔ صفحہ ۲۶۲ میں بحوالہ کتاب سلیم بن قیس مذکور ہے۔ کہ ابن عباس نے روایت کی ہے۔ کہ جب حضرت فاطمہ علیہا السلام کو خبر پہنچی کہ ابوبکر نے فدک کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ تو وہ معصومہ مع ایک جماعت کے زنان بنی ہاشم سے ابوبکر کے پاس آئیں۔ اور فرمایا کہ تو چاہتا ہے۔ کہ مجھ سے وہ زمین کہ مجھے رسول خدا ﷺ نے حق تعالیٰ کے حکم سے دی ہے لے لے۔ ابوبکر نے لوگوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے دوات مانگی کہ نامہ ان معصومہ کے واسطے لکھے اور فدک کو رد کرے۔ عمر نے آکر کہا کہ جب تک گواہ نہ لاویں تم نامہ نہ لکھنا۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا۔ کہ امیر المومنین علیہ السلام اور ام ایمن گواہ ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ام ایمن زن عجمیہ ہے۔ اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اور علی کی گواہی اعتبار نہیں رکھتی بسبب منفعت کے اپنے اور اپنے عیال کے لئے۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام غضبناک واپس آئیں۔ الخ (انتہیٰ)

حضرت امام جعفر صادق کے تیسرے جواب میں بھی کلام ہے۔ کیونکہ اگر اہل بیت کا یہی طریقہ ہوتا کہ اپنے حقوق مغصوبہ کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا کرتے۔ تو پھر حضرت امیر و حضرت زہرا کس لئے مہاجرین و انصار کے گھر مدد مانگتے پھرتے۔

شیعہ کا شہید ثالث مجالس المومنین میں لکھتا ہے کہ اعتراض زیر بحث کا جواب کتب شیعہ میں کئی وجہ سے دیا گیا ہے۔ از انجملہ پہلی وجہ تو وہی بیان کی ہے۔ جو وجوہ امام جعفر صادق میں دوسری ہے۔ باقی تین وجہیں بدیں الفاظ مذکور ہیں۔

دیگر آنکہ ایشان کارہ بودند کہ فاطمہ علیہا السلام بغصبہ چیزے پیش خدا و رسول رود و اولاد او بداں چیز مسرور گردند۔ پس ایشاں نیز اقتدا بحضرت فاطمہ کردند۔ دیگر برائے رفع تہمت تابر عالمیان واضح شود کہ گواہی امیر المومنین علیہ السلام علی برائے جر نفع نبود چنانکہ ابوبکر بر او افترا کرد۔ دیگر آنکہ چوں حضرت امیرؑ در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم چنین سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند ایشاں را برحق مے دانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ ولالت برفساد خلافت ایشاں داشتہ باشد۔ بنا بر آنکہ مخالفت قول و فعل ایشاں دلیل است برآں کہ ایشاں ظالم بودہ اندو لیاقت خلافت حضرت پیغمبر نداشتہ و چگونہ قدرت برآں

داشتہ باشد و حالانکہ کہ اکثر اہل ایں زمان اعتقاد و آں بود کہ امامت حضرت امیرؑ بنی بر امامت ایشاں است۔ و فساد امامت ایشاں را دلیل فساد امامت اوے دانستند۔ انتہے۔

ان وجوہ ثلاثہ میں سے پہلی وجہ کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے فدک سے انتفاع نہ کیا۔ حضرت امیر نے بھی حضرت سیدہ کا اقتدا کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس جواب میں بھی خلل ہے۔ کیونکہ بعض ائمہ نے فدک کو لیا۔ اور اس سے منتفع ہوئے۔ انہوں نے حضرت فاطمہؑ کا اقتدا کیوں نہ کیا۔ نیز یہ اقتدا فرض تھا یا نفل۔ اگر فرض تھا تو دوسرے ائمہ نے کیوں ترک فرض کیا۔ اور اگر نفل تھا۔ تو حضرت امیر نے نفل کے لئے فرض کو جو حقدار کو حق پہنچانا تھا کس واسطے ترک کیا۔ علاوہ ازیں اقتدا افعال اختیاریہ میں ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ تو سراسر مجبور تھیں۔ ان کا اقتدا بے معنی ہے۔ نیز اگر حضرت امیر اقتدا کرتے۔ تو خود منتفع نہ ہوتے۔ آپ نے حضرات حسنین اور ان کی بہنوں کو کس لئے محروم الارث کر دیا۔ دوسری وجہ کا ماحصل یہ ہے۔ کہ حضرت امیر نے رفع تہمت کے لئے فدک نہ لیا۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ ہبہ فدک کے دعوئی میں آپ کی شہادت اپنے ذاتی نفع کے لئے نہ تھی۔ بلکہ محض حسبۃ للّٰہ تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس وجہ میں بھی کلام ہے۔ اولاً جن کو حضرت امیر کی نسبت گمان فاسد ہو سکتا تھا۔ وہ وہی لوگ ہونگے جنہوں نے آپ کی شہادت کو رد کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت سے پیشتر دنیا سے رحلت فرما چکے تھے۔ ثانیاً۔ چونکہ حضرت امیر کی بعض اولاد نے فدک لے لیا۔ اس سے نواصب و خوارج کو توہم ہوا ہو گا۔ کہ حضرت امیر کی شہادت اپنی اولاد کے نفع کے لئے تھی۔ اس لئے چاہیے تھا۔ کہ حضرت امیر اپنی اولاد کو بھی وصیت کر جاتے کہ فدک کو ہرگز نہ لینا۔ تاکہ میری شہادت میں خلل نہ آئے۔ اور نیز اولاد امیر کے لئے دو اقتداء اخذ فدک کے مانع ہوتے۔ ایک اقتدائے حضرت زہرا دوسرے اقتدائے حضرت امیرؑ۔

تیسری وجہ کا ماحصل یہ ہے۔ کہ حضرت امیرؑ کی خلافت برائے نام تھی۔ وہ مخالفین کے ڈر سے اقامت احکام اور رد مظالم پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر یہی حال تھا۔ تو حضرت امیرؑ واجب تھا۔ کہ وطن کو خیرباد کہتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ شیعہ کے پاس اعتراض زیر بحث کا کوئی معقول جواب نہیں۔ یہ اعتراض لاجواب ہے۔

قال السید امداد امام

بقیہ حشر فدک کا اس طور پر ہوتا رہا۔ کہ فدک کو عمر بن عبدالعزیز نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو تفویض کیا۔ جاننا چاہیے۔ کہ خلفائے بنی امیہ میں یہی ایک ایسا خلیفہ گزرا ہے۔ جس کی طرف انسانیت کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ بقیہ خلفا تمام تر قہر الٰہی کا نمونہ تھے۔ یا ایسے تھے کہ ان کو انسانیت چھو بھی نہیں گئی تھی۔ اس خلیفہ ثانی نے جب فدک کو امام ممدوح کے حوالہ کر دیا۔

تو لوگوں نے اس سے کہا۔ **طعنت علی الشیخین** یعنی شیخین پر تو نے طعنہ کا کام کیا۔ (دیکھو روایت ابو المقدام داخل شرح ابن ابی الحدید۔ صفحہ ۳۰۶)

خلیفہ نے ان کے جواب میں یہ کہا۔ **هما طعنا علی انفسهما**۔ یعنی شیخین نے فدک کو لے کر اپنے اوپر طعن کا دروازہ کھولا۔

جاننا چاہیے۔ کہ عمر بن عبدالعزیز آخر کے خلفائے بنی امیہ سے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ سلسلہ خلفائے بنی امیہ میں یہ ایک نہایت انصاف پسند خلیفہ تھے۔ اس انصاف پسندی کی بدولت انہیں رد فدک کرنا پڑی۔ مصباح الظلم۔ صفحہ۔ ۲

اقول

جس روایت کا حوالہ مصنف نے شرح ابن ابی الحدید سے دیا ہے۔ اس کی صحت میں کلام ہے۔ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ بوجوہ ذیل۔

اولاً اس کا ناقل ابن ابی الحدید معتزلی شیعی ہے۔

ثانیاً اس کا راوی ابو المقدام مجروح ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

هشام بن زیاد ابوه المقدام البصری۔ ضعفه احمد وغیره۔ قال النسائی متروک وقال ابن حبان یروی الموضوعات عن الثقات وقال ابوداؤد کان غیر ثقة وقال البخاری یتکلمون فیه۔

ترجمہ: "ہشام بن زیاد ابو المقدام بصری کو احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ نسائی نے کہا۔ کہ متروک الحدیث ہے۔ ابن حبان کا قول ہے۔ کہ وہ موضوع حدیثیں ثقات کے نام سے روایت کرتا ہے۔ اور ابوداؤد کا قول ہے۔ کہ ثقہ نہیں۔ اور امام بخاری کا قول ہے۔ کہ لوگ اس کی نسبت کلام کرتے ہیں۔ (انتہی)

تہذیب التہذیب میں ہے:

هشام بن زياد بن ابى يزيد القرشى ابو المقدام بن ابى هشام المدنى مولى عثمان قال عبدالله بن احمد وابوزرعة ضعيف الحديث وقال الدورى عن ابن معين ليس بثقة وقال فى موضع اخر ضعيف ليس بشئ وقال البخارى يتكلمون فيه وقال ابوداؤد غير ثقة وقال الترمذى يضعف وقال النسائى وعلى بن الجنيد الازدى متروك الحديث وقال ابو حاتم ضعيف الحديث ليس بالقوى وقال ابن حبان يروى الموضوعات عن الثقات لا يجوز احتجاج به وقال الدار قطنى ضعيف وترک ابن المبارک حديثه وقال ابن سعد كان ضعيفًا فى الحديث وقال ابوبكر بن خزيمة لا يحتج بحديثه وقال العجلى ضعيف وقال يعقوب بن سفيان ضعيف لا يفرح بحديثه۔

تقریب التہذیب میں ابو المقدام کو صرف متروک لکھا ہے۔ اب غور کیجئے کہ جس روای کو اس کثرت سے ائمہ حدیث ضعیف و متروک بلکہ حدیثیں گھڑ کر ثقات کی طرف منسوب کرنے والا بتائیں ہم اس کی روایت کو جو کتب شیعہ میں ہو کیا وقعت دے سکتے ہیں۔

ثالثًا اس روایت کی تردید ہماری معتبر روائتوں سے ہوتی ہے۔ جن میں مذکور ہے۔ کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے رد فدک کیا۔ اس وجہ پر کہ رسول اللہ ﷺ اور شیخین کے زمانے میں تھا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔

دشنام و تبرا تو شیعہ کا مذہب ہے۔ جب خدا و رسول اور شیخین ان کی زبان سے نہ بچے۔ تو خلفائے بنی امیہ جن میں حضرت عثمان ذوالنورین بھی شامل ہیں۔ کس طرح بچ سکتے ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز جن کی انصاف پسندی کی مصنف تعریف کر رہا ہے۔ ان کے ساتھ جو شیعہ نے انصاف کیا ہے۔ اسے شیعہ کے فخر المحققین و سند المدققین حاجی میرزا ابو الفضل کی زبانی سنئے:

جو اپنی کتاب شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور۔ (مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۰ھ صفحہ ۱۶۹) میں بنو امیہ کے سب و شتم کے بعد یوں لکھتا ہے۔

ودرایں مقام کلامے است کہ شائستہ بلکہ لازم تعرض اوست و اجمال او ایں است کہ از پارۂ اخبار و آثار فی الجملہ مدحے از عمر بن عبدالعزیز ظاہر مے شود مثل اینکہ بعد از قیام بامر خلافت سب امیر

المومنین کہ در ایام خلافت بنی امیہ رائج بود ترک کرد وفدک را رد کرد واز آں مرداں بعد از آنکہ عثمان بیتوں مروان کردہ بود باز گرفت و احسان باہل بیت مے کرد و متعرض ظلم ایشاں نمے شد و از فاطمہ دختر سید الشہداءؑ نقل شدہ کہ اگر عمر بن عبدالعزیز زندہ بود ما محتاج نمے شدیم و در کتب عامہ از باقر علوم النبیین علیہم السلام نقل شدہ کہ ہر قومے رانجیب است و عمر عبدالعزیز نجیب بنی امیہ است واز مشہورات است کہ الناقص والاشج اعدلا بنی مروان۔ وناقص یزید بن الولید بود کہ عطایائے پدر خود راکم کرد واشج عمر است بجہت شجہ و شگافے کہ در سراد بود۔ و در کتاب قرب الاسناد سند بصادق آل محمد علیہم السلام مے رساند کہ از حضرت باقر علیہ السلام روایت کردہ کہ چوں عمر بنعبد العزیز ولایت یافت عطایائے عظیم بما عطا کرد۔ پس برادر وے بوے در آمد و گفت ہمانا بنی امیہ رضاند ہند از توکہ بنی فاطمہ را برایشاں تفضیل دہی۔ عمر گفت تفضیل مے دہم چہ من چنداں شنیدہ ام کہ مبالات ندارم کہ من بعد نشونم ایں کہ رسول خدا فرمود۔ فاطمہ قطعہ از من است۔ مسرور مے کند مرا آنچہ اورا مسرور کرد و بد حال مے کند مرا آنچہ اور ابد حال کرد ومن متابعت مسرت رسول خدا مے کنم و مسانت اور ابرے اندازم وازیں گونہ اخبار تتبع مے یابد۔

وازیں جہت است کہ بعض اکابر کہ فاضل متبحر میرزا عبداللہ افندی صاحب ریاض العلماء در کتاب مذکور تعیین کردہ و کلام وے راحکایت مے کند واین بندہ نہ خواستم درین کتاب اسم شریف اوراد ریں مقام دعویٰ باطل ببرم در لعن خصوص او توقف کردہ وایں وجہے ندارد بلکہ لعن او از اوضح واضحات وا وجب واجبات است چہ معصیتے بالا تراز غصب خلافت وادعائے امامت کہ اوکرد و درحال زندگی و مردگی تحمل ایں وزر عظیم رانمود نیست وضررے بر امت بیش از منع ائمہ حق از امر و نہی نیست۔ واگر احسانے کرد بجہت مصالحہ وملک داری بود والحق اہل سنت مدح خوابی از اوکردند کہ مے گویند عمر ثانی بود و ماہم ہمیں نحو اور راوصف مے کنیم وہمیں اعتقاد را در حق اوداریم۔ واو عدل تقدیری را از عمر بارث بردہ چہ مادر او دختر عاصم بن عمر بن الخطاب بودہ بلے سیرت ظاہریہ اواز سائر بنی امیہ امتیازے تمام داشت و کلام حضرت باقرؑ اگر نسبت صحیح باشد محمول بریں۔ معنی است چہ فرمود عمر نجیب بنی امیہ است یعنی بالا ضافتہ باین طائفہ نجابتے دارد اگرچہ فی نفسہ نجیب ترین خلق خدا است۔ (انتہی) بقدر حاجت

ترجمہ: ”اور اس مقام میں ایک کلام ہے۔ جس کا ذکر مناسب بلکہ لازم ہے۔ اس کی مجمل کیفیت یہ ہے۔ کہ چند اخبار و آثار سے عمر بن عبدالعزیز کی مدح فی الجملہ ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً

اس نے خلیفہ بن کر حضرت امیر پر سب و شتم جو بنو امیہ کے عہد خلافت میں رائج تھا ترک کر دیا۔ اور فدک کو رد کر دیا۔ اور بعد آز آنکہ عثمان نے اس کو مروان کی جاگیر کر دیا تھا۔ آل مروان سے واپس لے لیا۔ وہ اہل بیت کے ساتھ احسان کرتا تھا۔ اور ان پر ظلم نہ کرتا تھا۔ فاطمہ دختر سید الشہداء سے منقول ہے۔ کہ اگر عمر بن العزیز زندہ ہوتا۔ تو ہم محتاج نہ ہوتے۔ اور اہل سنت کی کتابوں میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ ہر قوم کا ایک نجیب ہوتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ کا نجیب ہے۔ اور مشہورات سے ہے۔ کہ ناقص واشج بنی مروان میں سب سے عادل تھے۔ ناقص یزید بن ولید تھا۔ جس نے اپنے باپ کے عطایا کم کر دے۔ اور اشج عمر ہے۔ اس لئے کہ اس کے سر میں شجہ و شگاف تھا۔

قرب الاسناد میں بسند امام جعفر صادق علیہ السلام مذکور ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام روایت کرتے ہیں۔ کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوا۔ تو اس نے ہمیں بڑے عطایا عطا کئے۔ پس اس کے بھائی نے اس کے پاس آکر کہا۔ بے شک بنی امیہ تجھ سے راضی نہیں کہ تو بنی فاطمہ کو ان پر فضیلت دیتا ہے۔ عمر نے کہا۔ میں فضیلت دیتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اس حدیث کو اس کثرت سے سنا ہے۔ کہ اگر میں اس کے بعد نہ سنوں۔ تو پروا نہیں۔ کہ رسول خدا نے فرمایا۔ کہ فاطمہ میرا جگر پارہ ہے۔ مجھے خوش کرتی ہے۔ وہ بات جو اسے خوش کرتی ہے۔ اور غمگین کرتی ہے۔ وہ بات جو اسے غمگین کرتی ہے۔ میں رسول خدا کی خوشی کی متابعت کرتا ہوں۔ اور آپ کی غمی کو چھوڑتا ہو۔ اسی طرح کی خبریں تلاش سے ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض اکابر نے جس کا نام فاضل تبحر میرزا عبداللہ افندی نے اپنی کتاب ریاض العلماء میں بتایا ہے۔ اور اس کا کلام نقل کیا ہے۔ اور جس کا اسم شریف بندہ اس کتاب میں اس دعویٰ باطل کے مقام میں لینا نہیں چاہتا۔ عمر بن عبدالعزیز کے لعن میں توقف کیا ہے۔ حالانکہ اس توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ اس پر لعن و تبرا کرنا اوضح و اضحات اور اوجب واجبات سے ہے۔ کیونکہ اس نے جو غصب خلافت اور ادعائے امامت کیا اور حیات و ممات میں اس گناہ عظیم کو اپنی گردن پر لیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ اور ائمہ حق کو امر و نہی سے روکنے سے زیادہ کوئی ضرر امت پر نہیں۔ اگر اس نے کوئی احسان کیا تو وہ مداہنت و ملک داری کی جہت سے کیا۔ حقیقت میں اہل سنت نے اس کی خوب مدح کی ہے۔ کہ اسے عمر ثانی بتاتے ہیں۔ ہم بھی اسی وصف کے ساتھ اسے یاد کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس نے عدل

تقدیری کو عمر سے میراث میں پایا۔ کیونکہ اس کی ماں عاصم بن عمر بن الخطاب کی بیٹی تھی۔ ہاں اس کی ظاہری سیرت تمام بنی امیہ سے ممتاز تھی۔ اور حضرت امام باقر کا کلام بتقدیر صحت نسبت اسی معنے پر محمول ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ عمر بنی امیہ کا نجیب ہے۔ یعنی بہ نسبت طائفہ بنی امیہ کے اس میں کچھ نجابت ہے۔ اگرچہ فی نفسہ وہ خلق خدا میں سب سے ناجیز ہے۔ (انتھی)

ناظرین! یہ ہے خلیفہ عمر بن العزیز کی انصاف پسندی کا صلہ جو شیعہ نے دیا ہے۔

فدک کے متعلق کافی لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس بحث کو صحیح مسلم کی ایک حدیث پر ختم کیا جاتا ہے۔ جس سے شیعہ غلط نتائج اخذ کرتے ہیں۔

قال السید علی الحائری

اسی مسلم میں ہے۔ کہ حضرت عمر نے عباس اور علی کے دعویٰ طلب میراث کے جواب میں کہا ہے۔

لما توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ابوبکر انا ولی رسول اللّٰہ فجئتہ تطلب میراثک من ابن اخیک ویطلب ھٰذا میراث امرأتہ من ابیھا فقال ابوبکر قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مانورث ماترکناہ صدقۃ فرأیتماہ کاذبًا غادراً خائنًا اٰثمًا واللّٰہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع الحق ثم توفی ابوبکر فکنت انا ولی رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولی ابی بکر فرأیتمانی کاذبًا اٰثمًا غادرًا واللّٰہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق۔ مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ سطر ۲ مطبوعہ نولکشور۔

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ تو ابوبکر نے کہا۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں۔ پس تم دونوں میرے پاس آئے۔ اے عباس تم تو اپنی میراث بھتیجے کے مال سے طلب کرنے لگے۔ اور یہ (علی) اپنی زوجہ کا حق میراث پدری سے طلب کرنے لگے۔ پس ابوبکر نے کہا۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ ہمارا ترکہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ پس تم دونوں نے ابوبکر کو کاذب غادر خائن اور آثم سمجھ لیا۔ ان کی وفات کے بعد میں پیغمبر اور ابوبکر کا ولی قرار پایا۔ پس تم دونوں نے مجھے بھی کاذب آثم غادر اور خائن سمجھ لیا۔

اب حضرت عمر کے اس مذکورہ قول سے یہ ثابت ہوا۔ کہ عباس اور جناب امیر علیہ السلام عمر و ابوبکر کو

خائن آثم غادر اور کاذب سمجھتے ہیں۔ پھر اہل سنت ایسی حالت میں کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ کہ علی علیہ السلام اور خلفائے ثلاثہ میں باہم کمال اتفاق' اتحاد اور محبت تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو باعتراف عمر علی علیہ السلام ان کو ایسا نہ سمجھتے۔ فاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین۔ موعظہ حسنہ۔ صفحہ ۲۸۔

اقول۔

جواب سے پہلے ہم اس حدیث کو مع ترجمہ بتمامہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

حدثنی عبداللّٰه بن محمد بن اسماء الضبعی حدثنا جویریة عن مالک عن الزهری ان مالک بن اوس حدثه قال ارسل الی عمر بن الخطاب فجئته حین تعلم النهار قال فوجدته فی بیته جالسًا علی سریر مغضیًا الٰی رماله متکئا علی وسادة من ادم فقال لی یا مال انه قددنا اهل ابیات من قومک وقد امرت فیهم برضخ فخذ' فاقسمه بینهم قال قلت لو امرت بهذا غیری قال خذه یا مال قال فجاء یرفا فقال هذا لک یا امیر المومنین فی عثمان وعبدالرحمٰن بن عوف والزبیر وسعد فقال عمر نعم فأذن لهم فدخلوا ثم جاء فقال هل لک فی عباس وعلی قال نعم فاذن لهما قال عباس یا امیر المؤمنین اقض بینی و بین هٰذا الکاذب الاثم الغادر الخائن قال فقال القوم اجل یا امیر المومنین فاقض بینهم وارحم فقال مالک بن اوس خیئنذ اظن من انهم قد کانوا قدغوهم لذلک فقال عمراتئدا انشدکم باللّٰه الذی باذنه تقوم السماء والارض أتعلمون ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لا نورث ماترکنا صدقة قالوا انعم ثم اقبل علی العباس وعلی فقال انشد کما باللّٰه الذی باذنه تقوم السماء والارض أتعلمان ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقة قالو انعم فقال عمر ان اللّٰه جل و عزکان خص رسوله صلی اللّٰه علیه وسلم بخاصة لم یخصص بها احدا غیره قال ما افاه اللّٰه علی رسوله من اهل القریٰ فللّٰه وللرسول وما ادری هل قرأ الایة التی قبلها ام لا قال فقسم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بینکم اموال بنی النضیر فو اللّٰه ما استأثر علیکم ولا اخذها دونکم حتی یقی هٰذا المال فکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یاخذ منه نفقته سنة ثم یجعل ما بقی اسوة المال ثم

قال انشدکم باللّٰہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض أتعلمون ذٰلک قالوا نعم ثم نشد عباسا وعلیا بمثل ما نشدبہ القوم أتعلمان ذٰلک وقالا نعم۔ فلما توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ابوبکر انا ولی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فجئتما تطلب میراثہ من ابن اخیہ ویطلب ھذا میراث امرأتہ من ابیھا فقال ابوبکر قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا نورث ماترکنا صدقۃ فرأیتماہ اٰثمًا غادراً خائنا واللّٰہ یعلم صادق بارو اشد تابع للحق ثم توفی ابوبکر وانا ولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وولی ابی بکر فرایتمانی کاذبًا اٰثمًا غادرًا خائنًا واللّٰہ یعلی یعلم انی صادق ' بارٌّ اشد تابع للحق فولیتھا ثم جئتنی انت وھٰذا وانتما جمیع وامرکما واحد فقلتما ادفعھا الینا فقلت ان شئتم دفعتھا الیکما ان علیکما لعھد اللّٰہ ان تعملا فیھا بالذی کان یعمل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاخذتماھا بذلک قال أکذلک قالا نعم قال ثم جئتما نی اقضی بینکما ولا واللّٰہ لا اقضی بینکما بغیر ذلک حتی تقوم الساعۃ فان عجزتما عنھا فردھا۔ الیَّ۔

ترجمہ: ”حدیث کی مجھ سے عبداللہ بن محمد بن اسماء ضبعی نے کہ حدیث کی ہم سے مالک نے زہری سے کہ مالک بن اوس نے اس سے بیان کیا۔ کہ عمر بن خطاب نے مجھے بلا بھیجا۔ پس میں ان کے پاس آیا جب کہ دن بہت چڑھ گیا تھا۔ میں نے آپ کو اپنے گھر میں درخت خرما کے پتوں سے بنے ہوئے تخت پر بیٹھے ہوئے اور چمڑے کے تکیہ پر سہارا لئے ہوئے پایا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اے مالک تیری قوم کے کئی گھروں والے دوڑے آئے ہیں۔ میں نے ان کے لئے عطیہ قلیل کا حکم دیا۔ آپ مجھ سے لے کر ان میں تقسیم کر دیں۔ میں نے عرض کی کہ اگر آپ میرے سوا کسی اور سے فرما دیں (تو بہتر ہے) آپ نے فرمایا کہ اے مالک تو ہی اسے لے اتنے میں (حضرت عمر کا حاجب) یرفا آیا۔ اور کہنے لگا اے امیرالمومنین! کیا آپ عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر اور سعد کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں پس آپ نے ان کو اجازت دی اور وہ داخل ہو گئے۔ پھر یرفا آیا اور کہنے لگا۔ کیا آپ عباس و علی کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں پس آپ نے دونوں کو اجازت دے دی۔ عباس نے کہا۔ اے امیر المومنین درمیان

میرے اور درمیان اس کاذب (دروغ گو) آثم (گنہگار) غادر (بے وفا) فائن (خیانت کنندہ) کے فیصلہ کر دیجئے۔ اس پر اس گروہ حاضرین نے کہا۔ ہاں اے امیرالمومنین ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ اور ان کو راحت پہنچایئے۔ مالک بن اوس کا قول ہے۔ کہ مجھے خیال ہوتا تھا۔ کہ علی و عباس نے ان کو اسی غرض سے اپنے آگے بھیجا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ٹھہرو میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ "ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔" وہ بولے کہ ہاں۔ پھر عمر نے عباس و علی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کہ میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں۔ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ "ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔" وہ بولے کہ ہاں۔ پھر عمر نے عباس و علی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کہ میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں۔ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ "ہم میراث نہیں چھوڑتے۔" جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ۔" دونوں بولے کہ ہاں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ایک خاصہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ کہ جس کے ساتھ آپ کے سوا کسی اور کو مخصوص نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **مآ افآء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللّٰہ وللرسول**۔ (قول راوی) مجھے معلوم نہیں۔ کہ عمر نے اس سے پہلی آیت پڑھی یا نہیں۔ فرمایا (عمر رضی اللہ عنہ نے) کہ رسول اللہ ﷺ نے اموال بنی نضیر تمہارے درمیان بانٹ دیئے۔ اللہ کی قسم آپ نے اپنے لئے تمہاری نسبت زیادہ نہیں لیا۔ اور نہ تم کو چھوڑ کر وہ آپ لئے یہاں تک کہ یہ مال باقی رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے اپنا ایک سال کا نفقہ لیا کہ پھر جو باقی رہتا اسے ایسے مصارف میں خرچ کرنا چاہیے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں۔ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ کیا تمہیں یہ معلوم ہے۔ وہ بولے کہ ہاں۔ پھر اس گروہ کی طرح عباس و علی رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر پوچھا۔ کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے۔ دونوں بولے کہ ہاں۔ عمرؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ تو ابوبکر نے فرمایا۔ کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ولی ہوں۔ پس تم دونوں آئے۔ تو (اے عباس) اپنی میراث اپنے بھتیجے کہ ترکہ سے طلب کرتا تھا۔ اور یہ (علی) اپنی زوجہ کی میراث

ترکہ پدری طلب کرتا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ "ہم میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔" پس دونوں نے ان (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو کاذب، آثم، غادر، خائن سمجھا۔ اور خدا جانتا ہے کہ وہ بے شک صادق نیکو کار اور براہ راست اور تابع حق تھے۔ پھر ابوبکر نے وفات پائی۔ اور میں رسول اللہ ﷺ کا ولی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ولی ہوں۔ پس تم دونوں مجھ کو کاذب آثم غادر خائن سمجھا۔ اور خدا جانتا ہے۔ کہ میں بے شک صادق نیکو کار اور براہ راست اور تابع حق ہوں۔ پس میں ان اموال پر متصرف ہو گیا۔ پھر تو اور یہ میرے پاس آئے۔ حالانکہ تم دونوں متفق تھے۔ اور دونوں کا معاملہ واحد تھا۔ پس تم نے کہا کہ یہ اموال ہمارے سپرد کر دیجئے میں نے کہا کہ اگر تم چاہو۔ تو میں یہ مال اس شرط پر تمہارے سپرد کر دیتا ہوں۔ کہ تم پر اللہ کا عہد ہے کہ تم ان میں وہی عمل کرو گے جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ پس تم دونوں نے یہ مال اس شرط پر لے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کہ کیا یہ سچ ہے۔ دونوں بولے کہ ہاں۔ فرمایا کہ پھر تم دونوں میرے پاس آئے تاکہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں۔ خدا کی قسم میں تم دونوں کے درمیان فیصلہ سابقہ کے سوا اور فیصلہ ہرگز نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے۔ اگر تم اس سے عاجز ہو۔ تو وہ مال مجھے واپس کر دو۔ (انتہیٰ)

اس حدیث کی تشریح میں اصول ذیل قابل غور ہیں۔

اول حضرت علی و عباس نے دربار ابوبکر صدیق میں میراث کا دعویٰ کیا۔ مگر جب حضرت صدیق اکبر نے حدیث لانورث کی طرف توجہ دلائی۔ تو ہر دو نے اپنے دعویٰ سے رجوع کیا۔ اور حضرت صدیق اکبر کا برسر حق ہونا تسلیم کر لیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں ہر دو سے سوال کیا۔ کہ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ تو دونوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ علاوہ ازیں حضرت مولیٰ مرتضیٰ نے اپنے عہد خلافت میں رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں کچھ تغیر و تبدل نہیں کیا۔ جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ آپ نے حضرت صدیق اکبر کا برسر حق ہونا تسلیم کر لیا تھا۔

دوم اموال فیئے پر رسول اللہ ﷺ کا قبضہ متولیانہ تھا نہ کہ مالکانہ۔ آپ ان میں سے اپنا ایک سال کا نفقہ علیحدہ کر لیتے۔ اور باقی کو مصالح مسلمین میں صرف فرماتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد

آپ کے جانشینوں نے بھی آپ ہی کا اتباع کیا۔

سوم حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہ اموال بنی نضیر کے لئے دو دفعہ حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب پہلی دفعہ تشریف لائے۔ تو ان میں کوئی باہمی نزاع و اختلاف نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ وانتما جمیع وامر کما واحد سے عیاں ہے۔ بلکہ متفقہ طور پر ان اموال کے لئے خلیفہ وقت سے ان کی درخواست تھی۔ یہ مسلم ہے کہ ان کو حدیث لانورث کی صحت کا علم تھا۔ وہ ان اموال کو از قبیل وقف قرار دیتے تھے۔ اس لئے بطور تملیک تو نہ مانگ سکتے تھے۔ مگر بظاہر وہ یہ سمجھتے تھے کہ واقف کے ورثہ موقوف کی تولیت و تصرف کے لئے اوروں سے زیادہ سزاوار ہیں۔ اس لئے ان کی درخواست یہ تھی کہ وہ اموال ان کی تولیت و تصرف میں کر دیئے جائیں۔ لہٰذا حضرت فاروق اعظم نے ہر دو کو ان اموال کا متولی قرار دیا۔ بشرطیکہ وہ ان میں اسی طرح عمل کریں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد تولیت و تصرف میں شرکت حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر ناگوار گذری۔ وہ چاہنے لگے کہ تولیت تقسیم ہو جائے۔ اور ہر ایک اپنے حصہ کے تصرف میں مستقل ہو جائے۔ حضرت علی اس تقسیم سے مانع ہوئے۔ اس لئے دونوں میں نزاع و اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس کے فیصلہ کے لئے دوبارہ دربار فاروقیؓ میں حاضر ہوئے۔ (مجمع البحار۔ تحت لغت تند) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے۔ اے امیرالمومنین میرے اور اس کاذب' آثم' غادر' خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کی۔ اگرچہ بظاہر حضرت علی رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ دونوں سے خطاب ہے۔ مگر اس سے مقصود حضرت عباسؓ کو سنانا ہے۔ کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں یعنی تقسیم تولیت سے منع کرتے ہیں۔ جو کہ موہم اجرائے میراث ہے۔ کاذب' آثم' غادر' خائن ہیں۔ تو تمہارے اعتقاد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان اوصاف سے متصف ٹھہرے۔ (حالانکہ خدا جانتا ہے۔ کہ وہ بے شک صادق' بار' راشد' تابع للحق تھے۔) اور میں بھی تمہارے اعتقاد میں ان اوصاف سے متصف ٹھہرا۔ (حالانکہ خدا جانتا ہے۔ کہ میں بے شک صادق' بار' راشد' تابع للحق ہوں۔) کیونکہ میں اور صدیق اکبر تقسیم و اجرائے میراث سے منع کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متفق ہیں۔ اور اسی حدیث سے متمسک ہیں۔ جس کو تم سب جانتے ہو۔ حدیث کے الفاظ فرأیتمانی اس مطلب کی تائید کر رہے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ حضرت عباس امیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا نہ کریں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کو کاذب' آثم' غادر'

خائن سمجھتے ہیں۔ اور نہ شیخین واقع میں ایسے تھے۔ کہ کہاں ہیں وہ مخالفین جو کہتے ہیں۔ کہ بنا بر شہادت فاروق سنیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کو کاذب، آثم، غادر، خائن جانتے تھے۔ (طعن الرماح۔ صفحہ ۳۰) وہ پہلے اسی حدیث کی رو سے حضرت امیر کا متصف بدیں اوصاف ہونا تسلیم کرلیں۔ پھر حضرات شیخین میں کلام کریں۔ اگر حضرت امیران اوصاف سے متصف نہ تھے۔ تو حضرات شیخین بطریق اولیٰ ایسے نہ تھے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں — لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

شائد کوئی ناواقف یہاں یہ اعتراض کرے۔ کہ حدیث میں تثنیہ (فرأیتماہ فرأیتمانی (فرا-تماہ فرا-تمانی) کا صیغہ وارد ہے۔ جس سے مراد حضرت علی و عباس دونوں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ لغت عرب میں بعض وقت دو یا زیادہ شخصوں کو ایک کام میں شریک کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ مد نظر ایک ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے۔) حالانکہ جنوں میں سے پیغمبر نہیں آئے فقط انسانوں میں سے آئے ہیں۔ اسی طرح سورۂ رحمٰن میں ہے۔ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان (ان دونوں سے مروارید و مرجان نکلتے ہیں۔) حالانکہ مروارید و مرجان دریائے شور سے نکلتے ہیں۔ نہ کہ دریائے شیریں سے۔

بخاری شریف میں حدیث زیر بحث میں یہ الفاظ ہیں۔ فاستب علی و عباس (پس علی رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ نے باہم سخت کلامی کی) حالانکہ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جیسا کہ روایت مسلم سے ظاہر ہے۔ اصول کافی (کتاب الکفر والایمان۔ باب نادر۔ صفحہ ۵۸۳) میں مذکور ہے۔ کہ ابن بکیر نے امام جعفر صادق سے پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے فما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم (اور جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے۔ وہ اس گناہ کے سبب ہے۔ جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔) کیا حضرت علی اور دیگر اہل بیت کو جو مصیبت پہنچی۔ وہ اسی قبیل سے تھی۔

امام نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ مگر آپ ہر روز ستر بار استغفار کرتے تھے۔

اس روایت کی شرح میں شیعہ کا علامہ ملا خلیل قزوینی صافی میں یوں لکھتا ہے۔ مراد ازیں است کہ خطاب در اصابکم و ایدیکم بابنی آدم است باعتبار بعض ایشاں چنانچہ متعارف است کہ فعل صادر از بعض جماعتے را نسبت بآں جماعت مے دہند مثل فنادتہ الملئکۃ (پس پکارا زکریا کو فرشتوں نے) حالانکہ

منقول ہے۔ کہ پکارنے والے صرف جرائیل تھے۔ (انتہیٰ)

نزاع مذکورہ بالا میں حضرتِ فاروق اعظم نے اپنے فیصلہ سابقہ کو بحال رکھا۔ اور تقسیم تولیت سے انکار کر دیا۔ تاکہ مِلک کا وہم نہ گزرے۔ کیونکہ تقسیم مالوں ہی میں ہوتی ہے۔ اور زمانہ گزرنے پر ملکیت ہو جایا کرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ خطابی کا قول ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔ قال ابو داؤد ارادان لا یوقع علیه اسم قسم۔ یعنی کہا ابوداؤد نے کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ اس مال فئے پر تقسیم کا نام نہ بولا جائے۔ (سنن ابو داؤد۔ جزء ثانی۔ کتاب الخروج والفئی۔ صفحہ ۵۷)

چہارم جب حضرت عباس نے دربار فاروقی میں یوں درخواست کی۔ اے امیر المومنین درمیان میرے اور درمیان اس کاذب' آثم' غادر' خائن' کے فیصلہ کیجئے۔ تو حضر علی ساکت رہے۔

اس کی وجہ علامہ سندی نے حاشیہ بخاری میں یوں لکھی ہے:

لانه بمنزلة الوالد لعلى ثم لعل معنى هذا الكلام بيني وبين من يعاملني معاملة من يتصف بهٰذه الاوصاف وهٰذا بناء على انه مارضى بمعا ملته وان معاملة على فى نفسه لا تكون كذالک وهٰذا يجرى بين الا كابرفى المعاملة والله تعالٰى اعلم۔

ترجمہ: "کیونکہ حضرت عباس حضرت علی کے لئے بمنزلہ والد کے تھے۔ اس کلام کے معنے شاید یہ ہیں۔ کہ فیصلہ کیجئے درمیان میرے اور درمیان اس (علی) کے۔ جو مجھ سے اس شخص کا سا معاملہ کرتا ہے۔ جو ان اوصاف سے متصف ہو۔ یہ مبنی ہے اس پر کہ حضرت عباس معاملہ علی سے راضی نہ تھے۔ اور معاملہ علی واقع میں ایسا نہ تھا۔ اکابر کے درمیان معاملات میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (انتہیٰ)

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

قال الماذرى واذا كان هٰذا اللفظ لا بدمن اثباته ولم نضف الوهم الى رواته فاجودما حمل عليه انه صدر من العباس على جهة الا دلال على ابن اخيه لا نه بمنزلة ابنه وقال مالا يعتقده وما يعلم براءة ذمة ابن اخيه منه ولعله قصد بذٰلک روعه عما يعتقد انه مخطئ فيه وان هٰذه الاوصاف يتصف بهالو كان يفعل ما يفعله عن قصد وان عليا كان لا يراها مرجبة لذلک فى اعتقاده۔

ترجمہ: "مازری نے کہا۔ کہ جب اس لفظ (کاذب' آثم الخ) کا اثبات ناگزیر ہو۔ اور اس کے راویوں کی طرف وہم منسوب نہ کریں۔ تو اس کا سب سے اچھا محمل یہ ہے۔ کہ یہ الفاظ عباس کی طرف سے محبت کے سبب اپنے بھتیجے پر ناز و افراط ہے کیونکہ علی بمنزلہ عباس کے بیٹے کے تھے۔ عباس کہہ گئے وہ لفظ جس کی صحت کا وہ اعتقاد نہ رکھتے تھے اور جس سے وہ اپنے بھتیجے کو بری جانتے تھے۔ شاید عباس کا مقصد اس سے علی کو روکنا تھا۔ اس بات سے جس کی نسبت ان کا اعتقاد تھا کہ ان کا بھتیجا اس میں خطا کار ہے۔ اور ان اوصاف سے متصف ہے۔ اگر وہ بالقصد ایسا کرتا ہے۔ اور علی اپنے اعتقاد میں اس کو موجب اس کا نہ سمجھتے تھے۔ انتہے۔ فافہم

مذکورہ بالا تشریح سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مجتہد لاہوری اور مجتہد لکھنوی میں سے کوئی بھی اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھا۔ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس حدیث کا صرف ایک ٹکڑا نقل کرکے اس پر غلط رائے زنی کی ہے۔ جیسا کہ علمائے شیعہ کا شعار ہے۔

قال السید امداد امام

آل محمدؐ کی بے توقیری کے اسباب

واضح ہو کہ راقم الحروف کو اس جگہ اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ کہ معاملہ فدک میں بی بی فاطمہ برسرحق تھیں یا نہیں۔ یہاں صرف اسی قدر دیکھنا ہے۔ کہ فدک کی بے دخلی سے آل محمد ﷺ پر کیا اثر پیدا ہوا۔ ظاہر ہے۔ کہ علاقہ فدک سے آل محمد ﷺ کو ایک کثیر جمع وصول ہوا کرتی تھی۔ جس کو وہ حضرات زیادہ غربا و مساکین میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ پس اس کے باقی نہ رہنے سے آل محمد ﷺ کی دینوی وجاہت میں بڑا فرق آگیا۔ کوئی شک نہیں کہ جس طرح حکومت کے نکل جانے سے پبلک بے توقیری آل محمد ﷺ کو لاحق ہو گئی۔ اسی طرح فدک کے نکل جانے سے پرائیویٹ نقصان وجاہت بھی ان کے لئے ہو گیا۔ بلاشبہ فدک کی بے دخلی آل محمد ﷺ کی بے توقیری کا دوسرا زینہ نظر آتی ہے۔ ان دونوں مصیبتوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسرا خوف آگین معاملہ آل محمد ﷺ کو پیش آیا۔ وہ یہ کہ بنی امیہ جن کو جناب رسول خدا کی حیرت انگیز قابلیت نے بڑی مشکل سے دس برس کی عرصہ میں زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ جناب رسول خدا کی رحلت کے بعد امر خلافت کے طے پاتے ہی فرمانروائے ملک شام ہو گئے۔ شام میں جس قدر جلد یہ ثروت بنی امیہ کو نصیب ہو گئی۔ ایسی کامیابی ہر قبیلہ کی توقع سے باہر تھی۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ

نہیں ہے۔ کہ بنی امیہ کا فروغ آل محمد ﷺ کا حق میں اہم ہوا۔ بنی امیہ نے آل محمد سے خوب خوب بدلے لئے۔ جیسا کہ خود قول حضرت معاویہ کے صاحبزادے کا ہے۔ یزید ابن معاویہ فرماتے ہیں کہ "کہاں ہیں کشتگان بدر وہ دیکھیں ہم نے آل محمدؐ سے کیسا بدلہ لیا ہے۔" یہ قول اس وقت کا ہے۔ کہ جب واقعہ کربلا کے بعد جب امام زین العابدین دمشق میں لائے گئے ہیں۔ اور دربار میں مغنی نے یزید صاحب کی محفل جشن میں گائی ہے۔ جس کا ایک شعر یہ بھی ہے۔

لَاعَبَتِ الْهَاشِمُ فِی الْخَلْقِ وَلَا ۔۔۔ خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلْ

یعنی بنی ہاشم نے مخلوق خدا میں ایک کھیل نکالا تھا۔ کیسی وحی اور کیسی نبوت

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نامراد بنی امیہ پیغمبر خدا کی نبوت کو ملاعبت سمجھے تھے۔ اور درحقیقت اس کے معترف نہ تھے۔ خیر کوئی شک نہیں کہ بنی امیہ کے فروغ نے آل محمد ﷺ کی دنیوی عزت و وجاہت کا خاتمہ کر دیا۔ بنی امیہ کے اہل ثروت ہو جانے کی یہ صورت ہوئی۔ کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پا چکے۔ تو حضرت ابو سفیان بن الحرب جو قبیلہ بنی امیہ کے سردار تھے۔ حضرت علی ؑ کے حضور میں تشریف لائے۔ اور نہایت بہی خواہی کے انداز سے حضرت علی سے فرمانے لگے۔ کہ اے علی امر خلافت طے پا گیا۔ اور آپ نے کوئی تدبیر خلافت کے حاصل کرنے کی نہ کی۔ اگر آپ فرمائیں۔ تو میں صحرائے مدینہ کو سواران مکہ سے بھر دوں۔ اور اس خلافت کو دم کے دم میں تہ وبالا کر دوں۔ حضرت علی نے فرمایا۔ کہ اے ابو سفیان تم ایام جاہلیت میں بھی فسادات کیا کرتے تھے۔ اب کہ مشرف باسلام ہو چکے ہو۔ تب بھی تمہارے مفسدے اپنے حال پر ہیں۔ حضرت علی کو ابو سفیان سے ایسا کلام کرنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ ابو سفیان بنی امیہ سے تھے۔ اور بنی امیہ سے رسول اللہ ﷺ کو بے حد نفرت تھی۔ یہاں تک اس قبیلہ پر آنحضرت ﷺ نے لعنت کی تھی۔ ایسی صورت میں حضرت علی ؑ ابو سفیان سے میل جول کا رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ علی ہر امر میں تمام تر رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کا ابو سفیان سے کنارہ کشی کرنا بجا تھا۔ اگر ابو سفیان کی طرف کچھ بھی میلان دکھلاتے۔ تو بلاشبہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف عامل ہوتے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ بنی امیہ دین خدا اور رسول خدا دونوں کے سخت دشمن تھے۔ آنحضرت نے دس برس کے عرصہ میں اس قبیلہ کو درست کیا تھا۔ اب اس قبیلہ میں شیطنت کی طاقت نہیں رہی تھی۔ پس اگر علی ؑ ابو سفیان کے فریب میں آجاتے۔ تو آپ اس فعل کے عامل ہو جاتے۔ جو حضرات شیخین سے عمل میں آیا۔ یعنی خلافت کے بچانے کے لئے ابو سفیان شریک سلطنت بنائے گئے۔ جس سے بنی امیہ کی نہ صرف زائل شدہ قوت عود کر آئی۔ بلکہ یہ قبیلہ تھوڑے

عرصہ میں تمام بلاد اسلام کا بادشاہ ہو گیا۔ حیف صد حیف کہ خلافت اولیٰ کی طرف سے یہ ایک ایسی کارروائی عمل میں لائی گئی۔ جو سراسر رسول اللہ ﷺ کے مقاصد کے خلاف کا پہلو رکھتی تھی۔ اس ایک لغزش کے نتائج اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خود اسلام میں جو جو فتور لاحق ہوئے۔ ان کو کیا کہیے۔ خاندان پیغمبر ﷺ پر جو آفتیں پڑتی گئیں۔ بیان سے باہر ہیں۔ لاریب اگر علی رضی اللہ عنہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی سن لیتے تو تمام خرابی اسلام و واقعہ کربلا و جمیع سادات کشی وغیرہ وغیرہ کے الزام آپ کے سر ہوتے۔ بہرحال اس طرح کا جواب حضرت علیؑ سے پاکر ابو سفیان صاحب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرات شیخین سے فرمانے لگے۔ کہ تم حضرات تو اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ مگر ہم کو تمہاری کامیابیوں سے کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا۔ میں ایک دم میں تمہاری خلافت کے معاملہ کو ہوا کر ڈالتا ہوں۔ حضرات شیخین ایسی تقریر سے حضرت ابو سفیان کی نہایت گھبرائے۔ دونوں حضرات جانتے تھے۔ کہ امر خلافت کو تہ و بالا کر ڈالنا حضرت ابو سفیان کے لئے کوئی دشوار امر نہ تھا۔ نہایت آشتی سے فرمانے لگے کہ اے ابو سفیان تم بھی اس کامیابی کے شریک ہو جاؤ۔ ہماری خلافت کو درہم و برہم کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ پس مصالحہ کی رو سے یہ بات قرار پائی۔ کہ حضرت ابو سفیان شام کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔ جب شام کو جانے کا وقت آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں تو پیر ہو گیا ہوں۔ میں اپنے عوض اپنے بڑے بیٹے یعنی یزید ابن ابی سفیان کو حکومت شام پر بھیجتا ہوں۔ یہ صاحبزادے شام میں چار برس مسند حکومت پر جلوہ گر رہے۔ ان کی رحلت کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی حضرت معاویہ علیہ ما علیہ اپنے بڑے بھائی کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت حکومت شام پر قائم ہوئے۔ آپ کے برادر متوفیٰ کوئی قابل شخص نہ تھے۔ ان کا رحلت کر جانا قبیلہ بنی امیہ کے لئے برا نہ ہوا۔ حضرت معاویہ کے عنان حکومت لیتے ہی اس قبیلہ کی دنیوی ثروت تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگی۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں حضرت معاویہ تمام بلاد اسلام کے بادشاہ ہو گئے۔ جاننا چاہیے کہ جس قدر بنی امیہ قوی اور صاحب حکومت ہوتے چلے گئے۔ اسی قدر بنی ہاشم قوت اور حکومت سے دور پڑتے گئے۔ اسباب بالا سے بنی ہاشم داخل عوام ہو گئے۔ اور ان کی وجاہت ظاہری بالکل جاتی رہی۔ پھر علی کی خلافت سے جو بنی ہاشم میں حکومت آئی بھی تو آل محمد کی گئی ہوئی رفعت عود نہ کر سکی۔ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ قرار پا کر بھی معاویہ کو معزول نہ کر سکے۔ الخ۔ مصباح الظلم صفحہ ۴۰۰ تا ۴۰۳۔

اقول

جواب سے پہلے یہاں ایک مختصر شجرہ نسب پیش کیا جاتا ہے۔ جو اس بحث میں فائدہ سے خالی نہیں:
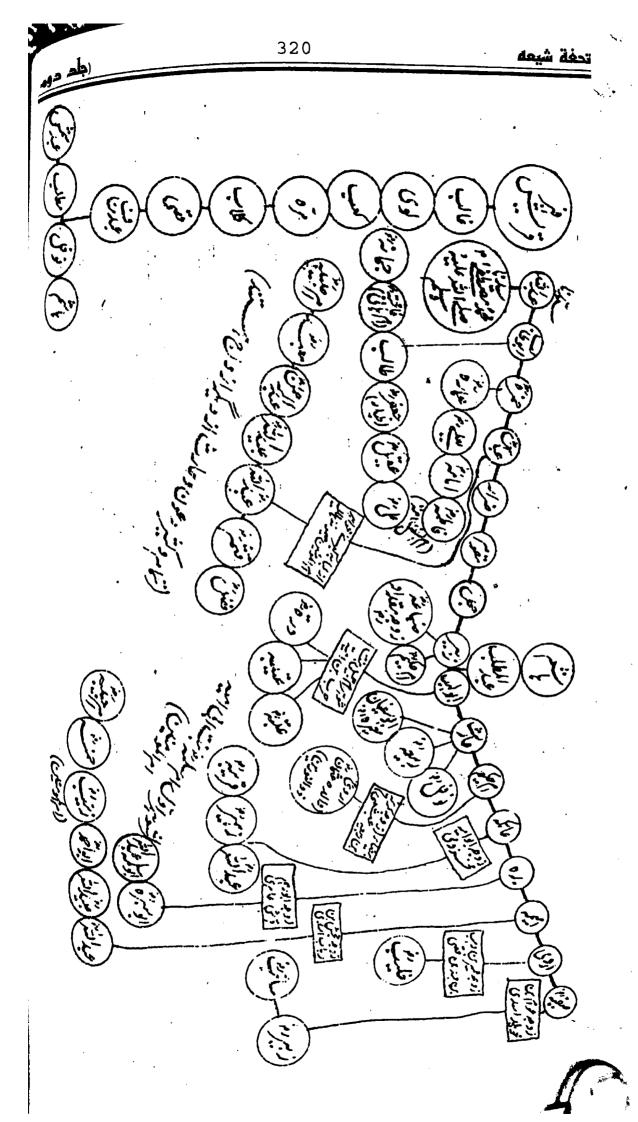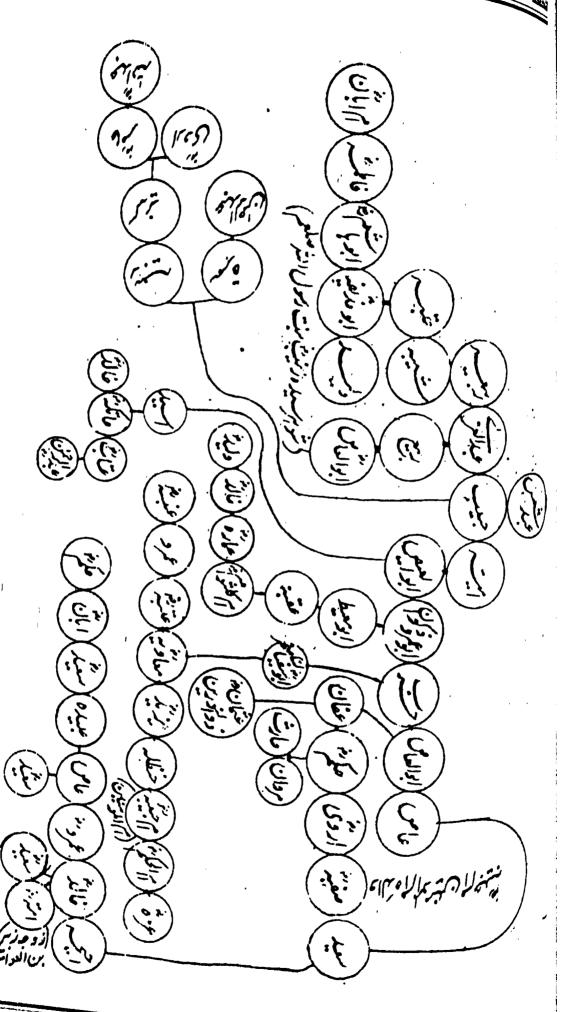
مصنف نے یہاں آل محمد کی بے توقیری کے تین سبب بتائے ہیں۔

پہلا سبب خلافت کا آل محمد ﷺ سے نکل جانا۔ دوسرا فدک سے آل محمد ﷺ کا بے دخل کیا جانا۔

تیسرا حضور اقدس ﷺ کے وصال شریف کے بعد بنی امیہ کا برسراقتدار ہو جانا۔

خلافت کی نسبت ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ جس ترتیب سے خلافت ظہور میں آئی۔ وہی ترتیب حق اور مطابق قرآن کریم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ترتیب خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ شاہان دنیا اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں کو اپنا جانشین بناتے ہیں۔ مگر چونکہ نبوت ملک کے مخالف ہے اس لئے یہ قیاس یہاں قائم نہیں رہ سکتا۔ ورنہ نبوت کا التباس ملک کے ساتھ ہو جاتا۔ اور لوگ خیال کرتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبلیغ دین کے لئے مبعوث نہ ہوئے تھے۔ بلکہ اپنی خاندانی سلطنت قائم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے اسی واسطے تمام مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کا جانشین افضل البشر بعد الانبیاء یعنی صدیق اکبر کو منتخب کیا جو نہ بنی ہاشم میں سے تھے نہ بنی امیہ میں سے بلکہ دونوں کے مورث اعلیٰ عبد مناف کے پڑ دادا امرو بن کعب کے بیٹے تیم کی نسل سے تھے اسی طرح حضرت صدیق اکبر کے بعد خلافت بمشورہ مسلمین حضرت فاروق اعظم کو ملی جو نہ بنی ہاشم میں سے تھے۔ نہ بنی امیہ میں سے اور نہ بنی تیم میں سے بلکہ مرو بن کعب کے بھائی عدی کے خاندان سے تھے۔ حضرت فاروق اعظم کے بعد نہ صدیق اکبر کی اولاد سے کوئی خلیفہ ہوا نہ فاروق اعظم کے رشتہ داروں سے بلکہ بنی امیہ میں سے حضرت عثمان ذوالنورین خلیفہ قرار پائے۔ اور ان کے بعد بنی ہاشم میں سے حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ بنائے گئے۔

مصنف جو اس ترتیب کو بنی ہاشم کے بے توقیری کا سبب سمجھ رہا ہے۔ وہ یہ تو بتائے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عہد مبارک میں بنی ہاشم کو انتظام ملک میں کس واسطے شریک نہ کیا۔ کیا بنا بر تقریر مصنف۔ حضور خود اپنے ہی خاندان کی بے توقیری چاہتے تھے۔ کہ بنی ہاشم میں سے کسی کو کسی علاقہ کا عامل و حاکم نہ بنایا۔ حاشا وکلا۔ یہ مصنف کی نادانی ہے۔ بنی ہاشم کی جو توقیر عہد نبوی میں تھی وہی خلافت راشدہ میں قائم رہی۔

فدک کی بحث اوپر آچکی ہے جس سے ظاہر ہے۔ کہ خلافت راشدہ میں فدک کا مصرف وہی تھا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا۔ لہذا خلفائے ثلاثہ کے متولیانہ قبضہ سے آل محمد کی آمدنی اور دنیوی وجاہت میں کوئی فرق نہ آیا۔

رہا تیسرا سبب۔ سو اس کی تردید کسی قدر تفصیل سے لکھی جاتی ہے۔ تاکہ بنی امیہ کی نسبت شیعہ کے اوہام کا ازالہ ہو جائے۔ ظہو اسلام سے پہلے ہاشمیوں اور حبشیوں میں کوئی عداوت نہ تھی۔ بلکہ ایک

گونہ رقابت تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک خط کے جواب میں حضرت امیر علیہ السلام کے یہ الفاظ اما بعد فانا کنا نحن وانتم علی ماذکرت من الالفۃ والجماعۃ۔ (بعد حمد و صلوۃ آنکہ ہم میں اور تم میں الفت تھی جیسا کہ تم نے ذکر کیا) (نہج البلاغہ۔ مطبوعہ۔ بیروت۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۶۷)

اس مدعا پر نص ہیں۔ جب عرب کے درمیان اسلام کا چرچا ہوا۔ تو ان میں سے جو ایمان لائے گئے۔ وہ خواہ کیسے ہی دور کے رشتہ دار تھے۔ ایک رشتہ اتحاد و اخوت میں منسلک ہو گئے۔ باقی سب بلا لحاظ خاندان کے ان کے دشمن ہو گئے۔ اس عداوت کا موجب صرف اختلاف دین تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین اسلام یا تو مارے گئے۔ یا مشرف باسلام ہو کر سگے بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے ممد و معاون ہو گئے۔ جیسا کہ شجرہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر ہم جنگ بدر کو پیش کرتے ہیں۔ اس جنگ میں بنی ہاشم میں سے عباس بن عبدالمطلب۔ نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب اور بنی امیہ میں سے عمرو بن ابی سفیان حنظلہ بن ابی سفیان۔ عقبہ بن ابی معیط اور عاص بن سعید۔ یہ سب دوش بدوش مسلمانوں کے خلاف لڑتے پائے جاتے ہیں۔ بدر میں مخالفین کو سخت شکست ہوئی۔ ہاشمیوں میں سے کوئی قتل نہ ہوا۔ عباس و نوفل و عقیل جو گرفتار ہوئے ادا فدیہ پر رہا کر دیئے گئے۔ یہ سب آخر کار اسلام میں داخل ہوئے۔ مگر حبشیوں کا نقصان جان بہت ہوا۔ ان کے بڑے بڑے سردار حنظلہ و عقبہ و عاص اور شیبہ و عتبہ پسران ربیعہ اور ولید بن عتبہ قتل ہوئے۔ اور عمرو بن ابی سفیان اور ابو العاص بن ربیع اسیر ہوئے۔ اور بعوض فدیہ رہا ہو گئے۔ عمرو مذکور بظاہر شرک پر مرا۔ مگر ابو العاص بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ شرف اسلام کے حصول کے بعد جو اقتدار بنی امیہ کو حاصل ہوا۔ وہ ہر طرح اس کے اہل تھے۔ اس اقتدار کی ابتدا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ سے ہوئی تھی۔ اسی واسطے اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اس مطلب کی توضیح کے لئے ہم ذیل میں خاندان امیہ کے بعض افراد کے مختصر حالات لکھتے ہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورین ابو العاص بن امیہ کے پوتے تھے۔ ان کی نانی ام حکیم بیضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھی۔ آپ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ بیعت رضوان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر آپ سے بیعت لی۔ اور اپنی دو بیٹیاں رقیہ و کلثوم رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں دیں۔ اسی واسطے آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ دوسری کی وفات پر فرمایا کہ اگر میرے ہاں کوئی اور بیٹی ہوتی۔ تو میں تمہارے ہی عقد میں دیتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مال سے مسلمانوں کی بڑی مدد کی۔ چنانچہ بیر رومہ کو ایک یہودی سے بعوض بیس ہزار درہم خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ وہ یہودی بیر رومہ کا پانی مسلمانوں کو قیمت پر دیا کرتا تھا۔ اور مسجد نبوی کی توسیع کے لئے زمین خرید کر وقف کر دی۔ اور

ساڑھے نو سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں سے جیش العسرۃ تیار کیا۔ (تاریخ ابوالفداء اردو ترجمہ صفحہ ۱۱۷)

جب مجاہدین غزوۂ تبوک میں بہت بھوکے تھے۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اناج موافق گزارہ لشکر کے خرید کرکے خچر لدوا کر بھیجے تھے۔ جب وہ سامان پاس پیغمبر علیہ السلام خدا کے پہنچا۔ تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرکے یہ دعا فرمائی تھی۔ کہ اے بار خدا میں راضی ہوا ہوں عثمان رضی اللہ عنہ سے۔ تو بھی راضی ہو اس سے۔ اور شعبی روایت کرتا ہے۔ کہ عثمانؓ پیغمبر خدا کے پاس اپنے کپڑے اپنے اوپر ڈال کر گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیوں نہ حیا کروں میں اس شخص سے حیا کرتے ہیں۔ اس سے ملائکہ۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع کے لئے تشریف لے گئے۔ تو اپنے پیچھے حضرت عثمانؓ کو اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے۔ آپ شب بیدار تھے۔ ایک ہی رکعت میں رات گزار دیتے اور سارا قرآن مجید پڑھ جاتے۔ آپ کی خلافت راشدہ کے اخیر ایام میں ابن سباء نے جو رافضیوں کا مورث اعلیٰ ہے۔ مصریوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا۔ (حسن المحاضرہ للسیوطی۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۶۴)

اس فساد کا انجام یہ ہوا۔ کہ آپ کو جمعہ کے دن بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ تلاوت قرآن مجید کی حالت میں بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا گیا۔ آپ کے بارہ سالہ عہد میں سکندریہ۔ شاپور۔ افریقیہ قبرس۔ سواحل روم، اصطخر۔ خوزستان، طبرستان، کرمان، بجستان، ساحل اردن اور مرو وغیرہ فتح ہوئے۔

(۱) تاریخ ابو الفدا۔ اردو ترجمہ۔ صفحہ ۱۱۴

ابان بن سعید بن العاص بن امیہ۔ غزوہ خیبر سے پہلے ایمان لائے۔ یہ آٹھ بھائی تھے۔ جیسا کہ شجرہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ ان میں سے احیحہ یوم فجار میں اور عاص وعبیدہ جنگ بدر میں قتل ہوئے۔ باقی پانچ اسلام سے مشرف ہوئے۔ جب حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین کو قریش کی طرف بھیجا۔ تو ابان نے ان کو پناہ دی۔ اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر صحیح و سلامت مکہ میں پہنچا دیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابان کو اپنے بعض سرایا مثلاً سریہ الی نجد کا امیر بنایا تھا۔ اور علاء بن الحضرمی کی جگہ یا علاء کے ساتھ ان کو بحرین کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ جس پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف تک قائم رہے۔

خالد بن سعید حضرت ابان کے بھائی تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد ایمان لائے۔ اپنی بیوی کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ وہیں سعید اور امتہ پیدا ہوئی۔ آپ عمرہ قضاء فتح مکہ حنین، طائف و تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضور اقدس نے ان کو یمن میں صنعا کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ آپ کی وفات شریف تک خالد رضی اللہ عنہ اسی عہدے پر ممتاز رہے۔

عمرو بن سعید خالد مذکور کے بھائی تھے۔ اور خالد کے بعد ایمان لائے تھے۔ دونوں نے پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ کے طرف ہجرت کی۔ حضرت عمرو فتح مکہ و حنین و طائف و تبوک میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو تیماء و تبوک اور خیبر و فدک کا عامل مقرر فرمایا۔ جب حضور اقدس ﷺ نے وفات پائی۔ تو ابان و خالد و عمرو تینوں نے اپنی اپنی عمالت چھوڑ دی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ تم نے اپنی عمالتوں کو کیوں چھوڑا۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ ہم ابو احیحہ کے بیٹے رسول اللہ ﷺ کے بعد کبھی کسی کے عامل نہ بنیں گے۔ (استیعاب ابن عبد البر)

پھر تینوں شام کو چلے گئے۔ اور بنا بر قول اکثر اہل سیر یوم اجنادین ۱۳ ہجری میں شہید ہوئے۔

سعید بن سعید بن العاص عمرو مذکور کے بھائی فتح سے کچھ پہلے ایمان لائے۔ فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو سوق مکہ کا عامل مقرر فرمایا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ طائف کے لئے تشریف لے گئے۔ تو یہ بھی آپ کے ساتھ نکلے۔ اور شہید ہو گئے۔

حکم بن سعید پانچویں بھائی ہیں۔ آپ جب ہجرت کرکے حضور نبی امی بابی ہو وامی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو حضور نے دریافت فرمایا۔ کہ تمہارا نام کیا ہے۔ عرض کی کہ حکم۔ فرمایا نہیں۔ آج سے تمہارا نام عبداللہ ہو گا۔ لہٰذا آپ کو عبداللہ بن سعید کہتے ہیں۔ آپ کاتب اچھے تھے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے آپ کو مدینہ میں تعلیم کتابت پر متعین فرمایا۔ یوم بدر اور بقولی یوم موتہ اور عند البعض یوم یمامہ میں شہید ہوئے۔

سعید بن العاص بن سعید بن العاص ہجرت کے سال مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا باپ عاص جنگ بدر میں بحالت کفر مارا گیا۔ آپ اشراف قریش میں سے تھے۔ اور جامع سخاوت و فصاحت تھے۔ اور منجملہ ان کے تھے۔ جنہوں نے حضرت عثمان غنی کے لئے مصحف شریف لکھے۔ آپ نے خلیفہ سوم کے عہد میں طبرستان و جرجان فتح کیا۔ خلیفہ سوم نے ان کو عامل کوفہ مقرر کیا تھا۔ پھر ان کو معزول کرکے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر کیا۔ مگر اہل کوفہ نے ولید کو بھی پسند نہ کیا۔ لہٰذا کوفیوں کی درخواست پر ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کیا گیا۔ آپ ایام جمل و صفین میں خانہ نشین رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۴۹ھ سے ۵۴ھ تک والی مدینہ رہے۔ اور ۵۹ھ میں یا ایک دو سال پیشتر وفات پائی۔

ابو سفیان صخر بن حرب جاہلیت میں اشراف قریش میں سے تھے۔ رؤسا کا جھنڈا معروف بعقاب آپ کے پاس ہوا کرتا تھا۔ آپ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ رسول اللہ ﷺ کو بڑی مسرت ہوئی۔ اور نہ صرف ان کے گناہوں کو معاف فرمایا۔ بلکہ ان کی مزید عزت افزائی یوں فرمائی کہ حکم دے دیا۔ کہ جو شخص

ابو سفیان کے گھر پناہ لے گا۔ اس کے لئے بھی معافی ہے۔ اسلام لا کر ابو سفیان بعد کی اسلامی جنگوں میں شریک ہوتے رہے۔ چنانچہ غزوہ حنین میں شامل تھے۔ آنحضرت ﷺ نے غنائم حنین میں سے ان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عطا فرمائے۔ طائف کی لڑائی میں آپ کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ اور جنگ یرموک رجب ۱۵ ہجری میں دوسری بھی جاتی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو قدید میں بت منات کے توڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ جسے آپ نے توڑ پھوڑ دیا بقول عسکری آپ عہدِ نبوی ﷺ میں نجران اور صدقات طائف پر عامل تھے۔ (تہذیب التہذیب للحافظ العسقلانی)۔

اور عہد صدیقی میں آخر حد حجاز اور آخر حد نجران کے درمیان علاقہ کے حاکم تھے۔ (فتوح البلدان بلاذری) آپ نے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں ۳۳ھ یا ۳۴ھ میں ۸۸ سال اور بقول بعض نوے سال سے کچھ اوپر کی عمر میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

یزید بن ابی سفیان فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ غزوہ حنین میں شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابو سفیان کی طرح غنائم میں سے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عطا فرمائے۔ عہد نبوی ﷺ میں صدقات نجران پر عامل تھے۔ (حیات القلوب مجلسی) جب حضرت صدیق اکبر نے فتح شام کے لئے تین جھنڈے تیار کئے۔ تو ان میں سے ایک جھنڈا یزید کو دیا جسے حضرت معاویہ ﷺ اٹھایا کرتے تھے۔ بصرے۔ دمشق۔ عمان۔ بلقاء۔ عرندل۔ صیدا۔ عرقہ بیروت وغیرہ کی فتح میں یزید رضی اللہ عنہ نے نمایاں حصہ لیا۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کو فلسطین کا حاکم بنا دیا تھا۔ آپ نے ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں وفات پائی۔ اور درجہ شہادت حاصل کیا۔

معاویہ بن ابی سفیان اپنے والد اور بھائی کے ساتھ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو وحی اور خطوط کی کتابت پر مامور فرمایا تھا۔ شام کی لڑائیوں میں آپ اپنے بھائی یزید کے ساتھ رہے۔ یزید کی وفات پر حضرت عمر فاروق نے علاوہ دمشق کے اردن بھی ان کی عمالت میں شامل کر دیا۔ امارت شام کو انہوں نے بیس سال نہایت خوبی سے سرانجام دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد آپ بالاتفاق خلیفہ تسلیم کئے گئے۔ آپ نے بیس برس کی کامیاب خلافت کے بعد رجب ۶۰ ہجری میں دمشق میں وفات پائی۔

آپ کی فضیلت میں کئی حدیثیں مروی ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللهم اجعله هاديًا مهديًا یعنی یااللہ معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت پانے والا کر دے۔ اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے۔

مسند امام احمد میں ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللّٰھم علم معاویة الکتاب

والحساب وقه العذاب یعنی یااللہ معاویہ کو کتابت و حساب سکھا اور اس کو عذاب سے بچا۔
ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اذا ملکت فاحسن یعنی اے معاویہ جب تو بادشاہ بنے۔ تو لوگوں سے نیک سلوک کرنا۔ (اشعۃ اللمعات)

عتبہ بن ابی سفیان رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے فصیح خطیب تھے۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کو طائف کا عامل مقرر کیا۔ اور حضرت معاویہ نے عمرو بن عاص کے مرنے پر کچھ عرصہ کے بعد ان کو مصر کا حاکم بنا دیا۔ آپ نے ایک سال کی حکومت کے بعد مصر ہی میں ۴۴ھ میں وفات پائی۔

ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا اصلی نام رملہ تھا۔ آپ حضرت عثمانؓ غنی کی پھوپھی صفیہ کی دختر بلند اختر اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ پہلے عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ دونوں نے مسلمان ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہیں ان کی لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ عبیداللہ عیسائی ہو کر حبشہ ہی میں مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی شاہ حبشہ کی معرفت ام حبیبہ کو نکاح کا پیغام دیا۔ جسے آپ نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ آپ کا مہر چار ہزار درہم تھا۔ اور باقی امہات المومنین کے مہر چار چار سو درہم تھے۔ آپ نے ۴۴ھ میں عہد معاویہؓ میں وفات پائی۔ ازواج مطہرات کی فضیلت جو قرآن مجید میں ثابت ہے۔ وہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔

ام الحکم بنت ابی سفیان فتح مکہ کے دن ایمان لائیں۔ ولا تمسکوابعصم الکوافر الایۃ کے نزول کے وقت آپ عیاض بن غنم فہری کے تحت میں تھیں۔ پس عیاض نے آپ کو طلاق دے دی۔ پھر آپ عبداللہ بن عثمان ثقفی کے نکاح میں آئیں۔ اور آپ سے ایک لڑکا عبدالرحمن نامی پیدا ہوا۔ جو کوفہ کا حکم تھا۔ ابو سفیان کے ہاں ایک اور بیٹی عزہ نام کی بھی تھی۔

ولید بن عتبہ اور ان کے بھائی خالد و عمارہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔ ان کی ایک بہن ام کلثوم نام تھی۔ وہ ان سے پہلے مسلمان ہو گئی تھی۔ صلح حدیبیہ کے اثناء میں ۷ھ میں اس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اور پیدل مدینہ سے مکہ پہنچی۔ ولید و عمارہ نے اسے واپس لوٹانا چاہا۔ بدیں غرض وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا حاضر ہوئے۔ مگر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ خدا کا یہ حکم نہیں۔ کہ میں اسے واپس کر دوں۔ اسی ام کلثوم کی شان میں آیہ امتحان یعنی اذا جاء کم المومنات مهاجرات نازل ہوئی۔ حضرت ولید کو رسول اللہ ﷺ نے بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ قریش میں حلیم و شجاع و ادیب و شاعر مشہور تھے۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کو صدقات بنی تغلب کا عامل بنایا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ۲۵ھ

میں کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ اسی سال اہل آذر بیجان نے نقض عہد کیا۔ جن کی سرزنش کے لئے ایک لشکر بسر کردگی حضرت ولید رضی اللہ عنہ بھیجا گیا۔ حضرت ولیدؓ نے ان کو صلح پر مجبور کیا۔ اور شرط صلح وہی قرار پائی جو صلح حذیفہ بن الیمان میں تھی۔ (ابن اثیر)

آپ نے عہد معاویہ میں وفات پائی۔

عتاب بن اسید اور ان کے بھائی خالد اور بہن عاتکہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل نہ ہوئے تھے کہ خالد نے وفات پائی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ حنین کے لئے نکلے۔ تو عتاب رضی اللہ عنہ کو امیر مکہ مقرر فرما گئے۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف تک اسی عہدے پر ممتاز رہے۔ اور خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں بھی امیر مکہ ہی رہے۔ یہاں تک کہ جس دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ اسی دن حضرت عتاب نے بھی اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ ایک روز حضرت عتاب کعبہ سے پشت لگائے ہوئے خطبہ میں حلفیہ بیان فرما رہے تھے۔ کہ جس عمل پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا۔ اس میں سوائے دو کپڑوں کے مجھے کچھ نہیں ملا۔ اور وہ کپڑے بھی میں نے اپنے آزاد کردہ غلام کیسان کو پہنا دیئے۔ جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے جویریہ بنت ابو جہل کی خواستگاری کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ امر ناگوار گزرا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مولیٰ مرتضیٰ سے فرمایا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا جگر پارہ ہے۔ جس نے اسے ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی۔ حضرت عتاب کو جو یہ خبر لگی۔ فوراً حضرت زہراء کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ کہ جویریہ سے میں آپ کو نجات دلاتا ہوں۔ اور خود جویریہ سے نکاح کر لیا۔ (تہذیب التہذیب) جس سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن نامی پیدا ہوا۔ جنگ جمل میں عبدالرحمٰن حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اسے مقتول دیکھ کر فرمایا۔ ھٰذا یعسوب القوم۔ (تجرید اسماء الصحابہ للذہبی) یعنی یہ سردار قوم ہے۔

ابو العاص بن الربیع امیہ کے بھائی عبدالعزیٰ کے پوتے اور حضرت خدیجہ کبریٰ کی بہن ہالہ کے پیٹ سے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ کے کہنے سے ان کا نکاح اپنی سب سے بڑی صاحبزادی زینب سے کر دیا تھا۔ جب حضور کو منصب رسالت عطا ہوا۔ تو حضرت خدیجہ اور آپ کی لڑکیاں حضور پر ایمان لائیں۔ مگر ابو العاص شرک پر قائم رہے۔ اسی طرح نبوت سے پہلے حضور انور بابی ہو وامی نے اپنی صاحبزادی رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم کا نکاح عتبہ کے بھائی عتیبہ سے کر دیا تھا۔ جب آپ نے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ تو قریش نے کہا۔ کہ حضرت کو یوں تکلیف پہنچاؤ۔ کہ ان کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ چنانچہ ابولہب کے بیٹوں نے ہم بستری سے پیشتر رقیہ و ام کلثوم کو طلاق دے دی۔

وہ ابو العاص سے کہنے لگے۔ کہ تو بھی زینب کو طلاق دے دے۔ قریش کی جس لڑکی سے تو چاہے۔ ہم تیرا نکاح کر دیتے ہیں۔ مگر ابو العاص نے انکار کر دیا۔ اگرچہ اسلام نے حضرت زینب اور ابو العاص میں تفریق کر دی تھی۔ مگر ابو العاص نے انکار کر دیا۔ مگر مسلمانوں کی کمزوری کے سبب عمل در آمد نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ہجرت وقوع میں آئی۔ جب قریش جنگ بدر کے لئے آئے تو ابو العاص بھی ان کے ساتھ آئے۔ اور گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے مکہ سے ان کا فدیہ بھیجا۔ جس میں وہ ہار بھی تھا۔ جو حضرت خدیجہ نے زینب کو پہنا کر ابو العاص کے ہاں بھیجا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر اس ہار پر پڑی۔ تو آپ پر نہایت رقت طاری ہوئی۔ اور حضرت خدیجہ کا زمانہ یاد آگیا۔ آپ کے ارشاد سے وہ مال واپس کر دیا گیا۔ اور ابو العاص کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ بدیں شرط کہ زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ بعد ازاں ۶ھ میں ابو العاص قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو گئے۔ ان کے پاس اپنا اور قریش کا بہت سا مال تھا۔ واپس آتے ہوئے مقام عیص کے نواح میں آنحضرت ﷺ کے ایک سریہ نے جو بسر کردگی حضرت زید بن حارث بھیجا گیا تھا۔ ابو العاص کا تمام مال لے لیا۔ ابو العاص بھاگ کر رات کے وقت مدینہ میں آئے۔ اور حضرت زینب کے ہاں پناہ لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ نے حضرت زینب کی سفارش پر اہل سریہ سے تمام مال واپس کروا دیا۔ ابو العاص رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر وہ مال قریش کے حوالہ کر دیا۔ اور خود محرم ۷ھ میں مدینہ پہنچ کر اظہار اسلام کیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نکاح سابق کے ساتھ ان کے حوالہ کر دی۔ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ نے ذی الحجہ ۱۲ھ میں وفات پائی۔

ابو حذیفہ بن عتبہ امیہ کے بھائی ربیعہ کے پوتے تھے۔ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ آپ کو قبلتین کی طرف نماز پڑھنے۔ اور ہجرتین کا شرف حاصل تھا۔ حضرت ابو حذیفہ رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پیشتر ایمان لائے تھے۔ بدر، احد، خندق، حدیبیہ وغیرہ تمام غزوات میں شامل رہے۔ اور یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔

ھند بنت عتبہ ابو حذیفہ کی بہن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ جنگ بدر میں ان کا باپ اور چچا اور بھائی مارے گئے تھے۔ اس لئے انتقام کے خیال سے غزوہ احد میں فوج کفار کے ہمراہ آئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی ہدایات پر کاربند نہ رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست ہوئی۔ تو یہ دلیر عورت اپنے چچا کے قاتل سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش پر آئی۔ اور کلیجہ نکال کر چبا گئی۔ اور اسی طرح اپنی نذر پوری کی۔ جب مکہ فتح ہوا۔ تو اپنے شوہر ابو سفیان کے ساتھ یہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ جب جنگ یرموک میں مسلمانوں کے پاؤں ڈگمگائے۔ تو اسی ہند نے دوسری عورتوں کو ساتھ لے

کر خیمہ کی چوبوں سے مار مار کر اور غیرت دلانے والے کلمات کہہ کہہ کر مسلمانوں کو پھر مستعد جنگ
دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلمانوں کو فتح اور کفار کو شکست ہوئی۔ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے عہد
میں اسی روز انتقال فرمایا۔ جس دن حضرت ابو قحافہ والد حضرت صدیق اکبر نے وفات پائی۔ ہند کی ایک
بہن فاطمہ تھی۔ جو فتح مکہ کے دن اسلام لائی اور ایک بہن ام ابان تھی۔ جو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے
نکاح میں آئی۔

عبدالرحمٰن بن سمرہ امیہ کے بھائی حبیب کے پوتے تھے۔ جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ اور
رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے حضرت عثمان ذوالنورین کے عہد میں خراسان پر حملہ کیا
تھا۔ بجستان اور کابل آپ ہی نے فتح کیا تھا۔ ابن عامر نے آپ کو بجستان کا حاکم بنا دیا۔ آپ وہیں رہے۔
یہاں تک کہ حضرت عثمان کی خلافت میں فتنہ پیدا ہو گیا۔ یہ وہاں سے چلے گئے۔ آخر کار بصرہ میں آرہے۔
اور بصرہ ہی میں ۵۱ھ میں وفات پائی۔ بعض کا قول ہے۔ کہ ان کا والد سمرہ ایمان لے آیا تھا۔

(تجرید اسماء الصحابۃ للذہبی)

عامر بن کریز رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی بیضاء کے بیٹے ہیں۔ جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور خلافت
عثمان تک زندہ رہے۔

عبداللہ بن عامر حضرت عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے۔
اور آپ کی خدمت اقدس میں لائے گئے۔ حضور انور نے ان پر دم کیا اور لعاب مبارک ان کے منہ میں ڈال
دیا۔ جسے یہ نگل گئے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ انہ لمسقی (بے شک یہ پلائے گئے ہیں۔)
حضور پر نور کے اس ارشاد کی برکت سے وہ جس زمین کو کھودتے پانی نکل آتا۔ عبداللہ مذکور سخی کریم حلیم اور
کثیر المناقب تھے۔ خراسان اطراف فارس۔ اصفہان۔ حلوان و کرمان ان ہی نے فتح کئے۔ اور فارس کا اخیر
بادشاہ یزد جردان ہی کی امارت میں قتل ہوا۔ نہر بصرہ ان ہی نے کھدوائی۔ انہوں نے پہلے پہل عرفہ میں حوض
بنوا کر وہاں تک چشمہ آب جاری کر دیا۔ حضرت عثمان غنی کے عہد میں بصرہ کے حاکم رہے جنگ جمل میں
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہے حضرت امیر معاویہ نے ان کو بصرہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ مگر تین برس کے
بعد معزول کر دیا۔ پھر یہ مدینہ جا رہے۔ اور وہیں ۵۸ھ میں یا ایک سال پیشتر وفات پائی۔

مندرجہ بالا حالات سے ناظرین بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ بنی امیہ اور ان کے قریبی رشتہ دار جنہوں نے
پہلے پہل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کی۔ آخر کار کس طرح آپ کی غلامی میں آئے۔ اور حضور انور
نے ان کے اخلاص و اہلیت کو ملاحظہ فرما کر ان کو اپنے قلم رو میں کس قدر عمل و دخل دیا۔ اور انہوں نے
اسلام کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ حسب بیان ملا باقر مجلسی (حیات القلوب نو لکشوری۔ جلد دوم۔ صفحہ
۷۵۱) آنحضرت ﷺ کے عمال مندرجہ ذیل تھے۔

فہرست عمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عامل یا والی کا نام	علاقہ کا نام	کیفیت
عمرو بن حزم خزرجی	نجران	کتاب میں عمرو بن خدام غلط چھپا ہے۔ حضرت عمرو پندرہ سال کی عمر میں غزوہ خندق میں شامل ہوئے جب سترہ سال کے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عامل نجران مقرر کر دیا۔ تاکہ وہاں کے باشندوں کو قرآن و شرائع اسلام کی تعلیم دیں۔
زیاد بن لبید انصاری خزرجی	حضرت موت	حضرت زیاد عقبہ' بدر' احد' خندق وغیرہ تمام مشاہد میں شامل تھے۔ کتاب میں زیاد بن السید غلط چھپا ہے۔
خالد بن سعید اُموی	صنعاء	ان کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے۔
مہاجر بن ابی امیہ قریشی مخزوجی	کندہ و صدف	کتاب میں بجائے مخزومی کے غزومی اور بجائے مہاجر بن ابی امیہ کے ابو امیہ اور بجائے صدف کے صدق غلط چھپا ہے۔ حضرت مہاجر ام المومنین ام سلمہ کے سگے بھائی تھے۔ جو صدقات کندہ و صدف پر مامور تھے۔ (دیکھو استیعاب ابن عبد البر) قبیلہ کندہ یمن میں تھا۔ اور صدف اسی کا ایک بطن تھا۔
ابو موسیٰ اشعری	زبید و رمع و عدن و ساحل	حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کو عمالت کوفہ سے معزول کر دیا تھا۔
معاذ بن جبل انصاری خزرجی	بعضے از اعمال یمن	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کو پانچ صحابیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت معاذ کو آپ نے یمن کے شہر جند کا قاضی

		مقرر فرمایا تھا۔ جو لوگوں کو قرآن و شرائع اسلام کی تعلیم دیتے۔ اور حضرت زیاد و خالد و مہاجر و ابو موسیٰ سے صدقات وصول کرتے۔
عمرو بن عاص قرشی سہمی و ابو زید انصاری	عمان	رسول اللہ ﷺ نے ابو زید انصاری اور عمرو بن عاص کو ۸ھ میں عبیدہ و جیفر پسران جلندی والیان عمان کی طرف دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ عبید و جیفر اور باشندگان عمان ایمان لائے۔ ابو زید و عمرو دونوں آنحضرت ﷺ کی وفات شریف تک والی عمان رہے (فتوحات البلدان بلاذریؒ)
یزید بن ابی سفیان اُموی	صدقات نجران	ان کا حال پہلے لکھا جاچکا ہے۔
حذیفہ و بلال	صدقات میوہ ہا	بظاہر حذیفہ سے مراد حذیفہ بن الیمان اور بلال سے بلال بن رباح مؤذن رسول اللہ ﷺ مراد ہے۔
عباد بن بشیر انصاری اشہلی	صدقات بنی المصطلق	صدقات بنی المصطلق پر تو حضرت ولید بن عقبہ مامور تھے۔ جیسا کہ تاریخ اسلام مؤلفہ ایس ذاکر حسین جعفر میں مذکور ہے۔
مالک بن نویرہ تمیمی یربوعی	صدقات بنی یربوع	رسول اللہ ﷺ نے مالک کو اپنی ہی قوم کے صدقات پر مامور فرمایا تھا۔
عدی بن حاتم طائی	صدقات بنی اسد	تاریخ اسلام مؤلفہ ایس ذاکر حسین جعفر میں لکھا ہے۔ کہ عدی بن حاتم صدقات طے پر مامور تھے۔ اور صدقات بنی اسد یا ایاس بن قیس اسدی تھے۔ اور کامل ابن اثیر میں ہے۔ کہ حضرت عدی صدقات نے واسد پر مامور تھے۔
زبرقان بن بدر بن امرؤ القیس بن خلف بن بہدلہ بن عوف سعدی تمیمی	صدقات عوف	حضرت زبرقان ۹ھ میں ایمان لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی ہی قوم کے صدقات پر

		مامور فرمایا۔ عہد صدیقی وعہد فاروقی میں بھی اسی عہدے پر ممتاز رہے۔
عیینہ بن حصن فزاری	صدقات فزارہ	حضرت عیینہ اپنی قوم کے سردار اور ان ہی کے صدقات پر مامور تھے۔ عہد صدیقی میں آپ نے اپنی قوم کو ارتداد سے روکا تھا۔ اور صدقات وصول کر کے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔
ابو عبیدہ بن الجراح قرشی فہری	صدقات مزینہ وہذیل وکنانہ	حضرت ابو عبیدہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان ہی کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ **امین ھٰذہ الامۃ ابو عبیدۃ بن الجراح** یعنی اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔

فہرست مندرجہ بالا سے ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں بنی ہاشم میں سے کوئی عامل نہ تھا: جس کی وجہ وہی ہے۔ جو پہلے مذکور ہوئی۔ یعنی سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کی بعثت سے یہ مقصود نہ تھا۔ کہ آپ دنیا میں اپنی خاندانی سلطنت قائم کر جائیں۔ جس سے منکرین کو یہ کہنے کا موقع ملتا۔ کہ آپ تو سلطنت ہاشمیہ قائم کرنے آئے تھے۔ اس فہرست میں اگرچہ تمام اموی عاملوں کے نام درج نہیں۔ مگر ملا باقر مجلسی کے قلم سے ان میں سے دو کا نام ثبت ہونا بھی غنیمت ہے۔ جس سے ہمارا مدعا ثابت ہے۔ اب ہم ذیل میں دکھاتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین تقرر عمال میں کس طرح آپ کے نقش قدم پر چلے۔

(۲) فہرست عمال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

عامل یا والی کا نام	علاقہ کا نام	کیفیت
عتاب بن اسید اموی	مکہ	حضرت عتاب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عامل مکہ تھے۔
عثمان بن ابی العاص ثقفی	طائف	حضرت عثمان رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عامل طائف تھے
مہاجر بن ابی امیہ قرشی مخزومی	صنعاء	چونکہ حضرت خالد بن سعید اموی عامل صنعاء رسول

		اللہ ﷺ کی وفات شریف پر رغبت ورضائے خود ملک شام کو چلے گئے تھے۔ اس لئے ان کی جگہ حضرت مہاجر کو مقرر کیا گیا۔ جو یمن کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ کیونکہ عہد نبوی میں یمن کے قبیلہ کندہ کے صدقات پر مامور تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حارث بن عبد کلال شاہ یمن کے پاس بطور قاصد بھی بھیجے گئے تھے۔ یہاں اموی عامل کی جگہ غیر اموی کا تقرر قابل غور ہے۔
زیاد بن لبید انصاری	حضرموت	حضرت زیاد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عامل حضرموت تھے۔
یعلی بن امیہ تمیمی	خولان (یمن میں)	حضرت صدیق اکبر کے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی فتنہ ارتداد میں اہل خولان نے بھی صدقہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ ان کو راہ راست پر لائے۔ اور وہیں کے عامل مقرر ہوئے۔
ابو موسیٰ اشعری	زبید ورمع	حضرت ابو موسیٰ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عامل زبید ورمع تھے۔
معاذ بن جبل انصاری خزرجی	جند (یمن) میں	حضرت معاذ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عامل جند تھے۔
علاء بن الحضرمی خزرجی	بحرین	پہلے بحرین فارسیوں کے قبضے میں تھا۔ اور ان کی طرف سے منذر بن ساوی حاکم بحرین تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ۸ھ میں حضرت علاء کو دعوت اسلام کے لئے وہاں بھیجا۔ منذر اور تمام عرب بحرین اور بعض عجم ایمان لائے۔ اور باقی نے جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت علاء وہاں کے عامل مقرر ہوئے۔ پھر ان کی جگہ حضرت ابان بن

		سعید اموی مقرر ہوئے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ ہر دو عامل بحرین رہے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف پر حضرت ابان جہاد کے لئے تشریف لے گئے۔ اور علاء عامل بحرین رہے۔ یا دوبارہ مقرر کئے گئے۔ (فتوح البلدان بلاذری)
جریر بن عبداللہ بجلی	نجران	حضرت جریر کو رسول اللہ ﷺ نے ذوکلاع اور ذورعین شاہان یمن کی طرف بطور قاصد بھیجا تھا۔
خالد بن ولید کے ماتحت ابو عبیدہ بن الجراح قرشی فہری۔ شرجلیل بن حسنہ کندی۔ یزید بن ابی سفیان اموی۔ عمرو بن عاص قرشی سہمی	شام کے بعض شہر	ان سب نے عہد صدیقی میں علاقہ مفتوحہ شام کی فتح میں نمایاں حصہ لیا تھا۔

مندرجہ بالا فہرست سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ حضرت صدیق اکبر نے نظام سلطنت میں بھی کس حد تک رسول اللہ ﷺ کا اتباع کیا ہے۔ بنی امیہ کی کوئی خاص رعایت نہیں کی گئی۔

(۳) فہرست عمال حضرت فاروق اعظم بوقت شہادت

(کامل ابن اثیر)

عامل یا والی کا نام	علاقہ کا نام	کیفیت
نافع بن عبدالحارث خزاعی	مکہ	حضرت عتاب عامل مکہ وفات پا چکے تھے اس لئے ان کی جگہ حضرت نافع مقرر ہوئے۔ استیعاب میں ہے۔ کہ ایک روز نافع دربار فاروق میں آئے اور اپنے آزاد کردہ غلام عبدالرحمٰن بن ابزی کو اپنا خلیفہ چھوڑ آئے۔ اس بے قاعدگی پر حضرت فاروق اعظم نے ان کو معزول کر دیا۔ اور ان کی جگہ خالد بن عاص بن ہشام مخزومی کو مقرر کیا۔

سفیان بن عبد اللہ ثقفی طائفی	طائف	عہد نبوی و عہد صدیقی میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی عامل طائف تھے۔ عہد فاروقی کے پہلے دو سال وہی عامل طائف رہے۔ ۱۴ھ میں حضرت علا بن الحضرمی عامل بحرین کی وفات کے قریب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو طائف سے تبدیل کر کے عمان و بحرین کا حاکم مقرر کیا۔ اور طائف میں۔ سفیان بن عبد اللہ کو مامور کیا۔
یعلیٰ بن امیہ تمیمی	صنعاء	حضرت یعلیٰ عہد صدیقی میں بھی یمن میں عامل تھے۔
عبد اللہ بن ابی ربیعہ قرشی مخزومی	جند	حضرت معاذ بن جبل عامل جند طاعون عمواس میں فوت ہوئے۔ ان کی جگہ عبد اللہ بن ابی ربیعہ مقرر ہوئے۔
مغیرہ بن شعبہ ثقفی	کوفہ	کوفہ کو حضرت فاروق اعظم کے حکم سے ۱۷ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے آباد کیا تھا۔ حضرت سعد ساڑھے تین سال تک عامل کوفہ رہے۔ پھر اہل کوفہ نے دربار فاروقی میں شکایت کردی۔ کہ سعد نماز درست نہیں پڑھاتے۔ حضرت فاروق اعظم نے عمار بن یاسر کو مامور کیا۔ قریباً دو سال کے بعد عمار کی بھی شکایت آئی کہ وہ سیاست سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا ان کی درخواست پر ابو موسیٰ مقرر کئے گئے۔ ایک سال کے بعد ان کی بھی شکایت ہوئی اس لئے ابو موسیٰ بصرہ میں مقرر کئے گئے۔ اور مغیرہ بصرہ سے کوفہ میں تبدیل ہو کر آئے۔
عمرو بن عاص قرشی سہمی و عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح قرشی عامری	مصر	مصر کو حضرت عمرو بن عاص نے عہد فاروق میں ۲۰ھ میں فتح کیا تھا۔ اس فتح میں لشکر اسلام کے میمنہ کے سردار عبد اللہ بن سعد تھے۔ (استیعاب) حضرت فاروق

		اعظم کی وفات کے وقت یہ دونوں مصر کے حاکم تھے۔ حضرت عمرو فسطاط و حصہ زیرین مصر پر اور عبداللہ صعید مصر پر مامور تھے۔(حسن المحاضرہ للسیوطی)ابن اثیر نے صرف عمرو کو حاکم مصر لکھا ہے۔
عمیر بن سعد انصاری	حمص وقنسرین	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن الجراح کی وفات پر عیاض بن غنم قرشی فہری کو جنہوں نے عامہ بلاد جزیرہ ورقہ کو فتح کیا تھا۔ عامل حمص قرار دیا۔ حضرت عیاض نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ اس لئے عمیر بن سعد مقرر کئے گئے تھے۔
معاویہ بن ابی سفیان اموی	دمشق واردن	حضرت فاروق اعظم کی طرف سے یزید بن ابی سفیان دمشق میں اور ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ اردن میں عامل تھے۔ جب یزید بن ابی سفیان نے ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں انتقال فرمایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت معاویہ کی قابلیت و تجربہ کو ملحوظ رکھ کر اردن بھی ان کی عمالت میں شامل کردیا۔
عثمان بن ابی العاص ثقفی	بحرین ومضافات	کیفیت پہلے آچکی ہے۔

اس فہرست سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت فاروق اعظم نے نظام حکومت میں رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اتباع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور پہلے عاملوں کی موجودگی میں نئے عامل مقرر نہیں کئے۔ اور نہ بنی امیہ کو اختیارات میں بے جا دخل دیا ہے۔

(۴) فہرست عمال بوقت شہادت حضرت عثمان ذوالنورین

(کامل ابن اثیر)

عامل یا والی کا نام	علاقہ کا نام	کیفیت
عبداللہ بن الحضرمی	مکہ	استیعاب میں خالد بن عاص بن ہشام مخزومی کو عہد

عثمان میں عامل مکہ لکھا ہے۔ جو عہد فاروقی میں بھی اسی عہدے پر ممتاز تھے۔

قاسم بن عبداللہ بن ربیعہ ثقفی	طائف	X
یعلیٰ بن امیہ تمیمی	صنعاء	حضرت یعلیٰ عہد فاروقی میں بھی عامل صنعا تھے۔
عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی	جند	حضرت عبداللہ عہد فاروقی میں بھی عامل جند تھے۔
عبداللہ بن عامر بن کریز عبشمی	بصرہ	عہد فاروقی میں بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری عامل تھے۔ شروع خلافت عثمان میں بھی وہی عامل رہے۔ عہد عثمانی کے تیسرے سال اہل ایذج و کراد نے ارتکاب کفر کیا۔ اس لئے حضرت ابو موسیٰ نے لوگوں کو پیدل جہاد کی ترغیب دی۔ مگر خود سوار ہو کر نکلے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے باگ پکڑ لی۔ اس پر ابو موسیٰ نے چابک مار کر لوگوں کو ہٹا دیا۔ یہ شکایت دربار عثمانی میں پہنچی۔ ابو موسیٰ عمالت بصرہ سے معزول کئے گئے۔ اور ان کی جگہ ۲۹ھ میں عبداللہ بن عامر مقرر کئے گئے۔ (ابن اثیر)
معاویہ بن ابی سفیان اموی	شام	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں عامل دمشق واردن ہو گئے تھے۔ اوائل عہد عثمانی میں حضرت عمیر بن سعد عامل حمص و قنسرین بیمار ہو کر اپنی عمالت سے مستعفی ہو گئے۔ اور عبدالرحمٰن بن علقمہ عامل فلسطین نے وفات پائی۔ اسی طرح حمص و قنسرین و فلسطین بھی عمالت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شامل کر دیئے گئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بوجہ اپنی لیاقت کے تمام شام کے گورنر ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حمص پر عبدالرحمٰن بن خالد قرشی مخزومی اور قنسرین پر حبیب

		بن مسلمہ قرشی فہری اور اردن پر ابو الاعور سلمٰی اور فلسطین پر علقمہ بن حکیم فراسی کنانی اور بحری علاقہ پر عبداللہ بن قیس فزاری مامور تھے۔
ابو موسیٰ اشعری	کوفہ	حضرت فاروق اعظم نے وصیت کی تھی۔ کہ سعد بن ابی وقاص کو پھر عامل کوفہ بنایا جائے۔ کیونکہ ان کی معزولی کسی برائی یا خیانت کے سبب نہ ہوئی تھی۔ اسی لئے حضرت سعد ایک سال سے کچھ اوپر عامل کوفہ رہے۔ ان کے بعد ولید بن عقبہ پانچ سال اس عہدے پر رہے۔ پھر سعید بن عاص مامور ہوئے۔ اہل کوفہ ان سے بھی خوش نہ تھے۔ آخر کار انہوں نے ابو موسیٰ کو اپنا حاکم بنا کر حضرت عثمان ذوالنورین سے منظوری منگوا لی۔
جریر بن عبداللہ بجلی	قرقیسیا	حضرت جریر کوفہ میں رہا کرتے تھے۔ جب اہل کوفہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب و شتم شروع کیا۔ تو یہ قرقیسیا میں آگئے اور کہنے لگے۔ کہ میں ایسے شہر میں نہیں رہ سکتا جہاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم ہو۔
اشعث بن قیس کندی	آذربیجان	عہد فاروق میں حذیفہ بن الیمان اور عتبہ بن فرقد سلمٰی جو فتح آذربیجان میں شامل تھے یکے بعد دیگرے عامل تھے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو معزول کیا۔ تو اہل آذربیجان نے نقض عہد کیا اس لئے ۲۵ھ میں ولید بن عقبہ عامل کوفہ مع اشعث بن قیس کے آذربیجان بھیجے گئے۔ انہوں نے اہالی! آذربیجان کو صلح حذیفہ پر مجبور کیا۔ ولید کی واپسی پر اشعث بطور عامل وہیں رہ گئے۔

عتبہ بن نہاس	حلوان	حلوان عراق میں ایک بڑا آباد شہر تھا۔ جریر بن عبداللہ بجلی نے اسے ۱۹ھ میں فتح کیا تھا۔
مالک بن حبیب ابو محجن ثقفی	ماہ	حضرت مالک جاہلیت و اسلام میں بڑے شجاع تھے۔ جنگ قادسیہ میں شامل تھے۔
نسیر بن ثور علی	ہمدان	نہاوند کے نواح میں نسیر ایک قلعہ کا نام بھی ہے۔ چونکہ اس قلعہ کو حضرت نسیر نے فتح کیا تھا۔ اس لئے آپ کے نام پر موسوم بہ نسیر ہوا۔
سعید بن قیس	رے	X
سائب بن اقرع ثقفی	اصفہان	حضرت سائب فتح نہاوند میں شامل تھے۔ حضرت فاروق اعظم نے انکو عامل مدائن مقرر کردیا تھا۔ ایک روز اپنی والدہ ملیکہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنا مبارک ہاتھ ان کے سر پر پھیرا۔
جنیس	اسبذان	X
عبداللہ بن سعد بن ابی سرح قرشی عامری	مصر	حضرت فاروق اعظم کی وفات کے وقت مصر میں عمرو بن عاص اور عبداللہ بن سعد دونوں عامل تھے۔ حضرت عمرو کو تجربہ جنگ خوب تھا اور دشمنوں کے دل میں ان کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت عثمانؓ غنی نے چاہا۔ کہ عمرو کو صیغہ جنگ پر اور عبداللہ کو خراج مصر پر مامور کیا جائے۔ مگر عمرو نے انکار کیا۔ اس لئے عمرو معزول ہو گئے۔ اور عبداللہ خراج مصر اور حرب دونوں پر مامور ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ذوالنورین نے عبداللہ کو خراج مصر پر متعین کردیا تھا۔ پھر دونوں میں کچھ قیل و قال ہوئی۔ عبداللہ نے دربار

عثمانی میں شکایت کر دی۔ جس پر عمرو معزول کر دیئے
گئے۔(دیکھو فتوح البلدان بلاذری)

حضرت عثمان ذوالنورین کے بیت المال کے افسر اعلیٰ عقبہ بن عامر عبس جہنی اور قاضی حضرت زید بن ثابت تھے۔

(۵) فہرست عمال بوقت شہادت حضرت علی مرتضیٰ

(ابن اثیر)

عامل یا والی کا نام	علاقہ کا نام	کیفیت
عبداللہ بن عباس قرشی ہاشمی	بصرہ	حضرت عبداللہ حبر الامتہ اور ابو الخلفاء ہیں۔
زیاد بن ابیہ	فارس	حضرت مرتضیٰ نے سہل بن حنیف انصاری کو حاکم فارس بنا کر بھیجا تھا۔ مگر اہل فارس نے سہل کو نکال دیا اس کے بعد آپ نے زیاد بن ابیہ کو بھیجا۔ اہل فارس اس تقرر پر خوش ہو گئے۔ اور خراج ادا کر دیا۔
عبیداللہ بن عباس قرشی ہاشمی	یمن	حضرت عبیداللہ سخاوت میں اور ان کے بھائی فضل جمال میں اور عبداللہ فقہ میں مشہور تھے۔ اسی واسطے کہا کرتے تھے۔ کہ جو شخص جمال و فقہ و سخاوت کا طالب ہو وہ حضرت عباس کے گھر آئے۔
قثم بن عباس قرشی ہاشمی	طائف و مکہ و مضافات	حضرت علی مرتضیٰ نے خالد بن عاص بن ہشام مخزومی عامل مکہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو قتادہ انصاری کو مقرر کیا تھا۔ پھر ابو قتادہ کو معزول کر کے قثم بن عباس کو متعین کیا تھا۔(استیعاب)
ابو ایوب انصاری اور بقول بعض سہل بن حنیف انصاری	مدینہ	حضرت ایوب بدر، احد، خندق اور باقی تمام غزوات میں شامل تھے۔ اور جنگ جمل و صفین و نہروان میں حضرت علی مرتضیٰ کے ہمراہ تھے۔ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں یزید بن

معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں فتح قسطنطنیہ کے لئے تشریف
لے گئے۔ دوران محاصرہ میں بیمار ہو گئے۔ اور وہیں
۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک فصیل شہر
کے متصل واقع ہے۔ جس سے امساک باراں کے
وقت توسل کیاجاتا ہے۔

حضرت علی مرتضٰی کی طرف سے ابو الاسود دئلی عہدہ قضاء پر مامور تھے۔

انتباہ

حضرت علی مرتضٰی نے خلیفہ ہوتے ہی تمام عمال عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ عمال کی فہرست جو آپ نے تیار کی وہ یہ تھی۔

۱۔ عبید اللہ بن عباس (یمن میں)
۲۔ سعید بن عباس (بحرین میں)
۳۔ سماعہ بن عباس (تہامہ)
۴۔ عون بن عباس (یمامہ)
۵۔ قثم بن عباس (مکہ)
۶۔ قیس بن سعد بن عبادہ (مصر)
۷۔ عثمان بن حنیف (بصرہ)
۸۔ عمارہ بن شہاب (کوفہ)
۹۔ سہل بن حنیف (شام)

مگر حضرت مرتضٰی کی اس تجویز پر عملدر آمد نہ ہو سکا۔
(دیکھو تاریخ اسلام مؤلفہ ایس ذاکر حسین جعفر۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۱۶۹)
شیعہ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے ملکی عہدے اپنے رشتہ داروں کو دے دیئے تھے۔ وہ فہرست نمبر(۴) و (۵) کو بغور دیکھیں۔ مصنف نے تیسرے سبب کے ضمن میں

جو بہت سی باتیں خلاف واقع لکھی ہیں۔ ان کی تردید آسانی سے بدیں تفصیل ہو سکتی ہے۔

(۱) یہ کہنا۔ کہ جناب رسول خدا ﷺ کی رحلت کے بعد امر خلافت کے طے پاتے ہی بنی امیہ (ناجائز طور پر) فرمانروائے ملک شام ہو گئے۔ اور پھر تھوڑے عرصہ میں (بطریق غصب) تمام بلاد اسلام کے بادشاہ ہو گئے۔ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں خود حضور انور کے حکم سے بحرین و یمن و مکہ و نجران وطائف و تبوک و خیبر وغیرہ میں بنی امیہ کا عمل و دخل تھا۔ بنی ہاشم میں سے ایک بھی عامل نہ تھا۔ حضور اقدس ﷺ کی وفات شریف پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی کے عاملوں کو بحال رکھنے کی جو کوشش کی وہ فہرست نمبر(۲) سے ظاہر ہے۔ عہد صدیقی میں شام کے صرف بعض شہر فتح ہوئے تھے۔ اور ان میں خلیفہ وقت کی طرف سے چار عامل تھے۔ جن میں صرف ایک عامل اموی تھا۔ عہد فاروق و عہد عثمانی میں بھی بنی امیہ کی کوئی بے جا رعایت نہیں کی گئی۔ جیسا کہ فہرست (۳) و (۴) سے ظاہر ہے۔ عہد عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام شام کے گورنر تھے۔ مگر ان کی طرف سے ملک شام میں جو پانچ عامل مقرر تھے۔ ان میں سے ایک بھی اموی نہ تھا۔ جس طریق سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری ملی اس کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ خلفائے ثلاثہ کا بنی ہاشم کو نظام سلطنت میں شریک نہ کرنا محض باتباع طریق حضور رسول اکرم ﷺ تھا۔

(۲) واقعہ کربلا کے بعد یزید کا جو سلوک آل محمد ﷺ کے ساتھ بتایا گیا ہے اور بنی امیہ کو بے ایمان کہا گیا ہے۔ یہ سب غلط ہے۔ واقعہ کربلا کی ساری ذمہ داری شیعان امام حسین رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہوا۔ دمشق میں جو نیک سلوک یزید نے امام زین العابدین اور حرم امام شہید کے ساتھ کیا۔ وہ بحوالہ کتب شیعہ نقل ہو چکا ہے۔ بنی امیہ کی تکفیر کی تردید ان حالات سے ظاہر ہے جو اوپر بیان ہوئے۔

(۳) بنی امیہ کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اس کے اہل تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں نے نظام سلطنت میں آپ کا پورا اتباع کیا۔ فتوحات اسلامیہ میں جو غنیمت و دولت ہاتھ میں آئی اس میں اہل بیت کا خاص خیال رکھا گیا۔ جیسا کہ دیوان عطا فاروقی۔ قصہ حضرت شہربانو۔ وصیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسلمانوں کی خونریزی سے بچانے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے وظیفہ منظور فرمایا۔ مصنف اس کو آج آل محمد کی بے توقیری بتا رہا ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی اس قسم کے دشمن آل محمد ﷺ موجود تھے جو حضرت امام کو اسی صلح کے سبب مذل المومنین کہتے تھے۔ مصنف نے بحوالہ تاریخ خمیس لکھا ہے۔ کہ جناب امام حسن کی شہادت نے خلیفہ صاحب کے دل کو

استراحت بخشی۔ جب ہم تاریخ مذکور کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں۔ کہ ابن خلکان نے یوں کہا ہے۔ نہ معلوم ابن خلکان کی کس کتاب میں ایسا لکھا ہے اور اس کا اسناد کیا ہے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وظیفہ ملا کرتا تھا۔ چنانچہ ناسخ التواریخ جلد ۶ میں لکھا ہے۔ کہ " ومقرر داشت کہ ہر سال ہزار ہزار درہم از بیت المال بحضرت اوبرند و بیرون این مبلغ ہموار خدمتش رابعروض و جوائز متکاثرہ متواتر میداشت

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔ کہ ہر سال دس لاکھ درہم بیت المال سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجتے۔ اس کے علاوہ ہمیشہ متاع اور تحفے تحائف بکثرت بھیجتے رہتے۔ انتہی۔

اسی شیعی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ یمن کا خراج دمشق کو لے جا رہے تھے۔ جب قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام نقد و جنس (عنبر و خوشبو وغیرہ) پر قبضہ کر لیا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دے دی۔ امیر موصوف نے جواب دیا کہ

اگر آں قافلہ شتراں را ترک کردی تامن آورند آنچہ بہرہ و نصیب تو بود دریغ نہ داشتم۔ لیکن گمان مے کنم اے برادرزادہ کہ ترا خیالات مدارات و مصافات نیست و در زمان من بر تو صعب نمے افتد چہ قدر و منزلت تو دانم و معفوے دارم۔"

یعنی اگر تم اس اونٹوں کے قافلہ کو مجھ تک آنے دیتے تو جو کچھ تمہارا حصہ تھا۔ میں بھیج دیتا۔ لیکن اے بھتیجے میں گمان کرتا ہوں کہ تم کو مدارات اور درستی کے خیال نہیں اور میرے زمانے میں تمہیں تکلیف نہ ہو گی۔ کیونکہ میں تمہاری قدر و منزلت جانتا ہوں۔ اور معاف کر دیتا ہوں۔ (انتہی)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت ظاہری کو خدا کی خوشنودی کے لئے چھوڑا تھا۔ اس لئے خدا نے اس کے عوض آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو خلافت باطنی سے ممتاز فرمایا۔ حتیٰ کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ قطب اولیاء ہر زمانے میں اہل بیت ہی میں سے ہوتا ہے۔ خلافت باطنی کے سبب جو توقیر اہل بیت کو مسلمانوں میں حاصل ہے وہ اس توقیر سے کہیں بڑھ کر ہے جو خلافت ظاہری کے سبب سے ہوتی ہے۔

اس کی مثال امام زین العابدین کا قصہ ہے۔ عبدالملک کی خلافت کا زمانہ ہے اس کا بیٹا ہشام ملک شام سے اعیان شام کی ایک جماعت کے ساتھ بیت اللہ شریف کے حج کو آتا ہے جب طواف میں حجر اسود کو بوسہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ تو لوگوں کے ازدحام کے سبب سے حجر اسود تک پہنچنے نہیں پاتا۔ آخر کار ناکامیاب ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ کر نظارہ دیکھ رہا ہے کہ اتنے میں امام زین العابدین تشریف لاتے ہیں۔ آپ جب حجر اسود کے قریب پہنچتے ہیں تو لوگ آپ کی ہیبت و عظمت کے سبب جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور

حضرت امام بلا مزاحمت حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ایک شامی ہشام سے پوچھتا ہے۔ کہ یہ بزرگ کون ہیں جن کی اس قدر ہیبت لوگوں کے دلوں میں ہے ہشام بدیں خیال کہ مبادا اہل شام امام کی طرف مائل ہو جائیں جواب دیتا ہے کہ میں ان کو نہیں جانتا۔ فرزدق شاعر جو وہاں حاضر ہے۔ یہ سن کر جواب دیتا ہے کہ میں ان کو جانتا ہوں۔ وہ شامی کہتا ہے کہ بتائیے۔ اس پر فرزدق ایک قصیدہ فی البدیہہ پڑھتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ هٰذا الذی تعرف البطحاء وطائة۔ والبیت یعرفه والحل والحرم۔ یہ قصیدہ رجال کشی صفحہ ۸۶ میں موجود ہے۔

(۴) بنی امیہ کے اہل ثروت ہو جانے کی جو صورت بیان کی گئی ہے وہ بے سند اور غیر معتبر ہے۔ بعض معترضین حوالہ بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ ایس ذاکر حسین جعفر لکھتا ہے۔" معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان ایک فتنہ انگیز منافق تھا۔ چنانچہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے۔ کہ عثمان کی بیعت ہوئی تو ابو سفیان نے عثمان سے کہا۔ کہ یہ خلافت تیم کو ملی اور ان کو خلافت سے کیا واسطہ۔ پھر عدی میں آئی۔ وہ ان سے بھی زیادہ بعید تھے۔ پھر وہ اپنے مقام (بنی امیہ) پر آ گئی۔ اے بنی امیہ تم اس سے اس طرح بازی کرو جیسے بچے گیند سے بازی کرتے ہیں۔ کیونکہ نہ کوئی جنت ہے نہ کوئی نار ہے وہاں زبیر بھی بیٹھے تھے۔ (ابو سفیان اندھے تھے انہیں کیا معلوم) عثمان نے کہا چھپ جا۔ ابو سفیان نے کہا کیا یہاں کوئی ہے۔ زبیر نے کہا۔ ہاں واللہ میں تیری اس بات کو پوشیدہ رکھوں گا۔ یہ روایت صاحب استیعاب نے بھی لکھی ہے۔ کامل ابن اثیر میں ہے۔ کہ میں ایک ایسا طوفان دیکھ رہا ہوں۔ کہ بغیر خونریزی کے فرو نہ ہو گا۔ اے فرزنداں عبد مناف ابوبکر کو تمہارے امور سے کیا واسطہ۔ کہاں ہیں وہ دونوں کمزور کئے گئے۔ کہاں ہیں وہ دونوں ذلیل کئے گئے اور علی اور عباس اس امر سلطنت کو قریش کے سب سے کمتر قبیلہ میں جانے کی کیا وجہ۔ پھر علی سے کہا کہ تم ہاتھ بڑھاؤ ہم تم سے بیعت کرتے ہیں۔ قسم خدا کی اگر تم چاہو۔ تو ابھی ہم سوار و پیادہ سے اس (میدان) کو بھر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ اور فرمایا ہم کو تیرے مشورہ کی حاجت نہیں ہے۔"

(تاریخ اسلام۔ جلد سوم حاشیہ صفحہ ۱۷۔ ۱۸)

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو منافق کہنا خود اپنا نامہ اعمال سیاہ کرنا ہے۔ ان کے صحابی ہونے میں کوئی شک نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ابن ابی الحدید کھلا شیعی ہے۔ اور روایت ابن اثیر اور روایت استیعاب ہر دو پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ روایت ابن اثیر بلا اسناد مذکور ہے۔ اس کے نقل کرنے میں بد دیانتی کی گئی ہے کہ اس کا شروع کا لفظ ساقط کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ یوں ہے۔ قیل کما اجتمع الناس علی بیعة ابی بکر اقبل ابو سفیان وھو یقول انی لا ری عجاجة لا یطفئنها الادم یا اٰل عبد مناف الخ (تاریخ

کامل مطبوعہ مصر۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۲۴)

• قیل (کہا گیا) عربی میں ضعف کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ابن اثیر کے نزدیک ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔ حافظ ابن عبد البر (متوفی ۴۶۳ھ) نے استیعاب میں ابو سفیان کے ترجمہ میں دونوں روایتوں کو نقل کرکے یوں لکھا ہے۔ **وله اخبار من نحو هٰذا روية ذكرها اهل الاخبار لم اذكرها** (استیعاب مطبوعہ دائرۃ النظامیہ حیدر آباد دکن جزء ثانی۔ صفحہ ۱۰۷)

یعنی ابو سفیان کی نسبت اس قسم کے اور اخبار رویہ ہیں جن کو اخباریوں نے ذکر کیا ہے اور میں نے ذکر نہیں کیا۔ انتہے لہٰذا یہ دونوں روایتیں ابن عبد البر کے نزدیک اخباریوں کے قصے کہانیوں کی مانند پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اگرچہ ابن عبد البر نے ایسی روایتوں کے غیر معتبر ہونے کی تصریح فرمادی۔ مگر پھر بھی علماء نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ ایسی روایتوں کو انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ ہی کیوں دی۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) لکھتے ہیں:

النوع التاسع والثلاثون معرفة الصحابة رضى الله عنهم اجمعين ۔ هٰذا علم كبير قد الف الناس فيه كتبًا كثيرة ومن اجلها واكثرها فوائد كتاب الاستيعاب ابن عبدا البرلولا ماشانه به من ايراده كثيرا مما شجر بين الصحابة وحكايا ته عن الاخباريين المحدثين وغالب على الاخباريين الاكثار والتخليط فيما يروونه۔ (مقدمہ ابن الصلاح مطبوعہ چشمہ فیض لکھنؤ ص ۱۴۷)

ترجمہ: "نوع سی و نہم معرفت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ بڑا علم ہے۔ لوگوں نے اس میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ابن عبد البر کی کتاب بلحاظ فوائد کے اہل و اکثر ہے۔ اگر وہ اس کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بہت سے مشاجرات کے بیان کرنے اور بجائے محدثین کے اخباریوں کی حکایتوں کے لانے سے بدنما نہ بناتے۔ اخباری اپنی روایتوں میں اکثر اکثار و تخلیط سے کام لیتے۔ انتہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ قصہ زیر بحث درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسی طرح سید امداد امام نے جو اپنی طرف سے حاشیہ چڑھایا ہے۔ یعنی ابو سفیان کا شیخین کی خدمت میں جانا اور شیخین کا ان کو شریک سلطنت کرنا یہ سب بالکل بے اصل ہے۔ شیعہ کی معتبر تاریخ روضتہ الصفا (جلد دوم۔ صفحہ ۲۴۶) میں یہ قصہ بدیں الفاظ مذکور ہے:

در بعضے روایات وارد شدہ کہ ابو سفیان پیش از بیعت با امیر المومنین علی گفت کہ تو راضی مے

شوی کہ شخصے از بنی تیم متصدی کار حکومت شود۔ بخدا سوگند کہ اگر تو خواہی ایں وادی راپر از سوار و پیادہ گردانم علی گفت۔ اے ابو سفیان تو ہمیشہ در ایام جاہلیت فتنہ مے انگیختی و حالا نیزے خواہی کہ فتنہ در اسلام احداث کنی۔ ما ابوبکر راشائستہ این کارے دانیم۔ گویند صدیق و فاروق را معلوم شد کہ ابو سفیان داعیہ مخالفت دارد۔ پسر اویزید را بامارت شام نوید داد ند ابو سفیان کہ این معلوم کرد ترک منازعات و مخالفت نمودہ مطیع و منقاد گشت۔ اس عبارت میں الفاظ در بعضے روایات اور گویند قابل غور ہیں۔ یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ بعض روایات کیسی ہیں۔ وہ کہنے والے کون ہیں۔ پورا اسناد کیا ہے۔ ایسی روایات بطور حجت ہم پر پیش ہو سکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ مصنف نے جو بلا امتیاز تمام بنی امیہ کی نسبت زبان درازی سے کام لیا ہے۔ وہ داخل شیوہ شیعہ ہے۔ ہم نے جو بنی امیہ کے حالات لکھے ہیں۔ ان کی تصدیق کے لئے استیعاب و تہذیب التہذیب وغیرہ کتب اسماء الرجال دیکھو۔

قال السید امداد امام

اس عدم توقیر کی ایک مثال یہ ہے کہ جب جناب امام حسین رضی اللہ عنہ بنی امیہ کے مقابلہ کو جہاد کے واسطے نکلے تو شہر سے باہر نکل کر آپ کے پاس ڈیڑھ سو آدمی سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ یہ حالت مسلمانوں کی دیکھ کر آپ شہر کو واپس چلے آئے۔ ظاہر ہے کہ بنی ہاشم کے ہاتھ میں زمام حکومت کے نہ رہنے سے بنی ہاشم کا ساتھ عامہ مسلمانان عرب نہیں دے سکتے تھے۔ صرف وہی چند افراد بنی ہاشم تھے جو منہ نہیں موڑ سکتے تھے۔ جن کے دل میں سچی محبت رسول اللہ ﷺ کی جگہ کئے ہوئے تھی۔ جس کے سبب سے ایسے حضرات بنی ہاشم کی توقیر کو اپنے اوپر فرض عین جانتے تھے۔ ورنہ بنی ہاشم اور دوستداران بنی ہاشم کے سوا تمام مسلمان بنی امیہ ہی کا دم بھرتے تھے۔ اور کیوں نہ ایسا کرتے جب حکومت تمام بلاد اسلام کی بنی امیہ کے ہاتھ منتقل ہو چکی تھی۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۳۳۔

اقولُ

مصنف نے جو کچھ لکھا ہے بے سند لکھا ہے۔ جنات الخلود میں ہے کہ راستے میں امام شہید کے ساتھ قبائل کے جو لوگ شامل ہوئے ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ جلاء العیون میں بروایت امام محمد باقر مذکور ہے۔ کہ اہل عراق میں سے بیس ہزار نے حضرت امام کی بیعت کی تھی۔ بنی ہاشم کی بے توقیری اگر کی۔ تو کوفہ کے شیعہ نے کی۔ کہ بارہ ہزار خطوط پے در پے بھیج کر امام کو کوفہ آنے پر آمادہ کیا۔ مگر امام نے از

روئے احتیاط پہلے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر امام کی بیعت کی۔ پھر خلاف ورزی کر کے ان کو شہید کر دیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ و مسلم کا خط دیکھ کر روانہ ہو گئے تھے۔ جب کوفہ کے متصل پہنچے۔ تو کوفیوں نے امام کو دھوکا دیا۔ اور عین وقت پر امام کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب مقابلہ کے لئے طرفین نے صف آرائی کی تو امام حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر کر اونٹ پر سوار ہوئے۔ اور ہر دو صف کے درمیان پہنچ کر کوفیوں سے یوں خطاب فرمایا۔

اے کوفیاں کلمہ چند القا خواہم کرد۔ ہر چند مے دانم کہ در گفتن آں نفعے تصور نیست۔ لیکن غرض آنست کہ حجت خدائے عزوجل بر شما لازم و عذر من نزد شما روشن شود و چون زناں و کودکان و اہل بیت این شنیدند نوحہ و زاری آغاز کردند۔ چنانچہ آواز ایشان بمع ہمایوں امام حسین رسید و از گریہ و فریاد ایشان متاثر شدہ فرمود **لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** ابن عباس بامن گفت کہ نساء و صبیاں را با خود مبر۔ و من سہو کردہ کہ بنصیحت او عمل نہ نمودم۔ آنگاہ بہرادر و پسر خود را فرمود کہ بروید و باایشان بگوئید کہ فردا شمار البسیار بائید گریست ما بارے ترک آن کنید و چون آن جماعت این پیغام شنیدند خاموش گشتند و امیرالمومنین حسین ہر طرف خویش رفتہ گفت۔ ایھا الناس شما معلوم دارید کہ من نبیرہ پیغمبر خدایم و پسر وصی او علیؑ مرتضیٰ کسے کہ از مردان بشرف قبول ایمان مشرف گشت وے بود۔ و شنیدہ اید کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ در شان آن و برادرم امام حسن رضی اللہ عنہ فرمودہ کہ دو سید جوانان بہشتیم۔ امروز آن نسب کہ مراست کراست و تامع دانستہ ام کہ خداوند عزوعلا کذب را حرام گردانید دروغ نگفتہ ام و وعدہ خلاف نکردہ و ہیچ مسلمان را نیاز ردہ ام و تاقلم تکلیف بر من جاری شدہ ہیچ نمازے بقصد از من فوت نشدہ و بخدا اندکہ اگر از موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام دراز گوشے ماندہ بودے یہود و نصاریٰ تعہد و تیمار آن بجائے آوردند۔ چگونہ اسم مسلمانی بر شما اطلاق تو ان کرد کہ در قتل فرزندان پیغمبر سعی مے نمائید۔ نہ از خدا شمارا بیم و نہ از رسول وے شرم۔ بچہ حجت بر کشتن من اقدام مے نمائید و بکدام دلیل خون مرا مباح مے شمارید۔ من مردے بودم از دنیا اعراض نمودہ و ملازم قبر جد من گشتہ۔ مرا در آنجا رہا نکر دید۔ بالضرورۃ ترک مدینہ کردہ و پناہ بحرم باری تعالیٰ بردہ ۔بعبادت مشغول شدم تا رسل شما متعاقب و نامہائے شما متواتر بمن رسید کہ ماترا بامامت احق و اولیٰ مے دانیم۔ باید کہ متوجہ این جانب شوی کہ ما در قدم تو جانہا افشانیم۔ و اکنوں کہ بتقریب شما آمدم بارے اگر مرا یاری نمے دہید تیغ بروئے من مکشید و مرا بگزارید کہ بحرم خدا باز گردم یا بمدینہ رفتہ بر سر قبر جد بزرگوار خود بنشینم و دنیا بر من

گزشتہ در آن عالم پدید آئید کہ حق بجانب کہ بود و ستم از کہ صادر شد۔ مخالفان این عنوان شنیدہ ہیچ کس جوابے نداد۔ امام حسین رضی اللہ عنہ فرمود۔ الحمد اللہ والمنتہ کہ حجت برشما تمام کردم و شمارا حجتے برمن نیست۔ آنگہ یک یک از روسائے کوفہ را نام بردہ باز گفت کہ شما بجانب من نامہا نوشتہ اید و حالا دربرابر من آمدہ قصد خون من میکنید کوفیاں گفتند ما ازین کلمات کہ مے گوئی خبرنداریم وہیچ مکتوبے ارسال نکردہ ایم و ازین مکاتب و بیعت تو بیزاریم۔ امام حسینؓ فرمود تاخازن او نامہا را آوردہ بایشان نمود۔ حضار معرکہ انکار بلیغ کردہ ہمہ گفتند ۔ این صحایف بے وقوف ما قلمی شدہ۔ امام حسین رضی اللہ عنہ چون اصرار اہل غدر را مشاہد فرمود آمد و براسپ سوار شدہ .صف خویش پیوست و دل برمرگ نہادہ انتظار مے برد کہ مخالفان ابتدا بحرب کنند (روضتہ الصفا۔ جلد سیوم۔ صفحہ ۶۵۔ ۶۶)

نتیجہ یہ ہوا کہ جن شیعوں نے امام مسلم کے ساتھ بے وفائی کی تھی انؒ ہی کے ہاتھ سے امام حسین رضی اللہ عنہ مع ہمراہیوں کے شہید ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد وہی شیعہ پشیمان ہو کر توبہ کرنے لگے۔ چنانچہ شیعہ کی اس معتبر تاریخ میں ہے۔ طائفہ کہ بامسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ بیعت کردہ بہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ نامہا نوشتند و اور اطلب داشتند مسلم را در کوفہ مدد نہ کردند تابہ تیغ ستم کشتہ شد و بعد ازاں در ظل رایت عمر بن سعد بکربلاد رفتند و امام حسین را بقتل رسانیدند چنانچہ سبق ذکر یافت و بعد از چند گاہے پشیمان گشتہ انگشت حسرت بدندان گرفتہ برخود نفرین مے کردند و بایک دیگر میگفتند کہ خسران دنیا و آخرت نصیب ما باشد کہ بعد از آنکہ امیرالمومنین حسین رضی اللہ عنہ نصیب ماشد و اور اطلب داشتیم در روئے او تیغ کشیدیم تا از بے وفائی ما رسید باد آنچہ رسید و روسائے این جماعت پنج نفر بودند سلیمان بن صرد الخزاعی ومسیب بن لجنہ الفزاری وعبداللہ بن سعید بن نفیل الازدی وعبداللہ بن والی التیمی ورفاعہ بن شداد۔ این پنج کس از معارف اصحاب امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ بودند۔ وچون عزیمت ایشاں برطلب خون امام حسینؓ تصمیم یافت۔ جمعے کثیر در سرائے سلیمان بن صرد جمع آمدہ و مسیب بن نخبہ صحوب عمر بن سعد بکربلا رفتہ بودند آغاز سخن کردہ گفت کہ خدائے تعالیٰ مارا بطول عمر مبتلا گردانیدہ تادر انواع فتنہا افتادیم و باموریاشایست مہتم گشتیم واکنون از اعمال سیئہ خویش نادم گشتہ ایم۔ وے خواہیم کہ دست دردامان توبہ و انابت زنیم۔ شاید کہ خدائے عزوعلا توبہ قبول کردہ برمارحمت کند۔ و ہرکس از آن جماعت کہ بکربلا رفتہ بودن عذرے مے گفتند سلیمان بن صرد گفت۔ این عذر ہائے شما مسموع نیست۔ گفتند پس چہ

کنیم کہ مستحق غفران گردیم۔ سلیمان گفت۔ ہیچ حیلہ دیگر نمے دانم۔ بجز آنکہ خویشتن را در معرض تیغ آوریم۔ چنانچہ بسیارے از بنی اسرائیل شمشیر دریک دیگر نہادند۔ قال اللہ تعالٰی انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم۔ ومجموع شیعہ بزانوے استغفار آمدہ گفتند مصلحت آنست کہ شمشیرہا از نیام بیرون کردہ سنانہا بر سراسپان راست کنیم جہاں را از لوث و جود دشمنان آل محمد پاک گردانیم وہمہ برین معنے یک جہتہ گشتند کہ قتلہ آنجناب وہرکہ بکشتن او فرمان داد وہرکہ در قتل او سعی نمود و آن کس کہ این معنے پسندیدۂ او آمد ہمہ۔ رابکشتند توبہ ایشان درجہ قبول یابد (روضۃ الصفا۔ جلد سیوم۔ صفحہ ۸۳ - ۸۴)

جلاء العیون میں روایت امام محمد باقرؒ میں جس کی طرف اوپر اشارہ ہوا یوں ہے۔ چون با امیر المومنینؑ بیعت کردن بیعت را شکستند و شمیر بروئے او کشید ند۔ پس باپسرش امام حسن رضی اللہ عنہ بیعت کروند وبعد از بیعت۔ با او غدر کروند و مکر نمود ندو خواستند کہ اورا بد شمن دہند و اہل عراق بر روئے او ایستادند خنجر پر پہلو کے اوزوند خیمہ اش غارت کردن حتی کہ خلخالہائے کنیزان از پائے ایشان بردندوا ورا مضطر کردند تا آنکہ معاویہ صلح کرد۔ و خونہائے خود و اہل بیت خود را حفظ کروند۔ واہل بیت او بسیار اندک بروند۔ پس بست ہزار کس از اہل عراق با حضرت امام حسین بیعت کردند و شمشیر بروئے او کشید ند۔ وہنوز بیعت ہائے آنحضرت در گردن ایشاں بود کہ او شہید کروند۔ بعد ازان پیوستہ باہل بیت ستم مے کروند۔ ذلیل گردانید ند وواز حق خود دور کروند و از اموال خود محروم ساختند و سعی در کشتن ما کروند و خائف داشتند وایمن نبودیم بر خونہائے خود و خونہائے دو ستان خود و دروغ گویان و کنند گان مارا موضع انکار و دروغ خود قرار دادند و بدروغ بستن وافترا کردن بر ماتقرب بستند بسوئے والیان و قاضیان و حاکمان خود در ہر شہرے و دیارے۔ و احادیث وضع کرند۔ برائے ضرر ما۔ روایت ہائے دروغ بر ما بستند کہ مانگفتہ بودیم۔ وکارے چند نسبت بما دادند نکردہ بودیم برائے آنکہ مردم را دشمن ماگردانند (تنقیح المسائل صفحہ ۱۴۹)

ترجمہ: "جب انہوں نے امیرالمومنین رضی اللہ عنہ علی مرتضٰی کی بیعت کی۔ تو بیعت کو توڑ کر آپ کے خلاف تلوار کھینچی۔ پھر انہوں نے آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اور بیعت کے بعد حضرت سے بے وفائی کی اور مکر کیا۔ اور چاہا کہ ان کو دشمن کے حوالہ کر دیں۔ اور اہل عراق ان کے خلاف اٹھے۔ اور ان کے پہلو پر خنجر مارا۔ اور خیمہ لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ

کنیزوں کے خلخال پاؤں سے اتار لئے۔ اور ان کو مجبور کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی اور اپنے اہل بیت کے خون بچالئے۔ اور آپ کے اہل بیت بہت تھوڑے تھے۔ پس اہل عراق میں سے بیس ہزار نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور آپ کے خلاف تلوار کھینچی۔ ابھی حضرت کی بیعتیں ان کی گردن میں تھیں کہ آپ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ اہل بیت پر ظلم کرتے تھے۔ انہوں نے ہم کو ذلیل کر دیا۔ اور اپنے حق سے دور کر دیا اور اپنے مالوں سے محروم کر دیا اور ہمارے قتل کرنے میں کوشش کی۔ وہ ہم کو خوف زدہ رکھتے تھے۔ اور ہم اپنی جانوں اور اپنے دوستوں کی جانوں سے بے خوف نہ تھے۔ جھوٹ بولنے والوں اور انکار کرنے والوں نے ہم کو اپنا انکار اور جھوٹ کا محل قرار دیا اور ہر شہر اور ولایت میں ہم پر جھوٹ تھوپنے اور اقرار کرنے سے اپنے حاکموں اور قاضیوں کا تقرب ڈھونڈا۔ اور ہمارے ضرر کے لئے حدیثیں وضع کیں۔ اور جھوٹی روایتیں جو ہم نے بیان نہ کی تھیں۔ ہمارے سر تھوپ دیں۔ اور لوگوں کو ہمارا دشمن بنانے کے لئے کئی کام جو ہم نے نہ کئے تھے ہم سے منسوب کر دیئے (انتہیٰ)

اب ناظرین خود فیصلہ فرمالیں کہ بنی ہاشم و اہل بیت کے ذلیل کرنے والے کون ہیں۔

قال السید امداد امام

دوسری مثال بنی ہاشم کی بے توقیری کی عہد بنی امیہ میں یہ ہے۔ کہ جب جناب امام حسن رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ تو وقت رحلت آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ مجھے میرے نانا کے پہلو میں دفن کرنا۔ یہ ایک فطری وصیت تھی۔ اور جناب امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے کو اس کا مستحق بھی سمجھتے تھے۔ لاریب کوئی غصبی خیال آپ کے دل میں نہ آیا تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جناب امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کا جنازہ لے کر مدفن کی طرف بڑھے۔ تو بد خواہان آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر امام حسن رضی اللہ عنہ کے تیر چلانے لگے۔ نہیں معلوم کہ کتنے تیر چلائے گئے ہوں گے۔ جب حال یہ ہے کہ ساٹھ سے زیادہ تیر جنازہ پر اس معصوم کے آلگے۔ تو جناب امام حسین رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی یہ بے عنوانیوں دیکھ کر تلوار کھینچنا چاہی مگر کشت و خون کی نوبت نہ آئی۔ جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کی رحیم مزاجی کا خیال کرکے امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھائی کی نعش کو جنت البقیع میں لے کر جا کر دفن کر دیا۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بنی ہاشم اس وقت تک بہت کچھ دنیوی تنزل میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان میں اتنی وجاہت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ عوام کے مقابلہ میں ایک سردار بنی ہاشم کی ایک معقول وصیت کی تعمیل بھی کر سکتے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۳۳

اقول

حسب بیان محمد بن یعقوب کلینی امام حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت یہ تھی کہ مجھے جنت بقیع میں دفن کرنا۔ چنانچہ اصول کافی۔ (باب الاشارۃ والنص علی الحسین بن علی علیہما السلام۔ صفحہ ۱۸۵) میں ہے۔

عن محمد بن مسلم قال سمعت ابا جعفر علیه السلام یقول لما حضر الحسنؑ بن علیؑ الوفاة قال للحسینؑ یا اخي انی اوصیک بوصیة فاحفظها اذا انامت فهیئنی ثم وجهنی الٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله لا حدث به عهداً ثم اصرفنی الٰی امی ثم ردنی فادفنی بالبقیع۔

ترجمہ: "محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد باقر کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کہ جب حسن بن علی کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ نے حسینؑ سے کہا۔ اے بھائی میں تجھ سے ایک وصیت کرتا ہوں۔ اسے بجالانا۔ جب میں مرجاؤں۔ تو میری تجہیز و تکفین کرنا۔ پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ کرنا۔ تاکہ میں اس طرح سے ملاقات کو تازہ کرلوں۔ پھر مجھے میری ماں کی قبر کی طرف لے جانا۔ پھر لوٹا کر جنت بقیع میں دفن کر دینا۔ (انتہیٰ)

اس روایت میں اس کے بعد یہ بھی مذکور ہے کہ جب امام حسنؑ کا جنازہ رسول اللہ ﷺ کے مرقد منور کے پاس رکھا گیا۔ تو کسی جاسوس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا کہ امام حسنؑ کو روضہ مطہرہ میں دفن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا خچر پر سوار ہو کر آئیں۔ اور روضہ مطہرہ میں دفن کرنے سے روک دیا۔ یہ مضمون اور جنازہ امام حسنؑ پر تیر باراں ہماری کتابوں میں مذکور نہیں۔ یہ یاروں کی گھڑت ہے۔

قال السید امداد امام

اب ہم بنی ہاشم کی بے توقیری کی ایک اور مثال جو بنی امیہ کے سبب سے ہوتی تھی۔ پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ دمشق میں علی کے نام پر بعد ہر نماز خاص کر بعد نماز جمعہ تبرا ہونے لگا تھا۔ اور جیسا کہ راقم نے اوپر لکھا ہے۔ اس رسم کے موجد حضرت معاویہ علیہ ما علیہ ہوئے تھے۔ یہ رسم عرصہ دراز تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ اسے عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ بنی امیہ نے موقوف کرایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں نے اسی ہی رسم کو غصہ کے باعث اختیار کرکے اسے اپنے مذہب میں رواج دیا ہے۔ شیعوں کو خیال کرنا چاہیے۔ اس طرح کا تبرا حضرت معاویہ علیہ ما علیہ کی سنت ہے۔ اس سنت کو شیعہ نہ اختیار

کرتے تو اچھا تھا۔ تبرا کی بحث آئندہ آنے کو ہے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۳۴۔

اقولُ

مصنف نے اپنے بیان میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ نصر بن مزاحم تمیمی شیعی امامی لکھتا ہے:

وکان علی اذا صلی الغداۃ والمغرب وفرغ من الصلٰوۃ یقول اللّٰھم العن معاویۃ وعمرو وابا موسٰی وجیب بن مسلمۃ والضحاک بن قیس والولید بن عقبہ وعبدالرحمٰن بن خالد بن الولید فبلغ ذٰلک معاویۃ فکان اذا قنت لعن علیا وابن عباس وقیس بن سعد والحسن والحسین

(کتاب صفین مطبوعہ ایران ۱۳۰۰ھ صفحہ ۳۰۲)

ترجمہ: "حضرت علیؓ جب نماز فجر و مغرب پڑھتے اور نماز سے فارغ ہو جاتے تو یوں کہا کرتے۔ یااللہ لعنت کر معاویہ اور عمرو (بن العاص) اور ابو موسیٰ اور جیب بن مسلمہ اور ضحاک بن قیس اور ولید بن عقبہ اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید پر۔ یہ خبر جب معاویہ کو پہنچی۔ تو وہ قنوت میں علی اور ابن عباس اور قیس بن سعد اور حسنؓ اور حسینؓ پر لعنت کرتے تھے۔ (انتہیٰ)

اب ناظرین غور فرمائیں کہ سلسلہ سب کس سے شروع ہوا۔ اور اس طرح کا تبرا کس کی سنت ہے۔ اور البادی اظلم کا مصداق کون ہے۔ باقی انشاء اللہ تبرا کی بحث میں آئے گا۔ مصنف زبان سے تو کہہ رہا ہے۔ کہ شیعہ تبرا کو اختیار نہ کرتے تو اچھا تھا۔ مگر ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے علیہ ما علیہ لکھ رہا ہے۔ کیا یہ تبرا نہیں ہے۔

قال السید امداد امام

آخر میں آل محمد کی دنیوی بے توقیری کی ایک اور مثال بھی عرض کر دیتا ہوں۔ جس سے معلوم ہو گا کہ آل محمد کی عظمت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس قدر کم ہو گئی تھی۔ قصہ یہ ہے کہ جناب امام حسنؓ نے ایک خط زیاد کو کسی امر کی نسبت لکھا۔ زیاد صاحب چونکہ مجہول النسب تھے ابن سمیہ کہلاتے تھے۔ جناب امام حسنؓ نے بھی زیاد صاحب کو ابن سمیہ کے ایڈریس سے خط بھیجا۔ جناب امام حسنؓ کا مطلب کسی طرح پر زیاد کو برا کہنے کا نہ تھا۔ مگر زیاد نے جوابی خط جو امام علیہ السلام کو لکھا۔ اس میں اس دشمن خدا نے جناب امام حسنؓ کو حسنؓ ابن فاطمہؓ کے خطاب سے مخاطب کیا۔ امام حسنؓ جو ایک نادر وضع

کے عمدہ مزاج بزرگ تھے۔ اس سے مطلق برہم نہ ہوئے۔ بلکہ نہایت متانت اور علم کے ساتھ فرمایا کہ میرے باپ کو تو ہر شخص جانتا ہے اور میں علی کا بیٹا ہوں۔ اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خاندان پیغمبرؐ کی توقیر آنحضرت کے بعد اس قدر کم ہو گئی تھی کہ زیاد جیسے مجہول النسب اشخاص جناب امام حسنؑ جیسے سردار بنی ہاشم کی عزت و توقیر ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ زیاد عاقبت برباد نے صریحاً ایک سخت بے ادبی حضرت نبی کے لخت جگر کے ساتھ کی۔ اور اس وقت کی اسلامی پبلک کو کچھ برا نہ معلوم ہوا۔ واہ رے اس قت کی مسلمانی کو نالہ و فریاد کے ساتھ اس وقت کے مسلمان یاد کئے جاتے ہیں۔ اور اس عہد کے مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو روکنے سے بھی نہیں رکتے۔ واقعہ کربلا کے متعلق زیاد ایسے ناواقفوں کو واقف ہونا ضرور ہے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۴۴۔

اقولُ

مصنف نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ گو زیادہ جیسے مجہول النسب سے ایسی بے ادبی بعید نہ ہو۔ مگر پھر بھی ثبوت درکار ہے۔ یہ کہنا کہ اس وقت کی اسلامی پبلک کو یہ فعل بر تقدیر صحت روایت برا معلوم نہ ہوا۔ قابل سماعت نہیں۔ کیونکہ ساری اسلامی پبلک زیاد سیرت نہ تھی۔ زیاد نے تو بقول مصنف یہ بے ادبی کی۔ مگر شیعہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس بے ادبی سے کسی طرح کم نہ تھا۔ شیعہ ہی نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے بلا کر کربلا میں شہید کر ڈالا۔ اور پھر خود ہی ماتم کرنے لگے۔ واہ رے اس وقت کے شیعوں کا تشیع ماشاء اللہ اس وقت کے تشیع کا کیا کہنا ہے۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے تشیع کو زمانہ مابعد کے شیعہ آج تک نالہ و فریاد کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسو روکنے سے بھی نہیں رکتے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ آئمہ کو تو حسب عقیدہ شیعہ علم ماکان ومایکون حاصل تھا۔ پھر حضرت علی مرتضیٰؓ نے اسی مجہول النسب زیاد کو کس واسطے ملک فارس کا حاکم مقرر کیا۔ اس وقت یہی ولد الزنا اہل فارس کو نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین پڑھاتا تھا۔ حالانکہ مذہب شیعہ میں ولد الذنا کی امامت جائز نہیں۔

قال السید امداد امام

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی سرداری پر نظر

حضرات حق آگاہ ملاحظہ فرمائیں کہ مذکورہ بالا میں فقیر نے صرف ایسے ایسے امور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

لگاؤ سے درج رسالہ ہذا کئے ہیں۔ جن سے آل محمد ﷺ کی دنیوی تنزلی کی کیفیتیں مختصر طور پر ظاہر ہوتی گئی ہیں۔ اب ہم ان امور کو دکھلاتے ہیں جن سے ان کی دینی وجاہت میں بھی بہ اسباب ظاہر کمی لاحق ہوتی گئی۔ جس کے سبب سے آل محمد ﷺ کی دینی سرداری سے اسلامی دنیا کا زیادہ حصہ معترف نہیں رہا۔
الخ۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۳۶ تا ۴۰

اقولُ

مصنف نے یہاں آل محمد ﷺ کی دینی وجاہت کی کمی کے دو سبب بیان کئے ہیں۔ بوجہ طوالت پوری عبارت نقل نہیں کی گئی۔ اس کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن بحکم خلیفہ جمع کیا گیا۔ اس کام کے لئے زید بن ثابت اور ابی بن کعب وغیرہ مقرر کئے گئے۔ حضرت علیؑ کو ان میں شامل نہ کیا گیا۔ اور نہ علی رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ قرآن طلب کیا گیا۔ عہد عثمانی میں جو قرآن کی تصحیح و ترتیب از سر نو ہوئی۔ اس کے لئے بھی وہی اشخاص منتخب ہوئے۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن میں سے مناقب اہل بیت کے متعلق جو آیات اور سورتیں تھیں۔ وہ نکال دی گئیں۔ بعض جگہ سے الفاظ آل محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ ولی المومنین خارج کر دیئے گئے۔ اس طرح سے قرآن کے جمع کئے جانے سے بنی ہاشم کی دینی سرادری کو بڑا بھاری نقصان پہنچا۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ بات شائع ہوئی کہ علی اجتہاد مسائل کرتے ہیں۔ علیؑ تقاضائے وقت سے اجتہاد مسائل کرنے لگے تھے۔ اور بنی ہاشم ان کی تقلید کرتے تھے۔ جب اس مجتہدانہ کارروائی کی خبر حضرت خلیفہ کو ہوئی۔ تو آپ نے مصالح وقت کو ملحوظ رکھ کر اجتہاد مسائل کے لئے کچھ اصحاب مقرر فرمائے۔ جن میں ممتاز اشخاص حضرت ابن سعود حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت زید بن ثابت تھے۔ غیر بنی ہاشم نے ان ہی حضرات کے اجتہادات پر عمل کرنا شروع کیا۔
اسی وقت سے دو مذہب مسلمانوں میں پیدا ہو گئے۔ ایک مذہب علیؑ جو مذہب امامیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسرا مذہب فاروق جس کا دوسرا نام مذہب اہل سنت والجماعت ہے۔ مذہب فاروقی کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے وقت میں یہ مذہب تمام بلاد اسلام میں جگہ کر گیا۔ بنو امیہ نے اسی کو اختیار کیا۔ اکثر بنی عباس بھی اس مذہب پر رہے۔ پھر بڑی بڑی سلطنتیں اسی کی پابند رہیں۔ بہرحال اس اجتہادی اختلاف سے علیؑ کی دینی سرداری کو بڑا نقصان پہنچا۔
جواب میں گزارش ہے کہ مصنف نے جو کچھ قرآن موجود کی نسبت لکھا ہے۔ وہ عین عقیدہ

امامیہ اثنا عشریہ ہے۔ اس عقیدہ کی خرابی اور اس سے جو الزام حضرت امیرؑ پر عائد ہوتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مصنف نے جو مذہب اہل سنت اور مذہب امامیہ کا آغاز حضرت عمر فاروق کے عہد میں بیان کیا ہے درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی صحابہ کرام اجتہاد کیا کرتے تھے۔

(اعلام الموقعین لابن القیم۔ جزء اول۔ صفحہ ۷۳)

ابن سعد نے بالاسناد لکھا ہے۔ کہ عہد نبوی ﷺ میں مہاجرین و انصار میں سے یہ کچھ صحابی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ عمر۔ عثمان۔ علی ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ عہد صدیقی میں سات مفتی تھے۔ چھ تو وہی جو عہد نبوی ﷺ میں تھے اور ایک عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد۔ جزء ثانی۔ قسم ثانی۔ صفحہ ۱۰۹۔ ۱۱۰)

صحابہ کرام میں یہ سات کثیر الفتاویٰ ہیں۔ عمر بن ابی طالب۔ عبداللہ بن مسعود۔ عائشہ ام المومنین۔ زید بن ثابت عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور یہ تیرہ متوسط ہیں۔ ابوبکر صدیق۔ ام سلمہ۔ انس بن مالک۔ ابو سعید خدری۔ ابو ہریرہ۔ عثمان بن عفان۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ عبداللہ بن زبیر۔ ابو موسیٰ اشعری۔ سعد بن ابی وقاص۔ سلمان فارسی۔ جابر بن عبداللہ ۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ باقی بہت سے نقل ہیں۔ (دیکھو اعلام الموقعین۔ جزء اول۔ صفحہ ۵)اہل سنت نے فتاویٰ نبویہ ﷺ کے ساتھ ان تمام کے فتاویٰ کو بھی لیا ہے۔ مگر حضرت علی مرتضیٰ کے لینے میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضرت امیرؑ کے بہت سے فتاویٰ میں شیعہ نے اپنا تصرف کیا ہے۔

چنانچہ اعلام الموقعین (جزء اول ۔ صفحہ ۸) میں ہے۔

واما علی بن ابی طالب علیہ السلام فانتشرت احکامہ وفتاواہ ولکن قاتل اللّٰہ الشیعة فانھم افسدوا کثیرا من علمہ بالکذب علیہ ولھٰذا تجد اصحاب الحدیث من اھل الصحیح لا یعتمدون من خدیثہ وفتواہ الا ما کان من طریق اھل بیتہ و اصحاب عبداللہ بن مسعود کعبیدة السلمانی و شریح وابی وائل ونحوھم۔

ترجمہ: "رہے علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ سو ان کے احکام اور ان کے فتاویٰ شائع ہو گئے۔ مگر خدا شیعہ کو معلون کرے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت امیر پر جھوٹ تھوپ کر آپ کے بہت سے علم کو خراب کر دیا۔ اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ مؤلفین صحاح آپ کی حدیث اور آپ کے

فتویٰ پر اعتماد نہیں کرتے سوائے اس کے جو آپ کے اہل بیت اور اصحاب عبداللہ بن مسعود (مثل عبیدہ سلمانی اور شریح اور ابو وائل وغیرہ کے) کے طریق سے ہو۔ (انتہیٰ)

مذہب امامیہ میں جو فتاویٰ حضرت مولیٰ مرتضیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ شیعہ ان کی صحت ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حضرت امیرؑ اور دیگر ائمہ حسب عقیدہ شیعہ مذہب کو چھپاتے رہے۔ اور بے دینی ظاہر کرتے رہے قطع نظر ازیں اخبار ائمہ کے راوی علاوہ معتقدات فاسدہ کے ائمہ پر جھوٹ تھوپنے والے تھے۔ باایں ہمہ اخبار ائمہ میں اختلاف کا وہ طوفان برپا ہے۔ کہ کوئی خبر ایسی نہیں کہ جس کی ضد موجود نہ ہو۔ ایسی حالت میں معیار صحت قرآن کو بتاتے ہیں۔ مگر قرآن غائب ہے۔ یہ نفیس بحث اس کتاب کے حصہ اول میں آچکی ہے۔

مصنف نے جو مذہب امامیہ کی اصل بیان کی ہے۔ وہ غلط ہے۔ سنئے ہم بتاتے ہیں۔ اس مذہب کا بانی ابن السواد یعنی عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ جو بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کے عہد میں مسلمانوں کو جو فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور اسلام کا ڈنکا دور دراز مقامات پر بج گیا۔ اس سے ابن سبا کے دل میں جیسا کہ یہودیوں کا معمول ہے حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس لئے اس بے نظیر ترقی کی رَو کو روکنے کے لئے اس نے مسلمانوں میں پھوٹ کی ایک راہ نکالی۔ پہلے تو ان کو اہل بیت نبوت پر مضبوط کیا۔ پھر یہ سبق پڑھایا کہ جس طرح حضرت موسیٰ کے وصی حضرت یوشع بن نون تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصی تھے۔ اور انکی خلافت بلا فصل آیہ قرآن انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے ثابت ہے۔ مگر صحابہ نے غلبہ کے سبب وصیت پیغمبر کو ضائع کر دیا اور حضرت مرتضیٰؑ اس کا حق غصب کر لیا۔ اور طمع دنیوی کے لئے دین سے برگشتہ ہو گئے۔ یہ مضمون رجال کشی۔ صفحہ ۷۱ میں بدیں الفاظ مذکور ہے۔

ذکر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سبا كان يهوديًا فاسلم ووالى عليا عليه السلام وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون وصي موسىٰ بالغلو فقال في اسلامه بعد وفات رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه واله في على عليه السلام مثل ذٰلک وكان اول من اشهر بالقول بغرض امامة على واظهر البرائة من اعدائه وكاشف مخالفيه واكفرهم۔ ()

اس چال سے حکومت وقت کے خلاف فتنہ و فساد شروع ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا۔ کہ ابن سبا کو مدینہ منورہ سے نکال دیا جائے۔ اس لئے ابن سبا مصر میں چلا گیا۔ جہاں اسے اپنی کامیابی کا

گمان غالب تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو مسئلہ رجعت کی تعلیم دی۔ بدیں طور کہ جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔ تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو ان سے افضل ہیں ضرور دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان الذی فرض علیک القراٰن لرادک الٰی معاد جب یہ بات ان کے دل میں اثر کر چکی۔ تو کہنے لگا۔ کہ خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک وصی تھا۔ چنانچہ ہمارے پیغمبر ﷺ کے خلیفہ و وصی حضرت علیؓ ہیں۔ بالفاظ دیگر محمد ﷺ خاتم الانبیاء اور علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ لہٰذا عثمان کی نسبت حضرت علیؓ خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ اس تقریر سے مصر کے بہت سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے۔ اور یہ حضرت عثمان سے ان کی سرکشی کا آغاز تھا۔ اس مضمون کو مؤرخ سیف بن عمر نے یوں بیان کیا تھا۔

قال سیف ابن عمران رجلاً یقول له عبداللّٰه بن سبا کان یهودیًا فاظهر الاسلام وصار الی مصرفاوحی الٰی طائفة من الناس کلامًا اخترعه من عند نفسه مضمونه انه یقول للرجال الیس قد ثبت ان عیسٰی بن مریم سیعود الٰی هٰذه الدنیا فیقول الرجل بلی فیقول له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم افضل منه فما یذکر ان یعود الٰی هٰذه الدنیا وهو اشرف من عیسٰی ثم یقول وقد کان اوصی الی علی بن ابی طالب فمحمد خاتم الانبیاء وعلی خاتم الاوصیاء ثم یقول فهوا حق بالامر من عثمان و عثمان معتد فی ولایته مالیس له فانکروا علیه فافتن به بشر کثیر من اهل مصرو کان ذلک مبدأ تالبهم علی عثمان

(حسن المحاضرہ للسیوطی۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۶۴۔)

یہی مضمون شیعی تاریخ روضۃ الصفا۔ (جلد دوم۔ صفحہ ۲۹۲) میں بدین الفاظ مذکور ہے۔

چون عبداللہ (ابن سبا) مے دانست کہ مخالفان عثمان در مصر بسیارند۔ روئے توجہ بدان دیار نہاد و بمصریاں ملحق گشتہ باظہار تقویٰ و علم خویش بسیارے از اہل مصر را بفریفت بعد از رسوخ عقیدہ آن طائفہ باایشان درمیان نہاد کہ نصاریٰ مے گویند کہ عیسیٰ مراجعت نمودہ از آسمان بزمین نازل خواہد شد و برہمگنان روشن است کہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ من الصلوات اتمہا افضل از عیسیٰ است پس او برجعت اولے۔ باشد و خدائے عزو علاوے رانیز باین وعدہ فرمودہ

چنانچہ ے گوئید کہ ان الّذین فرض علیک القراٰن لرادک الٰی معاد۔ بعد ازانکہ سفہائے مصربرین معنی عبداللہ را مصدق داشتند باایشان گفت کہ ہر پیغمبرے را خلیفہ ووصی ے بودہ است وخلیفہ رسول اللہ ﷺ علی است کہ بحلیہ زہد و تقویٰ و علم و فتویٰ آراستہ است وبشیمہ کرم و شجاعت و شیوہ امانت و دیانت و تقویٰ پیراستہ۔ وامت بخلاف نص محمد علیہ السلام بر علیؑ ظلم جائز داشتند و خلافت کہ حق وے بودباو نگذاشتند اکنون نصرت و معاونت آنحضرت برجہانیاں واجب و لازم است و اتباع اقوال و افعال اوبر زمت عالمیان امرے متحتم۔ وبسیارے ازمردم مصر کلمات ابن السواد را در خاطر جادادہ پائے از دائرہ متابعت و مطاوعت عثمان بیرون نہادند۔ (انتہیٰ)

اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ اور روز بروز مسلمانوں میں نا اتفاقی کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔ اور اسلام کی ترقی ایسی رکی کہ حضرت علی مرتضیٰ کا سارا عہد خانہ جنگیوں ہی میں گزرا۔ القصہ ابن سبا خلفائے ثلاثہ کو غاصب قرار دیتا تھا۔ اور معاملہ فدک سے اس کی توضیح کرتا تھا۔ اور اپنے شاگردوں سے جو شیعہ علی کہلائے کہا کرتا تھا۔ کہ اس راز کو پوشیدہ رکھو میری غرض محض اس سے بیان حق ہے۔ نہ اظہار نام و نشان۔ اس طرح سے حضرت امیر کے لشکریوں میں سب وطعن خلفاء کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب حضرت کو خبر لگی تو آپ نے برسر منبر ابن سبا اور اس کے چیلوں سے بیزاری ظاہر فرمائی۔ اور سب وشتم سے منع فرمایا۔ (نہج البلاغہ۔ مطبوعہ بیروت۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۳۱)

جب ابن سبا نے دیکھا کہ اس دام تزویر سے لوگوں میں بالخصوص لشکر امیر میں فتنہ و فساد پیدا ہو گیا ہے۔ اور ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے ہیں۔ تب اپنے خاص الخاص شاگردوں میں عہد و پیان واثق لے کر خلوت میں یہ بیان کیا کہ جناب امیرؑ سے ایسے معاملات سرزد ہوتے ہیں۔ جو امکان انسان سے خارج ہیں۔ مثلاً معجزات و کرامات و علم غیب و احیاء اموات و بیان حقیقت الٰہیہ و فصاحت و بلاغت و زہد و تقویٰ وقوت و شجاعت۔ پھر بعد لینے عہد جدید کے یہ تعلیم دی کہ یہ تمام خواص الوہیت کے ہیں جو حضرت امیرؑ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بلکہ خاص ذات پاک خدا نے بدن علیؑ میں حلول کیا ہے۔ جب ابن سبا کے اس کلمہ شرک کی خبر حضرت مرتضیٰ کو لگی۔ تو آپ نے اس کو آگ سے جلا دیا۔

(دیکھو۔ رجال کشی۔ صفحہ ۷۰)

یہ مختصر تاریخ مذہب شیعہ کی ہے۔ مذہب امامیہ میں سوائے الوہیت امیر کے تمام سبائی موجود ہے۔ جو سلوک شیعہ علی حضرت علیؑ کے ساتھ کرتے رہے۔وہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔

قال السید امداد امام
فریقین کی باخود ہا کی بے سروکاری کی مثالیں

حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ کہ صحیح بخاری اہل سنت کی کتنی بڑی مستند کتاب ہے۔ اس کے جامع حضرت اسمٰعیل بخاری نے بھول کر بھی کوئی حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نہیں کی ہے۔ حالانکہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہزاروں حدیثیں مروی ہیں۔ اور صدہا راویوں نے امام ممدوح سے اخذ احادیث کیا ہے۔ پھر حافظ شمس الدین نے امام ممدوح کو کتاب مُغنِیْ ضعفا اور مجاہیل کے ذیل میں یاد کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بخاری نے کوئی حدیث آپ سے روایت نہیں کی ہے۔ بخاری کے استاد حضرت یحییٰ ابن سعید القطان بھی فرماتے ہیں۔ کہ میں بھی جعفر صادق کی طرف سے اپنے دل میں کھٹکا رکھتا ہوں۔ اور امام مالک ان سے یعنی حضرت امام جعفر صادق سے کوئی روایت نہیں کرتے تھے۔ جب تک کسی دوسرے راوی کو ان کے ساتھ ضم نہیں کر لیتے تھے۔

عبارت عربی جو کتاب میزان الاعتدال میں موجود ہے۔ اس طرح ہے **وقال یحیٰی ابن سعید القطان شیخ البخاری اِجد فی نفسی منه شیئًا وکان مالک لم یرو عن جعفر حتی یضمه الی احد۔**

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ بھی وہی انداز دیکھا جاتا ہے۔ جو جناب امام جعفر صادق اور ان کے آبائے کرام کے ساتھ تھا۔

عسقلانی اہل سنت کے علماء میں بڑا پایہ رکھتا ہے۔ اپنی کتاب الضعفاء میں جناب امام موسیٰ کاظم کو راویان ضعیف سے شمار کرتا ہے۔ اور جناب امام موسیٰ کاظم کے حق میں کہتا ہے۔ کہ حدیثیں ان کی غیر محفوظ ہیں۔ (حدیثہ غیر محفوظ)

جناب امام رضا کی نسبت ابو طاہر کا یہ قول ہے کہ جناب امام رضا اپنے باپ سے عجیب باتیں نقل کرتے ہیں۔ اور وہم کیا کرتے ہیں اور خطا کیا کرتے ہیں۔ (**قال ابو الحسن الدار قطنی اخبرنی ابن حبان فی کتابه فقال ان علی ابن موسٰی الرضا یروی عن ابیه عجائب یهم ویخطی**)

اسی طرح جناب امام حسن عسکری کی نسبت جو رائے سرآمد کاملین علمائے اہل سنت کی دیکھی جاتی

ہے وہ بھی ویسی ہی ہے جیسا کہ ان کے آبائے کرام کی نسبت وہی حضرات علماء قائم فرما چکے ہیں۔

چنانچہ ابن الجوزی اور علامہ سیوطی نے اپنی اپنی تصنیفات میں جو موضوعات حدیث میں ہیں۔ اور علی بن محمد عراقی نے اپنی کتاب تنزیہہ الشریعہ اور شیخ رحمت اللہ نے اپنی مختصر تنزیہ الشریعہ میں اس امام عالی مقام کو لیس بشیئ تحریر فرمایا ہے۔ یعنی (معاذ اللہ) امام حسن عسکری کوئی چیز نہ تھے۔ لاشیی تھے۔

مختصر یہ ہے کہ تحقیقات بالا سے ہویدا ہے۔ کہ آئمہ اور علماء اہل سنت کے آل پیغمبر کے اماموں سے تمام تر بے سروکاری رکھتے تھے۔ حق یہ ہے کہ مذہب امامیہ اور مذہب اہل سنت ایسے دو چشمے ہیں جو مخلف سمتوں میں بہ نکلے ہیں اور تا قیامت آپس میں ملنے کے عوض ایک دوسرے سے دور ہوتے جائیں گے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۴۱۔ ۴۲

اقول

مصنف نے ائمہ اثنا عشریہ میں سے چار پر کچھ جرح نقل کی ہے۔ اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کہ اہل سنت آل محمد ﷺ کے اماموں سے کچھ سروکار نہیں رکھتے۔ نہ ان کو ثقہ سمجھتے ہیں اور نہ ان کی روایت اختیار کرتے ہیں۔ مگر یہ اس کی نادانی ہے۔ ہم تمام اہل بیت کی تعظیم اور ان کے حقوق کی نگہداشت کو واجب سمجھتے ہیں ہماری کتب احادیث میں اہل بیت کے مناقب کے لئے ایک خاص باب رکھا گیا ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد اگرچہ خلافت ظاہری اہل بیت میں نہ رہی۔ مگر خلافت باطنی باقی رہی۔

چنانچہ صوفیہ کرام کے سلاسل بالعموم حضرت علی مرتضٰی پر منتہی ہوتے ہیں۔ علم ظاہری میں بھی اہل بیت مرجع مجتہدین اہل سنت ہیں۔ چنانچہ محمد باقر موسوی افضلیت علی مرتضٰی کے ضمن میں یوں لکھتا ہے۔

ابو حنیفہ بواسطہ نیز از آنحضرت اخذ مسائل نمودہ چہ اوشاگرد امام جعفر صادق بودہ و آنحضرت از پدر آئش از علی روایت کند و ہمچنیں شافعی و احمد حنبل۔ وانتساب مالک بآنجناب اظہر از بیان است و تمامی متکلمین اخذ مسائل خود از او نمودہ اند۔ (بحر الجواہر۔ مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۲۹۵)

علماء اہل سنت ان ائمہ کو ثقہ و عادل جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی مرتضٰی و امام حسین و امام زین العابدین و امام محمد باقر سے تمام صحاح ستہ میں حدیثیں مروی ہیں۔ امام حسن کتب اربعہ کے راویوں میں سے ہیں۔ اور صحیح بخاری میں ان سے تعلیقاً روایت موجود ہے۔ امام جعفر صادق سے کتب اربعہ و مسلم میں روایت موجود ہے۔ گو صحیح بخاری میں ان سے کوئی روایت نہیں۔ مگر امام بخاری کی کتاب ادب مفرد میں ان سے روایت موجود ہے۔ حافظ شمس الدین کی کتاب مغنی ہمارے پاس موجود نہیں۔ ہاں حافظ

موصوف کی دو کتابیں میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ ہمارے زیر نظر ہیں۔ میزان الاعتدال میں ہے۔
(جعفر بن محمد صح م) بن علی بن الحسین الهاشمی ابو عبدالله احد الائمة الاعلام بر صادق کبیر الشان لم یحتج به البخاری قال یحیٰی بن سعید جعفر ثقة مامون وقال ابو حاتم ثقة لا یسائل عن مثله۔ انتهی مختصراً الفاظ منقولہ مصنف کا اس عبارت سے مقابلہ کرنے سے پایا جاتا ہے۔ کہ مصنف نے کتاب میزان الاعتدال نہیں دیکھی۔ ورنہ نقل میں الفاظ کی کمی بیشی نہ کرتا۔ اسی طرح مصنف نے جو بحوالہ مغنی کہا کہ حافظ شمس الدین نے امام جعفر کو ضعفاء اور مجاہیل کے ذیل میں یاد کیا ہے۔ بظاہر اس نے کتاب مغنی فی الضعفاء و بعض الثقات بھی نہیں دیکھی۔ ورنہ حافظ موصوف کے کلام میں تناقض لازم آئے گا۔ کیونکہ میزان الاعتدال سے حافظ شمس الدین کے نزدیک امام صادق کا ثقہ ہونا عیاں ہے بوجہ ذیل:

اول امام کے نام کے ساتھ رمز صح اور م لکھا ہے۔ صح اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس راوی کی توثیق پر عمل ہے۔ اور م سے مراد یہ ہے کہ ان سے صحیح مسلم میں روایت موجود ہے۔

دوم امام جعفر کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے کہ وہ ائمہ اعلام میں سے ہیں۔ اور نکو کار، صادق بڑی شان والے ہیں۔

سوم یحیٰی بن معین اور ابو حاتم سے آپ کی توثیق نقل کی ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے امام صادق کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اور تذکرۃ الحفاظ میں آپ کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ کہ آپ سے مالک اور ہر دو سفیان اور حاتم بن اسمٰعیل اور یحیٰی بن قطان اور ابو عاصم النعیل اور خلق کثیر نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام شافعی اور یحیٰی بن معین اور ابو حاتم نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ ما رأیت افقه من جعفر بن محمد (میں نے امام جعفر صادق سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔) یہ بھی لکھا ہے۔ کہ لم یحتج به البخاری واحتج به سائر الامة۔ یعنی امام بخاری نے آپ سے احتجاج نہیں کیا اور باقی تمام امت نے آپ سے احتجاج ---------- کیا ہے۔ باوجود ایسی توثیق کے اگر امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کی روایت سے کوئی حدیث نقل نہیں کی یا یحیٰی قطان نے کہہ دیا کہ میرے دل میں ان کی طرف سے کچھ کھٹکا ہے۔ یا مالک ان سے روایت نہ کرتے جب تک ان کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ ملا لیتے۔ تو ان کی ثقاہت کو مضر نہیں۔ کیونکہ جب تمام امت ان سے احتجاج کرتی ہے۔ تو ایک دو عالموں کا قول ان کے خلاف کیا وقعت رکھ سکتا ہے۔ اور قاعدہ اصول بھی ہے کہ جرح مبہم مقبول

نہیں۔ غالباً امام بخاری وغیرہ نے بنابر احتیاط ایسا کیا ہے۔ کیونکہ شیعہ اپنے ائمہ پر جھوٹ تھوپنے والے ہیں۔ اور کئی طرح سے آئمہ کی تذلیل کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب میں مذکور ہوا۔ یہاں بھی صرف امام جعفر صادق کی نسبت کچھ عرض کر دیا جاتا ہے۔

۱۔ بصائر الدرجات (جزء سابع۔ باب تاسع) میں ہے۔

حدثنا احمد بن محمد عن الحسین بن سعید عن فضالة بن ایوب عن حمران بن اعین عن ابی عبداللّٰہ یقول انی لا تکلم علی سبعین وجھًا فی کلھا المخرج۔

ترجمہ: "(بحذف اسناد) حمران بن اعین سے روایت ہے۔ کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ میں ستر وجہ پر کلام کرتا ہوں۔ ان سب میں نکلنے کی راہ ہوتی ہے۔ (انتہیٰ)

اس روایت میں امام جعفر صادق کو ایسا تقیہ باز ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ ایک ہی مسئلہ میں ستر وجہ پر کلام کرتے اور ہر ایک میں اپنے نکلنے کی راہ رکھ لیتے۔

۲۔ رجال کشی (مطبوعہ بمبئی۔ صفحہ ۹۶) میں ہے۔

حدثنا محمد بن مسعود قال حدثنا جبرائیل بن احمد الفار یابی قال حدثنی العبیدی محمد بن عیسٰی عن یونس بن عبدالرحمٰن عن ابن مسکان قال سمعت زرارة یقول رحم اللّٰہ ابا جعفر واما جعفر فان فی قلبی علیه لعنة فقلت له وما حمل ذرارة علی ھٰذا قال حمله۔ علی ھٰذا ان اباعبداللّٰہ علیه السلام اخرج مخازیه۔

ترجمہ: "(بحذف اسناد) یونس بن عبدالرحمٰن نے ابن مسکان سے روایت کی کہ اس نے کہا۔ میں نے زرارہ کو یہ کہتے سنا۔ کہ خدا امام محمد باقر پر رحم کرے۔ رہے جعفر صادق سو میرے دل میں ان کے لئے لعنت ہے۔ پس میں نے ابن مسکان سے پوچھا۔ کہ زرارہ کو اس پر کس چیز نے آمادہ کیا۔ ابن مسکان نے جواب دیا کہ زراراہ کو اس پر اس بات نے آمادہ کیا کہ امام جعفر صادق نے زرارہ کے معائب و فضائح بیان کئے ہیں۔ (انتہیٰ)

کتاب میں لفتة غلط چھپا ہے۔ لفتة کے معنی منتہی الادب میں یہ دیئے گئے ہیں۔ **لفتة کھمرة** آنکہ برزند ستور را و پروا نکند کہ کجا رسد۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی یہاں چسپاں نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں مقام بھی لعنت ہی کا مقتضٰی ہے۔ کیونکہ رحمت کے مقابلہ میں آیا ہے۔

تنقیح المسائل۔ صفحہ ۱۴۵ میں لکھا ہے۔ کہ اس حدیث کے جواب میں دو تاویل کی جاتی ہیں۔
ایک یہ کہ محمد بن عیسیٰ کی جو روایت یونس سے ہو وہ ضعیف ہوتی ہے۔
دوم یہ کہ زرارہ نے بھی تقیہ کیا۔

وجہ اول کا یہ جواب ہے۔ کہ نجاشی نے ترجمہ محمد بن عیسیٰ میں اس قول کو کہ جو حدیث وہ یونس سے نقل کرتا ہے۔ ضعیف ہوتی ہے۔ باطل کر دیا ہے۔ **حیث قال محمد بن عیسٰی جلیل فی اصحابنا ثقة عین کثیر الروایة حسن التصنیف وروی عن ابی جعفر الثانی مکاتبته ومشافهته وذکر ابو جعفر بن بابویه عن ابن الولید انه قال ما تفرد به محمد بن عیسٰی من کتب یونس حدیثه لا یعتمد علیه ورأیت اصحابنا ینکرون هٰذا القول ویقولون من مثل ابی جعفر محمد بن عیسٰی۔ انتهی بلفظه**

علاوہ اس کے یہ کیا زبردستی ہے کہ بہت ابواب میں بکثرت روایات محمد بن عیسیٰ عن یونس مسائل دین و ایمان میں بلا نکیر سند میں پیش کیا جائے۔ مگر جب ہم زرارہ کا لاعن و ملعون ہونا ثابت کریں تو ضعف سند کا عذر پیش کی جائے۔ اگر تمام احادیث محمد بن عیسیٰ عن یونس کی نقل باحوالہ لکھی جائے تمام اصول اربعہ و دیگر کتب حدیث سے۔ تو اصل مبحث سے بعد واقع ہو گا۔ لہٰذا چند احادیث کا صرف ایک ہی کتاب تہذیب سے نشان دینا کافی سمجھتا ہوں۔

دیکھو مسح رجلین کے مسئلہ میں اسی اسناد کی حدیث ہے۔ جس میں **یمسح ظهر قدمیه من اعلٰی القدم الی الکعب ومن الکعب الی اعلی القدم** مروی ہے۔ چونکہ یہ حدیث بلحاظ فقرہ اخیرہ کے فی الجملہ منافی بعض اخبار کی تھی شیخ طوسی کو اچھا موقع تھا کہ بلحاظ سند کے تضعیف کر دیتے برعکس اس کے معنی حدیث میں تاویل کی نہ سند میں۔

اور مواضع غسل کی بحث میں پہلی حدیث اسی اسناد کی بلا نکیر موجود ہے۔ جس میں یہ عبارت ہے۔ **قال الغسل فی سبعة عشر موطنا۔**

اور اسی اسناد کی حدیث ہے۔ **هل یجوز ان یمس الثعلب والارنب الخ** اور حدیث مذکور کو دوبارہ علٰی ذٰلک لکھ کر شیخ طوسی نے لکھا ہے جس سے صحت و مقبولی روایت ثابت ہے۔

اور اسی اسناد سے حدیث ہے۔ **اذا اصاب ثوبک خمرا ونبیذ مسکر فاغسله الخ**۔ یہ بھی مذہب طوسی کی سند میں ہے۔ اور اسی سند سے ہے۔ **خمسة ینتظر بهم الا ان یتغیروا الخ** اور اسی سند سے ہے۔ **سألت ابا عبدالله عن الرجل لا یدری رکعتین صلی ام اربعًا الخ**۔ اور اسی سند سے

ہے۔ قال سألته عن المرأة تحيض وهي جنب الخ۔ اور اسی سند سے ہے حدیث لكل صلوٰة وقتان الخ۔ اور اسی سند سے باب فصول الاذان میں پہلی ہی حدیث ہے۔ اور اسی سند سے ہے۔ اذا اقمت الصلوٰة اقرابسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم۔ اور اسی سند سے ہے۔ قال صليت خلفه ابی عبداللّٰه الخ۔ منجملہ چار جلدوں تہذیب کے ایک ہی کی بعض روایات کے لکھنے پر قناعت کرتا ہوں۔ باقی مجلدات خود دیکھ لو۔ اب تو عذر ضعف سند کا بخوبی باطل ہوگیا۔ اور صحت روایت کشی قرائن صحیح سے بھی قوت پاتی ہے۔ یعنی دو حدیث میں ہے۔ زرارہ کے امام کو بے شعور وبے بصیرت کلام الرجال کہنا اور ایک حدیث سے اس کا مجادلہ کرنا یہاں تک کہ دروازہ تک آوازیں پہنچیں۔ اور دوسری حدیث سے تکذیب قول معصومین وصحیفہ مرتضوی کی کرنا ہم دکھا چکے ہیں۔ اور اخرج مخازیه کی سند میں احادیث کثیرہ منجانب امام مشعر لعن زرارہ پر بھی موجود ہیں۔ اور جو حدیث اس کی تنزیہ کی اس کے فرزند ارجمند نے بنائی ہے۔ اس میں بھی اقرار احادیث ذمائم زرراہ کا مذکور ہے جن کو امام نے بہ تقیہ ارشاد فرمانا ظاہر کیا تھا۔ حالانکہ خود حدیث مرویہ پسر زرارہ میں بعد تسلیم صحت کے زیادہ تر خوف وتقیہ کا احتمال موجود ہے۔ کیونکہ کل خاندان زرارہ بنو اعین امام کو دباتے تھے۔ حيث روى الكشي باسناده عن ابی عبداللّٰه قال ذكر عنده بنو اعين فقال واللّٰه ما يريد بنو اعين الا ان يكونوا على بلفظه

باقی رہا جواب ثانی امیہ کا کہ احادیث ملاعنہ محمول بر تقیہ ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب حفظان آبرو اپنے اصحاب کا امام کو منحصر لعن کہنے پر نظر آتا تھا۔ اور امام سے بیزاری کرنا اور لعنت کہنا امام پر زرارہ کو واسطے اظہار اپنی بے تعلقی کے ناگزیر تھا۔ تو سوائے زرارہ کے جس قدر اور اصحاب امام کے ہوں گے ان پر بھی یقین ہے۔ وظیفہ لعنت کا امام پڑھا کرتے ہوں گے۔ گو نقل سب کے حالات کی کسی مصلحت سے نہ کریں اور وہ لوگ جو بھی جو ہم مشرب زرراہ کے تھے امام کی نسبت خدا جانے کیا کیا کہا کرتے ہونگے۔ انتہےٰ

مختصراً باقی بحث تقیہ میں دیکھو۔ ہاں یہاں اتنا اور عرض کیا جاتا ہے۔ کہ اگر اس حدیث میں فی قلبی علیہ لعنۃ کو تقیہ پر محمول کریں۔ تو رحم اللّٰه ابا جعفر کو بھی تقیہ ہی پر محمول کرنا پڑے گا۔ للذا یہاں امامیہ کو تقیہ کی شق اختیار کرنے سے بھی نجات نہیں ملتی۔

۳۔ رجال کشی صفحہ ۹۸ میں ہے۔

حدثني ابو جعفر محمد بن قولويه قال حدثني محمد بن ابی القسم ابو عبداللّٰه المعروف بما جيلويه عن زياد بن ابی الحلال قال قلت لا بی

عبداللّٰہ علیه السلام ان زرارة روی عنک فی الاستطاعة شیئًا فقبلنا منه وصدقناه وقد احببت ان اعرض منه علیک فقال هاته فقلت زعم انه سالک عن قول اللّٰہ عزوجل ولِلّٰہِ علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا فقلت من ملک زاداً وراحلةً فقال کل من ملک زاداً وراحلة فهو مستطیع للحج وان لم یحج فقلت نعم فقال لیس هکذا سالنی ولا هٰکذا قلت کذب علی واللّٰہ کذب علی واللّٰہ لعن اللّٰہ زرارة لعن اللّٰہ زرارة لعن اللّٰہ زرارة انما قال لی من کان له ذاد وراحلة فهو مستطیع للحج قلت وقد وجب علیه قال فمستطیع هو قلت لا حتی یوذن له قلت فاخبر زراره بذالک قال نعم قال زیاد فقدمت الکوفة فلقیت ذرارة فاخبرته بما قال ابو عبداللّٰہ علیه السلام وسکت عن لعنه قال امام انه قد اعطانی الاستطاعة من حیث لا یعلم وصاحبکم هٰذالیس بصیرا بکلام الرجال۔

ترجمہ: "(بحذف اسناد) زیاد بن ابی الحلال کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ زرارہ نے مسئلہ استطاعت میں آپ سے کچھ روایت کیا۔ ہم نے اسے قبول کیا اور تصدیق کی۔ پس چاہتا ہوں کہ اسے آپ پر پیش کروں۔ امام نے فرمایا کہ پیش کرو۔ میں نے عرض کیا کہ زرارہ نے کہا کہ اس نے آپ سے اللہ عزوجل کے قول وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کے پاس زاد و راحلہ ہو۔ اس پر زرارہ نے کہا کہ ہر ایک شخص جس کے پاس زاد و راحلہ ہو حج کا مستطیع ہے خواہ حج نہ کرے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ یہ سن کر امام نے زیاد سے فرمایا کہ زرارہ نے مجھ سے اس طرح سوال نہیں کیا۔ اور نہ میں نے ایسا جواب دیا۔ اللہ کی قسم اس نے مجھ پر جھوٹ تھوپا۔ اللہ کی قسم اس نے مجھ پر جھوٹ تھوپا۔ اللہ زرارہ پر لعنت کرے۔ اللہ زرارہ پر لعنت کرے۔ اللہ زرارہ پر لعنت کرے۔ اس نے تو مجھ سے یہی کہا تھا۔ کہ جس کے پاس زاد و راحلہ ہو وہ حج کا مستطیع ہے۔ میں نے جواب دیا تھا۔ کہ اس پر حج واجب ہے۔ پوچھا کہ آیا وہ مستطیع ہے۔ میں نے کہا تھا۔ کہ نہیں۔ یہاں تک کہ اس کو اذن دیا جائے۔ میں نے عرض کی کہ کیا میں زرارہ کو یہ خبر دے دوں۔ امام نے فرمایا کہ ہاں۔ زیاد کا قول ہے۔ کہ میں کوفہ میں آیا۔ اور زرارہ سے ملا۔ اور اس کو بتلا دیا جو کچھ امام صادق نے

فرمایا تھا۔ اور لعنت کا ذکر نہ کیا۔ زرارہ نے کہا۔ کہ اس (امام) نے مجھے استطاعت عطا کی بدیں طور کہ اسے معلوم نہ ہوا۔ اور تمہارا یہ صاحب (امام) کلام رجال کا بصیر نہیں۔ (انتہی)

دوسری روایت میں ہے۔ واللّٰہ لقد اعطانی الاستطاعة وما شعر (رجال کشی۔ صفحہ ۹۹)

یہاں زرارہ نے امام جعفر صادق کو بے شعور و بے بصیرت بکلام الرجال بتایا ہے۔

۴۔ رجال کسی صفحہ ۱۱۳ میں ہے۔

روی عن ابن ابی یعفور قال خرجت الی السواد اطلب دارهم للحج ونحن جماعة وفینا ابو بصیر المرادی قال قلت له یا ابا بصیراتق اللّٰه وحج بما لک فانک ذومال کثیر فقال اسکت فلو ان الدنیا وقعت لصاحبک لاشتمل علیه بکسائه۔

ترجمہ: "ابن ابی یعفور کا بیان ہے۔ کہ میں ایک جماعت کے ساتھ نواح میں حج کے لئے درہم مانگنے گیا۔ اور ہم میں ابو بصیر مرادی بھی تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ اے ابو بصیر خدا سے ڈرو اور اپنے مال سے حج کر۔ کیونکہ تو بڑا مال دار ہے۔ ابو بصیر بولا۔ کہ چپ رہ۔ اگر تیرے صاحب (امام صادق) کے لئے دنیا گر پڑے وہ ضرور اس پر اپنے چادر کے ساتھ لپٹ جائیں۔ (انتہی)

اس روایت میں ابو بصیر نے امام جعفر صادق کو کیسا طامع اور دنیا پرست بتایا ہے۔ کہ بظاہر تارک الدنیا بنے ہوئے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسے نہیں۔ اگر ان کو مال مل جائے تو اس پر ٹوٹ پڑیں۔

اس حدیث کا روای ابن ابی یعفور بڑا ثقہ بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ رجال کشی صفحہ ۱۱۹ میں ہے۔

عن زید الشحام قال قال لی ابو عبداللّٰه علیه السلام ماوجدت احداً اخذ بقولی واطاع امری وحذ احذر اصحاب اٰبائی غیر رجلین رحمهما اللّٰه عبداللّٰه بن ابی یعفور حمران بن اعین۔ اما انهما مومنان خالصان من شیعتنا اسماؤهما عند نافی کتاب اصحاب الیمین الذی اعطی اللّٰه محمداً۔

ترجمہ: "یعنی زید شحام کا بیان ہے۔ کہ امام جعفر صادق نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی نہیں پایا۔ جس نے میرے قول کو اختیار کیا ہو اور میرا حکم مانا ہو۔ اور میرے آباء کے اصحاب کے طریق پر چلا ہو سوائے دو شخصوں کے اللہ ان پر رحم کرے۔ یعنی عبداللہ بن ابی یعفور

اور حمران بن اعین۔ آگاہ رہو وہ دونوں بے شک ہمارے شیعہ میں سے خالص مومن ہیں۔ ان کے نام ہمارے پاس اصحاب یمین کی کتاب میں ہیں۔ جو خدا نے حضرت محمد ﷺ کو عطا کی تھی۔ (انتہیٰ)

یہ خیال رہے کہ حمران بن اعین حدیث نمبر۱ کا راوی ہے۔

۵۔ رجال کشی صفحہ ۱۱۵ میں ہے۔

علی بن محمد قال حدثنی محمد بن احمد بن الولید عن حماد بن عثمان قال خرجت انا وابن ابی یعفور واٰخر الی الحیرة او الی بعض المواضع فتذاکرنا الدنیا فقال ابو بصیر المرادی اما ان صاحبکم لو ظفربها لاستاثر بها قال فاغفی فجاء کلب یرید ان یشغر علیه فذهبت لا طرده فقال لی ابن ابی یعفور دعه فجاءه حتی شغرفی اذنه۔

ترجمہ: " (بحذف اسناد) حماد بن عثمان کا بیان ہے۔ کہ میں اور ابن ابی یعفور اور ایک اور شخص جبرہ یا کسی اور جگہ کی طرف نکلے۔ ہم نے آپس میں دنیا کا جو ذکر کیا۔ تو ابو بصیر مرادی بول اٹھا۔ آگاہ رہو۔ اگر تمہارے صاحب (امام صادق) کو دنیا مل جائے۔ تو وہ سب آپ ہی سمیٹ لیں۔ بعد ازاں ابو بصیر سو گیا۔ پس ایک کتا آیا۔ جو چاہتا تھا کہ ابو بصیر پر پیشاب کر دے۔ میں اسے ہٹانے گیا۔ ابن ابی یعفور نے مجھ سے کہا کہ نہ ہٹا۔ پس وہ کتا ابو بصیر کے پاس آیا یہاں تک کہ اس نے ابو بصیر کے کان میں پیشاب کر دیا۔ (انتہیٰ)

۶۔ رجال کشی صفحہ ۱۱۶ میں ہے۔

محمد بن مسعود قال حدثنی جبرئیل بن احمد قال محمد بن عیسٰی عن یونس عن حماد التاب قال جلس ابو بصیر علی باب ابی عبداللّٰہ علیه السلام لیطلب الاذن فلم یوذن له فقال لو کان معناطبق لاذن قال فجاء کلب فشغرفی وجه ابی بصیر قال اف اف ما هٰذا قال جلیسه هذا کلب شغرفی وجهک۔

ترجمہ: " (بحذف اسناد) حماد ناب کا بیان ہے کہ ابو بصیر امام جعفر صادق کے دروازے پر بیٹھ گیا کہ اندر جانے کی اجازت لے مگر اسے اجازت نہ ملی۔ اس پر ابو بصیر نے کہا۔ کہ اگر ہمارے ساتھ خوان ہوتا۔ تو امام صاحب بلا لیتے۔ راوی کا قول ہے کہ اتنے میں ایک کتے نے

آکر ابو بصیر کی پیشانی پر پیشاب کر دیا۔ ابو بصیر چلا اٹھا اف اف یہ کیا ہے۔ اس کے ہم نشین نے کہا۔ یہ کتا ہے۔ اس نے تیری پیشانی پر پیشاب کر دیا ہے۔ (انتہیٰ)

اس روایت میں بھی امام صادق کو بڑا طامع بتایا گیا ہے۔

۷۔ رجال کشی صفحہ ۱۱۷ میں ہے۔

حمدویه قال حدثنی یعقوب بن یزید عن ابی عمیر عن علی بن عطیة قال قال ابو عبداللّٰه علیه السلام لعبد الملک بنٰ اعین کیف سمیت ابنک ضریساً فقال کیف سماک ابوک جعفر قال ان جعفر انهر فی الجنة وضریس اسم شیطان۔

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام جعفر صادق نے عبد الملک بن اعین سے پوچھا کہ تو نے اپنے بیٹے کا نام ضریس کیسے رکھا۔ اس پر عبد الملک نے کہا۔ کہ تیرے باپ نے تیرا نام جعفر کیسے رکھا۔ امام نے فرمایا کہ جعفر بہشت میں ایک نہر کا نام ہے۔ اور ضریس ایک شیطان کا نام ہے۔ (انتہیٰ)

دیکھئے یہاں عبد الملک نے امام پر جعفر کے معنے میں کیسی چوٹ کی ہے۔

مصنف نے جو امام موسیٰ کاظم کی نسبت بحوالہ کتاب الضعفا للعسقلانی لکھا ہے۔

حدیثه غیر محفوظ۔ اس کے بارے میں گذارش ہے۔ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔

علامہ ذہبی نے امام موصوف کی نسبت یوں لکھا ہے۔

(موسیٰ بن جعفر ت ق) قال ابن ابی حاتم صدوق امام وقال ابوه ابو حاتم ثقة امام..... قلت روی عنه بنوه علی الرضا وابراهیم واسمٰعیل وحسین واخواه علی ومحمد وانما اوردته لان العقیلی ذکره فی کتابه وقال حدیثه غیر محفوظ یعنی فی الایمان قال الحمل فیه علیٰ ابی الصلت الهروی قلت فاذا کان الحمل علیٰ ابی الصلت فما ذنب موسیٰ نذکره۔

ترجمہ: "امام موسیٰ کاظم کی روایت ترمذی و ابن ماجہ میں موجود ہے۔ حاتم کا قول ہے کہ موسیٰ کاظم صدوق امام ہیں۔ اور ان کے باپ ابو حاتم کا قول ہے کہ ---------------- ---------- امام موسیٰ ثقہ امام ہیں۔ ------- میں کہتا ہوں کہ موسیٰ کاظم سے ان کے

بیٹوں علی رضا اور ابراہیم اور اسماعیل اور حسین نے اور ان کے بھائیوں علی اور محمد نے روایت کی ہے۔ میں نے امام موسیٰ کا ذکر اپنی اس کتاب میں اس واسطے کیا ہے۔ کہ عقیلی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کی حدیث غیر محفوظ ہے۔ یعنی ایمان میں۔ اور بتایا ہے کہ یہ جرح ابو الصلت ہروی پر محمول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ابو الصلت ہروی پر محمول ہے۔ تو موسیٰ نے کیا گناہ کیا۔ کہ ان کا ذکر کیا ہے۔ (انتہیٰ)

ابو الصلت ہروی یعنی عبدالسلام بن صالح کی نسبت میزان الاعتدال میں یوں لکھا ہے۔

قال العقیلی رافضی خبیث وقال ابن عدی متهم وقال النسائی لیس بثقة وقال الدار قطنی رافضی خبیث منهم بوضع حدیث الایمان اقرار بالقول ونقل عنه انه قال کلب للعلویة خیر من بنی امیة۔

ترجمہ: عقیلی نے کہا کہ ابوالصلت رافضی خبیث ہے اور ابن عدی کا قول ہے کہ وہ متہم ہے۔ اور نسائی کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں۔ اور دار قطنی کا قول ہے کہ وہ رافضی خبیث ہے۔ جو حدیث الایمان اقرار بالقول (ایمان زبان سے اقرار کا نام ہے۔) کہ وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے۔ اور اس سے منقول ہے کہ علویوں کا کتا بنی امیہ سے بہتر ہے۔ (انتہیٰ)

تہذیب التہذیب میں عبدالسلام بن صالح کے ترجمہ میں ہے۔

قال ابو الحسن وروی حدیث الایمان اقرار بالقول وهو متهم بوضعه لم یحدث به الا من سرقه منه فهو الابتداء فی هٰذا الحدیث وقال البرقانی وحکی انا ابو الحسن انه سمع یقول کلب للعلویة خیر من جمیع بنی امیة فقیل ان فیهم عثمان فقال فیهم عثمان۔

ترجمہ: "ابو الحسن نے کہا۔ کہ عبدالسلام نے حدیث الایمان اقرار بالقول روایت کی ہے۔ اور وہی اس حدیث کے وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے۔ اور کسی نے جو اس کی روایت کی ہے عبدالسلام سے سرقہ کیا ہے۔ پس اس حدیث کی ابتداء عبدالسلام سے ہے۔ اور برقانی نے کہا کہ ابو الحسن نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے عبدالسلام کو یہ کہتے سنا۔ کہ علویوں کا کتا تمام بنی امیہ سے بہتر ہے۔ پس اس سے کہا گیا۔ کہ تمام بنی امیہ میں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ان میں عثمان داخل ہیں۔ (انتہیٰ)

اب مصنف کی خوش فہمی دیکھئے کہ حدیثه غیر محفوظ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم

کی تمام حدیثیں غیر محفوظ ہیں حالانکہ یہ صرف ایک حدیث کی نسبت ہے۔ اور اس میں بھی امام موصوف کی کوئی خطا نہیں۔ بلکہ ایک خبیث رافضی نے یہ حدیث وضع کی ہے۔ اور اس کے اسناد میں علی رضا موسیٰ کاظم۔ جعفر صادق محمد باقر زین العابدین۔ امام حسین۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کو لایا ہے۔ حدیث زیر بحث ابن ماجہ (باب فی الایمان) میں بدیں الفاظ مذکور ہے۔

حدثنا سهل بن ابی سهل ومحمد بن اسمٰعيل قالاثنا عبدالسلام بن صالح ابو الصلت الهروی ثنا علی بن موسٰی الرضی عن ابيه عن جعفر بن محمد عن ابيه عن علي بن الحسين عن ابيه عن علی بن ابی طالب قال قال رسول الله صلی اللّٰه عليه وسلم الايمان معرفة بالقلب وقول باللسان وعمل الاركان قال ابو الصلت لو قری هٰذا الاسناد علی مجنون لبرأ۔

انتہی

ابن ماجہ میں ابو الصلت کی صرف یہی ایک روایت ہے۔

امام علی رضا کی نسبت میزان الاعتدال میں یوں لکھا ہے۔

علی بن موسٰی بن جعفر بن محمد الهاشمی العلوی الرضا عن ابيه عن جده قال ابن طاهر يأتی عن ابيه بعجائب۔ قلت انما الشان فی ثبوت السند اليه والا فالرجل قد كذب عليه ووضع عليه نسخة سائرها الكذب علی جده جعفر الصادق فروی عنه ابو الصلت الهروی احد المتهمين ولعلی بن مهدی القاضی عنه نسخة ولابی احمد عامر بن سليمان الطائی عنه نسخة كبيرة ولداؤد بن سليمٰن القزوينی عنه نسخة مات سنة ثلاث ومائتين قال ابو الحسن الدار قطنی ان ابن حبان فی كتابه قال علی بن موسٰی الرضٰی يروی عن ابيه عجائب بهم ويخطی۔

ترجمہ: ”علی رضا بن موسیٰ بن جعفر بن محمد ہاشمی علوی حدیثیں روایت کرتے ہیں اپنے باپ موسیٰ کاظم سے۔ اور موسیٰ کاظم ان کے دادا جعفر صادق سے۔ ابن طاہر کا قول ہے کہ علی رضا اپنے باپ سے عجیب باتیں روایت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کلام علی رضا کی طرف اس سند کے ثبوت میں ہے۔ ورنہ امام رضا پر جھوٹ تھوپا گیا ہے۔ اور ان پر ایک نسخہ وضع کیا گیا ہے۔ جو تمامہا ان کے دادا جعفر صادق پر افترا ہے۔ جس کو ابو الصلت ہروی نے جو متہمین بالوضع میں سے ہے آپ سے روایت کیا ہے۔ اور علی بن مہدی قاضی کا ایک نسخہ بروایت

امام رضا ہے۔ اور ابو احمد عامر بن سلیمان طائی کا ایک نسخہ بروایت رضا ہے۔ اور داؤد بن سلیمان قزوینی کا ایک نسخہ آپ ہی کی روایت سے ہے۔ امام رضا نے ۲۰۳ھ میں وفات پائی ابو الحسن دار قطنی کا قول ہے کہ ابن حبان نے اپنی کتاب میں یوں کہا ہے۔ کہ علی بن موسیٰ الرضیٰ اپنے باپ سے عجیب باتیں روایت کرتے ہیں۔ اور وہم کرتے ہیں اور خطا کرتے ہیں۔ (انتہیٰ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ابن حبان کا قول بحوالہ انساب ابن سمعانی نقل کرکے یوں لکھا ہے۔

قلت و عمار له ابن حبان بسند عن اٰبائه مرفوعًا السبت لنا والاحد لشيعتنا والاثنين لبني امية والثلاثاء لشيعتهم والاربعاء لبني العباس والخميس لشيعتهم والجمعة للناس جميعًا۔ وبه لما اسرى بي الى السماء فسقط الى الارض من عرقي فنبت منه الورد احب ان يشم رايحتي فليشم الورد۔ وبه ادهنوا بالبنفسج فانه بارد في الصيف حار في الشتاء۔ وبه من اكل رمانة بقشرها حتى يستتمها انار اللّٰه قلبه اربعين يومًا۔ وبه الحناء بعد النورة امان من الجذام ۔ وبه كان صلى اللّٰه عليه وسلم اذا عطس قال له علي يرفع اللّٰه ذكرك فاذا عطس علي قال له اعلى اللّٰه كعبك وفيه من ادى فريضة فله عنداللّٰه عهد دعاة مستجابة قال النباتي في ذيل الكامل لم يذكر ابن حبان هل هٰذه الاحاديث برواية ابى الصلت عن علي ام لا۔ قلت وهي من رواية ابي الصلت هي وغيرها في نسخة مفردة۔ قال النباتي حديث الايام منكر و حديث الورد انكر و حديث البنفشة منكر و حديث الرمانة انكر و حديث الحناء اوهى واطم وحق لمن يروى مثل هٰذا ان يترك ويحذر ثم قال ابن السمعاني والخلل في رواياته عن رواته فانه ماروى عنه الامتروك والمشهور من روايته الصحيفة وراويها عنه مطعون فيه وكان الرضى من اهل العلم والفضل مع شرف النسب۔

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ ابن حبان نے بروایت امام رضا عن آباء سند کے ساتھ بطریق رفع

یہ حدیث نقل کی ہے۔ کہ روز شنبہ (ہفتہ) ہمارے واسطے اور یک شنبہ (اتوار) ہمارے شیعہ کے لئے ہے۔ اور دو شنبہ (سوموار) بنی امیہ کے لئے اور سہ شنبہ (منگل) ان کے شیعہ کے لئے ہے۔ اور چہار شنبہ (بدھ) بنی عباس کے لئے۔ اور پنج شبہ (جمعرات) ان کے شیعہ کے لئے ہے۔ اور جمعہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔

اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے۔ کہ جب شب معراج میں مجھے آسمان پر لے گئے تو میرا کچھ پسینہ زمین پر گر پڑا۔ پس اس سے گلاب اگا۔ لہٰذا جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہے وہ گلاب کو سونگھ لے۔

اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ روغن بنفشہ ملو۔ کیونکہ گرما میں وہ ٹھنڈا اور سرما میں گرم ہے۔

اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ جس نے انار کو چھلکے سمیت کھایا یہاں تک کہ تمام کھا گیا۔ خدا اس کے دل کو چالیس روز تک نورانی رکھے گا۔

اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ نورہ کے بعد مہندی لگانا جذام سے امان ہے۔

اور اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جب چھینک آتی۔ تو حضرت علی آپ کے لئے یوں کہتے۔ یرفع اللّٰہ ذکرک (خدا آپ کا ذکر بلند کرے) اور جب حضرت علی کو چھینک آتی۔ تو آنحضرت ﷺ ان کے لئے یوں دعا کرتے۔ اعلٰی اللّٰہ کعبک۔ (خدا آپ کو شرف بخشے) اور اسی میں ہے کہ جس نے فریضہ ادا کیا۔ خدا اس کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ نباتی (ابن عدی (متوفی ۳۶۵ھ) نے جرح و تعدیل میں کامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین تصنیف کی۔ اس پر ابو العباس احمد بن محمد بن مفرج النباتی الاشبیلی معروف بابن الرومیۃ (متوفی ۶۳۷ھ) نے ایک ضخیم ذیل لکھا ہے۔ جس کا نام الحافل فی تکملہ الکامل ہے کذافی کشف الظنون۔) (اس) نے کامل کے ذیل میں کہا ہے کہ ابن حبان نے یہ ذکر نہیں کیا۔ کہ یہ حدیثیں بروایت ابو الصلت از رضا ہیں یا نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیثیں ابو الصلت کی روایت سے ہیں۔ اور یہ اور دیگر احادیث ایک علیحدہ نسخہ میں ہیں۔ نباتی کا قول ہے کہ دنوں کی حدیث منکر ہے۔ اور گلاب کی حدیث اس سے بڑھ کر منکر ہے۔ اور بنفشہ کی حدیث منکر ہے۔ اور انار کی حدیث اس سے بڑھ کر منکر ہے۔ اور مہندی کی حدیث نہایت ضعیف اور مجروح ہے۔ اور جو شخص ایسی حدیثیں روایت کرے وہ اس قابل ہے کہ ترک کر دیا جائے۔ اور اس سے اجتناب کیا جائے۔

بعد ازاں ابن سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے کہا کہ امام رضا کی روائتوں میں خلل آپ کے راویوں کے سبب سے ہے۔ کیونکہ بجز متروک کے آپ سے کسی نے روایت نہیں کی۔ اور آپ کی روایت سے مشہور صحیفہ ہے اس کا جو راوی آپ سے ہے وہ مجروح ہے۔ اور امام رضا شرف نسب کے علاوہ اہل علم و فضل سے تھے۔ (انتہیٰ)

اس بیان سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رافضیوں نے کس طرح موضوع حدیثیں امام رضا کی طرف منسوب کرکے ان کو بے توقیر بنا دیا ہے۔

امام حسن عسکری کا حال بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ چنانچہ ان کی طرف ایک موضوع قصہ کی روایت منسوب کی گئی ہے۔ جسے علامہ سیوطی نے یوں ذکر کیا ہے۔

ابو الحسین بن المهتدی باللّٰہ فی فوائدہ ابنا نا ابو الفرج الحسن بن احمد بن علی الهمدانی حدثنا عبدالله بن محمد بن جعفر بن شاذان حدثنا احمد بن محمد بن مهران بن جعفر الرازی بحضرۃ ابی خثیمة حدثنی مولای الحسن بن علی صاحب العسکر حدثنی علی بن محمد حدثنی ابو محمد بن علی بن موسٰی الرضی حدثنی ابی موسٰی بن جعفر حدثنی ابی جعفر بن محمد عن ابیه محمد بن علی عن جابر بن عبداللّٰہ مرفوعًا لما خلق الله تعالٰی اٰدم وحواء تبخترا فی الجنة وقالا ما خلق اللّٰہ خلقًا احسن منافبینما هما کذلک اذهما بصورۃ جاریة لم یر الراؤن احسن منها لها نور شعشانی یکاد یطفئی الابصار علی راسها تاج وفی اذنیها قرطان فقالا یارب ماهذه الجاریة قال صورۃ فاطمة بنت محمد سید ولدک فقالا ما هٰذا التاج علی رأسها قال هٰذا بعلها علی بن ابی طالب قالا فما هٰذان القرطان قال ابناها الحسن والحسین وجد ذٰلک فی غامض علمی قبل ان اخلقک بالفی عام الالی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه۔ مطبوعه مصر۔ جزء اول۔ صفحه ۲۰۵)

ترجمہ: " (بحذف اسناد) جب اللہ تعالیٰ نے آدم و حواء کو پیدا کیا۔ تو وہ بہشت میں ناز ٹہلنے لگے اور کہنے لگے۔ کہ خدا نے کوئی مخلوق ہم سے خوبصورت پیدا نہیں کیا۔ اسی حال میں اچانک ان کو ایک لڑکی کی صورت دکھائی دی کہ دیکھنے والوں نے اس سے خوبصورت نہ

دیکھی ہو گی۔ اس کا خوبصورت نور آنکھوں کو چندھیا دیتا تھا۔ اس کے سر پر ایک تاج تھا۔ اور کانوں میں دو بالیاں تھیں۔ دونوں نے پوچھا۔ یارب یہ لڑکی کیسی ہے۔ خدا نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد کے سردار محمد کی بیٹی فاطمہ کی صورت ہے۔ پوچھا کہ اس کے سر پر یہ تاج کیسا ہے۔ خدا نے فرمایا کہ یہ فاطمہ کے شوہر علی بن ابی طالب ہیں۔ پھر پوچھا کہ یہ دو بالیاں کیسی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ فاطمہ کے بیٹے حسن و حسین ہیں۔ یہ میرے علم غامض میں تیری پیدائش سے دو ہزار سال پہلے موجود تھا۔

اخیر میں مصنف نے جو لکھا ہے کہ مذہب امامیہ اور مذہب اہل سنت بوجہ اختلاف کبھی آپس میں نہ ملیں گے۔ بالکل درست ہے۔ کیونکہ حق و باطل کا اتحاد ناممکن ہے۔ مذہب اہل سنت و جماعت یقیناً حق ہے۔ اور مذہب امامیہ باطل۔

جامع الاخبار للشیخ الصدوق (مطبوعہ ایران ۱۳۴۱ھ الفصل السادس والثلاثون فی صلوٰۃ الجماعۃ۔ صفحہ ۹۲۔ ۹۳) میں ایک طویل حدیث صلوٰۃ جماعت کی فضیلت میں یوں شروع ہوتی ہے۔

عن ابی سعید الخدری عن النبیؐ قال اتانی جبرائیل مع سبعین الف ملئکة بعد صلٰوة الظهر۔ (ابو سلمہ بروایت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نماز ظہر کے بعد میرے پاس آئے۔ اس حدیث میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نماز جماعت کی فضیلت یوں بیان فرماتے ہیں۔

یامحمد رکعة یصلیها المومن مع الامام خیر له منْ ان یتصدق مائة الف دینار علی المساکین و سجدة یسجدها مع الامام خیر له من عبادة سنة ورکعة یرکعها المومن مع الامام خیر من مائتی رقبة یعتقها فی سبیل اللّٰه تعالٰی ولیس علی من مات علی السنة والجماعة عذاب القبر ولا شدة یوم القیامة۔

ترجمہ: "اے محمد ﷺ ایک رکعت جو مومن امام کے ساتھ پڑھے۔ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ ایک لاکھ دینار مساکین پر صدقہ کرے۔ اور ایک سجدہ جو امام کے ساتھ کرے اس کے لئے ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور ایک رکوع جو مومن امام کے ساتھ کرے اس کے لئے فی سبیل اللہ تعالیٰ دو سو غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اور جو شخص سنت و جماعت پر وفات پائے اس کے لئے نہ عذاب قبر ہے اور نہ روز قیامت کی شدت۔ (انتہیٰ)

کتاب الخصال (مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ھ ۔ صفحہ ۱۴۱) میں ہے۔

حدثنا ابو احمد محمد بن جعفر البندار الشافعی بفرغانه قال حدثنا مجاهد بن اعین بن داؤد قال حدثنا محمد بن الفضل قال حدثنا ابن لهیعة عن سعید بن ابی هلال عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن بنی اسرائیل تفرقت علی احدی و سبعین فرقة فهلک سبعون فرقة و تتخلص فرقة وعن امتی ستفترق علی اثنین وسبعین فرقة یهلک احدی وسبعون و تتخلص فرقة قالوا یارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من تلک الفرقة الجماعة رسول اللّٰه من تلک الفرقة قال الجماعة الجماعة۔

ترجمہ: " (بحذف اسناد) رسول اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے بن گئے۔ پس ستر فرقے ہلاک ہو گئے۔ اور ایک فرقہ نجات پائے گا اور میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے۔ اکہتر ہلاک ہوں گے۔ اور ایک فرقہ نجات پائے گا۔ حاضرین نے عرض کی یارسول اللہ وہ فرقہ کونسا ہے فرمایا جماعت' جماعت' جماعت (انتہیٰ)

حضرت امیر فرماتے ہیں۔ الزموا السواد الاعظم فان یداللّٰه علی الجماعة (نہج البلاغہ جزء اول صفحہ ۱۴۱) یعنی سواد اعظم کے ساتھ رہو۔ کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (انتہیٰ)

قال السید امداد امام

خلافت کے متعلق اہل سنت اور امامیہ کے عقائد

ہرچند امامیہ اور حضرات اہل سنت خلافت کو ایک امر برحق جانتے ہیں۔ مگر دونوں کے تمام تر دو رنگ ہیں۔ گو دونوں فرقے بارہ خلیفہ ہائے برحق کے قائل ہیں۔ اس موافقت کی وجہ یہ ہے۔ کہ حدیث خلفائے اثنا عشر فریقین میں صحیح مانی ہوئی ہے۔ لیکن امر مختلف فیہ جو ہے وہ یہ ہے کہ فریقین بارہ خلیفوں کے نامزد کرنے میں اختلاف عظیم رکھتے ہیں۔ وہ حدیث نبوی ﷺ جو مقبولہ فریقین ہے یہ ہے۔

عن جابر ابن سمرة قال دخلت مع ابی علی النبیؑ فسمعته یقول ان هٰذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیهم اثنا عشر خلیفة قال ثم تکلم بکلام خفی علی قال فقلت لابی ماقال قال کلهم من قریش۔

(دیکھو بخاری و مسلم مع نووی کتاب الامارت۔ صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ: "جابر ابن سمرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ خدمت رسول اللہؐ میں گیا۔ میں نے سنا کہ پیغمبرؐ فرماتے تھے کہ ضرور یہ امر پورا نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اس میں بارہ خلفاء نہ ہوں۔ جابر کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ نے ایسا کلام کیا جو مجھ پر پوشیدہ رہا۔ تب میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا۔ کہ آنحضرت ﷺ نے کیا فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ کہ کل خلفاء قریش سے ہوں گے۔ اس حدیث کی بنا پر علمائے اہل سنت نے اپنے بارہ خلفاء یوں گنے ہیں۔ ۱۔ ابوبکر صدیق ۲۔ عمر فاروق ۳۔ عثمان غنی ۴۔ علی ۵۔ معاویہ بن ابی سفیان۔ اور سات خلیفہ از عبدالملک تا بہ عمر ابن عبدالعزیز کچھ علمائے اہل تسنن بعد حضرت معاویہ کے حضرت یزید کو اور حضرت یزید کے بعد اور خلفائے بنی امیہ کو مسلسل طور پر خلفائے اثنا عشر میں داخل کرتے گئے ہیں۔ راقم الحروف کے استاد مولوی سید محمد گل صاحب جلال آبادی بھی یزید کی خلافت حقہ کے قائل تھے۔ اور راقم الحروف بھی اپنے طالب علمی کے زمانہ میں یہی مذہب رکھتا تھا۔ جاننا چاہیے کہ اہل سنت کے جس فرقہ نے حضرت یزید کو فہرست خلفائے اثنا عشر سے خارج کر دیا ہے۔ اس کی حجت یہ ہے کہ یزید چونکہ فاسق اور فاجر تھا۔ اس لئے اس کو خلفائے اثنا عشر میں داخل نہیں کر سکتے۔ مگر جس فرقہ نے حضرت یزید کو بعد حضرت معاویہ کے خلیفہ مانا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اصولاً عصمت شرط خلافت نہیں ہے۔ اصول کی رو سے خلیفہ برحق ہونے کے واسطے تمام شروط خلافت سے صرف ایک شرط کا ہونا کافی ہے۔ حضرت یزید میں تو بہت سی شرطیں موجود ہیں۔ حضرت یزید کے حسب حال ابوبکر کا اجماع موجود ہے۔ اجماع کے لئے صرف دو آدمی کافی ہوتے ہیں۔ حضرت یزید کے لئے تو لاکھوں آدمی کا اجماع موجود تھا۔ علاوہ اس شرط کے حضرت یزید کے موافق حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استخلاف حضرت عثمان کے مشورے اور حضرت معاویہ کے غلبہ و قہر کی شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایسی صورتوں میں حضرت یزید کا خلیفہ برحق شمار کیا جانا اصول خلافت کے خلاف نہیں ہے۔ اس رو سے مسلسل طور پر بارہ خلفا کا شمار عمل میں لانا چاہیے۔ نہ کہ گنڈے دار طور پر جیسا کہ دوسرے فریق کے علمائے اہل تسنن نے کیا ہے۔ اور اسی اصول کی پابندی سے حضرت یزید نے زمرہ خلفائے اثنا عشر سے خارج کر دیا ہے۔ یہ تقریر بے سروپا اندازی کی نہیں ہے۔ لاریب کوئی پابند اصول خلافت حضرت یزید کو زمرہ خلفائے اثنا عشر سے خارج نہیں کر سکتا ہے۔ چنانچہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی

نے اپنی کتاب ازالتہ الخفا میں سلسلہ وار بارہ خلفائے اہل سنت کے نام درج فرمائے ہیں۔ اور حضرت یزید بھی جناب شاہ صاحب ممدوح کے خلفاء میں داخل دیکھے جاتے ہیں۔

یہ تو حساب حضرات اہل سنت کے خلفائے اثنا عشر کا تھا جو عرض ہوا۔

اب فرقہ امامیہ کے خلفائے اثنا عشر شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے شمار میں کسی شیعہ اثنا عشری کو اختلاف نہیں ہے۔ ان شیعوں کے خلفا یہ ہیں۔ ۱۔ علی بن ابی طالب۔ ۲۔ امام حسن۔ ۳۔ امام حسین۔ ۴۔ امام زین العابدین۔ ۵۔ امام محمد باقر۔ ۶۔ امام جعفر صادق۔ ۷۔ امام موسیٰ کاظم ۸۔ امام علی رضا۔ ۹۔ امام محمد تقی۔ ۱۰۔ امام علی تقی۔ ۱۱۔ امام حسن عسکری۔ ۱۲۔ امام محمد مہدی۔ (صلوات اللہ علیہم) واضح ہو کہ امامیہ رسول اللہؐ کی خلافت کو قرآنی دلائل اور حدیث ثقلین کی بنیاد پر امر من جانب اللہ سمجھتے ہیں۔ اور خلفا کی عصمت کے تمام تر قائل ہیں۔ فرقہ امامیہ کے نزدیک خلیفہ کا معصوم ہونا ایک امر ضروری ہے۔ امامیہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ معصوم تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کے جانشینوں کو بھی معصوم ہونا چاہیے۔ معصوم کا جانشین غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ حضرات اہل سنت معاملہ خلافت میں اس کے برخلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ حضرات خلافت کو امر من جانب اللہ نہیں جانتے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۴۷۔ ۴۸ (انتہیٰ)

اقولُ

حدیث جابر بن سمرہ کئی طریق سے مروی ہے۔ سنن ابی داؤد باب الملاحم میں ہے۔

۱۔ حدثنا عمرو بن عثمان نا مروان بن معاویة عن اسمٰعیل یعنی ابن ابی خالد عن ابیه عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لایزال هٰذا الدین قائمًا حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع علیه الامة فسمعت کلامًا من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم افهمه فقلت لابی ما یقول قال کلهم من قریش۔

ترجمہ: ”(بحذف اسناد) ابو خالد سے روایت ہے۔ کہ جابر بن سمرہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ کہ فرماتے تھے کہ یہ دین قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفاء ہوں گے جن میں سے ہر ایک پر امت اجماع و اتفاق کرے گی۔ پس میں نے نبی ﷺ سے ایک کلام سنا۔ جسے میں نہ سمجھا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ کہ حضرت کیا فرماتے ہیں۔ جواب

دیا۔ کہ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔ (انتہیٰ)

۲۔ **حدثنا موسٰی بن اسمٰعیل ناوھیب ناداؤد عن عامر بن جابر بن سمرة قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لا یزال هٰذا الدین عزیزا الی اثنی عشر خلیفة قال فکبر الناس ضجراً ثم قال کلمة خفیفة قلت لابی یا ابت ما قال قال کلهم من قریش۔**

ترجمہ: "(بحذف اسناد) عامر سے روایت ہے کہ جابر بن سمرہ نے کہا۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے۔ کہ فرماتے تھے۔ کہ یہ دین بارہ خلیفوں تک غالب رہے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر لوگوں نے اللہ اکبر کہا۔ اور بانگ و فریاد کی۔ پھر حضرت نے ایک خفیف کلمہ فرمایا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ کہ حضرت نے کیا فرمایا۔ جواب دیا کہ فرماتے ہیں۔ کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔ (انتہیٰ)

۳۔ **حدثنا ابن نفیل نازھیرنا زیاد بن خیثمة نا الا سود بن سعید الهمدانی عن جابر بن سمرة بهٰذا الحدیث زاد فلما رجع الٰی منزله اتته قریش فقالوا ثم یکون ماذا قال ثم یکون الهرج۔**

ترجمہ: "یعنی اسود بن سعید ہمدانی سے روایت ہے کہ جابر بن سمرہ نے یہ حدیث بیان کی۔ اور اتنا اور کہا کہ جب حضرت اپنے دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ تو قریش آپ کی خدمت میں آئے۔ اور پوچھا کہ بعد ازاں کیا ہو گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کے بعد ہرج یعنی فتنہ ہو گا۔ (انتہیٰ)

ابن بابویہ نے کتاب الخصال صفحہ ۷۲ تا ۷۴ میں اس حدیث کو یوں نقل کیا ہے۔

۱۔ **حدثنا احمد بن الحسن القطان قال حدثنا ابوبکر احمد بن محمد بن عبید الینسا بوری قال حدثنا ابو القاسم هٰرون بن اسحاق یغنی الهمدانی قال حدثنی عمی ابراهیم بن محمد عن زیاد بن علاقه و عبدالملک بن عمیر عن جابر بن سمرة قال کنت مع ابی عند نبی صلی اللّٰه علیه وسلم فسمعته یقول یکون بعدی اثنا عشر امیر اثم اخفی صوته فقلت لابی ما الذی اخفی رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم قال کلهم من قریش۔**

ترجمہ: "زیادہ بن علاقہ۔ اور عبد الملک بن عمیر سے روایت ہے۔ کہ کہ جابر بن سمرہ نے کہا

کہ میں اپنے باپ کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں تھا۔ میں نے حضرت کو سنا کہ فرماتے تھے کہ میرے بعد بارہ امیر ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنی آواز مدہم کرلی۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ کہ حضرت نے پوشیدہ کیا فرمایا۔ جواب دیا کہ فرمایا کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔

(انتہیٰ)

۲۔ حدثنا احمد بن الحسن القطان قال حدثنا عبدالرحمٰن بن ابی حاتم قال حدثنا العلا بن سالم قال حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا شریک عن سماک وعبداللّٰہ بن عمیر و حصین بن عبدالرحمٰن قالو اسمعنا جابر بن سمرۃ یقول دخلت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع ابی فقال لا تزال ھٰذہ الامۃ صالحًا امرھا ظاھرۃ علی عدوھا حتّٰی یمضی اثنا عشر ملکا او قال اثنا عشر خلیفۃ ثم قال کلمۃ خفیت علی فسالت ابی فقال قال کلھم من قریش۔

ترجمہ: "یعنی سماک و عبداللہ بن عمیر و حصین بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے۔ کہ ہم نے جابر بن سمرہ کو سنا کہ کہہ رہے تھے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس امت کا حال اچھا رہے گا۔ اور یہ اپنے دشمن پر غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ بارہ بادشاہ یا فرمایا بارہ خلفاء گزر جائیں گے۔ پھر حضرت نے ایک کلمہ فرمایا۔ جو مجھ پر پوشیدہ رہا۔ اس لئے میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت نے فرمایا۔ کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔ (انتہیٰ)

۳۔ حدثنا احمد بن الحسن القطان قال حدثنا عبدالرحمٰن بن ابی حاتم قال حدثنا اسحاق بن ابراھیم بن عبدالرحمٰن ابو یعقوب السمین البغوی قال حدثنا ابن علیۃ عن ابن عون عن الشعبی عن جابر بن سمرۃ قال کنت مع ابی فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یزال ھٰذا الدین عزیزاً منیعًا سنیًا ینصر علی من عاداھم الٰی اثنی عشر خلیفۃ ثم تکلم بکلمۃ اصمنیھا الناس فقلت لابی ما الکلمۃ التی اصمنیھا الناس فقال قال کلھم من قریش۔

ترجمہ: "یعنی شعبی سے روایت ہے۔ کہ جابر بن سمرہ نے کہا۔ کہ میں اپنے باپ کے ساتھ

تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دین بارہ خلیفوں تک غالب و استوار و بلند رہے گا۔ اور دشمنوں پر فتح پاتے رہیں گے۔ پھر حضرت نے ایک کلمہ فرمایا۔ جسے لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ کہ وہ کلمہ کیا ہے؟ جو لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ حضرت نے فرمایا۔ کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔ (انتہی)

۴۔ **ابو القاسم عبداللّٰہ بن محمد قال حدثنا ابو عبداللّٰہ محمد بن سعید قال حدثنا الحسن بن اسمٰعیل الطیان قال حدثنا ابو اسامۃ عن ابن مبارک عن معمر عمن سمع وھب بن منبہ یقول یکون اثنا عشر خلیفۃ ثم یکون الھرج ثم یکون کذا ثم یکون کذا۔**

ترجمہ: "وہب بن منبہ کا قول ہے۔ کہ بارہ خلفاء ہوں گے۔ پھر ہرج یعنی فتنہ ہو گا۔ پھر ایسا ہو گا۔ پھر ایسا ہو گا۔ (انتہی)

مصنف جو حدیث زیر بحث میں خلفائے اثنا عشر سے اپنے اثنا ائمہ عشر مراد لیتا ہے۔ درست نہیں۔ بوجہ ذیل:

۱۔ خلفائے اثنا عشر کا قریش سے منسوب ہونا دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ سب بنی ہاشم میں سے نہیں ہوں گے کیونکہ معمول ہے۔ کہ جب ایک جماعت کوئی کام کرتی ہے۔ اور وہ سب ایک بطن سے ہوں تو اسی بطن کا نام لیا کرتے ہیں۔ اور جب مختلف بطون سے ہوں۔ تو قبیلہ فوقانی کا نام لیا کرتے ہیں۔ جو سب کا جامع ہو۔

۲۔ روایات نمبر(۲) سنن ابی داؤد۔ اور نمبر(۳) کتاب الخصال سے ظاہر ہے۔ کہ ان خلیفوں کے زمانے میں دین اسلام کو غلبہ ہو گا۔ اور دشمن مغلوب ہوں گے مگر امامیہ کے ائمہ اثنا عشر کے وقت میں دین اسلام کا غلبہ تو درکنار دین حق ظاہر ہی نہیں ہوا۔ اور دشمن بجائے مغلوب ہونے کے غالب آتے رہے۔ لہٰذا ائمہ دوازدہ و خلفائے دوازدہ کی عینیت بالکل باطل ہے۔

۳۔ روایات نمبر(۱) و (۲) ابو داؤد۔ اور نمبر(۳) ابن بابویہ میں حرف الٰی یا حتی کا مقتضایہ ہے۔ کہ جب بارہ خلیفوں کی خلافت منقضی ہو جائے گی۔ جیسا کہ ابوداؤد وابن بابویہ کی اخیر کی روائتوں میں صراحت ہے۔ مگر امامیہ قائل ہیں۔ کہ جب ائمہ اثنا عشر تمام ہونگے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ اور دین کمال پر پہنچے گا۔ پس اگر ائمہ مراد ہوں تو غایت و مغیا درست نہیں رہتا۔

۴۔ امام رضا امامت کی تعریف یوں فرماتے ہیں۔

ان الامامة زمام الدين و نظام المسلمين وصلاح الدنيا و عز المؤمنين۔ ان الامامة اس الاسلام النامی وفرعه السامی۔ بالا مام تمام الصلٰوة والزكٰوة والصيام والحج والجهاد و توفير الٰی والصدقات وامضاء الحدود والاحكام ومنع الثغور والاطراف۔ الامام يحل حلال الله ويحرم حرم الله ويقيم حدود الله ويذب عن دين الله ويدعو الٰی سبيل ربه بالحكمة والموعظة الحسنة والحجة البالغة۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۱۲۰)

ترجمہ: "بے شک امامت دین کی باگ اور مسلمانوں کا نظام اور دنیا کی صلاح اور مومنوں کی عزت ہے۔ بے شک امامت درخت اسلام کی بڑھنے والی جڑ اور اس کی بلند شاخ ہے۔ بے شک امام کے ساتھ نماز۔ زکٰوۃ۔ روزہ حج جہاد کا کمال اور فئے اور صدقات کی کثرت اور حدود و احکام شرح کا جاری کرنا اور ملکی سرحدوں اور اطراف بلاد اسلام کی حفاظت ہے۔ امام خدا کے حلال کو حلال اور خدا کے حرام کو حرام کرتا ہے۔ اور خدا کی حدود کو قائم رکھتا ہے۔ اور خدا کے دین سے ضرر کو دفع کرتا ہے۔ اور خدا کے راستہ کی طرف حکمت و موعظہ حسنہ اور حجت بالغہ کے ساتھ بلاتا ہے۔ (انتہیٰ)

اس تعریف کی رو سے بارہ اماموں میں سے ایک بھی امام و خلیفہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سب کے سب بجائے دین خدا کی دعوت کے دین کو چھپاتے رہے۔

۵۔ خود حضرت امیر علیہ السلام نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت حقہ کو اور امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ لہٰذا خلفائے ثلاثہ اور حضرت معاویہؓ ان خلفائے اثنا عشر میں ضرور شامل ہیں۔ پس امامیہ کے ائمہ اثنا عشر اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں بن سکتے۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ خلفائے اثنا عشر کونسے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ان بارہ خلیفوں میں چار تو خلفائے راشدین اور پانچویں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ باقی سات بقول قاضی عیاض و حافظ ابن حجر عسقلانی (اشعتہ اللمعات) یہ ہیں۔ عبدالمالک۔ عبدالملک کے چاروں بیٹے۔ عمر بن عبدالعزیز ولید بن یزید بن عبدالملک۔ مصنف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سات خلیفوں کے تعیین میں جو اختلاف مابین علمائے اہل سنت بیان کیا ہے۔ اس میں مولانا شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفا کے سوا اور کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ اور وہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ شاہ صاحب اپنی

کتاب قرۃ العینین (مطبوعہ مجتبائی دہلی۔ صفحہ ۲۹۷) میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔
"پس تحقیق دریں مسئلہ آنست کہ چہار راشد و بعد ازیشاں معاویہ عبدالملک و چہار پسر او و عمر بن عبدالعزیز ولید بن یزید بن عبدالمالک را اعتبار کنند۔۔۔۔۔۔ و یزید بن معاویہ خود ازین میاں ساقط است بجہت عدم استقرار او مدت معتد بہا و سوء سیرت او۔ واللہ اعلم۔ انتہی۔
مخفی نہ رہے کہ پہلے چار خلیفوں کی خلافت خلافت نبوت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا۔ کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہے۔ پھر امراو ملوک ہوں گے۔ للذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی عالم یزید کو بھی خلیفہ و بادشاہ کہے۔ تو بروئے روایت نمبرا ابوداؤد گنجائش ہے۔ کیونکہ کلھم تجتمع علیه الامة میں اجتماع سے مراد انقیادو اطاعت واتفاق بربیعت ہے جو یزید میں موجود تھا۔ خواہ وہ پرلے درجہ کا فاسق و جابر تھا۔ اس صورت میں یزید کے خلیفہ ہونے سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ وہ خلفائے راشدین وائمہ مجتہدین میں سے تھا۔ شاید مصنف کو معلوم نہیں۔ کہ یہ وہی یزید ہے۔ جس کی غلامی کا اقرار حسب روائیت کلینی امام زین العابدین نے کیا تھا۔
امامیہ جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ معصوم تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کے جانشینوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے۔ معصوم کا جانشین غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسی پوچ دلیل ہے۔ صاف یوں کیوں نہ کہہ دیا کہ آنحضرت کے جانشینوں کو بھی پیغمبر ہونا چاہیے۔ کیونکہ پیغمبر کا جانشین غیر پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ سچ پوچھیے تو امامیہ نے خلافت بلا فصل کے دھن میں انبیائے کرام علیہم السلام کی نہایت اہانت کی ہے۔ بوجوہ ذیل:

۱۔ شیعہ امامیہ اپنے آئمہ پر وحی خفی کے نزول کے قائل ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں مذکور ہوا۔
۲۔ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی اور دیگر آئمہ سوائے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے سب پیغمبروں سے افضل ہیں۔ جیسا کہ اس تحفہ کے حصہ اول میں بیان ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک امامت نبوت سے افضل ہے۔

چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:
واز بعضے اخبار معتبرہ کہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد ازیں مذکور خواہد شد معلوم مے شود کہ مرتبہ امامت بالاتراز مرتبہ پیغمبری است۔ چنانچہ حق تعالیٰ بعد از نبوت بحضرت ابراہیم علیہ السلام

خطاب فرمودہ کہ انی جاعلک للناس اماما (حیات القلوب۔ جلد سوم۔ صفحہ ۳)

شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی لکھتا ہے:

محمد بن الحسن عمن ذکرہ عن محمد بن خالد عن محمد بن سنان عن زید الشحام قال سمعت ابا عبداللہ یقول ان اللّٰہ تبارک وتعالٰی اتخذا ابراہیم علیہ السلام عبد اقبل ان یتخذہ نبیًا وان اللّٰہ اتخذہ نبیًا قبل ان یتخذہ رسولاً وان اللّٰہ اتخذہ رسولاً قبل ان یتخذہ خلیلاً قبل ان یجعلہ امامًا فلما جمع لہ الاشیاء قال انی جاعلک للناس امامًا قال فمن عظمہا فی عین ابراہیم قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین قال لا یکون السفیہ امام التقی (اصول کافی نول کشوری صفحہ ۱۰۱)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) زید شحام کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق کو سنا کہ فرماتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالٰی نے ابراہیم علیہ السلام کو بندہ صالح بنایا پیشتر اس کے کہ ان کو نبی بنائے۔ اور اللہ نے ان کو نبی بنایا پیشتر اس کے ان کو رسول بنائے۔ اور اللہ نے ان کو رسول بنایا پیشتر اس کے کہ ان کو خلیل بنائے۔ اور اللہ نے ان کو اپنا خلیل بنایا پیشتر اس کے کہ ان کو امام بنائے۔ پس جب اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہ ساری چیزیں جمع کر دیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ امام صادق نے فرمایا کہ چونکہ یہ چیزیں حضرت ابراہیمؑ کی نظر میں بزرگ تھیں۔ اس لئے عرض کی میری اولاد میں سے امام بنا۔ باری تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔ امام صادق نے فرمایا کہ نادان پرہیزگار کا امام نہیں ہوتا۔ (انتہیٰ)

ابن بابویہ رسالہ اعتقادات میں یوں لکھتا ہے۔

ویجب ان یعتقد ان اللّٰہ عزوجل لم یخلق خلقًا افضل من محمد والائمۃ وانہم احب الخلق الی اللّٰہ واکرمہم۔

ترجمہ: "یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ کہ اللہ عزوجل نے کوئی مخلوق محمد ﷺ اور ائمہ سے افضل پیدا نہیں کی۔ اور یہ اللہ کے نزدیک تمام مخلوقات سے احب و اکرم ہیں۔ (انتہیٰ)

۳۔ شیعہ کہتے ہیں ۔ کہ پیغمبروں کی پیدائش اماموں کی طفیلی ہے۔ مقصود بالذات اماموں کی پیدائش تھی۔ ان کی دلیل شیخ مفید کی روایت ذیل ہے۔

محمد بن الحنفية قال قال امير المومنين سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول انا سيدالانبياء وانت سيد الاوصياء لولا انا وانت لم يخلق اللّٰه الجنة يا علی ولا الملائكة ولا انبياء۔

ترجمہ: "محمد بن حنفیہ سے روایت ہے۔ کہ امیرالمومنین نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ فرما رہے تھے۔ میں نبیوں کا سردار ہوں اور آپ اوصیا کے سردار ہیں۔ اے علی اگر میں اور تم نہ ہوتے تو خدا نہ جنت پیدا کرتا نہ فرشتے۔ نہ انبیاء۔ (انتہیٰ)

(تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۶۱)

ابن بابویہ رسالہ اعتقادات میں یوں لکھتا ہے:

ونعتقد ان اللّٰه تبارک وتعالٰی خلق جميع الخلق له ولاهل بيته عليهم السلام وانه لولا هم لما خلق اللّٰه سبحانه السماء والارض ولا الجنة ولا النار ولا اٰدم ولا حواء ولا الملئكة ولا شيئا مما خلق صلوات اللّٰه عليهم اجمعين۔

ترجمہ: "ہم اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے۔ تو اللہ سبحانہ آسمان و زمین کو پیدا نہ کرتا نہ جنت کو نہ دوزخ کو نہ آدم علیہ السلام کو نہ حوا علیہا السلام کو نہ فرشتوں کو نہ مخلوقات میں سے کسی شئی کو صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ (انتہیٰ)

۴۔ شیعہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے پیغمبروں سے ولایت ائمہ کا عہد لیا۔

چنانچہ محمد بن حسن صفار (متوفی ۲۹۰ھ) یوں نقل کرتا ہے۔

حدثنا الحسن بن علی بن النعمان عن يحيٰی بن ابی زكريا بن عمر والزيات قال سمعت من ابی ومحمد بن سماعه يرويه عن فيض بن ابی شيبه عن محمد بن مسلم قال سمعت ابا جعفرؑ يقول ان اللّٰه تبارک و تعالٰی اخذ ميثاق النبين بولاية علی

(بصائر الدرجات۔ مطبوعہ ایران ۱۲۸۵ھ۔ جزء ثانی۔ باب تاسع)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) محمد بن مسلم کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام باقرؑ کو سنا کہ فرماتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ولایت علی پر پیغمبروں کا میثاق وعہد لیا۔ (انتہیٰ)

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

ودراحادیث بسیار بعد ازین خواہد آمد کہ حق تعالیٰ در عالم ارواح از جمیع۔ پیغمبران پیان گرفت بر پروردگاری خود و رسالت من وامامت امیر المومنین وائمہ طاہرین وگفت بایشان کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ مُحَمَّدٌ نَبِیُّکُمْ وَعَلِیٌّ اِمَامُ کُمْ الائمۃ الْھَادُوْنَ اَئِمَّتُکُمْ ہمہ گرفت بعد از ان پیان رسول خدا کہ باوایمان آورند ویاری کنند حضرت امیر المومنین رادر رجعت۔

(حیات القلوب۔ نو لکشوری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۳)

۵۔ شیعہ لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ائمہ پر حسد کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہشت سے نکالے گئے۔ چنانچہ ملا باقر لکھتا ہے۔

"وبسند معتبر منقول است کہ ابو الصلت ہروی از حضرت امام رضا پرسید کہ یا ابن رسول اللہ مراخبر دہ از آن درختے کہ آدم علیہ السلام و حوا علیہ السلام ازان درخت خوردند چہ درخت بود بدرستیکہ مردم اختلاف کروند بعضے۔ روایت کردند کہ آن گندم بود و بعضے روایت کردند کہ درخت حسد بود۔ فرمود کہ ہمہ حق است۔ ابو الصلت گفت چگونہ ہمہ حق است۔ باین ہمہ اختلاف۔ فرمود کہ اے ابو الصلت درخت بہشت انواع میوہ ہابرے دارد۔ پس آن درخت گندم بود و در آن آنگور ہم بود و آنہا مثل درختاں دنیا نیستند وبدرستیکہ آدم را چون خدا گرامی داشت و ملائکہ اور اسجدہ کردند اور اداخل بہشت گردانید درخاطر خود گزرانید کہ ایا خلق کردہ است خدا بشرے کہ بہتر از من باشد۔ چون خدا دانست کہ چہ درخاطر اوگذشت ندا کرد او راکہ سربلند کن اے آدم و نظر کن بسوئے ساق عرش من۔ چون آدم علیہ السلام سربلند کرد دید کہ درساق عرش نوشتہ است کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی بن ابی طالب امیر المومنین و زوجہ فاطمۃ سیدۃ نساء العالمین والحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ۔ پس آدم گفت پروردگار را کیستند اینہا۔ حق تعالیٰ فرمود کہ اینہا ازذریت تو اند و ایشاں بہتر انداز تو واز جمیع فریدہ ہائے من و اگر ایشان نمے بودند۔ نہ ترا خلق مے کردم و نہ بہشت و دوزخ راونہ آسمان و زمین را۔ پس زنہار نظر حسد بسوئے ایشاں مکن کہ ترا از جوار خود بیرون مے کنم پس نظر کرد بسوئے ایشان بدیدہ حسد و آرزوئے منزلت ایشاں کرد۔ پس مسلط شد شیطان براو تا خورد میوۂ کہ اورا ازان نہی کردہ بودند و مسلط شدہ برحوا تا نظر کرد بسوئے فاطمہ بدید و حسد تاخورد ازاں درخت چنانچہ آدم خورد۔ پس خدا ایشاں را از بہشت بیرون کرد و ازجوار خود برزمین فرستاد (حیات القلوب جلد۔ اول صفحہ ۵۸۔ ۵۹)"

روایت مذکورہ بالا کو صاحب تحفہ اثنا عشریہ نے بحوالہ عیون اخبار الرضا اور معانی الاخبار نقل کیا ہے۔ روایت معانی الاخبار کے اخیر الفاظ یہ ہیں۔ **فنظر الیھم بعین الحسد فخذلا لذالک**

ترجمہ: "حضرت آدم علیہ السلام و حوا نے ان کی طرف بنظر حسد دیکھا۔ اس لئے وہ دونوں خوار کئے گئے۔ (انتہی)

شاہ صاحب نے اس پر کیا خوب لکھا ہے۔

پس در مذہب ایشان درمیان آدم و ابلیس فرقے نیست۔ آنچہ ابلیس باآدم کرد۔ آدم با اولاد امجاد خود بعمل آورد۔ بلکہ کار آدم بدتر از کار ابلیس شد زیرا کہ ابلیس راباآدم علاقہ نبود و اوہام رابایں بزرگواران علاقہ پدر و پسری درمیان بود۔ پس قطع رحم قریبہ لازم آمد و حسد اولاد کہ در سلامت فطرت از محالات عادیہ است بہ پیغمبرے کہ اول پیغمبران و قبلہ فرشتگان و ساکن جنت بود منسوب گشت۔ **معاذ اللہ من ذالک** (انتہی)

۶۔ خلاصۃ المنہج میں سورہ صافات کی آیت **وان من شیعتہ لابراھیم** کے تحت لکھا ہے:

حدیث میں وارد ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت آسمان و زمین دکھائے تو آپ نے فرش کی طرف نگاہ کی۔ وہاں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اور اس کے پہلو میں نور علی وصی کو اور دونوں کے نزدیک نور فاطمہ کو اور ان کے نزدیک نور حسن و حسین اور انوار دیگر ائمہ کو دیکھا۔ اور ان کے گرد بہت سے شیعان صاحبان علی و دیگر ائمہ کے نظر پڑے۔ پھر یوں مذکور ہے۔

ابراہیم گفت۔ خداوند مرا از شیعہ علی بن ابی طالب فرزندان اوگردان حق تعالیٰ دعائے اورا اجابت کرد و اورا داخل شیعیان علی بن ابی طالب گردانید و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم را ازیں خبرداد و فرمود کہ **وان من شیعتہ لابراھیم** و بدرستیکہ ابراہیم جملہ شیعان علی بن ابی طالب کے است۔

ترجمہ: (ابراہیم نے عرض کی۔ خداوند مجھے علی بن ابی طالب اور ان کے فرزندوں کے شیعہ میں داخل کر۔ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان کو علی بن ابی طالب کے شیعوں میں داخل کر دیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبردی اور فرمایا کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام من جملہ شیعیان ابن ابی طالب ہیں۔ (انتہی)

اس من گھڑت تفسیر سے مقصود یہ ہے کہ امامیہ کے ہاں شان نبوت شیعیان ائمہ کے درجہ سے بھی کم ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولو العزم پیغمبر اس کے حصول کے لئے دعا کرتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من ذلک**

۷۔ شیعہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ولایت علی سے انکار کیا۔ اس واسطے مچھلی کے پیٹ میں قید رہے۔ چنانچہ محمد بن حسن صفار نے یوں نقل کیا ہے:

حدثنا العباس بن معروف عن سعدان بن مسلم عن صباح المزنی عن الحارث بن حضیرہ عن حبة العرفی قال قال امیر المومنین علیه السلام ان اللّٰه عرض ولایتی علی اهل السمٰوات وعلی اهل الارض اقربها من اقرو انکرها من انکر انکرها یونس فحبسه اللّٰه فی بطن الحوت حتی اقربها۔ (بصائر الدرجات۔ جزء ثانی۔ باب عاشر۔)

ترجمہ: "اسی کا فارسی میں ترجمہ ملا باقر مجلسی نے یوں کیا ہے۔

بسند معتبر از حضرت امیر المومنین منقول است کہ حق تعالیٰ عرض کرد ولایت مرا بر اہل آسمانہا و زمین۔ پس قبولکر دہر کہ قبول کرد ہر کہ انکا کرد ہر کہ انکار کرد و چنانچہ باید قبول نہ کرد یونس علیہ السلام تا آنکہ خدا او را در شکم ماہی حبس کرد تا قبول کرد چنانچہ شرط قبول بود۔ (حیات القلوب۔ جلد اول۔ صفحہ ۵۸۰)

اس قصہ کی زیادہ تفصیل مناقب ابن شہر آشوب میں روایت ابو حمزہ ثمالی میں ہے۔ نظر بر انفصار ہم اس روایت کا فارسی میں ترجمہ یہاں درج کر دیتے ہیں

جو سید محمد باقر موسوی نے بحر الجواہر صفحہ ۱۴۷ میں دیا ہے۔

از ابو حمزہ ثمالی مروی است کہ عبداللہ بن عمر آمد بخدمت آنحضرت (امام زین العابدین) وگفت اے پسر حسین تو گفتۂ کہ یونس علیہ السلام بن متی را کہ ماہی فروبرد بجہت آن بود کہ ولایت جدم امیر المومنین را بر او عرض کردند۔ او تامل کرد وشکے از برائے او بہم رسید فرمود کہ بلے مادرت بعزایت بنشنید۔ گفت اگر راستے مے گوئی بمن بنما تا بہ بینم۔ پس فرمود تا دو ستمالے آوردند۔ بر چشمان او و من ہر دو بستند۔ بعد از ساعتے فرمود باز نمودند دیدیم در کنار دریا زخارے ہستیم کہ موجہائے او گو شہارا کرے کند و بسیار ہولناک بود۔ عبداللہ بن عمر مشوش و مضطرب شد۔ عرض کرد خون من در گردن تو مے باشد۔ از خدا بترس و مراہلاک مکن۔ فرمود این ہمان دریا و ماہی است کہ خواستی تا صدق من بر تو معلوم شود۔ آن گاہ فرمود اے ماہی۔ پس ماہی بسیار عظیمے سرخود را از دریا بیرون آورد در مثل کوہ بسیار عظیمے سرخود را از دریا بیرون آورد مثل کوہ بسیار عظیمے وگفت لبیک لبیک یا ولی اللہ۔ فرمود تو ہستم کیستی۔ گفت منم کہ یونس علیہ السلام را فرو بردم اے آقاے من۔ فرمود بتفصیل از برائے ما نقل کن۔ ماہی گفت اے آقا ہیچ پیغمبرے را خدائے تعالیٰ از

زمان آدم تازمان جد تو محمد ﷺ بن عبداللہ مبعوث نساخت مگر آنکہ عرض کرد ولائیت شما اہل بیت را براو۔ ہرکس قبول کرد از پیغمبران و تصدیق نمود سالم گردید از ہربدی و آفتے۔ وہرکس شک یا تامل کرد ببلاھا و محنتہا گرفتار شد۔ چنانچہ آدم را از بہشت بیرون کردند ونوح مبتلا شد بغرق قوم خود و ابراہیم بافتادن آتش ویوسف بچاہ و ایوب بنا خوشی و ہم چنین تاحق تعالیٰ وحی فرستاد بیونس کہ دوست دار امیرالمومنین علی بن ابی طالب را و ائمہ را از صلب او۔ گفت چگونہ دوست دارم کسے را کہ ندیدہ ام و نمے شناسم۔ پس غیظ کرد ورفت۔ خدا تعالیٰ بمن امر کرد کہ او را فرو برد اما او را محافظت نما۔ پس در شکم من ماند چہل روز و طواف مے کرد در دریاہا در ظلمات ثلاث و مے گفت لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین قبول کردم ولایت امیرالمومنین را با ائمہ راشدین از صلب او۔ وچون ایمان آورد بولائیت شما۔ جناب مقدس الٰہی امر فرمود بمن کہ او را بر کنار دریا برگردانیدم۔ پس آنحضرت فرمود۔ اے ماہی برگرد بمکان خود۔ پس دریا آرام گرفت و چشمان ما را دو مرتبہ بست و بعد از ساعتے باز نمود۔ در مکان خود بودیم (انتہیٰ)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت آدم و نوح و ابراہیم و یوسف و ایوب و یونس علیہم السلام کو جو ابتلا پیش آئی وہ سب ولایت ائمہ میں شک یا تامل کرنے کے سبب سے تھے۔ **معاذ اللّٰہ من ذلک**

۸۔ شیعہ کہتے ہیں۔ کہ امام من جانب اللہ ہوتا ہے۔ لوگوں کا انتخاب کردہ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ ملاباقر مجلسی بحوالہ ابن بابویہ وغیرہ اکابر محدثین بسند معتبر ایک حدیث نقل کرتا ہے۔ جس میں مذکور ہے:

کہ ایک روز سعد بن عبداللہ قمی چالیس سے زائد مشکل مسائل کے حل کے لئے امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حسب ارشاد امام حسن وہ مسائل امام قائم علیہ السلام سے دریافت کئے۔ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ امامت کے متعلق یوں مذکور ہے۔

پس عرض کردم کہ بفرما کہ دلیل چیست براین کہ امت برائے خود امام اختیار نمے تواند کرد۔ فرمود کہ امامے اختیار خواہند کرد کہ مصلح احوال ایشان باشد یا امامے کہ مفسد احوال ایشان باشد۔ گفتم امامے کہ موجب صلاح ایشاں باشد۔ فرمود کہ چہ مے دانند کہ باعث صلاح ایشان خواہد بود و حال آنکہ از ضمیر او خبر ندارند۔ گاہ باشد کہ گمان کنند کہ مصلح است و آخر مفسد ظاہر شود۔ واز ہمین علت است کہ مردم نمے توانند برائے خود امامے تعیین نمائند۔ پس فرمود کہ بجہت تائید این مطلب برائے تو برہانے بیان نمائیم۔ کہ عقل تو آن را قبول کند۔ بگو کہ پیغمبرانے کہ خدا بخلق

فرستادہ وایشان را از میان خلق برگزیدہ و کتابہا برایشان فرو فرستادہ و ایشان راموید بوحی و عصمت گردانید علمہائے ہدایت امت اندو اختیار جمیع امت را از ایشان بہتر مے دانند۔ وموسیٰ و عیسیٰ از جملہ ایشانند۔ ایاجائز است کہ باوفور عقل و کمال علم ایشاں یک کسے را از میان امت اختیار کنند بخوبی بعقل خود وبرگزیدہ ایشان منافق ظاہر شود۔ ایشان گمان کنند کہ اومومن است۔ گفتم نہ۔ فرمود کہ موسیٰ کلیم خدا باکمال عقل و علم و نزول وحی براواز اعیان قوم خود و بزرگان لشکر خود ہفتاد کس را اختیار کرد کہ باخود بطور برد کہ ہمہ رامومن مے دانست و مخلص ومعتقدے شمر دایشان را۔ وآخر ظاہر شد کہ ایشان منافق بودند۔ چنانچہ خدا حال ایشان رابیان فرمودہ است۔ پر ہرگاہ برگزیدہ خدا کسے را اختیار کند بگمان این کہ اصلح امت است و افسد امت ظاہر شودپس چہ اعتماد باشد بر مختار و برگزیدہ عوام الناس کہ خبراز مافی الضمیر مردم ندارند و مہاجران و انصار کہ برسرائر مردم اطلاع ندارند پس مے باید کہ امام از جانب کسے منصوب شود کہ عالم بضمائر و خفیات امور است۔ (رسالہ رجعت۔ مطبوعہ جعفری۔ لکھنؤ۔ صفحہ ۲۳۔ ۲۴)

ترجمہ: ”پس میں نے عرض کی کہ فرمایئے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے۔ کہ لوگ اپنے واسطے اپنا امام انتخاب نہیں کر سکتے۔ امام قائم نے فرمایا کہ آیا وہ ایسا امام انتخاب کریں گے جو ان کے احوال کا مصلح ہو۔ یا ایسا امام جو ان کے احوال کا مفسد ہو۔ میں نے عرض کی کہ ایسا امام جوان کی اصلاح کا موجب ہو۔ امام نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا معلوم کہ وہ ان کی اصلاح کا باعث ہو گا۔ حالانکہ وہ اس کے ضمیر کا حال نہیں جانتے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ مصلح ہے۔ مگر آخر مفسد ظاہر ہوتا ہے۔ اسی سبب سے لوگ اپنے واسطے اپنا امام معین نہیں کر سکتے۔ پھر امام نے فرمایا کہ میں اس مطلب کی تائید کے لئے تمہارے واسطے ایک برہان بیان کرتا ہوں جس کو تمہاری عقل قبول کرلے گی۔ وہ پیغمبر جن کو خدا نے خلقت کے لئے بھیجا اور خلقت میں سے ان کا انتخاب کیا۔ اور ان پر کتابیں نازل کیں اور وحی اور عصمت سے ان کی تائید کی وہ امت کی ہدایت کے علمبردار ہیں۔ اور تمام امت سے انتخاب کو بہتر جانتے ہیں۔ اور منجملہ ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہ بتاؤ کہ آیا یہ جائز ہے۔ کہ وہ پیغمبرباوجود کثرت عقل و کمال علم کے امت میں سے اپنی عقل سے ایک شخص کو بخوبی انتخاب کریں اور ان کا انتخاب امام نے فرمایا کہ موسیٰ کلیم اللہ نے باوجود کمال عقل و علم و نزول وحی کے اپنی قوم کے سرداروں اور اپنے لشکر کے بزرگوں میں سے ستر مرد انتخاب کیے۔ تاکہ ان کو اپنے ساتھ کوہ طور پر لے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر کو مومن جانتے تھے۔ اور اپنے مخلص و معتقد سمجھتے تھے۔ مگر آخر ظاہر ہوا کہ وہ منافق تھے چنانچہ خدا

تعالٰی نے قرآن مجید میں ان کا حال بیان فرما دیا ہے۔ پس جب خدا کا برگزیدہ ایسے شخص کو انتخاب کرے جس کی نسبت گمان ہے کہ اصلح امت ہے مگر افسد امت ثابت ہو۔ تو عوام الناس جن کو لوگوں کے مافی الضمیر کی خبر نہیں۔ اور مہاجرین و انصار جن کو لوگوں کے بھیدوں سے آگاہی نہیں ان کے انتخاب کردہ پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نصب امام اس ذات پاک کی طرف سے ہونا چاہیے۔ جو ضمائر مردم اور خفیات امور کا عالم ہے۔ (انتہٰی)

مرزا حسین بن محمد تقی نوری طبرسی نے اس قصہ کو بحوالہ کمال وغیرہ بطریق اختصار نقل کیا ہے۔ (دیکھو نفس الرحمان فی فضائل سلمان مطبوعہ ایران۔ باب سادس۔)

اس سے ظاہر ہے کہ امامیہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ جیسے اولو العزم پیغمبر کی عصمت کو امامت کی سلامتی پر قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اپنے اماموں کے لئے تو علم ما کان و ما یکون بتاتے ہیں۔ مگر پیغمبروں کے لئے مومن و منافق کی تمیز بھی تسلیم نہیں کرتے۔ **معاذ اللہ من ذٰلک**

۹۔ شیعہ کہتے ہیں کہ وہ ستر مرد جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ کوہ طور پر لے جانے کے لئے انتخاب کیا تھا۔ زلزلہ سے مر کر دوبارہ جو زندہ ہوئے تو پیغمبر بنا دیئے گئے۔

چنانچہ رجال کشی صفحہ ۱۵۹ میں عبداللہ بن عجلان کے ترجمہ میں حضرت امام صادق سے یوں روایت ہے۔

ان موسٰی بن عمران اختار قومه سبعین رجلاً فلما اخذتهم الرجفة كان موسٰی اول من قام منها فقال یارب اصحابی فقال یا موسٰی انی ابدلک منهم خیراً قال رب انی وجدت ریحهم وعرفت ایدیهم قال ذٰلک ثلاثًا فبعثهم اللّٰه انبیاء۔

ترجمہ: "اس کا فارسی میں ترجمہ ملا باقر مجلسی نے یوں کیا ہے۔

ودرحدیث معتبر از حضرت صادق منقول است کہ موسیٰ ہفتاد کس از میان قوم خود انتخاب کرد وباخود بطور برد۔ وچون سوال رؤیت کردند صاعقہ برایشان نازل شد و سوختند۔ پس موسیٰ علیہ السلام مناجات کرد کہ پروردگارا اینہا اصحاب من بودند وحی باو رسید کہ من اصحابے بتو می دہم کہ از ایشان بہتر باشند۔ موسیٰ گفت پروردگارا من بایشان انس گرفتہ ام وایشان راشناختہ ام وناہائے ایشان راشناختہ موسی علیہ السلام مرتبہ دعا کرد تاخدا ایشان را زندہ کرد و پیغمبران گردانید۔ (حیات القلوب۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۲۱)

تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کا حال بیان فرما دیا ہے۔ پس جب خدا کا برگزیدہ ایسے شخص کو انتخاب کرے جس کی نسبت گمان ہے کہ اصلح امت ہے مگر افسد امت ثابت ہو۔ تو عوام الناس جن کو لوگوں کے مافی الضمیر کی خبر نہیں۔ اور مہاجرین و انصار جن کو لوگوں کے بھیدوں سے آگاہی نہیں ان کے انتخاب کردہ پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نصب امام اس ذات پاک کی طرف سے ہونا چاہیے۔ جو ضمائر مردم اور خفیات امور کا عالم ہے۔ (انتہیٰ)

مرزا حسین بن محمد تقی نوری طبرسی نے اس قصہ کو بحوالہ کمال وغیرہ بطریق اختصار نقل کیا ہے۔
(دیکھو نفس الرحمان فی فضائل سلمان مطبوعہ ایران۔ باب سادس۔)

اس سے ظاہر ہے کہ امامیہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ جیسے اولو العزم پیغمبر کی عصمت کو امامت کی سلامتی پر قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اپنے اماموں کے لئے تو علم ماکان و ما یکون بتاتے ہیں۔ مگر پیغمبروں کے لئے مومن و منافق کی تمیز بھی تسلیم نہیں کرتے۔ **معاذ اللہ من ذٰلک**

۹۔ شیعہ کہتے ہیں کہ وہ ستر مرد جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ کوہ طور پر لے جانے کے لئے انتخاب کیا تھا۔ زلزلہ سے مر کر دوبارہ جو زندہ ہوئے تو پیغمبر بنا دیئے گئے۔
چنانچہ رجال کشی صفحہ ۱۵۹ میں عبداللہ بن عجلان کے ترجمہ میں حضرت امام صادق سے یوں روایت ہے۔

ان موسٰی بن عمران اختار قومه سبعین رجلاً فلما اخذتهم الرجفة کان موسٰی اول من قام منها فقال یارب اصحابی فقال یا موسٰی انی ابدلک منهم خیراً قال رب انی وجدت ریحهم وعرفت ایدیهم قال ذٰلک ثلاثاً فبعثهم اللّٰه انبیاء۔

ترجمہ: "اس کا فارسی میں ترجمہ ملا باقر مجلسی نے یوں کیا ہے۔
ودر حدیث معتبر از حضرت صادق منقول است کہ موسیٰ ہفتاد کس از میان قوم خود انتخاب کرد وباخود بطور برد۔ و چون سوال رؤیت کردند صاعقہ برایشان نازل شد و سوختند۔ پس موسیٰ علیہ السلام مناجات کرد کہ پروردگارا اینہا اصحاب من بودند وحی باو رسید کہ من اصحابے بتومی دہم کہ از ایشان بہتر باشند۔ موسیٰ گفت پروردگارا من بایشان انس گرفتہ ام وایشان راشناختہ ام وبنا ہائے ایشان راشناختہ موسیٰ علیہ السلام مرتبہ دعا کرد تا خدا ایشان را زندہ کرد و پیغمبران گردانید۔ (حیات القلوب۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۲۱)

ترجمہ: "معتبر حدیث میں حضرت صادق سے منقول ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر مرد انتخاب کئے اور اپنے ساتھ کوہ طور پر لے گئے۔ جب انہوں نے رؤیت کا سوال کیا تو ان پر صاعقہ نازل ہوئی۔ اور وہ جل گئے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ کہ اے پروردگار یہ میرے اصحاب تھے۔ وحی آئی۔ کہ میں تم کو ایسے اصحاب دیتا ہوں۔ جو ان سے بہتر ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ اے پروردگار میں ان سے مانوس ہوں۔ اور ان کو پہچانتا اور ان کے ناموں کو جانتا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام تین مرتبہ دعا کی۔ پس خدا نے ان کو زندہ کیا۔ اور پیغمبر بنا دیا۔ (انتہیٰ)

رجال کشی صفحہ ۱۵ میں خطبہ سلمان فارسی میں ہے۔

السبعین الذین اتھموا موسٰی علی قتل ھٰرون فاخذتھم الرجفۃ من بغیھم ثم بعثھم اللّٰہ انبیاء مرسلین وغیر مرسلین۔

ترجمہ: "وہ ستر جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام کے قتل کرنے کی تہمت دی۔ پس ان کی بغاوت کے سبب زلزلہ نے ان کو آلیا۔ پھر خدا نے ان کو پیغمبران مرسلین وغیر مرسلین مبعوث فرمایا۔ (انتہیٰ)

شیعہ کا یہ دعویٰ کہ انبیاء کرام بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد گناہان صغیرہ و کبیرہ سے پاک ہوتے ہیں ان دونوں روایتوں سے غلط ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ ان ستر نے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا۔ کہ حضرت موسیٰ جیسے نبی مرسل کو اپنے بھائی کے قتل کی تہمت دی۔ یا ان کو خدا سے ہمکلام ہونے کے دعویٰ میں متہم قرار دیا۔ اور معذب ہوئے۔ پھر باوجود ایسے گناہ عظیم کے وہ پیغمبر بن گئے۔

باقر مجلسی روایت امام جعفر صادق کو نقل کر کے یوں لکھتا ہے۔

مؤلف گوید کہ پیغمبر شدن ایشان موافق اصول شیعہ مشکل است زیرا کہ ظاہر حال آنست کہ سوال ایشان گناہ بود کہ بسبب آن معذب شدند۔ پس چگونہ باوجود صدور گناہ از ایشان پیغمبر شدند۔ وچند وجہ جواب ممکن است۔

(اول) آنکہ ذکر پیغمبری ایشان بروجہ تقیہ شدہ باشد چون اکثر عامہ چنین روایت کردہ اند۔

(دوم) آنکہ چون مردند حیات اول کہ در آن گناہ کردہ بودند منقطع شد۔ اگر در حیات دوم معصوم بودہ باشند کافی است برائے پیغمبری ایسان و درین وجہ سخن مے رود۔

(سوم) آنکہ سوال ایشان نیز از جانب قوم بودہ باشد و ہلاک ایشان بوجہ تعذیب نبودہ باشد بلکہ برائے

تادیب قوم بودہ باشد واین نیز بعید است۔

(چہارم) آنکہ اطلاق پیغمبری بر ایشان بروجہ مجاز باشد یعنی آن قدر خوب شدند بعد از رجعت کہ گویا پیغمبران بودند وجہ اول ظاہر تراست۔ (انتہی)

ملا باقر نے جو چار وجھیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے دوسری اور تیسری کو تو خود بعید بتایا ہے۔ چوتھی وجہ مجاز والی خلافت بتاور اور بے دلیل ہے۔ پہلی وجہ جسے ظاہر تر لکھا ہے۔ تقیہ والی ہے۔ غرض ملا صاحب کے پاس کوئی معقول جواب نہیں۔ تقیہ تو ہارے کا جواب ہے۔

مرزا حسین طبرسی نے بھی وجوہ اربعہ مجلسی کے خلاف بتایا ہے۔ اور خود یوں توجیہہ کی ہے:

والمراد من بعث القوم المصعوقین انبیاء کونهم مامورین بالاخبار عماشاهدوا فی البرزخ من صحة نبوة محمد وامامة الائمة وصریح الخبران المقصود من بعثهم انما کان مجردهٰذا الاخبار ولما کان علمهم بذلک بواسطة عماشاهدوا فی البرزخ من دون ان یکون بتعلیم بشر سموا انبیاء وتفریقهم مرسلین وغیر مرسلین کما فی احد الخبرین لعله کان من جهة کونهم یختلفون فی الارسال بذالک الخبر الٰی قوم وعدمه (نفس الرحمٰن فی فضائل سلمان)

ترجمہ: "ان مصعوقین کو انبیاء بنا کر بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ وہ مامور تھے کہ عالم برزخ میں جو انہوں نے نبوت محمد و امامت ائمہ کی صحت دیکھی تھی اس کی خبر دیں اور صریح خبر ہے کہ ان کو بھیجنے سے مقصود محض یہ خبر دینا تھا۔ چونکہ ان کو اس امر کا علم کسی بشر کی تعلیم سے نہ تھا۔ بلکہ بواسطہ مشاہدہ فی البرزخ تھا۔ اس لئے ان کو انبیاء کہا گیا۔ انبیاء کی تقسیم مرسلین وغیر مرسلین میں جیسا کہ دونوں روائیوں میں سے ایک میں ہے شائد اس جہت سے ہے کہ ان میں سے بعضے یہ خبر لوگوں کو پہنچانے کے لئے مامور تھے اور بعضے نہ تھے۔ (انتہی)

مرزا حسین کی یہ توجیہ بھی محض من گھڑت خلاف ظاہر بے دلیل ہے۔ نبی کی جو تعریف وضع کی گئی ہے وہ مرزا موصوف ہی کا حصہ تھا۔ لاکلام شیعہ کو موضوعات میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ امامت اثنا عشر کی صحت کی خبر پہنچانے کے لئے ایک عجیب کلاس انبیاء کی وضع کی ہے۔ جن کے لئے عصمت شرط نہیں۔

۱۔ حسب عقیدہ شیعہ ائمہ اثنا عشر کی طرح انبیاء بھی تقیہ کرتے تھے۔ یعنی دین کو چھپایا کرتے اور بے دینی ظاہر کیا کرتے تھے۔ **معاذ اللّٰہ من ذلک**

اب ہم نبوت سے امامت کی طرف آتے ہیں۔ شیعہ کا عقیدہ ہے۔ کہ امامت کے لئے عصمت شرط ہے۔ مگر یہ عقیدہ غلط ہے۔ بوجوہ ذیل:

۱۔ قرآن مجید میں ہے۔ ان اللّٰہ قد بعث لکم طالوت ملکًا (بقرہ۔ ع ۳۲) پس طالوت منصب الٰہی خلیفہ فی الارض تھا۔ اور بالاجماع معصوم نہ تھا۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے۔ ظاہر آیت و اکثر روایت آنست کہ او خوب بودہ است و بعضے از خطب غیر مشہورہ نقل کردہ اند کہ حضرت امیر المومنین فرمود کہ من طالوت ایں امتم۔ (حیات القلوب۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۰۸)

۲۔ حضرت امیرؓ نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت حقہ کو تسلیم کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اور خلفائے ثلاثہ بالاتفاق معصوم نہ تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے صلح نامہ میں حضرات ثلاثہ کو خلفائے راشدین سے تعبیر کیا ہے۔

۳۔ خاندان امامت میں سے حضرات محمد بن الحنفیہ اور زید شہید وغیرہ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے ان کے دعویٰ کو تسلیم کیا۔ اگر عصمت شرط امامت ہوتی۔ تو وہ ہرگز ایسا دعویٰ نہ کرتے اور نہ کوئی ان کی سنتا۔

۴۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ کا قول ہے:

وانما الشوری للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه امامًا کان ذٰلک لِلّٰہِ رضی

(نہج البلاغہ۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۴ کتاب صفین۔ مطبوعہ ایران۔ صفحہ ۱۸ مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۳)

ترجمہ: "یعنی بیعت کا مشورہ صرف مہاجرین و انصار کا منصب ہے۔ اگر وہ کسی شخص پر مجتمع ہو جائیں۔ اور اس کو امام کا لقب دیں۔ وہی اللہ کے نزدیک امام پسندیدہ ہو گا۔ (انتہیٰ)

اور یہ بدیہی امر ہے۔ کہ جن کو مہاجرین و انصار نے امام و خلیفہ بنایا۔ ان میں سے کوئی معصوم نہ تھا۔

۵۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح نامہ کی عبارت ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ اس عبارت نے امامت اثنا عشر کا مع اس کی شرائط کی بیخ وبن سے استیصال کر دیا۔ اول خلع خلافت ثابت ہوا۔ دوسرے استخلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ثابت ہوا۔ تیسرے آئندہ استخلاف کے لئے شوریٰ بطور قاعدہ کلیہ کے قرار پایا۔ اور یہ سہ امر جیسے امامت اثنا عشر کو مبطل ہیں۔ اسی طرح شرائط نص و عصمت اور

فضیلت کو مبطل ہیں۔

۶۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ خطبہ صفین میں فرماتے ہیں۔ **ولا تظنوا بی استثقالاً فی حق قیل لی ولا التماس اعظام لنفسی فانه من استثقل الحق ان یقال له او العدل ان یعرض علیه کان العمل بهما اثقل علیه فلا تکفوا عن مقالة بحق اومشورة بعدل فانی لست فی نفسی بفرق ان اخطئی ولا اٰمن ذٰلک من فعلی الا ان یکفی اللّٰه من نفسی ماهو املک به من نفسی**

(نہج البلاغہ۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۴۰)

ترجمہ: "تم میری نسبت یہ گمان نہ کرو کہ جو حق مجھ سے کہا جائے وہ مجھ پر ناگوار گزرتا ہے۔ اور نہ یہ گمان کرو کہ میں اپنی ذات کے لئے القاب عظمت کا خواہاں ہوں کیونکہ جو شخص اس بات کو ناگوار سمجھتا ہے کہ اس سے حق کہا جائے یا اس پر عدل پیش کیا جائے۔ اس پر حق و عدل پر عمل کرنا اس سے بھی ناگوار ہوتا ہے۔ اس لئے تم حق کہتے یا عدل سے مشورہ دینے سے باز نہ رہو۔ کیونکہ میں بذات خود خطا کرنے سے برتر نہیں ہوں۔ اور نہ اپنے فعل میں خطا سے مامون ہوں۔ مگر یہ کہ خدا مجھے ایسے فعل کی توفیق دے۔ جس کا وہ میری نسبت زیادہ مالک ہے۔ (انتہیٰ)

حضرت امیر کا یہ کلام بصراحت دلالت کرتا ہے کہ آپ معصوم نہ تھے۔

۷۔ حضرت امیر فرماتے ہیں:

لا بد للناس من امیر براو فاجر یعملْ فی امرته المومن ویستمع فیها الکافر ویبلغ اللّٰه فیها الاجل ویجمع به ایفئی ویقاتل به العدوو تامن به السهل (نہج البلاغہ۔ جزء اول۔ صفحہ ۵۷)

ترجمہ: "لوگوں کے لئے ضروری ہے امیر نکوکار کا ہونا یا امیر فاجر کا ہونا۔ جس کی امارت میں مومن اپنا کام کرے اور کافر تمتع اٹھائے۔ اور خدا تعالیٰ امور کو اوقات معینہ تک پہنچائے۔ اور جس کے ذریعہ مال غنیمت جمع کیا جائے۔ اور دشمن کے ساتھ لڑائی کی جائے۔ اور راستے باامن ہوں۔ (انتہیٰ)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلافت و امامت کے لئے عصمت ضروری نہیں۔

۸۔ صاحب الفصول وغیرہ نے نقل کیا ہے:

عن ابی مخنف انه قال کان الحسین بن علی یبدی الکراهة لما کان من اخیه الحسن من صلح معاویة ویقول لوجزا نفی کان احب الی مما فعله اخی۔

ترجمہ: "یعنی ابو مخنف کا قول ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کراہت ظاہر کرتے تھے۔ کہ ان کے بھائی امام حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کرلی اور فرماتے تھے۔ کہ اگر میری ناک کٹ جاتی تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ تر تھا۔ اس سے جو میرے بھائی نے کیا۔

اس سے دونوں اماموں میں سے ایک کی خطا ظاہر ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ۔ صفحہ ۱۷۸) اس روایت کے راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی نسبت ابن عدی فرماتے ہیں۔ شیعی محترق صاحب اخبارھم (میزان الاعتدال ولسان المیزان)

۹۔ امام زین العابدین فرماتے ہیں:

قدملک الشیطان عنانی فی سوء الظن وضعف الیقین وانی اشکوسوء مجاورته لی وطاعة نفسی له (صحیفہ کاملہ)

ترجمہ: " بے شک شیطان نے بدگمانی اور ضعف یقین میں میری باگ پکڑی ہے۔ اور میں اپنے ساتھ اسکی بری ہمسائیگی اور اپنے نفس کے اس کے مطیع ہونے سے فریاد کرتا ہے۔ (انتہیٰ)

ظاہر ہے کہ یہ کلام صدق و کذب ہر دو تقدیر پر عصمت کے منافی ہے۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

دانستی کہ علمائے امامیہ رضوان اللہ علیہم اتفاق کردہ اند بر عصمت ایشان از جمیع گناہان و دربسیارے ازدعاہا خصوصاً دعائے صحیفہ کاملہ اعتراف بگناہ از ائمہ علیہم السلام واقع شدہ در بعضے از احادیث نیز امرے چند کہ موہم صدور معصیت باشد وارد شدہ

(حیات القلوب۔ جلد سوم۔ صفحہ ۲۱۔ ۲۲)

۱۰۔ حضرت عثمان ذوالنورین کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں نے حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی درخواست کی۔ تو مولیٰ مرتضیٰ نے جواب دیا۔

دعونی والتمسوا غیری

ترجمہ: "یعنی مجھے چھوڑ دو اور بیعت کے لئے کسی اور کو ڈھونڈو۔" (نہج البلاغہ۔ جزء اول صفحہ ۱۰۹)

اس کلام امیرؑ سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کے سوا اور بھی منصب امامت کے لائق تھے۔ جو معصوم نہ تھے۔ ورنہ یہ کلام لغو ہوگا۔ لہٰذا عصمت شرط امامت نہیں۔

۱۔ حسب عقیدہ شیعہ حضرت امیرؑ اور دیگر ائمہ نے اصلی غیر محرف قرآن کو مخفی رکھا۔ اور قرآن محرف پر عمل کرتے رہے۔ اس صورت میں چھپانے والے بموجب ان الذین یکتمون الآیۃ کے کیسے ہوں گے۔ اور تمام عالم کی گمراہی کس کے نامہ اعمال میں ہوگی۔ کیا یہ معصوم کا کام ہے؟

۲۔ حسب عقیدہ شیعہ وہ ازدہ امام تقیہ کرتے رہے۔ یعنی اپنا دین چھپاتے اور بے دینی ظاہر کرتے رہے۔ تقیہ کے ساتھ عصمت کا دعویٰ محال ہے۔

مذکورہ بالا وجوہ سے امامیہ کا دعویٰ عصمت ائمہ کا باطل ثابت ہوتا ہے۔ اور وجوہ نمبر(۲) (۳) (۴) و (۵) و (۸) سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ امام کے لئے خدا کی طرف سے منصوص ہونا لازم نہیں۔ شرط نص کے متعلق زائد بیان عنقریب آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مصنف نے عصمت ائمہ کے متعلق کوئی قرآنی دلیل پیش نہیں کی۔ ہاں اس کے ہم مذہب علماء عصمت کے ثابت کرنے کے لئے کئی آئتیں پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے کسی سے عصمت ثابت نہیں ہوتی۔ وہ دو آئتوں پر بڑا زور دیتے ہیں۔ ایک تو یہ آیہ تطہیر جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ دوسرے وہ آیت ہے۔ جس میں باری تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یوں خطاب فرماتا ہے۔ انی جاعلک للناس اماما یعنی میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ "یعنی میری اولاد میں سے بھی امام بنا۔" باری تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِيْ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے۔ کہ ابن بابویہ نے کتاب خصال میں اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ مراد یہ ہے کہ وہ شخص امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جس نے بت (شیعہ عوام نے اس قسم کی شرطیں محض اس واسطے گھڑلی ہیں۔ کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق ثابت نہ ہو جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ امر ثابت ہے کہ آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ (دیکھو تحفہ اثناء عشریہ صفحہ ۲۲۲) کو پوجا ہو۔ یا ایک لحظہ بھی خدا کے ساتھ شرک کیا ہو۔ خواہ وہ آخر کار مسلمان ہو جائے۔

ظلم کے معنے ہیں کسی کو خدا کا شریک قرار دینا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم۔ اسی طرح امامت کے لائق نہیں۔ وہ شخص جو کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہو۔ خواہ بعد ازاں تائب ہو جائے۔ اور جس پر حد واجب ہو۔ وہ اقامت حد نہیں کر سکتا۔ اس لئے امام کو معصوم ہونا چاہیے۔ اور

عصمت بجز نص خدا، بزبان پیغمبر معلوم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عصمت ظاہر خلقت میں ظاہر نہیں ہوتی۔ کہ دکھائی دے جیسا کہ سیاہی سفیدی وغیرہ۔ بلکہ وہ ایک پوشیدہ امر ہے۔ جو خدائے عالم الغیب کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ (حیات القلوب۔ جلد سوم۔ صفحہ ۱۸۔ ۱۹)

مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں اس آیت کے تحت میں جو کچھ فارسی میں لکھا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ اس جگہ فرقہ امامیہ نے افراط سے کام لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امامت کے لئے عصمت شرط ہے۔ اور عصمت کے معنی فہم میں خطا اور عمل میں صدور گناہ کا ممتنع ہونا ہے۔ چونکہ یہ عصمت ظاہری وباطنی لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا امام کا تقرر خدا کی جانب سے ہونا چاہیے۔ نہ کہ لوگوں کی جانب سے لیکن ظاہر ہے کہ ظلم کا مقابل عدالت و تقویٰ ہے۔ نہ کہ عصمت ہاں اگر اس آیت میں لا ینال عهدی من كان مسكن الظلم ومحتمل المعصية (میرا عہد نہ پہنچے گا۔ اس شخص کو جس کے لئے ظلم کا امکان اور معصیت کا احتمال ہو۔) ہوتا۔ تو اس سمجھ کی گنجائش تھی۔ چونکہ آیت میں لفظ ظالمین واقع ہے۔ غیر ظالم (معصوم ہو یا متقی) کی امامت درست ہے۔ نیز اگر عہد کو عام سمجھیں۔ تو چاہیے کہ قاضی و مفتی و محتسب و امیرو حاکم میں بھی عصمت کو شرط قرار دیں۔ اور اگر عہد کو اقسام میں سے ایک قسم کے ساتھ خاص خیال کریں۔ تو دوسرے بھی اشتراط عصمت میں عہد کے بعضے اقسام میں شریک ہیں۔ کیونکہ نبوت میں بالا جماع عصمت شرط ہے۔ اور یہ جو امامیہ کے دل میں آتا ہے۔ کہ اگر امامت میں عصمت شرط نہ ہو اور مرد متقی کو امام بنایا جائے جس کی اطاعت تمام لوگوں پر فرض ہو۔ تو وہ متقی جو معصوم نہیں احتمال ہے۔ کہ تقویٰ کے طریقہ سے عدول کر جائے اور ظالم کی راہ اختیار کرے اور لوگ بھی اس کی اطاعت کے سبب جو فرض ہے ظلم میں مبتلا ہو جائیں۔ اور اس طرح امامت کی غرض حاصل نہ ہو یہ نہایت پوچ خیال ہے۔ کیونکہ امام کی معصیت کا احتمال اس وقت امت کو ضرر دے سکتا ہے کہ اس کی اطاعت بلاقید و بلاشرط ان پر فرض ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ امام کی اطاعت ان ہی چیزوں کے ساتھ مشروط و مقید ہے۔ جن کا معصیت ہونا شروع سے معلوم نہ ہو۔ ورنہ امام کی اطاعت فرض نہیں رہتی۔ اور احکام قرآن اور اوامر نواہی میں پیغمبر کی طرف رجوع کافی ہے۔

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) يَاأَيُّهَا الذين اٰمنوآ اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم فان تنازعتم فى شيئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تومنون بالله واليوم الاخر اور حدیث شریف میں ہے۔

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور جو اختیار والے ہیں۔ دو طرف الگ کی اور رسول کی۔ اگر یقین رکھتے ہو۔ اللہ پر اور پچھلے دنوں پر) (النساء: ع ۸) (۲)لاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق (خالق کی معصیت میں مخلوق کی طاعت نہیں۔ ۱۲)

"پس امام کی طاعت رعایا کے حق میں مشروط و مقید ہے جیسا کہ مالک کی اطاعت مملوک کے حق اور شوہر کی اطاعت بیوی کے حق میں اور والدین کی اطاعت اولاد کے حق میں اور امیرو حاکم و قاضی و مفتی و محتسب کی اطاعت ان کے زیر دستوں کے حق میں مشروط و مقید ہے نہ کہ مطلق۔ ہاں پیغمبروں کے لئے طاعت مطلق ثابت ہے۔ اور وہاں عصمت شرط ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام سلسلہ تبلیغ کا مبدأ واقع ہیں۔ اگر ان میں عصمت شرط نہ ہو۔ تو ان کی خطا کا تدارک احکام شرعیہ کی طرف مراجعت سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احکام شرعیہ کی معرفت بغیر وساطت نبی کے ممکن نہیں بخلاف امام اور دیگر اشخاص واجب الاطاعت کے جن کا ذکر اوپر ہوا اس لئے کہ یہ تبلیغ کے مبدا منبسط میں واقع نہیں ہیں۔ کہ معرفت احکام ان کی وساطت کے بغیر نہ ہو سکے۔ پس ہر دو میں فرق ظاہر ہو گیا۔

اور کتاب نہج البلاغہ میں جو امامیہ کی معتبر کتاب ہے۔ حضرت امیر المومنین کی یہ نص صریح موجود ہے۔ کہ

لا بد للناس من امیر براوفاجر یعمل فی امرته المومن ویستمتع فیها الکافر وتامن به السبسل الٰی اٰخره۔

اور نہایت ہی عجیب افراط یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی تردید کے لئے امامیہ نے اس آیت سے یہ قاعدہ نکالا ہے۔ کہ امام ایسا شخص ہونا چاہیے جس نے کبھی کفر نہ کیا ہو۔ اور ابتدائے سن بلوغ سے طریق اسلام پر رہا ہو۔ حالانکہ جب کافر مسلمان (جس کفر کے بعد ایمان صحیح آجائے۔ اس صاحب کفر پر کوئی مذمت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلکم ما قد سلف۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ الاسلام یھدم ماکان قبلہ علاوہ ازیں جو شخص اسلام پر پیدا ہو وہ اس سے افضل نہیں جو بذات خود ایمان لایا۔ بلکہ نصوص مستفیضہ سے ثابت ہے۔ کہ خیر القرون قرن اول ہے۔ جن میں سے عامہ کفر کے بعد اسلام لائے اور وہ قرن ثانی سے افضل ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے۔ قرآن مجید میں جو اسمائے ذم مثل کفر ظلم فسق کے آئے ہیں۔ وہ ان ہی کے لئے ہیں جو ان صفات پر

قائم رہے۔ مگر جو کفر کے بعد مومن اور ظلم کے بعد عادل ہو جائے اس کے لئے اسماء مدح وارد ہیں۔ ۱۲) ہو گیا۔ اور اس نے کفر سے توبہ کرلی تو اس کو ہرگز کافر و ظالم نہیں کہہ سکتے۔ ظالم وہی ہے جو ظلم سے آلودہ ہو۔ والتائب من الذنب کمن لا ذنب له (گناہ سے توبہ کرنے والے مثل اس کے ہے۔ جس کے لئے کوئی گناہ نہیں ۱۲) شرع کا قاعدہ مقرر ہے۔ اگر کوئی کافر بہت سالوں سے مسلمان ہو گیا ہو۔ اور اس نے توحید میں قدم راسخ پیدا کرلیا ہو۔ اس کو ہرگز کافر نہیں کہہ سکتے۔ اور وہ جو بعضے بے سمجھ مذہب امامیہ کی تائید کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ایمان والے کو حالت خواب میں مومن کہتے ہیں۔ حالانکہ اس حالت میں ایمان بمعنے تصدیق اس کو یقیناً حاصل نہیں۔ اسی تصدیق سابق کے اعتبار سے یہ استعمال صحیح ہے۔ پس ظالم کو بھی ظلم سابق کے اعتبار سے ظالم کہنا صحیح ہے۔ اور نیز متکلم و ماشی کہ جن کے مبادی کا حصول دفعتاً ممکن نہیں کیونکہ وہ امور غیر قارہ ہیں۔ ان کا استعمال بھی بغیر حصول مصادر صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان والے کو حالت خواب میں کوئی ایسی چیز حاصل نہیں جو اس کی تصدیق کا ازالہ کرے۔ لہٰذا اس کی تصدیق سابق شرعاً معتبر ہے۔ اور اسی اعتبار سے لفظ مومن اس کے حق میں استعمال کرنا اصطلاح شرعی کے موافق درست ہے۔ کیونکہ الفاظ شرعیہ کے استعمال میں معانی شرعیہ کا تحقق درکار ہے۔ نہ کہ معانی لغویہ کا بخلاف اس ظالم یا کافر کا جس نے اپنے ظلم و کفر سے توبہ کی ہو۔ اور اس کے ظلم و کفر کے ازالہ کرنے والی چیز شرعاً متحقق ہو گئی ہو اس کے لئے لفظ ظالم و کافر کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ استعمال نہ لغت میں جائز ہے نہ شرع میں۔ معہذا حالت خواب میں تصدیق سے غفلت و بے التفاتی ہے نہ تصدیق کا زوال خزانہ و حافظہ سے۔ جو حصول کہ استعمال مومن کے صحیح ہونے میں شرط ہے۔ وہ خزانہ و حافظہ میں حصول ہے۔ نہ کہ اس کا ادراک بالفعل۔ ورنہ عالم کو نماز میں مشغولی کے وقت جاہل کہنا صحیح ہو گا۔ اور مال دار کو جس کے ہاتھ میں بہت سا مال نہیں۔ حالانکہ اس کے خزانہ میں بہت سا مال موجود ہے۔ مفلس کہنا درست ہو گا۔ اور یہ بالاتفاق باطل ہے۔ اسی طرح مشتقات غیر قارہ میں بسبب اس کے کہ ان کے مبادی کا حصول دفعتہ محال ہے ان مبادی کی تحصیل کا قصد و ارادہ عرفاً اور لغتہً اور شرعاً ان مشتقات کے استعمال میں ان کے مبادی کے حصول کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ بخلاف مشتقات ممکنۃ الحصول کے کہ ان کے استعمال میں اصل کے ممکن ہونے کے سبب بدل کر قائم کرنا جائز نہیں جیسا کہ مریض

کے حق میں تیمم جائز اور صحیح مقیم کے حق میں ناجائز ہے اور نیز وہ حصول جو مشتقات کے استعمال میں شرط ہے عام ہے اس سے کہ تدریجی ہو یا دفعی اور امور غیر قارہ میں ان کے تمام زمانوں میں حصول تدریجی متحقق ہے گو دفعی نہیں۔ (انتہیٰ)

۱۔ جس کفر کے بعد ایمان صحیح آجائے۔ اس صاحب کفر پر کوئی مذمت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلکم ما قد سلف۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ الاسلام یھدم ماکان قبلہ علاوہ ازیں جو شخص اسلام پر پیدا ہو وہ اس سے افضل نہیں جو بذات خود ایمان لایا۔ بلکہ نصوص مستفیضہ سے ثابت ہے۔ کہ خیرالقرون قرن اول ہے۔ جن میں سے عامہ کفر کے بعد اسلام لائے اور وہ قرن ثانی سے افضل ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے۔ قرآن مجید میں جو اسمائے ذم مثل کفر ظلم فسق کے آئے ہیں۔ وہ ان ہی کے لئے ہیں جو ان صفات پر قائم رہے۔ مگر جو کفر کے بعد مومن اور ظلم کے بعد عادل ہو جائے اس کے لئے اسماء مدح وارد ہیں۔ ۱۲

۲۔ گناہ سے توبہ کرنے والا مثل اس کے لئے جس کے لئے کوئی گناہ نہیں۔ ۱۲

خلاصہ کلام یہ کہ عصمت ائمہ کا دعویٰ قرآن مجید سے ثابت نہیں۔ قرآن کریم میں تو تنازع کے وقت فقط ردالی اللہ والرسول کا حکم ہے۔ مگر امامیہ خلاف قرآن رسول کے سوا امام معصوم کی طرف رد کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں معصوم کی طاعت تو بلا قید واجب اور اس کا مخالف مستحق وعید ہے۔ قرآن نے یہ درجہ صرف رسول کے حق میں ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم الآیۃ۔ ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فان لہ نار جھنم الآیۃ۔ اسی واسطے اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ کہ سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی بشر معصوم نہیں۔

قال السید امداد امام

پندرہ حدیثیں جن سے ائمہ اثنا عشر کی خلافت اور امامت بین طور پر ثابت ہوتی ہے

کتاب نصوص میں بروایت ابن عباس درج ہے۔ کہ ایک یہودی جناب رسول خدا کے پاس آیا۔ نام اس کا نعثل تھا۔ اس نے حضرت رسول خدا سے یہ کہہ کر کہ میرے سینہ میں تردد ہے۔ اگر آپ اس کا جواب اطمینان بخش دیں گے۔ تو میں آپ کے ہاتھ پر ایمان لاؤں گا۔ سوال کیا کہ مجھے آپ مطلع فرمائیں کہ آپ کا وصی کون ہے۔ ہمارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یوشع بن نون کو اپنا وصی بنا لیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے وصی اور میرے بعد میرے خلیفہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں۔ اور ان کے بعد ان کے دو فرزند حسینؓ اور حسنؓ خلیفہ ہوں گے۔ اور صلب

حسینؑ سے تو ائمہ ابرار ہوں گے۔ تب اس نے پوچھا کہ آپ ان کے نام تو بتلایئے۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ حسینؑ کے بعد علی بن الحسینؑ اور ان کے بعد محمد باقر اور ان کے بعد جعفر صادق اور ان کے بعد موسیٰ کاظم اور ان کے بعد امام رضا اور ان کے بعد جواد اور ان کے بعد ہادی اور ان کے بعد حسن عسکری اور ان کے بعد حجتہ اللہ المہدی۔ یہ لوگ نقبائے بنی اسرائیل کے موافق عدد میں بارہ ہیں۔ اور یہ سب امام ہیں۔ اس کے بعد سائل نے سوال کیا کہ ان کے مسکن کہاں ہو گا۔ آپ نے جواب دیا کہ ہمارے ساتھ جنت میں میرے درجہ کے برابر۔ یہ سن کر وہ یہودی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو زبان پر لایا اور بولا کہ بے شک یہ حضرات اوصیائے برحق ہے۔ ایسا ہی میں نے کتاب موسیٰ میں دیکھا ہے کہ نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے اور نام ان کا احمدؐ ہو گا۔ ان کے بعد نبوت نہ ہو گی۔ اور ان کے صلب سے ائمہ ابرار پیدا ہوں گے۔ (مصباح الظلم۔ صفحہ ۳۲۳۔ ۳۲۴)

اقول

مصنف نے اس روایت کے بعد اسی مضمون کی دوسری روایت ابو سعید خدری سے نقل کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ ابن مسعود سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ بعد ازاں بتایا ہے۔ کہ عمرؓ بھی انہی مضامین کی حدیث کے راوی نظر آتے ہیں۔ اور اخیر میں لکھا ہے۔ کہ بقیہ حدیثیں بھی اسی قلب کی ہیں۔

جواب میں گزارش ہے۔ کہ یہ سب حدیثیں اثنا عشریہ نے وضع کی ہیں۔ مصنف نے کسی کا پورا اسناد نقل نہیں کیا۔ نہ ہماری کسی کتاب حدیث کا حوالہ دیا۔ ان کا بلا سند متصل کتب شیعہ سے نقل کرنا ہم پر کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔

ہم ذیل میں ائمہ اثنا عشر کی خلافت کا بطلان ایسے دلائل سے کرتے ہیں۔ جن میں امامیہ کو بھی چون و چرا نہ ہو۔ بغور سنئے۔

۱۔ اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں کو دو قسم کے احکام کے ساتھ مکلف فرمایا ہے۔

اول اصلیہ و اعتقادیہ۔ دوم فرعیہ عملیہ۔

قسم اول کے اثبات کے لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہے۔ اور قسم دوم میں دلائل ظنیہ سے بھی کام چل جاتا ہے۔

شیعہ کے نزدیک جیسے مطلق امامت اصلی اعتقادی ہے۔ اسی طرح بالخصوص ہر ایک کی امامت بھی اصلی اعتقادی ہے۔ اور جس طرح مطلق امامت کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی درکار ہے۔ اسی طرح ہر ایک خاص امام کی امامت بھی بدون دلیل قطعی کے ثابت نہ ہو گی۔ دلائل قطعیہ کا یہ حال ہے کہ کتاب

اللہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ یا یوں کہئے کہ کتاب اللہ شیعہ کے پاس موجود نہیں۔ اور حدیث متواتر سے بھی ثابت نہیں۔ احادیث شیعہ بالعموم منقطع ہیں۔ اور منتہائے سند کے راوی اکثر مجسمہ مشبہ واقفیہ افطحیہ وغیرہ بدمذہب ہیں۔ علاوہ ازیں ان احادیث میں اختلاف کا وہ طوفان برپا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس کی ضد موجود نہ ہو۔ بصورت اختلاف جو معیار ائمہ نے بتایا ہے۔ وہ قرآن مجید کی طرف رجوع ہے۔ کہ جو حدیث اس کے موافق ہو وہ صحیح ہے۔ مگر یہاں سرے سے قرآن اصلی ہی غائب ہے۔ آگے چلئے۔ اجماع امت بھی اس پر نہیں ہوا۔ بلکہ اجماع شیعہ بھی حاصل نہیں۔ کیونکہ شیعہ کے فرقوں میں دربارہ امامت سخت اختلاف ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اور اثنا عشریہ کا اجماع محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔ کہ جب تک امام معصوم اس میں داخل نہ ہو۔ معتبر ہی نہیں۔ تو حقیقت میں حجت صرف قول امام ٹھہرا اور اجماع لغو ہوا۔ اور قول امام نظر بررواۃ اخبار ائمہ و اختلاف روایات و تقیہ ائمہ مفید ثبوت قطعیت اصول اعتقادیات نہیں ہو سکتا۔ پس امامیہ کے پاس اثبات خلافت ائمہ اثنا عشر کے لئے کوئی دلیل قطعی نہیں۔

۲۔ خدا تعالیٰ نے بجائے اس کے کہ اپنی کتاب میں ائمہ اثنا عشر کو نام بنام ذکر فرماتا اور باللّٰہ والملٰئکۃ وکتبہ ورسلہ وغیرہ کے ساتھ ایمان بالائمہ کی بھی تکلیف دیتا۔ اور ان کی اطاعت و اتباع کا امر فرماتا۔ اور غاصبین خلافت کو نام بنام ذکر کرکے ان کی پیروی و اعانت پر تہدید فرماتا۔ آیات مشتبہ خلافت خلفائے راشدین نازل فرمائیں۔ اور ان کے کارناموں کی بطور پیشین گوئی کے مدح کی اور ان کی خلافت کے منکرین کو فاسق ٹھہرایا۔ اگر باور نہ ہو تو سورہ نور کی آیت استخلاف ہی ملاحظہ کیجئے۔ جائے غور ہے کہ وہ خلافت جس کی خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مدح فرمائی اور اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا اس کے منکر کو فاسق قرار دیا۔ ایسی خلافت بجز راشدہ نہیں ہو سکتی۔ ورنہ کلام الٰہی لغو ٹھہرے گا۔ تعالی اللّٰہ عن ذٰلک علواً کبیراً۔ پس ثابت ہوا۔ کہ وہی خلافتیں حق ہے۔ اور ماسوا باطل۔

۳۔ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں غلبہ دین کی جو پیشین گوئی فرمائی ہے۔ اور اس کو غایت ارسال رسول قرار دیا ہے۔ (ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفی باللّٰہ شھیداً) اگر خلافت حقہ بترتیب ائمہ اثنا عشر تسلیم کی جائے تو وہ پیشین گوئی سچی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے برعکس ہمیشہ کے لئے دین کی مغلوبی ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا خلافت ائمہ اثنا عشر باطل ہے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت میں بھی خلافت علی و دیگر ائمہ کا ذکر نہیں چنانچہ ملا باقر مجلسی

لکھتا ہے:

کلینی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ جبرائیل امین از جانب خداوند عالمیان خبر وفات حضرت رسول را آورد در وقتے کہ آنحضرت را ہیچ دردے واطلے نبود۔ پس حضرت رسولؐ فرمود کہ درمیان مردم ندا کردند کہ جمع شوند و مہاجران و انصار احکم فرمود کہ اسلحہ خود را بپوشند۔ چون مردم جمع شدند۔ حضرت بر منبر بر آمد و خبر فوت خود را بایشان گفت و فرمود کہ خدا بیاد کسے مے آورم کہ بعد از من والی شود برامت من کہ البتہ رحم کند برجماعت مسلمانان و پیران ایشانرا بزرگ شارد وضعیفان ایشاں را رحم کند و عالم ایشاں را تعظیم نمائد وضرر بایشان نرساند کہ باعث مذلت ایشاں گردد و فقیر نگرداند ایشاں را کہ مورث کفر ایشاں شود ودر خودرا بر روئے ایشان نہ بندد کہ اقویاء ایشاں برضعیفان مسلط شوند و ایشان را در سرحد ہائے کافران بسیار حبس نمائند کے باعث قطع نسل امت من گردد۔ پس فرمود کہ تبلیغ رسالت کردم وخیر خواہی شما بجا آوردم پس ہمہ گواہ باشید حضرت صادق علیہ السلام فرمود کہ این آخر سخنے بود کہ آنحضرت بر منبر خود گفت (حیات القلوب۔ جلد دوم۔ صفحہ ۸۵۴)

ترجمہ: کلینی نے معتبر سند کے ساتھ حضرت صادق سے روایت کی ہے۔ کہ جبرائیل امین خداوند عالمیان کی طرف سے حضرت رسول خدا کی وفات کی خبر لائے۔ اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی درد و الم نہ تھا۔ پس حضور نے فرمایا کہ لوگوں کو جمع ہونے کی منادی کر دی جائے۔ اور مہاجرین و انصار کو حکم دیا کہ اسلحہ بند ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے۔ تو حضرت منبر پر چڑھے اور لوگوں کو اپنی وفات کی خبر دی۔ اور فرمایا کہ میں اس کو جو میرے بعد میری امت کا والی ہو۔ خدا یاد دلاتا ہوں کہ وہ ضرور مسلمانوں کی جماعت پر رحم کرے اور ان کے بوڑھوں کو بزرگ جانے اور ان کو ضعیفوں پر رحم کرے۔ اور ان کے عالموں کی تعظیم کرے۔ اور ان کو کوئی ایسا ضرر نہ پہنچائے جو ان کی ذلت کا باعث ہو۔ اور ان کو فقیر نہ کرے کہ ان کے کفر کا باعث ہو۔ اور اپنا دروازہ ان پر بند نہ کرے کہ قوی ضعیفوں پر مسلط ہو جائیں۔ اور ان کے کافروں کی سرحد پر زیادہ نہ روکے رکھے کہ میری امت کی نسل کے قطع کا باعث ہو۔ پھر فرمایا کہ میں نے تبلیغ رسالت کر دی اور میں تمہاری خیر خواہی بجا لایا۔ پس تم سب گواہ رہو۔ حضرت صادق نے فرمایا۔ کہ یہ آخری کلام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا۔ (انتہی)

اس وصیت سے امور ذیل ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو امام معین نہیں فرمایا۔ بلکہ تصریح فرمادی کہ جو میرے بعد والی ہو وہ ایسا کرے۔

۲۔ اگر حضرت علی یا دیگر ائمہ کے لئے کوئی نص امامت ہوتی۔ تو اس وقت فرمادیتے۔

۳۔ اگر امت کے لوگ مرتد ہو جانے والے ہوتے۔ جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔ تو آپ اس طرح ان کی سفارش نہ فرماتے۔

۴۔ دوران جہاد میں مسلمانوں کو کافروں کے ملک میں زیادہ نہ روکے رکھنے کی وصیت اسی خلیفہ کے حق میں جائز ہو سکتی تھی جو خلیفہ برحق ہو۔ اور جس کو جہاد کرنا جائز ہو۔ اس سے اصحاب ثلاثہ کے عہد کے جہادوں کا حق ہونا پایا جاتا ہے۔

روایت ابن عباس میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ پس کسے کہ والی امرے شود درمیان مسلمانان بائید کہ نیکوکار انصار بنوازد و از بدکردار ایشان عفو نمائد واین آخر مجلسے بود کہ حضرت برمنبر نشست تا آنکہ حق تعالیٰ را ملاقات کرد۔ (حیات القلوب۔ جلد دوم۔ صفحہ ۸۴۹)

۵۔ تمام ائمہ خلفائے وقت کی بیعت کرتے۔ اور ان کا اتباع فرماتے رہے۔ اور ان کی مخالفت سے ڈرتے ڈراتے اور بچتے رہے۔ بجز امام حسین کے کہ بیعت یزید سے انکار کیا۔ اور کسی امام نے چون وچرا نہیں کی جناب امیر اور دونوں صاحبزادوں کا حال مخفی نہیں کہ خلفاء کے ساتھ باہم کس قدر ربط وضبط اور الفت ومحبت تھی۔ یہاں تک کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے تو جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور صلح نامہ لکھا۔ تو یہ شرط کی۔ ان یعمل بکتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ وسیرۃ الخلفاء الراشدین اور دیگر ائمہ نے خلفائے بنی امیہ وبنی عباس کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ خلفائے وقت کی موجودگی میں ائمہ خلعت خلافت کے ساتھ ممتاز نہ تھے۔

۶۔ حضرت امیر اور امام حسن رضی اللہ عنہ جو اپنے اپنے وقت میں خلعت بیعت سے ممتاز ہوئے۔ انہوں نے بیعت اہل حل وعقد سے پیشتر کسی خلیفہ کے ساتھ قتل تو درکنار مخالفت اور چون وچرا نہیں کی۔ اور اہل حل وعقد کی بیعت کے بعد آمادہ کارزار ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اپنے نزدیک بھی خلیفہ مخصوص نہ تھے۔ اور انعقاد خلافت کا مدار بیعت اہل حل وعقد پر تھا۔ ورنہ قبل بیعت وبعد بیعت میں فرق نہ فرماتے۔ یا دونوں حالتوں میں قتال فرماتے۔ اور اگر تقیہ واجب ہوتا تو ہر دو حالت میں چپ رہتے۔

۷۔ اگر خلافت ائمہ اثنا عشر منصوص ہوتی۔ تو خاندان ائمہ میں سے کوئی مدعی امامت نہ ہوتا کیونکہ یہ امر مسلم ہے۔ کہ اہل ادری بمافیہ یعنی گھر والے کو گھر کا حال زیادہ معلوم ہوا کرتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ بر عکس ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اہل بیت میں سے کن کن بزرگوں نے ائمہ اثنا عشر کی موجودگی میں امامت کا دعویٰ کیا۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کے دعویٰ کو تسلیم کیا۔ ان مدعیان امام میں سے حضرت زید شہید بھی ہیں۔ جنہوں نے ابو جعفر محمد بن نعمان احول سے مسئلہ امامت پر گفتگو کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا۔ یٰا ابا جعفر کنت اجلس مع ابی علی الخوان فیلقمنی البضعة السمینة ویبرد لی اللقمة الحارة حتی نبرد شفقة علی ولم یشفق علی من حر النار اذا خبرک بالدین ولم یخبرنی به

(اصول کافی۔ باب الاضطرار الی الحجۃ۔ صفحہ ۱۰۱)

ترجمہ: اے ابو جعفر میں اپنے باپ (امام زید العابدین) کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا کرتا تھا۔ وہ میرے منہ میں موٹے گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا کرتے۔ اور میری تکلیف کے ڈر سے گرم لقمہ میرے واسطے ٹھنڈا کر دیا کرتے۔ یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو جاتا کیا وہ مجھ پر دوزخ کی گرمی سے نہ ڈرے۔ کہ انہوں نے تجھے دین کی خبر دی۔ اور مجھے خبر نہ دی۔ (انتہیٰ)

فی الواقع حضرت زید نے خوب فرمایا ہے کہ میرے والد میری تکلیف کے خیال سے گرم لقمہ کو ٹھنڈا کر کے میرے منہ میں ڈالا کرتے تھے۔ جب ان کو میری اتنی سی تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ تو انہوں نے یہ کس طرح گوارا کیا۔ کہ مجھے مسئلہ امامت نہ بتایا۔ جس کا انکار باعث دخول نار ہے۔

۸۔ حضرت امیر فرماتے ہیں۔

واللّٰہ ما کانت لی فی الخلافة رغبة ولا فی الولایة اربة ولکنکم دعوتمونی الیها وحملتمونی الیها۔ (نہج البلاغہ، جزء اول۔ صفحہ ۲۳)

ترجمہ: "خدا کی قسم مجھے خلافت میں کوئی رغبت نہ تھی۔ اور نہ ولایت کی کوئی خواہش تھی۔ لیکن تم نے اس کی دعوت دی۔ اور مجھے اس پر رغبت دلائی۔ (انتہیٰ۔)

ظاہر ہے۔ کہ اگر حضرت امیر کی خلافت منصوص ہوتی۔ تو آپ ہرگز ایسا نہ فرماتے۔

۹۔ اگر خلافت ائمہ اثنا عشر منصوص ہوتی۔ تو حضرت مولیٰ مرتضیٰ انما الشوریٰ المهاجرین والانصار الخ نہ فرماتے۔

۱۰۔ شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی (اصول کافی۔ باب الاشارۃ والنص علی ابی الحسن موسیٰ

علیہ السلام - صفحہ ۱۹۲) لکھتا ہے۔

علی بن محمد عن سهل او غیره عن محمد بن الولید عن یونس عن داؤد بن زربی عن ابی ایوب النحوی قال بعث الی ابو جعفر المنصور فی جوف اللیل فاتیته فدخلت علیه وهو جالس علی کرسی وبین یدیه شمعة وفی یده کتاب قال فلما سلمت علیه رمی بالکتاب الی وهو یبکی فقال لی هٰذا کتاب محمد بن سلیمان یخبرنا ان جعفر بن محمد قد مات فانا لِلّٰهِ وانا الیه راجعون ثلاثًا واین مثل جعفر ثم قال لی اکتب قال فکتبت صدر الکتاب ثم قال اکتب ان کان اوصی الی رجل واحد منه فقدمه فاضرب عنقه قال فرجع الیه الجواب انه قد اوصی الٰی خمسة واحدهم ابو جعفر منصور و محمد بن سلیمان وعبداللّٰه وموسٰی وحمیدة۔ علی بن ابراهیم عن ابیه عن النضر بن مرثد بنحو من هذا الا وعلی الی ابی جعفر المنصور وعبداللّٰه وموسٰی ومحمد بن جعفر و ابی مولی لابی عبداللّٰه علیه السلام قال قال ابو جعفر لیس الٰی قتل هولاء ۔۔؟۔۔

ترجمہ: " (بحذف اسناد) ابو ایوب نحوی کا بیان ہے۔ کہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے رات کے درمیان ایک شخص کو میری طرف بھیجا۔ میں اس کے پاس آیا اور اس پر داخل ہوا۔ حالانکہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کے آگے ایک شمع روشن تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا۔ جب میں نے اسے سلام کیا تو اس نے وہ خط میری طرف پھینک دیا وہ رونے لگا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ یہ محمد بن سلیمان (والئی مدینہ) کا خط ہے کہ جو ہم کو خبر دیتا ہے کہ جعفر بن محمد وفات پا گئے۔ پس اس نے تین بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ امام جعفر کی مثل اور کہاں ہے۔ بعد ازاں مجھ سے فرمایا کہ جواب لکھو۔ میں نے لکھا جو بادشاہ آغاز میں لکھا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ لکھو کہ اگر امام صادق نے کسی معین شخص کے لئے وصیت کی ہے۔ تو اس شخص کو اپنے پاس بلا کر قتل کر ڈالو۔ راوی کا قول ہے کہ خلیفہ منصور کو یہ جواب آیا کہ امام صادق نے پانچ کے لئے وصیت کی ہے۔ جن میں سے ایک ابو جعفر منصور اور باقی محمد بن سلیمان اور عبداللہ اور موسیٰ اور حمیدہ (والدہ موسیٰ کاظم) ہیں علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اس نے نضر بن مرثد سے اسی کے قریب قریب روایت کی ہے جیسا کہ وارد ہے۔

مگر نضر نے یہ ذکر کیا ہے۔ کہ جعفر صادق نے ابو جعفر منصور اور عبداللہ اور موسیٰ اور محمد بن جعفر اور اپنے ایک آزد کردہ غلام کے لئے وصیت کی ہے۔ ابو ایوب کا قول ہے۔ کہ منصور نے کہا کہ اس جماعت کے قتل کی کوئی سبیل نہیں (انتہیٰ)

اگر امامت اثنا عشر منصوص ہوتی تو امام جعفر صادق پانچ کے لئے وصیت نہ فرماتے۔ بلکہ صرف امام موسیٰ کاظم کا نام لیتے۔ اس وصیت نے تو ان شرائط کا بھی خاکہ اڑا دیا جو شیعہ نے امامت کے لئے وضع کی ہیں۔ شاید شیعہ یہاں کہیں گے کہ امام صادق نے منصور کو ازراہ۔ تقیہ وصی کیا تاکہ کسی کو قتل نہ کر دے۔ اور عبداللہ افلح تھے۔اس لئے وصی نہ ہو سکتے تھے۔ للذا موسیٰ علیہ السلام اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے۔

اولاً آسمانی صحیفہ مختومہ میں امام صادق پر تقیہ حرام تھا۔

ثانیاً اس وصیت سے وہ عداوت جو بنا بر قول امامیہ خلفاء عباسیہ کو ائمہ سے تھی کسی طرح کم نہ ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس کے زیادہ ہونے کا احتمال تھا۔ کیونکہ جو رتبہ خلیفہ منصور کو دیا وہی اس کے ملازم محکوم محمد بن سلیمان کو بھی دے دیا۔ اس میں منصور کی ذلت جو مستلزم قہر ہو گی۔ ثالثاً عبدہ یا غلام سے تقیہ کی کوئی وجہ نہ تھیں۔

رابعاً پاؤں میں مرض عبداللہ کی امامت کا مانع نہ ہو سکتا تھا۔ وہ دیگر ائمہ کی طرح اپنے فرض منصبی تقیہ و خوشامد وغیرہ کو بخوبی ادا کر سکتے تھے اور اسماعیل کے بعد امام صادق کے فرزند اکبر ہونے کی وجہ سے استحقاق بھی زیادہ رکھتے تھے۔ اسی سبب سے ایک جماعت نے ان کی امامت کو تسلیم کیا۔

II۔ اس کتاب کے حصہ اول میں زیدیہ کا یہ اعتراض مذکور ہے کہ امام صادق نے بقول اثنا عشریہ اپنے سب سے بڑے بیٹے اسماعیل کی امامت کی نص کی تھی۔ مگر جب اسماعیل نے امام صادق کی زندگی میں وفات پائی۔ تو امام نے فرمایا مابداللّٰہ فی شیئی کما بداله فی اسمٰعیل ابنی (خدا کو کسی شے میں ایسا بدا واقع نہیں ہوا جیسا کہ میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں واقع ہوا۔) اگر خبر اثنا عشر صحیح ہوتی۔ تو کم سے کم امام صادق اور ان کے خواص شیعہ کو معلوم ہوتی۔

ابن بابویہ جواب دیتا ہے کہ ہم زیدیہ سے پوچھتے ہیں کہ تم کیوں قائل ہو کہ امام صادق نے اسماعیل کی امامت پر نص کی۔ وہ حدیث کیسی ہے اس کے راوی کون ہیں اور کس نے اسے قبول کیا۔ وہ نہیں بتا سکتے۔ اسماعیل کی امامت کو اسماعیلیہ نے وضع کیا ہے حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں یہ جواب جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ بالکل قابل اطمینان نہیں۔ کتب زیدیہ ہمارے پاس موجود

نہیں جن سے زیدیہ کے جواب الجواب کا پتہ لگتا۔ ابن بابویہ کا یہ کہنا کہ زیدیہ امامت اسماعیل پیش نہیں کر سکتے۔ صریح البطلان ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسماعیلیہ امامت اسماعیل کے ہرگز قائل نہ ہوتے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ حدیث اثنا عشریہ کے نزدیک قابل اعتماد نہ ہو جیسا کہ حدیث ائمہ اثنا عشران کے نزدیک قابل اعتماد نہیں اثنا عشریہ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ امام صادق نے پہلے اسماعیل کو اپنا قائم مقام اور وصی مقرر کیا تھا۔

چنانچہ تنقیح المسائل ص ۱۷۰۔ ۱۷۲ میں یوں لکھا ہے۔

"اور اس میں ہرگز کوئی شیعہ انکار نہیں کر سکتا کہ پہلے اسماعیل کو قائمقام اپنا امام نے مقرر کیا تھا۔ صرف اس وصیت و تقرر امامت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ جب اسماعیل پیدا ہوئے تھے۔ تو کیا ران سے پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کی پیشانی پر آیہ و تمت کلمۃ ربک الی آخرھا لکھی تھی۔ اور کتب سماویہ وقت ولادت تلاوت کی تھیں اور سایہ ان کا معدوم تھا۔ اور ختنہ کئے ہوئے اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ اور خود امام نے قابلہ کی جگہ کام تولید کا کیا تھا اور پلیدگی ان کی خلاف دیگر اطفال کے ہوتی گئی تھی یا نہیں۔ اگر شق اول اختیار کی جائے۔ تو وہ تیرھویں امام منصوص من اللہ اور صاحب کتاب مختوم اور مفروض الطاعۃ ٹھہریں گے۔ ولا یقول بہ احد من المتکلمین۔ اور شق ثانی میں معلوم ہو گیا کہ تمام خصوصیات موہومہ و مخترعہ بے اصل ہیں اور جب بے اصل ہیں تو عبداللہ کی وصایت کا کوئی امر مانع نہیں ہے۔ تنبیہہ وصایت و امامت اسماعیل میں جو اکابر امامیہ براہ کے قائل ہوئے ہیں۔ یہ دوسری شناعت اصول مذہب اثنا عشریہ پر لاحق ہے۔

شیخ صدوق رسالہ اعتقاد میں فرماتے ہیں

واما قول صادق مابداللہ فی شیء کما بدالہ فی اسماعیل ابنی فانہ یقول ماظھر علیہ سبحانہ امر فی شی کما ظھر لہ فی اسمعیل ابنی اذا اخترمہ قبلی لیعلم انہ لیس بامام بعدی انتھی۔ بلفظہ۔

یہ سننے حدیث امام کے جو شیخ صدوق نے تراش کر حقتاً اپنے مذہب کا کیا ہے۔ ہرگز قابل تسلیم اہل علم کے نہیں ہے۔ اور بوجوہ عدیدہ اس میں بحث جاری ہے۔

اولاً خصائص امامت و صحیفہ امامت و صحیفہ مختومہ واسطے اسماعیل کے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے۔ ثانیاً نہیں ظاہر ہے کہ عطا فرمائے تھے۔ ورنہ امام کیونکر مقرر کئے جاتے۔ تو اب یہ سوال پیدا ہو گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا یا نہیں کہ اسماعیل کی عمر اس قدر نہیں مقرر کی ہے۔ کہ بعد امام صادق کے زندہ رہیں

گے۔ ظاہر ہے کہ عمر اسماعیل کی معلوم تھی۔ پھر جوان کو امام مقرر کیا تو معلوم ہو گیا کہ امامت محض بے فائدہ اور عبث تھی۔ اور خصوصیات امامت بھی غیر امام کو دی جاتی ہیں۔ اور جو یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا تو جہل لازم آتا ہے۔ وَتَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عَلُواً كَبِيْراً پھر بدا کا عذر محض لغو ہے۔ جو بات قبل ولادت اسماعیل کے ظاہر تھی وہی بعد ولادت بھی ظاہر رہی۔ کوئی بات ایسی نہ تھی۔ جو پیچھے کو ظاہر ہوئی اور واسطے اصلاح غلطی معلومات۔ سابقہ اپنے کے یا بسبب حاصل ہونے علم جدید کے موت اسماعیل سے تلافی اس کی ہوئی ہو۔

ثانیاً وجہ اول میں یہ ثابت ہو چکا کہ اسماعیل امام مقرر ہوئے تھے۔ اور ضروری ہے کہ امام معصوم بھی ہو۔ مگر افسوس ہے کہ عصمت تو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کو دے دی الایہ نہ معلوم تھا کہ ان سے افعال نامرضیہ ظہور میں آئیں گے اور اپنی لاعلمی حالات آئندہ سے جو اسماعیل سے ظاہر ہونگے۔ عصمت دینے اور امام مقرر کرنے سے پچتانا پڑے گا۔

دیکھو حدیث امام صادق کی بحار میں جو نقد المحصل شیخ موسیٰ میں بھی ہے۔

عن جعفر الصادق انه جعل اسمٰعيل القائم مقامه بعده فظهر من اسمٰعيل مالم يرتمنه منه فجعل القائم مقام موسٰى فكل عن ذلك فقال بد الله في اسمٰعيل۔

ثالثاً امام جعفر صادق کو جس امامت و وصایت اسماعیل کا حکم ہوا تھا۔ یعنی ان کے صحیفہ مختومہ میں خواہ مخواہ لکھا ہو گا کہ اسماعیل تمہارے بعد امام ہوں گے اور ان کو اپنا قائم مقام مقرر کرو۔ تو اس امامت و وصایت سے نقص عظیم علوم ائمہ و خواص امامت و مضامین صحیفہ میں لازم آتا ہے۔ یہ بات لاجواب ہے کہ وہ امامت ووصایت بغیر حکم خدا کے نہیں ہوتی اور جن امور میں علم معصوم کو عطا ہوتا ہے ان میں بد ابھی جائز نہیں ہے۔ **کما اعترف به المجلسي في البحار۔**

خصوصاً یہ امر امامت و وصایت کا متعلق تبلیغ حکم و تعمیل ارشاد کے ہے تو ضرور تسلیم کرنا ہو گا۔ کہ یا تو بدا کا اعتقاد اور اس کے متعلق کل احادیث وضعی و اختراعی و طبعزاد ہشام وغیرہ کی ہیں۔ جو جہل عالم الغیوب کا قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یا عذر بدا کا جو صدوق وغیرہ نے مجبور ہو کر امامت اسماعیل میں تراشا ہے اور حدیث کے معنے میں فقرہ جمایا ہے محض باطل ہے۔ اصل بات وہی ہے کہ واسطے ابطال امامت و خلافت خلفائے ثلاثہ کے یہ سب خصوصیات امامت کی اثنا عشریہ نے بنائی ہیں۔ مگر جب یہ دیکھتے ہیں کہ اسماعیل قائم مقام مقرر کیا گیا۔ تو جہل علام الغیوب و ارتکاب فعل عبث اللہ تعالیٰ کی طرف بلفظ بدا منسوب کرتے ہیں اور جب اہل سنت نے دارو گیر کی۔ تو کہتے ہیں کہ بدا سے مراد نسخ ہے۔ اور اصل

اعتقاد سے نفرت کرکے چاہتے ہیں کہ موافق اہل سنت کے معنے بدا کے قرار دیں۔ لیکن احادیث ائمہ کی تاویلیں بن نہیں پڑتیں۔ (انتہے بلفظہ)

مختصر یہ کہ حدیث ائمہ اثنا عشر جس کے تواتر کا دعویٰ امامیہ اثنا عشریہ کرتے ہیں وہ امام جعفر صادق کو معلوم نہ تھی۔ ورنہ وہ امام موسیٰ کاظم کے سوا اپنے کسی اور بیٹے کے لئے وصیت نہ کرتے اور اسماعیلیہ افطحیہ واقفیہ شمطیہ وغیرہ فرقے پیدا نہ ہوتے۔ امام صادق کے خواص شیعہ کو بھی اس حدیث کا پتہ نہ تھا۔ ان خواص میں سے زرارہ بن اعین کا حال یہ ہے کہ بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے اور اپنی پھوپھی سے کہتا ہے کہ قرآن مجید لاؤ۔ وہ لاتی ہے اور کھول کر زرارہ کے سینہ پر رکھ دیتی ہے۔

زرارہ کہتا ہے۔) یاعمة اشهدی ان لیس لی امام غیر هذا الکتاب از رجال کشی ص ۱۰۴ یعنی اے پھوپھی تو گواہ رہنا کہ سوائے اس کتاب کے کوئی میرا امام نہیں انتہے۔

۱۲۔ امام جعفر صادق کی طرح امام علی نقی نے بھی پہلے بڑے بیٹے ابو جعفر کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔ جب ابو جعفر نے ان کی زندگی میں وفات پائی۔ تو ابو محمد حسن عسکری کو وصی مقرر کیا۔ اور امام صادق کی طرح فرمایا۔

بد اللّٰه فی ابی محمد بعد ابی جعفر مالم یکن یعرف له کما بداله فی موسٰی بعد امضٰی اسمٰعیل ماکشف به عن حاله (اصول کافی۔ ص ۲۰۴)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو ابو جعفر کے بعد ابو محمد حسن عسکری کے بارے میں بداء ظاہر ہو گیا جو پیشتر اس پر ظاہر نہ ہوا تھا۔ جیسا کہ اسماعیل کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کو موسیٰ کاظم کے بارے میں وہ امر ظاہر ہوا کہ جس سے اس کا حال کھل گیا۔ (انتہے)

ابو جعفر کی نسبت بعینہ اسی طرح کا کلام ہے جو اسماعیل کے بارے میں اوپر گذرا۔

قال السید امداد امام

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی اٰخرها دال ہے۔ خلافت راشدہ یعنی خلافت ثلاثہ پر ہے۔ یہ آیت کامل طور پر سورہ نور میں یوں واقع ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَO

ترجمہ: "وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے ایسے لوگوں کے ساتھ جو خدا پر ایمان لائے اور کئے نیک کام ہر آئنہ اللہ ان لوگوں کو حاکم کرے گا ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور اللہ ہر آئنہ جما دے گا ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا اسے اللہ نے ان کے واسطے اور اللہ دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کریں گے شریک نہیں کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے بعد پس وہی لوگ بے حکم ہیں۔"

مگر اس آیت کے کسی لفظ سے خدا کا وعدہ استخلاف مخصوص بحضرت خلفائے ثلاثہ ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ یہاں صاف صاف طور پر خدائے تعالیٰ عام مومنین صالحین سے وعدہ استخلاف فرما رہا ہے کہ تم سے ملک میں لوگوں کو حاکم کرے گا۔ جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو خدا کا یہ خطاب عام جمیع مومنین کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ تفسیر زاہد وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور مخصوص باصحاب کرام یا حضرات خلفائے ثلاثہ نہیں ہے اور نہ اس آیت میں کوئی قید زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ وعدہ ایسا ہے کہ اس میں حضرت رسول خدا ﷺ کے زمانہ سے لے کر آئندہ تک کے مومنین صالحین سب پر صادق دکھائی دیتا ہے۔ یہ آیت ایسے عام انداز کی ہے کہ دوستداران حضرات ثلاثہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی مخصوصیت حضرات ثلاثہ کی خلافت کے ساتھ ہے۔ بنی امیہ اپنی خلافت کی طرف اس کو منسوب کر سکتے ہیں۔ بنی عباس اپنی خلافت کی طرف اس کو کھینچ کر لے جا سکتے ہیں۔ بنی ہاشم اس کو اپنے لئے وعدہ استخلاف قرار دے سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں آیت کو بالتخصیص حضرات ثلاثہ کی خلافت پر دال سمجھنا سخت ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ آیت خلافت حضرات ثلاثہ پر دال ہوتی۔ تو حضرت ابوبکر یا حضرت عمران کو ثقیفہ کے ہنگامہ کے وقت اہل شیعہ کے آگے بطور استدلال پیش کرتے۔ مگر کسی نے ایسا نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد شیخین میں یہ آیت دلیل خلافت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ عہد شیخین تو عہد شیخین صدر اول اور صدر ثانی میں بھی یہ آیت حقیقت خلافت ثلاثہ کے ثبوت میں کبھی کسی کی طرف سے نہیں پیش کی گئی۔ یہ مابعد کے زمانہ کا ڈھکوسلا ہے کہ خلافت خلفاء کو نصی ثابت کرنے کے لئے نامربوط قرآنی تاویلات اختیار کی ہیں۔ (مصباح الظلم ص ۲۴۵۔۲۴۶)

اقول

بے شک آیت زیر بحث سے خلافت ثلاثہ کی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ڈھکوسلا نہیں بلکہ حق الامر یہی ہے۔ یہاں قیامت تک کے تمام مؤمنین سے خطاب نہیں۔ بلکہ ان مومنین صالحین سے خطاب ہے جو سورہ نور کے نزول کے وقت موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ ان حاضرین سے یوں خطاب و وعدہ فرماتا ہے۔ کہ ہم تم میں سے بعضوں کو (جیسا کہ لفظ منکم سے ظاہر ہے) ضرور خلیفہ بنائیں گے اور زمین پر مسلط کریں گے جس طرح ہم نے تم سے پہلوں کو خلیفہ بنایا اور یہ بھی وعدہ فرماتا ہے کہ ہم تمہارے دین کو جو ہمارا پسندیدہ ہے استحکام و شیوع بخشیں گے اور نیز یہ بھی وعدہ فرماتا ہے۔ کہ تم کو اس وقت جو خوف ہے ہم اس کو امن کامل سے بدل دیں گے۔ پس ان امور کا مجموع وعدہ الٰہی میں داخل اور اس کا وقوع اٹل ہے۔ اور یہ وقوع رسول اللہ ﷺ کے بعد صورت پذیر ہونے کو تھا کیونکہ غیر کا استخلاف حضور انور کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مجموع ماسوائے زمان خلفائے ثلاثہ کے کسی زمانہ میں وقوع میں نہیں آیا۔ لہٰذا خطاب الٰہی سے مراد وہی ثلاثہ ہیں۔ امام قائم علیہ السلام مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ سورہ نور کے نزول کے وقت موجود نہ تھے۔ اور حضرت امیر علیہ السلام بھی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اگرچہ وہ اس وقت موجود تھے۔ مگر ان کے دین کا رواج و شیوع نہ ہوا۔ اس لئے کہ حسب عقیدہ اثنا عشریہ حضرت امیرؑ اور ان کے شیعہ اپنے دین کو چھپاتے رہے۔ اور امن کامل بھی ان کے زمانہ میں حاصل نہ ہوا۔ ان کے لشکری اور عامل افواج شام سے خائف رہے۔ مع ہذا حضرات امیرؑ تو ایک فرد تھے۔ صیغہ جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوا کرتا ہے۔ اندریں حالات دیگر ائمہ کا کیا ذکر جو نہ سورہ نور کے نزول کے وقت حاضر تھے۔ نہ ان کو تسلط فی الارض حاصل ہوا نہ بوجہ تقیہ ان کا دین شائع ہوا۔ اور نہ ان کو امن نصیب ہوا بلکہ ہمیشہ خائف و مختفی رہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حضرات خلفائے ثلاثہ منجانب اللہ موعود بالاستخلاف تھے۔ جو دین ان کے زمانے میں رائج ہوا وہ پسندیدہ خدا تھا۔ ان کے زمانے میں فتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں۔ اور دین اسلام کا شیوع اور امن کا ظہور ہوا۔ خلافت حقہ کے یہی معنے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف مسلمانوں کے لئے کیسا بھاری صدمہ تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضرین نے خلافت صدیقی پر اتفاق کر لیا۔ اس وقت اتنا ہی کافی تھا۔ تمام دلائل کی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ اگر اس آیت سے حضرت امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ کی خلافت ثابت ہوتی۔ تو حضرت مولیٰ مرتضیٰ جو سقیفہ میں حاضر نہ تھے۔ اس فیصلہ کے بعد اپنی تائید میں اسے ضرور پیش کرتے۔ مگر انہوں نے بجائے پیش کرنے کے خود بیعت کی اور ثابت کر دیا کہ خلافت صدیقی حق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلافت بلا فصل کا افسانہ مابعد کے زمانہ کا ڈھکوسلا ہے۔

نہج البلاغہ (مطبوعہ بیروت جزء اول۔ ص ۱۵۲) میں مذکور ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ فارس میں بذات خود شریک ہونے کے لئے حضرت امیر علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا تو مولیٰ مرتضیٰ نے یوں جواب دیا:

ان هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا قلة وهو دين الله الذی اظهره وجنده الذی اعده وامده حتی بلغ ما بلغ وطلع حيثما طلع ونحن علی موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده (الخ)

ترجمہ: "اس دین کے غلبہ یا مغلوبی کا مدار کثرت و قلت پر نہیں۔ یہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب کر دیا اور اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے تیار کیا اور اس کی امداد فرمائی یہاں تک کہ پہنچا جہاں تک پہنچا اور نمودار ہوا جہاں نمودار ہوا۔ اور ہم سے اللہ کا وعدہ ہے۔ اور وہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کا مددگار ہے۔ (انتہیٰ)

اس کلام میں حضرت امیر علیہ السلام نے غلبہ دین اسلام کو مصداق آیہ لیظهره علی الدِّينِ كُلِّهٖ قرار دے کر مطمئن کر دیا کہ اس کے معاونین اگرچہ مخالفین کی نسبت قلیل ہوں تاہم مغلوب نہ ہونگے۔ اور زمانہ فاروقی کو زمانہ موعود خدا تعالیٰ کا قرار دیا جس میں وعدہ مندرجہ آیہ استخلاف پورا ہو گا اور فتح اسلام ہو گی۔

شیعہ کا علامہ میثم بحرانی و نحن علی موعود من اللہ کی شرح یوں کرتا ہے:

ثم وعدنا بموعود وهو النصر والغلبة والاستخلاف فی الارض كما قال وعدالله الذين أمنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فی الارض الاية ۔

ترجمہ: "یعنی خدا کا ہم سے وعدہ ہے نصرت و غلبہ استخلاف فی الارض کا چنانچہ فرمایا وعد الله الذين أمنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فی الارض الاية

پس اس آیت سے خلافت فاروقی کی حقیقت خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہو گئی۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جس وعدہ کے پورا ہونے کا انتظار تھا۔ وہ خلافت ثلاثہ میں پورا ہو گیا۔ چنانچہ خلاصۃ المنہج میں آیہ استخلاف کے تحت میں یوں لکھا ہے۔

وروا اندک زمانے حق تعالیٰ بوعدہ مومنان وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسریٰ و بلاد روم بدیشان ارزانی فرمود۔

یعنی تھوڑے عرصہ میں حق تعالیٰ نے وعدہ جو مومنین سے کیا تھا پورا کر دیا اور جزائر عرب اور ملک کسریٰ اور بلاد روم ان کو عطا فرمائے۔

قال السید امداد امام

راقم کی دانست میں اس آیت سے کسی طرح پر حضرات خلفاء کے حقیت بلکہ کسی خلافت کی حقیت ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن ایک حدیث نبوی ﷺ کی بنا پر آیت بالا آئمہ خاندان پیغمبر ﷺ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے اور وہ حدیث کتاب روضۃ الاحباب میں محدث میر جمال الدین حسینی کی بروایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انصاری یوں منقول ہے۔ کہ جب آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ نازل ہوئی۔ تو میں نے جناب رسول خدا ﷺ سے عرض کی کہ میں نے خدا اور رسولؐ کو تو پہچانا مگر اولوالامر کون ہیں جن کی اطاعت کو خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس پر حضرت رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

هُمْ خُلَفَآئِیْ مِنْ بَعْدِیْ اَوَّلُهُمْ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ ثُمَّ الْحَسَنُ ثُمَّ الْحُسَیْنُ ثُمَّ عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ نِ الْمَعْرُوْفُ فِی التَّوْرٰةِ بِالْبَاقِرِ وَسَتُدْرِكُهٗ یَاجَابِرُ فَاِذَا لَقِیْتَهٗ فَاقْرَءْهُ مِنِّی السَّلَامَ ثُمَّ الصَّادِقُ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ مُوْسٰی بْنُ جَعْفَرٍ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُوْسٰی ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ الْحَسَنُ ابْنُ عَلِیٍّ ثُمَّ حُجَّةُ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ۔

ترجمہ: "یعنی جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اولو الامر میرے بعد میرے خلفا ہیں اول ان سے علیؓ بن ابی طالب ہیں۔ ان کے بعد حسنؓ مہدی ہیں۔ ان کے بعد حسینؓ ہیں۔ ان کے بعد علی بن الحسینؓ ہیں۔ ان کے بعد محمدؑ بن علیؓ ہیں جو باقر کے نام سے توریت میں مذکور ہیں اور قریب ہے اے جابر کہ تم ان کو جا ملو گے۔ پس جب تم اس سے ملاقی ہو تو میرا سلام ان سے کہنا۔ ان کے بعد محمدؓ بن علیؓ ہیں۔ ان کے بعد علی بن محمدؓ ہیں۔ ان کے بعد حسنؓ بن علیؓ ہیں۔ ان کے بعد حجۃ اللہ یعنی امام مہدی صاحب العصر ہیں۔

یہ کتاب روضۃ الاحباب ایسی ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے رسالہ اصول حدیث میں اس کو خوبی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ مصباح الظلم۔ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷

اقول

مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کتاب روضۃ الاحباب کو کتب معتبرہ اہل سنت میں شمار نہیں کرتے۔ اس کتاب کی نسبت تحفہ شیعہ حصہ اول ص ۴۷ اور ص ۱۸۹۔ ۱۹۰ میں کافی لکھا جا چکا ہے۔ اس کے اعادہ کی

یہاں ضرورت نہیں۔ روایت جابر بن عبداللہ انصاری جو پیش کی گئی ہے۔ اس کا پورا اسناد نہیں بتایا گیا۔ یہ شیعہ کی روایت ہے جیسا کہ اصول کافی و تفسیر صافی وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

خلاصۃ المنہج میں یہ روایت بدین الفاظ مذکور ہے۔ واز جملہ روایت مشہورہ متواتر است میاں موافق و مخالف از جابر بن عبداللہ انصاری کہ گفت من از رسول خدا ﷺ پرسیدم کہ یارسول اللہ ﷺ من خدا و رسول ﷺ اور اے دانم اما اولو الامر رانمے دانم رسول ﷺ فرمود کہ اے جابر ایشان خلیفہ ہائے من اندواماماں اہل اسلام بعد از من اول ایشان علی بن ابی طالب است و بعد ازان حسن و دیگر حسین و علی بن الحسین و محمد بن علی کہ در تورات معروف است باقر و تو اور ادریابی۔ چون اور ابہ بنی سلام من بوے رساں۔ بعد ازان یک یک ائمہ را نام مے برد الخ۔

اس عبارت میں خلاصۃ المنہج نے اہل سنت پر یہ افترا کیا ہے کہ ان کے ہاں بھی یہ روایت مشہور متواتر ہے۔ اہل سنت تو اس کو موضوع سمجھتے ہیں۔

مل اباقر مجلسی لکھتا ہے۔ ودر اعلام الورے و مناقب ابن شہر آشوب از تفسیر جابر جعفی روایت شدہ است کہ جابر انصاری گفت کہ پرسیدم از حضرت رسول از قول حق تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ خدا و رسول ﷺ را شناختیم اولی الامر کیستند ۔ حضرت فرمود کہ خلیفہ ہائے من اندا اے جابر و اماماں مسلمانانند بعد از من۔ اول ایشان علی بن ابی طالب ست الخ۔ (حیات القلوب جلد سوم۔ ص ۸۵)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روایت جابر انصاری کا مدار جابر جعفی پر ہے۔ جو مشہور کذاب اور غالی شیعی ہے۔

میزان الاعتدال میں اس کا ترجمہ بدین الفاظ شروع ہوتا ہے۔ جابر بن یزید ابن الحارث الجعفی الکوفی احد علما الشیعة۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر کوئی کاذب نہیں دیکھا۔ لیث بن ابی سلیم کا قول ہے کہ جابر جعفی کذاب ہے۔

امام نسائی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔

ابن حبان کا قول ہے کہ وہ سبائی تھا اور حضرت علیؓ کی رجعت کا قائل تھا۔

زائدہ کا قول ہے کہ وہ رافضی تھا۔ اور نبی ﷺ کے اصحاب پر تبرا کیا کرتا تھا۔

(تفصیل کے لئے دیکھو میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب)

پس روایت زیر بحث کے موضوع ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ آیہ استخلاف سے حضرات ثلاثہ کی خلافت کی حقیت روز و روشن کی طرح ظاہر ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

قال السید امداد امام

جاننا چاہیے کہ حضرت ائمہ اثنا عشر ایسے بزرگوار ہیں کہ جن کا ذکر توریت میں واضح طور سے دیکھا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کتاب عتیق میں فرماتا ہے کہ ہم نسل اسماعیل کو برگزیدہ اور ممتاز بنائیں گے اور ان میں بارہ شہزادے ہونگے وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ اس کے حدیث بالا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام محمد بن علی توریت میں باقر کے نام سے مذکور ہیں۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرَهَا میں جو استخلاف کا مضمون پایا جاتا ہے وہ اشارہ ہے حضرات آئمہ اثنا عشر کی طرف جن کو حسب روایت جابر انصاری جناب رسول ﷺ خدا اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔ مصباح الظلم ص ۲۵۷

اقول

موجودہ کتب عہد عتیق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب باری تعالیٰ یوں مذکور ہے۔ "اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے۔ اور اس میں سے بڑی قوم بناؤں گا۔"

(کتاب مقدس مطبوعہ امریکن مشن پریس ۱۸۸۳ء کتاب پیدائش۔ باب ۱۷ آیہ ۲۰)

اس کا فارسی ترجمہ یوں ہے۔

"در حق اسماعیل تراشنیدم۔ اینک اور ابرکت دادہ اَم واور ابار در گردانیدہ بغایت زیاد خواہم خود و دوازدہ سرور تولید خواہد نمود واورا امت عظیمے خواہم نمود"

(سفر تکوین الخلوقات مطبوعہ لندن ۱۸۵۶ء مترجم ولیم گلن قسیس کی۔ فصل ہفتدہم۔ آیہ ۲۰)

مصنف نے یہ حوالہ کتاب عتیق کا تو درست دیا ہے۔ مگر دوازدہ سردار کی تفسیر میں بڑا دھوکا دیا ہے۔ بارہ سرداروں کی تفصیل اسی کتاب عتیق میں مذکور ہے۔ جسے عمداً پس انداز کیا گیا ہے۔ وہ تفصیل کتاب پیدائش (باب ۲۵ آیہ ۱۲ تا ۱۶) میں یوں مذکور ہے:

"اور ابرہام کے بیٹے اسمٰعیل کا جسے سارہ کی لونڈی مصری ہاجرہ ابرہام کے لئے جنی تھی یہ نسب نامہ ہے۔ اور یہ اسمٰعیل کے بیٹوں کے نام ہیں مطابق ان کے ناموں اور نسبوں کی فہرست کے۔ اسمٰعیل کا پلوٹھا نبیت اور قدار اور ادبئیل اور بسام اور مسمعا اور دومہ اور مسّا اور احدر اور تیمہ

اور اطور اور نفیس اور قدمہ ۔ یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں اور ان کے نام ان کی بستیوں اور قلعوں میں یہ ہیں۔ اور یہ اپنی امتوں کے بارہ رئیس تھے۔"

فارسی ترجمہ میں یوں ہے:

" وتناسل اسماعیل پسر ابراہیم کہ ہاجر مصری کنزک سارہ بابراہیم زائیدہ بود این ست۔ و ایناننذ اسمائے پسران اسماعیل۔ موافق اسماو قبیلہ ہائے ایشان۔ اول زادۂ اسماعیل بنایوث و قیذار و ادبئیل و بسام و مشماع و دوماہ و مساء وحدر و تیماء ویطور و نافیش وقیدماہ۔ ایناننذ پسران اسماعیل و ایناننذ اسماء ایشان موافق قصبہ ہاو قلعہ ہائے ایشان دوازدہ سرور برطبق امتہائے ایشان"

قال السید امداد امام

میں اس جگہ کسر شان اہل بیت کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک احراق خانۂ فاطمہ ہے۔ واقعہ احراق تاریخ ابو الفدا و تاریخ طبری و تاریخ واقدی و کتاب المرتضٰی وکتاب سقیفہ ابوبکر جوہری و کتاب الامامت والسیاست وغیرہ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کو بھی اس سے اعتراف ہے جیسا کہ شاہ صاحب کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ان ایشیائی تصنیفات کے اپنی اپنی تاریخی تصنیفات میں گبن اسبرن ارونگ اس واقعہ کو حوالہ قلم کر گئے ہیں۔ اور لاریب یہ واقعہ تاریخی پایہ رکھتا ہے۔ کہانی اور افسانہ نہیں ہے۔ راقم الحروف نے جب تک ایسی ایسی کتابوں کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا تھا تب تک اسے اس واقعہ کے راست ہونے کا یقین ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر عہد طالب علمی کے منقضی ہونے پر جو تاریخ اور علم کلام کی کتابیں نظر سے گذریں تو اسلام معروف سے بڑی بدعقیدگی پیدا ہو گئی اور اب تو یہ حال ہے کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے بے انتہا شرم آتی ہے۔ افسوس ہے کہ جناب شاہ صاحب ممدوح کے تحفہ سے بھی کسی طرح کا اطمینان قلبی نصیب نہ ہوا۔ بلکہ حضرت ممدوح کے جوابات عذر گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے تو اور بھی راقم الحروف کو اسلام مروج سے دور کر دیا۔ خیر میں کافر یا جو کچھ ہو گیا ہو گیا۔ مگر الحمد اللہ والمنۃ کہ پیغمبر خدا کی ناشناسی کی بلا سے محفوظ رہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ مرنے پر حضرت بی بی فاطمہؑ کے سامنے پیغمبرؐ کو منہ دکھانے میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ ذیل میں یہ وحشت خیز واقعہ کتاب الامامت والسیاست سے بہ سبیل ترجمہ صحیح عرض کیا جاتا ہے۔

قصۂ احراق

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پایا کہ مخالفان بیعت علیؓ کے پاس ہیں۔ تو حضرت عمرؓ کو ان کے پاس بھیجا پس حضرت عمر گئے اور ان کو (یعنی مخالفان بیعت کو) بلایا۔ حالانکہ وہ سب علیؓ کے مکان میں تھے۔ مگر انہوں نے باہر نکلنے سے انکار کیا۔ تب حضرت عمر نے لکڑیاں مہیا کیں اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے ہم ان کو ضرور نکالیں گے یا سب کے سب کو جلا کر مار ڈالیں گے۔ پس کسی نے کہا کہ اے باپ حفصہ رضی اللہ عنہ کے اس میں تو فاطمہؓ بھی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہوں۔ تب لوگ نکل آئے اور بیعت کے سوائے علیؓ کے جو نہ نکلے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ علی نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ ہولے گا ہم گھر سے نہ نکلیں گے اور نہ دوش پر چادر رکھیں گے۔ اس کے بعد ہی بی بی فاطمہؓ دروازے کے پاس کھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں کہ تم جنازہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اب ہم پر ظلم کرنے کے لئے آئے ہو اور ہمارے حقوق کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس کے بعد حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا۔ کیا آپ اس مخالف یعنی علیؓ سے بیعت نہیں لیں گے۔ حضرت ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو فرمایا کہ جا اور علی کو بلا لایا۔ تب قنفذ علیؓ کے پاس گیا۔ علیؓ نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ قنفذ نے کہا۔ آپ کو خلیفہ رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔ علیؓ نے چھوٹتے ہی کہا کہ کس قدر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرتے ہو۔ اس پر قنفذ لوٹ گیا۔ اور پیغام سنا دیا۔ اس پر ابوبکر دیر تک روئے۔ تب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم اس مخالف بیعت یعنی علی سے بیعت نہ لوگے۔ تب حضرت ابوبکر نے قنفذ سے فرمایا کہ پھر جا اور کہہ امیرالمومنین بیعت کے لئے بلاتے ہیں۔ تب قنفذ گیا اور جو حکم لایا تھا کہہ سنایا۔ علیؓ آواز غضبناک ہو کر بولے۔ سبحان اللہ یہ کیا دعویٰ ہے جس کا انہیں یعنی حضرت ابوبکر کو کوئی حق ہی نہیں ہے۔ اس پر پھر قنفذ واپس گیا اور پیغام کہہ دیا۔ حضرت ابوبکر پھر رونے لگے۔ تب حضرت عمر اٹھے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی چلی یہاں تک کہ فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب بی بی فاطمہؓ نے ان کی آواز سنی۔ تو بہت شور سے چلانے اور واویلا کرنے لگیں کہا اے بابا اے رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی کی خبر لیجئے۔ ہم بعد آپ کے ابن خطاب یعنی حضرت عمر اور ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکر کے ہاتھ سے یہ کیا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ پس جس وقت قوم نے بی بی فاطمہؓ کی فریاد و زاری سنی۔ روتے ہوئے پھر گئے۔ درآنحالیکہ دل ان کے دکھتے تھے اور جگر ان کا پارہ پارہ تھا۔ لیکن حضرت عمر ایک جماعت کے ساتھ ٹھہرے رہے۔ اور علی کو نکال لیا۔ اور ابوبکر کے پاس لے گئے۔ یہاں تک واقعہ خانہ فاطمہؓ کے احراق سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ واقعہ

کیسا ہے اس کو اہل انصاف خود تجویز کرلیں۔ آیا یہ سب کارروائیاں حضرت عمر کی جا تھیں یا بیجا۔

راقم الحروف اس جگہ پر کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مگر لاریب اس طرح کا ہنگامہ اہل بیت نبویؐ کے گھر پر شان اہل بیت کو افزوں کرنے والا نظر نہیں آتا۔ (مصباح الظلم۔ ص ۵۰۔۵۱)

مصنف نے اپنے زعم فاسد میں کسر شان اہل بیت کی پانچ مثالیں پیش کی ہیں۔ جن میں سے پہلی قصہ احراق خانۂ فاطمہؓ ہے۔ اس واقعہ کے متعلق شیعہ جو عبارتیں پیش کرتے ہیں ہم ان کو نقل کرکے جواب دیتے ہیں۔

۱۔ سید علی حائری مجتہد لاہوری موعظہ حسنہ (مقالہ چہارم۔ احراق باب فاطمہؓ۔ ص ۵۲) میں یوں لکھتا ہے:

"تاریخ ابو الفداء ترجمہ اردو۔ جلد اول صفحہ ۳۷۵ حسب ذیل مرقوم ہے۔ یہ بیعت حضرت ابوبکر کی عشرہ اوسط ماہ ربیع الاول ۱۱ ہجری میں ہوئی۔ مگر بنی ہاشم اور زبیر اور عتبہ بن ابی لہب اور خالد بن سعید ابن عاص اور مقداد بن عمر اور سلمان فارسی اور ابو ذر غفاری اور عمار یاسر اور براء بن عازب اور ابی بن کعب یہ سب لوگ حضرت علیؓ کے ہمراہ ہو گئے۔ اور اسی بات میں عتبہ بن ابی لہب نے چند شعر اس مضمون کے کہے کہ میں نہ جانتا تھا کہ خلافت اور حکم اولاد ہاشم سے جاتا رہے گا۔ اور اسی طرح ابو سفیان پدر معاویہ نے بیعت ابوبکر کی نہیں کی۔ پھر اس ابوبکر صدیق نے عمر بن الخطاب کو حضرت علی کے پاس بایں ارادہ بھیجا کہ جو لوگ ان کے ہمراہ اہل بیت ہیں مع ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکال دو۔ اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان کو نکلنے سے کچھ انکار ہو۔ تو بے شک تم ان سے لڑنا۔ حضرت تھوڑی سی آگ بھی ہاتھ میں لے کر بارادہ گھر کے پھونکنے کے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت فاطمہؓ راہ میں ان سے ملیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کہاں کو جاتا ہے۔ اے ابن الخطاب کیا ہمارا گھر پھونکنے کو آیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا البتہ تمہارا گھر پھونک ڈالوں گا۔ نہیں تو تم بھی ابوبکر صدیق سے بیعت کرو۔ جس میں تمام امت داخل ہوئی تم بھی داخل ہو جاؤ۔ (انتہی بلفظہ)

۲۔ سید مقرب علی اپنی کتاب النار الحاطمہ لقاصد احراق باب فاطمہ (مطبوعہ مجمع البحرین لودیانہ ص ۸) میں جو تشیید المطاعن سے طعن قصہ احراق بیت اہل بیت علیہم السلام کا اردو ترجمہ ہے عقد الفرید لابن عبد ربہ کی عبارت مع ترجمہ یوں نقل کرتا ہے۔

الذین تخلفوا عن بیعۃ ابی بکر علی والعباس والزبیر وسعد بن عبادۃ فاما علی والعباس فقعدا فی بیت فاطمۃ حتی بعث ابوبکر عمر بن الخطاب

لیخرجهما من بیت فاطمة وقال له ان ابیا فقاتلهما فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیهم الدار فلقیته فاطمة فقالت یا ابن الخطاب جئت لتحرق دار ناقال نعم او ید یخلوا فی مادخلت فیه الامة فخرج علی حتی دخل علی ابی بکر الی اخره۔

ترجمہ: "یعنی جن لوگوں نے تخلف کیا بیعت ابی بکر سے وہ علی و عباس و زبیر و سعد بن عبادہ ہیں۔ اما علی و عباس پس بیٹھے گھر میں حضرت فاطمہ کے تاآینکہ بھیجا ابوبکر نے عمر کو کہ علی و عباس کو جناب سیدہ کے گھر میں سے باہر نکال دے۔ اور کہا ابوبکر نے عمر سے کہ اگر انکار کریں علی و عباس تو مقابلہ کریں ان سے۔ پس متوجہ ہوا عمر اور آگ اپنے ساتھ لی اس قصد سے کہ جلائے اوپر علی و عباس کے گھر فاطمہؓ کا پس ملاقات عمر سے جناب سیدہ نے کی اور کہا کہ اے بیٹے خطاب کے آیا ہے تو بایں قصد کہ جلادے میرے گھر کو۔ عمر نے کہا البتہ جلاؤں گا میں تمہارا گھر مگر یہ کہ علی و عباسؓ داخل ہوں اس چیز میں کہ داخل ہوئی اس میں امت (انتہی بلفظہ)

۲۔ مجتہد لاہوری نے موعظہ حسنہ ص ۵۸ میں ابن شحنہ کی کتاب روضۃ المناظر کا حوالہ دیا ہے۔ مگر عبارت نقل نہیں کی۔ ہم وہ عبارت معہ ترجمہ اردو یہاں درج کر دیتے ہیں:

فبایعوه خلا جماعة من بنی هاشم والزبیر وعتبة بن ابی لهب و خالد بن سعید بن العاص و المقداد بن الاسود و سلمان الفارسی وابی ذرو عمار ابن یاسر والبراء بن عازب وابی بن کعب ومالوا مع علی بن ابی طالب و کذا تخلف عن بیعة ابی بکر ابو سفیان بن حرب ثم عمر جاء الی بیت علی لیحرقه علی من فیه فلقیته فاطمة فقال ادخلوا فیما دخلت فیه الامة قال ابن واصل فخرج علی الی ابی بکر وبایعه۔

(روضۃ المناظر برحاشیہ تاریخ کامل۔ جزء حادی عشر ص ۱۱۲۔۱۱۳)

ترجمہ: "پس سب نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی سوائے بنی ہاشم کی ایک جماعت اور زبیر اور عتبہ بن ابی لہب اور خالد بن سعید بن العاص اور مقداد بن اسود اور سلمان فارسی اور ابو ذر اور عمار بن یاسر اور براء بن عازب اور ابی بن کعب کے جو حضرت علی بن ابی طالب کے ہمراہ ہو گئے۔ اسی طرح ابو سفیان بن حرب نے بیعت ابوبکر کی نہیں کی۔ پھر عمرؓ علیؓ

کے گھر کو آئے تاکہ اس کو مع ان کے جو اس میں تھے پھونک دیں۔ پس فاطمہؓ ان سے ملیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیعت ابوبکر میں داخل ہو جاؤ۔ جس میں امت داخل ہوئی۔ ابن واصل نے کہا علی ابوبکر کے پاس گئے اور ان سے بیعت کی۔ (انتہی)

۴۔ النار الحاطمہ ص ۸ میں تاریخ طبری کی عبارت مع ترجمہ یوں نقل کی گئی ہے:

حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر عن مغیرة عن زیاد بن کلیب قال اتی عمر بن الخطاب منزل علی وفیه طلحة والزبیر ورجال من المهاجرین وقال واللّٰه لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعة فخرج علیه الزبیر مصلتًا بالسیف فعثر وسقط السیف من یده فوثبوا علیه فاخذوه (انتہی بلفظہ)

ترجمہ: "یعنی آیا عمر ابن الخطاب جناب امیر علیہ السلام کے گھر میں اور اس میں طلحہ و زبیر اور کچھ مہاجر تھے۔ کہا عمر نے کہ قسم بخدا البتہ جلاؤں گا میں یہ گھر اوپر تمہارے یا یہ کہ باہر آؤ واسطے بیعت ابوبکر کے۔ پس نکلا زبیر شمشیر بدست۔ اس کے پاؤں نے لغزش کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ تب ہمراہیان عمر نے کود کر اس کو پکڑ لیا۔ (انتہی ترجمہ)

۵۔ النار الحاطمہ ص ۷ میں بحوالہ کشف الحق للعلامہ حلی لکھا ہے:

وذکر الواقدی ان عمر جاء الٰی علی فی عصابته فیهم اسید بن الحصین وسلمة بن اسلم فقال اخرجوا اولنحرقنها علیکم

ترجمہ: "یعنی واقدی نے ذکر کیا کہ عمرؓ اپنی جماعت لے کر علی کے پاس آئے۔ اس جماعت میں اسید بن حصین اور سلمہ بن اسلم تھے۔ پس کہا عمر نے کہ نکلو ورنہ ہم گھر کو تم پر پھونک دیں گے۔ (انتہی)

۶۔ النار الحاطمہ ص ۱۴ میں ہے۔ جناب سید مرتضیٰ نے کتاب شافی میں فرمایا ہے:

قد روی البلاذری عن المدائنی عن سلمة بن محارب عن سلیمان التیمی عن ابن عون ان اباابکر ارسل الی علی یریده علی البیعة فلم یبایع فجاء عمر ومعه قبس فلقیته فاطمة علی الباب فقالت یا بن الخطاب اتراک محرقا علی بابی فقال رنعم وذلک اقوی فیما جاءبه ابوک وجاء علی فبایع وهذا الخبر قد روته الشیعة من طرق کثیرة وانما الطریف ان ترویه شیوخ محدثی العامة۔ (الخ)

ترجمہ: "یعنی روایت کی بلاذری نے کہ مؤرخ بے بدل ہے اور قابل ہوش ربا اس کے انساب سمعانی وغیرہ کتب رجال سے ظاہر اور شاہ ولی اللہ بھی اس کو حافظ زبان بتلاتے ہیں اور استقصاء الافحام صفحہ ۸ (اا) جلد اول میں توثیق اس کی مرقوم ہے اس بلاذری نے بسند خود ابن عون سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے بھیجا کسی کو طرف جناب امیر کی اور طلب کیا ان کو واسطے بیعت کے۔ پس نہ بیعت کی حضرت امیر کل امیر نے۔ اس وقت عمر آیا اور ساتھ اس کے آگ تھی۔ پس جناب سیدہ سے دروازہ میں ملاقات ہوئی۔ فرمایا حضرت نے کہ ابن خطاب تو میرا گھر جلانا چاہتا ہے۔ اس نے کہاں کہ ہاں اور تقویت دیتا ہوں میں اس گھر کے جلانے سے آپ کے باپ کے دین کو پس جناب امیر علیہ السلام آئے اور بیعت کرلی۔

جناب سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ شیعہ نے بطرق کثیرہ اس روایت کو اپنی کتب میں وارد کیا ہے مگر عجیب یہ ہے کہ شیوخ و محدثین عامہ بھی اس روایت کو روایت کرتے ہیں۔ (انتھیٰ)

۷۔ علی بن حسین مسعودی مروج الذہب (برحاشیہ تاریخ کام۔ جزء خامس۔ ص ۱۰۴) میں لکھتا ہے:

ولما احتضر قال ما انا الاعلی ثلاث فعلتها ووددت انی ترکتها وثلاث ترکتها وددت انی فعلتها وثلاث وددت انی سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عنها فاما الثلاث التی فعلتها ووددت انی ترکتها فوددت انی لم اکن فتشت بیت فاطمة وذکر فی ذلک کلاما کثیرا ووددت انی لم اکن حرقت الفجاءة واطلقته نجیحًا اوقتلته صریحا ووددت انی یوم سقیفة بنی ساعدة قد رمیت الامر فی عنق احد الرجلین فکان امیرا وکنت وزیراً (الخ)

ترجمہ: "جب حضرابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تاسف نہیں مگر تین چیزوں پر جو میں نے کیں کاش ان کو نہ کرتا۔ اور تین چیزوں میں جو میں نے نہ کیں اور کاش میں ان کو کرتا۔ اور تین چیزوں پر جن کی نسبت میں کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیتا۔ سو وہ تین چیزیں جو میں نے کیں اور کاش میں ان کو نہ کرتا یہ ہیں کہ کاش میں فاطمہ کے گھر کی تفتیش نہ کرتا اور اس بارے میں بہت کچھ ذکر کیا۔ اور کاش میں فجاءہ سلمیٰ کو آگ سے نہ جلاتا۔ اور اسے کامیاب رہا کردیتا یا صاف قتل کردیتا۔ اور کاش میں سقیفہ بنی ساعدہ کے روز امر خلافت کو دو شخصوں میں سے ایک کے گلے میں ڈال دیتا۔ پس وہ امیر اور میں اس کا

وزیر ہوتا۔ (الخ)

حائری نے موعظہ حسنہ صفحہ ۵۸ میں مسعودی کا یہ حوالہ درست نہیں دیا۔ سید محمد مجتہد لکھنوی نے طعن الرماح ص ۵۸ میں اس حوالہ کو صحیح نقل نہیں کیا۔

۸۔ مجتہد لاہوری موعظہ حسنہ ص ۵۱ میں یوں لکھتا ہے۔ شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۴۳ سطر دس میں مرقوم ہے کہ سلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے:

قال لما جلس ابوبکر علی المنبر کان علی والزبیر وناس من بنی هاشم فی بیت فاطمة فجاء عمر الیهم فقال والذی نفسی بیده لتخرجن الی البیعة اولا حرقن البیت علیکم بلفظه۔

ترجمہ: "یعنی حضرت ابوبکر جس وقت منبر پر بیٹھے ہیں علی زبیر اور کچھ آدمی بنی ہاشم کے فاطمہ زہرا کے مکان میں موجود تھے۔ پس حضرت عمران کے پاس آئے کہ خدا کی قسم نکلتے ہو بیعت کے لئے کہ جلادوں اس گھر کو تمہارے اوپر۔ (انتہے بلفظہ)

۹۔ ابن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ خود مصنف نے لکھ دیا ہے۔

۱۰۔ النار الحاطمہ ص ۱۰ میں ہے۔ کتاب جمع الجوامع سیوطی و کنز العمال فی تبویب سنن الاقوال والافعال علی متقی میں حرف ہمزہ کے باب الامارۃ خلافت ابی بکر میں اس طرح مذکور ہے۔

عن اسلم انه حین بویع لابی بکر بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان علی والزبیر یدخلون علی فاطمة بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فیشاورونها ویرجعون فی امرهم فلما بلغ ذلک عمر ابن الخطاب خرج حتی دخل علی فاطمة فقال یابنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم واللّٰه ما من الخلق احب الی من ابیک وما من احد احب الینا بعد ابیک منک وایم اللّٰه ماذاک مانعی ان اجتمع هؤلاء النفر عندک ان امرتهم ان یحرق علیهم الباب فلما خرج عمر جاؤها قالت تعلمون ان عمر جاءنی وقد حلف باللّٰه لان عدتهم۔ لیحرقن علیکم البیت وایم اللّٰه لیمضین لما حلف علیه فانصرفوا راشدین فرؤا رایکم ولا ترجعوا الی فانصرفوا عنها ولم یرجعوا الیها حتی بایعوا لابی بکر ش ای رواه عبداللّٰه ابن ابی شیبة

ترجمہ: "حاصل روایت یہ ہے کہ اسلم سے منقول ہے کہ تحقیق جب بیعت کی لوگوں نے

ابوبکر کی بعد جناب رسول خدا ﷺ کے تو علی اور زبیر داخل ہوتے تھے۔ گھر میں جناب سیدہ بنت رسول خدا ﷺ کے۔ اور مشورت کرتے تھے حضرت سیدہ سے اور مراجعت کرتے تھے۔ اپنے امر میں۔ پس ہر گاہ پہنچی یہ خبر عمر بن الخطاب کو۔ باہر آیا تا اینکہ داخل ہوا اوپر جناب سیدہ کے اور کہا کہ اے بنت رسول خدا ﷺ قسم بخدا کہ نہیں کوئی مخلوقات سے دوستی طرف میری مگر باپ تیرا۔ اور نہیں کوئی دوست تر نزدیک ہمارے بعد تیرے باپ کے تجھ سے۔ اور قسم بخدا کہ نہیں یہ دوستی مانع مجھ کو اس بات سے کہ اگر جمع ہوئیں یہ لوگ پاس تیرے تو حکم نہ کروں میں ان کی بات میں کہ دروازہ تیرے گھر کا ان پر جلایا جائے۔ پس جب عمر گیا اور جناب امیر و زبیر حضرت فاطمہ کے پاس آئے۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ جانتے ہو تحقیق عمر میرے پاس آیا تھا۔ اور قسم بخدا کہتا تھا کہ اگر تم آؤ گے میرے پاس۔ تو البتہ جلا دے گا اوپر تمہارے گھر میرا۔ اور قسم بخدا کہ وہ پورا کرے گا اس چیز کو جس پر اس نے قسم یاد کی ہے۔ یعنی جلانا میرے گھر کا اوپر تمہارے پس جاؤ تم در حالے کہ راشد ہو اور دیکھو رائے اپنی اور پھر نہ آؤ طرف میری۔ پس گئے علی اور زبیر جناب سیدہ کے پاس سے اور رجوع نہ کی طرف جناب سیدہ کی تا اینکہ بیعت کی ابوبکر سے۔ (انتہی بلفظہ)

۱۱۔ النار الحاطمہ ص ۱۴ میں ہے۔ در کتاب الاکتفا تصنیف ابراہیم بن عبداللہ یمنی شافعی مذکور است۔

عن اسلم انه قال حين بويع لابی بكر بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان علی والزبير ورجل اجر يدخلون على فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فيشا ورونها ويرتحعون فی امورهم فلما بلغ ذلک عمر بن الخطاب خرج حتى دخل على فاطمة فقال يا فاطمة والله مامن احدا احب الينا من ابيک وما من احدا احب له الينا بعد ابيک ومنک وايم الله ان جتمع هولاء النفر عندک لامرتهم ان يحرق عليهم البيت فلما خرج جاؤها قالت تعلمون ان عمر قد جاء وقد حلف بالله لئن عدتم ليحرقن عليكم البيت وايم الله ليمضين لما حلف عليه فانصرفوا راشدين فراوورايكم ولاترجعوا الى فانصرفوا عنها فلم يرجعوا اليها حتى بايعوا لابی بكر اخرجه عثمان ابن ابی شبية فی سننه۔

ترجمہ: اس کا موافق ترجمہ روایت کنز العمال کے ہے۔ (انتہی بلفظہ۔)

۱۲۔ النار الحاطمہ ص ۱۰۔ ۱۱ میں ہے۔ اور شاہ ولی اللہ والد صاحب تحفہ نے ازالتہ الخفا کے دوسرے مقصد میں بیچ بیان تاثر ابی بکر کے کہا ہے۔

درہمیں ایام مشکلے دیگر کہ فوق جمیع مشکلات تو ان شمرد پیش آمد آن این بود کہ زبیر و جمعے از بنی ہاشم درخانہ حضرت زہرا جمع شدہ درباب نقض خلافت ابی بکر مشور تہاںکارے بروند۔ حضرت شیخین آنرا بتدبیرے کہ بایستے برہم زوند وتدارک ملالے کے برمزاج حضرت علی مرتضٰی عارض شدہ بود بحسن ملاطفت فرمودند۔ روایت این قصہ ہر یکے چیزے را حفظ کردو چیزے ترک نمود۔ دریںجا چند روایت بنویسم تاقصہ منقح گردو۔

عن زید بن اسلم عن ابیه انه حین بویع لا بی بکر بعد رسول اللّٰہ کان علی والزبیر یدخلان علی فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فیشاورونها ویرتجعون فی امرهم فلما بلغ ذلک عمر بن الخطاب خرج حتی دخل علی فاطمه فقال یا بنت رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم مامن الخلق احب الینا من ابیک وما من احدا حب الینا بعد ابیک منک وایم اللّٰہ ماذاک بما نعی ان اجتمع هئولاء النفر عندک ان امرتهم ان یحرق علیهم البیت قال فلما خرج عمر جاوها فقالت تعلمون ان عمر قد جاءنی وقد حلف باللّٰہ لئن عدتم لیحرقن علیکم البیت وایم اللّٰہ لیمضین لما حلف علیه فانصرفوا راشدین فرؤا رابکم ولا ترجعوا الیّ فانصرفواعنها فلم یرجعوا الیها حتٰی بایعوا لا بی بکر اخر ابن ابی شیبه۔

ترجمہ: "موافق روایت جمع الجوامع وکنز العمال کے ہے۔ (انتھی)

۱۳۔ النار الحاطمہ ص ۱۲ میں ہے۔ ابن عبداللہ صاحب استیعاب نے مسند اس روایت کو اپنی کتاب میں ترجمہ ابی بکر حرف العین میں لکھا ہے۔

قال حدثنا محمد بن ابراهیم حدثنا محمد بن احمد بن احمد بن ایوب حدثنا احمد بن عمر والبزار حدثنا احمد بن یحیٰی حدثنا محمد بن حسین ثنا عبدالله بن عمر عن زید بن اسلم عن ابیه ان علیا والزبیر کانا حین بویع لابی بکر ید خلان علی فاطمه فیشاورانها ویتراجعان فی امرهم فبلغ ذلک عمر فدخل علیها عمر فقال یا بنت رسول اللّٰہ واللّٰہ

ماکن احد احب الینا من ابیک وما احد احب الینا بعدہ منک وقد بلغنی ان ہولا النفر یدخلون علیک ولئن بلغنی لا فعلن ولا فعلن ثم خرج وجاؤہا فقالت لھم ان عمر جاءنی وحلف لئن عدتم لیفعلن وایم اللہ لیفتن بھا فانظروا فی امرکم ولا ترجعوا الی فانصرفوا فلم یرجعوا حتی بایعوا ابابکر (انتہی)

ترجمہ: "اس کا موافق ترجمہ عبارت ازالہ الخفا وغیرہ کے ہے اور فتن کے معنے احراق کے ہیں چنانچہ جناب باری نے فرمایا ہے العباد یفتنون انتہی بلفظہ

۱۴۔ سید علی حائری کتاب الملل والنحل کا حوالہ یوں نقل کرتا ہے۔ کتاب الملل والنحل مطبوعہ بولان مصر صفحہ ۲۰ سطر ۲۳ میں سینوں کے امام ابو الفتح عبدالکریم شہرستانی نظام کا قول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ان عمر ضرب بطن فاطمۃ علیھا السلام یوم البیعۃ حتی القت المحسن عن بطنھا عمر کان یصیح لم توصل بمن فیھا وما کان فی الدار غیر علی وفاطمۃ والحسن والحسین (انتھی بلفظہ)

ترجمہ: "حضرت عمر نے ابوبکر صاحب کی بیعت کے روز فاطمہ زہرا کے شکم مطہر پر ضربت (چوٹ) لگائی جس کی وجہ سے صاحبزادہ محسن (نام) شکم فاطمہ۔ سے سقط ہوا۔ حضرت عمر اس وقت بلند آوز سے چیخ رہے تھے۔ کہ جلادو اس گھر کو اور جو کوئی بھی اس گھر کے اندر ہے حالانکہ ایسا کہتے وقت حضرت عمر کو علم تھا کہ اس گھر کے اندر علی فاطمہؑ حسنین کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ (موعظہ حسنہ۔ ص ۵۰)

۱۵۔ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی نے بھی بقول مصنف تحفہ اثنا عشریہ میں واقعہ کا اعتراف کیا ہے۔ کتب مذکورہ بالا کے علاوہ چند اردو اور انگریزی کتابوں کے حوالے دیئے جاتے ہیں جو کسی شمار میں نہیں کیونکہ ان کا ماخذ یہی کتابیں جن کی عبارتیں اوپر نقل کی گئی ہیں۔ اب ہم بالترتیب روایات مذکورہ بالا کی تنقید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ واللہ ھوالموافق والمعین۔

حوالہ نمبر ۱، ۲، ۳

ابو الفدا کے متعلق ابن الخیر مراکشی اپنی کتاب تحقیق المبین فی عقائد المصنفین مطبوعہ استنبول کی جلد اول ۲۹۶ پر لکھتا ہے۔ کہ:

"پردۂ تقیہ میں یعنی بڑا محتاط شیعہ ہے۔ اپنے تشیع کو عموماً چھپائے رکھتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ پھوٹ نکلتا ہے۔ تو انتہائی تعصب ظاہر کرتا ہے۔"

(دائرۃ الاصلاح لاہور کا رسالہ نمبر ۱۳۰ الموسوم بہ دفع ملعن رافضہ فی احراق باب فاطمہؓ ص ۴۲)

مجتہد لاہوری نے ابو الفدا کا حوالہ جس قدر نقل کیا ہے اس کے بعد عبارت ہے۔ "چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ باہر نکلے اور حضرت ابابکر صدیق سے آکر بیعت کی۔

یہ روایت قاضی جمال الدین ابن واصل کی ہے۔ اس نے سند اس کی ابن عبداللہ المغربی تک پہنچائی ہے۔"

مجتہد موصوف کا اس عبارت کو پس پشت کرنا بظاہر دو سبب سے ہے۔

ایک تو اس میں حضرت امیر کا بیعت کرنا مذکور ہے جو شیعہ کو نہایت ناگوار گزرتا ہے۔

دوسرے اس میں اس روایت کا ماخذ بتایا گیا ہے۔ ابو الفدا نے اپنی تاریک کے دیباچہ میں ان کتابوں کے نام دیئے ہیں

جن سے اس نے اخذ کیا ہے۔ منجملہ ان کے قاضی جمال الدین ابن واصل کی تاریخ بھی ہے۔ ابو الولید ابن شحنہ حنفی کی کتاب روضۃ المناظر تاریخ ابو الفدا کا اختصار ہے۔

چنانچہ کشف الظنون میں المختصر فی اخبار البشر کے تحت میں یوں لکھا ہے۔ **واختصرہ ایضا القاضی ابو الولید محمد بن محمد بن الشحنہ الحلبی الحنفی المتوفی سنة خمس عشرة وثمانمائة وذیله الی زمانه۔** یعنی قاضی الولید محمد بن محمد شحنہ حلبی متوفی ۸۱۵ھ نے بھی المختصر فی اخبار البشر کا اختصار کیا ہے۔ اور اپنے زمانہ تک اس کا ذیل لکھا ہے۔ (انتہیٰ)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ روایت زیر بحث کا آغاز ابن عبدربہ مغربی متوفی ۳۲۸ھ سے ہے۔ اسی واسطے عقد الفرید میں اس کا اسناد مذکور نہیں۔ ابن عبدربہ سے بالواسطہ ابن واصل متوفی ۶۹۷ھ نے بغیر تنقید کے اپنی تاریخ میں نقل کیا کیونکہ کتب سیرو تواریخ میں رطب ویابس ہر ایک قسم کی روایت درج کر دیتے ہیں۔ ابن واصل سے ابو الفدا رافضی متوفی ۷۳۲ء نے اپنی تاریخ میں نقل کیا۔ بعد ازاں ابن شحنہ حنفی نے اپنی تاریخ میں جو تاریخ ابو الفدا کا اختصار ہے بغیر تنقید کے درج کر دیا۔ ابن عبدربہ مغربی جو اس روایت کا سرچشمہ ہے اس کی نسبت کشف الظنون میں عقد الابی عمر کے تحت میں یوں لکھا ہے۔ **قال ابن کثیر بلدل من کلام علی تشیع منه۔** یعنی ابن کثیر کا قول ہے کہ اس عبدربہ کا کلام اس کے تشیع پر دلالت کرتا ہے۔ (انتہیٰ)

ابن کثیر کا قول بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ عقد الفرید میں فضائل علی بن ابی طالب کے ضمن میں لکھا ہے کہ عوام صاحب ابی نواس نے دیار۔ ربیعہ کے کسی عامل کی طرف یہ اشعار لکھے۔

بحق النبی بحق الوصی
بحق الحسین بحق الحسن
بحق التی ظلمت حقہا
ووالدھا خیر میت دفن
ترفق بار زاقنا فی الخراج
بتر فیما وبحط المؤن

ان اشعار کو دیکھ کر اس عامل نے اپنی تمام ولایت میں خراج معاف کر دیا۔ اس حکایت کے بعد ابن عبدربہ نے خلیفہ مامون کا مناظرہ درج کیا ہے جس میں فضائل علی بیان کر کے خلافت بلا فصل کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ جیسا کہ شیعہ کیا کرتے ہیں پس اس میں شک نہیں کہ اس روایت کا سرچشمہ شیعی ہے۔ لہذا بطور حجت ہم پر پیش نہیں ہو سکتی۔

حوالہ نمبر ۴

محمد بن جریر طبری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس میں کسی قدر تشیع ہے جو مضر نہیں۔ قطع نظر ازیں روایت طبری کے اسناد میں پہلا راوی ابن حمید متوفی ۲۴۸ھ ہے۔ جس پر بہت سے محدثین نے جرح کی ہے۔ چنانچہ یعقوب بن شیبہ کا قول ہے کہ وہ کثیر المناکیر ہے۔ امام بخاری فرماتے ۔ فی حدیثہ نظر امام علی کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں۔ جو زجانی کا قول ہے کہ وہ ردی المذہب غیر ثقہ ہے۔ فضلک رازی کا قول ہے کہ میرے پاس ابن حمید کی روایت سے پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے میں ایک حرف کی بھی تصدیق نہیں کرتا۔ صالح بن محمد اسدی کا قول ہے کہ میں نے کسی کو ابن حمید سے بڑھ کر خدا پر دلیر نہیں دیکھا لوگوں کی حدیثیں لے کر مقلوب کر دیتا تھا۔ ابو زرعہ کا قول ہے کہ وہ عمداً جھوٹ بولا کرتا تھا۔ مشائخ و حفاظ کا اجماع ہے کہ ابن حمید حدیث میں ضعیف ہے۔ وہ ایسی بات روایت کرتا تھا جسے اس نے نہیں سنا اہل بصرہ کوفہ کی حدیثیں لے کر ان کو اہل رائے سے روایت کرتا تھا۔

(دیکھو تہذیب التہذیب۔ ترجمہ محمد بن ابو عبداللہ الرازی)

دوسرا راوی جریر بن عبدالحمید ہے جو ثقہ ہے مگر اخیر عمر میں اس کا حافظہ خراب تھا۔ (تقریب التہذیب)

تیسرا راوی مغیرہ بن مقسم ہے جو ثقہ مگر روایت میں تدلیس کیا کرتا۔ (التہذیب باب)

پانچواں راوی زیاد بن کلیب ہے جو ثقہ ہے مگر بقول ابو حاتم حفظ میں متین نہیں۔ زیاد نے ۱۱۹ھ یا ایک سال بعد وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب۔)

تقریب التہذیب میں ہے کہ زیاد بن کلیب طبقہ سادسہ ہے جن کی ملاقت کسی صحابی سے نہیں ہوئی۔ جس واقعہ کو زیاد بیان کر رہا ہے۔ مگر وہ گیارہ ہجری کا ہے۔ اندرین حالات یہ روایت بھی قابل حجت نہیں۔ قطع نظرازین اس سے صرف تہدید احراق ثابت ہو گا جو جائے طعن نہیں جیسا کہ عنقریب بیان ہو گا۔

حوالہ نمبر۵

محمد بن عمرواقدی پرلے درجے کا مجروح ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ واقدی متروک الحدیث ہے۔ امام احمد اور ابن مبارک اور ابن نمیراور اسمٰعیل بن زکریا نے اس کی روایت کو ترک کر دیا ہے۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ وہ ضعیف ہے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ لیس بشئ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام کتابیں کذب ہیں امام نسائی نے کتاب الضعفاء میں کہا کہ جن شخصوں نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ تھوپا ہے وہ چار ہیں۔ جن میں سے تین یہ ہیں یعنی واقدی مدینہ میں۔ مقاتل خراسان میں۔ محمد بن سعید مصلوب شام میں ابن عدی کا قول ہے کہ واقدی کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ ابن مدینی کا قول ہے کہ واقدی کی بیس ہزار حدیثیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ بندار کا قول ہے کہ میں نے واقدی سے بڑھ کر کوئی کاذب نہیں دیکھا۔ ابو الحراب نے بروایت شافعی بیان کیا کہ مدینہ میں سات شخص تھے جو اسناد وضع کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک واقدی ہے۔ ابو زرعہ رازی اور ابو بشیر والابی اور عقیلی کہتے ہیں کہ واقدی متروک الحدیث ہے۔ (دیکھو تہذیب التہذیب)

علاوہ ازیں روایت واقدی کے متروک ہونے میں کوئی شک نہیں۔

حوالہ نمبر۶

احمد بن یحییٰ بلاذری ایک غیر معروف مؤرخ ہے۔ اس کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ ابو الحسن مدائنی اس کے شیوخ میں سے ہے۔ (دیباچہ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر) جس کی نسبت میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں یوں لکھا ہے:

علی بن محمد ابو الحسن المدائنی الاخباری صاحب التصانیف ذکرہ

ابن عدی فی الکامل فقال علی بن محمد بن عبداللّٰہ بن ابی یوسف المدائنی مولی عبدالرحمٰن بن سمرة ولیس بالقوی فی الحدیث وھو صاحب الاخبار قل مالہ من الروایات المسندة۔

ترجمہ: "یعنی علی بن محمد ابو الحسن مدائنی اخباری صاحب تصانیف ہے۔ ابن عدی نے کامل میں ذکر کیا ہے کہ علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف مدائنی عبدالرحمٰن بن سمرہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ وہ حدیث میں قوی نہیں اور اخباری ہے۔ اس کی روایات بالاسناد قلیل ہیں۔

(انتہی)

سلمہ بن محارب مجہول ہے۔ سلمان بن ترخان۔ للتیمی بھی جرح سے سالم نہیں۔ ابن سعد کا قول ہے کہ سلیمان تیمی حضرت علی بن ابی طالب کی طرف مائل تھا۔ یحیٰی بن معین کا قول ہے کہ وہ روایت میں تدلیس کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب)۔

ابن عون جس سے مراد غالباً عبداللہ بن عون ارطبان المزنی ہے جو طبقہ سادسہ سے ہے۔ جن کی ملاقات کسی صحابی سے نہیں ہوئی۔ (تقریب التہذیب) کیا ایسی روایت بطور حجت ہم پر پیش ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ کتب سیرو تاریخ کی ہر ایک روایت قابل اعتماد و احتجاج نہیں ہو سکتی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

حوالہ نمبر ۷

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کی روایت بالااسناد میں تفتیش خانہ فاطمہؓ مذکور ہے۔ حضرت فاروق کا قصد احراق مذکور نہیں۔ علاوہ ازیں مسعودی شیعی بلکہ رافضی ہے۔ چنانچہ لسان المیزان (مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ۔ جزء رابع۔ ص ۲۲۵) میں یوں لکھا ہے۔

وکتبہ طافحة بانہ کان شیعًا معتزلیًا حتٰی انہ قال فی حق ابن عمر انہ امتنع من بیعة علی بن طالب ثم بایع بعد ذلک یزید بن معاویة والحجاج لعبد الملک بن مروان ولہ من ذلک اشیاء کثیرة ومن کلامہ فی حق علی مانصہ لاشیاء التی استحق بھا الصحابة الفضل السبق الی الایمان والھجرة مع النبی صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم والنصرلہ والقرابة منہ وبذل النفس دونہ والعلم والقناعة والجھاد والورع والزھد والقضاء والفتیا وان لعلی من ذلک الحظ الاوفروالنصیب الاکبر الی ماینضم الی ذلک من خصائصہ بآخرتہ وبانہ احب الخلق الیہ الی غیر ذلک۔

ترجمہ: "مسعودی کی کتابیں اس مضمون سے لبریز ہیں کہ وہ شیعی معتزلی تھا یہاں تک کہ اس نے حضرت ابن عمر کے حق میں لکھا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب کی بیعت سے باز رہے۔ مگر بعد ازاں یزید بن معاویہ اور حجاج کے ہاتھ پر عبدالملک بن مروان کی بیعت کی۔ مسعودی کی کتابوں میں اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں مسعودی لکھتا ہے کہ وہ چیزیں جن کے سبب سے صحابہ کرام فضیلت کے مستحق ہیں یہ ہیں۔ ایمان لانے میں سبقت۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت اور آپ کی نصرت۔ اور آپ سے قرابت۔ اور آپ کے لئے جانثاری۔ اور علم و قناعت و جہاد و ورع و زہد وقضاء وافتاء۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ان سب میں حظ اوفر اور نصیب اکبر ہے۔ اور ان کے علاوہ آپ کے لئے آخرت کے متعلق خصائص ہیں اور آپ خدا کے نزدیک محبوب ترین خلق ہیں۔ وغیرہ (انتہی)

(دیکھو مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل۔ جزء سادس۔ ص ۲۵)

ابو الحسن مسعودی ایسا کھلا شیعی ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ کو بھی اس کے تشیع کا اعتراف ہے۔ چنانچہ شیعہ کا فخر المحققین وسند المدققین مرزا ابو الفضل طہرانی لکھتا ہے۔

مسعودی علیہ الرحمتہ کہ از اعظم قدمائے علمائے شیعہ است چنانچہ تامل مطاوی کلمات اودر مروج شاہد ست اگرچہ بعض مواضع ازروی تقیہ یا ابدائے احتمال یا نقل خبر ضعیف مطالبہ یہ کہ مخالف مذہب حق باشد ذکر فرمودہ واین معنے سبب اشتباہ محقق المعی آغا محمد علی ولد استاد اعظم شدہ برخلاف کل تصریح بعدم تشیع اوفرمودہ و خصوص کتاب اثبات الوصیتہ اوکہ معروف است اگر کسے بہ بیند جائے تردید باقی نماند و درفہرست ابو العباس نجاشی مناقب اومذکور است الخ

(شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور مطبوعہ بمبئی ص ۳۴)

یعنی مسعودی علیہ الرحمتہ بڑے قدیم علمائے شیعہ میں سے ہے۔ چنانچہ مروج المذہب میں اس کے کلمات کے مطالب پر تامل اس پر شاہد ہے۔ اگرچہ بعض جگہ بنا بر تقیہ یا اظہار احتمال یا نقل خبر ضعیف ایسے مطالب ذکر کر گیا ہے۔ جو مذہب شیعہ کے مخالف ہیں اور یہی امر محقق المعی آغا محمد علی ولد استاد اعظم کے اشتباہ کا باعث ہوا کہ اس نے سب کے برخلاف مسعودی کے عدم تشیع کی تصریح کر دی۔ اگر کوئی شخص بالخصوص مسعودی کی کتاب الوصیتہ کو جو معروف ہے دیکھ لے۔ تو جائے تردد باقی نہ رہے گی۔ ابو العباس نجاشی کی فہرست میں اس کے مناقب مشہور ہیں۔ (انتہی)

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالی بھی مسعودی کو شیعہ کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"کید بست و سوم آنکہ شخصے از علمای زیدیہ و بعضے فرق شیعہ غیر امامیہ نام برند و اول در حال او مبالغہ نمایند کہ وے از متعصبان اہل سنت بود بلکہ بعضے ازیشان گویند کہ او از اشد نواصب بود بعد ازان ازوے نقل کنند کہ دلالت بر بطلان مذہب سنیان و تائید مذہب امامیہ اثنا عشریہ نماید تا ناظر.خلط اندو گمان برد کہ این سنی متعصب کہ باوصف شدت تعصب بدون صحت نقل این روایات راچرا ے آورد بر آن سکوت چرا ے کرد مثل زمخشری صاحب کشاف کہ تفضیلی و معتزلی ست واخطب خوارزم کہ زید خالی ست و ابن قتیبہ صاحب معارف کہ رافضی مقرری است و ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہ تشیع را با اعتزال جمع نمودہ و ہشام کلبی مفسر کہ رافضی غالی است و ہمچنین مسعودی صاحب مروج الذہب وابو الفرج صاحب کتاب الاغانی وعلی ہذا القیاس امثال اینسا این فرقہ در اعداد اہل سنت داخل کنند و بمقولات و منقولات ایشان الزام اہل سنت خواہند۔" (تحفہ اثنا عشریہ۔ ص ۴۱)

"یعنی روافض کا تینیسواں فریب یہ ہے کہ زیدیہ و بعضے فرق شعیہ غیر امامیہ اثنا عشریہ کے عالموں میں سے ایک عالم کا نام لیتے ہیں۔ پہلے تو بڑے زور شور سے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ متعصبان اہل سنت میں سے تھا۔ بلکہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ نہایت سخت نواصب میں سے تھا۔ پھر اس کے حوالہ سے ایسی روایت نقل کرتے ہیں جس سے مذہب اہل سنت کی تکذیب اور مذہب اثنا عشریہ کی تصدیق ہوتی ہو۔ تاکہ پڑھنے والا غلطی میں پڑ کر گمان کرنے لگے کہ یہ متعصب سنی باوجود شدت تعصب کے ایسی روایات کو اگر صحیح نہ ہوتیں کس واسطے نقل کرتا اور اس پر سکوت کرتا۔ ایسے عالموں میں سے یہ ہیں۔ زمخشری صاحب کشاف جو تفضیلی اور معتزلی ہے۔ اخطب حوارزم جو غالی زیدی ہے۔ ابن قتیبہ صاحب معارف جو رافضی مقرری ہے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ جو شیعی معتزلی ہے اور ہشام کلبی مفسر جو غالی رافضی ہے۔ اسی طرح کے علماء میں مسعودی صاحب مروج الذہب اور ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب اغانی وغیرہ ہیں۔ روافض اس قسم کے عالموں کو اہل سنت کے عالموں میں شمار کرتے ہیں۔ اور ان کے مقولات و منقولات سے اہل سنت کو الزام دینا چاہتے ہیں۔ (انتہیٰ)

حوالہ نمبر۸

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ شیعی معتزلی۔ اس کا حال اور اس کی شرح کا سبب تصنیف ہم لکھ چکے ہیں۔ اس کی روایت اور وہ بھی بلا اسناد ہم پر حجت نہیں۔

حوالہ نمبر۹

ابن قتیبہ دو ہیں۔ ایک عبداللہ بن مسلم دینوری جو سنی ہے۔ دوسرا ابراہیم بن قتیبہ اصفہانی جو رافضی ہے۔ کتاب الامت والسیاست ابن قتیبہ رافضی کی ہے۔ ابن قتیبہ عبداللہ بن مسلم کی تصانیف کی فہرست و فیات الاعیان للقاضی ابن خلکان اور لسان المیزان للعسقلانی میں موجود ہے۔ ان میں کتاب الامامت والسیاست کا نام نہیں۔ کشف الظنون میں بھی اس نام کی کوئی کتاب مذکور نہیں۔ ابن قتیبہ دینوری کی کتاب تاویل مختلف الحدیث ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں جابجا روافض کی تردید ہے۔ کتاب الامت والسیاست کا مصنف ایسا تقیہ باز رافضی ہے کہ جہان ان امور کا ذکر ہے جو متفق علیہ فریقین ہیں۔ وہاں ان امور کو بقید۔ اسانید تحریر کرتا ہے۔ اور جہاں اصحاب ثلاثہ کی توہین کا مضمون ہے اسے بلاسند لکھتا ہے۔ چنانچہ قصد احراق بھی بلا اسناد لکھا ہے۔

حوالہ نمبر۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳

ان چاروں نمبروں میں ایک ہی روایت منقول ہے۔ مگر اس کا پورا اسناد صرف استیعاب ابن عبد البر میں مذکور ہے۔ چونکہ استیعاب میں قصد احراق کی تصریح نہیں۔ اس لئے روافض دوسری نقلوں سے مطابق کرنے کے لئے اس میں تصرف کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ روایت استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ میں ہے۔ وایم اللّٰہ لیفین بھا یعنی قسم بخدا کہ وہ ضرور اسے پورا کرے گا۔ بجائے اس کے مصنف نشید المطاعن نے وایم اللّٰہ لیفتن بھا لکھا اور فتن کے معنے احراق بتائے جیسا کہ علی النار یفتنون میں ہیں۔ سید محمد مجتہد لکھنوی نے طعن الرماح ص ۹۴، ۹۵ میں لیفتن لھا لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ ہرائنہ خواہد سوزانید برائے خلافت۔ مگر اتنے تصرف پر بھی قصد احراق باب یا بیت ثابت نہیں ہوتا۔ مفردات راغب میں ہے۔

اصل الفتن ادخال الذهب فی النار لتظهر جودة من ردابته واستعمل فی ادخال الانسان النار قال هم علی النار یفتنون۔

ترجمہ: "یعنی فتن کے اصل معنے سونے کا آگ میں ڈالنا ہے تاکہ اس کا کھرایا کھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے۔ اور انسان کے آگ میں ڈالنے کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔"

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ هم علی النار یفتنون۔ لہٰذا برتقدیر تسلیم صحت لیفتن کا مفعول انسان ہوں گے۔ نہ باب یا بیت علاوہ ازیں بہا میں ہا کا مرجع مذکور نہیں۔ اسی واسطے مجتہد لکھنوی نے بہا کی

جگہ لما لکھا ہے۔ اور خلافت کو مرجع قرار دیا۔ جو اعتراض سے خالی نہیں۔ کنز العمال اور کتاب الاکتفا اور ازالۃ الخفا میں ہے۔ لیمضین لما حلف علیه۔ اور یہ لیفین بما کا ہم معنے ہے۔ لہٰذا لیفین بماہی درست ہے۔ قطع نظر ازیں روایت استیعاب کے اسناد میں کلام ہے۔ صاحب تشیید المطاعن نے جو اسناد کے شروع میں قال حدثنا محمد بن ابراهیم لکھا ہے۔ وہ استیعاب مطبوعہ میں موجود نہیں۔ استیعاب مطبوعہ میں اسناد یوں شروع ہوتا ہے حدثنا محمد بن احمد حدثنا محمد بن ایوب الخ۔ اس اسناد میں احمد بن عمرو البزار جو مذکور ہے۔ اس کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے۔

احمد بن عمر والحافظ ابوبکر البزار صاحب المسند الکبیر صدوق مشهور قال ابو احمد الحاکم یخطی فی الاسناد والمتن یروی عن الفلاس وبندار والطبقة وقال الحاکم سالت الدار قطنی عنه فقال یخطی فی الاسناد والمتن حدث بالمسند بمصر حفظًا ینظر فی کتب الناس ویحدث من حفظه ولم یکن معه کتب فاخطأ فی احادیث کثیرة۔ جرح النسائی وهو ثقة یخطی کثیرا۔

ترجمہ: "یعنی حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بزار صاحب مسند کبیر صدوق مشہور ہے۔ ابو احمد حاکم کا قول ہے کہ وہ اسناد و متن میں خطا کرتا ہے۔ اور فلاس و بندار اور اس طبقہ سے روایت کرتا ہے۔ حاکم کا بیان ہے کہ میں نے دار قطنی سے اس کی نسبت پوچھا تو دار قطنی نے جواب دیا کہ وہ اسناد اور متن میں خطا کرتا ہے۔ اس نے مصر میں بطریق حفظ مسند کی روایت کی بدین طور کہ وہ لوگوں کی کتابوں میں دیکھتا تھا اور حفظ روایت کرتا تھا اور اس کے پاس کتابیں نہ تھیں۔ پس اس نے بہت سی حدیثوں میں خطا کی۔ امام نسائی نے اس پر جرح کی ہے۔ اور وہ ثقہ ہے مگر خطا بہت کرتا ہے۔" (انتہیٰ)

لسان المیزان میں ہے۔

روی عنه من اهل اصبهان ابو الشیخ وابو احمد العسالی وابو القاسم الطبرانی وغیرهم ومن اهل مصر ابوبکر بن المهندس ومحمد ابن ایوب بن الصموت والحسن بن دشیق وغیرهم ومن اهل بغداد ابن قانع وابن سالم وابن نجیح وغیرهم۔

ترجمہ: "یعنی ابوبکر البزار سے روایت کی ہے اہل اصفہان میں سے ابو الشیخ وابو احمد عسال

اور ابو القاسم طبرانی وغیرہ نے اور اہل مصر میں سے ابوبکر بن مہندس اور محمد بن ایوب بن صموت اور حسن بن رشیق وغیرہ نے اور اہل بغداد میں سے ابن قانع اور ابن سالم اور ابن نجیح وغیرہ نے۔" (انتہیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ اسناد زیر بحث میں محمد بن ایوب جو مذکور ہے وہ محمد بن ایوب بن صموت ہے۔

حسن المحاضرہ للسیوطی (جزء اول۔ ص ۱۷۳) میں ہے۔

محمد بن ایوب بن الصموت الرقی نزیل معر روی عن ھلال بن العلاء وطائفة مات سنة احدی واربعین وثلاث مائة

ترجمہ: "یعنی محمد بن ایوب ابن صموت رقی متوفی ۳۴۱ نزیل مصر نے ہلال بن علاء اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ (انتہیٰ)

محمد بن ایوب کی تجریح یا توثیق کا حال معلوم نہیں۔

تہذیب التہذیب میں صرف ایک محمد بن ایوب الرقی مذکور ہے۔ جس کی نسبت لکھا ہے۔ قال ابو حاتم ضعیف وقال ابن حبان کان یضع الحدیث یعنی ابو حاتم کا قول ہے کہ محمد بن ایوب رقی ضعیف ہے اور ابن حبان کا قول ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (انتہیٰ)

عبداللہ بن عمر کی نسبت میزان الاعتدال میں یوں لکھتا ہے:

عبداللّٰہ بن عمر بن حاطب الجمحی الحاطبی المدنی المکفوف روی عن زید بن اسلم و ھشام بن عروۃ وعنه الحمیدی ومحمد ابن مھران الرازی وھشام بن عمار قال ابو حاتم محله الصدق والمخزومی احب الینا قلت ومالھذا شی فی الکتب۔

ترجمہ: "عبداللہ بن عمر بن حاطب جمحی حاطبی نابینا۔ اس نے زید بن اسلم اور ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے۔ اور اس سے حمیدی اور محمد بن مہران رازی اور ہشام بن عمار نے روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ محل صدق ہے اور مخزومی ہمارے نزدیک محبوب تر ہے۔ اس پر علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ کتب رجال میں اس کا کچھ ذکر نہیں۔" (انتہیٰ)

میزان الاعتدال میں اس نابینا حاطبی کا ترجمہ عبداللہ بن اُبی لیلیٰ کے بعد اور عبداللہ بن محمد بن عمر سے پہلے لکھا ہے۔ اس بے ترتیبی سے خیال گزرتا ہے۔ کہ یہ ترجمہ الحاقی ہے۔ بہرحال عبداللہ حاطبی نابینا

مجہول ہے۔ اسی پر کیا موقوف ہے محمد بن حسین اور محمد بن یحییٰ بھی مجاہیل میں سے ہیں۔ اگر باوجود ایسے اسناد کے اس روایت کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس کا جواب خود شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دے دیا ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ بتقدیر تسلیم اس روایت سے کوئی طعن حضرات شیخین پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ان کے مناقب و مآثر میں شمار ہو سکتی ہے۔ دائرۃ الاصلاح لاہور کے رسالہ نمبر ۳۰ میں اس روایت کے متعلق یوں لکھا ہے۔ "اس روایت سے سرکار شریعت مدار کو معلوم ہو گا کہ احراق باب فاطمہ رضی اللہ عنہا ہرگز ہرگز وقوع میں نہیں آیا۔ بلکہ اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ ثانی نے جمع ہونے والوں کو جو کچھ کہا ہے موثر و کارگر ثابت ہوا فہو المراد۔ مکرر غور سے یہ روایت یہ بھی ثابت کرتی ہے۔ کہ جناب سیدہ کا بنو ہاشم کو منع فرمانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاموشی بلکہ اس واقعہ کے بعد حضرت صدیق کی بیعت فرمانا در حقیقت حضرت عمرؓ کی تائید تھی۔ ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنہیں بعض لوگ نقض انتظام خلافت کے لئے مجبور کر رہے تھے اور وہ خود جیسا کہ نہج البلاغہ میں مذکور ہے اس کے مخالف تھے اس مخمصے سے اپنے آپ کو رہا کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی خواہش کی ہو۔ روایت سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ کہ سیدہ مطہرہ اس بات سے معاذ اللہ رنجیدہ ہوئی ہوں یا انہوں نے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور یا اکابر بنو ہاشم نے اس پر احتجاج کیا ہو۔ اگر فی الحقیقت یہ امران پر گراں گزرتا۔ تو وہ ضرور اسے اپنی آزادی کے منافی تصور کرتے ہوئے اس کا ازالہ یا دفعیہ کی کوشش کرتے۔ بلکہ خاتون قیامت کے فرمانے پر بنو ہاشم کا منتشر ہونا اور یکے بعد دیگرے حضرت صدیق کی بیعت میں آنا اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کر رہا ہے کہ بنو ہاشم کی جماعت نے خلافت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متفق ہو کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ غلط راہ اختیار کرتے۔ تو ضرور سر پھٹول تک نوبت پہنچتی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ وہ حقیقت کو پہنچ گئے۔ اور صدیق اکبر سے مسلمانوں کا شیرازۂ اتحاد قائم رہا۔

حوالہ نمبر ۱۴

شہرستانی کی کتاب ملل و نحل کے متعلق ہم پہلے کافی لکھ چکے ہیں۔ ملل و نحل میں مختلف مذاہب و فرق کے معتقدات و دیگر حالات درج ہیں۔ اگر شہرستانی نے معتزلہ کے فرقہ نظامیہ کے بانی کا قول نقل کر دیا۔ تو اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ شہرستانی نظام کا ہم مذہب و ہم خیال ہے۔ ورنہ شہرستانی کا عیسائی یہودی مجوسی وغیرہ ہونا تسلیم کرنا پڑے گا وھذا کما ترے۔ نظام مذکور معتزلی ہے۔ شہرستانی نے لکھا ہے۔ کہ وہ دیگر معتزلہ سے تیرہ امور میں منفرد ہے اس میں سے جو گیارھواں امر ہے اس کا ایک جزو مجتہد لاہوری نے نقل کیا ہے۔ شہرستانی اس امر کو یوں ذکر کرتا ہے۔

الحادية عشر ميله الى الرفض ووقيعته فى كبار الصحابة قال اولا لا امامة الا بالنص والتعيين ظاهرا مكشوفًا وقد نص النبى صلى الله عليه وآله وسلم على على كرم الله وجه فى مواضع واظهره اظهاراً لم يشتبه على الجماعة الا أن عمر كتم ذلك (الخ)

ترجمہ: "یعنی گیارہواں امر یہ ہے کہ نظام کی رغبت رفض اور کبار صحابہ کی بدگوئی کی طرف تھی۔ اس کا قول تھا کہ امامت سوائے نص و تعیین ظاہر کے نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر خدا ﷺ نے کئی جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں نص کی اور اسے ایسا ظاہر کیا کہ جماعت کو شک و شبہ نہ رہا۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھپا لیا۔ (انتہیٰ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں لکھتے ہیں۔

ابراهيم بن سيار بن هانى النظام ابو اسحٰق البصرى مولى بنى بحير بن الحارث بن عباد الضبعى من رؤس المعتزلة منهم بالزندقة وكان شاعرا اديبا بليغاوله كتب كثيرة فى الاعتزال والفلسفة ذكرها النديم۔ قال ابن قتيبة فى اختلاف الحديث له كان شاطرا من الشطار مشهوراً بالفسق ثم ذكر من مفرداته انه كان يزعم ان الله يحدث الدنيا وما فيها فى كل حين من غيران يقيمه وجوزان۔ يجتمع المسلمون على الخطاء وان النبى صلى الله عليه وآله وسلم لم يختص بانه بعث الى الناس كافة بل كل نبى قبله بعثته كانت الى جميع الخلق كان معجزة النبى تبلغ افاق الارض فيجب على كل من سمعها تصديقه واتباعه وان يجمع كنايات الطلاق لا يقع بها طلاق سواء نوى اولم ينووان النوم لا ينقض الوضوء وان السبب فى اطباق الناس على وجوب الوضوء على النائم ان العادة جرت ان قائم الليل اذا قام بادر الى النحل وربما كان بعينيه رمص فلما رأو اوائلهم فانتهبوا توضئوا ظنوا ان ذلك لاجل النوم وعاب على ابى بكر وعمرو على وابن مسعود الفتوى بالراى مع ثبوت النقل عنهم فى ذم القول بالرأى وقال عبدالجبار المعتزلى فى طبقات المعتزلة كان اميام ولا يكتب۔

ترجمہ: "یعنی ابو اسحاق نظام ابراہیم بن سیار بن ہانی بصری (بنو بجیر بن حارث بن عباد ضبعی کا آزاد کردہ غلام) بڑا معتزلی اور بے دینی سے متہم ہے۔ وہ شاعر اور ادیب بلیغ تھا۔ اعتزال اور فلسفہ میں اس کی بہت سی کتابیں ہیں جن کا ذکر ندیم نے کیا ہے۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب مختلف الحدیث میں بیان کیا ہے، کہ نظام شوخ و بے باک اور فسق میں مشہور تھا۔ پھر اس کے مفردات کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ قائل تھا کہ خدا تعالیٰ ہر وقت دنیا اور وما فیہا کو بغیر فنا کرنے کے متجدد کرتا رہتا ہے۔ اور قائل تھا کہ جائز ہے کہ مسلمان خطا پر متفق ہو جائیں۔ چنانچہ وہ متفق ہو گئے ہیں۔ کہ حضور پیغمبر ﷺ کے سوا باقی تمام پیغمبر ساری مخلوقات کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ حالانکہ آپ سے پہلے ہر ایک نبی تمام مخلوقات کی طرف مبعوث ہوا۔ کیونکہ ہر ایک نبی کا معجزہ تمام آفاق زمین میں پہنچ گیا۔ لہٰذا جس نے اس معجزے کو سنا۔ اس پر اس نبی کی تصدیق اور اتباع واجب ہوتا تھا۔ اور وہ قائل تھا کہ کنایات سے خواہ نیت طلاق کی ہو یا نہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور قائل تھا کہ نیند سے (خواہ لیٹ کر ہو) وضو نہیں ٹوٹتا۔ لوگوں نے جو اجماع کیا ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت یوں ہے کہ انسان جب صبح کو اٹھتا ہے تو قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اس کے گوشۂ چشم میں میل ہوتی ہے۔ اس لئے وضو کرتا ہے۔) لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے اوائل صبح کو اٹھ کر وضو کرتے تھے۔ تو ان کو یہ غلط گمان ہوا کہ ان کا وضو کرنا نیند کے سبب سے تھا۔ نظام نے حضرات ابوبکر و عمر و علی و ابن مسعود پر طعن کیا ہے۔ کہ وہ رائے سے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان سے قول بالرائے کی تہمت منقول ہے۔ عبدالجبار معتزلی نے طبقات المعتزلہ میں لکھا ہے کہ نظام ان پڑھ تھا۔ لکھ نہ سکتا تھا۔ (انتہیٰ)

اب ناظرین فیصلہ فرمالیں کہ نظام کا قول اہل انصاف کے نزدیک کیا وقعت رکھ سکتا ہے۔

حوالہ نمبر ۱۵

مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز مصنف تحفہ اثنا عشریہ کو بھی اس واقعہ کا اعتراف ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کے نزدیک یہ قصہ سراسر بہتان و افترا ہے۔

چنانچہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۹۲ میں فرماتے ہیں۔

"طعن دوم آنکہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت سیدۃ النساء را بسوخت و بر پہلوے مبارک آن معصومہ شمشیر خود صدمہ رسانیدہ کہ موجب اسقاط حمل گردید۔ و این قصہ سراسر واہی و بہتان و افتراست

ہیچ اصلے ندارد۔ والہذا اکثر امامیہ قائل این قصہ نیستند و گویند کہ قصد سوختن آن خانہ مبارک کردہ بود لکن بعمل نیاورد" (انتہی)

دوسری جگہ (تحفہ اثنا عشریہ۔ ص ۳۴۵) فرماتے ہیں۔

"آنچہ در قصد تنفذ و احراق باب دار فاطمہ و خلانیدن شمشیر بہ پہلوے سیدۃ ذکر کردہ اندہمہ ازاکا ذیب و افترا آت شیاطین کوفہ است کہ پیشوایان شیعہ در وافض بودہ اند۔ ہرگز در ہیچ کتاب اہل سنت بطریق صحیح ونہ بطریق ضعیف موجود است۔ (انتہی)

اگر قصد احراق کی روایت کو بطریق تنزل صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو اس کا جواب یوں ہو گا۔ کہ قصد امور قلبیہ سے ہے جس پر خدا تعالٰی کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ محض قصد پر کوئی جرم یا اعتراض عائد نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت وارد ہے۔ وھم بھا (اور قصد کیا یوسف نے زلیخا کا) جب حضرت یوسف پر اس قصد سے کوئی عتاب نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ محض قصد جرم نہیں تاوقتیکہ وہ فعل وقوع میں نہ آئے۔ پس جب حضرت فاروق اعظم سے احراق وقوع میں نہیں آیا۔ تو ان پر محض بوجہ قصد طعن کرنا خلاف قرآن ہے۔ سباق و سیاق کلام سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد واسطے تہدید ان اشخاص کے تھا جو جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء کے گھر میں بیٹھ کر نقض خلافت کے لئے مخالفانہ کمیٹیاں اور بیجا مشورے کیا کرتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم کیسے مدبر و منتظم تھے کہ جن کی ذات نے اٹھتے ہوئے فتنہ کو کیسی عمدہ تدبیر سے فرو کر دیا۔ اگر خدانخواستہ مخالفین بیعت کی سازشیں قائم رہتیں۔ تو جماعت اسلام کا شیرازہ اتحاد پراگندہ ہو جاتا۔ اور وہی خانہ جنگیاں پیش آتیں جو جناب امیرؓ کے عہد میں پیش آئیں۔ اور اسلام ایک انچ بھر ترقی نہ کرتا۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں جو نماز کی جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے فرمایا کہ اگر وہ باز نہ آئیں گے۔ تو میں ان پر گھروں کو جلا دوں گا۔ جس طرح یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تہدید کے لئے تھا۔ اسی طرح ارشاد فاروقی بھی تہدید کے لئے تھا۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو تحفہ اثنا عشریہ کا مطالعہ کیجئے۔

کسر شان اہل بیت کی دوسری مثال جو مصنف نے بحوالہ کتاب الامامت والسیاست پیش کی ہے۔ یہ ہے کہ جب علیؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے۔ تو علیؓ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیعت کرو۔ علی نے کہا کہ اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ کہ اس حالت میں ہم لوگ تمہاری گردنیں کاٹیں گے۔ علی نے کہا کہ

کیا ایک بندہ خدا اور رسول اللہ کے بھائی کو قتل کرو گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بندۂ خدا تو خیر۔ مگر رسول اللہ کا بھائی غلط الخ" چونکہ یہ روایت بھی بلاسند بحوالہ کتاب الامامت والسیاست لکھی گئی ہے۔ اس لئے اہل سنت و جماعت پر حجت نہیں۔

تیسری مثال مصنف نے بغیر حوالہ کے پیش کی ہے۔ کہ شیعہ کے اجماع کو اہل سنت معتبر نہیں سمجھتے لہٰذا اس میں بھی اہل بیت کی شان کی تنقیص ہے۔ اجماع شیعہ کے غیر معتبر ہونے کا بیان پہلے آچکا ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ چوتھی مثال کسر شان اہل بیت کی متعلق بہ القاب ہے جس کا ذکر اب آتا ہے۔

قال السید امداد امام

خطاب صدیق اکبر پر نظر

جاننا چاہیے کہ صدیق اکبر کا خطاب خاص حضرت علی کا ہے۔ اور آپ کے سوا کسی دوسرے کا ہو نہیں سکتا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بہ تحقیق یہ وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے۔ اور اس امت میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ اور مومنوں کا امیر ہے۔ اور یہ شخص وہ ہے جو قیامت کے روز سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرے گا اور یہ صدیق اکبر ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یوں واقع ہے:

عن سلمان الفارسی و ابوزر الغفاری قال اخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلم بید علی فقال ان ھذا اول اٰمن بی وھذا فاروق ھذہ الامۃ وھذا یعسوب المومنین وھذا اول من یصافحنی یوم القیٰمۃ وھذا الصدیق الاکبر اخرجہ الطبرانی والدیلمی والطبرانی من الکبیر من سند سلمان)

دوسری حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے:

عن ابی ذر الغفاری قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم یقول لعلی انت اول من اٰمن بی وصدق وانت الصدیق الاکبر (اخرجہ الحاکم نقلت من ریاض النضرۃ)

ترجمہ: "یعنی حضرت ابو ذر غفاری روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا ہے کہ علی سے آپ فرما رہے تھے کہ تو وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور میری تصدیق کی ہے اور تو صدیق اکبر ہے۔"

تیسری حدیث نبویؐ یہ ہے۔

عن ابن عباس وابی لیلٰی قالٰ قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله وسلم الصدیقون ثلاثه حبیب النجار مومن الیاسین الذی قال یقوم اتبعوا المرسلین وحزقیل مومن اٰل فرعون الذی قال اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللّٰه وعلی بن ابی طالب وهو افضلهم (اخرجه البخاری عن ابن عباس واحمد عن ابی لیلٰی)

ترجمہ: "یعنی ابن عباس اور ابو لیلٰیؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ حسب فرمودۂ رسول اللہ ﷺ صدیق تین ہیں۔ اول حبیب النجار جو حواریین حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لانے والا تھا۔ اور جس نے یہ کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگوں نبیوں کی متابعت کرو۔ دوم حزقیل جو گروہ فرعون سے تھا مگر خدا پر ایمان لایا تھا اور جس نے یہ کہا تھا کہ اے میری قوم والو کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پالنے والا خدا تعالٰی ہے۔ تیسرے علی بن ابی طالب اور آپ ان دونوں سے افضل ہیں۔ اس حدیث نبوی ﷺ سے ظاہر ہو گیا کہ تین حضرات کے بعد کوئی اور شخص صدیق نہیں ہے۔ یوں کہنے کے لئے جس کو جو شخص صدیق کے خطاب سے یاد کرے مختار ہے۔

چوتھی حدیث نبوی ﷺ یہ ہے:

عن ابن عباس فی قوله تعالٰی من یطع اللّٰه والرسول فاولئک مع الذین انعم اللّٰه علیهم۔ قال علی یارسول اللّٰه هل نقدر علی ان نراک فی الجنة۔ قال یا علیؑ ان لکل نبی رفیق اول من اسلم من امته۔ فنزلت هذه الایة اولئک مع الذین انعم اللّٰه علیهم من النبین والصدقین والشهدآء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ فدعا رسول اللّٰه صلی الله علیه وآله وسلم علیا فقال ان اللّٰه تعالٰی قد انزل بیان ماسالت فجعلک رفیقی لانک اول من اسلم وانت الصدیق الاکبر (تفسیر ابن الحجام)

ترجمہ: "یعنی حضرت ابن عباس اس قول خدا کے متعلق اور جن لوگوں نے خدا اور خدا

کے رسول کی اطاعت کی ہے پس وہ لوگ ان کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت اتاری ہے۔" روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ آیا ہم حضور کو جنت میں بھی دیکھ سکیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا رہا ہے۔ جو اس پر سب سے پہلے اسلام لاتا رہا ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ "وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے اپنی نعمت نازل کی ہے۔ یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے اور یہ لوگ ان کے اچھے رفیق ہونگے۔" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور فرمایا کہ اے علیؑ خدا تعالیٰ نے تیرے سوال کا جواب نازل فرمایا ہے اور تجھے میرا رفیق بنایا ہے۔ کیونکہ تو سب سے پہلے مجھ پر اسلام لایا ہے۔ اور تو صدیق اکبر ہے۔

پانچویں حدیث نبوی خود بروایت علیؑ ہے۔ جس میں آنحضرتؐ نے حضرت کو **هذا الصدیق الاکبر** علی بن ابی طالب فرمایا۔ اختصار کی نظر سے راقم اس حدیث کو درج ہذا نہیں کرتا ہے مگر یہ حدیث مستند ہے اور اس کے اخراج کرنے والے ابو جعفر العقیلی ہیں۔ اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں ہم چار شخصوں کے سوا پانچویں شخص سوار نہ ہو گا۔ انصار میں سے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ چار شخص کون ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک تو وہ میں ہوں کہ براق پر سوار ہوں گا اور میرے بھائی صالح نبی اس ناقہ اللہ پر سوار ہوں گے جس کے پاؤں کاٹے گئے تھے۔ اور میرے چچا حمزہ ناقہ عضبا پر سوار ہونگے۔ اور میرے بھائی علی جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہوں گے۔ اور ان کے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پکارتے ہونگے۔ تمام آدمی کہیں گے یہ کوئی مقرر فرشتہ ہے یا نبی مرسل یا حامل عرش۔ عرش کے اندر سے ایک فرشتہ جواب دے گا کہ اے اشخاص نہ یہ مقرب فرشتہ ہے اور نہ نبی مرسل یا حامل عرش یہ صدیق اکبر علی بن ابی طالب ہے۔ (مصباح الظلم۔ ص ۵۴۔ ۵۵)

اقول

مصنف نے لقب و خطاب میں تمیز نہیں کی۔ کوئی حدیث تاوقتیکہ مرفوع متصل صحیح الاسناد ثابت نہ ہو بطور حجت پیش نہیں ہو سکتی۔ مصنف نے پانچوں حدیثوں میں سے ایک کا بھی پورا اسناد نقل نہیں کیا تاکہ تنقید ہو سکے۔ صرف ایک ایک راوی اور مخرج بتایا گیا ہے۔ تاکہ عوام کیا بعضے علماء بھی مغالطہ میں پڑ جائیں۔ اور ان کو صحیح خیال کرنے لگیں۔ پہلی حدیث بروایت سلمان بحوالہ طبرانی و دیلمی لکھی جو ہمارے پاس موجود نہیں۔ ہاں یہی حدیث عقیلی نے بروایت ابن عباس یوں نقل کی ہے۔ (العقیلی)

حدثنا علی بن سعید الرازی حدثنا عبداللّٰہ ابن داھر بن یحیٰی الرازی حدثنا ابی عن الاعمش عن عبایة الاسدی عن ابن عباس انه قال ستکون فتنة فان ادرکھا احد منکم فعلیه بخصلتین کتاب اللّٰہ وعلی بن ابی طالب فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول وھو اخذ بیدی علی ھٰذا اول من اٰمن بی وھو اول من یصافحنی یوم القیامة وھو فاروق ھٰذہ الامة یفرق بین الحق والباطل وھو یعسوب المومنین والمال یعسوب الظلمة وھو الصدیق الاکبر وھو بابی الذی اوتی منه وھو خلیفتی من بعدی۔ ابن داھر قال العقیلی کان ممن یغلو فی الرفض ولا یتابع علی حدیثه وانه کذاب (لا الٰی الصنوعه فی الاحادیث الموضوعة جزء اول۔ ص ۱۶۸)

اس روایت میں روایت سلمان کا تمام مضمون مع زیادت موجود ہے۔ عقیلی نے اسے نقل کر کے بتا دیا ہے کہ اس کے اسناد میں عبداللہ بن داہر جو ہے وہ غالی رافضی اور کذاب ہے۔ لالی المصنوعہ میں اس روایت کا ایک اور طریق نقل کیا ہے۔ مگر اس کے اسناد میں اسحاق بن بشر کذاب ہے جو حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ دوسری حدیث یعنی روایت ابو ذر کو بزار نے یوں نقل کیا ہے۔ (البزار)

حدثنا عباد بن یعقوب حدثنا ابن ھاشم حدثنا محمد بن عبیداللّٰہ بن ابی رافع عن ابیه عن جدہ ابی رافع عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال لعلی بن ابی طالب انت اول من اٰمن بی وانت اول من یصافحنی یوم القیمة وانت الصدیق الاکبر وانت الفاروق تفرق بین الحق والباطل وانت یعسوب المومنین والمال یعسوب الکفار۔ موضوع محمد بن

عبید اللّٰہ لیس بشئ وعباد متروک (قلت) قال الحافظ ابن حجر فی زوائد البزار اسناد واہ و محمد منهم وعباد من کبار الروافض وان کان صدوقافی الحدیث واللّٰہ اعلم (للالی المصنوعہ۔ (جزء اول۔ ص ۱۶۸)

بزار نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ کیونکہ محمد بن عبید اللہ لاشے ہے اور عباد متروک ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے زوائد بزار میں فرمایا کہ یہ اسناد ضعیف ہے۔ محمد بن عبید اللہ متہم ہے اور عباد بڑے رافضیوں میں سے ہے گو حدیث میں صدوق ہے۔ واللہ اعلم۔ میزان الاعتدال میں عباد کا ترجمہ بدین الفاظ شروع ہوتا ہے۔ عباد بن یعقوب الاسدی والرواجنی الکوفی من علاۃ الشیعۃ ورؤس البدع۔ یعنی عباد غالی شیعی اور بڑا بدعتی ہے۔ مصنف نے اس روایت کے لئے حاکم کا حوالہ دیا ہے۔ مگر مستدرک میں مجھے نہیں ملی۔ ابو عبداللہ حاکم کا رفض و تشیع مشہور ہے۔ شیخ الاسلام تاج سبکی حاکم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

فوجدنا الطاعنین یذکرون ان محمد بن طاهر المقدسی ذکر انه سال ابا اسماعیل عبداللّٰہ بن محمد الانصاری عن الحاکم ابی عبدالله فقال ثقة فی الحدیث رافضی خبیث وان بن طاهر هٰذا قال انه کان شدید التعصب للشیعة فی الباطن وکن یظهر التسنن فی التقدیم والخلافة الخ

(طبقات الشافعیۃ الکبری۔ جزء ثالث ص ۶۸)

ترجمہ: ”یعنی ہم نے دیکھا کہ طاعنین ذکر کرتے ہیں کہ محمد بن طاہر مقدسی نے ذکر کیا کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری سے ابو عبداللہ حاکم کی نسبت دریافت کیا۔ ابو اسماعیل نے جواب دیا کہ حاکم حدیث میں ثقہ خبیث رافضی ہے۔ اور ابن طاہر مذکور کا قول ہے کہ حاکم در پردہ شیعہ کی طرفداری میں بڑا متعصب تھا اور تفضیل و خلافت میں اپنا سی ہونا ظاہر کرتا تھا۔ الخ (انتہی)

مستدرک کے مطالعہ سے حاکم کے رفض کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ یا حدیث طیر۔ حضرت علیؓ کا قائد الغرا المجلین ہونا۔ اور قتال نا کثین و قاسطین ومارقین کے لئے مامور ہونا اہل بیت کا امت کے لئے اختلاف سے امان ہونا۔ علیؓ کا صدیق اکبر اور سید العرب ہونا وغیرہ سب اس میں موجو ہے۔

علامہ ذہبی نے حدیث طیر کے تحت میں یوں لکھا ہے:

ولقد کنت زمانا طویلا اظن ان حدیث الطیر لم یجسر الحاکم ان یودعه

فی مستدرک فلما علقت هذا الکتاب رأیت الهول۔ من الموضوعات التی فیه فاذا حدیث الطیر بالنسبة الیها سماء

(مستدرک مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ جزء ثالث۔ ص ۱۳۱)

ترجمہ: "بے شک میں زمانہ دراز تک گمان کرتا رہا کہ حاکم حدیث طیر کو اپنی مستدرک میں ذکر کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ جب میں نے اس کتاب کی تلخیص کی۔ تو میں نے ان موضوع روایتوں سے جو اس میں ہیں دہشت کھائی۔ حدیث طیر تو ان کی نسبت سماء ہے۔

(انتہیٰ)

چوتھی حدیث جو بحوالہ تفسیر ابن الحجام نقل کی گئی ہے۔ اس کی نسبت کیا گذارش کروں۔ میں نے تفاسیر اہل سنت میں اس نام کی کوئی تفسیر نہ دیکھی نہ سنی۔ ہاں اس کا مضمون متعلق حضرت علیؓ پہلی اور دوسری حدیث کے مضمون سے بہت ملتا ہے۔ ان دونوں کی طرح یہ بھی موضوع ہے۔

پانچویں حدیث لآلی المصنوعہ (جزء اول۔ ص ۱۹۶) میں یوں نقل کی گئی ہے:

قال شاذان الفضلی فی فضائل علی حدثنا ابو طالب عبداللّٰہ بن محمد بن عبداللّٰہ الکاتب بعکبرا حدثنا ابو القاسم عبدالله ابن محمد بن غیاث الخراسانی حدثنا احمد بن عامر بن سلیم الطائی حدثنا علی بن موسٰی الرضی حدثنی ابو موسٰی عن ابیه جعفر عن ابیه محمد عن ابیه علی عن ابیه الحسین عن ابیه علی بن ابی طالب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یا علی لیس فی القیامة رکب غیرنا ونحن اربعة فقام رجل من الانصار فقال فداک ابی و امی من هم قال انا علی البراق واخی صالح علی ناقة اللّٰہ التی عقرت وعمی حمزة علی ناقتی العضباء واخی علی ناقة من نعوق الجنة بیده لواء الحمد ینادی لا اله الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ فیقول الا دمیون ماهذا الا هلک مقرب اوبنی مرسل اوحامل عرش فیجیبهم ملک من بطنان العرش یا معشر الارمیین لیس هذا بملک مقرب ولا نبی مرسل ولا حامل عرش هٰذا الصدیق الاکبر علی بن ابی طالب۔ ابن عامر الطائی روی عن اهل البیت نسخة باطلة[illegible] اللّٰہ اعلم۔

یہاں شاذاں فضلی نے خود بتا دیا ہے کہ راوی ابن عامر طائی نے اہل بیت سے باطل نسخہ روایت کیا

ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی موضوع ہے۔

تیسری حدیث کے لئے مصنف نے امام بخاری و امام احمد کا حوالہ دیا ہے۔ تفسیر در منثور میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے اسے اپنی تاریخ میں بروایت ابن عباس نقل کیا ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ تاریخ صغیر مراد ہے یا کبیر۔ در منثور میں روایت ابی لیلیٰ کے ناقلین میں امام احمد کا نام درج نہیں۔ تفسیر در منثور کی روایات کے متعلق ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ وہ تنقید طلب ہیں۔ جب تک ان کی صحت ثابت نہ ہو وہ قابل تسلیم نہیں۔ مگر اس حدیث کا پورا اسناد مذکور نہیں تاکہ تنقید ہو سکے۔ اس حدیث سے صدیق کا انحصار تین میں سمجھنا سراسر غلط ہے۔

اس کی نسبت ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ (جزء ثالث ص ۷) میں یوں لکھا ہے:

ان هذا كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه قد ثبت عنه فى الصحيح انه وصف ابابكر رضى الله عنه بانه صديق وفي الصحيح عن ابن مسعود رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال عليكم بالصدق فان الصدق يهدى الى البروان البر يهدى الي الجنة ولا يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عندالله صديقا واياكم والكذب فان الكذب يهدى الى الفجور والفجور يهدى الى النار ولا يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذابًا فهذا يبين ان الصديقين كثيرون وايضًا فقد قال تعالٰى عن مريم بنت عمران انها صديقة وهى امرأة۔

ترجمہ: "یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر کذب ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے ابوبکر کو صدیق فرمایا۔ اور صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم صدق کو لازم پکڑو کیونکہ صدق نیکوئی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکوئی بہشت کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان سچ بولتا اور سچ بولنے کا قصد کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے۔ تم کذب سے بچو۔ کیونکہ کذب گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا اور جھوٹ بولنے کا قصد کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ صدیق بہت سے ہیں۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران کی نسبت فرمایا

ہے۔ کہ وہ صدیقہ ہے حالانکہ عورت ہے۔ (انتہیٰ)

اسی طرح قرآن کریم ہے۔ یوسف ایھا الصدیق دوسری جگہ باری تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے۔

والذین اٰمنوا باللّٰہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھداء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم۔

قال السید امداد امام

اب جاننا چاہئے کہ خود حضرت علیؑ نے اپنے آپ کو صدیق اکبر فرمایا ہے۔ جیسا کہ روایت ہائے ذیل سے ظاہر ہوتا ہے:

روایت نمبر(۱)

عن معاذة العدوية قالت سمعت عليًا على منبر البصرة يقول انا الصديق الاكبر (الرياض لمحب الطبرى)

یعنی معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے بصرہ کے منبر پر جناب امیرؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں صدیق اکبر ہوں۔

اسی طرح شرح تجرید علامہ قوشجی کے صفحہ ۳۸۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے برسر منبر مجمع صحابہ میں فرمایا کہ انا الصدیق الاکبر اٰمنت قبل ایمان ابی بکر۔

یعنی میں صدیق اکبر ہوں اور میں ایمان لایا ہوں ابوبکر کے ایمان لانے سے پہلے واضح ہو کہ آپ نے کوئی نئی بات اپنی نسبت نہیں فرمائی۔ یہ سراسر اعادہ قول جناب رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

روایت نمبر(۲)

عن عباد بن عبدالله قال على انا عبدالله واخو رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وانا الصديق الاكبر لا يقولها ذٰلک غيرى الا كاذب مفتر صليت قبل الناس سبعة سنين (اخرجه احمد فى المناقب والنسائى فى الخصائص والحاكم فى المستدرک و حافظ ابو زيد عثمان ابن ابى شيبة فى سننه وابن عاصم فى النية وحافظ ابو نعيم فى الحلية والعقيلى)

ترجمہ: "یعنی عباد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور خدا کے رسول ﷺ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں۔ سوائے میرے جو اپنے کو صدیق اکبر کہے جھوٹا مفتری ہے۔ میں نے سات برس سب سے پہلے نماز پڑھی ہے۔ واضح ہو کہ یہ قول

بھی آپ کا قول نبوی پر مبنی ہے۔ پس کسی شخص کو حضرت علیؓ کے سوا جو شخص اپنے کو صدیق اکبر کہے وہ جھوٹا ہے اور سب ایسے لوگ جو علیؓ کے سوا کسی کو صدیق اکبر کہیں تمام تر جھوٹے ہیں۔

روایت نمبر(۳)

عن معاذة العدوية قالت سمعت عليًا يقول على منبر البصرة انا الصديق الاكبر اٰمنت قبل ان يومن ابوبكر واسلمت قبل ان يسلم ابوبكر

(نقلہ ابن قتیبۃ فی المعارف)

ترجمہ: ''یعنی معاذۃ العدویہ کہتی ہیں کہ میں نے بصرہ کے منبر پر حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ میں صدیق اکبر ہوں۔ قبل اس کے کہ ابوبکر ایمان لائے میں ایمان لا چکا تھا۔ اور ابوبکر کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لا چکا تھا۔ (مصباح الظلم۔ صفحہ ۵۵۔۵۶)

اَقول

مصنف نے عوام کو دھوکا دینے کے لئے ان روائتوں کا بھی پورا اسناد نقل نہیں کیا۔ ریاض نضرہ یا مستدرک حاکم ایسی کتابیں نہیں کہ ان کی روائتوں کو اندھا دھند تسلیم کر لیا جائے۔ مستدرک کا ذکر تو اوپر آچکا ہے۔ ریاض نضرہ میں بھی بعض روایات موضوعہ ایسی موجود ہیں جو حضرات خلفائے ثلاثہ کے حق میں موجب قدح ہیں۔

چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۴۵ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''کید سی و چہارم آنکہ کتابے در فضائل خلفائے اربعہ تالیف نمایند وورووے احادیث صحیحہ اہل سنت از سنن مسانید و اخیر او معاجم ایشاں ایراد کنند۔ وچون نوبت بذکر فضائل امیرالمومنین رسد در ضمن آن چیزے کے در حق خلفائے ثلاثہ موجب قدح باشد وضع نمودہ یا از کتب امامیہ آوردہ داخل نمائیند۔ وبعضے نصوص صریحہ در حقیقت آن جناب بخلافت آنکہ باوجود جناب ایشاں ہر کہ خلافت کند چنین و چنانست درج نمائیند تاسامع و ناظر بغلطی افتد و بسبب ایراد فضائل خلفائے ثلاثہ یقین کنند کہ مصنف این کتاب سنی پاک عقیدہ است و گوید کہ در تصانیف اہل سنت نیز احادیث قادحہ در خلفائے ثلاثہ موجود است۔ پس یقین اوبرہم خورد ودین اورخنہ پذیرد۔ و کتابے کلانے بایں صفت دیدہ شد۔ ودر آن کتاب اول ہر حدیث نام راوی و مخرج آن نیز مرقوم بود و بعضے از اجلہ علمائے حدیث را تمیز میسر نہ شدہ ودر ورطۂ تغلیط افتادہ اند۔ وبایں تلبیس ابلیسی پے

نبردہ اند۔ صاحب ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ نیز ازین قبل احادیث در کتاب خود از مجموعات فضائل خلفائے اربعہ آوردہ ودغا خوردہ۔ لکن کسے کہ در فن حدیث امعانے دارد بایں دغلی ملتبس نمے شود بجہت رکاکت الفاظ آن موضوعات و سخافت معانی آن مخترعات و صاحب سلیقہ رادر بادی نظر دریافت مے شود کہ این ہمہ ساختہ و پرداختہ شیخ نجدی است۔"

یعنی روافض کا چونتیسواں فریب یہ ہے کہ خلفائے اربعہ کے فضائل میں ایک کتاب لکھتے ہیں۔ اور اس میں سنن مسانید و معاجم سے اہل سنت کی احادیث صحیحہ درج کرتے ہیں۔ جب فضائل امیر المومنین علی کی نوبت آتی ہے۔ تو اس کے ضمن میں کچھ روایتیں خود وضع کرکے یا کتب شیعہ سے لے کر داخل کر دیتے ہیں۔ اور بعض نصوص صریحہ اس امر کے متعلق درج کر دیتے ہیں۔ کہ حضرت امیرؓ کی خلافت بلا فصل حق ہے۔ جو ان کی موجودگی میں خلافت کرے وہ غاصب ہے۔ تاکہ سامع و ناظر مغالطہ میں پڑ جائے۔ اور خلفائے ثلاثہ کے فضائل کے بیان کے سبب سے یقین کرے کہ اس کتاب کا مصنف پاک عقیدہ سنی ہے۔ اور یہ کہنے لگے کہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی خلفائے ثلاثہ کے حق میں احادیث قادمہ موجود ہیں۔ پس اس طرح اس کا یقین خراب ہو جائے۔

اور اس کے دین میں رخنہ پیدا ہو جائے۔ ایک ضخیم کتاب اس طرح کی دیکھنے میں آئی جس میں ہر ایک حدیث کے شروع میں راوی کا نام اور اس کا مخرج بھی مذکور تھا۔ بعضے اجلہ علمائے حدیث تمیز نہ کر سکے اور مغالطہ میں پڑ گئے۔ ان کو اس تلبیس ابلیسی کا پتہ نہ لگا۔

مصنف ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ بھی اس طرح کی حدیثیں مجموعات فضائل خلفائے اربعہ سے اپنی کتاب میں لایا ہے۔ اور اس نے فریب کھایا ہے۔ لیکن جو شخص فن حدیث میں نظر دقیق رکھتا ہے۔ وہ ان موضوعات کے الفاظ کی رکاکت اور معانی کی سخافت کے سبب دھوکا نہیں کھاتا۔ صاحب سلیقہ تو بادی نظر میں تاڑ جاتا ہے۔ کہ یہ سب ساختہ و پرداختہ شیخ نجدی کا ہے۔ (انتہی)

سید امداد امام نے بھی اسی ضخیم کتاب کا طرز اختیار کیا ہے جس کا ذکر شاہ صاحب نے کیا ہے کہ شروع میں راوی کا نام اور اخیر میں مخرج بتایا ہے۔ چونکہ پورے اسناد سے روایت کا موضوع ہونا ثابت ہوتا تھا۔ اس لئے اسے پس انداز کر دیا۔ غرض پہلی اور تیسری روایت موضوع ہے۔ ان دونوں کا مضمون وہی ہے جو احادیث موضوعہ سابقہ کا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں اس مضمون کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ یہاں حضرت امیرؓ کی طرف منسوب ہے۔

روایت نمبر ۲ مستدرک حاکم میں یوں منقول ہے:

حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا الحسن بن علی بن عفان الغامری (وحدثنا) ابوبکر بن ابی دارم الحافظ ثنا ابراھیم بن عبداللّٰہ العبسی (قالا) ثنا عبید اللّٰہ بن موسٰی ثنا اسرائیل عن ابی اسحاق عن المنھال بن عمرو عن عباد بن عبداللّٰہ الاسدی عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال انی عبداللّٰہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب صلیت قبل الناس بسبع سنین قبل ان یعبدہ احدمن ھٰذہ الامۃ

(مستدرک۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۱۱)

علامہ ذہبی اس پر اپنی تلخیص میں یوں لکھتے ہیں۔

قلت کذا قال وھو علی شرط واحد منھما بل ولا ھو بصحیح بل حدیث باطل فتدبرہ وعباد قال ابن المدینی ضعیف۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ حاکم نے کہا کہ یہ صحیحین کی شرط پر ہے۔ حالانکہ دونوں میں سے ایک کی شرط پر ہے۔ بلکہ وہ بھی صحیح نہیں بلکہ یہ حدیث باطل ہے۔ تو اس میں تدبر کر۔ اور عباد کو ابن المدینی نے ضعیف کہا ہے۔ (انتہٰی)

علامہ موصوف میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں۔ ھٰذا کذب علی علی رضی اللّٰہ عنہ۔

یعنی یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کذب ہے۔

تہذیب التہذیب میں عباد کے ترجمہ میں ہے۔ قال ابن الجوزی ضرب ابن حنبل علی حدیثہ عن علی انا الصدیق الاکبر وقال ھو منکر وقال ابن حزم ھو مجھول

یعنی ابن جوزی کا قول ہے۔ کہ امام احمد بن حنبل مارے گئے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت علیؑ سے یہ روایت نقل کی کہ میں صدیق اکبر ہوں۔ اور ابن جوزی نے کہا کہ وہ منکر ہے اور ابن حزم نے کہا کہ وہ مجہول ہے۔ (انتہٰی)

منہال بن عمرو بھی جرح سے خالی نہیں۔

چنانچہ میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں ہے:

قال الجوز جانی شیی المذھب یعنی بقول جوزجانی منہال بہ فریب تھا ابو اسحاق بھی مجروح ہے۔

چنانچہ تہذیب التہذیب میں ہے۔

قال ابو اسحٰق الجوزجانی کان قوم من اهل الکوفة لا تحمد مذاهبهم یعنی التشیع هو رؤس محدثی الکوفة مثل ابی اسحٰق والا عمش ومنصور و زبید و غیرهم من اقرانه احتلمهم الناس علی صدق السنتهم فی الحدیث ووقفوا عند ما ارسلوا لما خافوا ان لا یکون مخارجها صحیحة فاما ابو اسحٰق فروی عن قوم لا یعرفون ولم ینتشر عنهم عند اهل العلم الا ماحکی ابو اسحٰق عنهم فاذا روی تلک الاشیاء عنهم کان التوقیف فی ذٰلک عندی الصواب۔

ترجمہ: "ابو اسحاق جوزجانی کا قول ہے کہ اہل کوفہ کی ایک جماعت کے مذاہب یعنی تشیع قابل ستائش نہ تھے۔ وہ کوفہ کے چوٹی کے محدثین ہیں مثل ابو اسحٰق و اعمش و منصور۔ وزبید اور انکے اقران کے۔ حدیث میں ان کی زبانوں کے صدق کے سبب لوگوں نے ان کو برداشت کیا۔ اور ارسال روایت کے وقت توقف کیا۔ کیونکہ ان کو خدشہ ہے کہ ان روایتوں کے مخارج صحیح نہ ہوں۔ ابو اسحاق کا تو یہ حال ہے۔ کہ اس نے غیر معروف لوگوں سے روایت کی ہے۔ کہ جن سے اہل علم کے نزدیک وہی شائع ہوا۔ جو ابو اسحاق نے ان سے روایت کیا۔ پس جب ابو اسحاق وہ چیزیں ان سے روایت کرے۔ تو میرے نزدیک اس میں توقف صواب ہے۔ (انتہی)

عبید اللہ موسیٰ بھی شیعی ہے۔

قال ابن سعد کان یتشیع ویروی احادیث فی التشیع منکرة وضعفٍ بذلک عند کثیر من الناس وکان صاحب قرآن وذکرهٗ ابن حبان فی الثقات وقال کان یتشیع وقال یقعوب بن سفیان شیعی وان قال قائل رافضی لم انکر علیه وهو منکر الحدیث وقال الجوزجانی وعبید اللّٰه بن موسٰی اغلی واسوء مذهبًا واروی للعجائب وقال الحاکم سمعت قاسم بن قاسم السیاری سمعت ابا مسلم البغدادی الحافظ یقول اللّٰه بن موسٰی من المتروکین ترکه احمد لتشیعه (تہذیب التہذیب)

اس سے عبید اللہ بن موسیٰ کا شیعی بلکہ رافضی ہونا اور بوجہ تشیع متروک ہونا ظاہر ہے۔
سید امداد امام نے اس روایت کے نقل کرنے میں خیانت کی ہے اس روایت کے الفاظ تو یہ ہیں۔

لا یقولها بعدی الاکاذب یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میرے بعد جو اپنے کو صدیق اکبر کہے وہ جھوٹا ہے۔ مگر سید صاحب یوں نقل کرتے ہیں۔ لا یقولها ذٰلک غیر کاذب مفتر۔ اور اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ کہ سوائے میرے جو اپنے کو صدیق اکبر کہے جھوٹا مفتری ہے ان دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ ہمیں مضر نہیں۔ کیونکہ حضرت امیرؓ نے جو انا الصدیق الاکبر کہہ کر صدیقیت کبرے کو اپنی ذات میں منحصر کیا یہ بہ نسبت ان لوگوں کے ہے جو بعد میں آئیں گے۔ اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صدیقیت کبرے کی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ لفظ بعدی سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت مولیٰ مرتضیٰ سے پہلے بھی ایک صدیق اکبر گذرے ہیں۔

مستدرک کے علاوہ ابن ماجہ و نسائی فی الخصائص میں بھی بعدی ہی مذکور ہے۔

سید امداد امام نے اس کے بعد خطاب فاروق اعظم کے متعلق بھی تین روائتیں ریاض النضرہ و دیلمی وابن اخطب خوارزمی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کی ہیں۔ اور ہر ایک روایت کا صرف ایک راوی اور مخرج بیان کیا ہے۔ ان میں سے پہلی دو روائتیں یعنی روایت ابو ذر غفاری اور روایت سلمان جن میں حضرت امیرؓ کے لئے صدیق اکبر و فاروق اعظم ہر دو خطاب کا ذکر ہے موضوع ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ تیسری روایت جس میں حضرت امیرؓ کے لئے صرف فاروق مذکور ہے۔ بروایت ابو لیلیٰ مذکور ہے۔ یہ بھی موضوع ہے۔ (دیکھو لآلی جزء اول۔ صفحہ ۱۶۸ میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن داہر۔) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فاروقیت تو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی مشہور و معروف تھی جیسا کہ ہم بحوالہ رجال کشی صفحہ ۲۰ پہلے لکھ آئے ہیں۔ اور حضرت امام باقرؒ کا صدیقیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلیم کرنا بھی پہلے آچکا ہے۔

قال السید امداد امام

خطاب "سیف اللہ" پر نظر

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلم ھٰذا سیف اللّٰہ المسلول علی اعدائہ (اخرجہ ابو سعد فی شرف النبوۃ) ابن عباس روایت فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ علی بن ابی طالب ہے۔ یہ خدا کی شمیر برہنہ ہے دشمنان خدا کے لئے یہ خطاب بھی آپ سے نقل شدہ نظر آتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ آپ کے سوا اس خطاب کا مستحق کوئی دوسرا شخص ہو نہیں سکتا۔ واقعی یہ خطاب اسی کو زیبا ہے جو فاتح بدر و خندق واحد و خیبر و حنین ہے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۵۹

اقول

صاحب کشف الظنون نے بحوالہ فضائل العشرہ لکھا ہے۔ کہ شرف النبوۃ کا مصنف ابو سعید عبدالملک بن ابی عثمان محمد واعظ نیشاپوری خرکوشی متوفی ۴۰۷ ہجری ہے۔ روایت زیر بحث لآلی المصنوعہ (جزء اول۔ صفحہ ۱۶۵) میں یوں منقول ہے۔ (الحاکم)

انبأنا ابو سعید بن ابی بکر بن ابی عثمان۔ حدثنا ذکریا بن یحیٰی بن حویثرۃ حدثنا محمد بن نوح السعدی جدثنا عمرو بن الازہر العتکی عن ابن جریح عن عطاء ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللھم اعطف علی ابن عمی علی فاتاہ جبریل قال أولیس قد فعل بک ربک قد عضدک بابن عمک علی وھو سیف اللّٰہ علی اعدائہ وبابی بکر الصدیق وھو رحمۃ اللّٰہ فی عبادہ وعمر الفاروق فاعدھم وزراء وشاورھم فی امرک وقاتل عدوک ولا یزال دینک قائما حتی یثلبہ رجل من بنی امیۃ۔ عمرو بن الازہر یضع وزکریا قال ابن معین رجل سوء یستاھل ان یحضرلہ بئر فیلقی فیھا والا لیق نسبۃ ھذا الحدیث۔ (حاکم)

ترجمہ: "خبر دی ہم کو ابو سعید بن ابی بکر بن ابی عثمان نے کہ حدیث کی ہم سے زکریا بن یحیٰی بن حویثرہ کہ حدیث کی ہم سے محمد بن نوح سعدی نے کہ حدیث کی ہم سے عمرو بن ازہر عتکی نے ابن جریج سے۔ اس نے ابن عباس سے کہ پکارا رسول اللہ ﷺ نے۔ یااللہ میرے چچیرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو مجھ پر مہربان کر دے۔ پس حضرت جبریل نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کیا آپ کے پروردگار نے آپ سے یہ احسان نہیں کیا۔ اس ذات پاک نے آپ کی مدد کی آپ کے چچیرے بھائی علی کے ساتھ جو دشمنان خدا کے لئے شمشیر خدا ہیں۔ اور ابوبکر صدیق کے ساتھ جو بندگان خدا میں رحمت خدا ہیں۔ اور عمر فاروق کے ساتھ پس اب ان تینوں کو وزیر سمجھئے۔ اور اپنے کام میں ان سے مشورہ لیجائے۔ اور ان کو ساتھ لے کر اپنے دشمن سے جنگ کیجئے۔ آپ کا دین قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ بنو امیہ میں سے ایک شخص اس میں رخنہ ڈال دے گا۔ عمرو بن ازہر حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ اور زکریا بقول ابن معین برا شخص ہے۔ اور اس لائق ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں پھینک دیا جائے۔ اور انسب یہ ہے کہ یہ حدیث اس کی طرف منسوب کی جائے۔ (انتہیٰ)

لسان المیزان میں عمرو بن ازہر کی نسبت لکھا ہے۔ کہ ابن معین کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں۔
امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ کذب میں منہم ہے۔ امام نسائی وغیرہ کا قول ہے۔ کہ وہ متروک ہے۔
اور امام احمد فرماتے ہیں۔ کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ دولابی کا قول ہے کہ وہ متروک الحدیث
ہے۔ زکریا کی نسبت ابن معین کا قول مذکور ہو چکا ہے۔ امام نسائی اور دار قطنی کا قول ہے۔ کہ زکریا
متروک ہے۔ (میزان الاعتدال)

علاوہ ازیں زکریا بن یحیٰی کسائی شیعی بلکہ رافضی ہے۔ چنانچہ لسان المیزان میں ہے:

اشعث ابن عم الحسن بن صالح بن حي روى عن مسعر شيعي جلد تكلم فيه۔ قال العقيلي ليس ممن يضبط الحديث۔ حدثنا محمد بن عثمان ثنا زكريا بن يحيٰى الكسائى ثنا يحيٰى بن سالم ثنا اشعث ابن عم الحسن بن صالح ثنا مسعر عن عطية العرفي عن جابر رضى الله عليه مرفوعًا مكتوب على باب الجنة لا اله الا الله محمد رسول الله ايدته بعلى قبل خلق السمٰوات بالفى سنة۔ (انتهى) و بقية كلام العقيلي وليس زكريا بن يحيٰى ويحيٰى بن سالم بدون اشعث فى هٰذا المذهب۔

ترجمہ: "اشعث ابن عم الحسن بن صالح بن حی نے مسعر سے روایت کی ہے۔ اشعث دلیر شیعی ہے جو مجروح ہے۔ عقیلی نے کہا۔ کہ وہ حدیث کے ضبط رکھنے والوں میں سے نہیں۔ ہم سے حدیث کی محمد بن عثمان نے کہ حدیث کی ہم سے زکریا بن یحیٰی کسائی نے کہ حدیث کی ہم سے یحیٰی بن سالم نے۔ کہ حدیث کی ہم سے اشعث ابن عم الحسن بن صالح نے کہ حدیث کی ہم سے مسعر نے عطیہ عوفی سے۔ اس نے جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً۔ کہ بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں نے آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے علی کے ساتھ حضرت محمد کی مدد کی۔ (انتہیٰ)

اور عقیلی کا باقی کلام یہ ہے کہ زکریا بن یحیٰی اور یحیٰی بن سالم تشیع میں اشعث سے کم نہیں۔ (انتہیٰ)

لسان المیزان میں علی بن قاسم کندی کے ترجمہ میں ہے:

وقال ابن عدى فى حديث اورده فى ترجمة المعلى بن عرفان عن ابى يعلٰى عن زكريا بن يحيٰى الكسائى عن على بن القاسم عنه عن ابى وائل عن ابن مسعود فى ذكر على رواة هٰذا الحديث متهمون المعلٰى وعلى

وزکریا کلھم غلاۃ فی التشیع۔

ترجمہ: "یعنی ابن عدی یہ حدیث معلی بن عرفان کے ترجمہ میں لایا ہے۔ کہ روایت کی کہ ابو یعلیٰ نے زکریا بن یحییٰ کسائی سے اس نے علی بن قاسم سے اس نے معلیٰ بن عرفان سے۔ اس نے ابو وائل سے۔ اس نے ابن مسعود سے دربارۂ فضیلت علی رضی اللہ عنہ ابن عدی کا قول ہے۔ کہ اس حدیث کے راوی متہم ہیں۔ معلیٰ بن عرفان اور علی بن قاسم اور زکریا بن یحییٰ سب کے سب غالی شیعی ہیں۔ (انتہیٰ)

ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے:

واما قوله قال فيه رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علی سیف اللّٰه سهم اللّٰه فهٰذا الحدیث لا یعرف فی شیئ من کتب الحدیث ولا له اسناد معروف ومعناه باطل فان علیا لیس هو وحده سیف اللّٰه وسهمه وهٰذه العبارة یقتضی ظاهرها الحصر وکذلک مانقل عن علی رضی الله عنه انه قال علی المنبر انا سیف اللّٰه علی اعدائه ورحمته لاولیائه فهٰذا الاسنادله ولا یعرف له صحة لکن ان کان قاله فمعناه صحیح وهو قدر مشترک بینه وبین امثاله قال اللّٰه تعالٰی فیهم اشداء علی الکفار رحماء بینهم وقال اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین وکل من المهاجرین المجاهدین کان سیف اللّٰه علی اعدائه رحمة لاولیا ئه ولا یجوزان یرید انی انا وحدی سیف اللّٰه وانا وحدی رحمة علی اولیاء اللّٰه فان هٰذا من الکذب الذی یجب تنزیه علی ان یقوله وان ارید انه فی ذٰلک اکمل من غیره فالحصر للکمال فهٰذا صحیح فی زمنه۔ والا فمن المعلوم ان عمر کان قهره للکفار اعظم انتفاع المومنین به اعظم۔ (مناج السنته جزء ثانی۔ صفحه ۲۲۸)

ترجمہ: "رہا شیخ الرفضہ علی کا قول کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیرؑ کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ علیؑ شمشیر خدا و تیر خدا ہیں۔ سو یہ حدیث کتب حدیث میں سے کسی میں معروف نہیں۔ اور نہ اس کا اسناد معروف ہے۔ اور اس کے معنی باطل ہیں۔ کیونکہ علیؑ اکیلے شمشیر خداوند و تیر خدا نہیں۔ اور اس عبارت کا ظاہر اسی کا مقتضیٰ ہے۔ اسی طرح یہ جو حضرت علی

رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بر سر منبر فرمایا کہ میں دشمنان خدا کے لئے شمشیر خدا اور دوستان خدا کے لئے رحمت خدا ہوں۔ اس کا بھی کوئی اسناد نہیں۔ اور نہ اس کی صحت معلوم ہے۔ لیکن اگر حضرت امیرؑ نے ایسا فرمایا۔ تو اس کے معنے صحیح ہیں۔ یعنی لقب سیف اللہ حضرت امیرؑ اور دیگر صحابہ کرام کے درمیان مشترک ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے۔ **اشداء علی الکفار رحمآء بینھم۔ اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین۔** مہاجرین مجاہدین سے ہر ایک دشمنان خدا کے لئے شمشیر خدا اور دوستان خدا کے لئے رحمت تھا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی۔ کہ میں ہی شمشیر خدا اور میں ہی دوستان خدا کے لئے رحمت ہوں۔ کیونکہ یہ تو جھوٹ ہے۔ جس سے حضرت علی کی تنزیہ واجب ہے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ حضرت امیر اس میں اوروں سے اکمل ہیں اور یہ حصر کمال کے لئے ہے۔ تو یہ حضرت امیرؑ کے زمانہ میں صحیح ہے۔ ورنہ معلوم ہے کہ حضرت امیرؑ کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلبہ کفار پر بزرگ تر اور مومنوں کا انتفاع آپ سے بزرگتر تھا۔ (انتہی)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نسبت منہاج السنہ میں یوں لکھا ہے:

اما تسمیة خالد بسیف اللّٰہ فلیس ھو مختصا بہ بل ھو سیف من سیوف اللّٰہ سلہ اللّٰہ علی المشرکین ھٰکذا جاء فی الحدیث عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھو اول من سماہ بھٰذا الاسم کما ثبت فی صحیح البخاری۔

ترجمہ: رہا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہنا۔ سو وہ خالد رضی اللہ عنہ سے مختص نہیں۔ بلکہ خالد رضی اللہ عنہ شمشیرہائے خدا میں سے ایک شمشیر ہیں جو خدا نے مشرکین پر کھینچی ہے۔ اسی طرح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہیں جنہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کا یہ نام رکھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ثابت ہے۔ (انتہی)

قال السید امداد امام

آخر میں خطاب صدیقہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جاننا چاہئے کہ یہ خطاب خاص حضرت سیدہ خاتون جنت علیہا الصلوٰۃ والسلام کے ہے۔ مگر یہ بھی مثل خطاب ہائے بالا کے مختص آپ کی ذات پاک کے ساتھ نہیں رکھا گیا۔ وہ حدیث جس کی رو سے آپ مستحق اس خطاب بزرگ کی ہیں یہ ہیں۔

عن ابی الحمراء قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلم یا علی اوتیت ثلاثا لایوتی احد ولا انا اوتیت صھرا مثلی ولم اوت انا مثلی واوتیت

صديقة مثل بنتي ولم اوت مثلها واوتيت الحسن والحسين من صلبک
ولم اوت من صلبي مثلهما ولا نتما مني اونا منكما۔ (اخرجه الديلمي)

ترجمہ: "ابو احمر روایت کرتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ کہ اے علی رضی اللہ عنہ تجھ کو تین ایسی باتیں عطاء ہوئی ہیں کہ کسی کو حتی کہ مجھ کو بھی نہیں ملی ہیں۔ تجھ کو خسر مجھ سا ملا ہے۔ اور مجھ کو مجھ سا نہیں ملا۔ تجھ کو صدیقہ میری بیٹی جیسی ملی ہے۔ مجھ کو ایسی نہیں ملی۔ تجھ کو حسن و حسین تیری صلب سے عطا ہوئے ہیں۔ مگر مجھ کو ان جیسے نہیں ملے۔ حق یہ ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی بی بی حتیٰ کہ حضرت خدیجہ بھی حضرت خاتون جنت کے برابر نہ تھیں۔ ایسی صورت میں صدیقہ کے خطاب کا استحقاق دنیا کی کسی بی بی کو نہیں ہو سکتا۔ (مصباح الظلم۔ صفحہ ۵۹ ـ ۶۰)

اقول

یہ بے سروپا روایت بھی مثل روایات سابقہ کے موضوع ہے۔ اسی واسطے اس کا اسناد نقل نہیں کیا گیا۔ روافض ایسی روائتوں سے حضرت علیؓ کو معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ پر بھی فضیلت دینا چاہتے ہیں۔ ہم پہلے بحوالہ صدوق اس قسم کی ایک روایت نقل کر چکے ہیں۔ جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ ان باتوں میں علیؓ میرے ساتھ شریک ہیں۔ اور تین ایسی ہیں کہ میں ان میں علیؓ کے ساتھ شریک نہیں۔ یعنی جو شجاعت علیؓ کو ملی مجھے نہیں ملی۔ علیؓ کو فاطمہ زہراء بطور زوجہ ملی۔ مجھے ویسی نہیں لی۔ علیؓ کو حسنؓ و حسینؓ دو بیٹے ملے۔ مجھے ان کی مثل نہیں ملے۔ روایت صدوق میں حضرت زہراء کے لئے لقب صدیقہ کے میں نہیں۔ اگر بفرض محال روایت دیلمی کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو بھی اوتیت صديقة مثل بنتي سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ لقب۔ صدیقہ حضرت خاتون جنت کے ساتھ مختص ہے۔ اور دنیا میں کوئی بی بی اس کا استحقاق نہیں رکھتی۔ کیونکہ صدیقہ کے بارے میں مصرح ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت زہراء ایک صدیقہ ہیں نہ یہ کہ دنیا بھر میں کوئی اور صدیقہ نہیں۔

دیکھئے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کو صدیقہ کہا گیا ہے۔ پس اس حدیث میں حضرت زہراء کی صدیقیت حضرت مریمؑ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صدیقیت کے منافی نہیں۔ اسی طرح منھا سے مثلھا میں کلام ہے کہ بنت النبی ہونے کی فضیلت کے لحاظ سے ازواج مطہرات میں سے کوئی بی بی حضرت زہرا کی مثل نہیں۔ نظر بر اختصار مسئلہ تفضیل کی بحث کو یہاں پس انداز کیا جاتا ہے۔

قال السید امداد امام

پانچویں مثال تنقیص شان آل محمد ﷺ کی درج ذیل ہوتی ہے۔

تنقیص شان آل محمد ﷺ کی عقد حضرت اُم کلثوم کے لگاؤ سے

اس جگہ مجھے ایک ایسے امر سے بحث کرنا ہے جو میرے لئے اور ہر صاحب شرم و حیا کے لئے ایک بڑا پہاڑ سوہان روح کا ہے۔ ناچار بضرورت تصنیف میں اس کا اعادہ کرتا ہوں۔ گو روح اس کے اعادہ سے لاکھوں کوس بھاگتی ہے۔ خیر جاننا چاہیے کہ ام کلثوم حضرت علیؑ کی بیٹی بطن حضرت فاطمہؑ زہرا بنت رسول اللہ ﷺ سے تھیں۔ اس معصومہ کی نسبت علمائے اہل سنت نیز بعض علمائے شیعہ عبرت خیز اور وحشت انگیز مضامین حوالہ قلم کرتے ہیں۔

راقم کو دونوں فرقہ کی تحقیق سے اختلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ ظاہر ہو گا۔ کتاب اسعاف الراعبین میں درج ہے کہ صحیح یہ ہے کہ استدعائے عقد کی حضرت عمر نے درباب عقد ام کلثوم بنت فاطمہ کے حضرت علیؑ سے کی مگر حضرت علیؑ نے حیلہ کیا اور دختر کی کم سنی کا عذر پیش کیا۔ حضرت علیؑ کی نیت میں تھا کہ اس معصومہ کو حضرت جعفر طیار کے بیٹے سے بیاہ دیں۔ مگر حضرت عمر نے بہت منت و سماجت کی اور منبر پر جا کر یہ اعلان بیان کیا کہ میری منت علیؑ سے صرف اس غرض سے ہے۔ کہ قرابتمندان جدی و رحمی و دامادی پر رسول اللہ ﷺ کے آتش جہنم حرام ہے۔ پس ام کلثوم کو بطرز عروس آراستہ کرکے حضرت علیؑ نے حضرت عمر کے پاس بھیج دیا۔ جب حضرت خلیفہ نے اس معصومہ کو دیکھا۔ تو اسے اپنی گود میں بٹھلایا اور اس کا بوسہ لیا۔ اور اس کی رعایت کی۔ اور جب وہ معصومہ کھڑی ہوئی۔ تب تھام لیا اس کی ران کو اور کہا کہ باپ سے کہنا کہ ہم راضی ہیں۔ اور جب اس معصومہ نے باپ سے سب ماجرا بیان کیا۔ تب نکاح پڑھوا دیا حضرت علیؑ نے اور پیدا ہوئے اس معصومہ سے زید ابن عمر۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ بوسہ لینا اور سینہ سے لگانا اکرام اور تعظیم کی بنا پر عمل میں لایا گیا تھا۔ اور یہ اس سبب سے کہ وہ معصومہ صغیر سن تھیں۔ اور حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔

ابن صباغ کہتے ہیں کہ یہ ماجرا ۱۷ھ کا ہے۔ اور اس سنہ کے ذیقعدہ میں حضرت عمر اس معصومہ کو اپنے تصرف میں لائے اور دین مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا تھا۔ مؤرخ ابو الفدا اور صاحب سیرت المحمدیہ نے بھی حضرت عمر کے اس عقد کے مضمون کو لکھا ہے اسی طرح بعض شیعہ علماء بھی اس عقد کے وقوع سے اقرار کرتے ہیں۔ بلکہ مشرح طور پر اپنی اپنی تصنیف میں اس حیرت خیز واقعہ کو جگہ دیتے گئے ہیں۔

جیسا کہ حدیقة الشیعہ شیخ احمد اردبیلی کے صفحہ ۸۶ میں مندرج ہے۔ اور بھی قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں کتاب استغاثہ پر حوالہ کرکے حوالہ قلم کیا ہے:

میں یہاں حدیقة الشیعہ کی تحریر پر اکتفا کرتا ہوں۔ صاحب کتاب مذکور لکھتے ہیں:

ترجمہ: "حضرت عمر نے حضرت عباس کو حضرت علی کی خدمت میں خواستگاری ام کلثوم کی بنا پر بھیجا۔ حضرت علی نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا۔ کہ علیؑ ہم سے ننگ رکھتے ہیں۔ بخدا میں ان کے قتل میں کوشش کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے حضرت علی کو اس کی خبر کرائی۔ حضرت علی نے اسے سن کر فرمایا۔ کہ قتل کیا جانا اور ہے۔ اور بیٹی دینا اور ہے۔ میں ہرگز انہیں بیٹی نہ دوں گا۔ اس پر حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا کہ تم جمعہ کے دن مسجد میں حاضر ہونا تاکہ جو کچھ وہاں گذرے اسے تم سن سکو۔ حضرت عباس روز جمعہ کو مسجد میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر کو بعد خطبہ کے یہ کہتے سنا۔ ایھا الناس اصحاب رسول اللہ میں ایک شخص ہے جس نے زنا کی ہے۔ مگر اس کے اس فعل کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ تم سب ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ مسجد کی طرف سے شور اٹھا کہ امیر المومنین کو گواہ کی حاجت نہیں ہے۔ اگر حکم دیا جائے تو اس زانی کو قتل کرڈالیں۔ اس کے بعد حضرت عمر منبر سے اتر آئے۔ اور حضرت عباس سے فرمانے لگے کہ اگر علیؑ مجھے بیٹی نہیں دیں گے۔ تو جو کچھ ہم ابھی کہہ چکے ہیں۔ ویسا ہی کریں گے۔ حضرت عباس یہ سن کر حضرت علی کے پاس آئے۔ اور حقیقت حال بیان کی۔ حضرت علیؑ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ آپ کے کہنے کے پہلے ہم اس کو جان چکے تھے۔ مگر ہم بیٹی نہ دیں گے۔ حضرت عباس نے کہا۔ کہ عمر ایک شخص بے شرم اور ستیزہ کار ہے۔ اگر آپ بیٹی نہ دیجئے گا۔ ہم بہ ضرورت اس لڑکی کو حضرت عمر کو دے دیں گے۔ اور یہ اس غرض سے کہ خصومت دور ہو جائے۔ ہم یہی سمجھیں گے۔ کہ یہ بیٹی کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ پس حضرت عباس نے حضرت عمر سے کہا۔ کہ اگر علی کو بیٹی دینے سے انکار ہے۔ تو ہمیں انکار نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کیا۔ اور ان سے کہا کہ عباس علی کے چچا ہیں۔ وہ وکالتاً علی کی بیٹی مجھے دیتے ہیں۔ یہ روایت فرقہ شیعہ کی ہے۔ عموماً ہم اس تصنیف میں شیعوں کی کسی کتاب سے سند نہیں لیتے ہیں۔ حضرات ناظرین اس روایت کو جس نظر سے دیکھیں دیکھیں۔ مجھے یہاں پر اس کی نسبت اظہار رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ المختصر فریقین کی کتابوں میں یہ قصہ حضرت ام کلثوم کے عقد کا

دیکھا جاتا ہے۔ مگر راقم کی دانست میں حضرت عمر کا عقد حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؑ کے ساتھ ہرگز ظہور میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ حسب قول ابن صباغ اس معصومہ کا عقد حضرت عمر کے ساتھ ۱۷ھ میں انجام پایا۔ اس وقت وہ معصومہ ضرور ہے۔ کہ بہت صغیر سن ہوں۔ اگر کم عمر نہ ہوتیں۔ تو حسب قول ابن حجر حضرت عمر قبل از نکاح اس معصومہ کا بوسہ کیوں کر لے سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر وہی ابن صباغ لکھتے ہیں۔ کہ اس سال کے ذیقعدہ میں حضرت عمر اس معصومہ کے متصرف ہوئے۔ بلاشبہ اس قدر کم سن لڑکی کے ساتھ ہم بستر ہونا ایک امر تماماتر خلاف عقل ہے۔ ظاہرا راقم کو یہ سب باتیں بے سروپا معلوم ہوتی ہیں۔ راقم کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر نے ام کلثوم بنت ابی بکر کے ساتھ عقد کیا تھا۔ اس ام کلثوم کی ماں حضرت علی کے نکاح میں آئی تھیں۔ اور اس رو سے حضرت علیؑ کی دختر ربیبہ تھیں۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۶۱ - ۶۲

اَقول

مصنف نے صرف حدیقۃ الشیعہ کی روایت نقل کی ہے۔ بغرض احقاق حق ہم ذیل میں اور حوالے بھی درج کرتے ہیں:

۱۔ شیعہ کا رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ ہجری) فروغ کافی (مطبوعہ نو لکشور۔ مجلد ثانی۔ صفحہ ۱۴۱) میں نکاح زیر بحث کو بالا سناد یوں ثابت کرتا ہے:

باب فی تزویج ام کلثوم۔ علی بن ابراهیم عن ابیه عن ابن ابی عمیر عن هشام بن سالم و حماد عن زرارة عن ابی عبدالله علیه السلام فی تزویج ام کلثوم فقال ان ذلک فرج غصبناه۔

ترجمہ: "باب در بیان نکاح ام کلثوم۔ حدیث بیان کی علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے۔ اس نے ابن ابی عمیر سے۔ اس نے ہشام بن سالم اور حماد سے۔ ان دونوں نے زرارہ سے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے نکاح ام کلثوم کے بارے میں فرمایا۔ کہ "تحقیق وہ ایک فرج ہے۔ جو ہم سے چھینی گئی۔" (انتہی)

۲۔ فروع کافی کے باب مذکور میں کلینی نے دوسری حدیث یوں نقل کی ہے:

محمد بن ابی عمیر عن هشام بن سالم عن ابی عبدالله علیه السلام قال لما خطب الیه قال له امیر المومنین انها صبیة قال فلقی العباس فقال له ما

لی ابی باس فقال وما ذلک قال خطبت الی ابن اخیک فردنی اما واللّٰہ لا عورن زمزم ولا ادع لکم مکرمة الاھد متھا ولا قیمن علیه شاھدین بانه سوق ولا قطعن یمینه فاتاہ العباس فاخبرہ وسالہ ان یجعل الامر الیه فجعله الیه۔

ترجمہ: "حدیث بیان کی محمد بن ابی عمیر نے ہشام بن سالم سے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب اس (عمر رضی اللہ عنہ) نے خواستگاری کی اس (علیؓ) سے۔ تو امیر المومنینؓ نے جواب دیا۔ کہ وہ (ام کلثوم) صغیر سن ہے۔ راوی کا قول ہے کہ پس وہ (عمر رضی اللہ عنہ) عباس رضی اللہ عنہ سے ملے۔ اور ان سے کہا۔ مجھے کیا ہے۔ کیا میرے ساتھ ڈر ہے۔ پس عباسؓ بولے۔ وہ معاملہ کیا ہے۔ کہا (عمر رضی اللہ عنہ نے) کہ میں نے تیرے بھتیجے (علیؓ) سے خواستگاری کی۔ سو اس نے مجھ سے انکار کر دیا۔ دیکھ اللہ کی قسم میں زمزم کو ضرور لے لوں گا۔ اور تمہارے واسطے کوئی ایسی بزرگی نہ چھوڑوں گا۔ جسے برباد نہ کر دوں اور میں البتہ اس (علیؓ) پر دو گواہ قائم کر دوں گا۔ کہ اس نے چوری کی ہے۔ اور میں ضرور اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دوں گا۔ یہ سن کر عباس رضی اللہ عنہ علیؓ کے پاس آئے اور ان کو اس بات کی خبر دی۔ اور ان سے درخواست کی۔ کہ اس معاملہ کو میرے سپرد کر دیجئے۔ پس علی علیہ السلام نے یہ معاملہ عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ (انتہیٰ)

۳۔ کلینی نے فروع کافی میں دوسری جگہ (مجلد ثانی۔ صفحہ ۳۱۱) اس معاملہ کے متعلق یوں لکھا ہے:

باب المتوفی عنھا زوجھا المدخول بھا این تعتد وما یجب علیھا حمید بن زیاد عن ابن سماعة عن محمد بن زیاد عن عبداللّٰہ سنان ومعاویة بن عمار عن ابی عبداللّٰہ علیه السلام قال سالته عن المراۃ المتوفی عنھا زوجھا تعتد فی بیتھا او حیث شاءت قال بل حیث شاءت ان علیا صلوات اللّٰہ علیه لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بھا الٰی بیته۔

ترجمہ: "باب ہے بیچ بیان مدخولہ عورت کے جس کا خاوند مر جائے۔ کہ وہ کہاں عدت گزارے۔ اور اس پر کیا واجب ہے۔ حدیث بیان کی حمید بن زیاد نے ابن سماعہ سے۔ اس نے محمد بن زیاد سے۔ اس نے عبداللہ بن سنان اور معاویہ بن عمار سے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ جس عورت کا خاوند مر جائے۔ وہ عدت اپنے گھر میں گزارے یا جہاں چاہے۔ امام نے جواب دیا۔ بلکہ جہاں چاہے۔ کیونکہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ تو علی

صلوات اللہ علیہ ام کلثوم کے پاس آئے اور اسے اپنے گھر لے گئے۔ (انتہیٰ)

کلینی نے باب المتوفی عنہا زوجہا کے تحت میں دوسری حدیث یوں نقل کی ہے:

محمد بن یحیٰی وغیرہ عن احمد بن محمد بن عیسٰی عن الحسین بن سعید عن النضر بن سوید عن ھشام بن سالم عن سلیمان بن خالد قال سألت ابا عبداللّٰہ علیه السلام عن امرأة توفی عنھا زوجھا این تعتد فی بیت زوجھا اوحیث شاءت قال بل حیث شاءت ثم قال ان علی صلوات اللّٰہ علیه لما مات عمراتی ام کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بھا الٰی بیته۔

ترجمہ: "حدیث بیان کی محمد بن یحییٰ وغیرہ نے احمد بن محمد بن یحییٰ سے۔ اس نے حسین بن سعید سے۔ اس نے نضر بن سوید سے۔ اس نے ہشام بن سالم سے۔ اس نے سلیمان بن خالد سے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کہ جس عورت کا خاوند مرجائے۔ وہ عدت کہاں گزارے۔ اپنے خاوند کے گھر میں یا جہاں چاہے۔ امام نے جواب دیا بلکہ جہاں چاہے۔ پھر فرمایا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ تو علی صلوات اللہ علیہ ام کلثوم کے پاس آئے۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ (انتہیٰ)

اصول کافی میں بھی آسمانی وصیت نامہ کے ذکر میں جو ائمہ اثنا عشر کے لئے دستور العمل تھا۔ نکاح ام کلثوم کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ روایت امام موسیٰ کاظم میں یہ الفاظ ہیں۔

وکان فیما اشترط علیه النبی بامر جبرائیل علیه السلام فیما امر اللّٰہ عزوجل ان قال له یاعلی تفیٔ بما فیھا من موالاة من والی اللّٰہ ورسوله والبراءة والعداوة لمن عاد اللّٰہ ورسوله والبراءة منھم علی الصبر منک علی کظم الغیظ وعلی ذھاب حقک وغصب خمسک وانتھاک حرمتک فقال نعم یارسول اللّٰہ فقال امیر المومنین علیه السلام والذی خلق الحبة وبرئ النسمة لقد سمعت جبرائیل علیه السلام یقول للنبی صلی اللّٰہ علیه واٰله وسلم یا محمد عرفه انه تنتھک الحرمة وھی حرمة اللّٰہ وحرمة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واٰله وعلی ان تخضب لحیته من راسه بدم عبیط قال امیر المومنین علیه السلام فصعقت حین فھمت الکلمة من الامین جبرئیل علیه السلام حتی سقطت علی وجھی وقلت

نعم قبلت ورضیت وان انتهکت الحرمة وعطلت السنن ومزق الکتاب وهدمت الکعبة وخضبت لحیتی من راسی بدم عبیط صابر امحتسبا ابد احتی اقدم علیک (اصول کافی مطبوعہ نو لکشور۔ صفحہ ۱۷۳)

ترجمہ: "اس عبارت کا فارسی ترجمہ ملا خلیل قزوینی نے یوں کی ہے۔

وبود از جملہ آنچہ شرط کرد بر علی علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم بامر جبرئیل علیہ السلام در چیزہائے کہ امر کردہ بود اللہ عزوجل این کہ گفت اور اے علیؑ وفاے مینی بآنچہ در وصیت نامہ است۔ آن دوستی کسے است کہ دوست داشتہ اللہ تعالیٰ ورسول اورا نیز آن دشمنی برائے جمع است کہ دشمن داشتہ اللہ تعالیٰ و رسول اورا ونیز آن برات بر نہج صبر است از تو برفروبردن خشم و بررفتن حق طلافت تو و غصب خمس تو ودریدن پردہ تو اشارت است بدامادی عمر رضی اللہ عنہ پس گفت آرے اے رسول اللہ پس گفت امیر المومنین علیہ السلام در مجلس دیگر۔ قسم بآن خدائے کہ شگافت حبہ راوخلق کرد آدمی را کہ ہر آئینہ شنیدم از جبرائیل کہ برائے تکرار آنچہ رسول گفتہ مین درباب پردہ دری مے گفت نبی راصلے اللہ علیہ وآلہ۔ اے محمد۔ شناساں اورا کہ دریدہ می شود پردہ۔ وآں پردۂ اللہ تعالیٰ است وپردۂ رسول اوست صلی اللہ علیہ وسلم وآن بالائے آن آست کہ رنگ کردہ شود محاسن اواز جانبؑ سرش بخون خالص باین معنی کہ مخلوط بمادہ مرض کہ برائے دفع آن قصدے کنند نبا شد بلکہ از زخم شمشیر و مانند آن باشد۔ دریں کلام اشارت است بایں کہ عار مشکل تراست از کشتہ شدن چنانچہ منقول است کہ امام حسین علیہ السلام در کربلا گفت القتل اولی من العار والعار اولی من دخول النار۔ گفت امیر المومنینؑ پس بغایت مضطرب شدم وقتے کہ فکر کردم وفہمیدم آن سخن را از امین الٰہی جبرائیل علیہ السلام کہ مراد شکستن عہد نیست بلکہ مراد غصب دختر من است کہ بزور خواہند گرفت اشارت است بغضب عمر ام کلثوم فاطمہ علیہا السلام را تا آنکہ افتادم بر روئے خود۔ گفتم آرے قبول کردم وراضی شدم ہرچند کہ دریدہ شود پردہ و معطل شود طریقہائے خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پارہ پارہ کردہ شود احکام قرآن و خراب کردہ شود کعبہ و رنگ کردہ شود محاسن من از جانب سر من بخون خالص برحالے کہ صبر کنندہ باشم حساب آن را۔ قیامت انداز ندہ باشم ہمیشہ تاوقتیکہ وارد شوم برتو تاروز مرگ یادر روز قیامت انتہے۔(صافی شرح اصول کافی مطبوعہ نوں کشور۔ کتاب الحجہ۔ جزء سوم۔ صفحہ ۲۸۱۔ ۲۸۲) ترجمہ عبارت فارسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب امر جبرائیل علیہ السلام بحکم اللہ عزوجل جو کچھ

علی علیہ السلام پر شرط کیا تھا۔ منجملہ اس کے یہ تھا کہ آپ نے علی علیہ السلام سے فرمایا اے علی علیہ السلام جو کچھ وصیت نامہ میں ہے۔ تم اس کو پورا کرنا۔ یعنی دوستی اس کی جس نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھا اور دشمنی و بیزاری اس سے جس نے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی۔ اور نیز وہ بیزاری بطریق صبر ہو گی تمہاری طرف سے غصہ کے ضبط کرنے پر اور اپنے حق خلافت کے جاتے رہنے اور اپنے خمس کے چھن جانے اور اپنی پردہ دری پر۔ یہ اشارہ ہے دامادی عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ۔ پس علی علیہ السلام نے کہا۔ ہاں اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر علیہ السلام نے دوسری مجلس میں کہا۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے دانہ کو پھاڑا اور آدمی کو پیدا کیا بے شک میں نے جبرائیل علیہ السلام کو سنا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ دری کے بارے میں مجھ سے فرمایا اس کے تکرار کے لئے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں عرض کر رہے تھے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے علی علیہ السلام کو آگاہ کر دیجئے کہ پردہ دری ہو گی۔ اور وہ پردہ اللہ کا ہے۔ اور پردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور وہ پردہ دری بڑھ کر ہو گی اس سے کہ اس کی ڈاڑھی سر کی طرف سے خالص خون سے رنگی جائے۔ بایں معنی کہ مخلوط بمادہ مرض نہ ہو گی جس کے دفعیہ کا قصد کیا کرتے ہیں۔ بلکہ شمشیر وغیرہ کے زخم سے (شدید تر) ہو گی۔ اس کلام میں اشارہ ہے اس بات کی طرف عار مشکل ہے۔ بہ نسبت قتل کیے جانے کے چنانچہ منقول ہے کہ امام حسینؓ نے کربلا میں فرمایا۔ القتل اولی من العار والعار اولی من دخول النار امیرالمومنین نے کہا۔ پس میں نہایت پریشان ہوا۔ جس وقت میں نے امین خدا جبرائیل علیہ السلام کی اس بات کو سوچا اور سمجھا کہ اس سے مراد عہد شکنی نہیں بلکہ مراد میری بیٹی کا غصب ہے۔ جسے وہ زبردستی لے جائیں گے۔ یہ اشارہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ام کلثوم بنت فاطمہؓ کو زبردستی چھین لیں گے۔ یہاں تک کہ میں منہ کے بل گر پڑا اور کہا کہ ہاں میں نے قبول کیا اور میں راضی ہو گیا خواہ میری پردہ دری ہو اور خدا رسول کے طریقے معطل ہو جائیں۔ اور احکام قرآن پارہ پارہ ہو جائیں۔ اور کعبہ منہدم ہو جائے۔ اور ڈاڑھی سر کی طرف سے خالص خون سے رنگی جائے در آنحالے کہ میں ہمیشہ صبر کرتا رہوں گا۔ اور اس کا حساب قیامت پر چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ میں آپ کے پاس آؤں یعنی روز مرگ تک یا قیامت کے دن۔ (انتہیٰ)

۶۔ شیعہ کا شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) اپنی کتاب تہذیب الاحکام (مطبوعہ ایران۔ کتاب الطلاق۔ باب عدۃ النساء۔ صفحہ ۲۳۸) میں یوں ذکر کرتا ہے:

روی محمد بن یعقوب عن حمید بن زیاد عن ابن سماعۃ عن محمد بن زیاد عن عبداللّٰہ بن سنان و معاویۃ بن عمار عن ابی عبداللّٰہ قال سألتہ عن المرأۃ المتوفی عنھا زوجھا تعتدفی بیتھا اوحیث شاءت قال بل حیث شاءت ان علیاً لماتوفی عمراتی ام کلثوم فانطلق بھا الٰی بیتہ۔

یہ وہی روایت نمبر۳ ہے جو فروع کافی سے اوپر نقل ہو چکی ہے۔

۷۔ حدیث نمبر۶ کے بعد تہذیب الاحکام میں یہ حدیث مذکور ہے:

روی الحسین بن سعید عن النضر بن سوید عن ھشام بن سالم عن سلیمان بن خالد قال سألت ابا عبداللّٰہ عن امرأۃ توفی عنھا زوجھا این تعتد فی بیت زوجھا اوحیث شاءت قال بل حیث شاءت ثم قال ان علیًا توفی عمراتی ام کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بھا الٰی بیتہ۔

یہ وہی روایت نمبر۴ ہے۔ جو بحوالہ فروع کافی اوپر مذکور ہے۔

۸۔ شیخ الطائفہ طوسی کتاب الابصار (مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ۔ مجلد ثانی۔ صفحہ ۱۸۵)۔ میں حدیث نمبر۶ کو اسی اسناد کے ساتھ یوں ذکر کرتا ہے:

باب المتوفی عنھا زوجھا ھل یجوزلھا ان تبیت عن منزلھا ام لا۔

محمد بن یعقوب عن حمید بن زیاد عن ابن سماعۃ عن محمد بن زیاد عن عبداللّٰہ بن سنان ومعاویۃ بن عمار عن ابی عبداللّٰہ قال سألتہ عن المرأۃ المتوفی عنھا زوجھا تعتد فی بیتھا اوحیث شاءت قال بل حیث شاءت ان علیا لما توفی عمراتی ام کلثوم فانطلق بھا الٰی بیتہ۔

ترجمہ: "باب ہے بیچ بیان اس عورت کے جس کا خاوند مرجائے کیا اس کے لئے جائز ہے۔ کہ اپنے گھر سے باہر رات گذارے یا نہ۔ حدیث بیان کی محمد بن یعقوب نے حمید بن زیاد سے۔ اس نے ابن سماعہ سے۔ (الخ)

۹۔ حدیث نمبر۷ کے بعد کتاب الابصار میں یہ حدیث ہے:

الحسین سعید بن النضر بن سوید عن ھشام بن سالم عن سلیمٰن بن خالد قال سألت ابا عبداللّٰہ علیہ السلام عن امرأۃ توفی عنھا زوجھا این تعتد فی بیت زوجھا اوحیث شاءت ثم قال ان علیا علیہ السلام لما مات عمراتی ام کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بھا الٰی بیتہ۔

یہ وہی روایت نمبر۷ ہے جو بحوالہ تہذیب الاحکام اوپر مذکور ہے۔

۱۔ تہذیب الاحکام (جلد ثانی۔ کتاب المیراث۔ باب میراث الغرقی والمھدوم علیھم فی وقت واحد صفحہ۔

۳۸۰) میں اس مبحث کے متعلق ایک اور حدیث یہ ہے:

محمد بن احمد بن یحیٰی عن جعفر بن محمد القمی عن القداح عن جعفر عن ابیہ قال ماتت ام کلثوم بنت علی وابنھا زید بن عمر بن الخطاب فی ساعۃ واحدۃ لا یدری ایھما ھلک قبل فلم یورث احدھما من الاخر وصلی علیھما جمیعا۔

ترجمہ: " حدیث بیان کی محمد بن احمد بن یحیٰی بن جعفر محمد قمی سے اس نے قداح سے۔ اس نے امام جعفر صادق سے۔ امام نے اپنے باپ امام محمد باقر سے کہ فرمایا امام محمد باقر نے۔ کہ ام کلثوم بنت علی اور ام کلثوم کا بیٹا زید بن عمر بن الخطاب ایک ہی ساعت میں فوت ہوئے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کون پہلے مرا۔ پس ایک دوسرے کا وارث قرار نہ دیا گیا۔ اور دونوں پر ایک ساتھ نماز پڑھی گئی۔ (انتہیٰ)

۱۔ شیعہ کا بڑا مجتہد مرتضٰی علم الہدیٰ (متوفی ۴۳۶ ہجری) اس نکاح کا اعتراف بدین الفاظ کرتا ہے:

فاما انکاحہ علیہ السلام ایاھم فقد ذکرنا فی کتابنا الشافی الجواب عن ھٰذا الباب مشروحًا وبینا انہ ما اجاب عمر الی انکاح بنتہ علیھا السلام الا بعد تو عدوتھد دومراجعۃ ومنازعۃ وکلام طویل مأثور اشفق معہ من شروف الحال وظھورما لا یزال یخفیہ منھا وان العباس رحمۃ اللّٰہ علیہ لما رأی ان الامر مریفضی الی الوحشۃ و وقوع الفرقۃ سألہ رد امرھا الیہ ففعل فزوجھا منہ وما یجری علی ھٰذا الوجہ معلوم انہ علی اختیار ولا ایثار وبینا فی الکتاب الذی ذکرناہ انہ لا یمتنع ان یبیح الشرع ان یناکح بالاکراہ من لا یجوزمنا کحتہ مع الاختیار لا سیما اذا کان المنکح مظھرا للاسلام والتمسک بسائر الشریعۃ (تنزیہ الانبیاء مطبوعہ ایران ۱۲۹۰ء صفحہ ۱۴۵)

ترجمہ: "یعنی رہا حضرت علیہ السلام کا نکاح کر دینا ان کے ساتھ سو ہم نے اپنی کتاب شافی میں اس بات کا مفصل جواب دیا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ حضرت امیر نے اپنی بیٹی علیہا السلام کا عقد عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبول نہیں کیا۔ مگر بعد اس کے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تشدد کی دھمکی دی اور ڈرایا اور بار بار درخواست کی اور جھگڑا کیا اور طویل کلام کی۔ اور معہذا حضرت امیر ڈرے کہ حال خراب ہو جائے گا۔ اور وہ امر ظاہر ہو جائے گا۔ جسے آپ اس سے چھپاتے رہے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ عباس رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اس سے وحشت اور وقوع فرقت کی نوبت پہنچ جائے گی۔ تو آپ نے حضرت امیرؑ سے التماس کی کہ ام کلثوم کا معاملہ میرے حوالہ کر دیجئے۔ حضرت امیرؑ نے ایسا ہی کیا۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم کا عقد عمرؓ کے ساتھ کر دیا معلوم ہوا

ہے۔ کہ اس طرح کا عقد نہ اختیار سے ہوا نہ ایثار سے اور ہم نے شافی ہی میں بیان کیا ہے۔
کہ یہ محال نہیں۔ کہ شریعت اکراہ کی حالت میں اس شخص کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دے۔
جس کے ساتھ حالت اختیار میں ناجائز ہے۔ خصوصاً جب کہ ناکح اسلام اور تمام شریعت کی
پابندی ظاہر کرے۔ (انتہیٰ)

۱۲۔ شیعہ کا قطب راوندی (متوفی ۵۷۳ھ) میں نکاح کا انکار کرتا ہے۔ اور یہ روایت پیش کرتا ہے:

عن ابی بصیر من جذعان بن نصر قال حدثنا ابو عبداللّٰه عهد بن ابی صعده قال حدثنا محمد بن حموية بن اسمٰعيل عن ابی عبداللّٰه الزبينی عن عمر بن اذنيه قال قيل لابی عبداللّٰه ان الناس يحتجون علينا ويقولون ان امير المومنينؑ زوج فلانا ابنته ام كلثوم وكان متكئًا فجلس وقال يقولون ذٰلک لا يهتدون الٰی سواء السبيل۔ سبحان اللّٰه اما كان امير المومنين يقدر ان يحول بينه وبينها فينقذها كذبو اولم يكن ما قالوا وان فلانا خطب الی علی ابنته ام كلثوم فابی علیؑ فقال لعباس واللّٰه لئن لم يزوجنی لا نزعن منک السقاية وزمزم فاتی العباس عليًا وكلمه فابی فعليه فالح الرجل علی العباس فالح العباس عليه فلما رأى امير المومنين مشقة كلام الرجل علی العباس وانه سيفعل بالسقاية ماقال فارسل امير المومنين وطلب جنية من اهل نجران يهودية يقال لها سحيقة بنت جويرية فامرها فتمثلت فی مثال ام كلثوم وحجبت الابصار عن ام كلثوم وبعث بها الی الرجل فلم تزل عنده حتی انه استراب بها يومًا فقال مافی الارض اهل بيت اسحر من بنی هاشم ثم ارادان يظهر ذلک للناس فقتل وحوت الجنية الميراث وانصرفت الی نجران فاظهر امير المومنين ام كلثوم (كتاب الخرايج والجرايج مطبوعه بمبئی ۱۳۰۱ھ صفحه ۱۳۶)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) عمر بن اذنیہ کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق سے عرض کیا گیا کہ لوگ ہم پر حجت لاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ امیرالمومنین نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا عقد فلاں شخص (عمرؓ) کے ساتھ کر دیا۔ اس وقت امام تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے۔ اور فرمانے لگے۔ کہ کیا لوگ ایسا کہتے ہیں۔ تحقیق وہ لوگ جو ایسا گمان کرتے ہیں راہ حق کی ہدایت نہیں پاتے۔ سبحان اللہ کیا امیرالمومنینؑ میں اتنی قدرت نہ تھی۔ کہ اس شخص اور اپنی بیٹی کے درمیان حائل ہو جاتے۔ اور بیٹی کو بچا لیتے وہ جھوٹے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں وقوع میں نہیں آیا۔ بے شک اس شخص نے علیؑ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کی خواستگاری کی مگر علیؑ نے انکار کر دیا۔ پس اس نے عباس سے کہا کہ خدا کی قسم اگر علی اپنی بیٹی کا عقد میرے ساتھ

نہ کریں گے تو میں تم سے سقائیت حاج اور زمزم چھین لوں گا۔ یہ سن کر عباس علی کے پاس آئے۔ اور ان سے گفتگو کی ۔ مگر علی نے انکار کر دیا۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے عباس پر اصرار کیا۔ او عباس نے اصرار کیا۔ جب امیر المومنین نے دیکھا۔ کہ عمر کا کلام عباس رضی اللہ عنہ پر شاق ہے اور عمر رضی اللہ عنہ جیسا کہ کہتے ہیں۔ سقائیت چھین لیں گے۔ تو آپ نے اہل نجران میں سے ایک جنیہ یہودیہ کو بلا بھیجا جس کا نام سحیقہ بنت جویریہ تھا۔ حضرت امیر کے حکم سے وہ جنیہ بشکل ام کلثوم متشکل ہو گئی۔ اور ام کلثوم نظروں سے چھپا دی گئی۔ سحیقہ کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ ان کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کو اس کے بارے میں شک پیدا ہوا۔ اور کہا کہ روئے زمین پر کوئی خاندان بنو ہاشم سے زیادہ جادوگر نہیں۔ پھر انہوں نے چاہا کہ یہ معاملہ لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ مگر شہید کر دیئے گئے۔ اور وہ جنیہ میراث لے کر نجران کو چلی گئی۔ پس امیر المومنین نے ام کلثوم ظاہر کر دی۔ (انتہیٰ)

۱۳۔ شیعہ کا عالم ربانی کامل صمدانی۔ محقق۔ مدقق فقیہ' محدث' عابد' زاہد' تقی' نقی' غواص بحار الاخبار ناشر آثار ائمہ اطہار فخر المحققین سند المدققین علامتہ العصر فرید الدہر محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی (متوفی ۵۸۸ ہجری) کتاب مناقب میں رقمطراز ہے۔

فولد من فاطمة عليها السلام الحسن والحسين والمحسن سقط وزينب الكبرى وام كلثوم تزوجها عمر وذكر ابو محمد النوبختي في كتاب الامامة ان ام كلثوم كانت صغيرة ومات عمر قبل ان يدخل بها وانه خلف على ام كلثوم من بعد عمر عون بن جعفر ثم محمد بن جعفر ثم عبدالله بن جعفر (مناقب آل ابی طالب مطبوعه بمبئی سنه ۱۳۱۳ھ مجلد ثالث۔ صفحه ۱۶۲)

ترجمہ: "پس پیدا ہوئے فاطمہ علیہا السلام کے بطن مبارک سے حسن اور حسین اور محسن سقط اور زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ جس کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ اور ابو محمد نو بختی نے کتاب الامامت میں ذکر کیا ہے۔ کہ ام کلثوم صغیر سن تھی۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ہم بستر ہونے سے پہلے وفات پائی۔ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ عون بن جعفر کے نکاح میں آئیں بعد ازاں محمد بن جعفر کے۔ پھر عبداللہ بن جعفر کے عقد میں آئیں۔ (انتہیٰ)

علامہ ابن شہر آشوب دوسری جگہ (مناقب۔ مجلد ثانی۔ صفحہ ۱۴۴) اولاد علیؑ کے شرف کے ذکر میں لکھتا ہے:

اجتهد عمر بن الخطاب في خطبة ام كلثوم اجتهاد اوروى اخبار۔

ترجمہ: "یعنی عمر بن الخطاب نے ام کلثوم کی خواستگاری میں بہت کوشش کی اور اس بارے

میں احادیث مروی ہیں۔ (انتہیٰ)

۱۴۔ شیعہ کا عالم عامل، ادیب کامل، ناشر اخبار ائمہ ابرار، محی مناقب حیدر کرار، علی بن عیسیٰ اربلی اپنی مشہور کتاب کشف الغمہ میں جو ۶۸۷ھ کی تصنیف ہے۔ اس نکاح کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے:

ولو کانوا کغیرھم لما قال عمر حین طلب مصاھرۃ علی انی سمعت رسول اللّٰہ یقول کل سبب ونسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ ایران۔ سنہ ۱۳۴۹۔ صفحہ ۱۰)

ترجمہ: "اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت اوروں جیسے ہوتے۔ تو عمرؓ علیؓ کی دامادی طلب کرتے وقت یوں نہ کہتے کہ میں نے رسول اللہؐ کو سنا ہے۔ کہ فرماتے تھے۔ کہ قیامت کے دن میرے سبب ونسب کے سوا تمام سبب ونسب منقطع ہوں گے۔ (انتہیٰ)

۱۵۔ شیعہ کا فخر المحققین زین المجتہدین شہید ثانی یعنی زین العابدین بن علی بن احمد عاملی کتاب شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام کی شرح مسالک الافہام میں جس کی تصنیف سے وہ بروز چہار شنبہ ۲۱ ماہ ربیع الاول ۹۶۳ھ میں فارغ ہوا۔ ماتن کے قول ویجوز نکاح الحرۃ العبد والعربیۃ العجمی والھاشمیۃ غیر الھاشمی وبالعکس کے تحت میں یوں لکھتا ہے:

وزوج النبی ابنتہ عثمان وزوج ابنتہ زینب بابی العاص بن الربیع ولیسا من بنی ھاشم وکذلک زوج علی ابنتہ ام کلثوم من عمرو تزوج عبداللّٰہ بن عمرو بن عثمان فاطمۃ بنت الحسین وتزوج مصعب بن الزبیر اختھا سکینۃ وکلھم من غیر بنی ھاشم واوضع نسبًا (مسالک الافہام مطبوعہ ایران۔ س ۱۲۸۲ھ جلد اول۔ کتاب النکاح۔)

ترجمہ: "اور نبی ﷺ نے اپنی بیٹی کا نکاح عثمان کے ساتھ کر دیا۔ اور اپنی بیٹی زینب کا عقد ابو العاص بن ربیع کے ساتھ کر دیا۔ جبکہ عثمان ابو العاص دونوں بنو ہاشم میں سے نہیں۔ اسی طرح علی نے اپنی بیٹی کلثوم کا عقد عمر کے ساتھ کر دیا۔ اور عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے فاطمہ بنت حسینؑ کے ساتھ اور مصعب بن زبیر نے فاطمہ کی بہن سکینہ کے ساتھ نکاح کیا۔ اور یہ سب بنو ہاشم میں سے نہیں۔ اور نسب میں ادنیٰ درجے کے ہیں۔ (انتہیٰ)

۱۶۔ شیعہ کا شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری (متوفی ۱۰۱۹ھ) اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں جو ۹۹۰ھ میں تصنیف ہوئی ترجمہ عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کے ضمن میں اس نکاح کا ذکر یوں کرتا ہے:

در کتاب استغاثہ وغیر آن مسطور است کہ چون عمر ابن الخطاب جہت ترویج خلافت فاسدہ خود داعیہ ترویج ام کلثوم دختر حضرت امیر نمود و آن حضرت جہت اقامت حجج مکرر اظہار ابا و امتناع

نمود آخر عمر عباس رانزد خود طلبید و سوگند خوردہ گفت کہ اگر علی رابدامادی من راضی نمے سازی آنچہ دردفع او ممکن باشد خواہم کرد منصب سقائیت حج و زمزم را از تو خواہم گرفت۔ عباس ملاحظہ نمود کہ اگر این نسبت واقع نشود۔ آن فظ غلیظ مرتکب چنان امرنا صواب خواہد شد از حضرت امیر التماس والحاح نمود کہ ولائیت نکاح آن مطہرہ مظلومہ را باو تفویض نمائید۔ چون مبالغہ عباس در آن باب ازحد گزشت۔ آن حضرت ازروئے اکراہ ساکت شدند تاآنکہ عباس ازپیش خود ارتکاب تزویج او نمود وجہت اطفاء نائرہ فتنہ او رابان منافق ظاہر الاسلام عقد فرمودو ظاہرابواسطہ این وکالت فضولی وامثال آن حضرت امیر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام عباس رامانند دیگر یاران فدائی خود راسخ در محبت واخلاص نمے دانست (مجالس المومنین۔ مطبوعہ ایران۔ صحفہ ۷۸)

ترجمہ: "جب عمر بن الخطاب نے اپنی خلافت فاسدہ کے رائج کے لئے حضرت امیرؑ کی بیٹی ام کلثوم کے ساتھ نکاح کرنے کا قصد کیا۔ اور حضرت نے حجتوں کے قائم کرنے کے لئے کئی بار انکار ظاہر کیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا۔ اور قسم کھائی کہ اگر تم علی رضی اللہ عنہ کو میری دامادی پر راضی نہ کرو گے۔ میں اس کے دفع کرنے میں جو ممکن ہو گا۔ کروں گا۔ اور تم سے منصب سقائیت حج و زمزم چھین لوں گا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ اگر یہ نکاح وقوع میں نہ آیا۔ تو وہ سخت خوسخت دل ایسے ناجائز امر کا مرتکب ہو گا۔ اس لئے حضرت امیرؑ سے التماس و اصرار کیا۔ کہ اس مطہرہ مظلومہ کی ولایت مجھے تفویض فرمادیں۔ جب عباس رضی اللہ عنہ کا مبالغہ اس بارے میں حد سے بڑھ گیا۔ تو حضرت امیراز روئے اکراہ کے خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ام کلثوم کے نکاح کا ارتکاب کیا۔ اور فتنہ کی آگ بجھانے کے لئے اس مطہرہ کا عقد اس منافق ظاہرالاسلام کے ساتھ کر دیا۔ بظاہراس وکالت فضولی اور ایسے ہی دیگر امور کے سبب حضرت امیر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام عباس کو اپنے دوسرے جاں نثار یاروں کی مانند محبت و اخلاص میں راسخ نہ جانتے تھے۔ (انتہیٰ)

۱۷۔ مجالس المومنین۔ صفحہ ۸۳ میں محمد بن جعفر طیار کے ترجمہ میں ہے۔

محمد بن جعفر بعد از فوت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بشرف مصاہرت حضرت امیرالمومنین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام مشرف گشتہ وام کلثوم راکہ باعدم کفائیت از روئے اکراہ درحبالہ عمربود تزویج نمود۔

یعنی محمد بن جعفر عمر بن خطاب کی وفات کے بعد حضرت امیرالمومنین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی دامادی سے مشرف ہوئے۔ اور ام کلثوم کو جو باوجود عدم کفایت کے از روئے اکراہ عمر رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھی اپنے نکاح میں لائے۔ (انتہیٰ)

۱۸۔ مجالس المومنین صفحہ ۸۷ میں ہے۔

امیر المومنین بعد از وفات حضرت سید المرسلین در سائر امور خود تاسی بآن حضرت نمود واقتدا بوصایائے اوے فرمود۔ وہر ازارے حضرت از قوم دید باونیز ہمان رسید تااگر اودر مبادی حال لکم دینکم ولی دین فرمود این نیز ترک ریاست قوم بے دین نمود۔ واگر او در اوائل بدہ صحابی قناعت کرد۔ این نیز در عنفوان حال بسلمان و ابوذر و دوازدہ صحابی اکتفا فرمود۔ واگر او بوقت عجز بغار فرار نمود۔ این بوقت عجز و منع درخانہ بروے خود فراز کرد۔ واگر اواز مکہ بمدینہ آمد۔ این از مدینہ بکوفہ آمد۔ اگر خانۂ مکہ اوراکہ مہبط ملک بود بقھر گرفتند۔ باغ مدینہ این راکہ مسمی بفدک بود غصب کروند۔ اگر مصطفےٰ در اول صلح کرد۔ مرتضٰی نیز در اول اصلاح نمود۔ واگر نبی دختر عثمان داد۔ ولی دختر بعمر فرستاد۔ واگر پیغمبر در آخر قتال کرد بقول خدا تعالیٰ کہ اقتلوا المشرکین۔ حیدر نیز در آخر قتال کرد بقول رسول لعلی کہ یاعلی انک تقاتل بعدی الناکثین والقاسطین والمارقین۔ اگر آن در وقت فتح مکہ در خانہ مغصوب نزول نفرمود۔ این در ایام خلاف تصرف در باغ خود ننمود۔ اگر امام صلح کرداز رسول آموخت۔ اگر جنگ کرد از وودید اگر در صفین ظفر نیافت اودر حنین ظفر نیافت۔

ترجمہ: "حضرت سید المرسلین کی وفات کے بعد امیر المومنین اپنے تمام معاملات میں حضرت کا اقتدا کرتے تھے۔ اور آپ کی وصیتوں پر عمل پیرا تھے۔ جو تکلیف حضرت کو اپنی قوم سے پہنچی۔ وہی امیر کو بھی پہنچی۔ یہاں تک کہ اگر حضرت اوائل حال میں لکم دینکم ولی دین فرماتے تھے۔ امیرؓ نے بھی قوم بے دین کی ریاست ترک دی۔ اگر حضرتؐ عاجزی کے وقت بھاگ کر غار میں جا چھپے۔ امیرؓ نے بوقت عجز و منع گھر کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا۔ اگر حضرت مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔ امیرؓ مدینہ سے کوفہ چلے آئے۔ اگر حضرت کے مخالفین نے مکہ میں آپ کے دولت خانہ کو جو مہبط جرائیل تھا۔ غلبہ سے لے لیا۔ مخالفین امیرؓ نے مدینہ میں آپ کے باغ فدک کو غصب کر لیا۔ اگر مصطفےٰ ﷺ نے شروع میں صلح کر لی۔ مرتضٰی نے بھی شروع میں صلح کی۔ اگر نبی ﷺ نے بیٹی عثمان کو دی۔ ولی نے بیٹی عمر کے پاس بھیجی۔ اگر پیغمبر ﷺ نے اخیر میں ارشاد باری تعالیٰ اقتلوا المشرکین پر عمل کیا۔ حیدرؓ نے بھی اخیر میں قتال کیا۔ حسب ارشاد نبوی ﷺ یا علیؓ انک تقاتل بعدی الناکثین والقاسطین والمارقین۔ حضرت ﷺ نے فتح مکہ کے وقت اپنے مغصوب گھر میں نزول نہ

فرمایا امیرؑ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے مغصوب باغ میں تصرف نہ کیا۔ اگر امام نے صلح کی۔ تو پیغمبر سے سیکھی۔ اگر جنگ کیا۔ تو پیغمبر ﷺ کا اقتدا کیا۔ اگر امام نے صفین میں فتح نہ پائی۔ پیغمبر ﷺ نے حنین میں فتح نہ پائی۔ (انتہی)

۱۹۔ مجالس المومنین۔ صفحہ ۱۸۸ میں ترجمہ ابو الحسن علی بن اسمٰعیل بن شعیب میں یوں مذکور ہے۔

دیگر پرسید چرا آن حضرت دختر خود را بعمر بن الخطاب داد۔ گفت بواسطہ آنکہ اظہار شہادتین مے نمود بزبان و اقرار بفضل حضرت امیرے کرد۔ و در آن باب اصلاح غلاظت و فظاظت او نیز منظور بود و این معاملہ دشوار ترازان نبود کہ حضرت لوط پیغمبر ﷺ عرض دختران خود بر قوم کافرے نمود۔ و بمضمون آیت کریمہ **ھٰؤلاۤء بناتی ھن اطھر لکم فاتقوا اللّٰہ ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید** زبان مبارک مے کشود۔

ترجمہ: ”پھر اس شخص نے ابو الحسن سے پوچھا۔ کہ حضرت امیرؑ نے اپنی بیٹی عمر بن الخطاب کے نکاح میں کیوں دی۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ کہ اس واسطے دی کہ عمر اپنی زبان سے اظہار شہادتین کرتے تھے۔ اور حضرت امیرؑ کی فضیلت کا اقرار کرتے تھے۔ اور اس معاملہ میں عمرؓ کی خلافت و فظاظت کی اصلاح بھی مد نظر تھی۔ اور یہ معاملہ اس سے زیادہ مشکل نہ تھا کہ حضرت لوطؑ اپنی بیٹیاں قوم کافر پر پیش کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ **ھولاء بناتی ھن اطھر لکم الایہ**۔ (انتھی)

۲۰۔ شیعہ کا مشہور محدث سید نعمت اللہ جزائری اپنی کتاب انوار نعمانیہ میں جس کی تصنیف سے وہ ۲۲ ماہ رمضان ۱۰۸۹ھ میں فارغ ہوا۔ اس نکاح کے متعلق یوں لکھتا ہے:

واما الاشکال فی تزویج علیؑ ام کلثوم لعمر بن الخطاب وقت تخلفه لانه قد ظهرت منه المناکیر وارتدعن الدین ارتدادا اعظم من ارتد حتی انه قد وردت فی روایات الخاصة ان الشیطان یغل بسبعین غلامن حدید جهنم ویساق الی المحشر فینظر ویری رجلا امامه تقوده ملائکة العذاب وفی عنقه مائة وعشرون غلامن اغلال جهنم فیدنو الشیطان الیه فیقول الشیطان مافعل الشقی حتی زاد علی فی العذاب وانا اغویت الخلق واوردتهم موارد الهلاک فیقول عمر للشیطان مافعلت شیئًا سوی ان غصبت خلافة علی بن ابی طالب والظاهر انه قد استقل سبب شقاوته

ومزید عذابه ولم يعلم ان كل ماوقع في الدنيا الى يوم القيامة من الكفر والنفاق واستيلاء اهل الجور والظلم انما هومن فعلته هذه وسياتى لهذا مزيد تحقيق انشاء اللّٰه تعالٰى- فاذا ارتد على هٰذا النحو من الارتداد فكيف ساغ في الشريعة مناكحته وقد حرم اللّٰه تعالٰى انكاح اهل الكفر والارتدادواتفق عليه علماء الخاصة فنقول قد تفصى الاصحاب رضى اللّٰه عنهم عن هٰذا ابو جهين عامي وخاصي- امام الاول فقد استفاض في اخبارهم عن الصادق عليه السلام لما سئل عن هٰذه المناكحة فقال انه اول فرج غصبناه وتفصيل هٰذا ان الخلافة كانت اعز على امير المومنين من الاولاد والبنات والازواج والاموال وذٰلک لان بها انتظام الدين واتمام السنة ورفع الجور واحياء الحق وموت الباطل وجميع فوائد الدنيا والاٰخِرَةِ فاذا لم يقدر على الدفع عن مثل هٰذا الامر الجليل الذى لا يتمكن من الدفع عنه زمن معاوية بذل عليه الارواح وسفک فيه المهج حتى انه قتل لا جله ستين الفًا فى معركة صفين وقتل من عسكره عشرون الفًا و واقعة الطفوف اشهر من ان تذكرفاذا قبلنا منه العذر فى ترک هٰذا الامر الجليل وقد كان معذورا كما سياتى الكلام

فيه عند ذكر اسباب تقاعده عن الحرب فى زمن الثلاثة ان شاء اللّٰه تعالٰى والتقية باب فتمه اللّٰه سبحانه و تعالٰى للعباد وامرهم بارتكابه والزمهم به كما اوجب عليهم الصلاة والصيام حتى انه ورد عن الائمة الطاهرين عليهم السلام لا دين لمن لا تقية له فقبل عذره في مثل هٰذا الامر الجزئى وذٰلک انه قدروى الكلينى عن ابن ابى عمير عن هشام بن سالم عن ابى عبداللّٰه قال لما خطب اليه قال له امير المومنين انها صبية قال فلقى العباس فقال له مالى ابى باس قال وما ذٰلک قال خطبت الى ابن اخيک فردنى اما واللّٰه لا عورن زمزم ولا ادع لكم مكرمة الاهد متها ولا قيمن عليه شاهدين بانه سرق ولا قطعن يمينه فاتاه العباس فاخبرهٗ وساله ان يجعل الامر اليه فجعله اليه واما الشبهة الواردة على هٰذا اوهي انه يلزم ان

یکون عمر زانیا فی ذالک النکاح وھو مما لا یقبله العقل بالنظر الی ام کلثوم والجواب عنها من وجهین احدهما ان ام کلثوم لا حرج علیها فی مثله لا ظاهراً ولا واقعًا وهو ظاهرواما هو فلیس بزان فی الحقیقة وفی ظاهر الشریعة لانه دخول ترتب علی عقد باذن الولی الشرعی واما فی الواقع وفی نفس الامر فعلیه عذاب الزانی بل عذاب کل اهل المساوی والقبائح الثانی ان الحال لما اٰل الی ماذکرناه من التقیة فیجوز ان یکون قد رضی بتلک المناکحة رفعالدخوله فی سلک غیر الوطی المباح

واما الثانی وهو الوجه الخاصی فقد رواه السید العالم بهاء الدین علی بن عبد الحمید الحسینی النجفی فی المجلد الاول من کتابه المسمی بالانوار المضیئة عن الشیخ السعید محمد بن محمد بن النعمان المغیدره رفعه الی عمر بن اذینة قال قلت لابی عبداللّٰه ان الناس یحتجون علینا ان امیر المومنین زوج فلانا ابنته ام کلثوم وکان متکئا فجلس فقال اتقبلون ان علیا انکح فلانا ابنته۔ ان قوما یزعمون ذٰلک مایهتدون الٰی سواء السبیل ولا الرشاد ثم صفق بیده وقال سبحان اللّٰه۔ اما کان امیر المومنین یقدر ان یحول بینه وبینها۔ کذبوا لم یکن ما قالوا ان فلانا خطب الی امیر المومنین ابنته ام کلثوم فابی فقال للعباس واللّٰه لئن لم یزوجنی لا نزعن منک السقایة وزمزم۔ فاتی العباس علیا فکلمه فابی فالحہ العباس فلما رأی امیر المومنین مشقة کلام الرجل علی العباس وانه سیفعل معه ما قال ارسل الی جنیة من اهل نجران یهودیة یقال لها سحیقة بنت جویریه فامرها فتمثلت مثال ام کلثوم وحجبت الابصار عن ام کلثوم وبعث بها الی الرجل فلم تزل عنده حتی انه استراب بها یومًا فقال ما فی الارض اهلاً بیت اسحر من بنی هاشم ثم ارادان یظهر للناس فقتل ثم اخذت المیراث وانصرفت الی نجران واظهر امیر المومنینؑ ام کلثوم۔ اقول وعلی هذا فحدیث اول فرج غصبناه محمول علی التقیة اوالاتقاء من عوام الشیعة کما لا یخفی۔

ترجمہ: "حضرت علیؓ نے جو ام کلثوم کا نکاح عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا اس میں اشکال ہے۔ کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ سے افعال شنیعہ ظہور میں آئے۔ اور دین سے اس کا ارتداد تمام مرتدین کے ارتداد سے زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ شیعہ کی روایات میں وارد ہے۔ کہ شیطان کے گلے میں دوزخ کے لوہے کے ستر طوق ہوں گے۔ اور محشر کی طرف لے جایا جائے گا۔ وہ اپنے آگے ایک شخص کو دیکھے گا۔ کہ عذاب کے فرشتے اسے لئے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے ایک سو بیس طوق اس کے گلے میں ہیں۔ شیطان اس کے نزدیک ہو کر کہے گا۔ کہ اس بدبخت نے کیا کیا۔ کہ مجھ سے بھی زیادہ عذاب میں گرفتار ہے۔ حالانکہ میں نے خلقت کو گمراہ کیا۔ اور ان کو ہلاکت کی جگہوں میں داخل کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ شیطان سے کہیں گے کہ میں نے سوا اس کے کچھ نہیں کیا کہ علی بن ابی طالب کی خلافت چھین لی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شقاوت اور مزید عذاب کے سبب کو خفیف خیال کیا۔ اور یہ نہ جانا۔ کہ دنیا میں کفر و نفاق و غلبہ اہل جور و ظلم جو قیامت تک وقوع میں آیا وہ اس کے اس کام کے سبب سے ہے۔ اس کی مزید تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گی جب عمر رضی اللہ عنہ کا ارتداد اس قسم کا ہے تو شریعت میں اس کے ساتھ نکاح کس طرح جائز ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے کافروں اور مرتدوں کے ساتھ نکاح حرام کر دیا ہے۔ اس پر علمائے شیعہ کا اتفاق ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں۔ کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس اشکال سے دو وجہ سے رہائی پائی ہے۔ ایک وجہ عامی اور دوسری خاصی ہے۔

وجہ عامی یہ ہے۔ کہ اخبار شیعہ میں یہ خبر مستفیض ہے۔ کہ جب امام صادق سے اس تزویج کی نسبت سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ پہلی فرج ہے۔ جو ہم سے چھینی گئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ خلافت حضرت امیرؑ کے نزدیک اولاد و بنات و ازواج و اموال سے عزیز تھی اس لئے کہ خلافت سے انتظام دین اور اتمام سنت اور رفع جور اور احیاء حق اور موت باطل اور دین و دنیا کے تمام فوائد حاصل ہیں۔ پس جب آپ ایسے امر جلیل سے مدافعت نہ کر سکے۔ اور معاویہ کے زمانہ میں اس پر جانیں قربان کیں۔ اور خون بہائے۔ یہاں تک کہ اسی خلافت کی خاطر معرکہ صفین میں ستر ہزار کو قتل کیا اور آپ کے لشکر میں سے بیس ہزار قتل ہوئے۔ اور واقعہ طفوف تو محتاج بیان نہیں۔ جس صورت میں ہم اس امر جلیل کے ترک میں حضرت امیر کا عذر قبول کرتے ہیں۔ اور آپ معذور تھے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ بیان ہو گا۔ جب ہم

خلفائے ثلاثہ کے عہد میں حضرت کی لڑائی نہ کرنے کے اسباب ذکر کریں گے۔ اور تقیہ ایک باب ہے۔ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے کھول دیا ہے۔ اور ان کو اس کے ارتکاب کا حکم دیا ہے۔ اور اسے ان پر لازم کر دیا ہے۔ جیسا کہ نماز و روزہ واجب کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول ہے۔ کہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔ اس لئے حضرت امیرؑ کا عذر اس امر جزئی میں مقبول ہے۔ اور وہ بدین طور ہے۔ کہ کلینی نے ابن ابی عمیر سے اس نے ہشام بن سالم سے روایت کی کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے علیؑ سے خواستگاری کی۔ تو امیر المومنین نے جواب دیا۔ کہ ام کلثوم صغیر سن ہے۔ راوی کا قول ہے۔ کہ پس عمر رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ سے ملے۔ اور ان سے کہا۔ مجھے کیا ہے۔ کیا میرے ساتھ ڈر ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ بولے کہ وہ بات کیا ہے۔ عمرؓ نے کہا کہ میں نے تیرے بھتیجے سے خواستگاری کی۔ اس نے مجھے رد کر دیا۔ دیکھ اللہ کی قسم میں زمزم لے لوں گا۔ اور تمہارے واسطے کوئی بزرگی نہ چھوڑوں گا۔ جسے برباد نہ کردوں۔ اور میں اس (علیؑ) پر دو گواہ قائم کر دوں گا۔ کہ اس نے چوری کی ہے۔ اور اس کا دایاں ہاتھ ضرور کاٹ دوں گا پس عباس رضی اللہ عنہ علیؑ کے پاس آئے۔ اور ان کو خبر دی اور التماس کی کہ آپ اس معاملہ کو میرے سپرد کر دیں۔ پس علی رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے۔ کہ اس نکاح میں عمر رضی اللہ عنہ کا زانی ہونا لازم آتا ہے۔ جسے بعقل نظر برام کلثوم قبول نہیں کرتی۔ اس شبہ کا جواب دو وجہ سے ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ اس سے ام کلثوم پر نہ ظاہر میں نہ واقع میں کوئی حرج ہے۔ رہے عمر رضی اللہ عنہ سو وہ حقیقت میں اور ظاہر شریعت میں زانی نہیں۔ کیونکہ ان کا دخول شرعی ولی کی اجازت سے عقد پر مترتب ہے۔ مگر واقع میں اور نفس الامر میں ان پر زانی کا بلکہ تمام اہل مساوی و قبائح کا عذاب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب معاملہ تقیہ تک پہنچ گیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ تو جائز ہے۔ کہ حضرت امیرؑ اس مناکحت پر راضی ہو گئے ہوں۔ تاکہ یہ وطی غیر مباح نہ ٹھہرے۔ وجہ خاصی یہ ہے۔ کہ عالم سید بہاؤ الدین علی بن عبد الحمید حسینی نجفی نے اپنی کتاب انوار مضیئہ کی مجلد اول میں شیخ سعید محمد بن محمد بن نعمان مفید رہ (متوفی ۴۱۳ھ) سے روایت کی ہے۔ اور اسناد کو عمر بن اذینہ تک پہنچایا ہے۔ کہ عمر مذکور کا قول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کی کہ لوگ ہم پر حجت لاتے ہیں۔ کہ امیر المومنین سے اپنی بیٹی ام کلثوم فلاں شخص سے بیاہ

دی۔ اس وقت امام تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے۔ اور فرمانے لگے۔ کیا تم مانتے ہو کہ علیؑ نے اپنی بیٹی فلاں شخص سے بیاہ دی۔ وہ لوگ جو ایسا گمان کرتے ہیں۔ مسلک حق دوشاد سے دور ہیں۔ پھر امام نے ہاتھ سے تالی بجائی اور فرمایا سبحان اللہ۔ کیا امیرالمومنین میں قدرت نہ تھی کہ اس شخص اور اپنی بیٹی کے درمیان حائل ہو جاتے۔ وہ لوگ دروغ گو ہیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وقوع میں نہیں آیا۔ بے شک عمر رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین سے ان کی بیٹی ام کلثوم کی خواستگاری کی۔ مگر علیؑ نے انکار کر دیا۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اللہ کی قسم اگر وہ اپنی بیٹی کا عقد میرے ساتھ نہ کرے گا۔ میں تجھ سے سقائیت حاج اور زمزم ضرور چھین لوں گا۔ یہ سن کر عباس رضی اللہ عنہ علیؑ کے پاس آئے۔ اور ان سے گفتگو کی۔ مگر علیؑ نے انکار کر دیا۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا۔ جب امیرالمومنین نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کلام عباس رضی اللہ عنہ پر شاق ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ جو کچھ کہتے ہیں۔ عباس کے ساتھ کر گذریں گے۔ تو آپ نے اہل نجران میں سے ایک جنیہ یہودیہ کو بلایا جس کا نام سحیقہ بنت حریریہ تھا۔ حضرت امیرؑ کے حکم سے وہ جنیہ بشکل ام کلثوم متشکل ہو گئی۔ اور ام کلثوم نظروں سے غائب کر دی گئی۔ آپ نے اس جنیہ کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ وہ ان کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کو اس کے بارے میں شک پیدا ہو گیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ روئے زمین پر کوئی خاندان بنو ہاشم سے زیادہ جادوگر نہیں۔ پھر آپ نے چاہا۔ کہ یہ بات لوگوں سے ظاہر کر دیں۔ مگر شہید کر دیئے گئے۔ بعد ازاں وہ جنیہ میراث لے کر نجران واپس چلی گئی۔ اور امیرالمومنینؑ نے ام کلثوم کو ظاہر کر دیا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس صورت میں حدیث اول **فرج غصبناہ** تقیہ پر یا عوام شیعہ سے اتقاء پر محمول ہو گی۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (انتہی)

۲۱۔ شیعہ کا عمدۃ المجتہدین آخوند ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی متوفی۔ (۱۱۱۱ھ) تذکرہ الآئمہ میں یوں لکھتا ہے:

ام کلثوم را بجبر و تعدی عمر رضی اللہ عنہ بعقد خود در آور د بمہر چار ہزار دینار طلا۔ وا ورا فرستاد و اوچہار سالہ بود چون اور ابرو دامن خود نشانید ام ام کلثوم دست انداخت وریش عمر رضی اللہ عنہ را گرفت وسیلے برروئے اوزد۔ عمر را بد آمد۔ گفت این از حمیت بنی ہاشم است۔ فاضل ہندی در کتاب خود چنین ایراد نمودہ۔ وبعضے گویند ام کلثوم کبرے است کہ در ہر شب جنیہ بفرمودہ حضرت امیرالمومنین در پہلوئے عمر رضی اللہ عنہ مے خوابید و ام کلثوم تنہا مے خوابید بعینہ این مثل حکایت آسیہ زن فرعون است

(تذکرۃ الائمہ قلمی نسخہ۔ پشت ورق ۳۹)

ترجمہ: "عمر رضی اللہ جبر و تعدی سے ام کلثوم کو بعوض مہر چار ہزار دینار طلا اپنے نکاح میں لائے۔ حضرت امیرؑ نے ام کلثوم کو بھیجا اور وہ چار سال کی تھی جب عمر رضی اللہ نے اس کو اپنے دامن پر بیٹھایا۔ تو اس نے اپنے ہاتھ سے عمر رضی اللہ کی داڑھی پکڑ لی۔ اور اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔ عمر رضی اللہ کو برا معلوم ہوا۔ کہنے لگے۔ کہ یہ بنو ہاشم کی حمیت سے ہے۔ فاضل ہندی نے اپنی کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ام کلثوم کبریٰ تھی۔ جو ہر رات تنہا سوتی تھی اور ایک جنیہ حضرت امیرالمومنین کے حکم سے عمر رضی اللہ کے پہلو میں سویا کرتی تھی۔ یہ قصہ بعینہٖ فرعون کی بیوی آسیہ کی حکایت کی مثل ہے۔ (انتہیٰ)

فاضل ہندی سے ملا باقر کی مراد غالباً ملک العلماء قاضی شہاب الدین جونپوری ہیں۔ جن کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔

۲۲۔ شیعہ کے عالم عارف سید محمد باقر موسوی نے فتح علی شاہ قاجار (متوفی ۱۲۵۰ھ) کے عہد میں ایک ضخیم کتاب بحر الجواہر لکھی۔ جس میں اس نکاح کے متعلق روایت ابو الحسن علی بن اسمٰعیل اور روایت راوندی درج کی ہے۔ اور لکھا ہے:

بطرق صحیحہ روایت شدہ کہ چون مبالغہ عباس از حد گذشت۔ آن حضرت جنیہ از اہل نجران را طلبیدہ کہ نام او سحیقہ بنت جہیرہ بود۔ پس چون آن جنیہ بخدمت آن حضرت رسید فرمود بشکل ام کلثوم در آمد و بعد ازان او ربخانۂ عمر فرستاد و ہرگاہ عمر مے خواست کہ با او مقاربت کند متمکن نمیشد و درین حالت حیران بود و مے گفت در روئے زمین من اہل بیتے از قوم بنی ہاشم ساحر تر و مکار تر ندیدہ ام۔ و مے خواست کہ این حال خود را و آنچہ مشاہدہ کردہ بود از سحیقہ بیاران خود و اہل مذہب اظہار کند کہ دست غیب شکم او را پارہ کرد و بعد از قتل او سحیقہ متوجہ نجران شد و حضرت علی ام کلثوم را ظاہر گردانید و او زینب را بہ پسرہائے جعفر طیار داد

(بحر الجواہر۔ مطبوعہ ایران ۱۲۹۷ھ۔ صفحہ ۲۱۲)

ترجمہ: "صحیح طریقوں سے روایت ہے کہ جب عباس رضی اللہ کا اصرار حد سے بڑھ گیا۔ تو حضرت علیؑ نے اہل نجران میں سے ایک جنیہ کو بلایا۔ جس کا نام سحیقہ بنت جہیرہ تھا۔ جب وہ جنیہ حضرت امیرؑ کی خدمت میں آئی۔ تو آپ کے حکم سے بشکل ام کلثوم متشکل ہو گئی۔ بعد ازاں حضرت امیرؑ نے اس جنیہ کو عمر رضی اللہ کے گھر بھیج دیا۔ جس وقت عمر رضی اللہ اس کے ساتھ مقاربت چاہتے۔ تو قادر نہ ہوتے۔ وہ اس حالت میں حیران تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ میں نے

روئے زمین میں کوئی خاندان قوم بنی ہاشم سے زیادہ جادوگر و مکار نہیں دیکھا۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ اپنا یہ حال اور جو کچھ سحیقہ سے مشاہدہ کیا تھا۔ اپنے یاروں اور اہل مذہب سے ظاہر کر دیں۔ کہ دست غیب نے ان کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ ان کے قتل کے بعد سحیقہ نجران چلی گئی۔ اور حضرت علیؑ نے ام کلثوم کو ظاہر کر دیا۔ اور اس کا اور زینب کا نکاح جعفر طیار کے لڑکوں کے ساتھ کر دیا۔ (انتہیٰ)

۲۳۔ شیعہ کا کمترین خدام محمد بن محمد ہمدانی الاصل الدہلوی المولد اپنی کتاب سیف صارم الملقب و المؤرخ بہ شمشیر تیز ۱۲۶۷ ہجری میں حدیث اول فرج کے جواب میں بحث طویل کے بعد یوں لکھتا ہے:

المختصر بات یہ ہے۔ کہ مقصود و مرام کلام امام سے جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ ہے۔ کہ نکاح اس جناب ستورہ معصومہ کا کہ بغیر طیب خاطر اولیا بطریق اکراہ و اضطرار اور نارضامندی و اجبار واقع ہوا۔ اول نکاح ہے خاندان اہل بیت طاہرہ میں۔ باقی حال مفصل از روئے احادیث مشرحہ ائمہ اہل بیت کتاب شافی اور تنزیہ الانبیاء سید مرتضیٰ علم الہدی علیہ الرحمتہ اور مواعظ حسنیہ جناب غفران مآب وغیرہا کتب حقہ ہیں جو اہل ایمان بتصریح دیکھنا چاہیں تو وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔ صاف واضح ہو گا کہ وصلت و قربت زن و شوئی ہرگز نہیں وقوع میں آئی۔ بلکہ بطریقہ اہل بیت طاہرہ روایات صحیحہ مخبر ہیں۔ اس بات کی کہ ظاہر میں یہ رنج و صعوبت تھتک مولائے مومنین نے سر لیا۔ لیکن حقیقت میں قربت و مواصلت با معصومہ ہرگز وقوع میں نہیں آئی بلکہ از راہ اعجاز ،عنائیت کریم کارساز ایک جنیہ متشکلہ بشکل جناب معصومہ حوالہ کی گئی۔ اور جناب معصومہ تا حیات شیخ فانی نظر سے لوگوں کی غائب کی گئیں۔ و مزید التصریح فی المبسوطات (سیف صارم۔ مطبوعہ مطبع اثنا عشریہ ۱۲۶۷ھ صفحہ ۶۸)

حوالہ جات مذکورہ بالا پر تنقیدی نظر

ہم نے تیسری صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک کی مشہور تصانیف اثنا عشریہ میں نکاح ام کلثوم بنت فاطمہ الزہرا کے متعلق جو حوالہ جات اوپر نقل کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گزشتہ ایک ہزار سال کے عرصہء دراز میں تمام اثنا عشریہ کا اس امر پر اتفاق رہا ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثومؓ بنت علیؑ و فاطمہؑ کی خواستگاری کی۔ رہا یہ امر کہ نکاح وقوع میں آیا یا نہ۔ سو اس میں بھی سوائے شیخ مفید و قطب راوندی کے تمام اثناء عشریہ متفق ہیں۔ کہ حضرت فاروق اعظم نے حضرت ام

کلثوم بنت علیؓ و فاطمہؓ کے ساتھ نکاح کیا۔ اور اس سے یہ مسئلہ فقہیہ استخراج کیا گیا کہ ہاشمیہ کا نکاح غیر ہاشمی مرد کے ساتھ جائز ہے۔ نکاح کے بعد ہم بستری ہوئی یا نہ۔ کتب احادیث شیعہ سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم بستری ہوئی۔ اور حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ کے بطن مبارک سے اولاد بھی ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ علمائے شیعہ کو عقد کا اعتراف ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ مگر انہوں نے اس پر جو حواشی چڑھائے ہیں۔ ان میں عجیب و غریب تماشے دکھائے ہیں۔

(۱) کبھی خیال کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت امیرؓ نے یہ عقد بطیب خاطر و رضامندی نہیں کیا۔ بلکہ بالجبر و اکراہ ایسا ہوا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ تو بقول شیعہ ایسے شجاع تھے۔ کہ اکیلے سارے جہاں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ ہر وقت ان سے خائف رہا کرتے تھے۔ حضرت عباسؓ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جن کو ضعیف و ذلیل بتایا جاتا ہے۔ اندریں صورت حضرت عمرؓ یا عباسؓ کی کیا مجال تھی۔ کہ اسد اللہ کے سامنے دم مار سکتے۔ اگر حضرت عمر کو مرتد و منافق قرار دیا جائے جیسا کہ شیعہ شنیعہ کہتے ہیں۔ تو یہ نکاح خواہ ولی شرعی اجازت بھی دے دے۔ ناجائز ٹھہرے گا۔ اس صورت میں جو الزام حضرت امیرؓ یا حضرت عباسؓ پر عائد ہوتا ہے۔ اور جو تذلیل اہل بیت کی ہوتی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ نکاح برغبت و رضامندی حضرت امیرؓ ہوا۔ اور حضرت عمرؓ ہر طرح اس کے لائق تھے۔

اس نکاح کے سبب شیعہ حضرت عباسؓ پر ولایت فضولی کے سبب بہت کچھ سب و شتم کرتے ہیں۔ جس کا ذکر اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ مزید برآں یہاں بھی ایک روایت درج کی جاتی ہے۔

شیعہ کے رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی کی کتاب الروضہ (مطبوعہ نو لکشور۔ صفحہ ۱۲۱۔ ۱۲۲) میں ہے:

وتوفی مولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلم لم یخلف وارثا فخاصم فیه ولد العباس ابا عبداللّٰہ علیه السلام وکان هشام بن عبدالملک قد حج فی تلک السنة فجلس لهم فقال داؤد بن علی الولاء لنا وقال ابو عبداللّٰہ علیه السلام الولاء لی فقال داؤد بن علی ان اباک قاتل معاویة فقال ان کان ابی قاتل معاویة فقد کان حظ ابیک فیه الاوفر ثم وفر بجنایته وقال واللّٰہ لا طوقنک غدا طوق الحمامة فقال له داؤد بن علی کلامک هٰذا اهون علی من بعرة فی وادی الازرق فقال اما انه وادلیس

لک ولا لا بیک فیه حق قال فقال هشام اذا کان غدا جلست لکم فلما ان کان من الغد خرج ابو عبداللّٰه علیه السلام ومعه کتاب فی کرباسة وجلس لهم هشام فوضع ابو عبداللّٰه علیه السلام الکتاب بین یدیه فلما ان تراه قال ادعوا الی جندل الخزاعی وعکاشة الضمیری وکانا شیخین قدادرکا الجاهلیة فرمی بالکتاب الیهما فقال اتعرفان هٰذه الخطوط قالا نعم هٰذا خط العاص بن امیة هٰذا خط فلان وفلان لفلان من قریش وهٰذا اخط حرب بن امیة فقال هشام یٰاباعبداللّٰه اری خط اجدادی عندکم فقال نعم قال فقد قضیت بالولاء لک قال فخرج وهو یقول ان عادت العقرب عدنا لها وکانت النعل لها حاضرة قال فقال ما هٰذا الکتاب جعلت فداک قال فان نثیلة کانت امة لام الزبیر ولابی طالب وعبداللّٰه فاخذها عبدالمطلب فاولدها فلانا فقال له الزبیر هٰذه الجاریة ورثناها من امنا وابنک هٰذا عبد لنا فتحمل علیه ببطون قریش قال فقال قد اجبتک علی خلة علی ان لا یتصدرابنک هٰذا فی مجلس ولا یضرب معنابسهم فکتب علیها کتابًا واشهد علیه فهو هٰذا الکتاب۔

ترجمہ: " رسول اللہ ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام نے وفات پائی اور کوئی وارث نہ چھوڑا۔ اس کی اولاد کے بارے میں عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے جھگڑا کیا۔ اس سال ہشام بن عبدالمالک حج کے لئے آیا تھا۔ وہ فیصلہ کرنے بیٹھا۔

داؤد بن علی عباسی۔ اس غلام کی ولاء ہمارے واسطے ہے۔

امام جعفر صادق۔ نہیں بلکہ اس کی ولاء ہمارے واسطے ہے۔

داؤد بن علی۔ تیرے والد نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال کیا۔

امام جعفر صادق ۔ اگر میرے باپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال کیا۔ تو تیرے باپ نے بھی اس میں حصہ وافر لیا۔ (پھر اس کے گناہ کو کثیر بتاتے ہوئے) اللہ کی قسم میں کل تیرے عمل کا بدلہ تجھے ضرور دوں گا۔

داؤد بن علی۔ ۔ تیرا یہ کلام مجھ پر وادی ازرق کی ایک مینگنی سے آسان تر ہے۔

امام جعفر صادق ۔ دیکھ! وادی ازرق میں نہ تیرا کچھ حق ہے نہ تیرے باپ کا۔

ہشام بن عبدالمالک۔ میں کل تمہارا فیصلہ کر دوں گا۔

(دوسرے روز ہشام مسند عدالت پر بیٹھ گیا۔ امام صادق ایک تحریری عہد نامہ روئی کے کپڑے میں لپیٹ کرلائے اور ہشام کے آگے رکھ دیا۔)

ہشام۔ (عہد نامہ کو پڑھ کر۔) جندل خزاعی اور عکاشہ ضمیری کو ہمارے پاس بلاؤ۔ (دونوں نے زمانہ جاہلیت پایا تھا۔) (دونوں کے آگے عہد نامہ پھینک کر۔) کیا تم یہ خطوط پہنچانتے ہو؟

جندل و عکاشہ ہاں! یہ عاص بن امیہ کا خط ہے۔ اور یہ فلاں فلاں کا خط تجی فلاں قریشی ہے۔ اور یہ حرب بن امیہ کا خط ہے۔

ہشام۔ ابو عبداللہ! میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے پاس میرے اجداد کے خطوط ہیں۔

امام جعفر صادق۔ ہاں

ہشام۔ اس واسطے میں ولاء کا فیصلہ تمہارے حق میں دیتا ہوں۔

روای کا بیان ہے۔ کہ یہ فیصلہ سن کر امام صادق کمرۂ عدالت سے نکلے۔ اور فرما رہے تھے۔ کہ اگر اس بچھونے پھر ایسا کیا۔ تو ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور اس کے لئے جو تا موجود ہے۔ اس پر اس مرد عقیلی نے عرض کی۔ یا امام میں آپ پر قربان جاؤں۔ یہ عہد نامہ کیسا ہے۔ امام صادق نے فرمایا۔ کہ مسمات نیشلہ مادر زبیر اور ابو طالب و عبداللہ کی لونڈی تھی۔ عبدالمطلب نے اس سے مقاربت کی۔ جس سے فلاں (عباس رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے۔ زبیر نے عبدالمطلب سے کہا۔ کہ یہ لونڈی ہم کو اپنی ماں سے میراث میں پہنچی ہے۔ اور وہ تیرا یہ بیٹا (عباس رضی اللہ عنہ) ہمارا غلام ہے۔ پس عبدالمطلب نے اکابر قریش کو سفارش کے لئے زبیر کے پاس بھیجا۔ زبیر نے کہا کہ میں تیری درخواست منظور کرتا ہوں۔ بشرطیکہ تیرا یہ بیٹا ہمارے ساتھ صدر مجلس میں نہ بیٹھے اور نہ ہمارے ساتھ حصہ میں شریک ہو۔ پس اس مضمون کا ایک عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر شہادت ثبت کرائی گئی۔ یہ وہی عہد نامہ ہے۔ (انتہیٰ)

ہم یہ روایت بحوالہ حیات القلوب پہلے لکھ آئے ہیں۔ ہمارے پاس حیات القلوب مطبوعہ نو لکشور بار سوم ماہ ربیع الاول ۱۳۳۴ ہجری موجود ہے۔

اس میں یہ روایت موجود نہیں۔ حیات القلوب نو لکشوری بار دوم ۱۳۰۰ ہجری کو بھی دیکھا گیا۔ اس میں بھی نہیں ملتی۔ غالباً مطبوعہ بار اول میں ہوگی۔ ہاں حیات القلوب کے اردو ترجمہ میں بدیں الفاظ موجود ہے۔ " کلینی نے بسند معتبر صادق سے روایت کی ہے۔ کہ نفیلہ کنیز مادر زبیر بن عبدالمطلب و ابو طالب و عبداللہ تھی۔ عبدالمطلب نے نفیلہ کے ساتھ مقاربت کی۔ اور عباس اس سے پیدا ہوئے۔ اس

وقت زبیر نے عبدالمطلب پر دعویٰ کیا کہ یہ کنیز ہماری ماں سے ہم کو میراث میں ملی ہے۔ اور تم نے بغیر اجازت ہماری اس سے مقاربت کی ہے۔ اس لئے یہ فرزند جو اس سے پیدا ہوا ہے ہمارا غلام ہے۔ پس عبدالمطلب نے بزرگان قریش کو اپنی شفاعت کے لئے بھیجا۔ اور زبیر اس شرط پر عباس سے دست بردار ہوا۔ کہ ایک عہد نامہ لکھا جائے۔ کہ عباس اور اس کی اولاد جہاں کہ ہم یا ہمارے فرزند بیٹھے ہوں۔ صدر مجلس میں نہ بیٹھیں۔ اور کسی امر میں ہمارے شریک نہ ہوں اور حصہ نہ پائیں غرض کہ اس مضمون کا عہد نامہ لکھا اور بزرگان قریش نے اس پر مہر کی وہ عہد نامہ ہمارے ائمہ کے پاس ہے۔ اور حضرت صادق نے داؤد بن علی عباسی کے جواب دعویٰ میں اس عہد نامہ کو ظاہر کیا تھا۔ مؤلف فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث بہت عجیب و غریب ہے۔ اور چونکہ حضرت عبدالمطلب نے بہ ولائیت اس امر پر تقدیم کی ہو یا مادر زبیر نے وہ کنیز ان کو بخش دی ہو۔ اور زبیر اس سے مطلع نہ رہا ہو۔ بہرحال خطا سے زبیر کو منسوب کرنا عبدالمطلب کے ساتھ منسوب کرنے سے آسان تر ہے۔ (شفاء الصدور والکروب ترجمہ اردو۔ جلد دوم حیات القلوب مطبوعہ مطبع دبدبہ احمدی۔ مشک گنج لکھنؤ۔ بار ثانی۔ بعد نظر ثانی بماہ جمادی الاخرے۔ ۱۳۲۳ ہجری۔ باب ۵۶۔ صفحہ ۹۵۷) ملا باقر نے جو کچھ اس حدیث کی نسبت لکھا ہے۔ وہ محض ڈھکوسلہ ہے۔ جو کسی طرح قابل سماعت نہیں۔ ہم نے حیات القلوب کے حوالہ کا ذکر صرف اس واسطے کیا ہے کہ ناظرین آگاہ رہیں۔ کہ روافض اس قسم کی حرکات کا ارتکاب بھی کیا کرتے ہیں۔ حیات القلوب فارسی باب ۵۶۔ جلد دوم میں سے صرف یہی حدیث خارج نہیں کی گئی۔ بلکہ اور بہت کچھ ساقط کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس روایت سے پہلے یہ روایت بھی ساقط کر دی گئی ہے۔ کہ آیہ ومن کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الاخرۃ اعمٰی واضل سبیلا۔ حضرت عباس و ابن عباس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) کبھی کہا جاتا ہے۔ کہ اگر حضرت امیرؑ نے بحالت اضطرار اپنی بیٹی عمر رضی اللہ عنہ جیسے منافق کو دے دی تو کیا ہوا۔ دیکھئے حضرت لوطؑ نے جو پیغمبر تھے۔ کفار پر اپنی بیٹیاں پیش کر دی تھیں۔ اور فرمایا تھا۔ ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم الی ان کنتم فاعلین۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ان آیتوں میں یہ مطلب نہیں کہ حضرت لوطؑ نے ایسے ہی بلا نکاح اپنی بیٹیاں زنا کرنے کے لئے کفار پر پیش کر دی تھیں۔ بلکہ حضرت کی مراد یہ تھی کہ تم ان سے نکاح کر لو۔ چونکہ اس وقت کافر کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ اس لئے اس میں کوئی قباحت نہ تھی۔

مجمع البیان طبرسی میں ہے۔ قال یاقوم ھولاء بناتی ھن اطھر لکم وکان یجوز فی شرعہ تزویج المومنۃ من الکافر۔ یعنی حضرت لوطؑ نے کہا۔ اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں۔ وہ تمہارے

واسطے پاکیزہ تر ہیں۔ اور حضرت لوطؑ کی شریعت میں مومنہ کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا۔ ان کنتم فاعلین ای ان کنتم متزوجین یعنی فعل سے مراد نکاح ہے۔ پس معنے یہ ہوئے۔ کہ اگر تم نکاح کرنا چاہتے ہو تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔

خلاصۃ المنہج میں ہے۔ گفت لوط اے گروہ من اینها دختران من اند۔ ایشان را بخواہید کہ ایشان پاکیزہ اند شمارا و تزویج دختران بشرط ایمان بودہ یا در شریعت او تزویج مومنات بکفار جائز بود

الحاصل قصہ لوط سے اور واقعہ نکاح ام کلثوم سے کیا مناسبت ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت لوطؑ کی شریعت میں نکاح مومنہ کا ساتھ کافر کے جائز تھا۔ اور ان کا کہنا زنا کے لئے نہ تھا۔ بلکہ نکاح کے واسطے تھا۔ اور پیغمبر خدا کی شرعت میں اخیر کو نکاح ساتھ کافر کے حرام ہو گیا تھا۔ اور مطابق اصول شیعہ کے دشمن اہل بیت اور ناصبی کے ساتھ بھی نکاح حرام تھا۔ علاوہ بریں حضرت لوط کی بیٹیوں کو کوئی غصب کرکے لے نہیں گیا۔ نہ ان کی عفت و عصمت میں خلل آیا۔ اور یہاں تو معاملہ برعکس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح بھی بجبر کرا لیا جو کہ شرعاً جائز نہ تھا۔ اور پھر ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے اور چند سال تک رکھا اور ان سے اولاد پیدا ہوئی۔ پس دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (آیات بینات)۔

(۳) کبھی حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی حضرت سارہ کا قصہ بطور نظیر پیش کرکے کہا جاتا ہے۔ منصف فہیم اس جگہ سے تقیہ اور شعار انبیاء ایسے مقام مجبوری و اضطرار میں خیال کر سکتا ہے کہ اوصیا کو اسوہ و اقتداء بانبیا ہوتی ہے۔ اور مومنین کو اسوہ ان سے (سیف صارم۔ صفحہ ۲۶)۔

ملا باقر مجلسی نے بحوالہ شیخ علی بن ابراہیم لکھا ہے۔ کہ جب آگ حضرت ابراہیم پر سرد ہو گئی۔ تو نمرود ڈر گیا۔ اس نے حضرت کو حکم دیا کہ میرے ملک سے نکل جاؤ۔ چنانچہ حضرت بوجہ غیرت اپنی بیوی سارہ کو صندوق میں بند کرکے مع اسباب اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک جگہ نمرود کے ایک عامل پر آپ کا گزر ہوا۔ وہ گزرنے والوں سے عشر لیا کرتا تھا۔ اس نے حضرت سے اس اسباب کا عشر لیا جو آپ کے پاس تھا۔ پھر صندوق کی طرف بڑھا اور بولا کہ اسے کھولو۔ حضرت نے فرمایا کہ جس طرح چاہو حساب کرکے اس کا عشر لے لو۔ اس نے کہا تمہیں یہ صندوق کھولنا پڑے گا۔ اور جبراً صندوق کو جو کھولا۔ تو سارہ کے حسن و جمال سے متعجب ہو کر پوچھا۔ یہ کون ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ میری بہن ہے۔ جس سے حضرت کی مراد یہ تھی کہ دین میں میری بہن ہے۔ اس عامل نے سارہ کو نمرود کے پاس بھیج دیا نمرود نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ سارہ نے کہا۔ میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں یہ کہنا تھا کہ نمرود کا ہاتھ خشک ہو

گیا۔ اور سینہ سے چمٹ گیا۔ اور اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ اس نے سارہ سے کہا کہ یہ کیا بلا مجھے عارض ہو گئی ہے۔ سارہ نے جواب دیا کہ تیری نیت بد کے سبب ایسا ہوا ہے۔ نمرود نے کہا۔ کہ میں نے تیری نسبت نیت نیک کرلی ہے۔ خدا سے دعا کر کہ میں بحال سابق ہو جاؤں۔ سارہ نے یوں دعا کی۔ خداوند۔ اگر یہ سچ کہتا ہے۔ تو اسے بحال سابق کر دے۔ چنانچہ نمرود بحال سابق ہو گیا۔ اور سارہ کو ہاجرہ خدمت کے لئے عطا کی۔ (حیات القلوب۔ جلد اول۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸)

اب اس قصے کو حضرت ام کلثوم کے حال سے مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ مطابق ہے۔ یا مخالف۔ اگر حضرت ام کلثوم کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوتا۔ اور ام کلثوم خدا کی پناہ مانگتیں جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ خشک ہو کر سینہ سے چمٹ جاتا۔ پھر ان کی درخواست پر ام کلثوم دعا کرتیں تو بحال سابق عود کر آتا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کرامت دیکھ کر ایک لونڈی خدمت کے لئے پیش کرتے۔ جسے ام کلثوم ساتھ لے کر اپنے والد بزرگوار کے گھر آجاتیں۔ تو اس صورت میں سارہ کا قصہ ام کلثوم کے حال کے مطابق ہوتا۔ حالانکہ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بقول شیعہ زبردستی ام کلثوم کا نکاح کرا لیا۔ اور ان کو اپنے گھر رکھا۔ اور ان سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور جب تک وہ زندہ رہے۔ ام کلثوم ان کے گھر رہیں۔ اور بعد وفات کے جعفر طیار کے بیٹے کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح ہوا۔ حضرت علیؑ مرتضیٰ تو حسب عقیدہ اثنا عشریہ حضرت ابراہیم سے افضل تھے۔ پھر تعجب ہے۔ کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی آبرو کی حفاظت کے لئے ایک کافر بادشاہ کا ہاتھ خشک کر دیا۔ مگر حضرت امیرؑ کے ناموس کی حفاظت کے لئے کوئی معجزہ ظاہر نہ کیا۔ جس سے ایک منافق مرتد اپنے ارادہ بد سے باز آتا۔ کیا شیعہ کا خدا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر گیا۔ **نعوذ باللہ من هٰذه الهفوات**

(۴) کبھی کہا جاتا ہے کہ وصیت نامہ آسمانی میں جو ائمہ کے لئے دستور العمل تھا۔ حضرت امیرؑ کے لئے یہ ہدایت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم صبر سے کام لینا۔ خواہ تمہاری بیٹی غصب کر لی جائے۔ خواہ احکام خدا و رسول معطل ہو جائیں خواہ قرآن پارہ پارہ کیا جائے۔ خواہ کعبہ منہدم کر دیا جائے۔ ناظرین غور فرمائیں کہ یہاں شیعہ نے خدا کی خدائی کا کیا خاکہ اڑایا ہے۔ کہ وصی کو یہ ہدایت ہو رہی ہے۔ کہ خواہ کتنا ہی فسق و فجور اور ظلم و ستم پھیل جائے۔ مگر تم ٹس سے مس نہ ہونا۔

(۵) کبھی کہا جاتا ہے۔ کہ جناب امیرؑ نے از روئے تقیہ یہ نکاح کر دیا تھا۔ شیعہ کی عقل کہاں گئی۔ حیدر کرار اور ذوالفقار کو آبدار تقیہ کی کیا ضرورت تھی۔ اسد اللہ الغالب کو نہ خوف جان تھا۔ نہ ان کی عزت معرض خطر میں تھی کہ تقیہ کا خیال ہوتا۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ نے جو قتال کیا اور آپ کے

صاحبزادے امام حسین علیہ السلام نے جو کربلا میں جنگ کی اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ تقیہ محض ایک تہمت ہے۔ شیعہ کے تقیہ کو ہارے کا جواب سمجھنا چاہیے۔

اب ہم منکرین وقوع عقد کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کے پیشرو شیخ مفید اور قطب راوندی ہیں۔ یہ دونوں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں روایت عمر بن اذینہ پیش کرتے ہیں۔ جس کو خود اثنا عشریہ رد کرتے ہیں۔

چنانچہ سید غلام حسن بلگرامی روایت مذکورہ کو نقل کر کے لکھتا ہے۔

یہی اصل روایت ہے جس کو میں نے کتاب الخرائج والجرائح سے نقل کیا۔ اب اس کی حالت ملاحظہ فرمائیے۔ جس کو میں تین بحثوں میں عرض کرتا ہوں۔ کیونکہ اہل سنت کا اعتراض تو اس پر مدتوں سے چلا آتا ہے۔ مگر علمائے اعلام شیعہ نے ادھر زیادہ توجہ نہ کی۔

الاجناب لسان المتکلمین مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ دامت برکاتہ نے جلد ہفتم ذوالفقار حیدر میں اس کی وہ تحقیقات واقعی فرمائی ہے۔ کہ جس کے بعد پھر کسی مخالف و مؤالف کو جائے دم زدن نہ رہی۔ اسی کتاب سے خلاصہ کر کے میں یہاں عرض کرتا ہوں۔

بحث اول ۔ جواب تحقیقی یہ ہے ۔ کہ اولاً یہ کتاب معجزات ائمہ کے بارے میں ہے۔ جس میں صحت کا التزام نہیں۔ ضعاف بھی داخل ہیں۔ مصنف اس کے شیخ اجل قطب الدین راوندی ابو الحسین سعید بن ہبتہ اللہ ہیں۔ المتوفی ۵۷۳ھ ہجری۔ درمیان ان کے اور راوی اول ابو بصیر کے سلسلہ میں ساقط ہے۔ جس سے نہیں معلوم ہو سکتا۔ کہ واسطہ اس روایت کے کیسے راوی ہیں۔ نہ جناب شیخ نے اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ جس سے یہ روایت نقل کی۔ کہ اس کی حالت کتب رجال میں دیکھی جائے۔ کیونکہ فریقین کی روایت کی جانچ کا دارومدار رجال پر ہے۔ کہ راویوں کے اعتماد سے اس روایت کی صحت معلوم ہوتی ہے۔

ثانیاً ۔ راوی اول ابو بصیر نام مشترک ہے پانچ یا چار یا تین آدمیوں میں۔ جن میں مقدوح بھی ہیں۔ ممدوح بھی۔ اسی وجہ سے علماء نے حکم عام دیا ہے۔ کہ جس روایت کے سلسلہ میں ابو بصیر ہوں وہ روایت ضعیف ہے۔ قابل اعتماد نہیں۔ عبداللہ مکنی بہ ابو بصیر ممدوح نہیں۔

لیث بختری مکنی بہ ابو بصیر کے بارے میں اختلاف ہے۔ چند روائتیں مذمت میں وارد ہیں۔ شمار ان کا اصحاب امام جعفر صادق میں ہے یحییٰ بن ابو القاسم رمزازوی واقفی بھی اسی کنیہ ابو بصیر کے مکنی تھے۔ اسدی کی وفات ۱۵۳ھ میں ہے۔ مقدوح و ممدوح ان میں غیر ممیز ہیں۔ توضیح المقال ۔ صفحہ ۳۳۔

منتہی المقال صفحہ ۶۔

ثالثاً۔ باقی رہے جذعان بن نصر۔ محمد بن ابی مسعدہ۔ محمد بن حمویہ بن اسماعیل۔ ابی عبداللہ الزجینی کا پتہ قطب رجال میں باوصف تفحص و تلاش نہیں ملتا۔ جو واسطہ ہیں درمیان ابو بصیر و عمر بن اذنیہ کے جس کے لئے منتہے المقال امل الامل توضیح المقال کی زیارت کرنی پڑی۔ ہاں عمر بن اذنیہ راوی ثقہ ہیں۔ صحابی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ۔ ان کے رواۃ یہ لوگ ہیں۔ ۱۔ ابن ابی عمیر۔ ۲۔ صفوان۔ ۳۔ حسن۔ ۴۔ خدیر۔ ۵۔ احمد بن میثم۔ ۶۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ ۷۔ عثمان بن عیسیٰ ۸۔ اسماعیل بن دراج۔ ۹۔ حماد بن عیسیٰ۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابی عبداللہ زینی اس سلسلہ رواۃ میں نہیں ہیں۔

رابعاً۔ جب کہ ابو بصیر عمر بن اذنیہ جو دونوں صحابی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ متحد یا متقارب الزمان تھے تو اتنے وسائط سے روایت کرنا محض خلاف عقل ہے ۔ واسطے بھی کیسے جو سب مجہول الحال ہیں۔ کہ ایک کا نام بھی کتب رجال میں نہ ملے۔ پس ایسی روایت بے سروپا ہے کہ جس کا نہ ابتدائی واسطہ درست ہے۔ (کیونکہ مصنف خرائج و ابوبصیر میں کوئی واسطہ نہیں ہے) نہ انتہائی۔ کیونکر کوئی عاقل متدین منصف استدلال کر سکتا ہے۔ اور محققانہ رائے والوں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ تمامی علمائے امامیہ کا عام حکم ہو کہ تحقیق واقعہ میں نہایت درجہ غور و فکر لازم ہے۔ اور بغیر واقعی حکم نہ لگانا چاہیے تو یہ روایت کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے۔

دوسری بحث۔ معنی و مطلب روایت میں ہے۔ جس میں خود اہل سنت کو مغالطہ ہوا یا عمداً دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ روایت مذکورہ باوصف اختلال سند و عدم صحت کسی طرح مفید اہل سنت نہیں ہے۔ نہ اصل واقعہ پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس میں کلام ہے تو صرف اسی قدر کہ "جو قائل ہے بوقوع عقد وہ گمراہ ہے۔ ہدایت سوء السبیل سے محروم ہے۔" جس پر شیعہ و سنی دونوں کو ایمان لانا لازم ہے۔ بعد اس کے جو مضمون متعلق واقعہ ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ ان فلانا سے جملہ مستانفہ شروع ہے۔ تب تو یہ مطلب ہوں گے۔ کہ اصل واقعہ یہ ہے اور دوسرا احتمال جو قوی ہے وہ یہ ہے کہ جملہ تحت نفی لم یکن ماقالوا میں داخل ہو۔ جو اس کے قائل ہیں۔ کہ اس طرح عقد ہوا وہ بے اصل ہے۔ تو اب یہ مقولہ اہل سنت ٹھہرا۔ جس کی تکذیب امام فرماتے ہیں۔ کہ نہیں ہوا وہ جو کہا ہے ان لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ نے خواستگاری کی الخ

کیونکہ اگر بیان امام ہوتا۔ کہ اس طرح ہوا تو لااقل اس قدر فرماتے والاصل فی ذٰلک ان الخ یا اور کوئی لفظ جو اس مطلب کو واضح کرتا۔ (الخ) (دفع الوثوق عن القول الصحیح الموثوق فی نکاح الفاروق۔

مطبوعہ مطبع احمدی۔ مغلپورہ پٹنہ۔ ۱۳۱۵ ہجری۔ صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۰)
بحث اول میں اسناد کے متعلق جو کچھ مصنف ذوالفقار حیدر نے لکھا ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ مگر عمر بن اذنیہ کو جو ثقہ لکھا ہے اس میں کلام ہے۔ رجال کشی (مطبوعہ بمبئی۔ صفحہ ۲۱۵) میں ہے:

(ماروی فی عمر بن اذینة وسبب خروجه الی الموضع الذی مات فیه) حمدویة بن نصیر قال سمعت اشیاخی منهم العبیدی وغیره ان ابن اذینه کوفی وکان هرب من المهدی ومات بالیمن ولذلک لم یروعنه کثیر ویقال اسمه محمد بن عمر بن اذینه غلب علیه اسم ابیه وهو کوفی مولٰی لعبد القیس۔

ترجمہ: جو کچھ عمر بن اذنیہ کے بارے میں مروی ہے۔ اور اس کے بھاگ جانے کا سبب اس جگہ کی طرف جہاں وہ مرا) احمدویہ بن نصیر نے کہا کہ میں نے اپنے شیوخ سے جن میں عبیدہ وغیرہ ہیں۔ سنا ہے۔ کہ ابن اذنیہ کوفی ہے۔ وہ مہدی سے بھاگ گیا۔ اور یمن میں مرگیا۔ اسی واسطے کثیر نے اس سے روایت نہیں کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام محمد بن عمر بن اذنیہ ہے۔ اس پر اس کے باپ کا نام غالب آیا۔ اور وہ عبدالقیس کا آزاد کردہ غلام کوفی ہے۔ (انتہی)

کشی نے یہ نہیں بتایا کہ وہ مہدی سے کیوں بھاگ گیا۔

تاریخ الخلفاء سیوطی (مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔ صفحہ ۱۸۵) میں مہدی کے حال میں لکھا ہے۔ تتبع الزنادقة واخلک منهم خلقًا وهو اول من امر بتصنیف کتب الجدل فی الرد علی الزنادقة والملحدین۔

یعنی مہدی (متوفی ۱۶۹ھ) نے زندیقوں کی خوب خبر لی اور ان میں سے بہت سوں کو ہلاک کر ڈالا۔ مہدی پہلا خلیفہ ہے۔ جس نے زندیقوں اور ملحدوں کے رد میں کتب جدل کی تصنیف کا حکم دیا ہے۔ (انتہی)

اس عبارت سے عمر بن اذنیہ کے فرار کا سبب اس کا زندقہ یا الحاد معلوم ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ جب بلحاظ اسناد یہ روایت نامقبول ٹھہری تو عدم وقوع نکاح ثابت نہ ہوا۔ اگر اسناد سے قطع نظر کی جائے تو اس سے خواستگاری ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب اور قصہ جنیہ کی نفی نہ ہوگی۔ بلکہ صرف وقوع نکاح کی نفی ثابت ہوگی۔

سید علی ظہیر نے جو یہ احتمال لکھا ہے۔ اور اس کو قوی بتایا ہے۔ کہ ان فلاناً تحت نفی لم یکن ما

قالوا میں ہے یہ بالکل لغو ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ عمر فاروق نے ام کلثوم بنت علی کی خواستگاری نہیں کی نہ اس نکاح کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت امیرؓ پر زور ڈالا۔ اور نہ کوئی جنیہ نجران حضرت ام کلثوم کی ہم شکل بنا کر حضرت فاروق اعظم کے گھر بھیجی گئی۔ وھٰذا کما تری۔ اس میں شک نہیں کہ ان فلانًا استیناف ہی ہے۔ اس صورت میں والاصل فی ذٰلک کی کیا ضرورت ہے۔ ورنہ وہ استیناف نہ رہے گا۔ سید محمد باقر موسوی اس روایت کا فارسی ترجمہ یوں کرتا ہے:

ابن راوندی از عمر بن اذنیہ روایت کردہ کہ گفت از حضرت امام جعفر صادق سوال کردند از تزویج ام کلثوم بعمر بن خطاب و گفتند اگر عمر مرضی آنحضرت نہ بود۔ چرا دختر خود راہ مے دارد بنکاح اوراضی مے شد۔ در حالت این سوال آنحضرت تکیہ کردہ بود راست نشست۔ و فرمود۔ ایا جماعتے ہستند کہ مے گویند این حال از امیر المومنین واقع شدو آنحضرت دختر خود رابعمر داد۔ گفتند بلے بعضے را اعتقاد انیست۔ حضرت فرمود ایشان را از حقیقت حال آگاہی نیست و از مسلک حق دور افتادہ اند دروغ مے گویند این حالت از علی صادر نشد۔ چون آنحضرت الحاح عباس را مشاہدہ کرد و دانست کہ اگر این صورت واقع نشد عمر رضی اللہ عنہ عزل عباس خواہد کرد کس بطلب جنیہ از اہل نجران فرستاد و تا آخر بنحویکہ مذکور شد بیان فرمودند (بحر الجواہر۔ صفحہ ۲۱۲)

اس ترجمہ فارسی سے ظاہر ہے کہ اس روایت میں صرف وقوع عقد کی نفی ہے۔ اور خواست ام کلثوم بنت علی اور الحاح عباس اور قصہ جنیہ کا اثبات ہے۔

شیخ احمد اردبیلی حدیقۃ الشیعۃ (مطبوعہ ایران صفحہ ۱۱۳) میں روایت وقوع عقد کے بعد جسے سید امداد نے اردو میں بیان کیا ہے یوں لکھتا ہے:

"مجتہدین خصوصاً سید مرتضٰی را اعتقاد آنست کہ جنیہ بصورت دختر بخانہ عمر فرستادند و آن دختر بخانہ عمر نرفت و بقول خصم اگر رفتہ باشد ہم چہ ضرر بشان حضرت امیر المومنین مے رساند چہ لوط باآنکہ پیغمبر خدا بود بکفار مے گفت ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم فاتقو اللّٰہ۔ واللّٰہ اعلم۔

یعنی اکثر مجتہدین خصوصاً سید مرتضٰی کا اعتقاد یہ ہے کہ ایک جنیہ بشکل ام کلثوم عمر رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دی گئی۔ اور ام کلثوم عمر رضی اللہ عنہ کے گھر نہیں گئی۔ اور بقول خصم اگر گئی بھی ہو۔ تو حضرت امیر المومنین کی شان کو کیا ضرر پہنچے گا۔ کیونکہ حضرت لوط باوجودیکہ پیغمبر تھے کفار سے یوں فرماتے تھے۔ ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم فاتقوا اللّٰہ۔ (انتہیٰ)

شیعہ کے جناب مقدس اردبیلی کی عبارت سے پایا جاتا ہے۔ کہ اکثر مجتہدین وقوع نکاح کے قائل

ہیں۔ مگر حضرت ام کلثوم کا حضرت عمر فاروق کے گھر جانا تسلیم نہیں کرتے۔ جناب مقدس کو چاہیے تھا۔ کہ ان اکثر مجتہدین کے اقوال مع حوالہ و دلائل پیش کرتے جب احادیث صحیحہ سے ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا رونق افروز خانہ عمر فاروق ہونا اور آپ سے اولاد کا ہونا ثابت ہے۔ تو ایک اردبیلی کا مجرد قول کیا وقعت رکھ سکتا ہے۔ اور روائیت عمر بن اذنیہ ان احادیث کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔

دور حاضر کے اثنا عشریہ نے جب دیکھا کہ روایت عمر بن اذنیہ نا مقبول اور وقوع عقد برضا مندی مرتضٰی کا اعتراف ناگزیر ہے۔ اور جو اعذار بارہ اکراہ و غصب وغیرہ کے ان کے متقدمین نے پیش کئے ہیں۔ وہ سب مردود و نامقبول ہیں۔ تو یہ نرالا پہلو اختیار کیا کہ اشتراک اسم کے سبب اشتباہ ہوا ہے۔ یعنی جس ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا وہ بنت علی و فاطمہ نہ تھی۔ بلکہ اور ام کلثوم تھی۔

چنانچہ کتب ذیل میں یہ مضمون بدیں الفاظ مذکور ہے۔

۱۔ تذلیل النصاب میں جس کے مصنف کو اپنے نام کے اظہار کی جرأت نہیں ہوتی یوں لکھا ہے:

بموجب روایت سنیہ مذکورہ اور بعض روایت امامیہ کے حقیقت حال یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جناب امیرؑ سے خواستگاری کی۔ ام کلثوم بنت ابی بکر ربیبہ جناب امیر علیہ السلام کی صغیرہ تھی۔ اور اس جناب کے سایہ عاطفت میں ہمراہ اپنی مادر اسماء بنت عمیس کے کہ وہ بعد مرنے ابوبکر کے زوجہ جناب امیرؑ ہوئی تھی رہتی تھی۔ جناب امیرؑ کو اولاً تزویج اپنی ربیبہ کی بھی اس ہمعد و منکر کے ساتھ گوارا نہ تھی۔ اس واسطے عذر اس کی صغر سنی کا کیا۔ بالآخر جب ہمعد و منکر نے اصرار اور اس جناب کو طلجا کیا۔ تو تزویج ربیبہ مذکورہ کی باکراہ جس کو راویوں نے تعبیر بغصب ہے۔ اس کے ساتھ کر دی۔ اشتراک نام ربیبہ و بنت کا عبث خلط و خبط سینوں کا ہوا۔ اور مخفی نہیں طرف عرب و عجم میں ربیبہ کو بھی بنت کہتے ہیں۔ اس صورت میں راویوں نے ام کلثوم ربیبہ جو بنت علی تو اس سے بنت حقیقی مراد نہیں ہو سکتی۔ اور اکراہ کو جو غصب کہا اس سے غصب حقیقی مراد نہیں ہے۔ بلکہ اکراہ مراد ہے۔ کس واسطے کہ غصب حقیقی کی کوئی روایت اور کوئی صورت نہ تو روایات سنیہ میں ہے نہ روایات شیعہ میں بلکہ روایات سنیہ مذکورہ میں تو کمال تصریح ہے۔ کہ عمر خواستگاری کرتا تھا۔ جناب امیرؑ عذر صغر سنی کا کرتے تھے۔ عمر اصرار کرتا تھا اس اصرار کی تعبیر بعض روایات میں بغصب ہوئی۔ ورنہ غصب حقیقی کی عبارت ہے چھین لینے چیز سے بجبر و قہر وقوع میں نہیں آیا۔ اور ہونا ایک دختر ابابکر کا بنام ام کلثوم کتاب استیعاب سے ترجمہ عمر میں اور کنز العمال میں اور ریاض النضرہ وغیرہ سے بھی ثابت ہے۔ اور مویدات و معاضدات تزویج عمر سے ساتھ ام کلثوم

بنت ابی بکر ربیبہ جناب امیر کے یہ ہے کہ یہ امر بوارق محرقہ اور ہدایت السعداء وغیرہ کتب معتمدہ سنیہ میں مصرح ہے۔ عبارت کتاب ہدایت السعدء کی علی مانقل عنہ یہ ہے۔ ام کلثوم دختر ابوبکر بود۔ مادرش اسماء بنت عمیس کہ اول زن جعفر طیار بود باز در نکاح ابوبکر در آمدہ از ابوبکر پسرے عبدالرحمٰن نام ویک دختر ام کلثوم زائید۔ بعد ازان بنکاح علی بن ابی طالب در آمد۔ ام کلثوم ہمراہ مادر آمدہ عمر بن خطاب باام کلثوم دختر ابوبکر نکاح کرد۔ (انتہیٰ)

اور حق یہ ہے کہ حقیر نے جو سات روائتیں صواعق محرقہ ابن حجر و شرح صحیح بخاری و استیعاب وکتاب المودۃ کتب معتمدہ سینوں سے اوپر لکھی ہیں۔ کہ نص ہے عدم امکان و قوع تزویج عمر میں ساتھ ام کلثوم بنت جناب امیرؑ کے عاقل و جاہل کو کافی ہیں۔ ہاں اگر مجنون و مخبط خلاف اس کے کہے تو وہ مرفوع القلم ہے۔ الحاصل روایات تزویج ام کلثوم کی عمر کے ساتھ جس قدر اور جہاں کہیں مروی ہوئی ہیں۔ ان سب روایات میں یہی ام کلثوم کو قبل انقضائے مدت کے اپنے دولت خانہ ہدایت کاشانہ میں لے گئے تھے۔ وہی ربیبہ مراد ہے۔ کیونکہ ابوبکر باپ اس کا فی النار ہو چکا تھا۔ اور مادر اس کی اسماء بنت عمیس حبالہ نکاح جناب امیرؑ میں اور وہ خود بسبب ربیبہ ہونے کے سایہ عاطفت آنجناب میں تھی اور وہ جناب ہی اس کے مربی و سرپرست تھے۔ اگر اس کو لے آئے تو مقتضائے سرپرستی تھا۔ وعلی ہذا القیاس بعض روایات ضعیفہ میں جو استدلال جواز نکاح مومنہ میں ساتھ اہل خلاف کے تزویج ام کلثوم کے ساتھ عمر کے وارد ہے یا بعض روایات میں جو آیا ہے۔ کہ ام کلثوم اور بیٹا اس کا زید بن عمر دونوں ساتھ ایک دن فوت ہوئے۔ نماز دونوں جنازوں پر اکٹھی جناب سید الساجدین علیہ السلام نے پڑھی سو سب ان روایات واشباہہما میں بھی ام کلثوم ربیبہ مراد ہے۔ اور یہ امر بھی بکمال ظہور ظاہر ہے۔ کہ اگر العیاذ باللہ منہ ام کلثوم بنت جناب امیر علیہ السلام و خواہر عینی جناب امام حسین علیہ السلام زوجہ عمر بد گوہر ہوتیں اور زید بن عمر خواہر زادہ امام حسینؑ۔ تو جس طرح اولاد حضرت زینب اور رقیہ کو کربلا میں ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے اور ہمراہ اپنی مادروں کے گئی تھی۔ اور شہید ہوئی تھی۔ اسی طرح زید بھی ضرور ہمراہ جناب امام حسین علیہ السلام کے اور ام کلثوم کے کربلا میں ہوتا حال آنکہ ذکر کربلا میں اصلاً و مطلقاً ذکر زید بن عمر کا کہیں نہیں۔ نہ روایات سنیہ میں نہ روایات شیعہ میں۔ وعلی تقدیر التنزیل اس قدر تو ضرور تھا کہ وقت تشریف لے جانے اس مظلوم کے سمت کربلا جس طرح عبداللہ بن عمر اور محمد حنفیہ اور عبداللہ بن عباس وغیرہم اس امام مظلوم سے رخصت ہوئے اور موافق اپنے افہام کے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مانع قصد کربلا ہوئے۔ اسی طرح زید بن عمر بھی کہ موافق قول سینوں کے بہ نسبت عبداللہ بن عمر کے امام حسین علیہ السلام سے جزئیت اور قرابت قریبہ رکھتا تھا ضرور

رخصت کے لئے حاضر حضور امام علیہ السلام ہوتا اور اپنی مادر سے بھی رخصت ہوتا۔ حال آنکہ کہ کسی روایت سنی و شیعہ میں پایا نہیں جاتا۔ کہ زید بن عمر رخصت کے وقت امام حسین و ام کلثوم کی خدمت میں حاضر ہوا یا کربلا کو ساتھ گیا۔ ورائے آن تواریخ سے اس قدر بھی معلوم نہیں ہوتا کہ زید بن عمر بعد معاودت حضرت ام کلثوم کی کربلا سے ان کے پاس تعزیت امام حسین علیہ السلام کے لئے آیا ہو اور عذر اپنے ساتھ نہ جانے اور مدینہ منورہ میں رہ جانے کا کیا ہو۔ اگر یہ کوئی خر وکالت فضولی کرکے یہ عذر کرے گا کہ زید بن عمر عہد حضرت امام حسنؓ میں مرچکا تھا جیسا کہ اس نے کتاب نہایہ الادب فی معرفت النسب سے روایت بے سروپا لکھی ہے۔ تو جواب دندان شکن بلکہ گردن زن اس کا یہ ہے۔ کہ اس روایت میں مرنا ام کلثوم اس کی مادر کا بھی اس کے ساتھ مروی ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ مادر زین زید بن عمر کی ام کلثوم بنت جناب امیرؓ نہ تھی کہ وہ تو معرکہ کربلا میں زندہ اور ہمراہ جناب امام حسین علیہ السلام کے تھیں۔

(تذلیل النصاب و تخجیل الکذاب فی رد القبقاب مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لودیانہ۔ صفحہ ۲۷ تا ۲۹)

۲۔ سید علی اظہر کے اپنے رسالہ کنز مکتوم میں لکھا ہے:

"کہ ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق جو اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھی۔ اور حضرت علی کی ربیبہ تھی۔ حضرت عمر سے بیاہی گئی۔ لیکن بوجہ شراکت اسی کے ام کلثوم کا جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ محدثین کو مغالطہ ہوا۔" (البحث المختوم۔ فی حل عقد ام کلثوم مطبوعہ کریمی پریس لاہور۔ ۱۳۴۴ھ۔ صفحہ ۴۳)

۳۔ ذاکر حسین جعفر نے تاریخ اسلام (جلد سوم۔ مطبوعہ مقبول پریس دہلی۔ ۱۳۳۱ ہجری صفحہ ۹۹۔ ۱۰۰) میں یوں لکھتا ہے۔ اب ہم اس واقعہ عقد کی مختلف خبروں کو دیگر واقعات سے مقابلہ کرکے نتیجہ نکالتے ہیں۔

(ا) تمام مؤرخین نے لکھا ہے:

"کہ بوقت نکاح ۱۷ھ میں یہ ام کلثوم صغیر سن تھیں۔ یعنی نو سال سے ان کی عمر ضرور کم تھی۔ مگر صاحب شرح مواقف اور صاحب سیرۃ الحلبیہ نے ام کلثوم بنت علی کو گواہان فدک میں شمار کیا ہے۔ جس کا مقدمہ ۱۱ھ میں حیات جناب سیدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دربار میں لایا گیا تھا۔ اور شمس الدین محمد جزری نے حدیث من کنت مولاہ کو جناب فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ام کلثوم بنت فاطمہ کا سلسلہ سے بیان کیا ہے۔ چونکہ ۵ سال سے کم عمر کا بچہ لائق ادائے شہادت اور قابل تحمل روایت نہیں سمجھا جاتا۔ اس سبب سے جناب ام کلثوم کی عمر ۱۱ھ میں کم سے کم ۵ سال کی

ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ۱۷ھ میں جبکہ تمام مورخین نے بالاتفاق اس عقد کا ہونا لکھا ہے۔ ام کلثوم بنت فاطمہؑ کی عمر ۱۱ برس کی ہوتی ہے۔ یعنی اس وقت صغیر سن نہیں ہو سکتیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ صغیر سن ام کلثوم جس سے حضرت عمر نے ۱۷ھ میں نکاح کا پیغام بھیجا وہ ام کلثوم بنت فاطمہ نہ تھیں۔ بلکہ کوئی دوسری ام کلثوم تھی۔

۲۔ ام کلثوم اور ان کے بیٹے زید کا عہد معاویہ میں ایک ہی دن مرنا اور امام حسن کا ان کے جنازہ پر نماز پڑھنا۔ امام حسنؑ نے ۴۹ یا ۵۰ ہجری میں وفات پائی ہے۔ لہٰذا یہ ام کلثوم ۵۰ ہجری کے بعد زندہ نہ تھیں۔ اور ام کلثوم بنت فاطمہ کا زندہ رہنا بعد واقعہ کربلا ۶۱ھ کے مقتل ابی مخنف مقتل ابو اسحاق اسفرائنی روضۃ الشہداء تحریر الشہادتین وغیرہ سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ ام کلثوم زوجہ عمر والدہ زید جو ۵۰ھ سے پہلے فوت ہوئی وہ ہرگز بنت فاطمہ نہ تھی۔

۳۔ تاریخ الخمیس اور استیعاب میں لکھا ہے۔ کہ عمر فاروق کے بعد ام کلثوم بنت فاطمہؑ کا نکاح محمد بن جعفر سے ہوا۔ اور ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور استیعاب اور کامل ابن اثیر میں ہے۔ کہ محمد بن جعفر تستر (شوستر) کی لڑائی میں ۱۷ھ میں شہید ہوئے۔ حضرت عمر کی وفات سے ۶ سال پیشتر یعنی جس سال ام کلثوم بنت فاطمہ کا حضرت عمر سے نکاح ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ پھر لڑکی جننے کے بعد یہ ام کلثوم ۱۷ھ میں چار پانچ برس کی صغیرہ کیوں کر ہو سکتی ہے۔ پس یہ ام کلثوم صغیرہ جس سے مؤرخین نے حضرت کا نکاح ۱۷ھ میں لکھا ہے ضرور کوئی دوسری ام کلثوم ہو گی۔ نہ کہ بنت فاطمہ۔

۴۔ زینب بنت فاطمہ کا واقعہ کربلا ۶۱ھ میں موجود ہونا متواترات سے ہے۔ صاحب تاریخ الخمیس لکھتے ہیں کہ زینب بنت فاطمہ کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ اور ان سے دو لڑکے عون اور علی پیدا ہوئے۔ زینب کی وفات کے بعد عبداللہ بن جعفر نے ام کلثوم بنت فاطمہؑ سے نکاح کیا۔ اور عبداللہ بن جعفر ام کلثوم کو زندہ چھوڑ کر بروایت تاریخ تاریخ الخمیس واستیعاب ۸۰ھ میں فوت ہو گئے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ ام کلثوم بنت فاطمہؑ ۸۰ھ تک زندہ تھیں۔ اور وہ ام کلثوم زوجہ عمر رضی اللہ عنہ جو اپنے بیٹے زید کے ساتھ ۵۰ھ یا اس سے پہلے مری جسے غلطی سے بنت فاطمہ سمجھا گیا۔ ہرگز بنت فاطمہ نہ تھی۔ بلکہ کوئی اور ام کلثوم زوجہ عمر۔ کیونکہ تین ام کلثوم حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔ اول ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم جس سے عاصم پیدا ہوئے۔ دوسرے ام کلثوم ملیکہ بنت جرول جو ایام جاہلیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ جس سے زید اور عبیداللہ پیدا ہوئے۔ تیسرے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط جس سے فخر رازی نے تفسیر کبیر میں بعد صلح

حدیبیہ حضرت عمر کا نکاح کرنا لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین کو ان تینوں میں بروئے اولاد و مہر و سنہ وغیرہ بعض کو مغالطہ ہوا۔ اور بعض نے بغرض دھوکا دہی ام کلثوم بنت علی لکھ دیا۔ جیسے کہ مغیرہ بن شعبہ نے موسم حج میں حضرت عمر کے پوچھنے پر ام جمیل زانیہ کو ام کلثوم بنت علی بتا دیا تھا۔

مگر اصل بات یہ معلوم ہوئی ہے۔ کہ ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر کی ایک لڑکی ابوبکر کی وفات کے چھ دن بعد بلکہ بروائیتے اسی روز پیدا ہوئی تھی اس کا نام ام کلثوم رکھا گیا تھا۔ (دیکھو استیعاب۔ طبری۔ کامل ابن اثیر وغیرہ) اور حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر نے حضرت علی سے نکاح کر لیا تھا۔ چنانچہ ان کے بیٹے محمد بن ابی بکر نے جو اس وقت دو ڈھائی برس کے تھے۔ حضرت علی کے پاس پرورش پائی۔ (استیعاب۔ طبری۔ کامل ابن اثیر)

یہی ام کلثوم جو بنت ابی بکر ۱۸ھ میں صغیر سن چار پانچ برس کی ہوتی ہے۔ تعجب نہیں کہ اسی ام کلثوم بنت ابی بکر کو بنت علی مؤرخین نے غلطی سے سمجھ لیا ہو۔ حالانکہ کامل ابن اثیر اور استیعاب میں یہ روایت بھی موجود ہے۔ کہ اسی ام کلثوم بنت ابی بکر کے لئے حضرت عمر نے حضرت عائشہ کے پاس بحیثیت بڑی بہن ہونے کے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا بھی تھا۔ جس پر عائشہ راضی ہو گئیں۔ تو اسی ام کلثوم نے کہا تھا کہ عمر خشن العیش اور عورتوں پر سختی کرنے والا ہے۔ اگر میری اس سے شادی کرو گے۔ تو میں قبر رسول ﷺ پر جا کر شکایت کروں گی۔ پس ممکن ہے کہ بعد انکار اسی لڑکی سے حضرت عمر کا نکاح ہوا ہو اور یہ تمام قصہ اسی سے متعلق ہو۔ نہ بنت علی سے جو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جو مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ ام کلثوم بنت ابی بکر کا نکاح طلحہ بن عبیداللہ سے ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد ہوا ہو۔ (انتہیٰ)

۲۔ نواب سید امداد امام نے بھی وہی لکھا ہے جو سید علی اظہر نے لکھا ہے۔ مگر اسے اپنی تحقیق بتلایا ہے۔ اب بالترتیب عبارات مذکورہ بالا کے جوابات لکھے جاتے ہیں۔

عبارت تذلیل النصاب کا جواب

جن روایات سنیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی ام کلثوم بنت ابی بکر کا ذکر نہیں۔ہاں ام کلثوم بنت علی مذکور ہے۔ حضور رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں ام کلثوم و رقیہ کی نسبت نادان شیعہ کہا کرتے ہیں کہ وہ حضور کی حقیقی بیٹیاں نہ تھیں۔ بلکہ آپ کی ربیبہ تھیں۔ اس لئے مجازا بنات الرسول کہلاتی تھیں۔ اسی طرح ام کلثوم بنت علی و فاطمہ زوجۂ عمر فاروق کی نسبت کہنے لگے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کی صلبی بیٹی بنت فاطمہ نہ تھی۔ بلکہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھی جو حضرت علیؓ کی ربیبہ تھی اور اپنی ماں اسماء بنت عمیس کے ساتھ آئی تھی۔ اسی ام کلثوم ربیبہ علیؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں ہدایت السعداء کی فارسی عبارت پیش کی جاتی ہے۔ ہم بغرض تعارف اس کتاب کی ایک اور عبارت پیش کرتے ہیں۔

سید غلام حسن بلگرامی لکھتا ہے:

"اب صریحی روایت سے ولادت زید کو باطل کرتا ہوں۔ کیونکہ جو حضرات اہل سنت عقد عمرؓ کے قائل ہیں وہی حضرات یہ روایت بھی لکھتے ہیں۔ چنانچہ ہدایت السعداء ملک العلماء دولت آبادی میں ہے:"

فی خزانة الجلالیة کانت لفاطمة الحسن والحسین والاحسن وام کلثوم واحسن مات فی الصغر لا عقب له وکذلک ام کلثوم ماتت فی الصغر عند عمر بن الخطاب لا عقب لهما۔ (صفحہ ۲۵۹ نسخہ قلمی)

یعنی وفات کیا ام کلثوم نے نزدیک عمرؓ کے اور کوئی اولاد اس کی نہ ہوئی۔ اب فرمایئے کہ جب بتصریح علماء ثابت ہے کہ کوئی اولاد ان سے نہ ہوئی۔ صغر سنی میں انتقال کیا۔ تو پھر کس منہ سے آپ اس کے قائل ہیں۔ کہ زید بن عمر حضرت ام کلثوم کے بطن سے ہوئے۔

اب فرمایئے کہ بجز اقرار بہ اشتباہ علماء و رواۃ کیا چارہ ہے۔ جہاں ان کو انتساب تزوج ام کلثوم میں اشتباہ ہوا یا عمداً مرتکب کذب ہوئے۔ وہاں یہ جوڑ بھی لگا دیا کہ زید ان سے پیدا ہوئے اور دونوں نے ساتھ انتقال کیا۔ وفی ذلک کفایہ لاہل الدرایۃ (دفع الوثوق۔ صفحہ ۶۱۔ حاشیہ کنز مکتوم صفحہ ۱۱۰)۔ شیعہ اسی طرح کی ایک اور کتاب ملک العلماء دولت آبادی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جس کا نام کتاب المودۃ بتاتے ہیں۔ اس کا حوالہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نقل کریں گے۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین جونپوری فضلائے عہد شاہ ابراہیم شرقی میں سے تھے۔ آپ کی اصل غزنی سے ہے۔ دولت آباد و دکن میں آپ نے

نشوونما پایا۔ سلطان ابراہیم آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا۔ آپ کی یہ تصانیف مشہور ہیں۔ حاشیہ کافیہ جسے حاشیہ ہندی کہتے ہیں۔ مصباح و متن ارشاد۔ بدیع البیان۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ تفسیر بحر مواج۔ رسالہ مناقب سادات۔ رسالہ عقیدہ شہابیہ۔

آپ کی وفات۔ ۸۴۰ھ یا بقول بعض ۸۴۲ھ میں ہوئی۔ (دیکھو تاریخ فرشتہ۔ مطبوعہ نو لکشور۔ جلد دوم۔ مقالہ ہفتم۔ صفحہ ۳۰۶)

نواب صدیق حسن بھوپالی نے (ابجد العلوم میں ملک العلماء دولت آبادی کی تصانیف میں شرح قصیدہ بانت سعاد۔ شرح بزدوی فی اصول الفقہ اور رسالہ فی تقسیم العلوم بھی لکھی ہیں۔ مگر ہدایت السعداء اور کتاب المودۃ کو ہمارے کسی عالم نے ملک العلماء کی تصانیف میں ذکر نہیں کیا۔ ہماری رائے میں یہ دونوں کتابیں کسی رافضی نے لکھ کر ملک العلماء کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ تاکہ ملک العلماء کا نام سن کر عوام خیال کرنے لگیں۔ کہ علمائے اہل سنت بھی ایسے امور کے قائل ہیں۔ کیا ملک العلامۂ کو اتنا بھی معلوم نہ تھا۔ کہ ام کلثوم جس کے ساتھ حضرت عمرفاروق کا نکاح ہوا وہ بنت ابی بکر نہ تھیں۔ بلکہ بنت علیؓ و فاطمہؓ تھیں جن کا ذکر صحاح ستہ میں بھی موجود ہے۔ ملک العلماء کی شان سے بعید ہے۔ کہ اپنی کتاب میں ایسے غلط تاریخی واقعات درج کریں۔ کہ ام کلثوم بنت ابی بکر اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھی۔ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی سگی بہن۔ اور حضرت علیؓ کی ربیبہ تھی۔

استیعاب ابن عبدالبر (جزء ثانی۔ صفحہ ۷۳۵) میں حبیبہ بنت خارجہ بن زید کے ترجمہ میں ہے۔ کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق کی زوجہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض موت میں فرمایا تھا۔ کہ میرے دل میں القا ہوا ہے کہ حبیبہ کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی وفات کے بعد لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ جس کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام کلثوم رکھا۔ اس ام کلثوم کا نکاح حضرت طلحہ بن عبیدہ سے ہوا۔ اور ان سے دو بچے زکریا و عائشہ پیدا ہوئے۔ یہ اہل نسب کا قول ہے۔ ابن عیینہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ام کلثوم کی خواستگاری کی تھی۔ مگر ام کلثوم نے انکار کر دیا۔ اور طلحہ بن عبید اللہ سے نکاح کر لیا۔ ام کلثوم کی والدہ حبیبہ کا نکاح حضرت صدیق اکبر کے بعد حبیب بن یسار سے ہوا۔

علامہ ذہبی کی تجرید اسماء الصحابہ (جزء ثانی۔ صفحہ ۲۷۲) میں ہے:

حبیبة بنت خارجة بن زید الخزرجی وقیل ملیکة ام کلثوم بنت الصدیق ثم تزوجها بعد الصدیق حبیب بن یسار۔

ترجمہ: "یعنی حبیبہ بنت خارجہ بن زید خزرجی اور کہا گیا ہے کہ ملیکہ ماں ہے ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق کی۔ پھر صدیق اکبر کے بعد حبیبہ سے حبیب بن یسار نے نکاح کیا۔ (انتہے)

(استیعاب (جزء ثانی۔ صفحہ ۷۲۵ میں اسماء بنت عمیس کے ترجمہ میں یوں لکھا ہے:

کانت اسماء بنت عمیس من المھا جرات الی ارض الحبشة مع زوجھا جعفر بن ابی طالب فولدت له ھناک محمد و عبداللّٰه وعونا ثم ھاجرت الی المدینة فلما قتل جعفر بن ابی طالب تزوجھا ابوبکر الصدیق رضی اللّٰه عنه فولدت له محمد بن ابی بکر ثم مات عنھا فتزوجھا علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنه فولدت له یحییٰ بن علی بن ابی طالب لا خلاف فی ذٰلک۔

ترجمہ: "یعنی اسماء بنت عمیس نے اپنے شوہر جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں اس کے ہاں محمد و عبداللہ و عون پیدا ہوئے۔ پھر اسماء نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جب جعفر بن ابی طالب شہید ہو گئے۔ تو ابوبکر صدیق نے اس سے نکاح کر لیا۔ پس اس سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ پھر حضرت صدیق کا انتقال ہو گیا۔ تو علی بن ابی طالب نے اسماء کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور اس سے یحییٰ بن ابی طالب پیدا ہوئے۔ اس میں کوئی خلاف نہیں۔

(انتہے)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عائشہ صدیقہ ام رومان کنانیہ کے بطن سے تھے (استیعاب جزء ثانی۔ صفحہ ۷۹۲)۔

اب غور کیجئے کہ ہدایت السعداء کی ایک روایت میں کس قدر غلطیاں ہیں۔

۱۔ ام کلثوم بنت ابی بکر کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس نہیں۔ بلکہ حبیبہ بنت خارجہ بن زید خزرجی ہے۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور ام کلثوم بنت ابی بکر اسماء بنت عمیس کے بطن سے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن کی والدہ کا نام اور ام رومان کنانیہ اور ام کلثوم کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ بن زید ہے۔

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت ابی بکر کے ساتھ نکاح نہیں کیا بلکہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہراء کے ساتھ نکاح کیا تھا۔

۴۔ ام کلثوم بنت ابی بکر حضرت علیؑ کی ربیبہ نہ تھی۔ کیونکہ اس کی والدہ حبیبہ حضرت صدیق اکبر کے

بعد حبیب بن یسار کے نکاح میں آئی تھی۔ حبیبہ کا نکاح حضرت امیرؑ کے ساتھ کبھی نہیں ہوا۔ اسی طرح ہدایت السعداء کی دوسری روایت میں جو مذکور ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؑ حضرت عمر فاروق کے پاس صغر سنی میں لاولد انتقال فرما گئیں۔ وہ بھی بالکل غلط ہے۔ اور کتب احادیث فریقین اس پر شاہد ہیں۔ ایک زید کا کیا ذکر حضرت فاروق اعظم کے دو صاحبزادے اسی نام کے تھے۔ ایک جو ام کلثوم بنت فاطمہ کے بطن سے تھے زید اکبر کہلاتے تھے۔ دوسرے زید اصغر جو ام کلثوم بنت جرول بن مالک خزاعی فاطمہ کے بطن سے تھے۔ (دیکھو طبقات ابن سعد۔ جزء ثالث۔ قسم اول فی البدریین من المہاجرین۔ صفحہ ۱۹۰) بوارق محرقہ کو بھی ہدایت السعداء پر قیاس کر لینا چاہیے۔ تذلیل النصاب کے مصنف کو شرم نہ آئی کہ اس قسم کی کتابوں کو کتب معتمدہ سنیہ میں شامل کر دیا۔

مصنف نے جو سات روائتیں صواعق محرقہ وغیرہ سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے تین کتاب المودۃ ں سے ہیں جو حقیقت میں دو ہیں۔ ان دو میں سے ایک میں تو صرف حضرت علی مرتضٰی کی طرف صغر سنی کا عذر مذکور ہے۔ دوسری یوں ہے:

ان عمر بن الخطاب لما خطب ام کلثوم واعتذر علی بصغرھا فقال عمر ما لی حاجة الی النساء لکن ابتغی الوسیلة الی محمد علیه السلام وھو یقول کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی فزوجھا علی بمھر اربعین الف درھم فساق ذٰلک کله عمر و ھی ابنة اربع سنین او ما بین الاربع والخمس وعمر عمر ستین سنین۔ فاجلسھا عمر الی جنبه فرفع میزرھا ومسح یدہ علی راسھا فجر دساقھا فرفعت یدھا وکادت ان تلطمه وقالت لولا انت امیر المومنین لطمت علی خدک فقال عمر دعوھا فانھا ھاشمیة قرشیة۔

ترجمہ: "اس کا فارسی ترجمہ جو ملک العلماء دولت آبادی کی طرف منسوب ہے۔ اور جسے غلطی سے علیحدہ روایت خیال کیا ہے۔ یہ ہے عمر۔علی گفتہ فرستاد کہ ام کلثوم دختر کد بانوے جنت فاطمہؑ مرا بزنی دہ۔ ام کلثوم چار سالہ بود و عمر شصت سالہ۔ علی۔عذرش پیش آمد و گفت۔ دختر خویش را بپرسم۔ اگر راضی باشد بتو تسلیم کنم۔ عمرؓ عذرش دریافت و گفت۔ یا علی مرا بازنان اکنون حاجت نماندہ۔ زیرا کہ شیخ فانی گشتہ ام۔ لاکن مے خواہم کہ مراو سیلتے باشد بسوئے

پیغمبرؐ۔ پس امیرالمومنین ام کلثوم را تسلیم کرد و عمرؓ ہمہ مہرام کلثوم کہ چہل ہزار درہم بود فرستاد۔ پس عمرؓ آن رابزانوے خودنشاند و مقنعہ کہ برسرش بود عمرآن رادور کرد دست برسرش آورد و جامہ از ساقش برداشت۔ ام کلثوم دست برداشت و خواست کہ طپانچہ زند و گفت۔ اگر امیر مومنان نہ بودی طپانچہ بروئے تو ے زدم۔ عمرؓ گفت نمے بائید کسے سخن اودر دل گیرد بگذارید کہ این از نسب و نسل ہاشم و قریش است (تذلیل النصاب۔ صفحہ ۲۵۔ ۲۶ سیف صارم۔ صفحہ ۹،۱۲)

یعنی عمرؓ نے علیؓ کو کہلا بھیجا کہ خاتون جنت فاطمہ کی صاحبزادی ام کلثوم مجھے زوجیت کے لئے عنایت کیجئے۔ ام کلثوم چار سال کی تھی۔ اور حضرت عمر ساٹھ سال کے تھے۔ علیؓ نے اس کی صغر سنی کا عذر کیا اور کہا کہ میں اپنی لڑکی سے دریافت کرتا ہوں۔ اگر وہ راضی ہوئی تو میں آپ کے حوالہ کر دوں گا۔ عمرؓ نے علیؓ کا عذر معلوم کر کے کہا۔ اے علیؓ مجھے اب عورتوں کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ میں شیخ فانی ہو گیا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھے پیغمبرؐ کی طرف ایک وسیلہ حاصل ہو جائے۔ پس امیرالمومنین نے ام کلثوم حوالہ کر دی۔ اور عمرؓ نے ام کلثوم کا تمام مہر جو چالیس ہزار درہم تھا۔ بھیج دیا۔ پس عمرؓ نے اس کو اپنے زانو پر بٹھایا۔ اور اس کے سر پر سے مقنعہ اٹھا دیا۔ اور ہاتھ اس کے سر پر پھیرا۔ اور اس کی ساق سے کپڑا اٹھا دیا۔ام کلثوم نے ہاتھ اٹھایا۔ اور چاہا کہ طپانچہ مارے کہنے لگی۔ اگر تو امیرالمومنین نہ ہوتا۔ تو میں تیرے منہ پر طپانچہ مارتی۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کسی کو دل میں اس کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیے۔ جانے دو۔ کیونکہ وہ ہاشم و قریش کی نسب و نسل سے ہے۔ (انتہٰی)

عدم امکان تزویج ام کلثوم بنت فاطمہ پر مصنف تذلیل النصاب نے یوں استدلال کیا ہے۔ کہ خواستگاری کے وقت ام کلثوم مخطوبہ عمرؓ چار سال کی تھی۔ اور حضرت عمر فاروق ساٹھ سال کے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۳ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے مخطوبہ عمرؓ کی خواستگاری ۲۰ھ میں ہوئی۔ اب دیکھنا چاہیے۔ کہ ۲۰ھ میں ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا سن کیا تھا صاحب مواقف نے ہبہ فدک کے گواہوں میں ام کلثوم کا نام لکھا ہے۔ للذا ۱۱ھ کے اوائل میں ام کلثوم بنت فاطمہ جوان اور قابل ادائے شہادت تھیں۔ پس وہ ۲۰ھ میں بیس سال کی عمر سے بھی زیادہ عمر کی تھیں۔ اور نظر بقول صاحب استیعاب کہ ام کلثوم بنت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف سے پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ ۲۰ھ میں ان کی عمر گیارہ سال کی ضروری ہو گی۔جو بلوغت کا وقت ہے۔ اس عمر کی ہاشمیہ لڑکی اجنبی کے

پاس دیکھنے کے لئے شرعاً بھی بھیجی نہیں جا سکتی۔ بہرصورت ۲۰ھ میں ام کلثوم بنت فاطمہ علیہا السلام صغیرہ نہ تھیں۔ لہٰذا ان کی خواستگاری و تزویج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہرگز نہیں ہوئی۔ جس ام کلثوم کے ساتھ نکاح ہوا اور جس سے ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئے وہ ام کلثوم اور تھی۔ جس کے جنازے کی نماز امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھی۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وفات نہیں پائی۔ بلکہ وہ تو معرکہ کربلا میں موجود تھیں۔ اس استدلال کا مدار روایت کتاب المودۃ اور قول صاحب مواقف پر ہے۔ مگر صاحب مواقف نے تو قول روافض نقل کیا ہے۔ اور کتاب المودۃ ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف نہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اگر بفرض محال اسے ملک العلماء کی تصنیف تسلیم کیا جائے۔ تو ایسی نادر الوجود کتاب کی روایت اور وہ بھی بلا اسناد ہماری کتب مشہورہ معتمدہ کی روایت مستندہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر اس روایت کی صحت بھی تسلیم کی جائے تو اس سے روافض کو چنداں فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اس میں تصریح موجود ہے۔ کہ مخطوبۂ عمر فاروق ام کلثوم بنت علیؓ ہاشمیہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ام کلثوم بنت ابی بکر ہاشمیہ نہیں۔ قطع نظر ازیں اگر مخطوبہ و منکوحہ فاروق اعظم ام کلثوم بنت ابی بکر و حبیبہ خزرعیہ ہوتی۔ تو علمائے شیعہ اس نکاح کے جواز و عدم جواز میں کیوں کلام کرتے۔ اور غصب و اکراہ و تقیہ وغیرہ اعذار باردہ کیوں ایجاد کئے جاتے۔ اور مجتہدین شیعہ اس تزویج سے جواز نکاح ہاشمیہ بغیر ہاشمی کیوں استنباط کرتے۔اور حضرت امیرؓ وصیت نامہ آسمانی کی عبارت سن کر منہ کے بل کیوں گرتے۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر بوجہ وکالت فضولی کیوں سب و شتم کیا جاتا۔ اور شیخ مفید و قطب راوندی اس عقد کے وقوع سے کیوں انکار کرتے۔ اور قصۂ جنیہ کیوں وضع کیا جاتا۔ آخر کچھ بات تو ہے۔ جس کی اس قدر پردہ داری کی جا رہی ہے۔ چار سال والی روایت تو اس واسطے وضع کی تھی۔ کہ یہ معاملہ کسی طرح ام کلثوم بنت ابی بکر پر چسپاں کیا جائے۔ کیونکہ یہ ام کلثوم سیدنا ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد ۱۳ھ میں پیدا ہوئی تھی۔ اور ۱۷ھ میں جبکہ حضرت عمر فاروق کا نکاح ام کلثوم بنت فاطمہ کے ساتھ ہوا۔ (کامل ابن اثیر وغیرہ) چار سال کی تھی۔ مگر دروغ کو فروغ ہو نہیں سکتا۔ کتب احادیث فریقین سے اظہر من الشمس ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق کا نکاح حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ کے ساتھ ہوا اور بے شک ہوا۔ اور ان سے اولاد بھی ہوئی ام کلثوم بنت فاطمہؓ کو بوقت خواستگاری جو بالغہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ان کا معرکہ کربلا کے بعد زندہ رہنا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب عنقریب آئے گا۔

کنز المکتوم کی عبارت کی تردید

مصنف تذلیل النصاب کی تردید کے ضمن میں کنز المکتوم کی عبارت کی تردید بھی آ گئی۔ کیونکہ ام

کلثوم بنت ابی بکر اسماء بنت عمیس کے بطن سے نہ تھی۔ اور نہ حضرت علیؓ کی ربیبہ تھی۔ اور نہ حضرت عمر فاروق سے بیاہی گئی تھی۔ پس محدثین کو مغالطہ نہیں ہوا بلکہ سید علی اظہر اور اس کے ہم خیال اصحاب کو مغالطہ ہوا ہے۔

تاریخ اسلام کی عبارت کا جواب

۱۔ صاحب مواقف اور صاحب سیرت حلبیہ نے ام کلثوم کو ۱۱ھ میں گواہان ہبہ فدک میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ وہ دونوں روافض کا قول مع تردید نقل کر رہے ہیں۔ جو قائل ہیں کہ ہبہ فدک وقوع میں آیا۔ اور اس بارے میں حسنؓ و حسینؓ وام کلثوم رضی اللہ عنہا نے دربار صدیقی میں میں شہادت بھی دی۔ ہم اہلسنّت ہبہ فدک کے قائل نہیں۔ اور نہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت زہراء نے دربار صدیقی میں فدک کا دعویٰ کیا تھا۔ صاحب مواقف کے خیال میں روافض ام کلثوم کو گواہان ہبہ فدک میں شمار کرتے ہیں۔ مگر شارح مواقف نے اس خیال کی تردید کی ہے۔ اور لکھا ہے۔ والصحیح ام ایمن۔ یعنی صحیح یہ ہے۔ کہ روافض ام کلثوم کو گواہان ہبہ میں شمار نہیں کرتے۔ بلکہ ام ایمن کو منجملہ گواہان بتاتے ہیں۔ سیرت حلبیہ (مطبوعہ مصریہ ثالث۔ صفحہ۔ ۴۷۸) میں یوں ہے:

واعترض عليه الرافضة بان فاطمه معصومة بنص انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت وخبر فاطمة بضعة منى فدعواها صادقة العصمته وايضًا شهد لها بذلك الحسن والحسين وام كلثوم۔

ترجمہ: ”اس پر روافض نے اعتراض کیا ہے۔ کہ فاطمہ معصومہ ہیں بمقتضائے آیہ تطہیر۔ اور حدیث فاطمة بضعة منی (فاطمہ میرا گوشت پارہ ہے۔) اس لئے وہ بوجہ معصومہ ہونے کے اپنے دعویٰ میں سچی ہیں۔ علاوہ ازیں حسنؓ و حسینؓ و ام کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے حضرت فاطمہؓ کے حق میں شہادت دی۔ (انتہیٰ)

علامہ علی بن برہان الدین حلبی اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واما زعم انه شهد لهما الحسنؓ والحسينؓ وام كلثومؓ فباطل لم ينقل عن احد ممن يعتمد عليه۔ یعنی روافض کا یہ کہنا کہ امام حسنؓ و حسینؓ و ام کلثوم نے فاطمہؓ کے حق میں شہادت دی، باطل ہے۔ اور کسی ایسے راوی کا منقول نہیں۔ جس پر اعتماد کیا جائے۔ (انتہیٰ)

استیعاب میں ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ کی پیدائش قبل از وفات سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ لکھی ہے۔ پس

صغیر سن ام کلثوم جس کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۱۷ھ میں ہوا۔ یہی بنت فاطمہؓ تھیں۔

۲۔ ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ کو واقعہ کربلا کے بعد زندہ ثابت کرنے کے لئے جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اگر ہم تسلیم کریں کہ ان میں ایسا ہی لکھا ہے۔ تو ان کی روایت بلا اسناد جو روایت صحاح کے مخالف ہے۔ ہم پر بطور حجت پیش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کتابوں میں صحت کا التزام نہیں رکھا گیا۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ مشہور اخباری شیعی ہے۔ دوسروں نے غالبًا اسی کا اتباع کیا ہو گا۔ حق الامر یہ ہے کہ ایک ام کلثوم بنت علیؓ واقعہ کربلا کے بعد زندہ تھی۔ مگر وہ بنت فاطمہؓ نہ تھی۔ نہایہ ابن اثیر اور مجمع البحار میں لغت فرث کے تحت میں جو لکھا ہے۔ فی حدیث ام کلثوم بنت علیؓ قالت لاهل الكوفة اتدرون ای کبد ترثتم لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ (حدیث میں ہے کہ ام کلثومؓ بنت علیؓ نے اہل کوفہ سے کہا۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے کیسے جگر کو پارہ پارہ کیا ہے۔) وہاں بھی بنت فاطمہؓ ہرگز مراد نہیں توضیح مقام یوں ہے۔ کہ ام کلثومؓ بنت علیؓ بن ابی طالب دو ہیں۔ کبریٰ و صغریٰ ام کلثوم کبریٰ بنت فاطمۃ الزہرا حضرت عمر فاروق کے نکاح میں تھیں۔ ان کی وفات ۵۰ھ سے کچھ پہلے ہوئی۔ ام کلثوم صغریٰ بنت علی ایک ام ولد کے بطن سے تھیں۔ جن سے عطار بن سائب (متوفی ۱۳۶ھ) نے سماع حدیث کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنهما۔ عن مهران مولی النبی صلی اللّٰہ علیه واٰله وسلم وعنها عطاء بن السائب۔ قلت هی الصغری ولعلی بنت اخری یقال لها ام کلثوم وهی الکبریٰ امها فاطمة بنت النبی صلی اللّٰہ علیه واٰله وسلم وتزوجها عمر فولدت له والصغریٰ عمرت وسمع منها عطاء بن السائب وامها ام ولد ذکرها ابن سعد

(تعجیل للنفعته بزوائید رجال الائمته الاربعته۔ مطبوعه دائرة المعارف النظامیه صفحه ۵۶۳)

ترجمہ: "ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب نے نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام مہران سے روایت کی ہے۔ اور ام کلثوم سے عطاء بن سائب نے روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ام کلثوم صغریٰ ہیں۔ حضرت علیؓ کی ایک اور صاحبزادی ام کلثوم نامی تھی۔ وہ ام کلثوم کبریٰ ہیں۔ جن کی والدہ حضرت فاطمہ بنت النبی ﷺ ہیں۔ اور جن کے ساتھ حضرت عمر فاروق نے نکاح کیا۔

اور ان سے اولاد ہوئی۔ ام کلثوم صغریٰ زمان طویل تک زندہ رہیں۔ اور ان سے عطاء بن سائب نے سماع کیا۔ ام کلثوم صغریٰ کی والدہ ام ولد تھی۔ جس کا ذکر ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) نے کیا ہے۔ (انتہیٰ)

اس سے ثابت ہے۔ کہ ام کلثوم بنت علیؓ جو واقعہ کربلا کے بعد زندہ تھیں وہ بنت فاطمہؓ نہ تھیں۔ یہی صحیح ہے۔

۳۔ استیعاب میں محمد بن جعفر بن ابی طالب کے ترجمہ میں ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق کی وفات کے بعد ام کلثومؓ بنت علی کا نکاح محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔ مگر ان سے لڑکی کا پیدا ہونا مذکور نہیں۔ بعد ازاں یہ قول واقدی لکھا ہے۔ کہ محمد بن جعفر تستر میں شہید ہوئے۔ اسی طرح کامل ابن اثیر (جزء ثانی۔ صفحہ ۲۱۴) میں واقعات ۱۷ھ میں لکھا ہے۔ قتل محمد بن جعفر بن ابی طالب شہیداً علی تسترنی قول بعضھم۔ یعنی محمد بن جعفر بن ابی طالب بقول بعض تستر میں شہید ہوئے۔ اس بعض سے مراد وہی واقدی ہے۔ جو متروک ہے۔ یہ قول واقدی صریح البطلان ہے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق کی شہادت ۲۳ھ میں ہوئی۔ اور آپ کے بعد ام کلثوم کا نکاح محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔ پس محمد بن جعفر طیار کی شہادت ۱۷ھ میں کس طرح ممکن ہے۔ اسی واسطے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں اس قول واقدی کی تردید کی ہے۔ عبارت اصابہ کا اردو ترجمہ سید غلام حسن بلگرامی اثنا عشری نے یوں کیا ہے۔ "محمد بن جعفر برادر عبداللہ و عون فرزندان جعفر بن ابی طالب اول شخص ہیں جو اسلام میں مسمی بہ محمد ہوئے مہاجرین سے پیدائش ان کی حبشہ میں ہے۔ کنیت ان کی ابو القاسم ہے۔ ان کا عقد ہوا تھا ام کلثوم بنت علیؓ سے بعد عمرؓ کے۔ شہادت ان کی تستر میں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ شریک صفین تھے علیؓ کے ساتھ۔ اور دار قطنی نے کہا ہے۔ باہم جنگ کیا محمد بن جعفر و عبیداللہ بن عمر نے صفین میں۔ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ مرزبانی نے معجم شعراء میں لکھا ہے۔ کہ وہ اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ مصر میں مخفی ہوئے تھے۔ جب محمد بن ابی بکر قتل ہوئے۔ تو محمد بن جعفر مخفی ہو گئے۔ جس کی ایک شخص نے جو نک سے تھا۔ پھر غافق سے مخبری کی۔ تب وہ بھاگ کر فلسطین چلے گئے اور اپنے ماموں کے پاس پناہ لی جس نے اس کو بچایا معاویہ سے اور انہوں نے اس مادّہ میں شعر بھی کہا ہے۔ یہ قول محقق ہے جو رد کرتا ہے واقدی کے اس قول کو کہ جنگ تستر میں شہید ہوئے۔ صفحہ ۷۵۳۔ ج ۳" (دفع الوثوق۔ صفحہ ۱۶۱ ۔ ۱۶۲)۔ جنگ صفین کی ابتدا ۳۶ھ میں ہوئی۔ اور حضرت محمد بن ابی بکر کی شہادت

مصر میں ۳۸ھ میں تھی۔ اس طرح محمد بن جعفر طیار کا کم سے کم ۳۶ھ تک زندہ رہنا ثابت ہے۔ اور یہی قول محقق ہے۔ للذا ۱۷ھ میں حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ درست ہے۔ چار پانچ سال والی روایت کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

یہاں بحث طلب امر یہ ہے۔ کہ آیا ام کلثوم بنت علی و فاطمہ کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہوا جیسا کہ طبقات ابن سعد اور معارف ابن قتیبہ اور استیعاب ابن عبدالبر اور کامل ابن اثیر اور اصابہ ابن حجر عسقلانی اور تاریخ الخمیس وغیرہ کتابوں میں بصراحت تمام مذکور ہے۔ رہا حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا سال وفات۔ سو بروئے روایت صحاح ستہ ان کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ یہی قول معتبر و مستند ہے۔ اگر ہم بطریق تنزل ان کی حیات ۸۰ھ یا بعد تک بھی تسلیم کر لیں گے۔ تو اس کا اصل مبحث پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ مصنف نے استیعاب کا بھی حوالہ دیا ہے۔ مگر اس میں تو اتنا بھی مذکور نہیں کہ عبداللہ بن جعفر طیار کا نکاح ام کلثوم بنت فاطمہؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ تاریخ الخمیس میں اگر یہ لکھا ہے کہ زینب بنت فاطمہؓ کی وفات کے بعد عبداللہ بن جعفر کا نکاح ام کلثوم بنت فاطمہؓ کے ساتھ ہوا۔ تو وہاں یہ بھی صاف لکھا ہے۔ کہ سب سے پہلے ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہوا تھا۔ ان دونوں قولوں میں کوئی منافات نہیں۔ غرض اہل سنت کی کسی کتاب سے نکاح زیر بحث کی نفی ثابت نہیں۔

سید ذاکر حسین نے جو تین ام کلثوم حضرت عمر فاروق کی ازواج میں لکھی ہیں ان میں کلام ہے۔

قولہ: اول ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم جس سے عاصم پیدا ہوئے۔ (انتہی)

مگر سوائے تاریخ الخمیس کے اور کسی کتاب میں اس جمیلہ کی کنیت ام کلثوم مذکور نہیں۔ علاوہ ازیں جمیلہ کو بنت عاصم بتانا بھی قول ضعیف ہے۔

چنانچہ استیعاب ابن عبدالبر میں ہے۔

عاصم بن عمر بن الخطاب امه جمیلة بنت ثابت بن ابی الافلح الانصاری وقد قیل ان امه جمیلة بنت عاصم والاول اکثر۔

ترجمہ: ”عاصم بن عمر بن الخطاب کی ماں جمیلہ ثابت بن ابی الافلح انصاری کی بیٹی ہے۔ اور کہا گیا کہ اس کی ماں جمیلہ عاصم کی بیٹی ہے ------------ اور پہلا قول اکثر ہے۔ (انتہی)

اسی قول کو تجرید اسماء الصحابة للذہبی اور طبقات ابن سعد میں اختیار کیا گیا ہے۔

تجرید میں الفاظ یہ ہیں:

جميلة بنت ثابت بن ابی الافلح اخت عاصم ام عاصم بن عمر بن الخطاب۔

ترجمہ: "جمیلہ بنت ثابت بن ابی الافلح عاصم کی بہن اور عاصم بن عمر بن الخطاب کی ماں تھی۔ (انتہی)

استیعاب میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح کے ترجمہ میں ہے۔

واحسن اسانيد خبرهٔ فی ذٰلک ماذکره عبدالرزاق عن معمر عن الزہری عن عمرو بن ابی سفیان الثقفی عن ابی ھریرة قال بعث النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم سریة عینا له وامر علیهم عاصم بن ثابت وھو جدعاصم بن عمر بن الخطاب۔

اسی طرح صحیح بخاری (کتاب المغازی۔ غزوہ بدر) میں ہے **عن ابی ھریرة قال بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عشرة عینا وامر علیهم عاصم بن ثابت الانصاری جد عاصم بن عمر بن الخطاب الحدیث۔**

قولہ: دوسرے ام کلثوم ملیکہ بنت جرول جو ایام جاہلیت سے حضرت عمر کی زوجہ تھی۔ جس سے زید اور عبیداللہ پیدا ہوئے۔ (انتہی)

مگر ملیکہ کی کنیت ام کلثوم نہ تھی۔ بلکہ ملیکہ اور ام کلثوم دونوں جرول خزاعی کی لڑکیاں تھیں۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں اولاد و ازواج عمر فاروق کے ضمن میں لکھا ہے۔

وتزوج ملیکة بنت جرول الخزاعی فی الجاهلیة فولدت له عبیداللّٰہ بن عمر ففارقها فی الهدنة فخلفه علیها ابوجهم بن حذیفة وقتل عبیداللّٰہ بصفین مع معاویة وقیل کانت امه ام زید الاصغرا ام کلثوم بنت جرول الخزاعی وکان الاسلام فرق بینها وبین عمر۔

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت میں ملیکہ بنت جرول خزاعی سے نکاح کیا۔ اور اس سے عبیداللہ بن عمر پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملیکہ کو صلح حدیبیہ میں علیحدہ کر دیا۔ پھر ابو جہم بن حذیفہ نے اس کے ساتھ نکاح کیا۔ عبیداللہ جو حضرت معاویہ کے ساتھ تھے صفین میں مقتول ہوئے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ عبید اللہ کی ماں زید اصغر کی والدہ ام کلثوم بنت جرول خزاعی

تھی۔ اسلام نے حضرت عمراور اس کے درمیان تفریق کردی تھی۔ (انتہی)

طباقت ابن سعد میں زید اصغر اور عبیداللہ دونوں کی ماں کا نام ام کلثوم بنت جرول بن مالک خزاعی لکھا ہے۔

قولہ: تیسرے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط جس سے فخر رازی نے تفسیر کبیر میں بعد صلح حدیبیہ حضرت عمر کا نکاح کرنا لکھا ہے۔ (انتہی)

یہ حوالہ تفسیر کبیر میں سورہ ممتحنہ کی آیہ امتحان کے تحت میں یوں مذکور ہے۔

وقوله تعالٰى لاهن حل لهم ولا هم يحلون لهن وأتوهم ما انفقوا اى اعطوا ازواجهن مثل مادفعوا اليهن من المهورو ذٰلک ان الصلح عام الحديبة كان على ان من اتاكم من اهل مكة يرد اليهم ومن اتى مكة منكم لم يرد اليكم وكتبوا بذلک العهد كتابًا وختموه فجاءت سبيعة بنت الحرث الاسلمية مسلمة والنبى صلى اللّٰه عليه وسلم بالحديبة فاقبل زوجها مسافر المخزومى وقيل صيفى بن الراهب فقال يا محمد اردد على امرأتى فانک قد شرطت لنا شرطًا ان ترد علينا من اتاک منا وهٰذه طية الكتاب لم تجف فنزلت بيانا لان الشرط انما كان الرجال دون النساء وعن الزهرى انه قال انها جاءت ام كلثوم بنت عقبة بن ابى معيط وهى عاتق فجاء اهلها يطلبون من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ان يرجعها اليهم وكانت هربت من زوجها عمرو بن العاص ومعها اخواها عمارة والوليد فرد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اخويها وحبسها فقالوا ارددها علينا فقال عليه السلام كان الشرط فى الرجال دون النساء وعن الضحاک ان العهد كان ان ياتک منا امرأة ليست على دينک الارددتها الينا وان دخلت فى دينک ولها زوج رددت على زوجها الذى انفق عليها وللنبى صلى اللّٰه عليه وسلم من الشرط مثل ذٰلک ثم نسخ هٰذا الحكم وهٰذا العهد واستحلفها الرسول عليه السلام فحلفت واعطى زوجها ما انفق ثم تزوجها عمر (تفسیر کبیر مطبوعہ مطبع عامر شرفیہ ۱۳۰۸ھ جزء ثانی صفحہ ۱۳۵)

ترجمہ: " قولہ تعالیٰ۔ نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان مردوں کو اور نہ وہ مرد حلال ہیں ان

عورتوں کو اور دے دو ان مردوں کو جو ان کا خرچ ہوا۔ یعنی ان کے شوہروں کو دیئے دو مثل ان مہروں کے جو انہوں نے اپنی عورتوں کو دے۔ اور وہ یوں ہے کہ حدیبیہ کے سال صلح اس شرط پر ہوئی تھی۔ کہ اہل مکہ میں سے جو مسلمانوں کے پاس مدینہ میں آجائے۔ وہ کفار کی طرف نہ پھیرا دیا جائے۔ اور جو مسلمانوں میں سے مکہ میں چلا جائے۔ وہ مسلمانوں کی طرف پھیرا جائے۔ یہ عہد نامہ لکھ کر مہر لگا دی گئی تھی۔ پس سبیعہ بنت حارث اسلمیہ مسلمان ہو کر (مکہ سے)---- آئی اور رسول اللہ ﷺ حدیبیہ ہی میں تھے۔ اس کا شوہر مسافر مخزومی یا صیفی بن راہب آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے محمد ﷺ میری زوجہ مجھے واپس کر دیجئے۔ کیونکہ آپ نے ہم سے شرط کی ہے۔ کہ ہم سے جو آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اسے واپس کر دیں گے۔ اور اس عہد نامہ کی پیچیدگی ابھی خشک نہیں ہوئی۔ پس یہ آیت اس امر کے بیان کے لئے نازل ہوئی۔ کہ وہ شرط مردوں کے لئے تھی نہ کہ عورتوں کے لئے۔

اور زہری کا قول ہے۔ کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط آئی تھی۔ جو عاتق تھی پس اس کے گھر والے آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا۔ کہ آپ ام کلثوم کو ہماری طرف واپس کر دیں۔ وہ اپنے شوہر عمرو بن عاص سے بھاگ کر آئی تھی اور اس کے ساتھ اس کے دو بھائی عمارہ و ولید تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو واپس کر دیا۔ اور ام کلثوم کو روک لیا۔ وہ بولے کہ ام کلثوم کو ہم پر واپس کر دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا۔ کہ وہ شرط مردوں کے لئے تھی نہ کہ عورتوں کے لئے

اور ضحاک کا قول ہے کہ عہد یہ تھا۔ کہ کفار کی طرف سے جو عورت کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر نہ ہو آپ کے پاس آئے۔ اسے آپ کفار کی طرف واپس کر دیں۔ اور اگر وہ مسلمان ہو جائے۔ اور اس کا شوہر ہو۔ تو آپ اس کے شوہر کو دے دیں جو کچھ اس نے اپنی زوجہ پر خرچ کیا ہے۔ اور نبی ﷺ کے لئے بھی مثل اس شرط کے تھی۔ پھر یہ عہد اور یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور پیغمبر ﷺ نے اس (سبیعہ) کو حلف دیا۔ پس سبیعہ نے سوگند کھائی اور آپ نے اس کے شوہر کو دیا جو کچھ اس نے سبیعہ پر خرچ کیا تھا۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ نکاح کیا۔ (انتہیٰ)

علمائے شیعہ سید علی اظہر وغیرہ واستحلفھا کی ضمیر مونث کو ام کلثوم بنت عقبہ کی طرف راجع سمجھتے ہیں۔ اور قائل ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسی ام کلثوم بنت عقبہ کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ مگر ان کا یہ

خیال بالکل غلط ہے۔ ام کلثوم بنت عقبہ کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہرگز نہیں ہوا۔ سیرت ابن ہشام میں یہ قول ابن اسحاق مذکور ہے۔ کہ ام کلثوم بنت عقبہ صلح حدیبیہ میں ہجرت کرکے آئی اور اس کے دو بھائی عمارہ و ولید اس کے واپس لینے کو مدینہ میں آئے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں اس قول ابن اسحاق کو نقل کرکے آگے یوں لکھا ہے:

قال ابو عمر یقولون انها مشت علی قدمیها من مكة الی المدینة تزوجها زید بن حاثة فقتل عنها یوم موتة فتزوجها الزبیر بن العوام فولدت له زینب ثم طلقها فتزوجها عمرو بن العاص فمكثت عنده شهر اوماتت وهی اخت عثمان لامه

ترجمہ: "مؤرخین کہتے ہیں کہ ام کلثوم بنت عقبہ مکہ سے مدینہ تک پیدل آئی۔ جب وہ مدینہ میں پہنچی تو زید بن حارثہ نے اس سے نکاح کیا۔ وہ اس کی زندگی میں یوم موتہ میں مقتول ہوا۔ پس زبیر بن عوام نے اس سے نکاح کیا۔ وہ عمرو کے ہاں ایک مہینہ رہی اور وفات پاگئی۔ اور وہ عثمان کی مادری بہن تھی۔

قریباً یہی مضمون ہجرت و تزویج کا تجرید اسماء الصحابہ للذہبی اور تہذیب التہذیب للعسقلانی میں موجود ہے کامل ابن اثیر میں ام کلثوم کو ہجرت کرکے آنا اور اس کے دو بھائیوں کا واپس لینے آنا مذکور ہے۔ مگر تزوج کا ذکر نہیں۔ تفسیر در منثور کی ایک روایت میں ام کلثوم کے اہل کا آنا مذکور ہے۔ کہ دوسری روایت میں دو بھائیوں کا آنا۔ اور ایک اور میں ایک بھائی کا آنا۔ اور زید بن حارثہ کے ساتھ نکاح اور زید کے بعد زبیر بن عوام سے نکاح کا ہونا۔ وارد ہے۔ غرض کسی کتاب میں حضرت عمر فاروق کا نکاح ام کلثوم بنت عقبہ کے ساتھ مذکور نہیں۔ اور روایت زہری میں جو مذکور ہے۔ اور وہ اپنے شوہر عمرو بن عاص سے بھاگ آئی تھی۔ اور اس کے ساتھ اس کے دو بھائی تھے۔ یہ کسی اور کتاب میں موجود نہیں حتی کہ روایت زہری جو درمنثور میں ہے۔ اس میں بھی مذکور نہیں۔ ظاہر یہ الحاق ہے۔ کیونکہ تفسیر کبیر ہی میں اسی روایت میں ام کلثوم کو عاتق لکھا ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ عورت جس نے شوہر نہ کیا ہو۔

علاوہ ازیں طبقات ابن سعد (جزء ثامن۔ صفحہ ۱۶۷) میں یوں ہے۔

ام كلثوم بنت عقبة خرجت من مكة وحدها وصاحبت رجلاً من خزاعة التی قدمت المدینة فی الهدنة هدنة الحدیبیة------- ولم یكن لام كلثوم بنت عقبة بمكة زوج فلما قدمت المدینة تزوجها زید بن حارثه بن

شراحیل الکلبی فولدت له وقتل عنها یوم موتة فتزوجها الزبیر بن العوام بن خویلد فولدت له زینب۔

ترجمہ: "ام کلثوم بنت عقبہ مکہ سے اکیلی نکلی۔ اور قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کے ساتھ ہولی۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ میں مدینہ آئی------ اور ام کلثوم بنت عقبہ کا مکہ میں کوئی شوہر نہ تھا۔ جب مدینہ میں آئی۔ تو اس سے زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی نے نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی۔ جب زید اس کی زندگی میں یوم موتہ میں مقتول ہوا۔ تو زبیر بن عوام بن خویلد نے اس کے ساتھ نکاح کیا۔ اور اس سے زینب پیدا ہوئی۔ (انتہی)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ام کلثوم کا کوئی شوہر قبل ہجرت مکہ میں نہ تھا۔ لہٰذا ام کلثوم بنت عقبہ کا قصہ قول ضحاک کے تحت میں آ ہی نہیں سکتا۔ پس جس عورت کے خاوند کو اس کا خرچ دیا گیا وہ سبیعہ ہے۔ جس کے شوہر مسافر مخزومی کا آنا عبارت زیر بحث میں مذکور ہے۔

اسی کا نکاح حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہوا تھا۔ جیسا کہ کتب تفسیر میں بصراحت تمام مذکور ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں ہے۔

واٰتوهم ماانفقوا مادفعوا الیهن من المهور وذٰلک لان صلح الحدیبیة جری علی ان من جاءنا منکم رددناه فلما تعذر علیه ردهن لورود النهی عنه الزمه ردمهورهن اذروی انه علیه السلام کان بعد بالحدیبیة اذ جاءته سبیعة بنت الحرث الاسلمیة مسلمة فاقبل زوجها مسافر المخزومی طالبًا لها فنزلت فاستحلفها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فحلفت فاعطی زوجها ما انفق وتزوجها عمر۔

ترجمہ: "اور دے دو ان مردوں کو جو ان کا خرچ ہوا۔ یعنی جو مہر ان مردوں نے اپنی عورتوں کو دیئے ہیں۔ ان مہروں کے واپس دینے کا حکم اس واسطے تھا۔ کہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ کفار میں سے جو مسلمانوں کے پاس آجائے مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ جب عورتوں کا واپس کرنا رسول اللہ ﷺ پر متعذر ہوا۔ کیونکہ اس سے نہی وارد ہو گئی۔ فلا ترجعوهن۔ تو آپ پر ان کے مہروں کا رد کرنا لازم ہو گیا۔ کیونکہ مروی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی حدیبیہ میں تھے کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں آئی۔ پس اس کا شوہر مسافر مخزومی اس کی طلب میں آیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا

رسول اللہ ﷺ نے اس سبیعہ کو سوگند دی۔ اور اس نے سوگند کھائی۔ پس آپ نے سبیعہ کے شوہر کو اس کا مہر عطا کیا۔ اور سبیعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ (انتہی)

تفسیر خازن و تفسیر ابی السعود و تفسیر حسینی میں بھی سبیعہ کا قصہ اور اس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کرنا مذکور ہے۔

نظر بر اختصار ہم ان کی عبارتیں یہاں نقل نہیں کرتے۔ خود شیعہ اثنا عشریہ کی معتبر تفسیر خلاصۃ المنہج میں آیہ امتحان کے شان نزول میں ام کلثوم بنت عقبہ کا ذکر تک نہیں۔ بلکہ سبیعہ کا قصہ یوں مذکور ہے۔ آوردہ اند کہ در حدیبیہ صلح واقع شد۔ یکے از جملہ شروط این بود کہ ہر مسلمانے کہ از مکہ بمدینہ رود آن حضرت ﷺ اورا بکفار باز فرستد واگر مسلمانے روئے از مدینہ برتافتہ بجانب مکہ شتابد قریش اورا باز نگر دانند۔ ہنوز آنحضرت ﷺ در حدیبیہ بود کہ جمعے مومنان از مکہ گریختہ بملازمت آمدند۔ از جملہ سبیعہ اسلمیہ دختر حارث بحدیبیہ آمد و اسلام آورد و شوہر او مسافر مخزومی بآید و گفت زوجۂ مرا بمن رد کن کہ شرط صلح برین وجہ بود کہ ہر کہ ازما بتو آئید بما ردکنی۔ جرائیل آمد و گفت۔ آن شرط بر مردان واقع شدہ نہ برزنان۔ روانیست کہ مومنات را مشرکان دہند واین آیہ برسول خواند۔ یٰایها الذین اٰمنوا اذا جاء کم المومنات الاٰیة منقول است کہ عہد مشرکان بارسول ﷺ دربارۂ زنان باین طریق شدہ بود کہ ہیچ زنے از مانزد تونیائید کہ بردین تو نباشد الاکہ اورابسوئے ماردکنی واگر بدین تو درآمدہ باشد و شوہر داشتہ۔ آنچہ شوہر انفاق اوکردہ باشد از صداق بردرو نمائی۔ وآنحضرت ﷺ نیز بایں طریقہ باایشان عہد بستہ بود۔ سبیعہ راسوگند داد و مہرے کہ مسافر باوداوہ بود گرفتہ بازگشت۔

مضمون اس عبارت کا بھی وہی ہے۔ جو ہماری تفاسیر میں ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے۔ کہ سوگند سبیعہ در مہر کے بعد یہ مذکور نہیں۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سبیعہ سے نکاح کر لیا۔ اس حذف کی وجہ محتاج بیان نہیں۔ بہرحال کتب فریقین سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح ام کلثوم بنت عقبہ کے ساتھ ثابت نہیں۔ بعض کتابوں میں جو مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت ابی بکر کی خواستگاری کی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس کا پورا اسناد میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ تاریخ طبری میں بحوالہ مدائنی مذکور ہے۔ مگر ابو الحسن مدائنی اخباری اور ضعیف ہے۔ کنز العمال میں بتا دیا گیا ہے۔ استیعاب میں صرف انتہائے اسناد کا راوی مذکور ہے۔ اور کامل ابن اثیر میں بلا اسناد بیان ہوا ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو اس سے فقط خطابتہ ثابت ہوگی۔ نہ کہ وقوع نکاح۔ باقی جو کچھ مصنف نے لکھا ہے۔ وہ ایک دیوانہ کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا۔

قال السید امداد امام

ہم ذیل میں اپنے خیالات اہل سنت کی تحریرات کی بنا پر حوالہ قلم کرتے ہیں۔ اگر حضرات اہل سنت کی تحقیق درست ہے۔ تو یہ معاملہ عقد کا بہت سے زشت پہلو رکھتا ہے۔ واہ قطعی جنتی بننے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوب راہ نکالی۔ ساٹھ برس سے متجاوز سن میں ایک نہایت صغیر سن بے مادر لڑکی سے اس کے باپ کی مرضی کے خلاف درآن حالے کہ اس غریب لڑکی کی ایک مناسب جگہ نسبت ہو چکی تھی عقد فرمالیا۔ خدا کے واسطے اے ساکنان دنیا سن وسال بھی معاملات عقد و نکاح میں قابل لحاظ امور ہوتے ہیں۔ اپنے قطعی جنتی بننے کے لئے اگر کوئی دوسرا شخص جیتے جی دوزخ میں چلا جائے تو چلا جائے ایک طرف مضمون ہے۔ ایسے عقد سے ام کلثوم اس دنیا کے دوزخ میں تو ضرور پڑ گئیں۔ گو ان پر آخر کا دوزخ بالیقین حرام ہے۔ ایسی حرکت خیر اندیش بنی آدم کا نہیں کر سکتا۔ ایسے فعل کے مرتکب ہونے کے لئے بڑی شقاوت قلبی کی ضرورت ہے۔ یہ امر کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منت و ساجت پر اس آسان طور سے جیسا کہ کتاب اسعاف الراغبین میں لکھا ہے۔

"ام کلثوم کو بطور عروس آراستہ کرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔" نہایت توقع کے باہر ہے۔ ضرور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علیؑ کے ساتھ نہایت درشتی کے ساتھ پیش آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے الزام زنا کا حضرت علیؑ پر عائد کیا یا نہیں مگر اس میں خس برابر شک نہیں ہے کہ ایسی درشت کاروائی کی گئی۔ کہ علیؑ کو اپنی مرضی کے خلاف اس معاملہ میں سکوت اختیار کرنا پڑا۔ خیر۔ اگر کتاب بالا کا مضمون صحیح ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بنی ہاشم اس قدر کمزور ہو گئے تھے۔ اور ان کی شان اس قدر کم ہو گئی تھی۔ کہ حضرت خلیفہ اس وقت کے سردار بنی ہاشم کی ایک نہایت صغیر سن لڑکی کو اس آسانی کے ساتھ اپنے عقد میں لے آئے۔ مجھے اس کتاب میں اسی قدر دکھلانا ہے۔ کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی ذلتیں کیونکر وجود میں آتی گئیں۔ یہاں تک کہ واقعہ کربلا ظہور میں آیا۔ اور اس کے بعد سادات کشیاں اور طرحؑ طرح کی آل محمدؐ کے ساتھ بے اعتنائیاں واقع ہوتی گئیں۔ یہ واقع عقد ام کلثوم کا حسب بیان علمائے اہل سنت ایک ملال خیز واقعی ہے۔ اور بالیقین آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی ذلت اور کمزوری کی خبر دیتا ہے۔ اس واقعہ کے وحشت انگیز ہونے میں کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔ ہرچند مولوی سید مہدی علی صاحب عرف نواب محسن الملک بہادر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حیرت انگیز کاروائی کی بڑی تائید کی ہے۔ مگر چونکہ نواب ممدوح خود لاولد تھے۔ اس عقد بے سروپا کی ایذا رسانیوں کو اپنے اوپر قیاس کرنے سے مجبور

رہے۔ اے ساکنان دنیا عام اس سے کہ تم یہود ہو یا ہندو، عیسائی ہو یا مسلمان، لا مذہب ہو یا با مذہب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ تمہارا دل کیا کہے گا، اگر تمہاری کوئی چار یا پانچ برس کی بیٹی ہو۔ اور باپ کی حیثیت سے تم اسے ایک معقول اور مناسب دولہا سے بیاہنا چاہتے ہو۔ لیکن کوئی ایک بوڑھا ساٹھ برس کا بیچ میں کود پڑے۔ اور زور دکھا کر تمہاری معصوم بچی کو اپنے پاس بلوالے۔ اور جب وہ صغیر سن بچی اس بوڑھے کے پاس پہنچ جائے۔ تو وہ قبل از نکاح اس کو اپنی گود میں بٹھلائے اور پھر وہ بوڑھا اس کا بوسہ لے اور اس کو اس کے گھر واپس آنے کے وقت اس کی ران تھام لے۔ اے دنیا میں صغیر سن بیٹی رکھنے والو، سچ کہو۔ آیا تم کو یہ سب عمر کی کارروائیاں کبھی پسند آسکتی ہیں۔ ضرور تمہاری شرافت اور نجابت چلا اٹھے گی۔ کہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ جائے لحاظ ہے کہ ابن حجر صاحب نے حضرت عمر کے بوسہ لینے کی توجیہ تو اس طور پر کرا دی کہ یہ بوسہ لینا براہ اکرام و تعظیم تھا۔ مگر ران تھامنے کی کوئی توجیہ نہیں کر سکتے۔ شائید ابن حجر کے قبیلہ میں غیر محرم سے عورتوں کا ران تھموانا ایک رسمی امر تھا جو اس محقق نامی کو قابل توجیہ نہیں معلوم ہوا۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۶۳ ـ ۶۴

اقول

اوراق سابقہ میں ہم دکھا چکے ہیں۔ کہ از روئے کتب اثنا عشریہ حضرت عمر فاروق کا نکاح حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ کے ساتھ ثابت ہے۔ یہاں اس نکاح کے متعلق کتب اہل سنت کے حوالے بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) اپنی صحیح میں فرماتے ہیں۔

حدثنا عبدان انا عبداللّٰہ ان یونس عن ابن شھاب قال ثعلبة بن ابی مالک ان عمر بن الخطاب قسم مروطاً بین نساء من نساء المدینة فبقی مرط جید فقال له بعض من عنده یا امیر المومنین اعط ھٰذا بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم التی عندک یریدون ام کلثوم بنت علی فقال عمر ام سلیط احق وام سلیط من نساء الانصار ممن بایع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال عمر فانھا کانت تزفرلنا القرب یوم احد (صحیح بخاری۔ کتاب الجھاد۔ باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو)

ترجمہ: "حدیث بیان کی ہم سے عبدان نے۔ کہ خبر دی ہم کو عبداللہ بن مبارک نے۔ کہ

خبردی ہم کو یونس بن یزید الایلی نے ابن شہاب (محمد بن مسلم زہری) سے۔ کہ کہا ثعلبہ بن ابی مالک نے کہ عمر بن الخطاب نے مدینہ کی عورتوں میں سے کچھ عورتوں کے درمیان چادریں تقسیم کیں۔ ایک عمدہ چادر باقی رہ گئی۔ حاضرین میں سے بعضوں نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ اے امیر المومنین یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی بیٹی (نواسی) کو جو آپ کی زوجیت میں ہے' عطا فرما دیجئے۔ ان کی مراد ام کلثوم بنت علیؑ تھی۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ام سلیط زیادہ حق دار ہے۔ ام سلیط انصار کی عورتوں میں سے تھی۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اس کا حق اس لئے زیادہ ہے۔ کہ وہ احد کے دن ہمارے واسطے مشکیں اٹھا کر لاتی تھی۔ (انتہٰی)

یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب المغازی باب ذکر ام سلیط میں بھی بروایت یحییٰ بن بکیر عن لیث عن یونس عن الزہری مذکور ہے۔

۲۔ امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) اپنی سنن میں فرماتے ہیں۔

اخبرنا محمد بن رافع قال ابنانا عبدالرزاق قال ابنانا ابن جریج قال سمعت نافعا یزعم ان ابن عمر صلی علی تسع جنائز جمیعًا فجعل الرجل یلون الامام والنساء یلین القبلة فصفهن صفا واحد اووضعت جنازة ام کلثوم بنت علی امرأة عمر بن الخطاب وابن لها یقال له زید وضعا جمیعا والامام یومئذ سعید بن العاص وفی الناس ابن عمر وابوهریرة وابو سعید وابو قتادة فوضع الغلام مما یلی الامام فقال رجل فانکرت ذلک فنظرت الی ابن عباس وابی هریرة وابی سعید وابی قتادة فقلت ما هٰذا قالوا هی السنة (سنن نسائی۔ کتاب الجنائز۔ باب اجتماع جنائز الرجال والنساء۔)

ترجمہ: "خبردی ہم کو محمد بن نافع نے کہا کہ خبردی ہم کو عبدالرزاق نے۔ کہا کہ خبردی ہم کو ابن جریج نے۔ کہا کہ سنا میں نے نافع کو کہہ رہے تھے' کہ ابن عمر نے نو جنازوں پر ایک ساتھ نماز پڑھی۔ پس مردوں کے جنازوں کو امام کے قریب رکھا۔ اور عورتوں کے جنازوں کو قبلہ کی طرف ایک صف میں رکھا۔ اور ام کلثوم بنت علیؑ زوجۂ عمر بن الخطاب اور ان کے بیٹے زید ان دونوں کا جنازہ ایک ساتھ رکھا گیا۔ اور حضرت سعید بن عاص اس وقت امام تھے۔ اور حاضرین میں ابن عمر اور ابو ہریرہ اور ابو سعید اور ابو قتادہ تھے۔ پس لڑکے کا جنازہ امام کے

قریب رکھا گیا۔ ایک شخص نے کہا۔ مجھے یہ ناپسند ہے اور ابن عباس و ابو ہریرہ وابو سعید و ابو قتادہ کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ وہ بولے کہ یہ سنت ہے۔ (انتہے)

۳۔ امام ابو داؤد و سلیمان بن اشعث بجستانی (متوفی ۲۷۵ھ) اپنی سنن میں یوں نقل فرماتے ہیں۔

حدثنا یزید بن خالد بن موھب الرملی حدثنا ابن وھب عن ابن جریج عن یحیٰی بن صبیح قال حدثنی عما رمولی الحارث بن نوفل انه شھد جنازة ام کلثوم وابنھا فجعل الغلام مما یلی الامام فانکرت ذٰلک وفی القوم ابن عباس و ابو سعید الخدری وابو قتادہ وابو ھریرۃ فقالوا ھٰذہ السنة۔ (سنن ابو داؤد۔ مجلد ثانی۔ کتاب الجنائز۔ باب اذا حضر جنائز رجال ونساء من یقدم)

ترجمہ: "حدیث بیان کی ہم سے یزید بن خالد بن موہب الرملی نے کہ حدیث بیانکی ہم سے ابن وہب نے ابن جریج سے۔ اس نے یحیٰی بن صبیح سے کہا کہ حدیث بیان کی مجھ سے حارث بن نوفل کے آزاد کردہ غلام عمار نے کہ میں ام کلثوم اور اس کے بیٹے کے جنازے پر حاضر ہوا۔ پس لڑکے کو امام کے قریب رکھا گیا۔ میں نے اسے ناپسند کیا۔ اور حاضرین میں ابن عباس و ابو سعید خدری و ابو قتادہ و ابو ہریرہ تھے۔ وہ بولے کہ یہ سنت ہے۔ (انتہے)

۴۔ ابو عبداللہ محمد بن سعد زہری (متوفی ۲۳۰ھ) طبقات میں لکھتے ہیں:

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصی وامھا فاطمة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وامھا خدیجة بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی تزوجھا عمر بن الخطاب وھی جاریة لم تبلغ فلم تزل عندہ الی ان قتل وولدت له زید بن عمر ورقیة بنت عمر (طبقات ابن سعد۔ جزء ثانی۔ صفحہ۔ ۳۳۹)

ترجمہ: "ام کلثوم بیٹی ہے علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ کی۔ اور ام کلثوم کی ماں فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اور فاطمہؓ کی ماں خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم کے ساتھ نکاح کیا۔ اور وہ نابالغہ تھی۔ پس وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں رہی۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق نے شہادت پائی۔ اور اس سے پیدا ہوئے زید بن عمر رضی اللہ عنہ اور رقیہ بنت عمر رضی اللہ عنہ (انتہے)

۵۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (متوفی ۲۷۶ھ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادیوں کی تفصیل یوں لکھتے ہیں:

(بنات علی بن ابی طالب) فاما زینب الکبریٰ بنت فاطمۃ فکانت عند عبداللّٰہ بن جعفر فولدت لہ اولا داقدذکرنا ھم۔ واما ام کلثوم الکبری وھی بنت فاطمۃ فکانت عند عمر بن الخطاب وولدت لہ اولادًا قد ذکرنا ھم فلما قتل عمر تزوجھا محمد بن جعفر بن ابی طالب فمات عنھا ثم تزوجھا عون بن جعفر بن ابی طالب فماتت عندہ وکان سائر بنات علی عند ولد عقیل وولدالعباس خلا ام الحسن فانھا کانت عند جعدۃ بن ھبیرۃ المخزومی وخلا فاطمۃ فانھا کانت عند سعید بن الاسود من بنی الحرث بن اسد (کتاب المعارف۔ مطبوعہ مصر۔ صفحہ ۷۰)

ترجمہ: "علیؓ بن ابی طالب کی صاحبزادیاں) زینب کبریٰ بنت فاطمہ بن عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھیں۔ ان سے اولاد پیدا ہوئی۔ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ جب حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے۔ تو ام کلثوم کا نکاح محمد بن جعفر بن ابی طالب کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے ام کلثوم کی زندگی میں انتقال کیا۔ بعد ازاں ام کلثوم عون بن جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں۔ اور ان کی زندگی میں انتقال کر گئیں۔ حضرت علیؓ کی باقی صاحبزادیاں عقیل و عباس کے بیٹوں کے نکاح میں تھیں۔ سوائے ام الحسن کے جو جعدہ بن ہبیرہ مخزومی کے نکاح میں تھیں۔ اور سوائے فاطمہؓ کے جو بنو حارث بن اسد میں سے سعید بن اسود کے نکاح میں تھیں۔ (انتہیٰ)

کتاب المعارف صفحہ ۹۰ میں اولاد عمر فاروق کے ضمن میں ہے۔

وولد عمر بن الخطاب من فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویقال ان اسم بنت ام کلثوم من عمر رقیۃ

یعنی عمر بن الخطاب کے ہاں پیدا ہوئے فاطمہ اور زید جن کے ماں ام کلثوم ہے جو بیٹی ہے علی بن ابی طالب کی فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن مبارک سے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ ام کلثوم کی بیٹی کا نام جو حضرت عمرؓ سے تھی رقیہ تھا۔ (انتہیٰ)

۶۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی تاریخ کبیر میں ہے۔

وتزوج ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب وامھا فاطمۃ بن رسول اللّٰہ صلی

اللّٰہ علیہ وسلم واصدقها فیما قیل اربعین الفافولدت له زید اورقیة (تاریخ الامم والملوک۔ مطبوعہ مصر۔ جزء خامس صفحہ ۱۶)

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کے ساتھ نکاح کیا۔ جن کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کا مہر چالیس ہزار مقرر تھا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے زید و رقیہ پیدا ہوئے۔ (انتہیٰ)

۷۔ ابو عمر احمد بن محمد معروف بن ابن عبد ربہ (متوفی ۳۲۸ھ) جس کے تشیع کا حال پہلے آچکا ہے یوں رقمطراز ہے۔

وکان علی قد عزل بناته لولد جعفر بن ابی طالب فلقیه عمر فقال یا ابا الحسن انکحنی ابنتک ام کلثوم ابنة فاطمة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال قد حسبتها لابن جعفر قال انه واللّٰہ ما علی الارض احد یرضیک من حسن صحبتها بما ارضیک به فانکحنی یا ابا الحسن قال قد انکحتکها یا امیر المومنین فاقبل عمر فجلس فی الروضة بین القبر والمنبر واجتمع الیه المهاجرون والانصار فقال رفئونی قالوابمن یا امیر المومنین قال بام کلثوم فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول کل سبب و نسب ینقطع یوم القیامة الاسببی ونسبی وقد تقدمت لی صحبة فاحببت ان یکون لی معها سبب فولدت له ام کلثوم زید بن عمر ورقیة بنت عمر (عقد الفرید۔ مطبوعہ مطبع عامرہ شرفیہ۔ مصر ۱۳۱۶ھ۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۱۹۴۔)

ترجمہ: "اور حضرت علی نے اپنی بیٹیاں جعفر بن ابی طالب کے لڑکوں کے لئے الگ کر رکھی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور کہا۔ اے ابو الحسن آپ اپنی صاحبزادی ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا نکاح مجھ سے کر دیں۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں نے اس کو جعفر کے بیٹے کے لئے روک رکھا ہے۔ حضرت فاروق نے کہا۔ اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو آپ کو ام کلثوم کے ساتھ حسن سلوک سے ایسا خوش کرے جیسا کہ میں آپ کو خوش کروں گا۔ پس اے ابو الحسن آپ میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیں۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ اے امیر المومنین میں نے آپ کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔ یہ سن کر حضرت

عمر آئے اور روضہ جنت میں قبر شریف و منبر شریف کے درمیان بیٹھ گئے۔ مہاجرین و انصار آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ میرے نکاح میں دعائے خیر و برکت کرو۔ انہوں نے عرض کی کہ کس کے ساتھ۔ فرمایا کہ ام کلثوم کے ساتھ۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن سوائے میرے سبب اور میرے نسب کے ہر ایک سبب و نسب منقطع ہے۔ مجھے صحبت کا شرف تو حاصل ہے۔ میں نے چاہا کہ صحبت کے ساتھ سبب بھی حاصل ہو جائے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ام کلثوم سے زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر پیدا ہوئے۔ (انتہی)

۸۔ حافظ محمد بن حبان (متوفی ۳۵۴ھ) نے کتاب الثقات میں واقعات ۱۷ھ میں یوں لکھا ہے۔

ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب وھی من فاطمة ودخل بھافی شھر ذیقعدة۔

ترجمہ: "بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کے ساتھ نکاح کیا۔ جو حضرت فاطمہ کے بطن مبارک سے تھیں۔ اور ماہ ذیقعدہ میں ان سے مقاربت کی۔ (انتہی)

۹۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ معروف بہ حاکم نیشا پوری (متوفی ۴۰۵ھ) نے جن کا تشیع مشہور ہے۔ اس واقعہ تزویج کو یوں ذکر کیا ہے۔

حدثنا الحسن بن یعقوب وابراھیم بن عصمة العدلان قالا ثنا السری بن خزیمة ثنا معلی بن راشد ثنا وھیب بن خالد عن جعفر بن محمد عن ابیه عن علی بن الحسین ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه خطب الی علی رضی اللّٰه عنه ام کلثوم فقال انکحنیھا فقال علی انی ارصدھا لابن اخی عبداللّٰه بن جعفر فقال عمر انکحنیھا فواللّٰه ما من الناس احد یرصد من امرھا ماارصده فانکحه علی فاتی عمر المھاجرین فقال الاتھنونی فقالوا بمن یا امیر المومنین فقال بام کلثوم بنت علی وابنة فاطمة بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول کل نسب وسبب ینقطع یوم القیامة الا ما کان من سببی ونسبی فاحببت ان یکون بینی وبین رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم نسب وسبب ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه

(مستدرک علی الصحیحین مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۱۴۲)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام جعفر صادق نے اپنے والد امام محمد باقر سے اور انہوں نے امام

زین العابدین سے روایت کی۔ کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم کی خواستگاری کی اور کہا کہ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے علیؑ نے کہا۔ کہ میں نے ام کلثوم کو اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر کے لے روک رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیں۔ اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی مجھ سے زیادہ ام کلثوم کی کرامت کا امیدوار نہیں۔ پس حضرت علی نے حضرت عمر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عمر مہاجرین کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ کہ تم مجھے نکاح کی مبارک باد کیوں نہیں دیتے۔ وہ بولے کہ کس کے ساتھ اے امیر المومنین۔ فرمایا۔ کہ ام کلثوم بنت علی و فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن میرے سبب و نسب کے سوا ہر ایک نسب و سبب منقطع ہو گا۔ اس لئے میں نے چاہا۔ کہ درمیان میرے اور درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب و سبب ہو۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ شیخین نے اسے اخراج نہیں کیا۔ (انتہی)

۱۰۔ امام ابوبکر احمد بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے اس قصہ تزویج کو اس سند کے ساتھ جس کے رجال اکابر اہل بیت میں سے ہیں۔ اخراج کیا ہے۔

ان علیًا عزل بناته لولد اخیه جعفر فلقیه عمر رضی اللّٰہ عنه فقال له یا ابا الحسن انکحنی ابنتک ام کلثوم بنت فاطمة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال قد حبستهن لولد اخی جعفر فقال عمر انه واللّٰہ ما علی وجه الارض من یرصد من صحبتها ما ارصد فانکحنی یا ابا الحسن فقال قد انکحتها فعاد عمر الی مجلسه بالروضة مجلس المهاجرین والانصار فقال هنئونی قالوا بمن یا امیر المومنین قال بام کلثوم بنت علی واخذ یحدث انه سمع رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول کل صهرا وسبب اونسب ینقطع یوم القیامة الاصهری وسببی ونسبی وانه کان لی صحبة فاحببت ان یکون لی معها سبب۔ (صواعق محرقہ۔ مطبوعہ مصر۔ صفحہ ۹۳)

اس کا اردو ترجمہ قریباً وہی ہے جو روایت حاکم نمبر(۹) کا ہے۔

مذکورہ بالا عشر کاملہ سے ان علمائے شیعہ کی تردید اظہر من الشمس ہے جو کہتے ہیں۔ کہ کتب اہل سنت سے یہ نکاح ثابت نہیں۔ شیعہ ان مستند و معتبر حوالوں کو پس انداز کرتے ہیں اور وہ روائتیں پیش

کرتے ہیں جن سے نکاح ام کلثوم بنت فاطمہؓ تو ثابت ہے۔ مگر ان میں ایسے امور (گود میں بٹھانا۔ بوسہ لینا وغیرہ) مذکور ہیں۔ جن کے سبب شیعہ حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں بغرض تنقید کئی روائتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد (جزء ثامن۔ ترجمہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب) میں ہے۔

اخبرنا انس بن عیاض اللیثی عن جعفر بن محمد عن ابیه ان عمر بن الخطاب خطب الی علی بن ابی طالب ابنته ام کلثوم فقال علی انما حبست بناتی علی بن جعفر فقال عمر انکحنیها یا علی فواللّٰه ماعلی ظهر الارض رجل یرصد من حسن صحابتها ما ارصد فقال علی قد فعلت فجاء عمر الی مجلس المهاجرین بین القبر والمنبر وکانوا یجلسون ثم علی وعثمٰن والزبیر وطلحة وعبدالرحمٰن بن عوف فاذا کان الشئ یاتی عمر من الافاق جاءهم فاخبرهم ذٰلک واستشارهم فیه فجاء عمر فقال رفئونی فرفئوه وقالوا بمن یا امیر المومنین قال بابنة علی بن ابی طالب ثم انشا یخبرهم فقال ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال کل نسب وسبب منقطع یوم القیامة الانسبی وسببی وکنت قد صحبته فاحببت ان یکون هٰذا ایضًا۔

ترجمہ: "خبر دی ہم کو انس بن عیاض لیثی نے جعفر بن محمد سے۔ اس نے اپنے باپ محمد باقر سے کہ عمر بن الخطاب نے علی بن ابی طالب سے ان کی صاحبزادی ام کلثوم کی خواستگاری کی۔ علیؓ نے جواب دیا۔ کہ میں نے اپنی بیٹیاں جعفر کے بیٹوں کے لئے روک رکھی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے علی۔ ام کلثوم کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں۔ جو ام کلثوم کے ساتھ حسن سلوک سے اس امر کا امیدوار ہو جس کا میں امیدوار ہوں۔ علیؓ نے کہا۔ کہ میں نے کر دیا۔ پس عمر رضی اللہ عنہ قبر شریف و منبر شریف کے درمیان مجلس مہاجرین میں آئے۔ اور وہاں علیؓ و عثمان رضی اللہ عنہ و زبیر و طلحہ و عبدالرحمٰن بن عوف بیٹھا کرتے تھے۔ جب ملک کے کسی حصہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ خبر آتی۔ تو ان کے پاس آتے اور ان کو خبر دیتے۔ اور اس میں ان کا مشورہ طلب کرتے۔ پس عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ مجھے نکاح کی مبارک باد دو۔ پس انہوں نے مبارک باد دی۔ اور پوچھا کہ کس کے

ساتھ اے امیر المومنین۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ کہ علی بن ابی طالب کی بیٹی کے ساتھ۔ پھر آپ انہیں خبر دینے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن سوائے میرے نسب و سبب کے ہر ایک نسب و سبب منقطع ہو گا۔ مجھے صحبت کا شرف حاصل ہے۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ یہ بھی حاصل ہو جائے۔ (انتہیٰ)

۲۔ طباقت ابن سعد ہی میں ہے۔

قال محمد بن عمر وغیرہ لما خطب عمر بن الخطاب الٰی علی ابنته ام کلثوم قال یا امیر المومنین انها صبیة فقال انک واللّٰه مابک ذاک ولکن قد علمنا مابک فامر علی بها فصنعت ثم امر ببرد نطواه وقال انطلقی بهذا الی امیر المومنین فقولی ارسلنی ابی یقرئک السلام ویقول ان رضیت البرد فامسکه وان سخطته فرده فلما اتت عمر قال بارک اللّٰه فیک وفی ابیک قد رضینا قال فرجعت الی ابیها فقالت مانشر البرد ولا نظر الا الی فزوجها ایاه فولدت له غلامًا یقال له زید.

ترجمہ: "محمد بن عمر واقدی وغیرہ کا قول ہے۔ کہ جب عمر بن الخطاب نے علیؓ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کی خواستگاری کی۔ تو علیؓ نے کہا۔ اے امیر المومنین وہ نابالغہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم آپ اس کا خیال نہ کریں۔ ہمیں آپ کا مطلب معلوم ہے (؟) پس علیؓ نے ام کلثوم کے لئے حکم دیا۔ پس وہ آراستہ کی گئی۔ پھر آپ نے ایک چادر منگوا کر لپیٹ دی۔ اور ام کلثوم سے کہا کہ اسے لے کر امیر المومنین کے پاس جاؤ۔ اور کہہ دیجو کہ مجھے میرے باپ نے بھیجا ہے۔ وہ آپ کو سلام کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ اگر آپ کو یہ چادر پسند ہے تو اس کو رکھ لیں۔ اور اگر ناپسند ہے تو واپس کر دیں۔ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ تو آپ نے کہا۔ اللہ تجھ میں اور تیرے والد میں برکت دے۔ ہمیں پسند ہے۔ پس وہ اپنے باپ کے پاس واپس آکر کہنے لگی۔ کہ امیر المومنین نے چادر کو پھیلایا نہیں۔ اور نہ میرے سوا کسی چیز کی طرف دیکھا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے ام کلثوم کا نکاح ان سے کر دیا اور حضرت عمر کے ہاں ام کلثوم سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام زید تھا۔ (انتہیٰ)

۳۔ استیعاب ابن عبد البر (متوفی ۴۶۳ھ) میں ترجمہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب میں ہے۔

خطبها عمر بن الخطاب الی علی ابن ابی طالب فقال له انها صغیرة فقال

له عمر زوجنيها يا ابا الحسن فاني ارصد من كرامتها مالا يرصده احد
فقال له علی رضی اللّٰه عنه انا ابعثها اليک فان رضيتها فقد زوجنكها
فبعثها اليه ببرد وقال لها قولی هٰذا البرد الذی قلت لک فقالت ذٰلک لعمر
فقال قولی له قد رضيت رضی اللّٰه عنک ووضع يده علی ساقها فكشفها
فقالت اتفعل هٰذا لولا انک امير المومنين لكسرت انفک ثم خرجت
حتی جاءت اباهافاخبرته الخبر وقالت بعثتنی الی شيخ سوء فقال يا بنية
انه زوجک فجاء عمر الی مجلس المهاجرين فی الروضة وكان يجلس
فيها المهاجرون الاولون فجلس اليهم فقال لهم رفئونی فقالوا بما ذا يا
امير المومنين قال تزوجت ام كلثوم بنت علی بن ابی طالب سمعت
رسول الله صلی اللّٰه عليه وسلم يقول كل نسب وسبب وصهر منقطع
يوم القيامة الانسبی وسببی وصهری فكان لی به عليه السلام النسب
والسبب فاردت ان اجمع اليه الصهر فرفئوه۔

ترجمہ: "عمر بن الخطابؓ نے علی بن ابی طالب سے ان کی بیٹی ام کلثوم کی خواستگاری کی۔ علیؓ نے ان کو جواب دیا۔ کہ وہ نابالغہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ابو الحسن میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیجئے۔ کیونکہ میں اس کی کرامت سے اس چیز کا امیدوار ہوں۔ جس کا کوئی دوسرا امیدوار نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ میں اسے آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ اگر آپ اسے پسند فرمائیں۔ میں اسے آپ کے ساتھ بیاہ دوں گا۔ پس حضرت علیؓ نے اسے ایک چادر دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہہ دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ چادر جس کا میں نے ذکر کیا آپ کے واسطے ہے۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کہہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علیؓ سے کہہ دینا کہ میں راضی ہوں۔ اللہ تجھ سے راضی ہو۔ اور اپنا ہاتھ اس کی ساق پر رکھا اور کشف ساق کیا۔ ام کلثوم نے کہا کیا آپ ایسا کرتے ہیں۔ اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے۔ تو میں آپ کی ناک توڑ دیتی۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے نکلی۔ یہاں تک کہ اپنے باپ کے پاس آئی۔ اور انہیں سب ماجرا کہہ سنایا۔ اور کہا کہ آپ نے مجھے برے شیخ کے پاس بھیجا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اے پیاری بیٹی وہ تیرے شوہر ہیں۔ پس عمر رضی اللہ عنہ روضہ میں مہاجرین کے پاس آئے جہاں مہاجرین اولین بیٹھا کرتے تھے۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے

مجھے مبارک باد دو۔ انہوں نے پوچھا۔ اے امیر المومنین کس بات کی مبارک باد۔ فرمایا کہ میں نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے۔ کہ قیامت کے دن سوائے میرے نسب و سبب و صہر کے ہر ایک نسب و سبب و صہر منقطع ہو گا۔ مجھے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نسب و سبب---- حاصل تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کے ساتھ صہر بھی جمع ہو جائے۔ یہ سن کر مہاجرین نے حضرت عمر کو مبارک باد دی۔ (انتہیٰ)

۴۔ استیعاب ہی میں ہے۔

حدثنا عبدالوارث حدثنا قاسم حدثنا الخشنی حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن عمرو بن دینار عن محمد بن علی ان عمر بن الخطاب خطب الی علی ابنته ام کلثوم فذکر له صغرها فقیل له انه ردک فعاوده فقال له علی ابعث بها الیک فان رضیت فهی امرأتک فارسل بها الیه فکشف عن ساقها فقالت۔ واللّٰه لولا انک امیر المومنین للطمت عینیک۔

ترجمہ: ”حدیث بیان کی ہم سے عبد الوارث نے کہ حدیث بیان کی ہم سے قاسم نے حدیث بیان کی ہم سے خشنی نے کہ حدیث بیان کی ہم سے ابن ابی عمر نے کہ حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے عمرو بن دینار سے۔ اس نے امام محمد باقر سے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے علیؑ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کی خواستگاری کی۔ حضرت علیؑ نے صغر سنی کا عذر پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ علیؑ نے آپ کو رد کر دیا۔ پس حضرت عمر دوبارہ حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ حضرت علیؑ نے کہا۔ کہ میں اسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ اگر پسند آئی تو وہ آپ کی زوجہ ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ نے اسے حضرت عمر کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم کی ساق کو ننگا کیا۔ ام کلثومؑ نے کہا۔ دیکھ اللہ کی قسم اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے۔ تو میں ضرور آپ کی آنکھوں پر طمانچہ مارتی۔ (انتہیٰ)

۵۔ **اصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر العسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ)** میں ترجمہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب میں ہے۔

قال ابن ابی عمر المقدسی حدثنی سفیان عن عمرو عن محمد بن علی ان عمر خطب الی علی ابنته ام کلثوم فذکرله صغرها فقیل له انه ردک

فعاوده فقال له علی ابعث بها الیک فان رضیت فهی امرأتک فارسل بها الیه فکشف عن ساقها فقالت مه لولا انک امیر المومنین لطمت عینیک۔

یہ وہی روایت نمبر ۴ ہے۔

۶۔ روایت کتاب المودۃ پہلے آچکی ہے۔ جس میں مذکور ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم کو اپنے زانو پر بٹھایا۔ اور اس کے سر پر سے مقنع اور ساق پر سے جامہ اٹھا دیا۔ اس وقت ام کلثوم چار سالہ اور حضرت عمر شصت سالہ تھے۔

۷۔ اسعاف الراغبین کی روایت سید امداد امام نے ذکر کر دی ہے۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ام کلثوم کو گود میں بٹھانا اور بوسہ لینا۔ اور بوقت رخصت اس کی ساق کو تھام لینا مذکور ہے۔

اب روایت نمبر۱ طبقات ابن سعد۔ روایت نمبر۴ استیعاب۔ روایت نمبر۵ اصابہ اور عشرہ کاملہ سابقہ میں سے روایت نمبر۹ مستدرک اور روایت ۱۰ بیہقی پر نظر غور ڈالو۔ ان پانچوں کے اسناد میں انقطاع ہے۔ خواہ انتہائے اسناد میں امام محمد باقر۔ (متوفی ۱۱۷ھ) ہوں یا امام زین العابدین (متوفی ۹۴ھ)۔ کیونکہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ (۱۷ھ) کا ہے۔ روایت مستدرک و بیہقی کے راویوں میں وھیب بن خالد۔ امام جعفر صادق۔ امام محمد باقر۔ امام زین العابدین ہیں۔ اور روایت طبقات میں انس بن عیاض۔ امام جعفر صادق۔ امام محمد باقر ہیں۔ اسی طرح روایت استیعاب و اصابہ میں سفیان۔ عمرو بن دینار۔ امام محمد باقر ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک ہی روایت کے مختلف طریق ہیں۔ یہ محال ہے کہ امام محمد باقر اپنے صاجزادے امام جعفر صادق سے ایک ہی واقعہ میں کچھ بیان کریں۔ اور عمرو بن دینار سے اسی واقعہ میں کچھ اور ہی ذکر کریں۔ روایت ابن سعد میں امام صادق سے نیچے کا راوی انس بن عیاض ثقہ ہے۔ اور روایت حاکم بھی صحیح الاسناد ہے۔ پس بمجوائے اہل البیت ادری بمافیہ طریق امام صادق کا مضمون صحیح ہے جس میں مذکور ہے۔ کہ حضرت عمر کی خواستگاری پر حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ اس میں اس بات کا ذکر تک نہیں۔ کہ حضرت علیؑ نے ام کلثوم کو حضرت عمر فاروق کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے کشف ساق کیا۔ اور ام کلثوم نے یوں سخت جواب دیا۔ قطع نظر روایت کے ایسا امر از روئے روایت بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ علاوہ ازیں طریق عمرو بن دینار جس میں یہ امر مذکور ہے۔ مخدوش ہے۔

پہلا راوی عبد الوارث اور دوسرا راوی قاسم ہے۔ ہر دو نام کے کئی راوی ہیں۔ تیسرا راوی خشنی ہے۔ مگر خشنی دو ہیں۔ مسلمہ بن علی خشنی اور حسن بن یحییٰ خشنی۔ مسلمہ کی نسبت تہذیب التہذیب میں

ہے۔ کہ ابن معین و دحیم کا قول ہے کہ مسلمہ لا شیئی ہے۔ امام بخاری و ابو زرعہ کا قول ہے۔ کہ مسلمہ منکر الحدیث و متروک ہے۔ جو زجانی کا قول ہے۔ کہ مسلمہ ضعیف اور اس کی حدیث متروک ہے۔ امام نسائی و دار قطنی و برقانی کا قول ہے۔ کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ ابو احمد حاکم کا قول ہے۔ کہ وہ ذاہب الحدیث ہے۔ ابن حبان کا قول ہے۔ کہ وہ اسانید کو مقلوب کر دیتا تھا۔ اور ثقات کے نام سے وہ حدیثیں روایت کرتا تھا جو ان کی نہ تھیں۔ ابن عدی کا قول ہے۔ کہ مسلمہ کی تمام حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ ابن جنید نے بروایت ابن معین بیان کیا کہ ہر دو خشنی یعنی مسلمہ اور حسن بن یحیٰی ضعیف و لاشئے ہیں۔ حسن بن یحیٰی خشنی کا مزید حال یہ ہے۔ کہ ابو حاتم کا بیان ہے کہ حسن صدوق مگر اس کا حافظہ خراب ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں۔ دار قطنی کا قول ہے کہ حسن متروک ہے عبدالغنی بن سعید کا قول ہے۔ کہ حسن لاشے ہے۔

چوتھا راوی ابن ابی عمر یعنی محمد بن یحیٰی بن ابی عمر عدنی ہے۔ تہذیب التہذیب میں ہے۔ قال ابن ابی حاتم عین ابیہ کان رجلا صالحا و کان بہ غفلة ورأیت عندہ حدیثا موضوعا حدث بہ عن ابن عینیة و کان صدوقا۔ یعنی ابن ابی حاتم نے اپنے والد ابو حاتم کی زبانی بیان کیا۔ کہ ابن ابی عمر نیک شخص تھا۔ مگر اس میں غفلت تھی۔ میں نے اس کے پاس ایک موضوع حدیث دیکھی جس کو اس نے سفیان بن عینیہ سے روایت کیا۔ اور وہ صدوق تھا۔ انتہے

اس سے ظاہر ہے کہ طریق عمرو بن دینار مجروح اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

کتاب المودۃ کی نسبت ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ اس کی روایت اوز وہ بھی بلا اسناد کیا وقعت رکھ سکتی ہے۔ یہی حال اسعاف الراغبین کی روایت بلا اسناد کا ہے۔ اسعاف الراغبین ۱۱۸۹ھ کی تصنیف ہے۔ وہ ہماری کتب معتمدہ میں شامل نہیں۔ نہ اس میں صحت کا التزام ہے۔ روایت طبقات نمبر۲ اور روایت استیعاب نمبر۳ جن میں ام کلثوم کو چادر دے کر بھیجنا مذکور ہے۔ ہر دو بلا اسناد ہیں۔ اگرچہ واقدی متروک ہے۔ مگر اس کی روایت میں نہ کشف ساق مذکور ہے اور نہ ام کلثوم کی درشت کلامی۔ پس روایت استیعاب میں جو یہ امر مذکور ہے وہ وضع یا الحاق پر محمول ہے۔ ابن الصلاح نے یہ بجا اعتراض کیا ہے کہ ابن عبد البر محدثین کو چھوڑ کر اخباریوں کی روایات لاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے امور ہماری کسی معتبر و مستند روایت سے ثابت نہیں۔ جو کچھ روایات معتمدہ اہل سنت سے ثابت ہے وہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

بیان بالا سے واضح ہو گیا کہ سید امداد امام نے تزویج ام کلثوم کے متعلق جو اپنے خیالات حوالہ قلم

کئے ہیں۔ وہ اہل سنت کی تحریرات معتمدہ کی بنا پر نہیں۔ اور نہ کتب معتمدہ اثنا عشریہ کی بنا پر ہیں۔ بنابر تحقیق اہل سنت اس معاملہ میں کوئی زشت پہلو نہیں۔ چار سال والی روایت موضوع ہے۔ اصل واقع عقد پر جو حواشی چڑھائے گئے ہیں۔ وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اس عقد سے پہلے حضرت ام کلثوم کی نسبت کسی جگہ نہ ہوئی تھی۔ حضرت مرتضیٰ کا یہ محض ارادہ تھا۔ کہ ان کو جعفر طیار کے بیٹے سے بیاہ دیں۔ مگر بعد ازاں ان کو ایک بہتر جگہ مل گئی۔ اس لئے ارادہ کو بدل دیا۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

عرفت ربی بفسخ العزائم (میں نے اپنے رب کو اپنے ارادے ٹوٹنے سے پہچانا) خود حضرت امیرؑ کا قول ہے۔ تعجب کا مقام ہے۔ کہ روافض خدا کے متعلق تو یہ اعتقاد رکھیں۔ کہ وہ ارادہ کو بدل دیا کرتا ہے۔ مگر ایک بندۂ خدا اگر اپنے ارادہ کو بدل دے تو اسے مورد طعن ٹھہرائیں۔ حضرت ام کلثوم اس نکاح سے دنیا کے دوزخ میں نہیں گریں۔ حضرت عمر فاروق کے ہاں ان کے بطن مبارک سے اولاد ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کوئی مجبور نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے برغبت و رضامندی یہ نکاح کر دیا تھا۔ اس میں کسی طرح آل محمدؐ کی مذلت نہیں ہوئی۔ آل محمدؐ کو اگر ذلیل کیا ہے تو شیعہ نے۔ واقعہ کربلا کی ساری ذمہ داری شیعہ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ کتب شیعہ سے ظاہر ہے۔ اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ مگر اتنا بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اس نکاح سے جو کتب فریقین سے ثابت ہے۔ تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی عداوت و کراہت نہ تھی۔ بلکہ ایسی دلی محبت تھی۔ کہ اپنی بیٹی دینے میں بھی جناب امیرؑ نے دریغ نہ فرمایا دوم یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت عمر فاروق کے ایمان میں ذرہ برابر بھی نقصان نہ تھا۔

اگر معاذ اللہ کچھ نقصان ہوتا تو اسد اللہ الغالب ہرگز اپنی پیاری صاحبزادی جو حضرت فاطمہ زہراء کے بطن مبارک سے تھیں' نہ دیتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امیرؑ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تقویٰ و دینداری و پرہیزگاری پر پورا اعتماد تھا۔ سوم اس نکاح سے یہ بھی یقیناً معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت عمر فاروق نے کبھی کسی طرح کا رنج حضرت زہراء کو نہیں دیا۔ جیسا کہ کتب شیعہ میں مرقوم ہے۔ ورنہ حضرت مولیٰ مرتضیٰ قیامت تک رضامند نہ ہوتے۔ اور اپنی صاحبزادی کا نکاح نہ کر دیتے۔ پس جو کوئی حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے داماد کی بے ادبی کرے گا وہ آخر ندامت اٹھائے گا۔

قال السید امداد امام

تبرّا

لغوی معنی تبرا کے بری ہونا ہے یعنی کسی فریق سے کنارہ کش ہونا۔ عرف میں تبرا سب و شتم و لعن کا مترادف ہو گیا ہے۔ حالانکہ تبرا کو ان امور سے درحقیقت کوئی واسطہ نہیں ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان نے اپنے عہد گرامی میں جناب علیؑ بن ابی طالب پر سب و شتم و لعن کی کاروائی کو جزو مذہب قرار دے دیا تھا۔ اور اس کاروائی کا نام تبرا ہو گیا تھا۔ اس لئے سب و شتم و لعن کی کاروائی عرفاً تبرا کہی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ لغوی معنے سے تبرا کے فرقہ امامیہ کے چارہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر تبرا کا مضمون شیعوں میں سے دور ہو جائے۔ تو ان کا مذہب ہی غائب ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے ان کو حضرات اہل سنت کے ساتھ ہم خیال ہونا ایک امر مجبوری ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تبرا کا الزام فرقہ امامیہ ہی کو نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اگر اس فرقہ کو حضرات اہل سنت کے مقتداؤں کے ساتھ تولا نہیں ہے۔ تو اس فرقہ پر عند العقل تولا کی فرمائش نہیں کی جا سکتی۔ تبرا اور تولا ایسے امور ہیں۔ کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے۔ لاریب کچھ سمجھ کر شیعوں نے اہلسنت کے مقتداؤں سے تبرا کا پہلو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح کچھ سمجھ کر اہل سنت اپنے مقتداؤں کے ساتھ تولا کے متمسک ہوئے ہیں۔ یہاں تک تو شیعوں پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ لیکن حرف گیری ان پر اس وقت ہوتی ہے۔ جب یہ فرقہ حضرت معاویہ کے طریقہ پر کاربند ہوا ہے۔ یعنی جس طرح کہ آپ سردار و مقتدایان اہل امامیہ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اسی طرح امامیہ مقتدایان اہل سنت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اس حرف گیری کا راقم تمام تر شریک ہے۔ اس لئے کہ راقم کو ہر سنت امیر معاویہ سے تمام تر احتراز ہے۔ یہ طریقہ سب و شتم و لعن کا امیر معاویہ صاحب کے لئے زیبا تھا۔ اس واسطے کہ وہ صاحب تمام غیر مطبوع کارروائیوں کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ہم اور جمیع پیروان جناب مرتضیٰ علی کو ایسے مقدوح امر کے اختیار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ سب و شتم و لعن کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ جو ہم اختیار کریں۔ اس طریقہ کے اختیار کرنے سے مذہب امامیہ میں بڑا فتور پڑا ہے۔ لازم ہے۔ کہ ہوا خواہان مذہب جناب علیؑ مرتضیٰ اس مسئلہ پر غور کریں۔ ہمارے پیشوائے مذہب غفران مآب تاج العلماء جناب سید علی محمد صاحب قبلہ اس طریقہ سب و شتم کو مقدوح جانتے تھے۔ اور مروج طریقہ لعن و طعن کو بھی نامحمود سمجھتے تھے۔ میری دانست میں جو مروج طریقہ تبرا کا ہے۔ وہ مذہب امامیہ کو داغی بنائے ہوئے ہے۔ بہی خواہان مذہب

امامیہ کی اصلاح میں جس قدر کوشاں ہوں بہتر ہے جاننا چاہئے۔ کہ حضرت معاویہ نے حضرت علیؑ پر سب و شتم و لعن کی کاروائی کسی خاص غرض سے قائم کی تھی۔ وہ غرض فرقہ امامیہ کو نہ لاحق تھی اور نہ ہے۔ پس ایسی کارروائی کی پابندی سے اس فرقہ کو کنارہ کش ہی رہنا چاہیے۔ امیر معاویہ کو جناب علیؑ مرتضٰی پر سب و شتم و لعن جاری کرنے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ امیر صاحب جو حضرت امام حسن علیہ السلام سے خلع خلافت کرا کے خلیفہ بن بیٹھے تھے۔ اس بات کو جانتے تھے کہ آپ کو کسی طرح پر مقابلہ حسنین علیہما السلام کے حق خلافت نہیں ہے۔ پس اگر آپ کی ہدایت کے مطابق سلسلہ سب وشتم و لعن کا علیؑ مرتضٰی پر جاری رہے گا۔ تو ان کے دونوں صاحبزادوں کو بھی مسلمان وقت بری آنکھ سے دیکھا کریں گے۔ جس کے باعث آپ کی خلافت کو استحکام حاصل رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس سب و شتم و لعن کی بدولت امیر معاویہ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلفائے بنی امیہ کے عہد کے مسلمان آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کچھ بھول گئے۔ حقوق آل محمد کا خیال سب کے دلوں سے جاتا رہا۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۳۷۹۔ ۳۸۰

اقول

تبرا مقابل ہے تولا کا جس کے معنی دوستی کے ہیں۔ پس تبرا کے معنے دشمنی و بیزاری کے ہوئے مصنف کا تبرا کی تائید کرنا بالکل غلط ہے۔ صحابہ کرام مہاجرین و انصار کے مناقب و فضائل قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ ان سے تبرا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو سلسلہ سب و شتم کا بادی بتایا گیا ہے۔ وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ حسب بیان کتب شیعہ سلسلہ لعن کی ابتدا حضرت علیؑ مرتضٰی سے ہوئی۔ اس وقت سے آج تک شیعہ سب و شتم کو مذہب امامیہ کا جزء لاینفک سمجھتے اور ضروریات مذہب میں شمار کرتے چلے آئے ہیں۔ بغرض توضیح ہم ذیل میں کتب شیعہ ہی کی عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ اثنا عشریہ کے نزدیک سوائے تین چار کے تمام صحابہ کرام العیاذ باللہ مرتد و منافق تھے۔ (دیکھو تحفہ شیعہ۔ حصہ اول۔ صفحہ ۷۵ تا ۸۷)

۲۔ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے مزار مبارک پر جو دعا شیعہ پڑھتے ہیں۔ اس میں یہ ہیں۔
لعن اللہ من ظلمک و تقدم علیک وصد عنک لعنا کثیرا یلعنھم بہ کل ملک مقرب و کل نبی مرسلا و کل عبد مومن (فروع کافی۔ مطبوعہ نو لکشور۔ جزء اول۔ صفحہ ۵۹۳)

ترجمہ: "جنہوں نے تجھ پر ظلم کیا اور تجھ سے متقدم ہو گئے۔ اور تجھ سے باز رہے۔ خدا ان

پر بہت سی لعنت کرے جس کے ساتھ ہر ایک فرشتہ مقرب اور ہر ایک نبی مرسل اور ہر ایک بندہ مومن ان پر لعنت بھیجے۔

۳۔ حضرت امیرؑ کی زیارت پر شیعہ کو حکم ہے۔ کہ غسل و وضو کر کے حاضر ہوں اور یہ دعا پڑھیں۔

لعن اللّٰہ من خالفک ولعن اللّٰہ من افتری علیک وظلمک وغصب حقک ومن بلغہ ذٰلک فرضی بہ انا الی اللّٰہ منھم بریٔ ولعن اللّٰہ امۃ خالفتک وامۃ جحدت ولایتک وامۃ تظاھرت علیک وامۃ قتلتک وامۃ قاتلتک وامۃ خذلتک وخذلت عنک الحمد اللّٰہ الذی جعل النار مثواھم (تہذیب الاحکام۔ مطبوعہ ایران۔ مجلد ثانی۔ کتاب المزار۔ صفحہ ۹)

ترجمہ: "لعنت کرے خدا اس پر جس نے تیری مخالفت کی۔ اور لعنت کرے خدا اس پر جس نے تجھ پر افترا کیا۔ اور تجھ پر ظلم کیا اور تیرا حق غصب کیا اور اس پر بھی جس کو یہ خبر پہنچی اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ ہم ان سے اللہ کی طرف بیزار ہیں۔ اور لعنت کرے خدا اس گروہ پر جنہوں نے تیری مخالفت کی۔ اور اس گروہ پر جنہوں نے تیری ولائیت کا انکار کیا۔ اور اس گروہ پر جنہوں نے تیرے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی۔ اور اس گروہ پر جنہوں نے تجھے قتل کیا۔ اور اس گروہ پر جنہوں نے تجھ سے لڑائی کی۔ اور اس گروہ پر جنہوں نے تیری یاری و نصرت چھوڑ دی۔ سب ستائش خدا کو ہے جس نے دوزخ ان کا ٹھکانا بنا دیا۔ (انتہیٰ)

۴۔ دعائے زیارت عاشور میں ہے۔

یا ابا عبداللّٰہ لقد عظمت الرزیۃ وجلت المصیبۃ بک علینا وعلی جمیع اھل الاسلام وجلت وعظمت مصیبتک فی السمٰوات علی جمیع اھلی السمٰوت فلعن اللّٰہ امۃ اسست اساس الظلم والجور علیکم اھل البیت ولعن اللّٰہ امۃ دفعتکم عن مقامکم وازا لتکم عن مراتبکم التی رتبکم اللّٰہ فیھا ولعن اللّٰہ امۃ قتلتکم ولعن اللّٰہ الممھدین لھم بالتمکین من قتالکم برئت الی اللّٰہ والیکم منھم ومن اشیاعھم واتباعھم واولیائھم یا ابا عبداللّٰہ انی سلم لمن سالمکم وحرب لمن حاربکم الی یوم القیامۃ ولعن اللّٰہ اٰل زیاد واٰل مروان ولعن اللّٰہ بنی امیۃ قاطبۃ ولعن اللّٰہ ابن مرجانۃ--------- ولعن اللّٰہ عمر بن سعد ولعن اللّٰہ شمر اولعن اللّٰہ امۃ

اسرجت والجمت وتنقبت وتہیات لقتالک

(شفاء الصدور فی زیارت العاشور۔ صفحہ۹)

ترجمہ: "اے ابو عبداللہ (حسینؑ) آپ کے سبب ہم پر اور تمام اہل اسلام پر سوگواری و مصیبت بڑی ہے۔ اور تمام آسمانوں والوں پر آسمانوں میں آپ کی سوگواری بڑی ہے۔ خدا لعنت کرے۔ اس گروہ پر جنہوں نے اے اہل بیت تم پر جور و ظلم کی بنیاد رکھی۔ اور خدا لعنت کرے اس گروہ پر جنہوں نے تم کو اپنے مقام سے ہٹا دیا۔ اور ان مراتب سے دور کر دیا جن میں اللہ تعالیٰ نے تم کو رکھا تھا۔ خدا لعنت کرے اس گروہ پر جنہوں نے تم کو قتل کیا۔ اور لعنت کرے اس گروہ پر جنہوں نے تمہارے قاتلین کے لئے سامان مہیا کر دیا۔ جس سے وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے پر قادر ہو گئے۔ میں ان سے اور ان کی پیروی کرنے والوں اور ان کے ہمراہیوں اور ان کے دوستوں سے خدا کے آگے اور تمہارے آگے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ اے ابو عبداللہ روز قیامت تک میری صلح ہے اس سے جو آپ کے ساتھ صلح سے ہے۔ اور میری لڑائی ہے۔ اس سے جو آپ سے لڑتا ہے خدا لعنت کرے آل زیاد پر اور آل مروان پر۔ اور لعنت کرے تمام بنی امیہ پر اور لعنت کرے ابن مرجانہ اور لعنت کرے عمر بن سعد پر' اور لعنت کرے شمر پر اور لعنت کرے اس گروہ پر جنہوں نے گھوڑوں پر زین ڈالے اور لگامیں دیں اور چل پڑے اور آپ کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ (انتہیٰ)

۵۔ محمد بن علی بن محبوب عن محمد بن الحسین عن محمد بن سنان عن عمار بن مروان عن المنخل بن جمیل عن جابر عن ابی جعفرؑ قال اذا انحرفت عن صلٰوة مکتوبة فلا تخوف الا بانصراف لعن بنی امیة

(تہذیب الاحکام۔ مجلد اول۔ باب کیفیتہ الصلوٰۃ وصفتہا۔ صفحہ ۲۲۷)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ کہ جب تو نماز فریضہ سے فارغ ہو۔ تو فارغ نہ ہو۔ مگر لعن بنی امیہ کے ساتھ۔ (انتہیٰ)

شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور۔ صفحہ ۱۷ امیں ہے۔

اخبار در لعن عموم بن امیہ از طریق اہل بیت زیاد است و مستحب است کہ بعد از ہر نماز فریضہ بنی امیہ رالعن کنند چنانچہ شیخ طائفہ در تہذیب روایت کردہ بسند خود از ابو جعفر باقر علوم النبین علیہم السلام کہ بجابر جعفی فرمود۔

اذا انحرفت عن صلوٰة مکتوبة فلا تنحرف الا بانصراف لعن بنی امیة۔

ترجمہ: "یعنی چون از نماز فریضہ باز گردی، باز مگرد، مگر بلعن بنی امیہ اللهم العن بنی امیه قاطبه انتہی

اس سے ظاہر ہے کہ اثنا عشریہ کے ہاں ہر نماز فریضہ کے بعد تمام بنی امیہ پر لعنت کرنا مستحب ہے۔

٦۔ عن الحسین بن ثویر وابی سلمة السراج قالا سمعنا ابا عبدالله علیه السلام وهو یلعن فی دبر کل مکتوبة اربعة من الرجال واربعا من النساء فلان وفلان وفلان ومعاویة ویسمیهم وفلانة وفلانة وهندو ام الحکم اخت معاویة۔ (فروع کافی۔ جزء اول۔ کتاب الصلوٰة باب والدعاء۔ صفحہ ٢٠٣)

ترجمہ: "یعنی امام جعفر صادق ہر نماز کے بعد چار مردوں یعنی خلفائے ثلاثہ اور معاویہ پر اور چار عورتوں یعنی عائشہ و حفصہ و ہند و ام الحکم ہمشیرہ معاویہ پر نام بنام لعنت کیا کرتے تھے۔ (انتہی)

٧۔ عن الحسین بن ثویر وابی سلمة السراج قالا سمعنا ابا عبدالله وهو یلعن فی دبر کل مکتوبة اربعة من الرجال واربعامن النساء التمی والعدوی وفعلان ومعاویة ویسمیهم وفلانة وفلانة وهند وام الحکم اخت معاویة۔

(تہذیب الاحکام۔ مجلد اول۔ باب کیفیتہ الصلوٰة وصفتها۔ صفحہ۔ ٢٢٧)

ترجمہ: یہ وہی روایت نمبر٦ ہے۔

شیعہ کا فخر المحققین میرزا ابو الفضل طہرانی لکھتا ہے۔

وازانچہ نوشتیم کفر و ظلم و جو از لعن این چہار کالشمس فی رابعۃ النہار روشن وہویدا شد و ازین جہت امام صادق علیہ السلام ملتزم بود کہ عقب ہر نماز واجب این چہار تن و چہار زن را لعنت کند و از برائے شیعیان ایشان سنت شد بحکم تاسی چنانچہ کلینی و شیخ الطائفہ سند بحسین بن ثویر وابو سلمہ سراج۔ رساندند کہ شنیدیم حضرت صادق را کہ لعنت مے کرد در عقب ہر نماز واجب چہار نفراز مردان را و چہار نفراز زنان را ونام مے برد ایشان راو آیات مؤلہ و اخبار مصرحہ بلعن ایشان، بسیار است و این از ضروریات۔ مذہب شیعہ و از مطاعن معروفہ ایشان نزد دشمنانست و ہیچ یک از منتسبین باین مذہب انکار این نکردہ جزیک نفر جاہل ضال مضل کہ درایام مادر کشمیر انگیختہ شدہ و رسالہ در منع سب شیخین پرداختہ و باسینان ہمداستان شدہ (شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور۔

صفحہ ۴۰۷)

ترجمہ: "ہم نے جو لکھا ہے اس سے ان چاروں کا کفر و ظلم اور ان پر لعنت کا جواز کالشمس فی رابعۃ النہار روشن و ظاہر ہے۔ اسی واسطے امام صادق علیہ السلام نے التزام کیا تھا۔ کہ ہر نماز واجب کے بعد ان چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کیا کرتے۔ اور بحکم اقتدا یہ ان کے شیعوں کے لئے سنت ہو گئی۔ چنانچہ کلینی اور شیخ الطائفہ نے حسین بن ثویر اور ابو سلمہ سراج تک سند پہنچائی ہے۔ کہ ہم نے حضرت صادق کو سنا کہ ہر نماز واجب کے بعد مردوں میں سے چار پر اور عورتوں میں سے چار پر نام لے کر لعنت کیا کرتے تھے۔ اور آیات قرآن و احادیث ان کی لعنت کے بارے میں بہت ہیں۔ یہ لعنت کرنا مذہب شیعہ کی ضروریات اور دشمنوں کے نزدیک ان کے مطاعن معروفہ سے ہے۔ اور جو لوگ مذہب شیعہ کی ضروریات اور دشمنوں کے نزدیک ان کے مطاعن معروفہ سے ہے۔ اور جو لوگ مذہب شیعہ کی طرف منسوب ہیں ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ سوائے ایک جاہل گمراہ گمراہ کنندہ کے جو ہمارے زمانہ میں کشمیر میں اٹھا ہے۔ اور اس نے سب شیخین سے منع کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اور سینوں سے متفق ہو گیا ہے۔ (انتہیٰ)

اس سے ظاہر ہے کہ لعن و تبرا بالاتفاق ضروریات مذہب شیعہ سے ہے۔ جو اس سے منع کرے۔ وہ خود گمراہ ہے۔ اور لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

۸۔ خلیفہ عمر بن العزیز رضی اللہ عنہ نے اہل بیت پر جو احسانات کئے وہ محتاج بیان نہیں۔ مگر شیعہ ان کو بھی لعن و تبرا سے مستثنیٰ نہیں کرتے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں۔

لعن او ازا وضح واضحات داد جب واجبات است چہ معصیتے بالاتراز غصب خلافت و امامت کہ اوکرد دور حال زندگی و مردگی متحمل این وزر عظیم را نمود نیست (شفاء الصدور۔ صفحہ ۱۶۹)

یہ عبارت مع ترجمہ اردو پہلے آچکی ہے۔

۹۔ نصر بن مزاحم شیعی امامی نے کتاب صفین (مطبوعہ ایران ۱۳۰۰ھ۔ صفحہ ۳۰۴) میں لکھا ... کہ حضرت علی نماز فجر و مغرب کے بعد حضرت معاویہ وغیرہ پر لعنت کیا کرتے تھے ... حضرت معاویہ کو پہنچی۔ تو وہ قنوت میں حضرت علی وغیرہ پر لعنت کرنے لگے۔ یہ روایت پہلے آچکی ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ لعن کے سلسلہ کا آغاز حضرت علیؓ سے ہوا۔ اور یہ شیعہ کے لئے سنت ہو گئی۔

ایس ذاکر حسین جعفر لکھتا ہے۔ بروایت مستقصٰی اس واقعہ (محاکمہ صفین) کی خبر سن کر جناب امیرؑ نے حکم دیا کہ منبروں پر خطیب معاویہ' عمرو عاص اور ابو الاعور سلمی اور حبیب ! بن مسلمہ فہری اور ضحاک بن قیس اور ولید بن عقبہ اور ابو موسیٰ اشعری پر لعنت کیا کریں۔ معاویہ نے یہ سن کر حکم دیا۔ کہ علی اور حسن اور حسین اور ابن عباس اور مالک اشتر پر لعنت ہوا کرے۔ (حبیب السیر و کامل ابن اثیر)۔

صاحب روضۃ الصفا نے اپنی تاریخ میں جناب امیرؑ کا لعنت کا حکم دینا نہیں لکھا۔ ابن کثیر لعنت کرنے کا فعل علیؑ کی طرف معیوب سمجھ کر کہتا ہے۔ کہ علیؑ سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ (انتہی)

(تاریخ اسلام۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۲۱۰) صاحب روضۃ الصفا نے روایت مستقصٰی میں سے حضرت علی کا امر باللعن عمداً حذف کر دیا ہے۔ اور یوں لکھ دیا ہے۔ و در مستقصٰی مذکور است کہ چون خلق از محاکمہ مراجعت نمودہ بخدمت امیر المومنین پیوستند بر روس منابر زبان بلعن معاویہ و عمرو عاص و ابو الاعور و حبیب بن مسلم فہری و ضحاک بن قیس و ولید بن عقبہ و ابو موسیٰ اشعری بکشادند۔ چون این خبر بمعاویہ رسید۔ امر کرد تا امیر المومنین و حسن و حسین کرم اللہ وجہہ' و ابن عباس و مالک اشتر را بر منبر بالعن کنند۔ (روضۃ الصفا۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۵۳)

مصنف نے ابن کثیر کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ تاکہ دیکھ لیا جاتا۔ خلاصہ یہ کہ روایت مستقصٰی ہیں۔ صراحت ہے۔ کہ لعن کا سلسلہ حضرت علیؑ سے شروع ہوا۔ اگر حضرت علیؑ سے لعنت کرنے کا فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ تو حضرت معاویہ سے بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ **نصر عمر بن سعد عن عبدالرحمٰن بن حصیرۃ عن عبداللّٰہ بن شریک قال خرج حجر بن عدی وعمر و بن الحمق یظهران البراءة واللعن من اهل الشام فارسل الیهما علی ان کفا عما یبلغنی عنکما فاتیاه یا امیر المومنین السنا محقین قال بلی قالا فلم منعتنا من شتمهم قال کرمت لکم ان تکونوا العافین شتامین تشتمون و تتبرؤن ولکن لووصفتم مساوی اعمالهم فقلتم من سیرتهم کذا وکذا ومن عملهم کذا وکذا کان اصوب فی القول وابلغ فی الحذر وقلتم مکان لعنکم ایاهم وبرائتکم منهم اللهم احقن دمائنا ودمائهم واصلح ذات بیننا وبینهم واهدهم من ضلالتهم حتی یعرف الحق منهم من جهله ویرعوی عن الغی والعدوان**

من لهج به كان هٰذا احب الى وخيرالكم فقالا يا امير المومنين نقبل عظتك ونتادب بادبك

(کتاب صفین۔ مطبوعہ ایران ۱۳۰۰ھ صفحہ ۵۵۔ وقعہ صفین۔ مطبوعہ بیروت ۱۳۴۰ھ۔ صفحہ ۱۰۳)

ترجمہ: "(بحذف اسناد) عبداللہ بن شریک سے روایت ہے۔ کہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق اہل شام سے برائت ولعن ظاہر کرتے ہوئے نکلے۔ حضرت علیؓ نے ان کو کہلا بھیجا۔ کہ تم اس سے باز آجاؤ۔ پس وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ اے امیر المومنین کیا ہم حق پر نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں تم حق پر ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ پھر آپ نے ہم کو اہل شام پر سب و شتم سے کیوں منع فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تم لعنت کرنے والے بنو کہ سب و شتم و برائت کرتے رہو لیکن اگر تم ان کے برے اعمال بیان کرتے اور یوں کہتے کہ ان کی سیرت ایسی ایسی ہے۔ اور ان کا عمل ایسا ایسا ہے۔ تو یہ قول اصوب اور یہ تنبیہہ ابلغ ہوتی۔ اور اگر تم ان پر لعنت و برائت کی بجائے یوں کہتے کہ خدایا ہم کو اور ان کو قتل سے بچا۔ اور ہمارے اور ان کے معاملہ کی اصلاح کر دے۔ اور ان کو گمراہی سے ہدایت دے۔ یہاں تک کہ ان میں سے جو حق سے جاہل ہے۔ وہ حق کو پہچان لے۔ اور جو گمراہی اور تعدی پر شیفتہ ہے وہ اس سے باز آجائے۔ تو یہ میرے نزدیک محبوب تر اور تمہارے واسطے بہتر ہوتا۔ یہ سن کر ان دونوں نے عرض کی۔ کہ اے امیرالمومنین ہم آپ کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔ اور آپ کے ادب کو اختیار کرتے ہیں۔ (انتہی)

اس سے ظاہر ہے کہ لعن علیؓ یا لعن معاویہ رضی اللہ عنہ میں برتقدیر صحت روائت سب و شتم نہ تھا۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی۔ کہ خدایا میرا مخالف جو ناحق پر ہے۔ اسے خراب کرو واللہ اعلم۔

مگر امامیہ نے بجائے اس کے سب و شتم اور گالی گلوچ شروع کر دیا۔ اور وہ بھی ان کامل الایمان بزرگوں پر جن کے فضائل پر قرآن مجید شاہد ہے۔

۱۲۔ نہج البلاغہ (مطبوعہ بیروت۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۳۱) میں ہے۔

ومن كلام له عليه السلام وقد سمع قومًا من اصحابه يسبون اهل الشام ايام حربهم بصفين انى اكره لكم ان تكونوا سبابين ولكنكم لو وصفتم اعمالهم وذكرتم حالهم كان اصوب فى القول وابلغ فى العذر وقلتم مكان سبكم اياهم اللهم احقن دماءنا ودمائهم واصلح ذات بيننا وبينهم

واھدھم من ضلالتھم حتی یعرف الحق من جھلہ۔ ویرعوی عن الغی والعدوان من لھج بہ۔

ترجمہ: "حضرت امیرؑ نے ایام جنگ صفین میں اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو اہل شام پر سب و شتم کرتے سنا۔ تو فرمایا کہ مجھے پسند نہیں۔ کہ تم سب و شتم کرنے والے بنو۔ لیکن اگر تم ان کے اعمال بیان کرتے اور ان کا حال بتاتے۔ تو یہ قول اصوب اور عذر ابلغ ہوتا۔ اور تم بجائے ان پر سب و شتم کے یوں کہتے۔ یااللہ ہم کو اور ان کو قتل سے بچا۔ اور ہمارے اور انکے معاملہ ------ کی اصلاح کر دے۔ اور ان کو گمراہی سے ہدایت دے یہاں تک کہ جو حق سے جاہل ہے وہ حق کو پہچان لے۔ اور جو گمراہی اور تعدی پر شیفتہ ہے وہ اسے سے باز آجائے۔ (انتہی)

حضرت امیرؑ اہل شام کی نسبت دوسری جگہ (نہج البلاغہ۔ جزء اول۔ صفحہ ۱۳۸) فرماتے ہیں۔

ولکنا انما اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی مادخل فیھم من الزیغ والاعوجاج الخ۔

ترجمہ: "یعنی لیکن ہم اپنے اسلامی بھائیوں سے قتل کرنے لگے۔ بایں وجہ کہ ان میں کجی اور ناراستگی آگئی ہے۔ الخ

اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان بھائی پر سب و شتم نہ کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ حضرت امیرؑ کے ساتھ محاربہ کفر نہیں۔ کاش اثنا عشریہ اس پر غور کریں۔ نہایت افسوس کا مقام ہے۔ کہ شیعہ شنیعہ مہاجرین و انصار بالخصوص حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر سب و شتم و لعن کو بہت بڑی عبادت سمجھتے ہیں۔

ہم ذیل میں ان کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ جس میں اس عبارت کا ثواب مذکور ہے۔

شیعہ کا فخر المحققین میرزا ابو الفضل اسے یوں ذکر کرتا ہے۔

بالجملہ خاتمہ این بحث را بنقل یک حدیث در ثواب لعن جبت و طاغوت کہ در عرف اہل بیت عبارت از تیم وعدی است و گاہ بمطلق غاصبین حقوق عترت زاکیہ تاویل شدہ اختصار مے کنم۔ فاضل زاہد و ورع آخوند ملا محمد کاظم ہزار جریبی کہ از تلامذہ استاد واعظم آقائے بہبہانی قدس سرہ بودہ۔ و خود از فضلائے محدثین و عرفائے مخلصین است در کتاب اجمع الفضائح از ابو حمزہ ثمالی رضی اللہ عنہ حدیث مے کنند کہ وے از امام ہمام زین العابدین و سید الساجدین علیہ السلام روایت کردہ۔

قال من لعن الجبت و الطاغوت لعنة واحدة كتب الله له سبعين الف الف حسنة ومحى عنه سبعين الف الف سيئة ورفع له سبعين الف الف درجة ومن امسى يلعنهما لعنة واحدة كتب له مثل ذلک قال فمضى مولانا على بن الحسين فدخلت على مولانا ابى جعفر محمد الباقر فقلت يا مولاى حديث سمعته من ابيک فقال هات ياثمالى فاعدت عليه الحديث فقال نعم ياثمالى اتحب ان ازيدک فقلت بلى يا مولاى فقال من لعنهما لعنة واحدة فى كل غداة لم يكتب عليه ذنب فى ذٰلک اليوم حتى يمسى ومن امسى ولعنهما لم يكتب له ذنب فى ليلة حتى يصبح قال فمضى ابو جعفر فدخلت على مولانا الصادق فقلت حديث سمعته من ابيک وجدک فقال هات يا اباحمزة فاعدت عليه الحديث فقال حقا يا اباحمزة ثم قال عليه السلام ويرفع له الف الف درجة ثم قال ان الله واسع كريم۔

حاصل مؤدی این حدیث شریف کہ در حقیقت سہ حدیث است بلکہ پنج حدیث و اول را از ہر سہ امام روایت کردہ و حدیث باعتبار مروی عنہ متعدد مے شود بلکہ حظہ شش حدیث مے شودچہ زیادہ حضرت باقر رانیز از حضرت صادق علیہما السلام روایت کند آنست کہ امام فرمود کہ ہر کہ جبت و طاغوت رادر روزے یک دفعہ لعنت کند خدائی تعالیٰ ہفتا دہزار ہزار حسنہ برائے اوبنو یسد و ہفتا دہزار ہزار گناہ از او محو کند و ہفتاد ہزار ہزار درجہ برائے او بلند کند و ہر کہ شب یک دفعہ آن دو رالعنت کند ہمیں ثواب در دیوانش نوشتہ شود۔ ابو حمزہ گوئید چون علی بن الحسین علیہما السلام درگذشت داخل شدم برمولائے خ جعفرامام محمد باقر علیہ السلام۔ گفتم اے مولائے من حدیث از پدر تو شنیدم۔ فرمود بگو۔ من اعادہ حدیہ کردم۔ فرمود چنین است اے ثمالی دوست داری کہ من زیادہ براین بگوئیم۔ عرض کردم بلے اے مولائے من۔ فرمود ہر کہ یک بار لعنت کنند آن دورا در ہر صبح آن روز رابر اوگناہے نوشتہ نشو تاشام کند و ہر کہ شب کندیک بار آن دو را لعنت نمائید آن شب رابر اوگناہے نوشتہ نشو و تاصبح کند۔ ابو حمزہ گوئیدچون باقر علوم النبین درگذشت بخدمت مولائے خود صادق آل محمد علیہم السلام شتافتم و گفتم مولائے من حدیث از پدر و جدت شنیدہ ام فرمود بیار اے ابو حمزہ۔ من حدیث را خواندم فرمود حق است اے ابو حمزہ آنگاہ فرمود و بلندے شود برائے اوہزار ہزار درجہ یعنی علاوہ برآنچہ ذکر شد این نیز ہست۔ آنگاہ برائے دفع

استبعاد از کثرت ثواب فرمود خدا جواد واسع العطاأست یعنی از عموم مکرمت وسعۂ دائرہ رحمت خدا دور نیست کہ بموجب یک عمل قلیل المقدار ثوابے چندان نمایاں وعنایتے چنین شایان در حق بندہ خالص العقیدہ موالی اہل بیت علیہم السلام مقرر فرمائید۔ تمام شد محصل حدیث شریف (شفاء الصدور۔ فی شرح زیارۃ العاشور۔ صفحہ ۳۷۰۔۳۷۱)

ترجمہ: ”حاصل کلام یہ کہ ہم اس بحث کے خاتمہ کو ایک حدیث کے نقل کرنے پر اقتصار کرتے ہیں۔ جو جبت و طاغوت پر لعنت کے ثواب میں ہے۔ جن سے عرف اہل بیت میں مراد تیم (ابوبکر صدیق) اور عدی (عمر فاروق) ہیں۔ اور کبھی مطلق غاعبین حقوق عترت سے ان کی تاویل ہوتی ہے۔ فاضل زاہد پرہیز گار آخوند ملا محمد کاظم ہزار جریبی جو کہ استاد اعظم آقائے بہبہانی قدس سرہ کے شاگردوں میں سے ہے۔ اور خود بھی فضلائے محدثین و عرفائے محصلین میں سے ہے کتاب جمع الفضائح لارباب القبائح میں ابو حمزہ ثمالی رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتا ہے۔ اور ابو حمزہ امام ہمام زین العابدین سید الساجدین علیہ السلام سے روایت کرتا ہے۔ قال من لعن الجبت والطاغوت (الخ)

یہ حدیث حقیقت میں تین بلکہ پانچ حدیثیں ہیں۔ پہلی حدیث کو ابو حمزہ نے تینوں اماموں سے روایت کیا ہے۔ اور حدیث باعتبار مروی عنہ کے متعدد ہوتی ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے یہ چھ حدیثیں ہیں۔ کیونکہ حضرت باقر کی زیادتی کو بھی حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے۔ امام زین العابدین نے فرمایا کہ جو شخص دن میں ایک بار جبت و طاغوت پر لعنت کرے۔ خدا تعالیٰ اس کے لئے سات کروڑ نیکیاں لکھتا ہے۔ اور اس کے سات کروڑ گناہ مٹا دیتا ہے۔ اور اس کے سات کروڑ درجے بلند کرتا ہے۔ اور جو شخص رات کو ایک بار ان دونوں پر لعنت کرے۔ اتنا ہی ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ ابو حمزہ کہتا ہے کہ جب امام زین العابدین گزر گئے۔ میں اپنے آقا ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ کہ ہاں میرے آقا۔ فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت ایک بار ان دونوں پر لعنت کرے اس دن شام تک اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور جو شخص رات کو ایک بار ان دونوں پر لعنت کرے۔ اس رات صبح تک اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ ابو حمزہ کا بیان ہے۔ کہ جب امام محمد باقر گذر گئے۔ میں اپنے آقا امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ اے میرے آقا میں نے آپ کے والد اور دادا سے ایک حدیث سنی ہے۔ فرمایا کہ بیان کرو۔ میں نے وہ حدیث بیان کی۔ فرمایا کہ اے ابو حمزہ درست ہے۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ علاوہ اس ثواب کے جو مذکور ہوا اس کے واسطے دس لاکھ درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس وقت بدیں خیال کہ مبادا اس قدر ثواب بعید سمجھا جائے امام صادق نے فرمایا کہ خدا جواد واسع العطاء ہے۔ یعنی رحمت خدا کے دائرے کی وسعت اور اس کے عموم مکرمت سے بعید نہیں کہ ایک قلیل المقدار عمل پر اپنے بندہ خالص عقیدہ محب اہل بیت علیہم السلام کے لئے اس قدر بڑا ثواب اور اس قدر عنائیت شایاں عطا فرمائے۔ (انتہیٰ)

یہ ہیں سبزباغ جو نادان امامیہ کو دکھائے جاتے ہیں۔ اور ان کو سب و شتم و لعن پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں کفار کے معبودان باطلہ پر بھی سب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (انعام۔ ع ۱۳) احادیث میں بھی سب و شتم کی مخالفت وارد ہے۔ چنانچہ اصول کافی۔ صفحہ ۵۴۷ میں ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ سباب المومن فسوق وقتالہ کفرو اکل لحمہ معصیۃ وحرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ۔

ترجمہ: "یعنی امام محمد باقر علیہ السلام سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کو گالی دینا بڑا گناہ ہے۔ اور اس کے ساتھ لڑائی کرنا کفر ہے۔ اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) گناہ ہے۔ اور اس کے مال کا غصب کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ اس کا قتل کرنا حرام ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال ان رجلا من بنی تمیم اتی النبی صلی اللّٰہ علیہ والہ فقال اوصنی فکان فیما اوصاہ ان قال لاتسبوا الناس فتکتسبوا العداوۃ منھم۔

ترجمہ: "یعنی امام محمد باقر علیہ السلام کا بیان ہے۔ کہ بنی تمیم میں سے ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ آپ مجھے وصیت کیجئے۔ پس آپ کی وصیت میں ایک بات یہ تھی۔ کہ تم لوگوں کو سب مت کرو۔ اس سے تم ان کو اپنا دشمن بنا لو گے۔

اسی طرح لعنت کے متعلق یہ روایت وارد ہے۔

عن علی بن ابی حمزۃ عن احدھما قال سمعتہ یقول ان اللعنۃ اذا اخرجت من فی صاحبھا ترددت فان وجدت مساغا والا رجعت علی صاحبھا۔

ترجمہ: "علی بن ابی حمزہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق میں سے ایک کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کہ لعنت جب لعنت کرنے والے کے منہ سے نکل جاتی ہے۔ تو متردد ہوتی ہے۔ اگر راہ پاتی ہے فبہا۔ ورنہ لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ (انتہیٰ)

صافی میں اس حدیث کی شرح میں ہے۔ مراد انیست کہ اگر آن مرد کہ لعنت براوشدہ مستحق آنست مے رود بسوئے اووالا برمے گردد آنکہ گفتہ ملعون مے شود۔

قال السید امداد امام

تَقِیَّہْ

تقیہ کے لغوی معنے ہیں اپنے کو کسی ضرر انگیز امر سے بچانا۔ اور اصطلاحی معنے ہیں وہ فعل جس کو امامیہ اپنی حفاظت جانی و مالی وغیرہ کی بنا پر حلال جانتے ہیں۔ اور ان کے مخالفین یعنی حضرات اہل سنت حرام۔ گو اپنی تمام کاروائیوں میں حضرات اہل سنت اشخاص امامیہ سے کم اس کے مرتکب نہیں ہوتے۔

ان کی روزانہ کی ایسی کاروائیاں اس امر کو ثابت کرتی ہیں۔ کہ تقیہ ایک فطری امر ہے اور اس سے کسی شخص یا قوم کو ہرگز کسی زمانہ میں گریز ممکن نہ تھا۔ نہ ہے۔ اور نہ ہو گا۔ اس کے فطری امر ہونے کے باعث صرف دنیا کے سلاطین اور مدبران زمانہ ہی اس کے پابند نہیں رہے۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کی پابندی سے خالی نہیں دیکھے جاتے ہیں۔ توریت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تشریف لے گئے۔ تو بادشاہ کی ضرر رسانی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ کو اپنی بی بی کو بہن کہنا پڑا۔ اور اسی طرح یوسف علیہ السلام نے گو اپنے بھائیوں کو مصر میں پہچانا۔ مگر اس امر کو اپنے بھائیوں سے پوشیدہ رکھ کر ان کارروائیوں کے پابند ہوئے جن سے ہر شخص قرآن خواں پوری واقفیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ یہودا کی بدطینتی سے واقف تھے۔ مگر اپنی رفاقت میں اسے اپنا خازن بنائے ہوئے تھے۔ حضرت رسالت مآبؐ کا مکہ سے ہجرت فرمانا اور غار میں جا چھپنا اور قبل ترک وطن کرنے کے علیؑ کو اپنے بستر پر سو رہنے کی ہدایت کر جانا اگر یہ سب کام تقیہ نہیں کہلائیں گے تو کیا کہلائیں گے۔ میں اس طرح کی سینکڑوں مثالیں حضرات انبیاء علیہم السلام کی پیش کر سکتا ہوں۔ جس سے تقیہ کا فطری اور مذہبی پابندی کے ساتھ اخلاقی سوشل اور تمدنی بنا پر قرین حق ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ خود قول خداوندی ہے۔ **لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة**۔ تقیہ کا ہادی ہے۔ اور کیوں ہادی نہ ہو۔ جب افتاد فطرت اس کی ہر زمان و ہر مکان میں اس کے متقاضی پائی جاتی ہے۔ اسی تقاضائے فطرت کی بنا پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے بروایت مقداد یہ فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی مومن اپنے ایمان کو کفر سے پوشیدہ کرے پس اس کا یہ فعل بہترین ایمان متصور ہے۔ اور یہ وہ فعل اخفا کا ہے۔ کہ جسے تم مکہ میں کیا کرتے تھے۔ یہ حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اور تقیہ کے امر حق ہونے کی کامل طور پر مثبت ہے۔ اہل سنت تقیہ کی جگہ لفظ توریہ استعمال فرماتے ہیں۔ اور توریہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تقیہ اور توریہ کوئی دو شئے نہیں ہیں۔ شئی واحد ہیں۔ مگر تقیہ چونکہ ایک امامیہ لفظ ہے۔ یعنی ایسا لفظ ہے۔ جو مطبوع اشخاص امامیہ ہے۔ اس لئے حضرات اہل سنت اس سے اکراہ رکھتے ہیں۔

عموماً اہل سنت تقیہ کو دروغ گوئی کا مترادف جانتے ہیں۔ حالانکہ تقیہ کو فعلاً اور قولاً دروغ گوئی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تقیہ اور دروغ گوئی کے اغراض ایک دوسرے سے تمام تر علیحدگی رکھتے ہیں۔ اگر دونوں کے اغراض واحد ہوتے۔ تو نعوذ باللہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام دروغ گو ٹھہرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بی بی کو بہن کہہ دینا استحفاظ آبرو کے خیال سے تھا۔ ایسا فرمانا آپ کا ایک فعل تقیہ کا تھا۔ دروغ گوئی کا نہ تھا۔

اب ذیل میں تقیہ کی حقیقت کتب اہل سنت سے دکھلاتا ہوں۔ تب ظاہر ہو جائے گا کہ اہل سنت کے مذہب میں تقیہ اتنا ہی امر جائز ہے۔ جتنا کہ اہل تشیع کے مذہب میں ہے۔

واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔ لا یتخذ المومنون الکٰفرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذٰلک فلیس من اللّٰہ فی شیئی الا ان تتقوا منھم تقٰۃ یعنی جائز نہیں ہے کہ مومنین کافرین سے دوستی کریں مگر بحالت تقیہ۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ یعقوب قاری نے تقٰۃ کو تقیہ پڑھا ہے۔ اور بحالت خوف کفار سے دوستی جائز ہے۔ (دیکھو بیضاوی۔ صفحہ۔ ۱۴۴)

سورہ مومن میں یہی آیت ہے۔ وقال رجل مومن من اٰل فرعون یکتم ایمانه۔ یعنی کہا ایک شخص مومن نے آل فرعون سے جو پوشیدہ رکھتے تھے اپنے ایمان کو۔ یہ شخص حزقیل تھے جو فرعون کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور اپنے ایمان کو فرعون اور اس کی قوم سے ایک سو برس تک چھپاتے رہے۔ (دیکھو تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابن عباس)

سیرۃ المحمدیہؐ کے صفحہ ۲۹۴ میں قصۂ ابو جندل کے متعلق مذکور ہے۔ کہ ان اللّٰہ تعالٰی قد اباح التقیۃ للمسلم اذ اخاف الھلاک ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے مباح کیا ہے۔ تقیہ کو مسلمان کے واسطے جب اسے خوف ہلاکت ہو۔ اس کے آگے کی عبارت کا یہ مفہوم ہے۔ کہ رسول اللہؐ نے یہ اجازت دی ہے کہ تقیہ میں اندر دل کے ایمان رکھے۔ اور زبان سے کفر بولے۔ جیسا کہ قصہ ابو جندل صحابی کا ہے۔ اسی طرح اس کتاب کے صفحہ ۴۴۸ میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ کہ اے ابوذر۔ جب تمہیں لوگ مدینہ سے نکال دیں گے۔ تو تم کیا کرو گے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مکہ کو چلا جاؤں گا۔ تب آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ اگر لوگ مکہ سے بھی تمہیں نکال دیں گے تو کیا کرو گے۔ اس پر ابو ذر نے عرض کی کہ تب تلوار سے لڑوں گا۔ یہ سنکر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ایسا نہ کرنا۔ بہتر یہ ہے کہ تم باتیں سن لینا۔ اور ان کی تابعداری کرنا۔ اگرچہ وہ ظالم حبشی غلام بھی ہوں۔

سیرۃ النبویہ سید احمد دحلان کی جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ میں درج ہے۔ کہ کفار قریش مکہ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ حضرت امیرؑ جانتے تھے کہ جناب رسول خدا غار ثور میں پناہ گزیں تھے۔ یہ تقیہ نہ تھا تو کیا تھا۔ اہل سنت اس کو کذب کہیں تو کہیں۔ بیچارے شیعہ تو کذب کی نسبت حضرت علیؑ کی طرف نہیں کر سکتے۔

اسی طرح کا معاملہ تاریخ خمیس کی جلد ۱ صفحہ ۳۳۵ میں مسطور پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کفار نے پوچھا حضرت رسول خدا ﷺ کی نسبت۔ کہ اے ابوبکر یہ شخص جو تمہارے ساتھ ہے۔ کون

ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ یہ شخص راستہ بتانے والا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی تقیہ کی کارروائی اختیار کی۔

سیرۃ الحلبیہ جلدا' صفحہ ۵۶۶ میں حلبی کہتے ہیں۔ کہ جس جگہ پر کفار کا غلبہ اور اسلام کا ضعف ہو بجائے کفار پر لعنت نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہ حکم اس وقت تک باقی ہے۔ سیرۃ المحمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفحہ ۱۹۱ اور بخاری کی جلد اول صفحہ ۳۵۱ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پندرہ برس رہے۔ اور اس میں سے صرف چار یا پانچ برس مخفی اور خوف زدہ طور پر دعوت اسلام فرمائی۔ حال یہ تھا کہ کفار قرآن نبیؐ اور خدا پر لعن کرتے تھے۔ اس لئے خدائے پاک نے یہ آیت بھیجی کہ آہستہ نماز پڑھو تاکہ مشرکین تمہیں نماز پڑھتے نہ سن سکیں مگر اصحاب سے اخفا کرنا ضرور نہیں ہے۔ لیکن اس قدر آواز بلند نہ پڑھو کہ تم سے کفار قرآن مجید کو چھین لیں۔ اسعاف الراعبین کے صفحہ ۱۵ میں مذکور ہے۔ کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا ارادہ فرماتے تو گوشہ خلوت میں ادائے نماز فرماتے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا۔ کہ کسی مشرک نے سعد بن ابی وقاص کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ اس پر وہ مشرک سعد کو سخت و سست کہنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سعد میں اور اس مشرک میں لڑائی ہو گئی۔ اور سعد نے اس مشرک کو مارا۔ ظاہر ہے کہ حسب ہدایت جناب رسول خدا اگر احتیاط کی جاتی تو ایسے فساد کی نوبت نہ پہنچتی۔

ترمذی کی جلد ۲ صفحہ ۱۶ میں درج ہے کہ بروز قیامت لوگ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بامید شفاعت آویں گے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے۔ جاؤ مجھ سے کیا ہو سکتا ہے۔ میں تین بار جھوٹ بول چکا ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ تقیہ کی پابندی سے ایسے اقوال کے کاربند ہوئے تھے۔ اس لئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے جھوٹ ابراہیم علیہ السلام کو بحکم شرع جائز تھے۔ بخاری کی جلد ۱۰ صفحہ ۳۵ میں بروایت ابن عباس یہ حدیث درج ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد سے فرمایا کہ مومن کا اپنے ایمان کو قوم کفار سے مخفی کرنا بہترین ایمان ہے۔ جیسا کہ تم مکہ میں اخفائے ایمان کیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب قوم کفار سے صدمہ پہنچنے کا خوف ہو تب اخفائے ایمان کرنا چاہیے لاریب یہ ایک مناسب موقع تقیہ کے اختیار کرنے کا ہے۔ صحیح مسلم جلدا صفحہ ۸۴ میں حذیفہ سے روایت ہے۔ کہ میں جناب رسالت مآب کے پاس تھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ پوشیدہ کرو اپنے اسلام کو میں نے عرض کی۔ یا حضرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں خوف رکھتے ہیں۔ میرا قبیلہ چھ سات سو آدمیوں پر مشتمل ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ شاید تم کبھی اپنے اعدائے دین سے تن تنہا ملاقی ہو جاؤ۔ جب ایسا وقت کسی کو لاحق ہو جائے۔ تو لازم ہے کہ نماز آہستہ آواز سے پڑھے۔ قسطلانی لکھتے ہیں۔ کہ اصحاب جناب

رسول خدا اکثر ایسے تھے کہ اسلام کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ اور نماز چپکے چپکے پڑھتے تھے۔ تاکہ فتنہ وفساد کی صورت نہ پیدا ہو۔

بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ سورۂ شعراء کی آیت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام تیس برس تک تقیہ کے پابند رہے۔

قسطلانی شرح بخاری جلد ۵۔ صفحہ ۲۷۹ میں کہتے ہیں کہ ظالم اور دشمن دین کے مقابلہ میں اپنی جان کو ضرر سے بچانے کے لئے حرف ناراست کو زبان پر لانا جائز ہے۔ بیضاوی کی جلد ا صفحہ ۹۹ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آیت لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ تقیہ کی اجازت دیتی ہے۔

تفسیر معالم التنزیل بھی تفسیر بیضاوی کے اس مادے میں ہم خیال ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ تقیہ ابتدائے اسلام میں ضعف اسلام کی وجہ سے ایک ضروری امر سمجھا جاتا تھا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ الاعند الحاجت۔

تفسیر جلالین و تفسیر ابن عباس و تفسیر نیشاپوری و تفسیر کبیر رازی ان سب تفاسیر میں تقیہ کا جواز عند الضرورت دیکھا جاتا ہے۔ المختصر تقیہ اہل تشیع ہی کی خاص چیز نہیں ہے۔ اہل سنت بھی مساوی درجہ میں اس کے شریک ہیں۔ یہ اہل سنت کی غایت درجہ کی حق کشی ہے۔ کہ تقیہ کو اہل تشیع کے بدنام کرنے کا ایک عوام فریب ذریعہ پیدا کرلیا ہے۔ مصباح الظلم۔ صفحہ ۳۷۱۔ ۳۷۲ و صفحہ ۳۷۷۔ ۳۷۹۔

اقول

مصنف تقیہ شیعہ کی حقیقت نہیں سمجھا۔ تقیہ شیعہ تو اخفاء حق واظہار باطل کا نام ہے۔ یعنی جو امر حسب مذہب شیعہ حق ہے۔ اسے چھپانا۔ اور جو باطل ہے اسے ظاہر کرنا تقیہ کہلاتا ہے۔ اہل سنت ایسے تقیہ کو جائز نہیں سمجھتے۔ انبیاء و ائمہ تو درکنار عامہ مسلمین کے لئے بھی ایسا تقیہ جائز نہیں۔ مصنف نے اس تقیہ کے ثبوت میں جو دلائل کتب اہل سنت سے پیش کئے ہیں۔ ہم بالترتیب ان کا جواب باصواب لکھتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی زوجہ کو بہن کہنا تو ریہ ہے نہ کہ تقیہ۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کو پہچان لینے کے بعد کسی سے ذکر نہ کرنا تقیہ نہیں۔

۳۔ حسب بیان اناجیل مروجہ یہود احضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھا۔ جب تک وہ مستقیم رہا۔ خازن بنا رہا۔ مگر جب طمع دنیوی کے لئے اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ گرفتار کرانا چاہا۔ تو آپ نے اس کے بعد جو عید فصح کی اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمادیا۔

چنانچہ انجیل متی باب ۲۶۔ آیہ ۱۹ تا ۲۴ میں ہے۔ "سو جیسا یسوع نے شاگردوں کو حکم کیا تھا وے بجا لائے۔ اور فسح تیار کیا۔ جب شام ہوئی۔ وہ ان بارہ کے ساتھ کھانے بیٹھا۔ جب وے کھا رہے تھے۔ اس نے کہا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوا دے گا۔ تب وے نہایت عالمگیر ہوئے۔ اور ہر ایک ان میں سے اس کو کہنے لگا۔ اے خداوند کیا میں ہوں۔ اس نے جواب میں کہا جو مرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ وہی مجھے پکڑوا دے گا۔" ظاہر ہے۔ کہ یہ قصہ تقیہ کی مثال نہیں بن سکتا۔

۴۔ جناب رسالت مآب علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کا ہجرت فرمانا اور غار میں چھپنا اور حضرت امیرؑ کو اپنے بستر پر سو رہنے کی ہدایت فرمانا ان میں سے کوئی بھی تقیہ نہیں۔ جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

۵۔ آیہ وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (بقرہ۔ ع ۲۴) سے جواز تقیہ ثابت نہیں ہوتا۔ تفسیر حسینی میں اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے۔

"ونفقہ کنید اے توانگران درراہ خدا کہ جہاد است و میفگنید خود را بدستہائے خود بورطہ ہلاکت یعنے بخل مکنید۔ کہ مودی بہ ہلاکت دل است کہ۔ البخیل بعید من اللّٰہ بعید من الجنۃ قریب الی النار۔" (انتہی)

امامیہ کی تفسیر خلاصۃ المنہج میں ہے۔

ونفقہ کنید اے توانگران در راہ خدا کہ جہاد است و میفگنید بدستہائے خود نفسہائے خود را بورطہ ہلاکت اخروی یعنی بخل مکنید کہ منجر بہ ہلاکت دنیویست چہ بجہت آن مسلمانان بے قوت مے شوند و دشمنان قوت گرفتہ غالب مے شوند و در سبب نزول این آیہ آوردہ آند۔ کہ چون حضرت رسالت ﷺ عزم قضائے عمرہ فرمود بعضے گفتند کہ ماتوشہ نداریم۔ کسانیکہ دسترس دارند بماچیز نمے دہند حق این آیہ فرستاد کہ بائید کہ توانگران بدرویشان نفقہ بدہند و خود را در ہلاکت ابدی نیند ازند۔ امام حسن فرمود کہ رسول خدا فرمود کہ ہر کہ درخانہ نشستہ یک درم در راہ خدا بدہد یعنی در حج و جہاد ثواب ہفت صد درہم برائے او بنویسند۔ واگر بحج و جہاد رود و مال را در راہ خدا خرچ کند ہر درمے بہ ہفت صد ہزار درہم بنویسند (انتہی)

پس اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ تم بخل اختیار نہ کرو جو باعث ہلاکت دل یا ہلاکت ابدی ہے۔ اگر تہلکہ سے عموم مراد لے کر اسے حالت اکراہ پر محمول کیا جائے۔ تو بھی انبیاء وائمہ کے لئے جن کا منصب تبلیغ احکام الٰہی ہے۔ تقیہ کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کوئی باقی نہ رہے گا۔ جو بلا خوف خدا کا صحیح حکم

سنائے اور حق کو باطل سے جدا کرے۔ اسی واسطے انبیاء سختیاں جھیلتے رہے اور شہید ہوتے رہے۔ مگر تقیہ کسی نے نہیں کیا۔ اور ائمہ کو تو خوف جان ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ان کو علم ماکان وما یکون ہوتا ہے۔ اور ان کی حیات و ممات خود ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ رہے عامہ مسلمین سو ان کا حال مختلف ہے۔ اگر اکراہ ایسے عذاب کے ساتھ ہو جس کی برداشت کی طاقت نہیں۔ مثلاً قتل یا تحریق بالنار۔ تو اس حالت میں توریہ کرنا چاہیے۔ اگر توریہ ممکن نہ ہو تو رخصت ہے۔ کہ خلاف عقیدہ ظاہر کر دے۔

تفسیر خازن (جزء ثالث۔ صفحہ ۱۳۶) میں ہے۔

اجمعوا علی ان من اکرہ علی الکفر لا یجوز لہ ان یتلفظ بکلمۃ تصریحا بل یاتی بالمعاریض وبمایوھم انہ کفر فلو اکرہ علی التصریح یباح لہ ذٰلک بشرط طمانینۃ القلب علی الایمان غیر معتقدما یقولہ من کلمۃ الکفر ولو صبر حتی قتل کان افضل لان یاسر اوسمیۃ قتلا ولا یتلفظا بکلمۃ الکفر ولان بلا لا صبر علی العذاب ولم یلم علی ذٰلک۔

ترجمہ: "علمائے اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے۔ اس کے لئے جائز نہیں۔ کہ صریح کلمہ کفر کہے۔ بلکہ معاریض اور کلمات موہمہ کفر سے کام لے۔ اگر کلمہ کفر کی تصریح پر مجبور کیا جائے۔ تو اس کے لئے یہ مباح ہے بشرطیکہ اس کا دل مطمئن بالایمان ہو۔ اور وہ اس کلمہ کفر کا معتقد نہ ہو اگر صبر کرے یہاں تک کہ شہید کر دیا جائے۔ تو یہ افضل ہے۔ کیونکہ حضرت یاسر اور سمیہ دونوں شہید ہو گئے۔ مگر کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عذاب پر صبر کیا اور ان کو اس پر ملامت نہ کی گئی۔ (انتہیٰ)

امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ رفع عن امتی اربع خصال خطائھا ونسیانھا وما اکرھوا علیہ وما لم یطیقوا وذٰلک قول اللّٰہ تعالٰی ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالاطاقۃ لنا بہ الایۃ

وقولہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (اصول کافی۔ باب مارفع عن الامۃ۔ صفحہ ۵۸۹)

ترجمہ: "یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار خصلتیں میری امت سے مرفوع ہیں۔ خطا

نسیان۔ جس امر پر وہ مجبور کئے جائیں۔ جس امر کی ان میں طاقت نہ ہو۔ چنانچہ قول باری تعالیٰ ہے۔ ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا الایۃ۔ اور ارشاد الٰہی ہے۔ الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ انتہےٰ اس سے ظاہر ہے کہ حالت اکراہ میں جو کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو امت کے لئے معاف ہے۔

۶۔ مصنف کا یہ قول ہے کہ تقیہ وتوریہ شئی واحد ہیں۔ غلط ہے۔ مصباح منیر للعلامتہ الفیومی میں ہے۔

وریت الحدیث توریة سترته واظهرت غیره وقال ابو عبیده لا اراه الا ماخوذاً امن وراء الانسان فاذا قال وریته فکانه جعله وراء حیث لا یظهر فالتوریة ان تطلق لفظًا ظاهرا فی معنی و تریدبه معنی اُخریتنا وله ذٰلک اللفظ لکنه خلاف ظاهره۔

ترجمہ: " وریت الحدیث توریة کے معنے ہیں۔ کہ میں نے اس بات کو چھپایا۔ اور اس کے غیر کو ظاہر کیا۔ ابو عبید کا قول ہے۔ کہ میری رائے میں توریہ وراء انسان سے موخوذ ہے۔ جب کوئی شخص کہتا ہے۔ وریته (میں نے اس کو چھپایا)۔ تو گویا اس نے اس شئی کو پس پشت کرلیا کہ ظاہر نہیں ہوتی۔ پس توریہ یہ ہے کہ تم ایک لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہے اور تمہاری مراد دوسرے معنی ہوں جس کو وہ لفظ متناول ہے۔ مگر وہ دوسرے معنی خلاف ظاہر ہوں (انتھی)

چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ کو بہن کہا۔ بہن کے دو معنے ہیں ایک ظاہر اور دوسرے خلاف ظاہر یعنی دینی بہن۔ پس حضرت خلیل اللہ کی مراد بہن کہنے سے دینی بہن تھی۔ یہ ہے توریہ۔ اس پر تقیہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

۷۔ مصنف نے جواز تقیہ میں سورۂ آل عمران کی جو آیت پیش کی ہے وہ یہ ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً۔

ترجمہ: " مومن مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اس کو اللہ سے کچھ سروکار نہیں۔ مگر یہ کہ تم ان سے اپنا بچا کرو۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال نهی اللّٰه المومنین ان یلاطفوا الکفار و یتخذوهم

ولیجۃ من دون المومنین الایکون الکفار علیھم ظاھرین فیظھرون لھم اللطف ویخالطونھم فی الدین وذٰلک قولہ تعالٰی اِلا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً

ترجمہ: " حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ کہ خدا نے مومنوں کو روک دیا ہے۔ کہ کفار سے اظہار ملاطفت کریں اور مومنوں کے سوا ان کو اپنا راز دار بنائیں۔ مگر یہ کہ ---- کفار ان پر غالب آجائیں تو یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اظہار ملاطفت کے ساتھ دینی معاملات میں ان کے مخالف بنے رہیں۔ اور یہی مطلب ہے خدا تعالٰی کے کلام اِلا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً کا۔

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ غلبہ کفار کے وقت ان سے اظہار ملاطفت کی اجازت ہے۔ نہ کہ اظہار بے دینی کی۔ اگر یعقوب قاری نے تُقٰۃً کو تقیۃً پڑھا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ تقاۃ اور تقیہ کے ایک ہی معنے ہیں۔ یعنی اظہار دین سے بچانا۔ نہ کہ اظہار بے دینی کرنا۔ پس تقیہ شیعہ پھر بھی ثابت نہیں ہوتا۔ سورہ مومن کی آیت کا جواب انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔

۸۔ قصہ ابو جندل سے بھی تقیہ ثابت نہیں ہوتا۔ جب حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ مکہ میں ایمان لائے۔ تو ان کے والد سہیل بن عمرو نے لوہے کی بیڑیاں ڈال کر ان کو کوٹھڑی میں قید کر دیا۔ اور طرح طرح کی ایذا دی۔ مگر حضرت ابو جندل ثابت قدم رہے۔ اور موقع پا کر بیڑیوں سمیت قید خانہ سے نکل گئے۔ اور راستہ چھوڑ کر پہاڑوں میں سے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں اس وقت پہنچے جب کہ صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ مگر بنا بر شرط صلح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے والد سہیل کے حوالہ کر دیا۔ اور حسب روایت کلینی (کتاب الروضہ۔ صفحہ ۱۵۲) یوں دعا فرمائی۔ اللھم اجعل لابی جندل فرجا۔ (خدایا تو ابو جندل کے لئے کوئی نکلنے کی راہ بنا دے۔)

اس قصہ کے متعلق علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ (مطبوعہ مصر۔ جزء اول۔ صفحہ ۱۰۵) میں یوں لکھتے ہیں۔

قال الخطابی فاول العلماء ما وقع فی قصۃ ابی جندل علی وجھین احدھما ان اللّٰہ تعالٰی قد اباح التقیۃ للمسلم اذا خاف الھلاک ورخص لہ۔ ان یتکلم بالکفر مع اضمار الایمان ان لم یکنہ التوریۃ فلم یکن ردہ الیھم اسلاما لابی جندل الی الھلاک مع وجود السبیل الی الخلاص من الموت بالتقیۃ والوجہ الثانی انما ردہ لابیہ والغالب ان اباہ لا یبلغ بہ الی الھلاک وان عذبہ اوسبحتہ فلہ مندرحۃ بالتقیۃ ایضًا۔

ترجمہ: " خطابی نے کہا کہ جو کچھ قصہ ابو جندل میں واقع ہوا۔ علماء نے دو وجہ پر اس کی تاویل کی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جب ہلاکت کا خوف ہو۔ تو خدا تعالٰی نے مسلمان کے لئے تقیہ مباح کر دیا ہے۔ اور بصورت عدم امکان توریہ اس کی رخصت دی ہے۔ کہ کلمہ کفر زبان پر لائے اور ایمان کو پوشیدہ کرے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے جو ابو جندل کو کفار پر رد کیا۔ یہ اس کو ہلاکت کی طرف تسلیم کرنا تھا۔ کیونکہ اس کے لئے بذریعہ تقیہ موت سے نجات کی سبیل موجود تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو جندل کو اس کے باپ پر رد کیا۔ بدیں خیال کے باپ اس کو غالبًا ہلاک نہ کرے گا۔ اور اگر اسے ایذا دے گا۔ یا قید میں رکھے گا۔ تو بھی اس کے لئے تقیہ کی گنجائش ہے۔ (انتہی)

اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ بصورت خوف ہلاک عامہ مسلمین کے لئے تقیہ کی رخصت ثابت ہے۔ یعنی اظہار دین سے بچے اور توریہ سے کام لے۔ اگر توریہ ممکن نہ ہو۔ تو رخصت ہے کہ کلمہ کفر زبان پر لائے مگر دل مطمئن بالایمان ہو۔ لیکن انبیاء و ائمہ کے لئے یہ رخصت نہیں۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

۹۔ مصنف نے جو الفاظ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھے ہیں۔ وہ کتب شیعہ کی روایت میں ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی بحوالہ تفسیر قمی ایک طویل روایت نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ابو ذر گفت۔ اللہ اکبر حبیب من رسول خدا ﷺ روزے بمن گفت کہ اے ابوذر چگونہ باشد حال تو در روزے کہ از تو پرسند بہترین بلاد راء تو مکہ را گوئی و قبول سکنائے تو در آنجا ننمایند وبدترین شہرہارا از تو پرسند و تو گوئی ربذہ وترا بآنجا فرستند۔ گفتم یارسول اللہؐ چنین زمانے خواہد بود۔ فرمود کہ آرے بحق آن خدائے کہ جان من در قبضہ تصرف اوست کہ این امر خواہد بود۔ گفتم یارسول اللہ ﷺ در آن روز شمشیر بردوش بگیرم و مردانہ از برائے خدا باایشان جہاد کنم۔ حضرت فرمود کہ نہ بشنو وخاموش باش و متعرض کسے مشو اگرچہ غلام حبشی باشد و بدرستیکہ حق تعالٰی در ماجرائے تو و عثمان آیہ چند فرستاد و آن آیات راکہ گذشت حضرت بخواند (حیات القلوب۔ جلد دوم۔ صفحہ ۸۲۱)

ترجمہ: "حضرت ابو ذر نے کہا۔ اللہ اکبر! میرے حبیب رسول خدا ﷺ نے ایک دن مجھ سے فرمایا۔ کہ اے ابو ذر اس دن تیرا کیا حال ہو گا کہ تجھ سے پوچھیں گے۔ کہ شہروں میں سب سے اچھا شہر کونسا ہے۔ تو کہے گا کہ مکہ اور وہ مکہ میں تیری سکونت منظور نہ کریں گے۔

اور تجھ سے پوچھیں گے۔ کہ شہروں میں سب سے برا شہر کونسا ہے۔ اور تو کہے گا۔ کہ ربذہ اور وہ تجھے وہیں بھیجیں گے۔ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ کیا ایسا وقت آئے گا؟ فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ تصرف میں میری جان ہے کہ یہ امر ہو گا۔ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ میں اس دن تلوار کندھے پر رکھ کر مردانہ وار خدا کے واسطے جہاد کروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایسا نہ کرنا بلکہ سن لینا اور خاموش رہنا اور کسی سے متعرض نہ ہونا اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔ بے شک خدا تعالیٰ نے تیرے اور عثمان کے ماجرا میں چند آیتیں بھیجی ہیں۔

اور حضرت ﷺ نے ان آئتوں کو پڑھا جو اوپر آچکی ہیں (**واخذنا میثاقکم لا تسفکون دمآءکم الایة۔ بقرہ ع ۔۱۰**)

ہم اس روایت شیعہ کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ کامل ابن اثیر۔ (جزء ثالث۔ صفحہ ۱۴۳) میں ہے۔

وفی هٰذه السنة کان ماذکرفی امر ابی ذرو اشخاص معاویة ایاه من الشام الی المدینة وقد ذکر فی سبب ذٰلک امور کثیرة من سب معاویة ایاه وتهدیده بالقتل وحمله الی مدینة من الشام بغیر وطاء و نفیه من المدینة علی الوجه الشنیع لا یصح النقل به ولو صح لکان ینبغی ان یعتذر عن عثمان فان للامام ان یودب رعیته وغیر ذٰلک من الاعذار الا ان یجعل ذٰلک سببًا للطعن علیه کرهت ذکرها۔

ترجمہ: "اور اس سال (۳۰ھ) میں تھا وہ جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے۔ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس کو شام سے مدینہ بھیجنا جس کے سبب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس کو گالی دینا اور قتل کی دھمکی دینا وغیرہ بہت سے امور ذکر کئے گئے ہیں۔ اور شام سے مدینہ تک اس کو بے ساز اونٹ پر سوار کرکے لے جانا اور مدینہ سے بری طرح اس کا جلا وطن کرنا جس کو نقل کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر صحیح ہو تو مناسب ہے۔ کہ حضرت عثمان کی طرف سے عذر خواہی کی جائے۔ کیونکہ خلیفہ وقت کا حق ہے کہ وہ اپنی رعیت کو تادیب کرے اور اس کے سوا اور عذر ہیں۔ نہ یہ کہ الٹا اس کو خلیفہ پر طعن کا سبب قرار دیا جائے جس کا ذکر میں نے پسند نہیں کیا۔ (انتہیٰ)

یہ طعن اور اس کا مفصل جواب تحفہ اثنا عشریہ میں مذکور ہے۔ جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے۔

۱۰۔ سیرۃ النبویہ سید احمد دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔ وہ تقیہ کی صورت میں کتاب مذکور میں یہ قصہ یوں درج ہے۔ کہ جب کفار نے دار الندوہ میں رسول اللہ ﷺ کے قتل کرنے کا--------- فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور کو اس ماجرا کی خبر دی کہ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ کفار نے رات کے وقت حضور کے دولت خانہ کو آگھیرا حضرت علی مرتضٰی سے فرمایا۔ **اتشح ھٰذا الحضرمی الا خضر فنم فیه فانه لن یخلص الیک شیئ تکرهه منهم** یعنی میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو جایئے۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ یہ فرما کر حضور دروازے سے نکل گئے۔ اور کفار کو نظر نہ آئے۔ صبح کو حضرت علیؓ مرتضٰی جو اٹھے۔ تو کفار نے دریافت کیا کہ این صاحبک (آپ کا ساتھی کہاں ہے) آپ نے جواب دیا۔ لا ادری (میں نہیں جانتا) حضرت امیرؑ نے جاتے وقت حضرت امیرؑ سے فرمایا تھا۔ کہ ہم غار ثور میں جا کر چھپیں گے۔ اگر بقول سید امداد امام حضرت علیؓ کو معلوم تھا۔ کہ رسول خدا ﷺ غار ثور میں پوشیدہ ہیں۔ تو پھر آپ کا یہ جواب کہ "میں نہیں جانتا کہاں ہیں" صریح کذب ہے۔ جسے شیعہ کی اصطلاح میں تقیہ کہتے ہیں۔ مگر ہم اہل سنت ایسے تقیہ کی نسبت حضرت امیرؑ کی طرف تسلیم نہیں کرتے۔

۱۱۔ بحوالہ تاریخ الخمیس جو لکھا گیا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت فرمایا کہ یہ شخص راستہ بتانے والا ہے۔ یہ تقیہ نہ تھا۔ بلکہ توریہ تھا۔ جو عند الضرورت جائز ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری (مطبوعہ مصر۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۲۰۶) میں حضرت انس بن مالک ہجرت رسول اللہ ﷺ و ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فیلقی الرجل ابابکر فیقول یا ابابکر من ھٰذا الرجل الذی بین یدیک فیقول ھٰذا الرجل یهدی السبیل قال فیحسب الحاسب انه انما یعنی الطریق وانما یعنی سبیل الخیر۔

ترجمہ: "راستہ میں کوئی شخص ابوبکر سے ملتا۔ تو پوچھتا۔ کہ اے ابوبکر یہ شخص جو آپ کے سامنے ہے کون ہے؟ ابوبکر جواب دیتے کہ یہ شخص راستہ بتانے والا ہے۔ وہ خیال کرتا کہ ابوبکر کی مراد طریق ہے۔ حالانکہ ان کی مراد سبیل خیر تھی۔ (انتہیٰ)

۱۲۔ سیرۃ الحلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶ کا پورا حوالہ یوں ہے۔

وفی النھران سبب نزول ھٰذہ الایۃ ان کفار قریش قالوا لابی طالب اما ان تنھی محمد اعن سب اٰلھتنا والنقص منھا واما ان نسب الٰھہ ونھجرہ قال فیہ وحکم ھٰذہ الایۃ باق فی ھٰذہ الامۃ فاذا کان الکافرفی منعۃ وخیف ان یسب الاسلام اوالرسول فلا یحل للمسلم ذم دین الکافر ولا یتعرض لمایؤدی الٰی ذٰلک لان الطاعۃ اذا کانت تؤدی الی مفسدۃ خرجت عن ان تکون طاعۃ فیجب النھی عنھا کما ینھی عن الٰمعصیۃ ھٰذا کلامہ۔

ترجمہ: "نہر میں ہے۔ کہ اس آیت (ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ الایۃ) کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ کفار قریش نے ابو طالب سے کہا۔ کہ تم محمد ﷺ کو روک دو کہ وہ ہمارے معبودوں کو گالی نہ دیں۔ اور ان کی تنقیص نہ کریں۔ ورنہ ہم ان کے خدا کو گالی دیں گے اور ہجو کریں گے۔ مصنف نہر کا قول ہے۔ کہ اس آیت کا حکم اس امت میں باقی ہے۔ پس جب کافر کثیر الاعوان ہو۔ اور اس بات کا ڈر ہو کہ وہ اسلام یا پیغمبر اسلام کو گالی دے گا۔ تو مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس کافر کے دین کی مذمت کرے اور نہ ایسا کام کرے جو اس کا موجب ہو۔ کیونکہ طاعت جب کسی مفسدہ کا باعث ہو تو وہ طاعت نہیں رہتی۔ لہٰذا اس سے منع کرنا چاہیے۔ جیسا کہ گناہ سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ صاحب نہر کا کلام ہے۔ (انتہیٰ)

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دین و کفار کی مذمت نہ کرنا تقیہ نہیں۔ کیونکہ ترک ذم دین کفار مستلزم مدح دین کفار نہیں۔

۱۳۔ بخاری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۵۱ کے حوالہ سے جو کچھ مصنف نے لکھا ہے اس میں کلام ہے۔ صحیح بخاری میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ رسول خدا ﷺ مکہ میں پندرہ برس رہے۔ اس میں سے صرف چار یا پانچ برس مخفی اور خوف زدہ طور پر دعوت اسلام فرمائی۔ بلکہ اس میں (بخاری۔ مطبوعہ مصر۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۹۷) بروایت ابن عباس مذکور ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ چالیس سال کے ہوئے تو آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ آپ تیرہ برس مکہ میں رہے۔ بعد ازاں ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے۔ وہاں دس برس رہے۔ اور وہیں وفات پائی۔

دوسری روایت (جزء ثالث۔ صفحہ ۹۵) میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما فی قولہ تعالٰی ولا تجھر بصلاتک

ولا تخافت بها قال نزلت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مختف بمکة کان اذا صلی باصحابه رفع صوته بالقران فاذاسمع المشرکون سبوا القراٰن ومن انزله ومن جاءبه فقال اللّٰه تعالٰی لنبیه صلی اللّٰه علیه وسلم ولا تجهر بصلاتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بها عن اصحابک فلا تسمعهم وابتغ بین ذٰلک سبیلا۔

ترجمہ: " حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آیہ ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها وابتغ بین ذٰلک سبیلا (بنی اسرائیل۔ ع ۱۲) نازل ہوئی۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پوشیدہ تھے۔ آپ جب اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھتے۔ تو قرآن کے ساتھ اپنی آواز بلند فرماتے۔ جب مشرکین سنتے۔ تو قرآن اور خدا اور رسول خدا کو گالی دیتے۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ کہ آواز بلند نہ کیجئے۔ اپنی نماز یعنی قراءت کے ساتھ کہ مشرکین سن کر قرآن کو گالی دیں اور نہ بہت آہستہ کیجئے اس کے ساتھ اپنے اصحاب سے کہ وہ نہ سن سکیں۔ بلکہ آپ اس کے درمیان راہ ڈھونڈیئے۔ (انتہیٰ)

ظاہر ہے کہ نماز میں قراءت کا آہستہ پڑھنا تقیہ نہیں۔

۱۴۔ اسعاف الراغبین (بہامش نور الابصار۔ مطبوعہ مصر۔ صفحہ ۱۷۔ ۱۸) میں ہے۔ کہ جب یاایها المدثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ تو آپ مخفی طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے کیونکہ آپ مامور بہ اظہار نہ تھے۔ جب مسلمان نماز پڑھنا چاہتے۔ تو کسی گھاٹی میں مشرکین سے پوشیدہ ہو کر پڑھتے۔ ایک روز مشرکین نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو مع چند مسلمانوں کے کسی گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ اور قتال کی نوبت پہنچی۔ حضرت سعد نے ان میں سے ایک کو مار ڈالا۔ اس وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب دار ارقم میں داخل ہوئے اور اپنی نماز و عبادت پوشیدہ بجالاتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اظہار احکام کا حکم دیا۔ اور ۶ھ نبوت میں حضرت امیر حمزہ کے تین دن بعد حضرت عمر فاروق کو بھی اسلام کی ہدایت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخفاء کی مدت تین سال تھی۔ اس مدت میں قریش حضرت کو اور حضرت پر ایمان لانے والوں کو ایذا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مغلوبین کی ایک جماعت کو سخت ایذا دی۔ (انتہیٰ)

اس اخفاء کو تقیہ سمجھنا سخت غلطی ہے۔ انبیاء کرام ہر امر میں حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ جب

تک اظہار دین کا حکم نہ ہوا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب پوشیدہ عبادت کرتے رہے۔ مگر اس مدت اخفاء میں بھی حضرت نے کبھی نہ فرمایا کہ دین اسلام حق نہیں۔ یا معاذ اللہ میں خدا کا رسول نہیں۔ جب فاصدع بما تومر کا حکم آیا۔ تو آپ برملا اظہار کلمۃ الحق فرمانے لگے۔

۱۵۔ روایت کذبات ثلاثہ کا جواب تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۹۱ میں یوں دیا ہے۔ کہ اس روایت میں کذب بمعنی تعریض ہے۔ کہ ظاہر میں کذب معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں صدق ہے۔ چنانچہ حضور پیغمبر آخر الزمان کے خطبات میں منقول ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ العجائز لا تدخلن الجنة وانی حاملک علی ولدناقة وغیرہ۔ اور حضرت امیرؑ سے بھی اس قسم کی تعریضات بہت منقول ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے کذبات ثلاثہ اسی قبیل سے ہیں۔

کیونکہ انہوں نے ایک جبار کے خوف سے اپنی زوجہ کو بہن کہا۔ اور اخوت اسلامی مراد رکھی۔

اور انی سقیم کہا اور مراد بے مزگی و کدورت روحانی تھی۔ جو مرض جسمانی سے بڑھ کر ہے۔

اور فعله کبیرهم بطریق فرض الزام کفار کے لئے ذکر کیا۔ پس کذب کا اطلاق ان امور پر محض بنابر مشاکلت و مشابہت ہے۔ اور اتنا بھی بنابر مصلحت ضروری تھا۔ کیونکہ تعریضات تو درکنار اگر اپنے مال و جان و ناموس سے ایک جابر کا دفع کرنا منجر بکذب صریح ہو وہ بھی اس وقت جائز ہوتا ہے۔ کافروں کو الزام دینا اور بتوں کی پوجا سے کنارہ کشی کرنا یہی حکم رکھتا ہے۔

بالجملہ ان روایات صحیحة المضامین کو محل طعن قرار دینا اور اپنی روائتوں کو جو صراحتہ انبیاء و رسل کے حق میں شنائع و قبائح پر دلالت کرتی ہیں بھول جانا حیا سے بہت بعید ہے۔ اور باب نبوت میں معلوم ہو گا۔ کہ روافض بعض انبیاء کو وحی الہی کے منکر جانتے ہیں۔ اور بعض کو حسد و بغض و عناد سے منسوب کرتے ہیں۔ اور بعضوں کی طرف گناہان کبیرہ کی نسبت دیتے ہیں جن پر موت ہلاک ہے۔ اور اس فرقہ کے عقائد میں موجود ہے۔ کہ انبیاء پر تبقیہ اظہار کفر واجب ہے۔ اپنی ان روایات و عقائد کو ان تعریضات ثلاثہ کے ساتھ موازنہ کرکے انصاف کرلیں۔

۱۶۔ بخاری کی جلد۔ ۱۰ صفحہ ۳۵ کا جو حوالہ دیا ہے۔ اس میں جلد دہم سے معلوم نہیں کیا مراد ہے صحیح بخاری کے چار جزء اور تیس پارے ہیں۔ اگر فرض کرلیا جائے۔ کہ بخاری شریف میں یہ روایت ابن عباس موجود ہے۔ تو اس سے یہ مراد ہو گی کہ جہاں غلبہ کفار ہو اور ہجرت پر قدرت نہ ہو وہاں اخفائے ایمان بہتر ہے۔ جیسا کہ صدر اسلام مکہ میں تھا۔ مگر ایسے اخفاء کو تقیہ نہیں کہہ سکتے۔

۱۷۔ مصنف نے روایت حذیفہ کا مطلب غلط بیان کیا ہے۔ وہ روایت صحیح مسلم میں یوں ہے۔

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة ومحمد بن عبداللّٰہ بن نمیر و ابوکریب

واللفظ لابی کریب قالوا حدثنا ابو معاویة عن الاعمش عن شقیق عن حذیفة قال کنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال احصو الی کم یلفظ الاسلام قال فقلن یارسول اللّٰہ اتخاف علینا ونحن ما بین الستمائة الی السبع مائة فقال انکم لا تدرون لعلکم ان تبتلوا قال فابتلینا حتی جعل الرجل منا لا یصلی الا سرا۔

ترجمہ: " (بحذف اسناد) حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ گن کر مجھے بتاؤ کہ اسلام کے نام لیوا کتنے ہیں۔ ہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ کو ہم پر خوف ہے۔ حالانکہ ہم چھ سات سو ہیں۔ فرمایا کہ تم نہیں جانتے۔ شاید تم ابتلاء میں پڑ جاؤ۔ راوی کا قول ہے کہ ہم ایسے ابتلاء میں پڑے کہ ہم میں سے بعضے پوشیدہ نماز پڑھتے تھے۔ (انتہی)

یہ حدیث صحیح بخاری (کتاب الجہاد والسی والسیر کتابتہ الامام الناس) میں بھی ہے۔ ہم بخوف طوالت اسے نقل نہیں کرتے۔ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی و امام قسطلانی یوں لکھتے ہیں۔

لعله اشار الی بعض ماوقع فی خلافة عثمان رضی اللّٰہ عنه من ولایة بعض امراء الکوفة کالولید بن عقبة حیث کان یوخر الصلاة اولا یقیمها علی وجهها فکان بعض الورعین یصلی وحده سرا ثم یصلی معه خشیة الفتنة۔

ترجمہ: " شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض واقعہ یعنی بعض امراء کوفہ مثلاً ولید بن عقبہ کی ولایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو نماز میں تاخیر کرتا تھا یا اس کو ٹھیک طور پر ادا نہ کرتا تھا اس لئے بعضے پرہیز گار پوشیدہ اکیلے نماز پڑھتے تھے۔ پھر فتنہ کے خوف سے اس امیر کے ساتھ پڑھ لیتے تھے۔ (انتہی)

کیا ایسی احتیاط کو تقیہ کہہ سکتے ہیں۔ کیا بخوف فتنہ پوشیدہ نماز پڑھنا تقیہ ہے؟ ہرگز نہیں۔

۱۸۔ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ کا پورا حوالہ یوں ہے۔

ولبثت فینا من عمرک سنین قیل لبث فیهم ثلاثین سنة ثم خرج الی مدین عشر سنین ثم عاد الیهم یدعوهم الی اللّٰہ تعالٰی ثلثین ثم بقی بعد الغرق خمسین سنة وفعلت فعلتک التی فعلت یعنی قتل القبطی ونجه به معظمًا ایاه بعدما عدد علیه نعمته وانت من الکافرین بنعمتی حتی عمدت الی قتل خواصی اوممن تکفرهم الان فانه علیه الصلٰوة والسلام کان یعایشهم بالتقیة۔

ترجمہ: " اور تو رہا ہم میں اپنی عمر کے بہت سے سال کہا گیا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان

کے درمیان تیس سال رہے۔ پھر مدین کی طرف نکلے اور دس سال وہاں رہے۔ پھر ان کی طرف واپس آئے۔ اور تیس سال ان کو دعوت حق فرماتے رہے۔ بعد ازاں غرق فرعون کے بعد پچاس برس زندہ رہے۔ اور تو نے وہ کام کیا جو کیا۔ یعنی قبطی کا قتل کرنا۔ فرعون نے اپنی نعمت کے اظہار کے بعد حضرت موسیٰ کو قتل قبطی کے سبب تو بیخ کی جسے اس نے بڑا گناہ سمجھا۔ اور تو تھا کافروں سے۔ یعنی تو نے میری نعمت کا کفران کیا یہاں تک کہ تو نے میرے خواص کے قتل کا قصد کیا یا یہ معنے ہیں۔ تو ان میں سے تھا جن کو اب کافر خیال کر رہا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے درمیان تقیہ سے زندگی بسر کرتے تھے۔

(انتہی)

حاشیہ شیخ زادہ میں ہے۔

وھٰذا من غایة جھل اللعین لان الانبیاء لم یزالوا علی التوحید والبراءة من الشرک واللّٰہ تعالٰی عاصم من یستنبئه من کل کبیرة فما ظنک بالکفر۔

ترجمہ: "یہ فرعون لعین کی غایت درجہ کی جہالت ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام ہمیشہ توحید پر اور شرک سے براءت پر رہے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ جس کو نبی بنانا چاہتا ہے۔ اسے ہر ایک کبیرہ سے کفر تو کیا ذکر بچاتا ہے۔ (انتہی)

پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبل نبوت و رسالت کے عقیدہ توحید پر تھے۔ اس عقیدہ کو انہوں نے پوشیدہ رکھا۔ کیونکہ مامور باظہار نہ تھے۔ اس عقیدہ توحید کے اخفاء کو قاضی بیضاوی نے تقیہ سے تعبیر کیا ہے۔ مگر اسے تقیہ مصطلحہ شیعہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ مگر آپ کی زبان سے بھی فرعون کی مدح یا اس کے دعویٰ کی تائید یا تصدیق نہ نکلی۔

۱۹۔ بیضاوی۔ جلد ۱ صفحہ ۹۹ میں یہ کہیں نہیں لکھا۔ کہ آیہ **لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة** تقیہ کی اجازت دیتی ہے۔

۲۰۔ کسی تفسیر سے اس تقیہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ جو نفاق و کذب کا مترادف ہے ابتدائے اسلام میں بھی تقیہ جائز نہ تھا۔ محض اخفاء ایمان و عبادت کی اجازت تھی۔ مگر جب ہجرت کا حکم آیا۔ اور جہاد فرض ہو گیا۔ تو جواز اخفاء بھی جاتا رہا۔ المختصر تقیہ اہل تشیع ہی کی خاص چیز ہے۔ اہل سنت اس سے کچھ سروکار نہیں رکھتے۔ اب ہم ذیل میں کتب شیعہ سے تقیہ کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں۔

(ا) تقیہ کی تاریخ

تبرا کی طرح تقیہ بھی شیعہ کے ہاں ایک کثیر الثواب عبادت ہے۔ اس کی اصل دریافت کرنے کے لئے ہم تاریخ اسلام پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی دشمنان اسلام علانیہ طور پر اس دین کے مٹانے کے درپے ہو گئے۔ حضور انور بابی ہو وامی نے تیرہ سال تک مکہ میں اپنی قوم کے ہاتھوں وہ تکالیف اٹھائیں۔ کہ آپ سے پہلے کسی نبی نے نہ اٹھائی تھیں۔ قبائل عرب نے جب دیکھا کہ باوجود مخالفانہ کوششوں کے اسلام حدود مکہ سے باہر بھی لوگوں کے دلوں میں گھر کرتا جاتا ہے۔ تو متفقہ طور پر دارالندوہ میں یہ فیصلہ کیا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے دین کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ بذریعہ وحی آپ کو اس فیصلہ کی جو خبر ملی۔ تو آپ نے بحکم الٰہی مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ مگر آپ کو آرام وہاں بھی نہ ملا۔ بلکہ آپ کی مخالفت میں اضافہ ہو گیا۔ یہود کی ایک جماعت نے باقتضائے مصلحت وقت اسلام ظاہر کیا۔ اور دل میں کفر رکھا۔ یہ لوگ دوستی کے پردے میں دشمنی کرتے تھے۔ ان کی مخالفت دیگر کفار کی علانیہ مخالفت سے زیادہ خطرناک تھی۔ مگر یہ دوست نما دشمن جب نور اسلام کے بجھانے کے لئے کوئی منصوبہ یا سازش کرتے تھے۔ تو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی اپنے حبیب پاک کو آگاہ کر دیتا تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے۔ اس طرح عہد نبوی میں ان منافقین کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ دور نبوت کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافتوں میں بھی اسلام ترقی کرتا رہا۔ اور کسی مخالف کو مخالفت کا موقع نہ ملا۔ مگر تیسری خلافت کے آخری حصہ میں ضعف کے کچھ آثار پا کر منافقین یہود نے پھر سر اٹھایا۔ اس وقت ان کا سرغنہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ ابن سبا کی تعلیم اور اس کے فتنہ کا حال اور نتیجہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

ابن سبا اور اس کے ہم مشربوں کا نفاق مصلحت کے درجہ میں تھا۔ اس نفاق کو اس کے جانشینوں نے اس قدر اہمیت دی۔ کہ اسے اصل مذہب قرار دیا۔ اور اسے ہر دلعزیز بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ پہلے انہوں نے دفع وحشت کے لئے اس کا نام بدلا اور اس کے لئے بظاہر ایک خوشنما نام یعنی تقیہ تجویز کیا۔ پھر تقیہ کے فضائل میں روایات وضع کر کے خاندان نبوت کی طرف منسوب کر دیں۔

(۲) تقیہ کے فضائل

ذیل میں تقیہ کے فضائل شیعہ کی نہایت معتبر کتابوں سے بیان ہوتے ہیں۔

۱۔ امام جعفر صادق کا قول ہے کہ دس حصوں میں سے نو حصے دین کے تقیہ میں ہیں۔ جس کا تقیہ نہیں اس کا کوئی دین نہیں (اصول کافی۔ صفحہ ۴۸۰)

۲۔ ابو بصیر کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ تقیہ دین خدا میں سے ہے۔ میں نے عرض کی کیا دین خدا میں سے ہے۔ امام نے فرمایا۔ ہاں قسم بخدا کہ تقیہ دین خدا میں سے ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اے قافلہ والو تم چور ہو انہوں نے کچھ نہ چرایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ میں بیمار ہوں۔ قسم بخدا کہ وہ بیمار نہ تھے۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۴۸۳)

۳۔ امام محمد باقر کا قول ہے۔ کہ تقیہ میرے دین سے اور میرے آباء و اجداد کے دین سے ہے۔ جس شخص میں تقیہ نہیں اس کا ایمان نہیں۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۴۸۴)

۴۔ **عن سلیمان بن خالد قال قال ابو عبداللّٰہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللّٰہ ومن اذاعہ اذلہ اللّٰہ۔** (اصول کافی۔ صفحہ ۴۸۵)

سلیمانؓ بن خالد سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے سلیمان۔ بے شک تم ایسے دین پر ہو۔ کہ جس نے اسے چھپایا خدا نے اسے عزت دی۔ اور جس نے اسے ظاہر کیا۔ خدا نے اسے ذلیل کیا۔ (انتہیٰ)

۵۔ **عن ابن ابی یعفور قال قال ابو عبداللّٰہ علیہ السلام من اذاع علینا حدیثنا سلبہ اللّٰہ الایمان** (اصول کافی۔ صفحہ ۵۵۱)

یعنی امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ جس نے ہمارے خلاف ہماری حدیث کو ظاہر کیا۔ خدا نے اس سے ایمان چھین لیا۔ انتہیٰ

۶۔ **عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال من اذاع علینا شیئا من امرنا فھو کمن قتلنا عمد اولم یقتلنا خطأ** (اصول کافی۔ صفحہ ۵۵۲)

یعنی امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ جس نے ہمارے خلاف ہمارے امر میں سے کوئی چیز ظاہر کر دی۔ وہ مثل اس شخص کے ہے جس نے ہم کو عمداً قتل کیا۔ اور خطاء سے قتل نہ کیا۔ (انتہیٰ)

۷۔ **قال رسول اللّٰہ مثل مومن لاتقیۃ کمثل جسدہ لاراس لہ** (تفسیر امام حسن عسکری۔ مطبوعہ مطبع جعفری۔ صفحہ ۱۶۳)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے تقیہ مومن کی مثل مانند جسم بے سر کے ہے۔

۸۔ **قال امیر المومنین التقیۃ من افضل اعمال المومن یصون بھا نفسہ واخوانہ عن**

الفاجرین (تفسیر عسکری۔ صفحہ ۱۶۳)

یعنی حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ مومن کے افضل اعمال میں سے ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اپنی جان کو اور اپنے بھائیوں کو فاجروں سے بچاتا ہے۔

۹۔ قال الحسین بن علی لولا التقیة ماعرف ولینا من عدونا (تفسیر عسکری۔ صفحہ ۲۶۳)

امام حسین بن علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ اگر تقیہ نہ ہوتا۔ تو ہمارے دوست اور ہمارے دشمن میں امتیاز نہ رہتا۔

۱۰۔ قال علی بن الحسین زین العابدین یغفر اللّٰہ للمومن کل ذنب ویطھرہ منه فی الدنیا والاخرة ماخلا ذنبین ترک التقیة وترک حقوق الاخوان (تفسیر عسکری۔ صفحہ ۱۶۴)

یعنی امام زین العابدین فرماتے ہیں۔ کہ خدا مومن کا ہر ایک گناہ بخش دے گا اور اس کو دنیا و آخرت میں اس سے پاک کردے گا سوا دو گناہوں کے۔ ایک تقیہ کا ترک کرنا۔ دوسرے اپنے بھائیوں کے حقوق کا ترک کرنا۔

۱۱۔ نظر الباقر الی بعض شیعته وقد دخل خلف بعض المنافقین الی الصلٰوة واحس الشیعی بان الباقرؑ قدعرف ذٰلک منه فقصده وقال اعتذر الیک یابن رسول اللّٰہ من صلاتی خلف فلان فانی اتقیه ولولا ذٰلک لصلیت وحده قال له الباقرؑ انما کنت تحتاج ان تعتذر لو ترکت یا عبداللّٰہ المومن مازالت ملائکة السمٰوٰت السبع والارضین السبع یصلی علیک وتلعن اما مک ذاک وان اللّٰہ تعالٰی امران یحسب لک صلٰوتک خلفه للتقیة بسبع مائة صلٰوة صلیتها وحدک فعلیک بالتقیة (تفسیر عسکری۔ صفحہ ۲۸۸)

"امام محمد باقرؑ نے اپنے بعض شیعہ کو دیکھا کہ ایک منافق کے پیچھے نماز میں شامل ہوگیا ہے۔ اور اس شیعی نے بھی محسوس کیا۔ کہ امام باقرؑ نے میرا یہ فعل معلوم کرلیا ہے۔ اس لئے اس نے امام کی زیارت کا قصد کیا۔ اور عرض کی۔ اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے عذر خواہی کرتا ہوں کہ میں نے جو فلاں منافق کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ میں اس سے تقیہ کرتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں نماز اکیلا پڑھتا۔ امام باقرؑ نے اس سے فرمایا۔ کہ تجھے عذر خواہی کی ضرورت تب ہی تھی۔ کہ تو ترک تقیہ کرتا۔ اے خدا کے مومن بندے!

ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے فرشتے تجھ پر درود بھیجتے اور تیرے اس امام پر لعنت کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس منافق کے پیچھے تقیہ سے تیری نماز سات سو نمازوں کے برابر شمار کی جائے جن کو تو اکیلا پڑھے۔ پس تو تقیہ کو لازم پکڑ۔ (انتہیٰ)

۱۲۔ شیخ صدوق اپنے رسالہ اعتقادات میں لکھتا ہے۔

وقال امام جعفر صادق من صلی معھم فی الصف الاول فکانما صلی مع رسول اللّٰہ فی الصف الاول۔

"یعنی امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ جو شیعی مخالفین کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھے اس نے گویا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی۔ (انتہیٰ)

۱۳۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ کہ ہم تقیہ سے جو فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ جو شخص اس پر عمل کرے گا اس کو ثواب ملے گا۔ اور جو اسے ترک کرے گا۔ وہ قسم بخدا کہ گنہگار ہو گا۔ ان اخذبہ اوجرو ان ترکہ واللّٰہ اثم۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۳۷)

۱۴۔ شیخ صدوق کے رسالہ اعتقادات میں ہے۔

والتقیة واجبة لایجوز رفعھا الی ان یخرج القائم فمن ترکھا قبل خروجه فقد خرج عن دین اللّٰہ تعالیٰ وعن دین الامامیة وخالف اللّٰہ ورسوله والائمة وسئل الصادق قول اللّٰہ عزوجل ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم قال اعملکم بالتقیة۔

ترجمہ: "تقیہ واجب ہے۔ اور تاخروج امام قائم اس کا ترک جائز نہیں۔ جس نے ان کے خروج سے پہلے اسے ترک کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے اور امامیہ کے دین سے خارج ہو گیا۔ اور خدا و رسول وائمہ کا مخالف بن گیا۔ امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ کہ ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم (حجرات ع ۲) میں اتقاکم سے کیا مراد ہے۔ فرمایا کہ اس سے مراد اعملکم بالتقیہ ہے۔ (انتہیٰ) یعنی خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو تقیہ کا زیادہ عامل ہے۔

۱۵۔ کشف الغمہ اردبیلی ۳۴۱ میں ہے۔

عن الحسین بن خالد قال قال الرضا علیه السلام لا دین لمن لا ورع له ولا ایمان لمن لا تقیة له وان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم قیل له یا ابن رسول اللّٰہ

الی متی۔ قال الی یوم الوقت المعلوم وھو یوم خروج قائمنا فمن ترک التقیۃ قبل خروج قائمنا فلیس منا۔

ترجمہ: "حسین بن خالد کا بیان ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص میں پرہیز گاری نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ اور جس میں تقیہ نہیں۔ اس کا ایمان نہیں۔ خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو تقیہ کا زیادہ عامل ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا۔ اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم تقیہ کب تک ہے۔ فرمایا کہ ہمارے قائم کے خروج کے دن تک ہے۔ جس نے ہمارے قائم کے خروج سے پہلے تقیہ چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

۱۶۔ کتاب الروضہ کلینی صفحہ ۱۲۴ میں ہے۔

عن علی بن الحسین علیھما السلام قال واللّٰہ لا یخرج واحدنا قبل خروج القائم الا کان مثلہ مثل فرخ طار من وکرہ قبل ان یستوی جناحاہ فاخذہ الصبیان فبعثوابہ۔

"یعنی امام علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا کہ قسم بخدا امام قائم کے خروج سے پہلے ہم میں سے جو خروج کرے گا۔ وہ مثل پرندے کے بچے کے ہے جو اپنے بازوؤں کی تکمیل سے پہلے اپنے گھونسلے سے اڑ گیا۔ پس لڑکوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگے۔ (انتہیٰ)

۱۷۔ جامع الاخبار للشیخ الصدوق میں ہے۔

قال جابر قلت یارسول اللہ اذ الناس یقولون ان ابا طالب مات کافراً قال یا جابر ربک اعلم بالغیب انہ لما کانت اللیلۃ التی اسری بی الی السماء انتھیت الی العرش فرایت اربعۃ انوار فقیل لی ھٰذا عبدالمطلب وھٰذا عمک ابو طالب وھٰذا ابوک عبداللّٰہ وھٰذا ابن عمک جعفر بن ابی طالب فقلت الھی لم نالوا ھٰذہ الدرجۃ قال بکتمانھم الایمان ولا ظھارھم الکفر حتی ماتوا علی ذٰلک (تنقیح المسائل۔ صفحہ ۱۴۰)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ تب لوگ کہیں گے کہ ابو طالب کفر پر مرا۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر تیرا رب غیب کو خوب جانتا ہے۔ میں جب شب معراج میں عرش تک پہنچا تو میں نے چار نور دیکھے۔ مجھ سے کہا گیا۔ یہ عبدالمطلب ہے۔ اور یہ تیرا چچا ابو طالب ہے۔ اور تیرے والد عبداللہ ہیں۔ اور یہ تیرا چچیرا بھائی جعفر بن ابی

طالب ہے۔ پس میں نے کہا۔ خدایا انہوں نے یہ درجہ کس عمل سے حاصل کیا۔ خدا نے فرمایا کہ ایمان کے چھپانے اور کفر کے ظاہر کرنے سے یہاں تک کہ کفر پر ہی مر گئے۔ (انتہیٰ)

اس سے ظاہر ہے کہ اگر تمام عمر کفر میں گزرے اور تقیہ مرتے وقت تک مانع اظہار اسلام رہے۔ تو عند الامامیہ خدا کے ہاں نہایت اعلیٰ درجہ ملتا ہے۔

(۳) تقیہ سے سب و شتم وغیرہ کا جواز

۱۔ زرارہ جو امام صادق کے مخلص اصحاب میں سے ہے۔ امام موصوف کی نسبت کہتا ہے۔ فی قلبی علیہ لعنۃ (رجال کشی۔ صفحہ ۹۶) یعنی میرے دل میں امام صادق پر لعنت ہے۔

۲۔ **عن مسعدۃ بن صدقۃ قال قیل لابی عبداللّٰہ علیہ السلام ان الناس یروون ان علیًا علیہ السلام قال علی منبر الکوفۃ ایھا الناس انکم ستدعون الی سبی فسبونی ثم تدعون الی البرائۃ منی فلا تبرؤا منی فقال ما اکثر ما یکذب الناس علی علی علیہ السلام ثم قال انما قال ستدعون الی سبی فسبونی ثم ستدعون الی البرائۃ منی وانی لعلی دین محمد صلی اللّٰہ علیہ والٰہ ولم یقل ولا تبروا منی الحدیث** (اصول کافی۔ صفحہ ۴۸۴)

ترجمہ: "مسعدہ بن صدقہ کا بیان ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے کہا گیا کہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا۔ کہ اے لوگو تم جلدی میرے سب و شتم کی طرف بلائے جاؤ گے۔ پس تم مجھے سب کرنا۔ بعد ازاں تم مجھ سے تبرا کی طرف بلائے جاؤ گے۔ سو تم مجھ سے تبرا نہ کرنا۔ یہ سن کر امام صادق نے فرمایا۔ کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام پر کتنا زیادہ جھوٹ تھوپتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے تو یوں فرمایا تھا۔ کہ تم جلدی میرے سب و شتم کی طرف بلائے جاؤ گے۔ بے شک میں طریق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں۔ اور یہ نہ فرمایا تھا کہ تم مجھ سے تبرا نہ کرنا۔ (انتہیٰ)

اس سے ظاہر ہے کہ اگر تقیہ سے حضرت امیرؓ پر سب و شتم کیا جائے اور ان سے تبرا کیا جائے۔ تو جائز ہے۔

۳۔ ابو بصیر امام جعفر صادقؓ کے دولت خانہ پر گیا۔ اندر جانے کی اجازت نہ ملی۔ تو کہنے لگا کہ اگر ہمارے پاس خوان ہوتا۔ تو امام ضرور بلا لیتے۔ (رجال کشی۔ صفحہ ۱۱۶)

۴۔ امام جعفر صادق نے مسئلہ استطاعت میں زرارہ پر تین باریوں لعنت کی۔ لعن اللّٰہ زرارۃ لعن

اللّٰہ زرارۃ۔ لعن اللّٰہ زرارۃ۔ اور زرارہ نے بھی کہہ دیا کہ امام کو شعور اور بصیرت بکلام الرجال نہیں۔ (رجال کشی۔ صفحہ ۹۸)

۵۔ زرارہ نے سوال و جواب کے دوران امام باقر کی نسبت دل میں یوں کہا۔ **شیخ لا علم له بالخصومة۔** (اصول کافی۔ صفحہ ۵۵۷)

این پیرو بے دماغ شدہ نمے داند روش گفتگو باخصم (صافی شرح کافی۔)

۶۔ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں فرماتے ہیں اور اپنے مقتدائے مذہب زرارہ کی سنت ادا کرتے ہیں۔ حیث قال و ہمچنین در سب حضرت رسول ﷺ وائمہ جائز است واز بعضے اخبار ظاہر مے شود کہ تقیہ در بیزاری از ایشان نمے باشد و از بعضے ظاہر مے شود کہ مے باشد و مقتضائے جمع بین الاخبار این است کہ مخیر است میان آنکہ تقیہ نکند در ناسزا گفتن بایشان و کشتن را بر خود بگذارد چنانکہ پدر عمار کرد یا تقیہ کند چنانکہ عمار کرد۔ (انتہی) بلفظہ۔ سبحان اللہ سب نبی ﷺ وائمہ علیہم السلام برابر مسح موزہ وغیرہ کے بھی نہ ٹھہرا۔ جس میں تقیہ بحالت خود بادشاہ کے بھی جائز ہے۔ (تنقیح المسائل۔ صفحہ ۱۴۰)

(۴) تقیہ کی مثالیں اور اس کی وسعت

۱۔ زرارہ کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے اس کا جواب دیا بعد ازاں ایک اور شخص نے وہی مسئلہ دریافت کیا۔ مگر آپ نے کچھ اور ہی جواب دیا۔ جو پہلے جواب کا منافی تھا۔ پھر ایک اور شخص نے وہی مسئلہ دریافت کیا۔ تو آپ نے ایسا جواب دیا جو پہلے ہر دو جواب کا منافی تھا۔ جب وہ دونوں سائل چلے گئے۔ تو میں نے عرض کی کہ اے فرزند رسول ﷺ یہ دونوں کوفہ کے رہنے والے آپ کے شیعوں میں سے ہیں۔ انہوں نے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ مگر آپ نے ایک کو جو جواب دیا وہ منافی ہے اس جواب کے جو دوسرے کو دیا۔ امام نے فرمایا کہ یہ ہمارے واسطے بہتر اور ہماری اور تمہاری بقا کے لئے زیادہ پائندہ ہے۔ بعد ازاں میں نے امام صادق کے آگے اعتراض کیا۔ کہ آپ کے شیعہ آپ کے فرمانبردار ہیں۔ مگر آپ کے ہاں سے وہ مختلف جواب پاتے ہیں۔ یہ سن کر امام صادقؑ نے وہی جواب دیا جو ان کے والد امام محمد باقرؑ نے دیا تھا۔ (اصول کافی۔ کتاب العلم صفحہ ۳۷)

۲۔ حمران بن اعین جو حسب شہادت امام جعفر صادق خالص مومن اور مطیع امام ہے۔ بیان کرتا ہے۔ کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ میں ایک مسئلہ میں ستر وجہ پر کلام کرتا ہوں اور ہر ایک وجہ میں اپنے

نکلنے کی راہ رکھ لیتا ہوں۔ (بصائر الدرجات)

۳۔ عن سلمة بن محرز قال قلت لابی عبداللّٰہ علیه السلام ان رجلا ارمانیا مات واوصی الی فقال لی وما الارمانی قلت نبطی من انباط الجبال مات واوصی الی بترکتة وترک ابنته قال فقال لی اعطها النصف قال فاخبرت زرارة بذلک فقال لی اتقاک انما المال لها قال فدخلت علیه بعد فقلت اصلحک اللّٰہ ان اصحا بنازعموا انک اتقیتنی فقال لا واللّٰہ ما اتقیتک ولکنی اتقیت علیک ان تضهن فهل علم بذلک احدقلت لا قال فاعطها مابقیO (فروع کافی۔ جلد ثالث باب میراث الولد۔ صفحہ ۴۸)

"سلمہ بن محرز کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کی۔ کہ ایک ارمانی شخص مر گیا اور اس نے میرے حق میں وصیت کی ہے۔ امام نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ارمانی کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ پہاڑوں کے انباط میں سے ایک نبطی مرگیا۔ اس نے میرے واسطے اپنے ترکہ کی وصیت کی۔ اور ایک لڑکی چھوڑی۔ امام نے مجھ سے فرمایا اس کو نصف دے دو۔ سلمہ کا قول ہے۔ کہ میں نے زرارہ کو یہ فتویٰ بتایا۔ اس نے کہا کہ امام نے تجھ سے تقیہ کیا۔ سارا مال لڑکی کا ہے۔ سلمہ کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ خدا آپ کی اصلاح کرے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں۔ کہ آپ نے مجھ سے تقیہ کیا۔ امام نے فرمایا نہیں قسم بخدا کہ میں نے تجھ سے تقیہ نہیں کیا۔ لیکن میں ڈر گیا۔ کہ تجھ پر مؤاخذہ ہو گا۔ کیا کسی کو یہ معلوم ہے۔ میں نے عرض کی کہ نہیں فرمایا کہ باقی نصف بھی اس لڑکی کو دیدو۔ (انتہیٰ)

اس سے ظاہر ہے کہ ائمہ فرائض میں محض مصالح وقت پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور حق باطل میں مخلوط ہو تا تھا۔ اور جھوٹی قسمیں بھی کھاتے تھے۔ اور غلط احکام بھی بتاتے تھے۔ اور اصحاب فرعوین امامیہ اصلاح بھی دے دیتے تھے۔ جس کی قسمت اچھی ہوتی ہو گی اس کو دوبارہ تحقیقات میں صحیح بات بھی معلوم ہو جاتی ہو گی۔ بایں ہمہ اس احتمال کا رفع کرنا اب بھی مشکل ہے کہ جائز ہے کہ حکم اول امام کا صحیح اور بلا تقیہ ہو۔ بعد کا بخوف زرارہ وغیرہ مفسدین کے دوسرا حکم محمول بہ تقیہ ہو فافہم۔

۴۔ عن عبداللّٰہ بن محرز قال سألت ابا عبداللّٰہ علیه السلام عن رجل اوصی الی ذهلک وترک ابنته فقال اعط الابنة النصف واترک للموالی النصف فرجعت فقال

اصحابنا لا واللّٰہ ما للموالی شیئ فرجعت الیه من قابل فقلت ان اصحابنا قالوا لیس للموالی شیئ وانما اتقاک فقال لا وللّٰہ ما اتقیتک ولکن خفت علیک ان توخذ بالنصف فان کنت لا تخاف فارفع النصف الاخرة الٰی بنته فان اللّٰہ سیودی عنک (فروع کافی۔ جلد ثالث۔ صفحه ۴۸)

اس حدیث میں بھی قریباً وہی مسئلہ فرائض کا مذکور ہے۔ جو نمبر ۳ میں بیان ہوا اور نتائج بھی وہی ہیں۔

۵۔ عن زرارة قال سألت ابا جعفر علیه السلام عن الجدفقال ما اجد احداً قال فیه الابرایه الا امیر المومنین علیه السلام قلت اصلحک اللّٰہ فما قال فیه امیر المومنین فقال اذا کان غدا فالقنی حتی اقرئکه فی کتاب قلت اصلحک اللّٰہ حدثنی فان حدیثک احب الی من ان تقرئنیه فی کتاب فقال لی الثانیة اسمع ما اقول لک اذا کان غدا فالقنی حتی اقرئک فی کتاب فاتیته من الغد بعد الظهر و کانت ساعتی التی کنت اخلوبه فیها بین الظهر والعصر وکنت اکره ان اساله الاخالیاخشیة۔ ان یفتینی من اجل من یحضره بالتقیة فلما دخلت علیه اقبل علی ابنه جعفر فقال اقرأ زرارة صحیفة الفرائض ثم قام لینا م فبقیت انا وجعفر فی البیت فقام فاخرج الی صحیفة مثل فخذ البعیر فقال لست اقرئکها حتی تجعل لی اللّٰہ علیک ان لا تحدث بما تقرأ فیها احدا ابدا حتٰی اٰذن لک ولم یقل حتی یاذن لک ابی فقلت اصلحک اللّٰہ ولم تضیق علی ولم یامزک ابوک بذلک فقال لی ما انت بناظرفیها الا علی ماقلت لک فقلت فذاک لک وکنت رجلا عالما بالفرائض والوصا یا بصیرا بها حاسبا لها لبثت الزمان اطلب شیئا یلقی علی من الفرائض والوصایا لا اعلمه فلا اقدر علیه فلما القی الی طرف الصحیفة اذا کتاب غلیظ یعرف انه من کتب الاولین فنظرت فیها فاذا فیها خلاف مابا یدی الناس من الصلة والامر بالمعروف الذی لیس فیه اختلاف واذا عامته کذلک فقرأتهٗ حتی اتیت علی اٰخره بخبث نفس وقلة تحفظ واسقام رای وقلت وانا اقرأه باطل حتی اتیت علی اٰخره ثم ادرجتها ورفعتها الیه فلما اصبحت لقیت ابا جعفر علیه السلام فقال لی اقرأت صحیفة الفرائض فقلت نعم فقال کیف رأیت ماقرأت قال فقلت

باطل لیس بشیئی ھو خلاف ما الناس علیه قال فان الذی رایت واللّٰہ یازرارۃ ھو الحق الذی رایت املاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واٰله وخط علی علیه السلام بیدہ فاتانی الشیطان فوسوس فی صدری فقال رمایدریه انه املاء رسول اللّٰہ وخط علیؑ بیدہ فقال لی قبل ان انطق یا زرارۃ لا تشکن ودالشیطان واللّٰہ انک شککت وکیف لا ادری انه املاء رسول اللّٰہ وخط علیؑ بیدہ وقد حدثنی ابی عن جدی ان امیر المومنین علیه السلام حدثه ذلک الحدیث

(فروع کافی۔ جلد ثالث' باب میراث الولد مع الابوین۔ صفحہ ۵۲)

ترجمہ: " زرارہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے میراث جد کا مسئلہ پوچھا۔ امام نے جواب میں فرمایا۔ کہ میں دیکھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں سوائے امیرالمومنین علیہ السلام کے جس کسی نے کچھ کہا ہے۔ اپنی رائے سے کہا ہے میں نے عرض کی خدا آپ کی حالت درست کرے۔ امیرالمومنین نے اس مسئلہ میں کیا فرمایا ہے۔ امام نے جواب دیا کہ کل مجھ سے ملنا تاکہ میں کتاب میں تجھے یہ مسئلہ پڑھا دوں۔ میں نے عرض کی۔ خدا آپ کی حالت درست کرے۔ آپ مجھ سے زبانی فرما دیجئے۔ کیونکہ آپ کا زبانی فرمانا میرے نزدیک کتاب میں پڑھانے سے پسندیدہ تر ہے۔ پس امام نے دوسری دفعہ مجھ سے فرمایا کہ سن جو کچھ میں تجھ سے کہتا ہوں۔ کل مجھ سے ملنا تاکہ میں تجھ کو کتاب میں پڑھا دوں۔ اس لئے میں دوسرے روز ظہر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں امام سے خلوت میں ظہر و عصر کے درمیان ملا کرتا تھا۔ اور سوائے خلوت کے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ کہ مبادا آپ کی خدمت میں کوئی غیر شخص حاضر ہو۔ اور آپ اس کے سبب سے مجھے تقیہ میں فتویٰ دیں۔ جب میں آپ کے پاس گیا۔ تو آپ اپنے صاحبزادے جعفر صادق کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ زرارہ کو صحیفہ فرائض پڑھا دو۔ پھر آپ سونے کے لئے اٹھے۔ اور میں اور جعفر گھر میں باقی رہ گئے۔ جعفر نے اٹھ کر اونٹ کی ران کو مثل ایک صحیفہ میرے واسطہ نکالا۔ اور فرمایا کہ میں تجھے یہ صحیفہ نہیں پڑھانے کا۔ یہاں تک کہ تو خدا کی قسم کھائے۔ کہ جو کچھ تو اس میں پڑھے گا وہ کبھی کسی کو نہ بتائے گا۔ یہاں تک کہ میں تجھے اجازت دوں۔ اور یوں نہ کہا۔ کہ میرا باپ تجھے اجازت دے۔ میں نے عرض کی کہ خدا آپ کی حالت درست کرے۔ آپ مجھے کیوں تنگ کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے والد نے آپ کو ایسا حکم نہیں دیا۔

پس آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تو اس صحیفہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر اسی شرط پر جو میں نے تجھ سے بیان کی۔ میں نے عرض کی۔ کہ آپ کی وہ شرط مجھے منظور ہے۔ میں فرائض ووصایا کا ایسا عالم و مبصرو حساب دان تھا۔ کہ عرصہ دراز تک میں فرائض و وصایا کے ایسے مسئلہ کی تلاش میں رہا جو مجھے معلوم نہ ہو۔ مگر نہ مل سکا۔ جب جعفر صادق نے میری طرف صحیفہ فرائض پھینکا تو ناگاہ وہ ایک ضخیم کتاب تھی۔ جو کتب اولین میں سے معلوم ہوتی تھی۔ میں نے جو اس میں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ اس میں خلاف ہے اس صلہ و امر بالمعروف کا جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور جس میں اختلاف نہیں۔ صحیفہ کا عام حصہ ایسا ہی تھا۔ پس میں نے اس کو شروع سے آخر تک خباثت نفس کے ساتھ پڑھا۔ اور کم یاد رکھا اور غلط سمجھا۔ جب میں اسے پڑھ رہا تھا تو میں نے کہا کہ باطل ہے۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو ختم کیا۔ پھر میں نے اسے لپیٹ لیا۔ اور اٹھا کر جعفر صادق کو دے دیا۔ جب صبح کو میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ملا۔ تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تو نے صحیفہ فرائض پڑھا۔ میں نے عرض کی کہ ہاں۔ فرمایا کہ تو نے جو کچھ پڑھا اس کے خلاف ہے۔ امام نے فرمایا کہ اے زرارہ خدا کی قسم کہ جو کچھ تو نے دیکھا وہی حق ہے۔ جو کچھ کہ تو نے دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لکھایا ہوا اور علی علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں بولوں امام نے کہا۔ کہ اے زرارہ تو ہرگز شک نہ کر۔ قسم بخدا شیطان نے چاہا کہ تو شک کرے۔ مجھے کیونکر معلوم نہ ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لکھایا ہوا اور علی علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے مجھ سے ایسا ہی بیان کیا۔ (انتہی)

اس سے امور ذیل معلوم ہوئے

۱۔ ائمہ مخالفین کے سامنے تقیہ سے غلط فتویٰ دیتے تھے۔

۲۔ ائمہ اپنے اصحاب سے بھی مسائل دین چھپاتے تھے۔ چنانچہ امام صادق نے صحیفہ فرائض کے دکھانے کے لئے زرارہ پر یہ شرط پیش کی کہ وہ کسی موافق یا مخالف کے سامنے بغیر اجازت کے اس کے مسائل کبھی بیان نہ کرے گا۔ زرارہ نے ہرچند چاہا کہ اس شرط سے پہلو تہی کرے۔ اور گستاخانہ لہجہ میں کہا کہ آپ کے والد نے آپ کو ایسا حکم نہیں دیا۔ مگر امام صادق نے اصرار کیا۔ یہاں تک کہ زرارہ اس شرط کے قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔

۳۔ زرارہ جو علم فرائض و وصایا میں ایسا ماہر تھا کہ مدتوں اس امر کی تلاش میں رہا۔ کہ کوئی ایسا مسئلہ
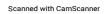
فرائض ملے جو اسے معلوم نہ ہو مگر نہ ملا۔ اور امام سے خلوت ہی میں مسائل دریافت کیا کرتا تھا۔ اس نے جب صحیفہ فرائض پڑھا۔ تو کہا کہ باطل ولاشئے ہے۔ جب اصحاب سے بھی کتمان مسائل کیا جائے۔ اور تقیہ رکھا جائے۔ تو جس قدر احادیث ائمہ فرائض وغیرہ کے متعلق ہیں کوئی احتمال تقیہ سے خالی نہیں۔

۴۔ جب امام باقرؑ نے قسم کھا کر کہا کہ صحیفہ رسول ﷺ اللہ کا لکھایا ہوا اور حضرت علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ تو بھی زرارہ نے باغوائے شیطان اس کے تسلیم کرنے میں تامل کیا۔

۵۔ جب صحیفہ فرائض کے احکام خلاف معلومات زرارہ و دیگر علماء تھے۔ یا تو وہ قرآن کریم کے موافق تھے۔ یا مخالف۔ شق اول میں بسبب کتمان ماانزل اللہ کے ائمہ معاذ اللہ مصداق ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدی من بعد ما بینه للناس فی الکتاب اولٰئک یلعنھم اللّٰہ ویلعنھم اللّٰعنون (بقرہ۔ ع ۱۹) کے ٹھہرے۔ شق ثانی میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ائمہ ہدیٰ خلوت میں قرآن کے خلاف تعلیم دیا کرتے تھے۔ غرض دونوں شق میں شیعہ نے ائمہ ہدیٰ کو ائمہ یدعون الی النار کا مصداق بنا رکھا ہے۔

۶۔ **عن ابان بن تغلب قال سمعت ابا عبداللّٰہ علیه السلام یقول کان ابی علیه السلام یفتی فی زمن بنی امیة ان ما قتل البازی والصقر فھو حلال وکان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرام ماقتل**

(فروع کافی۔ مجلد ثانی۔ جزء ثانی۔ باب صید البزاۃ والصقور وغیر ذلک۔ صفحہ ۸۰)

"ابان بن تغلب کا بیان ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کہ میرے والد علیہ السلام بنی امیہ کے زمانہ میں تقیہ سے یہ فتویٰ دیتے تھے۔ کہ جسے باز یا شکرا مار ڈالے وہ حلال ہے۔ اور میں تقیہ نہیں کرتا اور فتویٰ دیتا ہوں کہ وہ مقتول حرام ہے۔ (انتہیٰ)

اس کے متعلق تنقیح المسائل صفحہ ۱۳۴ میں یوں لکھا ہے۔

"اے مسلمانو! کیا غضب کا مسئلہ تقیہ کا ہے۔ کہ ایک امام بخاطر بادشاہ وقت کے حرام کو حلال بتاتے رہے۔ دوسرے اس کو حرام فرماتے ہیں۔ اور تقیہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ تقیہ کیا ہے۔ ایک تماشا ہے۔ جو لوگ مطابق ارشاد و فتاویٰ امام باقرؑ کے عمل کرتے رہے۔ وہ تو مفت میں حرام خوار رہے۔ خدا جانے امام صاحب حرام کو حلال ٹھہرانے کا کیا جواب دیں گے۔ امت تو قیامت کے دن امام کا فتویٰ دکھا دے گی۔ کیوں حضرات امامیہ اسی کا نام امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔

اور اسی کو لا یخافون لومتہ لائم کہتے ہیں۔ اور یہی عمل ہے وصیت آخری رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور یہی مضمون ہے کتاب مختوم کا۔ کاش حلال و حرام میں مسح موزہ کے برابر لحاظ ہوتا کہ بادشاہ سے بھی نہ ڈرتے۔ فتدبر۔ (انتہی)

۷۔ **عن زرارة قال قلت له هل فی مسح الخفین تقیة فقال ثلاثة لا اتقی فیهن احدا شرب المسکر ومسح الخفین و متعة الحج**

(استبصار۔ مطبوعہ مطبع لکھنؤ۔ جزء اول۔ صفحہ ۳۹۔ فروع کافی۔ باب مسح الخف جزء اول۔ صفحہ ۱۷)

ترجمہ: ”زرارہ کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر سے پوچھا۔ کہ آیا مسح خفین میں تقیہ جائز ہے۔ امام نے جوابدیا کہ تین چیزوں میں میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا۔ یعنی شرب مسکر مسح خفین و متعۃ الحج (انتہی) اسی طرح من لا یحضرہ الفقیہ (مطبوعہ مطبع جعفری جزء اول ۔ صفحہ) میں ہے۔ قال العالم علیه السلام ثلاثة لا اتقی فیها احد اشرب المسکر والمسح علی الخفین ومتعة الحج۔

۸۔ حاجی محمد کریم خاں کرمانی نے ارشاد العوام۔ (مطبوعہ ایران۔ جلد سوم۔ صفحہ ۱۱۱) میں لکھا ہے۔ کہ تمام شرائع جو ائمہ نے بیان کیں۔ ان میں تقیہ کی آمیزش تھی۔ اور یہ امر فقہائے اہل بیت کے نزدیک بدیہی ہے۔ کہ ان کا تقیہ اعلیٰ درجہ کا تھا۔ یہاں تک کہ بسا اوقات وہ تقیہ سے روزہ کھا جایا کرتے تھے۔ اور مخالفین کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور ان کے دل خواہ احکام بیان فرماتے تھے۔ رہے حضرت پیغمبر ﷺ۔ سو اہل سنت اور ہمارے بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ آپ تقیہ نہ فرماتے تھے۔ مگر مذہب حق یہ ہے کہ آپ نہایت سخت تقیہ فرماتے تھے۔ یہ حوالہ اصل فارسی میں پہلے نقل ہو چکا ہے۔

۹۔ **عن زرارة عن ابی جعفر علیه السلام قال التقیة فی کل ضرورة وصاحبها اعلم بها حین تنزل به** (اصول کافی۔ صفحہ ۴۸۴)

ترجمہ: ”زرارہ کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ تقیہ ہر ضرورت میں ہے۔ اور صاحب ضرورت اس کو جانتا ہے۔ جب کہ اس کو ضرورت لاحق ہو۔ (انتہی)

اس سے ثابت ہے کہ تقیہ ہر ایک ضرورت میں جائز ہے خواہ وہ کیسی ہی خفیف ہو۔

۱۰۔ **عن سفیان بن مصعب العبدی قال دخلت علی ابی عبدالله علیه السلام فقال قولوا لام فروة محیی فتسمع ما صنع بجدها قال فجاءت فقعدت**

خلف الستر ثم قال فانشدنا قال فقلت له فرو جودی بدمعک المسکوب قال۔ فصاحت و صحن النساء و قال ابو عبداللّٰہ علیه السلام الباب الباب فاجتمع اهل المدینة علی الباب قال فبعث الیهم ابو عبداللّٰہ علیه السلام وصبی لنا غشی علیه فصحن النساء (کتاب الروضہ کلینی۔ صفحہ ۱۰۲)

ترجمہ: "سفیان بن مصعب عبدی کا بیان ہے۔ کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ام فروہ سے کہہ دو۔ کہ آکر اپنے جد بزرگوار کی شہادت کا واقعہ سن لیں۔ راوی کا قول ہے۔ کہ وہ آئیں اور پردے کے پیچھے بیٹھ گئیں۔ پھر راوی کا بیان ہے۔ ایک امام نے ہم کو اشعار پڑھ کر سنائے۔ اس پر میں نے کہا۔ اے ام فروہ تو خوب آنسو بہا۔ یہ سن کر ام فروہ چیخ اٹھیں۔ اور دوسری عورتیں بھی چلا اٹھیں۔ امام نے فرمایا کہ دروازے کی خبر لو۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اہل مدینہ دروازے پر جمع ہیں۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ امام نے ان کو کہلا بھیجا کہ ہمارا ایک بچہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس لئے عورتیں رونے لگیں۔ (انتہیٰ)

ائمہ بنا بر اصول شیعہ عالم ماکان وما یکون ہوتے ہیں۔ اس لئے امام صادق کو معلوم تھا۔ کہ اگر مجلس عزا قائم کی گئی۔ اور اس میں عورتوں کو بلایا گیا تو مجھے تقیہ کرنا پڑے گا۔ ایسی حالت میں انہوں نے مجلس عزا کیوں قائم کی اور کیوں عورتوں کو اس میں بلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام کو جھوٹ بولنا پڑا۔ پس ثابت ہوا کہ محض جھوٹ بولنے کے لئے یہ کارروائی کی تھی۔ اس قصہ سے ظاہر ہے کہ ائمہ بلا ضرورت بھی تقیہ کیا کرتے تھے۔

۱۱۔ رجال کشی میں مذکور ہے کہ داؤد رقی نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ وضو میں اعضاء کا غسل کتنی بار چاہئے امام نے فرمایا کہ خدا نے ایک بار دھونا واجب کیا ہے۔ لوگوں کے ضعف کے سبب رسول اللہ ﷺ نے ایک بار کا اضافہ کر دیا۔ جو شخص تین بار دھوتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ داؤد رقی کی موجودگی میں داؤد بن زربی امام کی خدمت میں آیا۔ اور وہی مسئلہ دریافت کیا۔ امام نے جواب دیا کہ تین تین بار دھونا چاہئے۔ جو شخص اس سے کم دھوتا ہے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ کسی نے جواب دیا کہ تین تین بار دھونا چاہئے۔ جو شخص اس سے کم دھوتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ کسی نے ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی سے ابن زربی کی شکایت کر دی۔ اور کہہ دیا کہ وہ تو رافضی ہے۔ امام جعفر بن محمد کے پاس آتا جاتا ہے۔ منصور نے کہا کہ میں جعفر بن محمد کے وضو سے واقف ہو۔ اگر ابن زربی نے جعفر بن محمد کی طرح وضو کیا۔ تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ مگر

جب دیکھا گیا۔ کہ ابن زربی تین تین بار دھوتا ہے تو اسے بلا بھیجا۔ اور معذرت کے بعد اسے ایک لاکھ درہم عطا کئے کتاب کے الفاظ یہ ہیں۔

وکان قد القی الی ابی جعفر امراداؤد بن زربی وانه رافضی یختلف الی جعفر بن محمد فقال ابو جعفر المنصور انی مطلع علی طهارته فان هو توضأ وضوء جعفر بن محمد فانی لاعرف طهارة حققت علیه القول وقتلته۔ الخ۔ (رجال کشی۔ صفحہ ۲۰۱)

ترجمہ: "پس جب منصور عباسی کو امام جعفر صادق کا رافضی ہونا معلوم تھا اور وہ امام صاحب کا کچھ بگاڑ نہ سکتا تھا۔ تو امام صاحب نے جس قدر جھوٹ اس عرصہ میں بولے سب بے ضرورت تھے۔

۱۲۔ شیعہ کا شہید ثالث مجالس المومنین میں یوں لکھتا ہے۔

" درکتاب مختار از سعید منقول است کہ گفت روزے در خدمت حضرت امام جعفرؑ بودم کہ دو کس اذن دخول در مجلس اور طلبیدند وآن حضرت ایشان را اذن کرد تادر آمدند۔ چون نشستند یکے از ایشان از اہل مجلس پر سید کہ ایا درمیان شما امامے مفترض الطاعۃ ہست۔ آنحضرت در جواب فرمودند کہ چنین کسے درمیان خود نمے شناسم۔ او گفت در کوفہ قومے ہستند کہ زعم ایشان آنست کہ درمیان شما امام مفترض الطاعۃ موجود است و ایشان دروغ نمے گویند کہ اصحاب ورع واجتہاد ند از جملہ ایشان عبداللہ بن یعفور و فلان و فلان اند۔ پس آنحضرت فرمود من ایشان رابایں اعتقاد امر نکروہ ام وباظہار آن اجازت ندادہ ام گناہ من چیست و مقارن این گفتار بر رخسار مبارک او اثار احمرار و غضب بسیار ظاہر شد۔ چون آن دو کس اورادر غضب دید نداز مجلس برخا ستند" (انتہیٰ)

اس سے ظاہر ہے کہ ائمہ تقیہ سے اپنی امامت سے اور امر باعتقاد امامت سے بھی منکر ہو جاتے تھے۔

تقیہ کی تردید

تقیہ کی امثلہ مذکورہ بالا سے اس کی حقیقت اور اس کے استعمال کی وسعت ناظرین پر بخوبی واضح ہے۔ جب جواز تقیہ کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو حالت اکراہ پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کی نسبت ہم گذارش کرتے ہیں کہ صرف اکراہ بالقتل کی صورت میں عوام کے لئے برتقدیر عدم امکان توریہ تقیہ رخصت

ہے۔ نہ عزیمت۔ مگر امامیہ کے ہاں ائمہ کو جس تقیہ کا لائسنس عطا ہوا ہے۔ وہ کسی شرط سے مقید نہیں۔ اس کے لئے نہ تو جبر و اکراہ کے ثبوت کی ضرورت ہے اور نہ کوئی اور خاص وجہ درکار ہے۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مصلحت وقت ہی تھی۔ وہ تقیہ نہ دوست پر منحصر ہے۔ نہ دشمن پر۔ اگر ایک طرف خلفائے عباسیہ سے تقیہ کیا جا رہا ہے۔ تو دوسری طرف اپنے اصحاب سے بھی یہی سلوک ہے۔ بحث تو اس امر میں ہے کہ آیا انبیاء و ائمہ کے لئے جن کا منصب تبلیغ احکام شریعت ہے تقیہ جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے لئے کسی صورت میں تقیہ جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کلام پاک میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت یوں بیان فرماتا ہے۔ الذین یبلغون رسٰلت اللّٰہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللّٰہ (احزاب۔ ع ۵)

یعنی یہ پیغمبر خدا کے پیغام پہنچایا کرتے تھے۔ اور خدا سے ڈرتے تھے۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ (انتہیٰ)

بلکہ عہد صدیقی کے مسلمانوں کی شان میں وارد ہے۔

ولا یخافون لومۃ لائم (مائدہ۔ ع ۸)

ترجمہ: "اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ (انتہیٰ)

حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ آپ نے مکہ میں ۱۳ سال جہاد فرض نہ ہوا تھا۔ اور نہ ہجرت کی اجازت ملی تھی کس قدر سختیاں جھیلیں۔ مگر ایک لحہ کے لئے بھی کفار کے ساتھ بتقیہ موافقت نہ کی۔ اور وجوب جہاد کے بعد آپ نے جس سرگرمی کے ساتھ غزوات میں حصہ لیا وہ محتاج بیان نہیں۔ امامیہ اپنے ائمہ کے لئے وہ خصوصیات بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کی موجودگی میں تقیہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ بالفرض اگر ائمہ خوف جان یا اذیت کے سبب سے حق بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ تو ان پر ہجرت واجب تھی بموجب ان آیتوں کے۔

ان الذین توفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیما کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللّٰہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولٰئک مأوٰھم جھنم وسآءت مصیراً○ الا المستضعفین من الرجال والنسآء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلاً○ فاولٰئک عسی اللّٰہ ان یعفو عنھم وکان اللّٰہ عفواً غفوراً (نساء۔ ع ۵)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ ظلم کر

رہے تھے۔ اپنی جانوں پر کہتے ہیں فرشتے کہ تم کس دین میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ناتواں تھے زمین میں۔ فرشتے کہتے ہیں۔ کیا نہ تھی خدا کی زمین کشادہ کہ وطن چھوڑ کر اس میں چلے جاتے۔ سو ایسوں کا ٹھکانا ہے۔ دوزخ۔ اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی۔ مگر ناتوان مرد اور عورتیں اور بچے جو کوئی حیلہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ کوئی راہ پاتے ہیں۔ سو ایسوں کو قریب ہے کہ خدا معاف کر دے اور خدا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ (انتہیٰ)

تفسیر صافی میں اس مقام پر ہے۔

اقول وفی الایة دلالة علی وجوب الهجرة من موضع لا یتمکن الرجل فیه من اقامة دینه۔

"یعنی میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ آدمی پر ایسی جگہ سے ہجرت واجب ہے جہاں وہ اپنا دین قائم رکھنے پر قادر نہ ہو۔ (انتہیٰ)

جب باوجود اس حکم الٰہی کے ائمہ نے ہجرت نہ کی۔ تو ثابت ہوا کہ وہ تقیہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ اظہار حق فرماتے رہے۔ ائمہ بڑھیا عورت یا بوڑھے مرد یا بچے نہ تھے۔ کہ راہ چلنا اور گھر سے نکلنا ان کے لئے محال تھا تاکہ معذور سمجھے جاتے۔ اس سے شیعہ کے ساختہ پرداختہ تقیہ کی تردید اظہر من الشمس ہے۔

دوم۔ کتب شیعہ میں روایات ذیل موجود ہیں۔

۱۔ **عن الاصبغ بن بناتة قال قال امیر المومنین علیه السلام لا یجد عبد طعم الایمان حتی یترک الکذب هزله وجده** (اصول کافی۔ باب الکذب)

"اصبغ بن بناتہ کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ ایمان کا ذائقہ نہیں پاتا۔ جب تک کہ کذب کو ہزل ہو یا جد نہیں چھوڑتا۔ (انتہیٰ)

۲۔ **عن ابی جعفر علیه السلام قال کان علی بن الحسین علیهما السلام یقول لولده اتقوا الکذب الصغیر منه والکبیر فی کل جد وهزل فان الرجل اذا کذب فی الصغیر اجتری علی الکبیر اما علمتم ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله قال ما یزال العبد یصدق حتی یکتبه اللّٰه صدیقا وما یزال العبد یکذب حتی یکتبه اللّٰه کذابا** (اصول کافی۔ باب الکذب)

"امام زین العابدین علیہ السلام اپنے بیٹوں سے فرماتے تھے۔ کہ تم ہر جد و ہزل چھوٹے بڑے جھوٹ بچو۔ کیونکہ آدمی جب چھوٹا جھوٹ بولتا ہے۔ تو اسے بڑے جھوٹ کی جرأت ہو جاتی

ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندہ سچ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا اس کو صدیق لکھ لیتا ہے۔ اور بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا اس کو کذاب لکھ لیتا ہے۔ (انتہیٰ)

۳۔ **عن ابی جعفر علیه السلام قال ان اللّٰه عزوجل جعل للشر اقفالاً وجعل مفاتیح تلک الاکفال الشراب والکذب شرمن الشراب** (اصول کافی۔ باب الکذاب)

"امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ عزوجل نے برائی کے لئے تالے بنائے ہیں۔ اور شراب کو ان تالوں کی کنجیاں بنایا ہے اور کذب شراب سے بھی برا ہے۔ (انتہیٰ)

۴۔ **عن ابی عبداللّٰه علیه السلام قال من لقی المسلمین بوجهین ولسانین جاء یوم القیامة وله لسانان من نار** (اصول کافی۔ باب ذی اللسانین۔)

"یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے کہ ذو وجهین ذولسانین قیامت کے دن آئے گا۔ اور اس کی دو زبانیں آگ کی ہوں گی۔ (انتہیٰ)

۵۔ **عن محمد بن مسلم قال قال ابو جعفر علیه السلام لا دین لمن دان بطاعة من عصی اللّٰه الحدیث** (اصول کافی۔ باب من طاع المخلوق فی معصیۃ الخالق)

"امام محمد باقر علیہ السلام کا قول ہے۔ کہ اس شخص کا کوئی دین نہیں جس نے خدا کے نافرمان کی اطاعت کی۔

۶۔ **عن ابی عبداللّٰہؑ عن ابیہؑ عن جابر بن عبداللّٰه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله من ارضی سلطانًا بسخط اللّٰه خرج من دین اللّٰه۔** (اصول کافی۔ باب من اطاع المخلوق فی معصیۃ الخالق)

"یعنی امام محمد باقرؑ جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص خدا کو ناراض کرکے کسی بادشاہ کو راضی کرے۔ وہ خدا کے دین سے نکل گیا۔

۷۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کو جن باتوں کی وصیت کی ان میں سب سے پہلے سچ بولنا تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اما الاولی فالصدق ولا تخرجن عن فیک کذبة ابدا۔ ()

"یعنی خصلت اولی سچ بولنا ہے۔ تیرے منہ سے کبھی جھوٹ ہرگز نہ نکلے (روضہ کلینی۔ صفحہ

(۲۹

۸۔ نہج البلاغہ (مطبوعہ بیروت۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۱۲۹) میں ہے۔

الایمان ان توثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک۔

"یعنی ایمان یہ ہے کہ تو صدق کو جہاں تجھے نقصان دے کذب پر جہان تجھے نفع دے ترجیح دے۔ (انتہی)

۹۔ حضرت امیر علیہ السلام کی وصیت میں ہے۔

اللّٰہ اللّٰہ فی النساء وفیما ملکت ایمانکم فان اٰخرما تکلم بہ نبیکم ان قال اوصیکم بالصعیفین النساء وما ملکت ایمانکم الصلٰوۃ الصلٰوۃ الصلٰوۃ لا تخافوا فی اللّٰہ لومۃ لائم ولا تترکوا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فیولی اللّٰہ امرکم شرارکم ثم تدعون فلا یستجاب لکم۔ (فروع کافی۔ مجلد ثالث۔ صفحہ ۲۹)

" تم اپنی عورتوں اور لونڈیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تمہارے پیغمبر ﷺ کا آخری کلام یہ تھا۔ کہ میں تمہیں دو کمزوروں یعنی تمہاری عورتوں اور لونڈیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ (قائم رکھو) نماز کو نماز کو نماز کو' دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو۔ اور امربالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑو۔ ورنہ اللہ تم میں سے شریروں کو تمہارے حاکم بناوے گا۔ پھر تم دعائیں کروگے مگر قبول نہ کی جائے گی۔ (انتہی)

جب ائمہ صدق و کذب کے باب میں دوسروں کو وہ تعلیم دیتے تھے جو اوپر مذکور ہوئی۔ تو ان کی نسبت یہ گمان کرنا بیجا ہے کہ وہ تقیہ کیا کرتے تھے۔ یعنی جھوٹ بولا کرتے تھے۔ یا ذووجھین و ذولسانین تھے۔ یا بخوف خلیفہ وقت اظہار باطل کیا کرتے تھے۔ اور جناب پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی آخری وصیت کے خلاف امربالمعروف و نہی عن المنکر نہ کیا کرتے تھے۔

سوم امام رضا علیہ السلام امام و امامت کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں۔

ان الامامۃ زمام الدین ونظام المسلمین وصلاح الدنیا وعز المومنین ان الامامۃ اس الاسلام النامی وفرعہ السامی بالامام تمام الصلٰوۃ والزکٰوۃ والصیام والحج والجھاد و توفیر الفئ والصدقات وامضاء الحدود

والاحکام ومنع الثغور والاطراف۔ الامام یحل حلال اللّٰہ ویحرم حرام اللّٰہ ویقیم حدود اللّٰہ ویذب عن دین اللّٰہ ویدعو الی سبیل ربہ بالحکمة والموعظة الحسنة والحجة البالغة الامام کالشمس الطالعة المجللة بنورھا للعالم وھی فی الافق بحیث لا تنالھا الا یدی والابصار۔ الامام البدر المنیر والسراج الزاھر والنور الساطع والنجم الھادی فی غیاھب الدجی واجوان البلدان والقفار والبحج البحار۔ الامام------ الماء العذب علی الظماء والدال علی الھدی والمنجی من الردی۔ الامام النار علی البقاع الحار لمن اصطلی بہ والدلیل فی المھالک من فارقہ فھالک الامام السحاب الماطروالغیث الھاطل والشمس المضیئة والسماء الظلیلة والارض البسیطة والعین الغزیرة والغدیر والروضة۔ الامام الانیس الرفیق والوالد الشفیق والاخ الشقیق والامام البرة بالولد الصغیر ومفزع العباد فی العباد فی الداھیة الناد۔ الامام امین اللّٰہ فی خلقہ وحجة علی عبادہ وخلیفتہ فی بلادہ والداعی الی اللّٰہ والذاب عن حرم اللّٰہ۔ الامام المطھرمن الذنوب والمبرأ من العیوب المخصوص بالعلم الموسوم بالحلم نظام الدین وعز المسلمین وغیظ المنافقین وبوار الکافرین۔ الامام واحد دھرہ لا یدانیہ احدولا یعادلہ عالم ولا یوجد منہ بدل ولا لہ مثل ولا نظیر مخصوص بالفضل کلہ من غیر طلب منہ لہ ولا اکتساب بل اختصاص من المفضل الوھاب (اصول کافی۔ ص ۱۲۰)

ترجمہ: "بے شک امامت دین کی باگ اور مسلمانوں کا نظام اور دنیا کی صلاح اور مومنوں کی عزت ہے۔ بے شک امامت درخت اسلام کی بڑھنے والی جڑ اور اس کی بلند شاخ ہے بے شک امام کے ساتھ نماز زکوٰۃ روزہ حج جہاد کا کمال اور فئے اور صدقات کی کثرت اور حدود و احکام شرع کا جاری کرنا اور ملکی سرحدوں اور اطراف بلاد واسلام کی حفاظت ہے۔ امام خدا کے حلال کو حلال اور خدا کے حرام کو حرام کرتا ہے۔ اور خدا کی حدود کو قائم رکھتا ہے۔ اور خدا کے دین سے ضرر کو دفع کرتا ہے اور خدا کے راستے کی طرف حکمت و موعظہ حسنہ اور حجت بالغہ کے ساتھ بلاتا ہے۔ امام مانند نکلے ہوئے آفتاب کے ہے۔ جو اپنی روشنی سے دنیا کو

گھیر لیتا ہے۔ حالانکہ وہ ایسے بلند مرتبہ میں ہے کہ اس تک ہاتھ اور آنکھیں نہیں پہنچ سکتیں۔ امام بدر منیر اور چراغ درخشاں اور بلند روشنی ہے۔ اور نہایت تاریک راتوں میں شہروں اور بیانوں اور سمندروں کی گہری جگہوں کے درمیان رہنما ستارہ ہے۔ امام نہایت تشنگی پر خوشگوار پانی ہے۔ اور راستی کی طرف رہنما اور ہلاکت سے نجات دینے والا ہے۔ امام آگ ہے اس کے لئے جو راہ گم کردگاں کی راہ یابی کا پیاسا ہے اور گرم ہے اس کے لئے جو سرمائے جہالت کی ضرر کے دور کرنے کے لئے اسے تاپے اور کثرت ہلاکت کی جگہوں میں رہنما ہے جو شخص اس سے جدا ہو وہ ہلاک ہو گیا۔ امام برسنے والا بادل اور باران بزرگ قطرہ اور روشنی دینے والا آفتاب اور بلند آسمان اور زمین گسترده اور چشمہ پر آب اور دریا اور باغات سبزہ زار ہے امام انیس رفیق اور والد مہربان اور برادر حقیقی اور چھوٹے بچہ پر مادر مہربان ہے۔ اور عاجز کرنے والی بلا میں بندوں کی پناہ ہے۔ امام خلق خدا میں امین خدا اور اس کے بندوں پر حجت اور اس کے شہروں میں خلیفہ ہے۔ اور اللہ کی طرف بلانے والا اور حرمات اللہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ امام گناہوں سے پاک اور عیبوں سے دور رکھا گیا ہے۔ اور مخصوص بالعلم اور موسوم بالحلم ہے۔ اور نظام دین و عزت مسلمین و خشم منافقین و ہلاکت کافرین کا باعث ہے۔ امام اپنے زمانے کا یگانہ ہوتا ہے۔ کوئی اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ اور کوئی عالم اس کے برابر نہیں۔ اور نہ کوئی اس کا مثل و نظیر ہے۔ وہ ہر ایک فضیلت سے مخصوص ہوتا ہے۔ جو اسے بن مانگے اور بغیر کسب کے خدا سے ملی ہوتی ہے۔ جو فضیلتوں کا دینے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ (انتہیٰ)

کتاب الخصال لابن بابویہ میں امام کی تیس علامتوں میں سے اس کا اعلم الناس، احلم الناس، اتقی الناس، اعلم الناس، اشجع الناس، اسخی الناس، اعبد الناس، ہوتا ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ امام ذوو جھین ہوں اور ایک ایک سوال کے تین تین مختلف جواب ایک ہی مسئلہ میں خواص اصحاب کو کر دیا کریں اور ستروجہ اپنے مخرج کا ایک مسئلہ میں سوچ لیں اور دین میں خود اختلاف ڈال دیں۔ اور ماموں رشید کو برسر منبر امیر المومنین کہہ دیں۔ تو امامت کی تعریف ان پر کس طرح صادق آسکتی ہے۔ اور جواز تقیہ کی حالت میں واقع کے مطابق مسئلہ شرعیہ کا جواب کیونکر دے سکتے ہیں۔ فرض کرو کہ تجہیز عساکر فتح بلا و اجرائے حدود شرعیہ اس وجہ سے نہ کر سکتے ہوں کہ شیعیان امام خالی از نفاق سترہ آدمی (اصول کافی۔ صفحہ ۴۹۶) میں میسر نہ تھے۔ اور جو میسر تھے وہ شیعہ نہ تھے۔ اور اصحاب ائمہ تشیع کا دعویٰ حصول دنیا کے

واسطے جھوٹ موٹ کیا کرتے تھے۔ مگر تعلیم احکام دین تو صحیح صحیح ہوا کرتی۔ جب وہ بھی تقیہ کے سر صدقہ ہوئی اور امامت کا مدار کتمان دین و اظہار باطن پر آرہا۔ تو امامت مصطلحہ شیعہ کہاں رہی۔ پس امامیہ تو تقیہ امام سے دست بردار ہو جائیں۔ یا امت مصطلحہ کو خیرباد کہیں۔

چہارم۔ اگر قول معصوم میں تقیہ جائز سمجھا جائے۔ تو ائمہ کی کسی حدیث پر عمل جائز نہ رہے گا اسی وجہ پر بعض علمائے امامیہ نے تقیہ نبی سے انکار کیا ہے۔ مگر انبیاء و ائمہ درباب ہدایت خلق برابر ٹھہرائے گئے ہیں۔لہٰذا تقیہ امام بھی باطل ہو گا۔

پنجم۔ امامیہ جس دلیل سے جواز تقیہ بیان کرتے ہیں۔ ہم اسی دلیل سے بطلان تقیہ ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ غار میں مخفی رہے اور اجرائے احکام الٰہی پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ امام نائب نبی ﷺ ہوتے ہیں۔ پس تقیہ میں انہوں نے نبی ﷺ کا اقتداء کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ نبی ہر امر میں حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔جب تک فاصدع بما تومر کا حکم نہ آیا تھا شعب میں رہنا بے جانہ تھا۔ اور مجمع کفار میں تشریف لے جا کر قرآن کا سنانا مامور بہ نہ تھا۔ مگر اس وقت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ دین اسلام حق نہیں اور بت پرستی جائز ہے۔ اور معاذ اللہ ہم خدا کے رسول نہیں۔ اور آیہ موصوفہ کے نزول کے بعد آپ برملا اظہار کلمۃ الحق فرماتے رہے۔ کبھی مداہنت نہ کی اور تکالیف شدید اٹھانے کے باوجود بتوں اور بت پرستوں کی مذمت فرماتے رہے۔ اور تبلیغ احکام شریعت میں کبھی خوف نہ کیا۔ پھر جب خدا کا حکم ہجرت کے واسطے آیا تو غار میں تشریف لے گئے۔ مگر غار میں مخفی ہونا تقیہ نہیں۔ کیونکہ بجائے حق کے باطل ظاہر کرنا اور جھوٹ بولنا اور اپنی نبوت سے انکار کرنا اور مخالف کی مدح کرنا یا کفار کی اطاعت کرنا یا انکے معتقدات کی تصدیق کرنا یا کفار سے موالات پیدا کرنا ثابت نہیں۔ الغرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی الٰہی کے تابع تھے۔ بغیر حکم خدائے کیوں بتلا دیتے کہ ہم کہاں اور کب جاتے ہیں۔ اور بعد نزول جہاد کے آپ کا برملا جہاد کرنا اور کفار کو مغلوب کر دینا مخفی نہیں ہے۔ بخلاف ائمہ علیہم السلام کے جن کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ وہ کتمان حق و اظہار باطل فرماتے رہے۔ اور دوست و دشمن سے تقیہ کرتے رہے۔ اور جہاد سے روکتے رہے۔ اگرچہ اقامت دین پر قادر نہ تھے۔ مگر تارک ہجرت رہے۔ پھر اقتدائے نبی کہاں رہا۔ علاوہ ازیں امامت بعد نزول آیات جہاد و شیوع اسلام و فتح بلاد و کثرت اہل اسلام کے ظہور میں آئی۔ یہ زمانہ قبل ہجرت و جوب جہاد کے اور اقتداء کرائی جاتی ہے زمانہ کا مماثل کیونکر بن سکتا ہے۔ امام جانشین تو ٹھہرائے جاتے ہیں۔ صاحب سیف و جہاد کے اور اقتداء کرائی جاتی ہے۔ زمانہ اختفائے غار کی۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے۔ اور خصوصیات

امامت وہ بیان کی جاتی ہیں۔ جو خائف ہونے کی منافی ہیں۔ مگر امام کو تابع کیا جاتا ہے قول مومن آل فرعون کا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہاں وہ شریعت سابقہ۔ کہاں احکام شریعت ختم المرسلین ﷺ۔ کہاں امام مقتدائے انام۔ کہاں ایک شخص احد من الناس آل فرعون میں۔ اور لطف یہ ہے کہ مومن آل فرعون سے بھی امام کی تطبیق ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ یعنی وہ بیچارہ کوئی نبی نہ تھا۔ جس نے نبوت و تبلیغ رسالت کا اخفا کیا ہو۔ کوئی امام نہ تھا جس پر ہدایت خلق و حمایت اسلام منحصر ہو۔ کوئی مجتہد نہ تھا کہ مسائل شرعیہ کا فتویٰ لکھنے کی خدمت رکھتا ہو۔ صرف آحاد امت میں سے ایک شخص تھا۔ جسے بحالت اظہار ایمان ہلاکت کا خوف تھا۔ اگر اس نے بحالت عدم ضرورت اظہار ایمان نہ کیا۔ تو اس کا قیام امام پر کیونکر صحیح ہو گا۔ پھر بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو اس نے باوجودیکہ اس کا کوئی یاد و مددگار نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف داری میں قصور نہ کیا۔ اور فرعونیوں کو ان عذابوں سے ڈرایا جو وحم سابقہ پر نازل ہوئے تھے۔ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ وہ شخص اظہار کفر کرتا تھا۔ غایت درجہ یہ کہ وہ اپنے ایمان کا اظہار نہ کرتا تھا۔ اور عدم اظہار ایمان مستلزم اقرار کفر نہیں ہے۔ معہذا اس کے کتمان ایمان کی مدح قرآن میں کہاں ہے۔ صرف اس کا ذکر ہے۔ پھر سارے احکام شرع شریف ختم المرسلین ﷺ کو چھوڑ کر حضرات ائمہ اس کی سنت پر کیوں چل نکلے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی زوجہ کو اختی کہنا تقیہ نہ بلکہ توریہ تھا جو حالت اضطرار میں جائز ہے۔ امامیہ اکثر آیہ الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اور آیہ الاان تتقوا منھم تقۃ اور جواز تقیہ امام میں پیش کرتے ہیں۔ مگر ان آیتوں کا حکم عوام امت سے متعلق ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اگر ائمہ اس حکم کے مصداق ٹھہریں۔ تو ساری خصوصیات و ذاتیات امامت سے فارغ خطی دینی پڑتی ہے۔ کیونکہ جو امام تنہا قوم عاد سے جہاد کریں۔ اور لشکر جن سے مقابلہ کریں۔ اور ان کا خوف غیب سے قلوب خلائق پر ایسا طاری ہوتا ہے۔ کہ سوائے ان کی تعظیم کرنے کے کچھ بن نہیں پڑتی۔ اور ملائکہ ان کے تابع فرمان ہوئے ہیں۔ اور شجاعت میں ایسے اور طاقت میں اتنے زبردست ہوتے ہیں۔ کہ کسی سے مغلوب و خائف نہیں ہوتے۔ (نہج البلاغہ جزء ثانی۔ صفحہ ۶۵)

اور اپنی موت کا وقت اور سبب اور مقام ان کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ (اصول کافی۔ صفحہ ۱۵۸۔ ۱۵۹)

وہ کیونکر کسی کے خوف سے محتاج و مجبور ہو سکتے ہیں۔ اور ان پر کون اکراہ کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں دونوں آیتوں کے حکم ذات نبوی ﷺ سے متعلق نہیں بلکہ افراد عوام الناس سے متعلق ہیں۔ اور امام قائم مقام نبی کے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ آئتیں کسی طرح امام سے متعلق نہیں ہو سکتیں۔ ورنہ

کوئی باقی نہ رہے گا جو خدا کا صحیح حکم بلا خوف بتلا دے اور حق کو باطل سے جدا کر دے۔ کذافی تنقیح المسائل

ششم۔ حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ نے تقیہ کی گردن ایسی کاٹ دی ہے کہ اگر تقیہ کی فرضیت پھر بھی امامیہ تسلیم کریں گے تو امام موصوف کی شہادت ثابت نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ شیعہ کا تقیہ مزعومی امام علیہ السلام پر واجب تھا۔ اور اس کو ترک کرنا جیسا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ وہ احادیث امامیہ سے معلوم ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دین و ایمان تقیہ کے ساتھ ہے۔ پس جبکہ یزید پلید کا حکم عامل حجاز کے نام آیا تھا۔ کہ امام حسینؑ سے بیعت لے لو۔ اگر بیعت نہ کریں تو تنگ کرکے مجبور کرو اور عامل نے بلوا کر حکم سے اطلاع دی تھی۔ اس وقت ایسے اکراہ و اجبار کی حالت مین مثل عوام امت کے جو منصب اولوالامر امامت و خلافت کا نہ رکھتے ہوں تقیہ کر لیتے۔ اور اس کو دل سے مکروہ جانتے اور بنا بر اصول شیعہ جب امن پاتے نکث بیعت کر لیتے۔ اس طرح سے جان و مال و خاندان و آبرو وغیرہ کا تحفظ بخوبی ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس امام نے حکم حاکم سنتے ہی فوراً بیعت سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ جو ہوا سب کو معلوم ہے۔

دلائل مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ تقیہ مصطلحہ شیعہ باطل ہے۔

خاتمہ

اب ہم تحفہ شیعہ کے حصہ دوم کو بعون و نصرت الٰہی ختم کرتے ہیں۔ اس سے حدیث ثقلین کا جواب مکمل ہو گیا۔ کتاب مصباح الظلم جس کے جواب میں یہ تحفہ لکھا جا رہا ہے۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے۔ "عالی جناب شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب عظیم آبادی بغرض تفتیش و تلاش اسباب و اظہار موجبات کہ منجر بواقعہ ہائلہ قربانی بزرگ اہل بیت رسالت در کربلائے معلے شدند کتاب مستطاب مصباح الظلم و ایضاح البہم را۔سلک تصنیف در آوردند یعنی سیدی امداد امام نے کتاب مصباح الظلم بغرض تفتیش اسباب واقعہ ہائلہ کربلا لکھی ہے۔ مصنف پہلے سنی تھا۔ پھر شیعی امامی ہو گیا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ تیس برس کی تحقیق کے بعد میں جس دین کا پابند ہوں اس کی پابندی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس وقت تک اس سے بہتر دین میری تحقیق میں نہیں آیا۔ (مصباح الظلم صفحہ ۲۲۶)

گویا سید صاحب نے اپنی تیس سالہ تحقیقات کے نتائج اس کتاب میں درج کئے ہیں۔ ہم نے بتوفیق الٰہی جواب میں ثابت کر دکھلایا ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ تحقیق سے کوسوں دور بلکہ مجموعہ اباطیل و مفتریات شیعہ ہے۔

چنانچہ واقعہ کربلا کی نسبت مصنف اپنی تحقیق کا نتیجہ بدین الفاظ لکھتا ہے۔ "سچ ہے کہ اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا۔ لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

چہ خوش فرمود شخصے این لطیفہ۔ کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ (مصباح الظلم۔ صفحہ ۴۱۹)

الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسینؑ بلا گفتگو علت و معلول کی نسبت رکھتے ہیں۔ (مصباح الظلم۔ صفحہ ۴۲۲) اسی طرح قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں لکھتا ہے۔ چون کمیت بن الاسدی حال ابوبکر و عمر را از حضرت امام محمد باقر سوال نمود۔ آنحضرت فرمود ما قطرت قطرة من دمائنا ودماء شیعتنا الا وھی فی اعناقھما الی یوم القیامة و ہمچنین منقول است کہ چون زید بن علی در معرکہ قتال تیر خورد گفت ھما اقامانی فی ھٰذا المقام۔

و یکے از شعرائے فرقہ ناجیہ گفتہ ؂

از عمر ہست اینکہ آئین جفا از پیش اوست
قتل مظلومان دشت کربلا از پیش اوست

و توہم نشود کہ این سخن محض خیالے و مجرد احتمالے ست کہ در ثانی الحال بہ نسبت ادنیٰ مناسبتے رو داده چہ ارباب الباب در مبدء تحقق امثال این اسباب حکم بظہور چنین نتائج و ثمرات مے نمایند و آن را از احکام قطعیہ عقلیہ مے شمارند۔

اس عبارت فارسی کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ خلافت حضرت علیؑ کا حق تھی۔ جسے حضرات شیخین نے غصب کر لیا۔ اور خود خلیفہ بن بیٹھے۔ ان کے تسلط کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اقتدار حاصل ہوا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تسلط سے یزید کو اقتدار حاصل ہوا۔ اور یزید کے تسلط کی وجہ سے واقعہ کربلا پیش آیا۔ اس طرح شہادت امام حسینؑ کا سبب خلافت شیخین ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے خون کا ایک قطرہ بھی جو گرایا گیا ہے یا قیامت تک گرایا جائے گا۔ وہ حضرات شیخین کی گردن پر ہے۔ دوسرے یہ کہ جب زید بن علی بن الحسین نے معرکہ جنگ میں ہشام بن عبد المالک کی فوج کے ہاتھ سے تیر کھایا۔ تو کہا کہ مجھے اس جگہ حضرات شیخین نے کھڑا کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ ایک شیعی شاعر نے کہا ہے۔ کہ واقعہ کربلا عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔ کیونکہ قانون جفا کا موجد وہی ہے۔ چوتھے یہ کہ جب ایسے اسباب مہیا ہو جائیں۔ جو واقعہ سقیفہ کے وقت موجود تھے۔ تو عقلمند لوگ ابتدا ہی میں یہ حکم قطعی و عقلی صادر فرما دیتے ہیں۔ کہ ان اسباب کے نتائج ایسے ہی ہوں گے جیسا

کہ واقعہ کربلا۔

اگر قاضی صاحب کے طرز استدلال و اصول کو تسلیم کیا جائے۔ تو قتل امام حسینؑ کا الزام سب سے پہلے العیاذ باللہ جناب رسالت مآب ﷺ پر عائد ہو گا۔ اصول کافی صفحہ ۲۹۴ میں یہ روایت موجود ہے۔ کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ جبرائیل حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئے۔ اور عرض کی۔ یا محمد ﷺ آپ کو ایک بچہ کی بشارت دیتا ہے۔ جو فاطمہؑ کے بطن مبارک سے ہو گا۔ اور جسے آپ کی امت آپ کے بعد قتل کر دے گی۔ آپ نے جواب دیا اے جبرائیلؑ میرے رب پر سلام مجھے بطن فاطمہؑ سے ایسے بچہ کی ضرورت نہیں جسے امت میرے بعد قتل کر دے گی۔ جبرائیل آسمان پر گئے۔ پھر اترے اور حضرتؑ سے اسی طرح عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔ اے جبرائیل میرے رب پر سلام مجھے ایسے بچہ کی ضرورت نہیں جسے میری امت میرے بعد قتل کر دے گی۔ پس جبرائیلؑ آسمان پر گئے اور پھر اترے اور عرض کی۔ یا محمد ﷺ آپ کا رب آپ سے سلام کہتا ہے۔ اور بشارت دیتا ہے کہ وہ اس مولود کی اولاد میں منصب امامت و ولائت و وصائیت مقرر کرے گا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ بے شک میں راضی ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت ﷺ نے فاطمہؑ کی طرف پیغام بھیجا۔ کہ اللہ مجھے تمہارے بطن سے ایک بچہ کی بشارت دیتا ہے۔ جسے میری امت میرے بعد قتل کر دے گی۔ فاطمہؑ نے کہلا بھیجا۔ کہ مجھے ایسے بچہ کی ضرورت نہیں جسے آپ کی امت میرے بعد قتل کر دے گی۔ اس پر حضرت ﷺ نے فاطمہؑ نے کہلا بھیجا کہ بے شک میں راضی ہو گئی۔ انتہے

اس روایت سے منجملہ دیگر نتائج کے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے۔ کہ امام حسینؑ کے اصلی قاتل العیاذ باللہ رسول اللہ ہیں کیونکہ انہوں نے خلافت کی لالچ میں امام حسینؑ کے قتل پر دستخط کر دیئے۔ اگر آپ ﷺ قتل حسینؑ پر رضامند نہ ہوتے تو جس طرح پہلے دو مرتبہ فرما چکے تھے کہ مجھے ایسے بچہ کی ضرورت نہیں۔ تیسری بار بھی فرما دیتے کہ مجھے اس خلافت کی ضرورت نہیں۔ جو قتل حسین کے معاوضہ میں دی جاتی ہے۔ میں ایسے لالچ کے لئے قتل حسینؑ پر دستخط نہیں کر سکتا۔ آپ چاہے اسے پیدا کیجئے یا نہ کیجئے۔ خلافت دیجئے یا نہ دیجئے۔ خلافت کے لالچ میں قتل حسینؑ پر رضامندی صرف رسول اللہ ﷺ ہی نے ظاہر نہیں کی۔ بلکہ حضرت فاطمہؑ بھی اس میں شریک ہیں۔ جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے۔ پس حضرت فاطمہؑ بھی قاتل حسینؑ ٹھہریں علاوہ ازیں۔ جس اصول سے شیخین کا قاتل حسینؑ ہونا ثابت ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ حضرت علیؑ و امام حسنؑ کا قاتل حسینؑ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ خلافت شیخین کے وقت واقعہ کربلا کا وقوع جس قدر قطعی و عقلی تھا اس سے کہیں زیادہ اس وقت قطعی و عقلی تھا۔ جبکہ حضرت علیؑ نے امامت حضرت امام حسنؑ کے سپرد کی تھی۔ اور امام حسنؑ نے بذریعہ مصالحت اس کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا تھا۔ پس خلافت شیخین اگر کسی درجہ میں واقعہ کربلا کا سبب ہے تو وہ سبب بعید ہے۔ بخلاف حضرت علیؑ کے امام حسنؑ کو خلیفہ بنانے اور امام حسنؑ کے خلافت کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے کے کہ یہ امور بہ نسبت خلافت شیخین کے واقعہ کربلا کے سبب قریب ہیں۔ لہٰذا بر تقدیر تسلیم اصول مذکورہ حضرت علی و امام حسن رضی اللہ عنہ بدرجہ اولیٰ قاتل امام حسینؑ ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ خلافت شیخین کو واقعہ کربلا کی علت قرار دینا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کا اصل سبب خود

شیعہ حسینؑ ہیں۔ جیساکہ ہم اس کتاب میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے اصلی ذمہ دار شیعہ کے اسلاف یعنی منافقین یہود تھے۔ جو بظاہر اہل بیت کی محبت کے مدعی تھے۔ مگر حقیقت میں وہ اہل بیت کے ایسے ہی دشمن تھے جیساکہ دیگر مسلمانوں کے ان کا مقصد صرف تخریب دین اسلام تھا۔ جس کے لئے تقیہ آلہ کار تھا۔ اور زمانہ مابعد میں بھی یہی آلہ کار رہا۔ تقیہ کے بھیس میں وہ سنی کہلائے۔ کبھی محدث کبھی صوفی کبھی فقیہ کبھی مؤرخ کبھی حکومت میں دخیل بنے۔ اور کبھی سینوں کے نام سے کتابیں لکھیں۔ اور کبھی کتب اہل سنت میں الحاقات کئے۔ غرض جس طرح ممکن ہو سکا انہوں نے تخریب دین اسلام اور ترویج مذہب سبائی کا سامان بہم پہنچایا۔ اسی تقیہ کے سہارے وہ ائمہ اہل بیت پر خوب افتراء کیا کرتے تھے۔ جب کسی امام نے اس کی تکذیب کی۔ تو کہہ دیا کہ امام کا یہ انکار تقیہ پر محمول ہے۔ ان منافقین نے جو سلوک حضرت امیرؓ و امام حسنؓ سے کیا وہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جب وہ امام حسنؓ کی خوب تذلیل کر چکے۔ تو امام حسینؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور سوچا کہ آخر یہ بھی اس گھرانے سے ہیں جس نے ہمارا ملک چھینا اور ہمیں قتل و غارت کیا۔ اس لئے انہوں نے پہلے امام حسینؓ کو امام حسنؓ کی حیات میں جبکہ وہ خلع خلافت کر چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ابھارنا چاہا۔ مگر امام حسینؓ نے ٹال دیا۔ اس کے بعد جب امام حسنؓ کا انتقال ہو گیا۔ تو پھر کوشش کی کہ ان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑا دیا جائے۔ مگر امام حسینؓ نے بھی اس وقت وعدہ کر لیا۔ جب یزید بر سر حکومت ہوا تو ان ظالموں نے پھر امام کو خط پر خط لکھے اور اپنی وفاداری کا اطمینان دلایا۔ قصہ کوتاہ انہوں نے امام حسینؓ کو بلا کر عین وقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور حضرت امام اور آپ کے ساتھی شیعیان کوفہ کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

اس بیان کی تصدیق سید مرتضٰی علم الھدیٰ کی اس تقریر سے ہوتی ہے۔ جو کتاب تنزیہ الانبیاء میں درج ہے اور جسے سید محمد مجتہد صاحب نے تشیید المبانی میں نقل کیا ہے۔ وہ تقریر یہ ہے۔

سیدنا ابو عبداللّٰہ صلوٰۃ اللّٰہ علیہ لم یسر الی الکوفۃ الابعد توثق من القوم وعقو دو عھو دو بعد ان کاتبوہ طائعین غیر مکرھین و مبتدئین غیر مجیبین وقد کانت المکاتبۃ من وجوہ اھل الکوفۃ واشرافھا..... تقدمت الیہ فی ایام معاویۃ وبعد الصلح الواقعۃ بینہ وبین الحسن علیہ السلام فدفعھم فی الجواب ماوجب ثم کاتبوہ بعد وفات الحسن و معاویۃ باق فرعدھم ومناھم وکانت ایام معاویۃ صعبۃ لا یطمع فی مثلھا فلما مضی معاویۃ واعادوا المکاتبۃ وبذلوا الطاعۃ وکرروا الطلب والرغبۃ رای من قوتھم علی من کان بینھم فی الحال من قبل یزید و تھجمھم علیہ وضعفہ عنہ ماقوی فی ظنہ ان المسیر ھوا لواجب فقد تعین علیہ ما فعلہ من الاجتھاد والتثبت ولم یکن فی حسبانہ ان القوم یغدر بعضھم ویضعف اھل الحق عن نصرتہ ویتفق من الامور العربیۃ۔

ترجمہ: ''یعنی امام حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف تب ہی روانہ ہوئے جبکہ انہوں نے اہل کوفہ کی طرف سے پورا اطمینان کر لیا تھا۔ اور ان سے عہد و پیان لے لئے تھے۔ اور جبکہ انہوں نے بخوشی بلا جبر و اکراہ اور خود اپنی طرف سے نہ کہ امام حسینؓ کی درخواست پر امام کو خطوط لکھے تھے۔ حالانکہ سرداران و اشراف اہل کوفہ (امام حسنؓ کی حیات میں) واقعہ صلح کے بعد عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں امام حسینؓ سے خط و کتابت کر چکے تھے۔ اور امام نے ان کو مناسب جواب دے کر ٹال دیا تھا۔ اس کے بعد امام حسنؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں انہوں نے دوبارہ امام حسینؓ سے خط و کتابت کی تھی جس کے جواب میں امام ان سے وعدہ کر چکے تھے اور ان کو امیدوار کر چکے تھے۔ مگر اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت اس واسطے نہ کی تھی کہ وہ زمانہ سخت تھا اس میں کامیابی کی امید نہ ہو سکتی تھی۔ پس جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اور انہوں نے پھر خط و کتابت کی اور اطاعت قبول کی اور بار بار طلبی اور خواہش کا اظہار کیا اور امام نے دیکھا کہ وہ یزید کے گورنر کوفہ سے زبردست ہیں اور اس پر حملہ آور ہو سکتے ہیں اور وہ ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتا۔ جس سے آپ کو گمان غالب ہو گیا۔ کہ چلنا ہی واجب ہے تو اس وقت اجتہاد و تثبت جو آپ نے کیا آپ پر لازم تھا۔ اور آپ کے گمان میں یہ امر نہ تھا۔ کہ بعض اہل کوفہ آپ سے بیوفائی کریں گے۔ اور اہل حق آپ کی نصرت سے قاصر رہیں گے۔ اور عجیب عجیب واقعات پیش آئیں گے۔ (انتہیٰ)

یہ اسباب واقعہ کربلا کی تحقیق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

هٰذا وَاٰخِرُ دَعْوَنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ

تمت بالخیر

ملفوظات خواجہ محمد نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مفتاح العاشقین

مرتبہ

حضرت خواجہ محب اللہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ

تدوین و تہذیب

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

نوری کتب خانہ ۔ لاہور

نقابت خطابت کا ایک نیا انداز

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

نوری کتب خانہ ۔ لاہور
نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن